الصارم المسلول علی شاتم الرسول

مسئلہ توہین رسالت اور اس کے جملہ مباحث پر مشتمل معرکہ آرا تصنیف

مؤلف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

پروفیسر غلام احمد حریری

تحقیق و نظر ثانی

حافظ شاہد محمود

فاضل مدینہ یونیورسٹی

مکتبہ قدوسیہ

مسئلہ توہین رسالت اور اس کے جملہ مباحث پر مشتمل معرکہ آراء تصنیف

الصّارم المسلول علی شاتم الرّسول

مؤلف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

پروفیسر غلام احمد حریری

تحقیق و نظر ثانی

حافظ شاہد محمود

فاضل مدینہ یونیورسٹی

تخریج:

محمد بن عبداللہ بن عمر الحلوانی ۔ محمد کبیر چودھری

مکتبہ قدوسیہ

فہرست

مسئلہ ثانیہ

مسئلہ سوم

مسئلہ چہارم

حرفِ آغاز

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہے کہ اس نے ناموسِ رسالت کے مسئلے پر شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی معرکہ آراء تصنیف "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" کی اشاعت کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اکیسویں صدی عیسوی میں "جدید جہالت" نے آزادی اظہار کی آڑ میں انبیا کرام کو بالعموم اور پیغمبر آخر الزمان نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص اپنا ہدف بنالیا ہے۔ انسانیت کے درد میں مبتلا یورپ فخر انسانیت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزا کو انسانی حق قرار دے رہا ہے۔ الحمد للہ! ملت اسلامیہ نے تمام تر داخلی انتشار اور تفرقے میں مبتلا ہونے کے باوجود ثابت کر دیا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر کسی قسم کا سمجھوتا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی بنیاد ہے۔

حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو اس عالم رنگ و بو سے رخصت ہوئے سات سو برس ہو چکے ہیں۔ اسلام دشمن قوتوں کے حربوں کی وجہ سے آج ایک بار پھر ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دوہرا رہی ہے۔ ان حالات میں "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" کی ہر زندہ زبان میں اشاعت وقت کا ناگزیر تقاضا ہے، تاکہ دنیا کو پتا چل سکے کہ "حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم" اہل اسلام کے لیے کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ اپنے موضوع پر اس بے مثال کتاب میں حضرت امام رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے تمام مباحث کو عالمانہ اسلوب میں حل فرما دیا ہے۔ یہ ایسی زندہ و جاوید تصنیف ہے جسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ یورپ کے گستاخ خاکہ نویسوں اور کارٹون بنانے والوں کے خلاف ہی لکھی گئی ہے۔

9/11 کے بعد دنیا کا ماحول تبدیل ہو چکا ہے۔ اسلام اور غیر اسلام کے مابین کشمکش روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ غیر مسلم قوتیں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے افکار اور ان کے نظریات کو اپنے لیے بہت بڑا خطرہ قرار دے رہی ہیں جیسا کہ مغربی دانشور اس کا علی الاعلان اظہار بھی کر چکے ہیں، جب کہ مسلمانوں میں وہ لوگ جو اہل مغرب کو کھٹکتے ہیں، وہ رہنمائی کے لیے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے افکار سے رجوع کر رہے ہیں۔ اسلامی تحریکوں کا مرجع حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نظریات اور منہج ہے۔ عالم اسلام میں بیداری کی جو لہر نظر آ رہی ہے، اس کی گہرائی میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی فکر کار فرما ہے۔ وہ بلا شبہ ایک ہمہ گیر شخصیت تھے۔ ان کی شخصیت کی جہتیں اور ان کے علم کی وسعتیں اکناف عالم تک پہنچ چکی ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک ہیرو کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسلامی دنیا بالخصوص عالم عرب میں حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے متعلق غیر معمولی تحقیقی کام سامنے آ چکا ہے اور ان کے افکار و علوم کی بھرپور انداز میں ترویج و اشاعت ہو رہی ہے۔

آخری بات!

کچھ عرصہ قبل کی بات ہے، ایک روز اچانک ایک خیال دل میں آیا۔ نکتہ یہ تھا کہ نبی رحمت ﷺ بنی نوع انسان پر اللہ رب العزت کا احسان اور نعمت ہیں۔ ساری امت اگر مل کر بھی چاہے تو آپ ﷺ کا حق ادا نہیں کرسکتی۔ لیکن جو لوگ نشر واشاعت کے شعبے سے منسلک ہیں وہ یہ تو کر سکتے ہیں کہ لوگوں کو ناموس رسالت کے مسئلے کی اہمیت سے آگاہ کریں۔ یہ خیال ذہن میں اس حد تک راسخ ہو گیا کہ پھر کوئی دوسرا خیال دل و دماغ میں جگہ نہ بنا سکا۔ لمحہ بھر میں یہ فیصلہ کر لیا کہ حالات کے موجودہ تناظر میں ناموس رسالت ﷺ کی خدمت کا ایک بہترین طریقہ "الصارم المسلول" کی اشاعت ہے۔ ویسے بھی میری پرانی آرزو تھی کہ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ عظیم کتاب شائع کی جائے۔ میری لائبریری میں حضرت مولانا غلام احمد حریری کا ترجمہ موجود تھا۔ اب کسی ایسے صاحب علم کی تلاش تھی جو اس ترجمے کو جدید اسلوب میں ڈھال سکے۔ قرعہ فال جناب حافظ شاہد محمود (فاضل مدینہ یونیورسٹی) کے نام نکلا۔ اس دوران ہمیں خبر ملی کہ عالم عرب سے اس کتاب کا جدید تحقیق کے ساتھ تین جلدوں پر مشتمل ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔ ابلاغ کی فراوانی اور وسعت کے باوجود اس کتاب کے حصول میں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ محترم مولانا ابو سیف مدرس مرکز طیبہ مرید کے کی شان دار لائبریری میں یہ نسخہ موجود تھا۔ انہوں نے اس کی فوٹو سٹیٹ عنایت فرمائی۔

الحمد للہ! ترجمے پر نظر ثانی اور تحقیق و تخریج کے بعد یہ کتاب قارئین کے سامنے ہے۔ بارگاہ رب العالمین میں دعا ہے کہ ہماری یہ کاوش شرف قبولیت سے ہم کنار ہو۔ اللہ رب العزت خوب جانتے ہیں کہ اس کتاب کی اشاعت کا پس منظر کیا ہے اور ہم نے یہ کتاب کس نیت سے شائع کی۔ ہمیں ان کی بے پایاں رحمت سے امید ہے کہ روز آخرت نبی رحمت ﷺ کی ناموس کی حفاظت کے لیے ہماری یہ ادنیٰ سی کاوش ہمارے لیے شفاعت نبوی کا موجب ہوگی۔ ان شاء اللہ

اللہ رب العزت حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں نبی رحمت ﷺ کی معیت نصیب فرمائیں۔ ان کی تربت پر اپنی ان گنت رحمتوں کا نزول فرمائیں۔ انھوں نے محبت نبوی ﷺ کے جذبے سے سرشار ہو کر یہ کتاب لکھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ عظیم کوشش ان کے لیے بلندی درجات کا سبب بنائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

ابوبکر قدوسی

۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

الحمد لله ذي الجلال والإكرام، وعلىٰ رسوله أفضل الصلوٰة والسلام،
ثم علىٰ آله وصحبه خيرة الأنام ومصابيح الظلام:

حمد وصلوٰۃ کے بعد! یہ کتاب "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول" شیخ الاسلام امام ابو العباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام المعروف ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصانیف میں سے ایک ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصانیف کا علمی وادبی پایہ اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے کہ ان کو شہرت دی جائے یا ان کی مدح وستائش کی جائے۔ اس لیے کہ خداوند کریم نے انھیں جس زورِ بیان، وسعتِ مطالعہ، قوتِ حافظہ اور قدرتِ اظہار وبیان کے ساتھ ساتھ فصاحت وبلاغت اور طلاقتِ لسانی سے نوازا تھا کہ اگر اسے دسیوں علماء پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لیے کافی ہو جائے، اور اُن میں سے ہر ایک اس قدر عظیم وجلیل عالم ہو جائے کہ اُس کی طرف اُنگلیوں سے اشارہ کیا جا سکے۔

مزید برآں (وہابِ حقیقی نے) انھیں جو صبر وتحمل، محنت وکاوش، حبِّ علم اور اس کے افادہ کا ذوق وشوق، طلبِ علم کی راہ میں حوادث وآلام کو برداشت کرنے اور لوگوں کو اس سے بہرہ ور کرنے کا جو ملکہ آپ کو عطا کیا تھا وہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ آپ دینِ الٰہی کے جس قدر حریص تھے، خدا کے داعی کی دعوت پر لبیک کہنے میں جو عجلت آپ کو پسند تھی، اپنے علم وفضل کی تشہیر سے آپ جس قدر گریزاں تھے، خدا کے عطا کردہ علم کو چھپانے سے آپ جس قدر خائف اور ہراساں رہتے تھے، اُس کا عُشرِ عشیر علمائے کبار اور یکتائے روزگار کے لیے کافی تھا۔

پھر لوگوں نے آپ کی ذات کو جس محبت اور توجہ کا مرکز بنایا اور اس توجہ میں اپنے آپ کو فنا کر دیا، اس سے کم درجہ کی محبت بھی ایک داعی الی اللہ کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ وہ کسی ضعف وعجز اور کسی پر بھروسہ کیے بغیر دعوت کے کام کو جاری وساری رکھے اور اس راہ کی صعوبات کو کشادہ دلی اور اطمینانِ قلب کے ساتھ برداشت کرتا چلا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصانیف کتاب وسنت کے مباحثِ نادرہ، مسائلِ

عجیبہ اور دلائلِ واضح کا گنجینہ ہیں۔ آپ نے ہر فن و مذہب میں علماء کے اقوال اور قواعدِ اصول کو نہایت واضح عبارت اور خوبصورت اسلوبِ نگارش میں یکجا کر دیا۔ کائناتِ ارضی کے کونہ کونہ سے آپ کے پاس سوالات آتے، جونہی کوئی سوال آپ کے پاس آتا آپ اُس کا جواب لکھنے کے لیے متوجہ ہوتے اور چند ہی راتوں کے بعد ایک نادر رسالہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو جاتا جو موضوع زیرِ بحث کے جملہ اطراف پر حاوی ہوتا اور اس میں کسی لحاظ سے کوئی نقص وعیب نہ ہوتا۔ آپ کا اندازِ استدلال اس قدر محیر العقول ہوتا کہ بڑے بڑے اصحابِ عقل وخرد مبہوت ہو کر رہ جاتے، اور مثل مشہور ہے کہ جس کے پاس چونا اور اینٹیں ہوں وہ عمارت تعمیر کر ہی لیتا ہے۔

یہ کتاب "الصّارم المسلول علیٰ شاتم الرسول" ہے جس کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک حادثہ کے بعد تصنیف کیا تھا جو آپ کے زمانہ میں رونما ہوا۔ آپ نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا جو کم از کم حق آپ پر ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے والا جس سزا کا مستحق ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، اس کو مع متعلقہ احکام ومسائل صفحۂ قرطاس پر لایا جائے، مزید برآں اس ضمن میں تمام حِکَم ودلائل اور مستحضر اقوال کو پیش کر دیا جائے، اس کے ساتھ ساتھ اس کے اسباب و علل کو ذکر کیا جائے اور جس چیز پر اعتماد واجب ہے اس پر روشنی ڈالی جائے، اس لیے کہ ایک مسلم پر جو چیز کم از کم واجب ہے وہ رسول اکرم ﷺ کی تائید وحمایت ہے اور یہ کہ ہر موقع اور مقام پر رسول کریم ﷺ کو اپنے نفس ومال پر ترجیح دے اور ہر ایذا دینے والے سے آپ کی عزت کو محفوظ رکھے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو لوگوں کی نصرت وحمایت سے بے نیاز کر دیا ہے، تاہم اس کے ضروری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بعض مخلوقات کو بعض کے ذریعے آزمائے اور اس امر کا اظہار واعلان کر دے کہ کون اس کے رُسل وانبیاء کی اُن کی عدم موجودگی میں نصرت وحمایت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔

اس کتاب کا نام "الصّارم المسلول علیٰ شاتم الرسول" (رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے والے پر شمشیر برہنہ) ہے اور تمھارے لیے یہ بات کافی کہ یہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی تصانیف میں سے ہے جن کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ جس موضوع پر لکھتے ہیں اُس میں کہنے والے کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کتاب سے نفع پہنچائے اور اس کے مصنف کی برکات سے بہرہ ور کرے۔ آمین

محمد محی الدین عبد الحمید

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

نام ونسب:

الإمام، القدوة، العالم، الزاهد، داعي إلى الله، اپنے علم وفضل سے دنیا کو بھر دینے والے، شیخ الاسلام ومفتی الانام، ناصر دین، محی السنّة، احمد بن عبد الحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ المعروف بابن تیمیہ الحرانی نزیل دِمشق، صاحب تصانیف کثیرہ غیر مسبوقہ۔

ولادت وطفولیت:

آپ ربیع الاوّل ۶۶۱ھ کو بروز سوموار حران میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد اور دیگر اہل خانہ کے ہمراہ دِمشق آئے۔ اپنے عصر وعہد کے حفاظِ حدیث واکابر علماء سے درسِ حدیث لیا اور اس کام کو برسوں جاری رکھا۔ جو چیز سنتے اُسے حافظہ میں محفوظ کر لیتے۔ قلبِ بیدار، روشن طبع اور بصیرتِ ناقدہ سے بہرہ ور تھے۔ جہد وسعی، کدوکاوش اور تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ جاری رکھا حتیٰ کہ تفسیر اور اس کے متعلقات میں یگانہ روزگار بن گئے۔ فقہ میں وہ مقام حاصل کیا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے عصر وعہد کے ان فقہاء سے زیادہ فقہ جانتے تھے جو اس فقہ کے حامل اور اُس فقہی مسلک پر عامل تھے۔

بایں ہمہ وہ وجوہِ اختلاف اور اس کے مآخذ وادلّہ کے عظیم عالم، اصول وفروع کے ماہر، نحوی، لغوی اور دیگر علومِ نقلیہ وعقلیہ کے یکتائے روزگار عالم تھے۔ جو شخص بھی اُن سے کسی فن پر گفتگو کرتا یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ وہ اس فن میں منفرد اور یگانہ ہیں، اور اس کے اسرار ورموز اور غوامض کو اُن سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں اور علمِ حدیث کے تو وہ علم بردار اور حافظ تھے ہی، آپ احادیثِ صحیحہ وسقیمہ میں امتیاز کرنے والے، اُس کے رجال ورواۃ کے عارف اور قوت وضعف کے لحاظ سے اُس کے درجات ومراتب سے آگاہ وآشنا تھے۔ حدیث کے جملہ علوم وفنون میں اُن کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مدح وستائش:

آپ کے ہم عصر بیشتر علماء نے آپ کے علوم وفضائل کو خراج تحسین پیش کیا ہے، مثلاً ابن

دقیق العید، ابن النحاس، ابن الزملکانی، ابن الحریری الحنفی قاضی قضاۃ مصر وغیرھم۔

ابن الزملکانی اُن کے بارے میں فرماتے ہیں:

''آپ کی ذات میں جملہ شروطِ اجتہاد یکجا ہو گئے تھے۔ آپ حسنِ تصنیف، جودتِ عبادت، ترتیب و تقسیم اور توضیح و تبیین میں عدیم المثال تھے۔''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصانیف پر موصوف نے یہ اشعار رقم کیے ہیں:

ما ذا يقول الواصفون له وصفاته جلّت عن الحصر

''اس کی تعریف کرنے والے اسے کیا کہیں گے جب کہ اُس کے اوصاف ان گنت ہیں۔''

هو حجة لله قاهرة هو بيننا أعجوبة الدهر

''وہ اللہ کی حجت قاہرہ ہے، وہ ہمارے درمیان زمانے کا اعجوبہ ہے۔''

هو آية في الخلق ظاهرة أنوارها أربت على الفجر

''وہ مخلوقات میں خدا کی ظاہر نشانی ہیں اور اس کے انوار فجر سے بھی بڑھ گئے ہیں۔''

ابن شاکر نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں الزملکانی کا مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے:

''جب اُن سے کسی فن کے بارے میں سوال کیا جاتا تو دیکھنے سننے والے یہ سمجھتے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس فن کے سوا دوسرا کوئی علم نہیں جانتے۔ وہ شخص یہ فیصلہ صادر کرتا کہ کوئی دوسرا شخص اس علم کو ان کی طرح نہیں جانتا۔ تمام مسالک کے فقہاء جب ان کے پاس بیٹھتے تو اپنے مذاہب کے بارے میں ان سے استفادہ کرتے جو انہیں قبل ازیں معلوم نہ ہوتا۔ اُن کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انھوں نے کسی سے مناظرہ کیا ہو اور خاموش ہو گئے ہوں، وہ جب بھی کسی فن کے بارے میں گفتگو کرتے، خواہ وہ شرعی ہو یا غیر شرعی، تو اُس فن کے دعوے داروں سے، جن کی طرف وہ علم منسوب ہے، گوئے سبقت لے جاتے۔ حسنِ تصنیف، تزئینِ عبارت، ترتیب و تقسیم اور توضیحِ مطالب میں وہ ید طولیٰ رکھتے تھے۔''

مشہور محدث حافظ ذہبی اُن کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ذہانت و فطانت اور سُرعتِ ادراک کی آخری حد کو پہنچے ہوئے تھے، علومِ کتاب و سنت اور خلافیات میں آپ رئیس العلماء تھے، نقلی علوم میں آپ بحرِ ذخار اور علم و زہد، شجاعت، جُود و کرم، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور کثرتِ تصانیف میں یکتائے روز

گار تھے۔ اگر علم تفسیر کا تذکرہ چھڑ جائے تو آپ اُس کے علم بردار تھے اور اگر فقہاء کو شمار کیا جانے لگے تو آپ اُن میں مجتہدِ مطلق کے درجہ پر فائز تھے، اگر حفاظ بزم آراء ہوتے تو وہ گونگے ہو جاتے اور آپ بولتے، اُن کے اقوال کو ردّ کر کے انہیں مایوس کر دیتے، اور اگر ابن سینا مجلس نشین ہو کر فلاسفہ کو آگے بڑھانے لگے تو آپ انہیں ناکام و نامراد بنا دیتے، اُن کے عیوب و نقائص کو طشت ازبام کرتے اور اُن کے معائب کی پردہ دری کرتے، آپ عربیت اور صرف و نحو میں ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے۔ میری زبان اُن کی مدح و ستائش سے قاصر اور میرا قلم اُن کی تحسین سے عاجز ہے، اس لیے اُن کی حیات و سیرت، اُن کے بحوث و معارف اور طلبِ علم میں اُن کے اسفار مجیدہ دو جلدوں میں سما سکتے ہیں۔''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید محمد بن شاکر صاحبِ ''فوات الوفیات'' (المتوفی ۷۶۴ھ) لکھتے ہیں

''ہمارے اُستاد مکرم تقی الدین، امام ربانی، امام الائمہ، مفتی الامۃ، بحر العلوم، سیّد الحفاظ، فارس المعانی و الالفاظ، فرید العصر، رئیس الدہر، شیخ الاسلام، قدوۃ الانام، علّامۃ الزمان، ترجمان القرآن، علَم الزہاد، اوحد العباد، قامع المبتدعین اور آخر المجتہدین تھے۔''

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ابن تیمیہ رحمہ اللہ مخالفین کے لیے شمشیر برہنہ، بدعتیوں کے حلق میں کھٹکتا خار اور اظہارِ حق اور نصرتِ دین کے امام تھے۔ دیار و بلاد میں ہر جگہ آپ کا نام گونجتا تھا اور عصور و ازمنہ آپ کا نظیر و مثیل پیش کرنے میں بخیل تھے۔''

حافظ ابو الحجاج مزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میری آنکھوں نے آپ جیسا عالم نہیں دیکھا اور خود انہوں نے بھی اپنا نظیر و مثیل نہیں دیکھا، میں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول کا اُن سے بڑا عالم اور اُن سے زیادہ متبع رُوئے زمین پر کہیں نہیں پایا۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا خاندان:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے علم کا ورثہ کسی کلالہ (جس کا والد اور اولاد نہ ہو) سے نہیں پایا بلکہ آپ کا خاندان علم، دین، فقہ، اِفتا، زُہد، عبادت اور جہاد کا خانوادہ تھا۔

آپ کے والد:

ابن کثیر اُن کے بارے میں اپنی تاریخ (البدایہ والنہایہ) میں رقمطراز ہیں:

''ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے والد عبدالحلیم ہمارے استاد مکرم بہت بڑے امام، علّامہ اور مفتی تھے۔ آپ کا نام عبدالحلیم، کنیت ابو المحاسن اور لقب شہاب الدین تھا۔ یہ اُن شیوخ میں سے ہیں جن سے اُن کے بیٹے احمد (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے استفادہ کیا۔ الشیخ عبدالحلیم نے اپنے والد شیخ الاسلام عبدالسلام بن عبداللہ ابو البرکات المعروف بابن تیمیہ رحمہ اللہ سے اخذ واستفادہ کیا۔''

حافظ ذہبی عبدالحلیم (والد ابن تیمیہ رحمہ اللہ) کے بارے میں لکھتے ہیں:

''انھوں نے اپنے والد سے حنبلی فقہ پڑھی حتی کہ اس میں مہارت حاصل کی، اس کے ساتھ ساتھ درس وتدریس، فتویٰ نویسی اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے حتی کہ اپنے والد کے بعد شیخ البلد اور وہاں کہ خطیب اور حاکم قرار پائے۔ آپ بہت بڑے امام، محقق اور کثیر الفنون تھے، علم الفرائض، حساب، ہیئت اور دیگر علوم دینیہ میں ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے، مزید برآں آپ منکسر مزاج، خلیق، جود پیشہ اور اپنے عصر وعہد کی ایک گراں قدر شخصیت تھے۔''

حافظ البرزالی اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شیخ عبدالحلیم اپنے زمانہ میں شیخ الحنابلہ تھے۔ آپ نے دِمَشق کے دار الحدیث السکریہ کی بنا رکھی اور اسی میں قیام پذیر تھے۔ جامع مسجد میں آپ جمعہ کے روز ایک کرسی پر براجمان ہو کر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ جب وفات پائی تو اُن کے بیٹے ابو العباس (ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ) اُن کے جانشین قرار پائے۔''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دادا:

آپ کے دادا مجد الدین، شیخ الاسلام ابو البرکات عبدالسلام بن عبداللہ بن الخضر اکابر حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ ۵۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۵۲ھ میں وفات پائی۔ مشہور نحوی ابن مالک اُن کے بارے میں فرماتے ہیں:

''شیخ مجد الدین کے لیے فقہ کو اس طرح نرم بنادیا گیا تھا جس طرح داود علیہ السلام کے لیے لوہے کو۔''

الشیخ نجم الدین بن حمدان صاحبِ کتاب ''الرعایۃ فی تراجم شیوخ حران'' فرماتے ہیں:
مجد الدین فقہ حنابلہ اور دیگر علوم میں مہارتِ تامّہ رکھتے تھے۔ میں نے اُن کے ساتھ متعدد مرتبہ مباحثہ ومناظرہ کیا۔''

حافظ عزّ الدین الشریف ان کے بارے میں فرماتے ہیں:
''حجاز، عراق، شام اور اپنے شہر حرّان میں حدیث پڑھاتے رہے۔ ساتھ ساتھ شغلِ تصنیف وتالیف بھی جاری رکھتے تھے۔ یہ اپنے وقت کے اکابر علماء میں سے تھے۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:
''ہمارے استادِ محترم احمد بن عبدالحلیم نے فرمایا: ہمارے دادا احادیث کے حفظ وسماع میں عجیب ملکہ رکھتے تھے، وہ بلا محنت وکاوش دوسرے لوگوں کے مذاہب ومسالک پر حاوی ہو جایا کرتے تھے۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:
''شیخ مجد الدین اپنے عصر وعہد میں عدیم النظیر تھے۔ فقہ واصول کے رئیس اور حدیث اور اس کے معانی میں سب پر فائق تھے۔ قراءت وتفسیر میں آپ یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ متعدد کتب تصنیف کیں، آپ کا علمی شہرہ دور دور تک پہنچ گیا تھا۔ فقۂ حنابلہ میں یکتائے روزگار تھے۔ ذکاوت وفطانت میں بے مثل اور دیانت وتقویٰ میں جواب نہ رکھتے تھے۔''

ابن شاکر اُن کے بارے میں فرماتے ہیں:
''البرہان المراغی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ملاقات میں اُن کے سامنے ایک علمی نکتہ پیش کیا، مجد الدین نے یک صد طریق سے اس کا جواب دیا، یعنی یوں کہ پہلی وجہ، دوسری وجہ علیٰ ہٰذا القیاس، پھر بُرہان سے کہا: ''آپ کے لیے لوٹ جانا بہتر ہے''، شیخ برہان نے لاجواب ہو کر اسے تسلیم کر لیا۔''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی دادی:

السیدہ بدرہ بنت فخر الدین ابی عبد اللہ محمد بن الخضر، جن کی کنیت اُم البدر تھی، آپ کی دادی تھیں۔ آپ ضیاء الدین بن الخریف سے اجازت حاصل کر کے حدیثیں روایت کیا کرتی تھیں۔ یہ امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے دادا عبدالسلام بن الخضر کی بیوی تھیں۔ اپنے شوہر سے صرف ایک روز قبل وفات پائی۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دادا کے چچا کا نام امام فخر الدین یا عبداللہ محمد بن الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ بن تیمیہ تھا۔ یہ حنبلی فقیہ، عظیم قاری، واعظ اور حران کے شیخ اور خطیب تھے۔ طلبِ علم کے لیے بغداد کا سفر کیا اور وہاں حدیث وفقہ کا درس لیا۔ (مشہور محدث) ابن الجوزی سے وابستہ رہے اور ان کی بکثرت تصانیف اُن سے سُنیں اور پھر تدریس کا ڈول ڈالا۔ یہ تفسیرِ قرآن میں نہایت ماہر، نہایت ثقہ فاضل، صحیح السماع، خلیق، صِدق مقال اور دیندار تھے۔ متعدد کتب تصنیف کیں، اُن میں سے تفسیر کبیر تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ شعبان ۵۴۲ھ کو حران میں پیدا ہوئے اور وہیں بروز جمعرات ۱۰ر صفر ۶۲۴ھ میں وفات پائی۔

اگر ہم آلِ تیمیہ کے اکابر اہلِ علم کے احوال واوصاف کا تذکرہ چھیڑ دیں تو بات طویل بھی ہو گی اور اُس کے طُرق بھی متنوع ہو گے۔ ہم اس مختصر مقدمہ کو طویل کر کے اس کے قاری کو پریشان نہیں کرنا چاہتے۔ اس ضمن میں تجسس احوال اور استقصاء واستیعاب کے لیے دوسرا موقع موزوں تر ہو گا۔

جس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے اسلاف سے علم سے محبت ورغبت کا ورثہ پایا تھا اسی طرح زہد وتقویٰ، تضرع الی اللہ اور دین بھی ان کو ورثہ میں ملا تھا۔ کتب، تراجم اور مؤرخینِ اسلام کے بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ

سیرت وحیات کی پاکیزگی:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کامل تصوف، پاکیزگی اور شوق عبادت کے دامن میں نشو ونما پائی تھی۔ آپ نے خورد ونوش اور لباس کے معاملہ میں میانہ روی کو اپنایا تھا۔ آپ ہمیشہ اپنے اخلاق میں صالح، والدین کے اطاعت شعار، متقی، عابد وزاہد، صوام وقوام اور ہر حال میں ذکرِ الٰہی کے دلدادہ تھے۔ آپ ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والے، اوامر ونواہی کے پابند، دوسروں کو نیکی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے تھے۔ آپ علم ومطالعہ سے کبھی سیر نہ ہوتے، نہ ہی علمی مباحث سے آپ میں بیزاری اور اکتاہٹ کا احساس کروٹ لیتا، بہت کم ایسا ہوتا کہ آپ علم کے کسی دروازہ سے داخل ہوں اور اس میں ایک دروازہ سے آپ پر علم کی نئی نئی شاہراہیں نہ کھلیں، اُس علم کے ماہرین سے جو باتیں رہ گئی تھیں اور اُن تک ان کی رسائی نہ ہوئی آپ نے اُن کی ٹوہ لگائی۔ بچپن ہی سے علمی مجالس میں حاضری اُن کا شیوہ تھا۔ آپ اُن مجالس میں گویا ہوتے، علمی مباحث میں شرکت کرتے اور بڑے بڑوں کو آپ کے سامنے یارائے تکلم نہ ہوتا۔ بحرِ علم میں شناوری کر کے ایسے نایاب موتی نکالتے کہ

عوام تو کیا خواص بھی حیرت زدہ رہ جاتے۔ سترہ (۱۷) سال کی عمر میں فتویٰ نویسی کی طرح ڈالی اور اُسی وقت سے جمع وتالیف کا آغاز کر دیا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اعداء وخصوم:

حکمتِ ایزدی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ لوگوں میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فضل وشرف عام ہو اور آپ کا ذکرِ جمیل کائنات میں پھیلے پھولے؛ اس لیے اس نے شیخ کے خلاف حسد وبغض کو زبان دے دی اور جاہ ومنصب کے طالبوں نے اپنے نفوس کو انکے خلاف زبان درازی اور دُشنام طرازی کے لیے وقف کر دیا، چنانچہ اس نیش زنی اور اذیت رسانی کا سلسلہ جاری رہا اور ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں میں کمی نہ آتی، ضرر رسانی کے یہ منصوبے بعض اوقات خفیہ ہوتے اور بعض اوقات کھل کر سامنے آجاتے۔ یہ اعداء وخصوم آپ کے قدموں کے نیچے عمیق گڑھے کھودتے جو عداوت کے سانپوں سے لبریز اور بغض کے بچھوؤں سے پُر ہوتے تھے کہ آپ ان میں گر کر ہلاک ہو جائیں مگر ان کو خاطر میں لائے بغیر آپ اپنی راہ پر گامزن رہے۔ جس کو اللہ نے ان کے لیے پسند کیا تھا اور اُن کے لیے اس کے اسباب و وسائل مہیا کر دیے تھے۔ ان کی اذیت رسانی پر آپ صبر کرتے اور اللہ سے اس کے اجر و ثواب کی آس لگائے رہتے، نہ کبھی تھکتے، نہ دل ہارتے، نہ کسی کے سامنے جھکتے۔

آپ نے نہ کبھی حوصلہ ہارا اور نہ کبھی آپ کی عزیمت میں فرق آیا۔ سرکشوں کی باغیانہ زجرو توبیخ آپ پر کبھی اثر انداز نہ ہو سکی اور نہ کبھی جیل خانہ کی تاریکیوں اور قید وبند کی صعوبتوں نے آپ کی عزیمت کو ضعف وعجز سے ہمکنار کیا، یہاں تک کہ امرِ خداوندی آگیا۔ اجل مقدر نے آپ کے دروازہ پر دستک دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے جوارِ اقدس میں بلالیا۔ جب یہ آخری وقت آیا تو آپ دِمشق کے قلعہ میں محبوس تھے، سوموار کی رات تھی، ذی القعدہ کی بیس تاریخ اور ۷۲۸ھ کا سال تھا جب آپ اعلیٰ عِلیین میں راحت گزیں ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں آپ پر، وہ آپ سے راضی ہو اور ان کو راضی کرے اور اپنے دینِ حنیف اور سنتِ نبوی ﷺ کی طرف سے انہیں ایسی جزائے خیر دے جو اس امت کے باعمل علماء کو اس کی طرف سے دی جائے گی۔ (آمین)

غلام احمد حریری

خطبۂ مؤلف

قال الشيخ، الإمام، العلامة، شيخ الإسلام تقي الدين أبو العباس أحمد بن تيمية الحرّاني، قدس اللّٰه روحه، ونور ضريحه:

الحمد للّٰهِ الهادي النَّصِير، فنعم النصير ونعم الهاد، الذي يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم، ويبين له سبل الرشاد، كما هدى الذين آمنوا لما اختلف فيه من الحق، وجمع لهم الهدى والسّداد، والذي ينصر رسله والذين آمنوا في الحياة الدنيا ويوم يقوم الأشهاد كما وعده في كتابه، وهو الصّادق الذي لا يخلف الميعاد، والصلوٰة والسّلام علىٰ النبي ورحمة اللّٰه وبركاته أفضل تحيّة وأحسنها وأولاها وأبركها وأطيبها وأزكاها، صلاة وسلاما دائمين إلىٰ يوم التناد، باقيين بعد ذلك أبدا، رزقا من اللّٰه ما له من نفاد. أما بعد:

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی محمد ﷺ کے ذریعے ہدایت سے نوازا اور آپ ﷺ کی وجہ سے ہمیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لایا، اور آپ ﷺ کی رسالت کی برکت وسعادت کے سبب ہمیں دنیا اور آخرت کی خیر سے بہرہ ور کیا۔ آپ ﷺ اپنے رب کی طرف سے اُس منصبِ عالی پر فائز تھے کہ عقول والسنہ اس کی معرفت اور مدح وستائش سے قاصر ہیں۔ اُس کی حد یہ ہے کہ علم وبیان کی آخری منزل کو چھو لینے کے بعد بھی عقل اور زبان اپنی کوتاہی اور خاموشی کے دامن میں پناہ لیتی ہیں۔

ایک حادثہ وسانحہ (جو ہمارے عصر وعہد میں) رونما ہوا[1] اس کا تقاضا تھا کہ رسول کریم ﷺ کا جو حق ہم پر واجب ہے (استطاعتِ بشری کی حد تک) اُس میں سے جس قدر ممکن ہو ادا کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ رسول اکرم ﷺ کی تعزیر وتوقیر، نصرت وحمایت، ہر موقع ومقام پر آپ ﷺ کو اپنے

[1] یہ واقعہ رجب ۶۹۳ھ میں وقوع پذیر ہوا، جس میں عساف نصرانی نے نبی ﷺ کی شان میں نازیبا کلام کیا تھا، اور یہی واقعہ اس عظیم الشان وبے مثال کتاب کی تصنیف کا سبب بنا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (البداية والنهاية: ۱۳/ ۳۹۶)

نفس ومال پر ترجیح دینا اور ہر موذی سے آپ ﷺ کی رعایت ونگہداشت اللہ تعالیٰ نے ہم پر واجب ٹھہرائی ہے، اگرچہ ذات ربانی نے اپنے رسول کو مخلوقات کی امداد سے بے نیاز کر دیا ہے، تاہم ایک دوسرے کو آزمانے اور رسولوں کی مدد کرنے والوں کو نہ مدد کرنے والوں سے ممتاز کرنے کے لیے ہم پر اسے واجب ٹھہرایا گیا ہے تاکہ بندوں کو اُن کے اعمال کا صلہ اسی طرح دیا جائے جس طرح اُس نے پہلے سے لوح محفوظ میں رقم کر دیا ہے۔

ہمارے دور کا یہ المناک سانحہ اس امر کا موجب ومحرک ہوا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی توہین و تحقیر کرنے والے کے لیے جو سزا مقرر ہے اُس کو ضبطِ تحریر میں لاؤں، خواہ اس کا ارتکاب کرنے والا مسلم کہلاتا ہو یا کافر، نیز اس کے تمام متعلقات وتوابع کو شرعی احکام ودلائل کی روشنی میں بیان کروں۔ اور وہ ذکر وبیان اِس قابل ہو کہ اس پر بھروسہ کیا جا سکے۔ اِس کے ساتھ ساتھ علماء کے اُن اقوال کا تذکرہ کروں جو میرے ذہن میں محفوظ ہیں اور ان کے اسباب وعلل بھی ذکر کروں۔ باقی رہی وہ سزا جو عالمِ آخرت میں اللہ نے اس کے لیے مقدر کر رکھی ہے تو میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا، اس لیے کہ یہاں اُس حکمِ شرعی کا اظہار وبیان مقصود ہے جس کے مطابق مفتی فتویٰ دے سکے اور قاضی فیصلہ صادر کر سکے۔ اور امت اور اس کے حکمرانوں دونوں پر اس کی تعمیل بقدرِ استطاعتِ واجب ہے۔ اور اللہ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

موضوع کتاب:

میں نے اس کتاب کو چار مسائل پر مرتب کیا ہے:

۱۔ پہلا مسئلہ: نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کو قتل کیا جائے، خواہ وہ مسلم کہلاتا ہو یا کافر۔

۲۔ دوسرا مسئلہ: وہ ذمی ہو تو بھی اسے قتل کیا جائے، نہ اُس پر احسان کرنا جائز ہے اور نہ فدیہ لینا روا ہے۔

۳۔ تیسرا مسئلہ: کیا اُس کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟

۴۔ چوتھا مسئلہ: سبّ (گالی دینے) کی تعریف کیا ہے؟ کون سی چیز سبّ ہے اور کون سی نہیں؟ نیز یہ کہ سبّ اور کفر میں کیا فرق ہے؟

رسول کریم ﷺ کی توہین کا مرتکب (خواہ مسلم ہو یا کافر) واجب القتل ہے

اکثر علماء کا موقف یہی ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں کہ عام علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی توہین کرنے والے کی حد قتل ہے۔ امام مالک، لیث، احمد اسحاق اور امام شافعی کا قول یہی ہے مگر نعمان (ابو حنیفہ) سے منقول ہے کہ اسے (ذمّی) قتل نہ کیا جائے، اس لیے کہ جس شرک پر وہ قائم ہے وہ توہینِ رسالت سے عظیم تر جرم ہے۔[1]

اصحابِ شافعی میں سے ابو بکر فارسی نے اس امر پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے اس کی حدِ شرعی قتل ہے، جس طرح کسی اور کو گالی دینے کی سزا کوڑے مارنا ہے۔[2] جو اجماع انہوں نے نقل کیا ہے اس سے صدرِ اوّل، یعنی صحابہ و تابعین، کا اجماع مراد ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والا اگر مسلم ہو تو واجب القتل ہے۔ قاضی عیاض نے بھی اسی طرح کہا ہے، فرماتے ہیں:

> "اس بات پر امّت کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص رسول کریم ﷺ کی توہین کرے یا آپ ﷺ کو گالی نکالے تو اسے قتل کیا جائے۔ اسی طرح دیگر علماء سے بھی رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کے واجب القتل اور کافر ہونے کے بارے میں اجماع نقل کیا گیا ہے۔"[3]

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "اس بات پر مسلمانوں کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ جو شخص اللہ یا اس کے رسول کو گالی دے

---

[1] الأوسط لابن المنذر (۲/ ۶۸۲) الإجماع لابن المنذر (ص: ۱۵۳)

[2] فتح الباري (۱۲/ ۲۹۳)

[3] الشفا للقاضي عياض (۲/ ۲۱۱)

یا خدا کے نازل کردہ کسی حکم کو رد کر دے یا کسی نبی کو قتل کرے تو وہ اس کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے اگرچہ وہ خدا کے نازل کردہ تمام احکام کو مانتا ہو۔"

امام خطابی فرماتے ہیں:

"میرے علم کی حد تک کسی مسلمان نے بھی اس کے واجب القتل ہونے میں اختلاف نہیں کیا۔"[1]

محمد بن سحنون کا قول ہے:

"اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ ﷺ کی توہین کرنے والا کافر ہے، اس کے بارے میں عذابِ خداوندی کی وعید آئی ہے۔ امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، جو شخص اس کے کفر اور اس سزا میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔"

گالی دینے والے کے بارے میں احکام کا خلاصہ:

الغرض گالی دہندہ اگر مسلمان ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اور بلا خوف و نزاع اسے قتل کر دیا جائے گا، ائمہ اربعہ اور دیگر علماء کا مذہب یہی ہے۔ قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس ضمن میں اسحاق بن راہویہ اور دیگر اہل علم نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

اور اگر ذمی ہو تو امام مالک اور اہل مدینہ کے قول کے مطابق بھی اسے قتل کیا جائے۔ اُن کے اصلی نام ہم آگے چل کر نقل کریں گے، امام احمد اور فقہائے حدیث کا موقف بھی یہی ہے۔ امام احمد نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے۔ حنبل کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ کو فرماتے سنا کہ جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا توہین کرے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، تو اسے قتل کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ کو یہ کہتے سنا کہ "جو شخص عہد شکنی کرے یا دینِ اسلام میں کسی نئی بات (بدعت) کو رائج کرے تو میرے نزدیک اسے قتل کرنا واجب ہے، کیا انھوں نے یہ عہد نہیں کیا اور اس کی ذمہ داری قبول نہیں کی تھی؟"

امام ابو صقر کہتے ہیں:

"میں نے ابو عبداللہ سے ایک ذمی شخص کے بارے میں دریافت کیا جو رسول کریم ﷺ

[1] معالم السنن مع سنن أبي داود (٦/ ١٩٩)

کو گالیاں دیتا تھا کہ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جب ایسے شخص کے خلاف شہادت مل جائے تو اُسے قتل کیا جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر۔"

ہر دو اقوال کو خلال نے روایت کیا ہے۔

عبداللہ اور ابو طالب نے امام احمد سے روایت کیا ہے کہ اُن سے رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "اُسے قتل کیا جائے۔" پھر اُن سے پوچھا گیا کہ آیا اس ضمن میں کچھ احادیث منقول ہیں؟ فرمایا کہ اس کے بارے میں چند احادیث منقول ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ اُس اندھے شخص سے منقول حدیث جس نے عورت کو قتل کر دیا تھا، اس نے کہا: میں نے سنا تھا کہ یہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتی ہے۔[1]

۲۔ حضرت حصین کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے اسے قتل کیا جائے۔"[2]

۳۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اسے قتل کیا جائے،[3] اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والا مرتد ہوتا ہے، مسلمان حضور ﷺ کو گالی نہیں دے سکتا۔

۴۔ عبداللہ (بن احمد) نے یہ اضافہ کیا کہ میں نے اپنے والد سے اُس شخص کے بارے میں پوچھا جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہو کہ آیا اُس سے توبہ کا مطالبہ کیا جا سکتا؟ فرمایا: وہ واجب القتل ہے، اُس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

ہر دو آثار کو ابو بکر نے "الشافی" میں رویت کیا ہے۔

ابو طالب سے مروی ہے کہ امام احمد سے اُس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہو، فرمایا: "اُسے قتل کیا جائے کیونکہ اس نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر اپنا عہد توڑ دیا۔"

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي (۷/ ٦٠)

[2] المطالب العالية (۹/ ٤٤٨)

[3] الطبقات الكبرى (٥/ ٣٦٩)

حرب کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے ایک ذمّی کے بارے میں سوال کیا جس نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی تھی، آپ نے جواب دیا: ''اُسے قتل کیا جائے۔''

ہر دو آثار کو خلال نے روایت کیا ہے۔

ان جوابات کے علاوہ بھی امام احمد رحمہ اللہ نے ایسے شخص کے واجب القتل ہونے کے بارے میں تصریح کی ہے۔

امام احمد کے جملہ اقوال میں ایسے شخص کے واجب القتل ہونے کی تصریح ہے، اس لیے کہ اُس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ اس مسئلہ میں اُن سے کوئی اختلاف منقول نہیں۔

ذمّی کا عہد کن باتوں سے ٹوٹتا ہے؟

امام احمد کے عام اصحاب نے، خواہ وہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے، بلا خوف ونزاع اسی طرح ذکر کیا ہے، البتہ قاضی نے اپنی کتاب ''المجرد'' میں ان امور کا ذکر کیا ہے جن کو ترک کرنا اہلِ ذمہ کے لیے واجب ہے، اس لیے کہ ان امور سے مسلمانوں کے نفس و مال کو بحیثیت انفرادی واجتماعی نقصان پہنچتا ہے، وہ امور حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں مخالفین کی مدد کرنا۔

۲۔ مسلمان مرد یا عورت کو قتل کرنا۔

۳۔ راہزنی کرنا۔

۴۔ مشرکین کے جاسوس کو پناہ دینا۔

۵۔ کسی معاملہ میں کفار کی رہنمائی کرنا، مثلاً یہ کہ

ا۔ تحریر کے ذریعے کفار کو مسلمانوں کے حالات سے آگاہ کرے۔

ب۔ مسلمان عورت سے زنا کرے یا نکاح کے نام سے اس کے ساتھ بدکاری کرے۔

ج۔ کسی مسلم کو دین سے برگشتہ کرے۔

قاضی مذکور فرماتے ہیں کہ ذمّی کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے، خواہ یہ مشروط ہوں یا نہ ہوں، اگر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ بعض جگہ انہوں نے امام احمد کی عبارت بھی نقل کی ہے، مثلاً: مسلم عورت کے ساتھ زنا کرنے یا مشرکین کے لیے جاسوسی کرنے یا مسلمان کو قتل کرنے کے بارے امام احمد کی تصریحات، خواہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ الخرقی نے ذکر کیا ہے،

پھر وہ امام احمد کی عبارت اس ضمن میں نقل کرتے ہیں کہ مسلم پر بہتان باندھنے سے ذمّی کا عہد نہیں ٹوٹے گا بلکہ اس پر حدِ قذف لگائی جائی گی۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے دونوں روایتوں کے مطابق اس مسئلہ کی تخریج کی ہے۔ الخرقی مزید لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ، اُس کی کتاب، اُس کے دین اور اُس کے رسول ﷺ کا تذکرہ اس طرح سے کرنا جو اُن کے شایانِ شان نہ ہو اسی ذیل میں آتا ہے۔ ان چار امور کا وہی حکم ہے جو پہلے آٹھ امور کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کفار سے معاہدہ کرتے وقت ان امور کا ذکر کرنا ضروری نہیں (بلکہ ذکر کیے بغیر بھی یہ امور عہد میں شامل ہوں گے۔)

اگر کفار مذکورہ صدر اُمور میں سے کسی کے بھی مرتکب ہوں تو اُن کا عہد ٹوٹ جائے گا، قطع نظر اس سے کہ عہد میں مشروط ہو یا نہ ہو۔ ان افعال واقوال کے ساتھ عہد کے ٹوٹ جانے کا ذکر کر کے وہ لکھتے ہیں کہ اس ضمن میں ایک روایت اور ہے، اور وہ یہ ہے کہ اُن کا عہد صرف اس صورت میں ٹوٹتا ہے کہ جزیہ ادا کرنے سے انکار کریں اور ہمارے احکام اُن کے خلاف جاری ہوں، پھر انھوں نے اس ضمن میں بھی امام احمد کی عبارت نقل کی ہے کہ اگر ذمّی مسلمان پر بہتان لگائے تو اُسے پیٹا جائے، وہ کہتے ہیں کہ گویا بہتان لگانے سے اُن کے نزدیک عہد نہیں ٹوٹتا، حالانکہ بہتان لگانے سے ایک مسلمان کی تذلیل ہوتی ہے اور اس طرح اُسے نقصان پہنچتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے اور اُن کے بعد آنے والوں نے قاضی موصوف کی پیروی کی ہے، مثلاً: الشریف ابو جعفر، ابن عقیل، ابو الخطاب اور الحلوانی وغیرہم، وہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر وہ جزیہ ادا کرنے سے انکار کریں اور مسلم حکومت کے احکام کی پابندی نہ کریں تو اُن کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے تمام ایسے اقوال وافعال کا تذکرہ کیا ہے جس سے مسلمانوں کو انفرادی یا اجتماعی، جسمانی یا مالی ضرر لاحق ہوتا ہو یا مسلمانوں کا دینی وقار مجروح ہوتا ہو، مثلاً: رسول کریم ﷺ کو گالی دینا اور اس قسم کے دیگر امور وافعال۔ ان کے بارے میں انھوں نے دو روایتیں ذکر کیں ہیں:

۱۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس سے اُن کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

۲۔ دوسری رویت یہ ہے کہ اُن کا عہد نہیں ٹوٹتا، تاہم انھیں اس کی سزا دی جائے۔

حالانکہ وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ اس ضمن میں صحیح مذہب یہ ہے کہ ان امور سے ان کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

تاہم قاضی موصوف اور اکثر علماء نے بہتان طرازی کو ان امور میں شامل نہیں کیا جن سے عہد ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ اس کا استخراج ان کی قذف سے متعلق نص سے کیا گیا ہے۔ باقی رہے ابو الخطاب اور اُن کے متبعین تو انھوں نے قذف کو بھی ان امور میں شامل کردیا ہے، اس طرح قذف سے نقضِ عہد کے بارے میں انھوں نے دو روایتیں ذکر کی ہیں۔ پھر مذکورہ صدر تمام علماء اور باقی اصحاب نے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے مسئلہ کو ایک اور جگہ بھی ذکر کیا ہے، وہاں انھوں نے اس پر روشنی ڈالی ہے کہ گالی دینے والا اگر ذمّی ہو تو بھی اُسے قتل کیا جائے، نیز اس کا عہد بھی اس سے ٹوٹ جائے گا۔ انھوں نے اس ضمن میں امام احمد کی تصریحات کو بلا اختلاف ذکر کیا ہے، البتہ الحلوانی کہتے ہیں:

"اس امر کا احتمال ہے کہ ذمّی کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو گالی دینے کی بنا پر قتل نہ کیا جائے۔"

قاضی ابوالحسین نے عہد توڑنے والے امور کے بارے میں دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے جو اُن کے اس قول سے ہم آہنگ ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک اُن آٹھ امور کا تعلق ہے جن سے مسلمانوں کے جان و مال کو انفرادی یا اجتماعی ضرر لاحق ہوتا ہے تو دونوں میں سے صحیح تر روایت کے مطابق ان سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ باقی رہے وہ امور جن سے دینِ اسلام کی تحقیر و تنقیص ہوتی ہو، مثلاً: اللہ، اُس کی کتاب، اُس کے دین اور رسول ﷺ کا تذکرہ اس انداز سے کرنا جو اُن کی شایانِ شان نہ ہو تو اس سے بھی عہد ٹوٹ جاتا ہے۔"

قاضی ابوالحسین نے اس کی تصریح تو کی ہے مگر اس ضمن میں کسی دوسری روایت کا تذکرہ نہیں کیا، جس طرح ان لوگوں نے دو میں سے ایک جگہ پر کیا ہے۔ یہ طریقہ اُس کی نسبت قریب تر ہے، اور جس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ "اس سے نقضِ عہد نہیں ہوتا" تو یہ اُس صورت میں ہے کہ جب عقدِ عہد کے وقت اس کی شرط لگائی گئی ہو، اگر یہ مشروط ہو تو اس میں دو وجوہ ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ الخرقی کا قول ہے۔ ابوالحسن آمدی کہتے ہیں کہ یہ اُن معاملات میں صحیح تر ہے جن کو ترک کرنے کی شرط عائد کی گئی ہو۔ ابوالحسن نے عہد ٹوٹ جانے کے بارے میں الخرقی کے قول کو اُن تمام معاملات میں صحیح قرار دیا ہے جن میں وہ مشروط چیز کی مخالفت کریں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عہد نہیں ٹوٹتا، یہ قول قاضی اور دیگر اہلِ علم کا ہے۔ ابوالحسن نے اس کی تصریح کی ہے، جیسا کہ علماء کی جماعت نے اس صورت میں ذکر کیا ہے جبکہ وہ علانیہ اپنے مذہب پر عمل کریں یا کسی کو نقصان پہنچائے بغیر اپنی شکل وصورت کو تبدیل کر لیں، مثلاً: اپنی کتاب کو بلند آواز سے پڑھیں اور مسلمانوں کی سی شکل وصورت اختیار کریں، حالانکہ ان تمام امور کو ترک کرنا بالخصوص اُن پر واجب ہے۔

مگر یہ دونوں وجوہ ضعیف ہیں۔ ہمارے متقدمین نے جس موقف کو اختیار کیا ہے اور متاخرین نے بھی اُس کی پیروی کی ہے وہ یہ ہے کہ امام احمد کی تصریحات کو اپنے مقام پر رہنے دیا جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے متعدد جگہ اس امر کی تصریح کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دینے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کرنا چاہیے، اسی طرح جو شخص مسلمانوں کی جاسوسی کرے یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کا عہد بھی ٹوٹ جاتا ہے اور اسے قتل کرنا واجب ہے۔ الخرقی نے امام احمد رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں اسی طرح نقل کیا ہے جو کسی مسلمان کو قتل کر دے یا رہزنی کرے۔

امام احمد نے متعدد جگہ اس کی تصریح کی ہے کہ جو شخص کسی مسلمان پر بہتان باندھے یا اُس پر جادو کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ واجب امر یہی ہے۔ اس لیے کہ ایک مسئلے کے حکم کو دوسرے پر محمول کرنا اور دونوں مسئلوں کو فرق واختلاف کے باوجود نصاً واستدلالاً ایک بنا دینا، جبکہ دونوں کے درمیان مستند حدِ فاصل موجود ہو، ناروا ہے اور یہاں معاملہ کچھ اسی قسم کا ہے۔ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے عہد کے ٹوٹ جانے پر علماء کی ایک جماعت ہماری ہم خیال ہے، حالانکہ مذکورہ صدر امور میں سے بعض کے بارے میں وہ ہم سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ومسلک:

امام شافعی سے صراحتاً منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہیے، ابن المنذر، الخطابی اور دیگر علماء نے اُن سے اسی طرح نقل کیا ہے۔[1]

امام شافعی کتاب الاُم میں فرماتے ہیں:

”جب حاکمِ وقت جزیہ کا عہد نامہ لکھنا چاہے تو اس میں مشروط کا ذکر کرے۔ عہد نامہ میں تحریر کیا جائے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص محمد ﷺ یا کتاب اللہ یا دینِ اسلام کا تذکرہ نازیبا

[1] معالم السنن (٦/ ٢٠٠)

الفاظ میں کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری اُٹھ جائے گی، جو امان اس کو دی گئی تھی ختم ہو جائے گی اور اُس کا خون اور مال امیر المومنین کے لیے اُسی طرح مباح ہو جائے گا جس طرح حربی کافروں کے اموال اور خون مباح ہیں، نیز یہ کہ اگر اُن میں سے کوئی کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرے یا نکاح کے نام پر بدکاری کا مرتکب ہو یا ڈاکہ زنی کرے یا کسی مسلمان کو دین سے برگشتہ کرے یا لڑائی میں کفار کی مدد کرے یا مسلمانوں کی خامیوں سے انھیں مطلع کرے یا کفار کے جاسوسوں کو اپنے یہاں ٹھہرائے تو اس کا عہد ٹوٹ گیا اور اب اس کا خون و مال مباح ہے، اور اگر کسی مسلمان کے مال اور ناموس میں اس سے کم درجہ کے جرم کا مرتکب ہو تو اسے اس جرم کی سزا دی جائے۔ یہ لازمی شروط ہیں اگر وہ ان پر راضی ہو تو فبہا، ورنہ اس کے ساتھ نہ تو کوئی معاہدہ ہے، نہ جزیہ۔"[1]

امام شافعی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"اگر نقضِ عہد کے لیے مذکورہ بالا امور میں سے کوئی کام کرے اور اسلام لائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا، بشرطیکہ وہ اپنی زبان سے اسلام کا اقرار کرے، اگر فعلاً ایسا کرے تو بھی اسے قتل نہیں کیا جائے گا، اِلّا یہ کہ دینِ اسلام میں یہ بات مرقوم ہو کہ ایسا کرنے والے کو حداً یا قصاصاً قتل کیا جائے گا، اندریں صورت اُسے حداً یا قصاصاً قتل کیا جائے گا، نقضِ عہد کی وجہ سے نہیں۔

"اگر مذکورہ صدر امور میں سے کسی امر کا مرتکب ہو اور شرائط کے مطابق اس کا عہد ٹوٹ جائے اور وہ اسلام بھی نہ لائے بلکہ یوں کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں اور حسب سابق جزیہ ادا کروں گا یا صلح کی تجدید کروں گا تو اسے سزا دی جائے مگر قتل نہ کیا جائے۔ اگر مذکورہ صدر افعال واقوال میں سے کسی کا مرتکب ہو اور شرائط کے مطابق اس سے کم درجہ کا قول وفعل ہو تو اُسے اس کی سزا دی جائے گی مگر قتل نہ کیا جائے۔ اگر اس کے باوجود نہ تو وہ اسلام لائے اور نہ جزیہ کا اقرار کرے تو اسے قتل کیا جائے اور اس کے مال کو "فيء" سمجھ کر لیا جائے۔"

امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الأم" میں تصریح فرماتے ہیں:

"عہد نہ تو رہزنی سے ٹوٹتا ہے، نہ مسلم کو قتل کرنے اور مسلم عورت کے ساتھ زنا کرنے سے

[1] الأم للشافعي (٤/ ٢٠٩)

اور نہ جاسوسی کرنے سے۔ ان میں سے جن احکام پر حد لازم آتی ہے وہاں حد لگائی جائے، ورنہ پوری سزا دی جائے۔ جب تک اُس کا قتل واجب نہ ہو اُسے قتل نہ کیا جائے۔

''عہد جزیہ ادا نہ کرنے سے ٹوٹتا ہے یا اقرار کے بعد اس کو عملاً نہ ادا کرنے سے۔ اگر (ذمّی) کہے کہ میں جزیہ تو ادا کروں گا مگر شرعی احکام کو نہ مانوں گا تو اس کا عہد پھینک دیا جائے مگر اس بنا پر اُسے اُسی جگہ قتل نہ کیا جائے۔ اُسے کہا جائے کہ قبل ازیں تجھے جزیہ ادا کرنے اور اس کا اقرار کرنے کی وجہ سے امان دی گئی تھی، ہم نے تجھے مہلت دی تھی کہ تم اسلامی سلطنت کی حدود سے نکل جاؤ، پھر جب نکل کر اپنے گھر میں پہنچ جائے تو قابو پانے کی صورت میں اُسے قتل کیا جائے۔''[1]

امام شافعی کا جو بیان نقل کیا گیا ہے اُس کی بنا پر عملی نقصان اور ان امور میں فرق کیا جائے گا جن سے اسلام کی تحقیر و تخفیف لازم آتی ہے، یا یوں کہا جائے گا کہ گالی دینے کی صورت میں ذمّی کو قتل کیا جائے گا مگر اس سے اُس کا عہد نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ إن شاء اللّٰه

اصحابِ شافعی کے اقوال و آثار:

جب ذمی اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر بھونڈے انداز سے کرے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے اس میں دو وجوہ ذکر کیے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، خواہ اس کا ترک اُن کے لیے مشروط ہو یا نہ ہو۔ بالکل اُسی طرح جس طرح اُن کا عہد اس صورت میں ٹوٹ جاتا ہے جبکہ وہ مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہوں اور شرعی احکام کی پابندی نہ کریں۔ ہمارے اصحاب میں سے ابو الحسین اور ابو اسحاق مروزی نے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ صرف نبی کریم ﷺ کو گالی دینے سے وہ واجب القتل ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا اُن افعال کی مانند ہے جن میں ضرر رسانی کا پہلو موجود ہے، مثلاً: مسلم کو قتل کرنا، مسلم عورت کے ساتھ زنا کرنا، کفار کے لیے جاسوسی کرنا اور دیگر افعال جو قبل ازیں ذکر کیے گئے ہیں۔ ان امور میں انھوں نے دو وجوہ ذکر کیے ہیں:

---

[1] الأم للشافعي (٤/ ١٩٨)

ل۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اگر ان امور کا ترک کرنا ان کے لیے مشروط نہ ہو تو ان کا ارتکاب کرنے سے نقضِ عہد کے لازم آنے میں دو وجوہ ہیں۔ (ایک یہ کہ عہد ٹوٹ جاتا ہے، اور دوسرا یہ کہ نہیں ٹوٹتا۔)

ب۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان امور کا مرتکب ہونے سے عہد مطلقاً نہیں ٹوٹتا۔

ہمارے بعض اصحاب ان وجوہ کو اقوال قرار دیتے ہیں جن کی طرف قبل ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ان کے نزدیک ان کو اقوال بھی کہا جا سکتا ہے اور وجوہ بھی، یہ عراقی اصحاب کا طریقہ ہے۔ انھوں نے تصریح کی ہے کہ ان افعال کو ترک کرنے کی شرط ٹھہرائی جائے، اس بات کی شرط نہیں کہ ان کو انجام دینے سے عہد ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے۔

ہمارے خراسانی اصحاب کہتے ہیں کہ شرط لگانے سے مراد یہ ہے کہ یہ شرط عائد کی جائے کہ ان کا ارتکاب کرنے سے عہد ٹوٹ جائے گا، نہ کہ ان کو ترک کرنے کی شرط، اس لیے کہ ان افعال کا ترک تو نفس معاہدہ سے لازم آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ان ضرر رساں افعال میں تین وجوہ ذکر کیے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ ان افعال کے ارتکاب سے عہد ٹوٹ جائے گا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ نہیں ٹوٹے گا۔

۳۔ تیسرا یہ کہ اگر عقدِ معاہدہ کے وقت یہ شرط لگائی گئی ہو کہ ان افعال سے عہد ٹوٹ جائے گا تو ٹوٹے گا، ورنہ نہیں۔

۴۔ بعض اصحاب کا قول ہے کہ اگر ان افعال کا ترک مشروط ہو تو اس میں صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ عہد کا ٹوٹ جانا ہے، اور اگر مشروط نہ ہو تو اس میں دو وجوہ ہیں، (ایک کے مطابق عہد ٹوٹ جاتا ہے اور دوسرے کے مطابق نہیں۔) ان کا خیال ہے کہ عراقی اصحاب کے نزدیک اشتراط کا یہی مفہوم ہے، چنانچہ وہ عراقی اصحاب سے نقل کرتے ہیں:

"اگر کسی شرط کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو عہد نہیں ٹوٹے گا، اور اگر شرط کا ذکر کیا گیا ہو تو اس میں دو قول ہیں۔"

اس سے لازم آتا ہے کہ عراقی اصحاب اس بات کے قائل ہیں کہ اگر ان اشیاء سے عہد ٹوٹنے کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو عہد نہیں ٹوٹے گا، اس صورت میں صرف یہی ایک قول ہے اور اگر ان افعال کو ترک کرنے کی تصریح کی گئی ہو تو عہد ٹوٹ جائے گا مگر یہ بات غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ انھوں نے اپنی کتبِ خلاف میں جس چیز کی تائید کی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے

سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے خود امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا زاویۂ نگاہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اُن کے اصحاب کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے سے نہ تو ذمی کا عہد ٹوٹتا ہے اور نہ اُس کا قتل لازم آتا ہے مگر علانیہ ایسا کرنے کی وجہ سے اس پر اسی طرح تعزیز لگائی جائے جس طرح دیگر منکرات کا علانیہ ارتکاب کرنے پر لگائی جاتی ہے، مثلاً اپنی مذہبی کتاب کو بآواز بلند پڑھنا وغیرہ طحاوی نے یہ موقف امام ثوری سے نقل کیا ہے۔[1] حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ جن افعال کے ارتکاب سے فاعل کا قتل لازم نہیں آتا، مثلاً: بھاری پتھر پھینک کر کسی کو قتل کرنا یا فرج کے سوا کسی اور عضو میں جماع کرنا، اگر ایسے فعل کا صدور فاعل سے کئی مرتبہ ہو تو حاکم ایسے شخص کو قتل کر سکتا ہے۔

اسی طرح اگر حاکم اس میں مصلحت دیکھے تو شرعی حد سے زیادہ سزا دے سکتا ہے۔ ایسے جرائم کی سزا میں قتل کی جو روایات رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں وہ ان کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا، اس کا نام وہ ''سیاستاً'' قتل کرنا رکھتے ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن جرائم میں تکرار واعادہ کی وجہ سے شدّت پیدا ہو گئی ہو اُن میں قتل کی سزا دی جا سکتی ہے۔ بنا بریں اکثر حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ جو ذمّی نبی کریم ﷺ کو گالیاں دے اُسے قتل کیا جائے اگرچہ گرفتار ہونے کے بعد مسلمان کیوں نہ ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ اُسے ''سیاستاً'' قتل کیا جائے۔ یہ بات حنفیہ کے سابق الذکر اصول پر مبنی ہے۔

[1] مختصر الطحاوي (ص: ٢٦٢)

گالی دہندہ کے نقضِ عہد کے دلائل

جب ذمی اللہ، اُس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور وہ واجب القتل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلم اس کا مرتکب ہو تو اسے بھی قتل کیا جائے۔ اس کے دلائل کتاب وسنت، اجماع صحابہ وتابعین اور قیاس میں پائے جاتے ہیں۔

قرآن کریم کے دلائل:

مسئلہ زیرِ قلم کے دلائل قرآن کریم کے متعدد مقامات سے ماخوذ ومستنبط ہیں۔

پہلی دلیل:

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ [التوبۃ: ۲۹]

”جو لوگ اہلِ کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔“

اس آیت کریمہ میں ہمیں اہلِ کتاب سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں۔ اُن کے قتل سے اُس وقت تک رُکنا جائز نہیں جب تک وہ ذلیل ورسوا ہو کر جزیہ ادا نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ جزیہ دینے کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے ادا کریں اور اُس کو حکومت کی تحویل میں دیتے وقت وہاں موجود رہیں حتی کہ حاکمِ وقت اس کو اپنے قبضے میں لے لے۔ وہ جب جزیہ دینے کا آغاز کریں گے اور ہم اس پر قابض ہو جائیں گے تو ہم اُن سے کچھ تعرض نہ کریں گے، اس طرح جزیہ کی ادائیگی تکمیل پذیر ہوگی۔ اگر وہ ادائیگی کا التزام نہ کریں یا التزام تو کریں مگر آخر کار ادا کرنے سے

انکار کر دیں تو انھیں جزیہ ادا کرنے والا قرار نہیں دیا جائے گا، اس لیے کہ ادائیگی کی حقیقت یہاں موجود نہیں اور جب اس پوری مدت میں اُن کا ذلیل رہنا شرط ہے تو ظاہر ہے کہ جو شخص علانیہ ہمارے منہ پر نبی کریم ﷺ کو گالی دے، برملا ہمارے رب کو بُرا بھلا کہے اور ہمارے دین میں طعنہ زنی کا مرتکب ہو تو ایسا شخص ذلیل نہیں ہے، اس لیے کہ ''صاغر'' ذلیل اور حقیر کو کہتے ہیں، اور جو کام یہ کر رہا ہے ایسے آدمی کو مغرور اور متکبر کہتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ شخص ہمیں ذلیل و رُسوا کر رہا ہے۔

اہلِ لغت کہتے ہیں کہ ''صغار'' کے معنی ذلت اور عار کے ہیں، عربی محاورے میں بولتے ہیں: ''صَغِرَ الرَّجُلُ ،یَصغَرُ صَغَراً وصُغَراً'' ذلیل ہونا، رُسوا ہونا۔ ''صاغر'' اس شخص کو کہتے ہیں جو ظلم وزیادتی پر راضی ہو۔ ایک غور و فکر کا عادی انسان سمجھتا ہے کہ اس امت کو برا بھلا کہنا، جو دنیا و آخرت کا شرف و عظمت حاصل کر چکی ہے، ایسے شخص کا کام نہیں جو ذلّت و رسوائی پر راضی ہو۔ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔

جب اُن سے لڑنا ہم پر واجب ہے تاوقتیکہ وہ ذلیل ہوں اور وہ ذلیل نہیں ہیں تو ہم اُن سے لڑنے کے لیے مامور ہیں، اور جن کفار سے بھی ہمیں لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، جب ہم اُن پر قابو پا لیں گے تو انہیں قتل کر دیں گے، نیز یہ کہ جب ہم ان کے خلاف لڑنے کے لیے اس حد تک مامور ہیں تو اس سے کم درجے کا کوئی معاہدہ ہم ان سے نہیں کریں گے اور اگر کریں گے تو یہ معاہدہ فاسد ہوگا اور وہ بدستور مباح الدم والمال رہیں گے۔ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم نے امن کا معاہدہ کیا ہے، اس طرح انھیں امان کا شبہ ہوگا اور امان کا شبہ اصلی اور حقیقی امان کی مانند ہے، اس لیے کہ جو شخص ایسی بات کرے جس کو کافر امان سمجھتا ہو تو اسے اُس کے حق میں امان تصور کیا جائے گا اگرچہ مسلم کا ارادہ اسے امان دینے کا نہ ہو۔

اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ ان سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ وہ ہمارے زیرِ سایہ ہوں اور اس کے باوجود ہمارے نبی اور دین کو گالیاں دیتے رہیں۔ انھیں بخوبی معلوم ہے کہ ہم کسی ذمّی کے ساتھ ایسا معاہدہ نہیں کرتے۔ ان کا یہ دعویٰ کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے انھیں امان دے دی، حالانکہ ہم نے یہ شرط عائد کر رکھی ہے کہ وہ ہمارے مطیع ہو کر رہیں اور شرعی احکام ان پر جاری وساری ہوں، ایک جھوٹا دعویٰ ہے جو قابلِ التفات نہیں ہے۔ مزید برآں جن لوگوں نے پہلی مرتبہ اُن سے معاہدہ کیا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ تھے، اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ ان سے ایسا معاہدہ نہیں کر سکتے تھے

جو کتاب اللہ میں ذکر کردہ احکام کے خلاف ہو۔

آگے چل کر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شرائط کا تذکرہ کریں گے اور بتائیں گے کہ اُن میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جو شخص برملا ہمارے دین پر طعنہ زنی کرے وہ مباح الدم والمال ہے۔

دوسری دلیل:

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ﴾ [التوبة: ۷، ۸]

"بھلا مشرکوں کے لیے (جنھوں نے عہد توڑ ڈالا) خدا اور اس کے رسول کے نزدیک عہد کیوں کر قائم رہ سکتا ہے۔ ہاں، جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے نزدیک عہد کیا ہے اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی اپنے قول وقرار پر قائم رہو۔ بے شک خدا پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔ (بھلا ان سے عہد) کیوں کر پورا کیا جائے جب ان کا یہ حال ہے کہ اگر تم پر غلبہ پالیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا۔ یہ منہ سے تو تمھیں خوش کر دیتے ہیں لیکن ان کے دل ان باتوں کو قبول نہیں کرتے اور ان میں اکثر نافرمان ہیں۔"

ان آیات میں فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں سے عہد کیا ہے ان میں سے کسی کا عہد بھی درست نہیں، البتہ اس قوم کا عہد درست ہے جو اپنے عہد پر قائم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرک کے ساتھ عہد اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جو شخص برملا ہمارے رب اور رسول کو گالیاں دیتا اور دینِ اسلام کی تنقیص کرتا ہو وہ اپنے معاہدے پر قائم نہیں ہے، جس طرح عہد اس وقت ٹوٹ جاتا ہے جب ہم علانیہ حرب وضرب کا آغاز کریں۔ اگر ہم مومن ہیں تو ان کا یہ طرزِ عمل ہمارے لیے اس سے زیادہ ناگوار ہے۔ ہم پر واجب ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہم اپنی جان اور مال تک قربان کر دیں اور ہمارے علاقے میں علانیہ اللہ اور اس کے

رسول کو اذیت دینے والا کوئی کام نہ کیا جائے۔ جب وہ ایک معمولی کام میں بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتے تو اس سے بڑے کاموں مستقل مزاج کیسے رہ سکتے ہیں؟

مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ اس پر مزید روشنی ڈالتی ہے:

﴿ كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ﴾ [التوبۃ: ۷]

''بھلا ان سے عہد کیوں کر پورا کیا جائے جب ان کا یہ حال ہے کہ اگر تم پر غلبہ پالیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا۔''

مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ معاہدہ کیوں کر ہوسکتا ہے جبکہ صورتحال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو نہ قرابت داری کا لحاظ کریں گے اور نہ اُس عہد کا جو تمھارے اور ان کے درمیان ہے؟ پس معلوم ہوا کہ جس کا یہ حال ہو اور جو علانیہ ہمارے دین کو ہدفِ طعن بناتا ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ کسی چیز کی پرواہ نہ کرے گا، خواہ وہ قرابت داری ہو یا پاسِ عہد۔ جب عہدنامہ کی موجودگی اور ذلت کے باوجود وہ یہ کام کرسکتا ہے تو غلبہ وقدرت کی صورت میں وہ کیا کچھ نہ کر گزرے گا! برخلاف اس شخص کے جس نے ہمارے ساتھ ایسی گفتگو نہیں کی، عین ممکن ہے کہ وہ اپنے عہد کو غلبے کی صورت میں بھی پورا کرے، اگرچہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرکے اپنے علاقہ میں مقیم ہوں تاہم یہ ان اہل ذمہ پر بھی بطریق اولیٰ صادق آتی ہے جو ہمارے ساتھ دارالسلام میں رہتے ہوں۔

تیسری دلیل:

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ﴾ [التوبۃ: ۱۲]

''اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمھارے دین میں طعنے کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔''

یہ آیت متعدد وجوہ سے موضوعِ زیرِ قلم پر دلالت کرتی ہے:

وجہ اوّل: پہلی وجہ یہ ہے کہ محض قسم کا توڑنا ہی جنگ وقتال کا مقتضی ہے۔ دین میں طعن کا

تذکرہ جدا گانہ طور پر اس لیے کیا کہ یہ ان قومی اسباب میں سے ایک ہے جو جنگ کے موجب اور محرّک ثابت ہوتے ہیں، اسی لیے دین کو ہدفِ طعن بنانے والوں کو اس قدر سخت سزا دی جاتی ہے جو دوسرے مجرموں کو نہیں دی جاتی، جیسا کہ ہم آگے چل کر اس پر روشنی ڈالیں گے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا تذکرہ یہاں مزید توضیح اور سببِ قتال کو بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔ عین ممکن ہے کہ دین کو ہدفِ طعن بنانا ہی جنگ کا موجب ہو اور مقصد یہ ہو کہ دین کا کلمہ بلند ہو۔ باقی رہا قسم کو توڑنا تو اس ضمن میں اظہارِ غیرت وحمیت اور شجاعت وریا کاری کے لیے بھی لڑا جا سکتا ہے یا طعن فی الدین کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ وہ جنگ وقتال کا موجب رہی ہے۔ اس کی دلیل ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ (کفر کے پیشواؤں کو قتل کرو) کے الفاظ میں ہے نیز یہ آیتِ کریمہ:

﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ ﴾ [التوبة: ١٣، ١٤]

''بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبرِ خدا کے جلا وطن کرنے کا پختہ عزم کرلیا اور انھوں نے تم سے عہد شکنی کی ابتدا کی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو، حالانکہ ڈرنے کے لائق تو خدا ہے بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو۔ ان سے خوب لڑو، خدا ان کو تمھارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا۔''

اس حقیقت کی آئینہ داری کرتی ہے کہ جس شخص نے صرف نقضِ قسم کا ارتکاب کیا ہو اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایمان لے آئے گا اور اس کے ساتھ معاہدہ بھی کیا جائے گا مگر دین کو طعن بنانے والے کے خلاف حرب وقتال ضروری ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا طریق کار یہی تھا، آپ اللہ اور رسول کو ایذا دینے والے اور دین کو ہدفِ طعن بنانے والوں کے خون کو مباح ٹھہرا دیتے تھے مگر دوسروں کو قتل کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ جب نقضِ عہد تنہا قتال کا موجب ہو اور طعن فی الدین اس میں نہ ہو تو سمجھا جائے گا کہ طعن کے سوا یہاں کوئی اور سبب بھی موجود ہے یا کوئی ایسا سبب موجود ہے جو نقضِ عہد کو مستلزم ہے۔ یہ امر ناگزیر ہے کہ کوئی ایسا سبب ضرور ہو جو وجوبِ قتال میں مؤثر ہو، ورنہ اس کے ذکر کرنے کا کچھ فائدہ نہیں۔

اگر معترض کہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص عہد شکنی اور طعن فی الدین دونوں کا مرتکب ہو تو

اس سے لڑنا واجب ہے مگر جو شخص صرف طعن فی الدین کا ارتکاب کرے آیت اس کے بارے میں خاموش ہے۔ آیت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ محض طعن فی الدین کرنے والے کے خلاف جنگ واجب نہیں، اس لیے کہ جو حکم دو صفات کے ساتھ معلّق ہو ایک صفت کی موجودگی میں اس حکم کا وجود واجب نہیں ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہر صفت وجودِ حکم کے لیے مؤثر ہوتی ہے، اگر مؤثر نہ ہوتو حکم کو اس کے ساتھ معلّق کرنا درست نہیں، مثلاً ایک شخص کہے کہ ''جو شخص زنا کرے اور کھائے تو اس کو کوڑے مارے جائیں'' (اس میں کوڑے مارنے کا حکم زنا کرنے اور کھانے دونوں کے ساتھ معلّق ہے۔) مگر بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر صفت جداگانہ طور پر بھی تاثیر میں مستقل ہوتی ہے، مثلاً کہا جائے کہ ''فلاں شخص کو قتل کیا جائے، اس لیے کہ وہ مرتد زانی ہے۔'' بعض اوقات مجموعی طور پر جزا مجموعے پر مرتّب ہوتی ہے اور ہر وصف بعض میں مؤثر ہوتا ہے، مثلاً: آیت کریمہ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ [الفرقان: ٦٨]

''اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پکارتے''

گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ صفات باہم ایک دوسری کو مستلزم ہوتی ہیں کہ اگر اسے تنہا فرض کیا جائے تو بر سبیل تذکرہ استقلال یا اشتراک مؤثر ثابت ہو مگر مزید وضاحت وصراحت کے لیے اسے الگ ذکر کیا جاتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ ''انھوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی''۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک صفت دوسری کو مستلزم ہوتی ہے مگر اس کا عکس نہیں، مثلاً: قرآن میں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾
[آل عمران: ٢١]

''بے شک جو لوگ خداوند کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔''

اس آیت کو کسی قسم سے بھی فرض کرلیا جائے یہ اپنے مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ جو بات زیادہ سے زیادہ کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ نقضِ عہد قتال کو مباح کرنے والا ہے اور طعن فی الدین اس کا مؤکد اور موجب ہے، لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جب طعن فی الدین ان لوگوں کے ساتھ جنگ میں شدت پیدا کر دیتا ہے جن کے ساتھ ہم نے معاہدہ نہیں کیا ہوتا تو جن کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہے اگر ان کے ساتھ قتال کو واجب کر دے اور وہ ذلّت کا التزام بھی کیے ہو تو یہ عین قرینِ قیاس ہے، اس کی

وضاحت آگے آ رہی ہے۔

علاوہ بریں معاہد اپنے ملک میں اپنے مذہبی امور کا اظہار کر سکتا ہے جن سے ہمیں کچھ نقصان نہیں پہنچتا، بخلاف ازیں ذمّی کو یہ حق حاصل نہیں کہ دارالسلام میں اپنے باطل مذہب کا اظہار کرے اگرچہ اس سے ہمیں کچھ نقصان نہ پہنچتا ہو۔ اس اعتبار سے اس کا حال مزید شدت کا حامل ہے، اور اہل مکہ، جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، معاہد تھے، ذمّی نہ تھے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ محض ان کے طعن فی الدین سے عہد نہیں ٹوٹتا تو ذمّی کے لیے یہ جائز نہ ہوگا۔

وجہ ثانی: ایک ذمّی شخص اگر اللہ یا رسول ﷺ کو گالی دے یا علانیہ اسلام میں عیب نکالے تو اس نے طعن فی الدین کا ارتکاب کر کے اپنی قسم کو توڑ دیا، اس لیے بلا خوف ونزاع اسے سزا دی جائے گی اور اس کی تادیب کی جائے گی، پس معلوم ہوا کہ وہ معاہد نہیں ہے، اس لیے کہ عہد کر کے وہ ایسا کام کرے تو اسے سزا نہیں دی جا سکتی۔ جب ہم اس سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ وہ ہمارے دین پر نقد وجرح نہیں کرے گا مگر اس کے باوجود وہ طعن کرتا ہے تو اس نے اپنے عہد کو توڑ دیا، اس لیے نصِ قرآنی کے مطابق اسے قتل کیا جائے گا اور یہ نہایت قوی اور خوبصورت استدلال ہے۔

اس لیے کہ فریق مخالف اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ ہمارے ساتھ معاہدہ کرنے کی وجہ سے وہ اس کا مجاز نہ تھا مگر ہم کہتے ہیں کہ ہر اُس چیز کا اظہار جس سے کسی کو روکا گیا ہے نقضِ عہد نہیں ہے، مثلاً: شراب، خنزیر اور اس قسم کی چیزوں کا اظہار، پس ہم کہتے ہیں کہ اس سے دو ایسے افعال کا صدور ہوا ہے جس سے عہد مانع تھا، علاوہ بریں اس نے طعن فی الدین کا ارتکاب بھی کیا بخلاف ان لوگوں کے کہ ان سے صرف ایسے فعل کا صدور ہوا جو بوجہ عہد ان کے لیے ممنوع تھا، اور قرآن ایسے شخص کے قتل کو واجب ٹھہراتا ہے جو عہد باندھ کر اس کو توڑ دے اور دین کو ہدفِ طعن بنائے۔

یوں کہنا ممکن نہیں کہ اس نے نقضِ عہد کا ارتکاب نہیں کیا، اس لیے کہ وہ عہد کی خلاف ورزی کا مرتکب تو ہوا ہے، اور جب بھی وہ کوئی ایسا کام کریں جس سے مصالحت مانع ہے تو اسی کو ''نکث'' (نقضِ عہد) کہا جاتا ہے۔ یہ عربی محاورہ ''نَكَثَ الْحَبْلَ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی یہ ہیں کہ رسّی کے اجزاء کو الگ الگ کر دیا جائے اور ''نکث الحبل'' اس طرح بھی وجود پذیر ہوتا ہے کہ اس کے ایک جزو کو الگ کر دیا جائے، اور اس صورت میں بھی جبکہ اس کے تمام ریشوں کو جدا کر دیا جائے، تاہم ایک تار کے الگ ہونے سے رسّی کی قوت قدرے باقی رہتی ہے اور بعض اوقات رسّی بالکل ہی کمزور پڑ جاتی ہے۔

معاہد کی مخالفت بعض اوقات عہد کو کلیتاً ختم کر کے اس کو حربی بنا دیتی ہے۔ اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور بنا بریں اسے سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ جس طرح بیع اور نکاح کے بعض شروط بعض اوقات بیع کو کلیتاً ختم کر دیتے ہیں، مثلاً بائع نے گھوڑا کہہ کر فروخت کیا مگر وہ اُونٹ نکلا، اور بعض اوقات اس سے بیع کو فسخ کرنا مباح ہو جاتا ہے، مثلاً رہن اور ضمانت میں خلل اندازی، یہ اُن اہل علم کے نزدیک ہے جو عہد کی مخالفت میں فرق وامتیاز کے قائل ہیں مگر جو لوگ کہتے ہیں کہ ہر قسم کی مخالفت سے عہد ٹوٹ جاتا ہے تو اُن کے نزدیک معاملہ واضح ہے۔ بہر کیف دونوں صورتوں میں عقدِ عہد اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ ہمارے دین پر نقد وجرح نہ کریں، اور اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ بنا بریں لفظاً ومعناً وہ آیت کے عموم میں داخل ہوں گے اور ایسا عموم نص کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

وجہ ثالث: تیسری وجہ یہ ہے کہ طعن فی الدین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو "أئمة الکفر" کہا ہے اور ضمیر کی جگہ اسم ظاہر استعمال کیا ہے۔ "أئمة الکفر" سے یا تو وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اپنا عہد توڑا یا دین اسلام کو ہدفِ طعن بنایا یا اُن میں سے بعض مراد ہیں، مگر ان میں سے بعض مراد لینا اس لیے درست نہیں کہ جو فعل جنگ کا موجب ہوا ہے وہ سب سے صادر ہوا ہے، لہٰذا بعض کو سزا کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ علّت کا سب میں پایا جانا ضروری ہے، اِلّا یہ کہ کوئی مانع موجود ہو مگر یہاں کوئی مانع نہیں ہے۔

اللہ نے دوسری علّت یہ بتائی ہے کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہ علّت سب عہد توڑنے والوں اور طعن فی الدین کا ارتکاب کرنے والوں میں پائی جاتی ہے، نیز یہ کہ "نکث" (عہد شکنی) اور طعن فی الدین ایک وصف مشتق ہے جو وجوبِ قتال کا مناسب ہے اور یہاں جزا کو شرط پر حرف الفاء کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ یہ اس بات پر نص ہے کہ یہ فعل سزا کا موجب ہے، پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد وہ سب لوگ ہیں، اور اس لیے وہ سب "أئمة الکفر" ہیں، اور کفر کا امام وہ ہوتا ہے جو کفر کا داعی ہو اور اس ضمن میں اس کی پیروی کی جاتی ہو۔ دین میں طعن زنی کی وجہ سے وہ کفر کا امام بنا، ورنہ محض عہد شکنی قتال کا موجب نہیں بن سکتی، اور یہ بات مناسب بھی ہے۔ طعن فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ اس میں عیوب ونقائص نکالے جائیں اور اس کی مخالفت کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے، اور امام کا یہی کام ہے، پس ثابت ہوا کہ ہر وہ شخص جو دین پر طعنہ زنی کرتا ہے وہ کفر کا امام ہے اور اس آیت کے پیشِ نظر اس سے لڑنا واجب ہے۔

اس کی قسم پر بھروسہ کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ اس نے ہمارے ساتھ اس بات کا معاہدہ کیا تھا کہ دین اسلام میں کیڑے نہیں نکالے گا مگر اس نے اس کی خلاف ورزی کی۔ قسم سے یہاں عہد مراد ہے، اللہ کی قسم کھانا مراد نہیں، جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ مفسرین کی یہ بات درست ہے، اس لیے کہ صلح حدیبیہ کے روز نبی ﷺ نے کفار کو اللہ کی قسم نہیں دی تھی بلکہ ان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا۔ اس عہدنامے کا نسخہ معروف ہے، اس میں قسم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم کو "یمین" اسی لیے کہا جاتا ہے کہ معاہدہ کرنے والے اپنا دایاں ہاتھ دوسرے کی طرف بڑھاتے ہیں، پھر اس لفظ کا اس قدر غلبہ ہوا کہ عہد کے بارے میں گفتگو کرنے کو یمین کہا جانے لگا، یعنی اہل علم کہتے ہیں کہ یمین کے معنی قوت اور شدت کے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ﴾ [الحاقة: ٤٥] "ہم اسے زور سے پکڑ لیتے۔"

چونکہ حلف (قسم) کے وقت ایک مضبوط عہدنامہ باندھا جاتا ہے، اس لیے اسے یمین کہا جاتا ہے۔ یمین کا لفظ جامع ہے اور اس عہد پر بولا جاتا ہے جو بندے اور ربّ کے درمیان قرار پاتا ہے، رسول کریم ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث کا مطلب یہی ہے:

((النَّذر حَلْفَة))[1] "نذر حلف کا نام ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

((كفارة النذر كفارة اليمين))[2] "نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا ہے۔"

جو شخص ضد اور غضب کی وجہ سے نذر مانتا تو صحابہ اسے کہتے: "كفر يمينك"[3] (اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو) جو عہد لوگ آپس میں کرتے ہیں اس کو بھی یمین کہا جاتا ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا﴾ [النحل: ٩١]

"قسموں کو پختہ کرنے کے بعد اُن کو مت توڑو۔"

نقضِ عہد کی ممانعت کو یمین کہتے ہیں اگرچہ اس میں قسم نہیں ہوتی۔

---

[1] المغني (٩/ ٤) یہ روایت معلق ہے۔ نیز دیکھیں: مسند أحمد (٤/ ١٤٩)

[2] صحیح مسلم، رقم الحديث (١٦٤٥)

[3] مصنف عبد الرزاق (٨/ ٤٣٦)

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ﴾ [الفتح: ۱۰]

''اور جس نے اللہ کے ساتھ عہد باندھ کر اسے پورا کیا۔''

عہد کے لفظ میں قسم نہیں ہے:

((با یعناك علی أن لا نفر))

''ہم نے آپ کی بیعت کی ہے کہ ہم (جنگ سے) نہیں بھاگیں گے۔''

تاہم اُن کا نام معاہد رکھا گیا ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ﴾ [النساء: ۱]

''اور خدا سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور اَرحام (قطعِ محبت) سے بچو۔''

علماء کہتے ہیں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ عہد باندھتے اور معاہدہ کرتے ہیں، اس لیے کہ معاہدین میں سے ہر ایک نے اللہ کی امانت، کفالت اور شہادت کے ساتھ عہد باندھا ہے، پس ثابت ہوا کہ جو شخص بھی ہم سے عہد باندھنے کے بعد دینِ اسلام کو ہدفِ طعن بناتا ہے اسے اس سے احتراز کرنا چاہیے، لہٰذا وہ کفر کا امام ہے اور اس کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح کفر کے امام اور غیر امام میں جو فرق و اختلاف ہے وہ واضح ہو جاتا ہے۔ غیر امام وہ ہے جو کسی بات پر مصالحت کر کے اس کی خلاف ورزی کرے مگر طعن فی الدین کا مرتکب نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے سے ذمّی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے:

وجہ رابع: چوتھی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے سے ذمّی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، قرآن میں فرمایا:

﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [التوبة: ۱۳]

''بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبرِ خدا کے جلا

وطن کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا اور انھوں نے تم سے (عہد شکنی کی) ابتدا کی۔"

اس آیت میں کفار کے رسول کریم ﷺ کو جلا وطن کرنے کے ارادے کو ان کے ساتھ جنگ کا محرک اور موجب قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس سے رسول کریم ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہے مگر آپ ﷺ کو گالی دینا جلا وطن کرنے کے ارادے سے بھی زیادہ شدید ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا تھا فتحِ مکہ کے روز اُن کو رسول کریم ﷺ نے معاف کر دیا تھا مگر گالی دینے والوں کو معاف نہیں کیا تھا۔

بنا بریں ذمی جب رسول کریم ﷺ کو گالی دے گا تو اپنے عہد کو توڑ دے گا، اور ایسے فعل کا مرتکب ہو گا جو رسول کریم ﷺ کو جلا وطن کرنے کے ارادے سے بھی عظیم تر ہے اور چونکہ اس نے ایذا رسانی کی طرح ڈالی ہے، لہٰذا اُس سے لڑنا واجب ہے۔

وجہ خامس: پانچویں وجہ مندرجہ ذیل آیت میں بیان کی گئی ہے:

﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ [التوبة: ١٤، ١٥]

"ان سے خوب لڑو، خدا ان کو تمھارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں سے غصہ دور کرے گا اور جس پر چاہے گا رحمت کرے گا اور خدا سب کچھ جانتا اور حکمت والا ہے۔"

عہد شکنی کرنے والوں سے لڑنا واجب ہے:

مذکورہ صدر آیت کریمہ میں عہد شکنی کرنے والوں اور دین کو ہدفِ طعن بنانے والوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا اور ہمیں یقین دلایا کہ اگر ہم اس طرح کریں گے تو وہ ہمارے ہاتھوں انھیں عذاب دے گا، انھیں رسوا کرے گا، اُن کے خلاف ہمیں مدد دے گا اور مومنین کے سینوں کو شفا دے گا جو کفار کے نقضِ عہد اور طعن کی وجہ سے زخم خوردہ ہو چکے ہیں، اس طرح ان کے دل میں جو غصہ ہے وہ دُور ہو جائے گا، اس لیے کہ اس کو ہمارے جنگ کرنے پر اس طرح مرتّب کیا گیا ہے جس طرح جزا شرط پر مترتب ہوتی ہے۔ عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اُن سے لڑو گے تو یہ سب کچھ ہو کر رہے گا، پس معلوم ہوا کہ عہد

شکنی کرنے والا ان سب باتوں کا مستحق ہوتا ہے، ورنہ کفار کبھی ہم پر غالب ہوتے ہیں اور کبھی ہم ان پر غلبہ حاصل کرتے ہیں اگرچہ انجام کار کامیابی متقی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔

حدیث میں جو کچھ آیا ہے یہ آیت اس کی تصدیق کرتی ہے۔ حدیث میں فرمایا:

''جو قوم بھی عہد شکنی کرتی ہے دشمن اُس پر غالب آجاتا ہے۔''[1]

ہمارے ہاتھوں عذاب دینے سے مراد قتل ہے، لہٰذا عہد شکنی کرنے والا اور طعن فی الدین کا ارتکاب کرنے والا قتل کا مستحق ہے، اور ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا اپنے عہد کو توڑ دیتا ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، اس لیے وہ قتل کیے جانے کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صدر آیات میں کفار پر غلبے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کے بعد وہ جس کی طرف چاہے اپنی رحمت کے ساتھ لوٹ آئے، اس لیے کہ یہاں زیر بحث وہ فریق ہے جو اس سے باز رہتا ہے مگر جو شخص قتل کا مستحق ہو چکا ہے اس کے بارے میں کوئی تقسیم نہیں تاکہ اُس کے بارے میں کہا جاسکے:

''اللہ اُسے عذاب دے گا اور اس کے بعد وہ جس کی طرف چاہے گا لوٹ آئے گا۔''

یہاں یہ احتمال بھی ہے موجود ہے کہ ''من یشآء'' کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہو جو بذاتِ خود طعن نہ کرے بلکہ طعن کرنے والے کی تائید کرے، اس گروہ کو اسی لیے طعن دینے والا کہا گیا ہے۔ اور جب اُن کو جانچا پرکھا جائے گا تو کچھ لوگ خود طعن دینے والے ہوں گے اور بعض نہیں۔ اور تائید کرنے والے کی طرف رجوع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصل طاعن کی طرف بھی رجوع کیا گیا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فتحِ مکہ کے سال آپ ﷺ نے لوگوں کو مباح الدم قرار دیا تھا جنھوں نے بذات خود آپ ﷺ کی ہجو کا ارتکاب کیا مگر اُن کو مباح الدم نہ ٹھہرایا جنھوں نے اس ہجو کو سنا تھا، اسی طرح بنوبکر کے خون کو مباح نہ ٹھہرایا جنھوں نے اُن کو اسلحہ عاریتاً دیا تھا۔[2]

وجہ سادس: چھٹی وجہ اس آیت کریمہ میں زیر بحث آئی ہے:

﴿ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ﴾

[التوبة: ١٤، ١٥]

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٠١٩) اسے امام حاکم و ذہبی اور امام بوصیری رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (المستدرك: ٤/ ٥٨٢) مصباح الزجاجة (٤/ ١٨٦)

[2] المصنف لابن أبي شيبة (٧/ ٤٠٢)

"مومنین کے سینوں کو شفا دے گا اور ان کے دل کے غصہ کو دور کر دے گا۔"

یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ سینوں کو نقضِ عہد اور طعن سے شفا دینا اور اس غصے کو دور کرنا جو اہلِ ایمان کے دلوں میں اس کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے شارع کا اصلی مقصود و مطلوب ہے، اور یہ اس صورت میں حاصل ہوتا ہے جب اہلِ ایمان جہاد کریں، جیسا کہ حدیث مرفوع میں آیا ہے:

"جہاد کا دامن تھامے رکھو، اس لیے کہ یہ اللہ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اس کے ذریعے اللہ دل سے ہم و حُزن کو دور کرتا ہے۔"[1]

اس میں شبہ نہیں کہ جو ذمی رسول کریم ﷺ کو گالی دیتا ہے تو وہ اہلِ ایمان کو ناراض کرتا اور انھیں ایسا دکھ پہنچاتا ہے جو ان کا خون بہانے اور ان کا مال لینے سے بھی زیادہ المناک ہے۔

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے غضب و حمیت کے جذبات بیدار ہوتے ہیں، اور اس سے بڑا غیظ و غضب مومن کے دل میں کسی اور چیز سے نہیں بھڑکتا بلکہ صراط مستقیم پر چلنے والا مومن صرف اللہ کے لیے ہی اس قدر غضب ناک ہو سکتا ہے۔ شارع چاہتا ہے کہ اہلِ ایمان کے سینہ کو شفا حاصل ہو اور اس کا غم و غصہ دور ہو جائے اور یہ مقصد صرف گالی دینے والے کو قتل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے حسب ذیل وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر کافر کسی مسلم کو گالی دے تو اس کی تعزیر و تادیب سے مسلمان کا غصہ دور ہو جاتا ہے، اگر وہ رسول کریم ﷺ کو گالی دے اور اس کی تعزیر و تادیب سے مسلمان کا غصہ رفع ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے ایک مومن کو اتنا ہی غصہ آیا جو ایک مومن کو گالی دینے سے آتا ہے، اور یہ باطل ہے۔

دوسری وجہ: کافر کو گالی دینے سے اسے اس قدر غصہ آتا ہے کہ اس کا مال لینے سے اتنا غصہ نہیں آتا۔ اگر ایک شخص کسی کافر کو قتل کر دے تو ان کا غصہ تبھی دُور ہوگا اگر قاتل کو قتل کیا جائے، اسی طرح ایک مسلم کا غصہ تبھی دور ہوگا جب رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے، یہی وجہ اولیٰ و افضل ہے۔

تیسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے کفار سے جنگ کرنے کو وجۂ شفا قرار دیا ہے اور کسی وجہ سے شفا کا حصول ناممکن ہے، لہٰذا واجب ٹھہرا کہ اہلِ ایمان کے سینوں کو شفا دینے کے لیے قتل و قتال کے سوا دوسری کسی چیز کو اختیار نہ کیا جائے۔

---

[1] مسند أحمد (۳۷/ ۳۵۵) اسے امام حاکم و ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (المستدرك: ۲/ ۸٤)

چوتھی وجہ: جب مکہ فتح ہوا تو رسول کریم ﷺ نے بنو خزاعہ کے اہلِ ایمان کے سینوں کو بنو بکر سے شفا دینا چاہی جو اُن سے لڑے تھے، چنانچہ عین دو پہر کے وقت ان کو یہ اختیار دیا جبکہ دیگر تمام لوگوں کو آپ ﷺ نے امان دے دی تھی۔[1] اگر بنو بکر کو قتل کیے بغیر بنو خزاعہ کا غصہ دور ہو سکتا اور ان کے سینوں کو شفا مل سکتی تو آپ ﷺ ان کو قتل نہ کرتے جبکہ آپ ﷺ نے دوسرے تمام لوگوں کو امان دے دی تھی۔

چوتھی دلیل:

قرآن کریم کی چوتھی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ﴾ [التوبة: ٦٣]

”کیا اُن لوگوں کو معلوم نہیں کہ جو شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ سے مقابلہ کرتا ہے تو اس کے لیے جہنم کی آگ (تیار) ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا، یہ بڑی رسوائی ہے۔“

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی ایذا رسانی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ آیت ہے:

﴿ وَ مِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ﴾ [التوبة: ٦١]

”اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو نبی کو ایذا دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو نرا کان ہے۔“

پھر اس کے آگے فرمایا:

﴿ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۞ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾

[التوبة: ٦٢، ٦٣]

”اے ایمان والو! یہ لوگ تمھارے سامنے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم کو خوش کر دیں، حالانکہ اگر یہ دل سے مؤمن ہوتے تو خدا اور اس کے پیغمبر خوش کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ جو شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرتا ہے۔“

---

[1] مسند أحمد (٢/ ١٧٩، ٢٠٧) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: ٦/ ١٨٠)

اگر رسولِ کریم ﷺ کو اذیت پہنچا کر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرنے والے نہ ہوتے تو ان کو یوں دھمکی دینا مناسب نہ ہوتا کہ مقابلہ کرنے والے کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ اُس وقت یوں کہنا ممکن ہوتا کہ ''انھیں معلوم ہے کہ مقابلہ کرنے والے کے لیے جہنم کی آگ ہے مگر انھوں نے تو مقابلہ نہیں کیا بلکہ صرف ایذا دی ہے۔'' اس طرح آیت ان کی وعید پر مشتمل نہ ہوتی، پس معلوم ہوا کہ یہ فعل مقابلہ کے عموم میں داخل ہے تاکہ مقابلہ کرنے والے کے لیے جو وعید ہے وہ ان کی وعید بن سکے اور کلام میں ربط و نظم پیدا ہو جائے۔

اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو حاکم نے اپنی صحیح میں باسنادِ صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''رسولِ اکرم ﷺ اپنے حجروں میں سے کسی حجرے کے سایہ میں تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے پاس ایک انسان آئے گا جو شیطان کی نگاہ سے دیکھنے والا ہوگا، وہ جب تمھارے پاس آئے تو اُس سے بات چیت نہ کریں۔'' اندریں اثنا ایک نیلی آنکھوں والا شخص آیا، رسولِ کریم ﷺ نے اس کو بلا کر کہا: ''تم اور فلاں فلاں اشخاص مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟'' وہ شخص چلا گیا اور دوسروں کو بلا لایا، انھوں نے قسم کھائی اور آپ ﷺ سے معذرت کی۔[1] تب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴾ [المجادلة: ١٨]

''جب اُن سب کو اللہ (قبروں سے) اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے جیسے تمھارے سامنے کھاتے ہیں اور ان کا گمان یہ ہوگا کہ ایسا کرنے سے کام بن جائے گا، آگاہ رہو کہ وہ جھوٹے ہیں۔''

پھر اس کے آگے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ [المجادلة: ٢٠]

''جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرتے ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ بات مقابلہ میں داخل ہے۔ ایک دوسری صحیح روایت میں آیا

---

[1] مسند أحمد (١/ ٢٤٠) اسے امام حاکم اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (المستدرك: ٢/ ٤٨٢، مجمع الزوائد: ٧/ ١٢٥)

ہے[1] کہ آیتِ کریمہ ﴿يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ [التوبة: ٩٦] (تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ) نازل ہوئی، اس سے قبل یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ﴾ (تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمھیں راضی کر دیں۔) پھر اس کے آگے فرمایا:

﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ [التوبة: ٦٣]

''کیا انھیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرتا ہے۔''

پس ثابت ہوا کہ یہ گالیاں دینے والے ہی مقابلہ کرنے والے ہیں۔ اس کی مزید توضیح آگے آئے گی۔ إن شاء اللّٰہ تعالیٰ

جب نبی ﷺ کو ایذا دینا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے مقابلہ کرنے کے مترادف ہے تو فرمان ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ [المجادلة: ٢٠، ٢١]

''جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ نہایت ذلیل ہوں گے۔ خدا کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک خدا زور آور اور زبردست ہے۔''

ظاہر ہے کہ ''أذل'' کا لفظ ذلیل سے بلیغ تر ہے، ''أذل'' اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب مخالفت کی صورت میں اس کی جان و مال کو خطرہ لاحق ہو، اس لیے کہ اگر اس کی جان اور مال محفوظ ہے تو وہ اذل نہیں ہوسکتا، اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت ہے:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ١١٢]

''یہ جہاں بھی ہوں ذلت ان سے چمٹ رہی ہیں، بجز اس کے کہ یہ خدا اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آجائیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جہاں کہیں بھی ہوں ذلّت ان کے ساتھ چمٹ رہی

---

[1] أسباب النزول للواحدي (ص: ٢٠٤)

ہوگی، بجز اس کے کہ یہ کسی سے معاہدہ کرلیں۔ معلوم ہوا کہ جس شخص نے معاہدہ کر کے کسی کے دامن میں پناہ لی ہو اس پر کوئی ذلت نہیں اگرچہ وہ مسکنت تو ہوتی ہے مگر ذلت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے دھوکہ دینے والوں کو ذلیل ترین لوگوں میں شمار کیا ہے، لہٰذا اُن کے لیے عہد نہیں، اس لیے کہ عہد ذلت کے منافی ہے، جیسا کہ اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے اور یہ بات نہایت واضح ہے کیونکہ ''اذل'' وہ شخص ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے برا سلوک کرنا چاہے تو اس سے بچنے کے لیے اس کے پاس قوت نہ ہو۔ جب مسلمانوں نے اس سے معاہدہ کیا ہوگا تو اس کی وجہ سے اس کی تائید ونصرت اور اس کا دفاع ان پر واجب ہے، اس لیے وہ ''اذل'' نہیں ہے، پس ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اس کے لیے کوئی عہد نہیں ہے جو اسے بچا سکے اور نبی اکرم ﷺ کو ایذا دینے والا ان کا مخالف ہے، پس موذی کے لیے کوئی عہد نہیں جو اُس کے خون کی حفاظت کر سکے، اور یہی بات مطلوب ومقصود ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [المجادلة: ٥]

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ذلیل کیا جائے گا جس طرح ان لوگوں کو ذلیل کیا گیا جو ان سے پہلے تھے۔''

اس آیت میں ''الکبت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ذلیل کرنے، رسوا کرنے اور گرانے کے ہیں۔ خلیل کہتے ہیں کہ ''کبت'' کے معنی منہ کے بل گرانے کے ہیں۔ نضر بن شُمیل اور ابن قتیبہ کے نزدیک اس کے معنی غصّے اور غم کے ہیں۔ یہ لفظ ''کبد'' سے اشتقاق اکبر کے طور پر ماخوذ ومشتق ہے، گویا غم وغصہ اس کے جگر کو کھائے جا رہا ہے، جیسے عربی محاورے میں بولتے ہیں: ''أحرق الحزنُ والعداوۃ کبدہ'' (غم اور عداوت نے اس کے جگر کو جلا دیا۔)

مفسرین کہتے ہیں کہ ''کُبِتوا'' کے معنی ہیں کہ انھیں ہلاک کیا گیا، رسوا کیا گیا اور غم زدہ کیا گیا، پس ثابت ہوا کہ مخالفت کرنے والا ذلیل وخوار ہوگا اور غم وغصہ سے ہلاک ہو جائے گا۔ اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب مخالفت کرنے والا اس بات سے ڈرتا ہو کہ اسے قتل کیا جائے گا، ورنہ جو شخص اسے مخالفت کی قدرت عطا کرے اور اس کا خون بھی محفوظ ہو تو وہ ذلیل ورسوا نہیں بلکہ مسرور وشاد کام ہے۔

آیتِ کریمہ کے الفاظ ہیں: ﴿كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ یعنی جن لوگوں نے قبل ازیں رسولوں کی مخالفت کی تھی اللہ تعالیٰ نے انھیں یا تو خود عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا یا اہلِ ایمان کے ہاتھوں تباہ و برباد کر دیا۔

اگرچہ "کبت" کا لفظ ہر ایسی جگہ استعمال کیا جاتا ہے جہاں کوئی شخص اپنے مطلوب و مقصود کو نہ پا سکا ہو۔ جیسے قرآن میں فرمایا:

﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ﴾ [آل عمران: ۱۲۷]

"یہ خدا نے اس لیے کیا کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک یا انھیں ذلیل و مغلوب کر دے۔"

مگر ﴿كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ سے رسولوں کے مخالفین مراد ہیں، یعنی وہ یا تو ہلاک ہو گئے یا انھوں نے ایذا رسانی کو چھپا لیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ منافق مخالفین میں سے تھے، وہ اپنا غصہ دل میں لیے ہلاک ہو گئے، اس لیے کہ وہ ڈرتے تھے کہ اگر انھوں نے اپنے قلبی احساسات کا اظہار کیا تو انھیں قتل کیا جائے گا، پس واجب ٹھہرا کہ ہر مخالف کی یہی حالت ہو، نیز یہ کہ فرمان باری تعالیٰ ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ (اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔) اور اس سے قبل یہ آیت کہ "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔" [المجادلة: ۲۰] اس امر کی دلیل ہے کہ "المحادة" کے معنی مقابلہ اور مخالفت کے ہیں تاکہ مخالفین میں سے ایک غالب ہو اور دوسرا مغلوب۔ یہ مقابلہ جنگجو فریقین کے درمیان ہوتا ہے، صلح جو لوگوں کے درمیان نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو مخالف ہوتا ہے وہ صلح کرنے والا نہیں ہوتا اور رسولوں کو جو غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ دلائل اور مخالف کو مغلوب کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس کو لڑنے کا حکم دیا جاتا ہے وہ اپنے دشمن پر غالب آ جاتا ہے اور جس کو لڑنے کا حکم نہیں دیا جاتا وہ دشمن پر قابو پا لیتا ہے۔ اور یہ اس شخص کے قول سے احسن ہے جو کہتا ہے کہ لڑنے والے کو غلبہ تائید و نصرت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور غیر محارب کو دلائل کی بنا پر، پس یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ یہ مخالفین لڑتے تو ہیں مگر مغلوب ہیں۔

مزید برآں "المحادة" کے معنی ایک طرف ہونے کے ہیں، اس لیے کہ یہ لفظ "حَدّ" سے نکلا ہے جس کے معنی جُدا ہونے اور الگ ہونے کے ہیں۔ اسی طرح لفظ "المشاقّة" "شِقّ" سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی بھی یہی ہیں۔ بایں طور یہ دونوں لفظ مقاطعہ اور مفاصلہ (جدائی اور علیحدگی) کے

لیے بولے جاتے ہیں۔اس کو "المشاقة" کہنے کی وجہ یہی ہے کہ دونوں مخالفین ایک دوسرے سے الگ اور "شقٍ من الآخر" (جدا) رہتے ہیں۔اس کا مطلب اس رشتے کا ٹوٹ جانا ہے جو دوعہد کرنے والوں کے درمیان پایا جاتا ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ دونوں ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں، لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے کے ساتھ کوئی علاقہ اور رابطہ نہیں ہوتا۔

مزید برآں جب "المحادة" کے معنی "المشاقة" کے ہیں تو ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ [الأنفال: ۱۲]

"یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔"

اس آیت میں مخالفت کی وجہ سے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنا بریں جو شخص بھی مخالفت کرے اور دوسروں سے علیحدہ ہو اس کے ساتھ یہی سلوک روا رکھنا چاہیے، اس لیے کہ دونوں میں ایک ہی علت پائی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ [الحشر: ۳، ۴]

"اور اگر خدا نے ان کے بارے میں جلا وطن کرنا نہ لکھ رکھا ہوتا تو ان کو دنیا میں ہی عذاب دے دیتا، اور آخرت میں تو اُن کے لیے آگ کا عذاب تیار ہے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔"

اور تعذیب سے مراد اس آیت میں (واللہ اعلم) قتل ہے، اس لیے کہ اس سے کم درجہ کا عذاب، مثلاً: جلا وطنی، اموال کا لینا وغیرہ قبل ازیں انھیں دیا جا چکا تھا، لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے کو سزا دینا واجب ہے۔ اور جو کھل کر مقابلہ کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اور جو چھپ کر مقابلہ کرتا ہے وہ نہ تو محاد ہے اور نہ مشاق۔

یہ اندازِ استدلال دلالت میں قوی تر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص "محاد" ہے مگر "مشاق" نہیں ہے، اسی لیے "محاد" کی سزا مطلقاً پہلے لوگوں کی طرح "مکبوتا" (ذلیل ورسوا ہونا) اور "أذلین" (ذلیل تر لوگوں) میں شامل ہونا ہے۔ بخلاف ازیں "مشاق" (علانیہ مخالفت کرنے والا) کی سزا قتل اور دنیا کی سزا ہے اور "مکبوت" "أذلین" (رسوا تر) میں تبھی شامل ہوگا

جب اسے کھل کر مخالفت کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ بنابریں ''المحادة'' کا لفظ اعمّ ہے، اسی لیے مفسرین کہتے ہیں کہ آیت کریمہ:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ [المجادلة: ۲۲]

''جو لوگ خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔''

ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے جہاد میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو قتل کر دیا تھا، نیز ان لوگوں کے بارے میں جو ان کافر اور منافق رشتہ داروں کو سزا دینے کے درپے تھے جو رسول کریم ﷺ کو ستاتے تھے۔[1] پس معلوم ہوا کہ ''المحاد'' کا لفظ ''المشاق'' کی نسبت عام تر ہے۔ مندرجہ ذیل آیت بھی اس پر روشنی ڈالتی ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ... لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ [المجادلة: ١٤ تا ٢٢]

''بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر خدا کا غضب ہو۔ وہ نہ تم میں ہیں نہ اُن میں (آخر تک)''

یہ آیات ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں جنھوں نے خدا کے مغضوب علیہم یہودیوں سے دوستی قائم کر لی تھی۔[2] ان یہودیوں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ عہد کیا ہوا تھا۔ اس کے آگے فرمایا کہ اہلِ ایمان ان لوگوں سے کبھی دوستی نہیں لگاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہود کے ساتھ بھی دوستانہ مراسم استوار نہ کیے جائیں اگرچہ وہ ذمّی ہی کیوں نہ ہوں، اس لیے کہ آیت کا سببِ نزول یہی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اہلِ کتاب، عہد کرنے کے باوجود، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے مسلم اور کافر کی دوستی کو منقطع کر دیا ہے اگرچہ اس نے عہد کیا ہو اور وہ ذمّی ہو۔ بنابریں تقدیر عبارت یوں ہے کہ ''ان سے عہد لیا گیا تھا کہ مخالفت کا اظہار روا اعلان نہیں

---

[1] أسباب النزول للواحدي (ص: ١٣٠) تفسير القرطبي (١٧/ ٣٠٧)

[2] تفسير الطبري (٢٨/ ٢٢)

کریں گے" جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، اس کا مزید بیان آگے آئے گا۔ جب انھوں نے علانیہ مخالفت کا آغاز کیا تو ان کا عہد باقی نہ رہا، ان لوگوں کو "محادین" (علانیہ مخالفت کرنے والے) کہا جائے گا۔ بخلاف ازیں وہ لوگ "مشاقون" (خفیہ مخالفت کرنے والے) تھے، اس لیے وہ لوگ دنیا کی رسوائی، مثلاً: قتل، اور عذابِ آخرت کے مستحق ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے کا عہد باقی نہیں رہتا:

اگر معترض کہے کہ ہر یہودی اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہودی ہونے کا باوجود ان کا عہد قائم رہتا ہے اور یہ اس بات کے خلاف ہے کہ "محاد" کا عہد باقی نہیں رہتا۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اظہارِ مخالفت کی موجودگی میں مخالف کا عہد باقی نہیں رہتا مگر جب وہ مخالفت کا اظہار نہیں کرے گا تو ہم اس کے ساتھ معاہدہ کر لیں گے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۱۲]

"یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت ان سے چمٹ رہی ہوگی، بجز اس کے کہ یہ خدا اور مسلمانوں کی پناہ میں آجائیں۔"

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ ذلت ان کے ساتھ لازم ہو جاتی ہے اور وہ اسی صورت میں زائل ہوتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ یا مسلمانوں کی پناہ میں آجائیں اور مسلمانوں کی پناہ انھیں اسی صورت میں حاصل ہوگی جب وہ بالاتفاق مخالفت کا اظہار نہ کریں، لہٰذا اسے جو پناہ حاصل ہے وہ مطلق نہیں بلکہ مقید ہے، پس یہ عہد اسے ذلت سے نہیں روک سکتا جبکہ وہ ایسا کام کرے جو عہد کے منافی ہو۔

جن اہلِ علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ذلت ان کے لیے ہر حال میں لازم ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ میں علی الاطلاق اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ رہی یہ آیت ﴿إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ تو ہو سکتا ہے یہ ذلت ان کے ساتھ چسپاں ہوگی اور انھیں پکڑ کر قتل کر دیا جائے گا، بجز اس صورت کے جبکہ وہ لوگوں کی پناہ میں ہوں، اس پناہ سے ذلت تو دور نہیں ہوگی، البتہ اس کے بعض موجبات رفع ہو جائیں گے اور وہ قتل ہے، اس لیے جس کا خون عہد کے بغیر محفوظ رہ سکتا ہو وہ ذلیل ہے اگرچہ اس کا خون عہد کی وجہ سے محفوظ ہو جاتا ہو مگر اس صورت میں "المحادۃ" سے جو استدلال

کیا گیا تھا وہ کمزور ہو جائے گا، پس پہلا طریقہ ہی احسن ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، اس کی مزید وضاحت طوالت کی موجب ہے۔

پانچویں دلیل:

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ [الأحزاب: ٥٧]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔''

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دینے والا واجب القتل ہے اور معاہدہ بھی اس کو بچا نہ سکے گا، اس لیے کہ ہم نے معاہدہ اس بات پر نہیں کیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دے گا، اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''کعب بن اشرف کا کون ذمہ دار ہے؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔''[1]

اس حدیث میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک یہودی کے قتل کرنے کا حکم دیا جس نے معاہدہ کیا ہوا تھا، محض اس لیے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ذمّی کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے ورنہ اس کے اور دوسروں کے درمیان کچھ فرق نہیں رہے گا۔ اور یوں کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہودی دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں جبکہ وہ اپنے مذہب کے واجبات پر قائم بھی ہوں، اس لیے کہ ہم نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو اعلانیہ ایذا دیں، ہم نے ان کے ساتھ صرف یہ عہد کیا تھا کہ وہ اپنے مذہبی احکام پر عمل پیرا رہیں۔

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٢٥١٠) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٨٠١)

شاتمِ رسول کافر ہے

پہلی دلیل:

قرآن کریم میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن سے شاتمِ رسول کا کفر اور وجوبِ قتل یا ان میں سے ایک ثابت ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ معاہد نہ ہو اگرچہ وہ علانیہ اسلام کا اظہار کرتا ہو۔ اس پر علماء کا اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے، جیسا کہ ہم قبل ازیں متعدد علماء سے اجماع کا فیصلہ نقل کر چکے ہیں۔ ان آیات میں سے ایک آیت یہ ہے:

﴿ وَ مِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ یُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ [التوبة: ٦١]

”اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے۔ ان سے کہہ دو کہ وہ کان (ہے تو) تمھاری بھلائی کے لیے۔ وہ خدا کا اور مومنوں (کی بات) کا یقین رکھتا ہے، اور جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں ان کے لیے رحمت ہے اور جو لوگ رسولِ خدا کو رنج پہنچاتے ہیں ان کے لیے عذابِ اُلیم تیار ہے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول کریم کی ایذا رسانی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور مخالفت پر مبنی ہے، اس لیے کہ ایذا کا ذکر ہی ”المحادّة“ کے ذکر کا موجب ہوا ہے، اس کا اس میں داخل ہونا واجب ہے، اور اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے تو کلام غیر مربوط ہو جائے گا جب یہ کہنا ممکن ہو کہ وہ ”محاد“ (مخالف) نہیں ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایذا رسانی اور رسول کی مخالفت کفر کی موجب ہے، اس لیے کہ اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ اس کے لیے آتشِ جہنم تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، یوں نہیں فرمایا کہ ”اس کی سزا یہ ہے۔“ ظاہر ہے کہ ان دونوں جملوں میں فرق ہے بلکہ ”المحادة“ (مخالفت) ہی کو عداوت اور

علیحدگی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا نام کفر اور محاربہ ہے، بدیں وجہ یہ لفظ تنہا کفر سے بھی سنگین تر ہے۔

بنا بریں رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے والا کافر، اللہ اور اس کے رسول کا دشمن اور ان کے خلاف جنگ لڑنے والا ہوگا، اس لیے کہ ''المحادۃ'' کے معنی ہیں جدا ہونا، بایں طور کہ ہر ایک کی حد جدا ہو، جس طرح کہا گیا ہے کہ ''المشاقۃ'' یہ ہے کہ ہر شخص ایک شق، یعنی ایک جانب ہو جائے اور ''المعاداۃ'' یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں۔

حدیث نبوی میں ہے کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((من يكفيني عدوي؟)) ''کون میرے دشمن کے لیے کافی ہوگا؟''[1]

یہ ایک واضح امر ہے جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ بدیں وجہ ایسا شخص کافر اور مباح الدم ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰٓئِكَ فِي الْأَذَلِّيْنَ ﴾ [المجادلة: ٢٠]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگوں میں سے ہوں گے۔''

اگر وہ مومن اور معصوم الدم ہوتا تو ذلیل نہ ہوتا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [المنافقين: ٨]

''اور عزت اللہ، اس کے رسول اور مومنوں ہی کے لیے ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [المجادلة: ٥]

''ان کو ہلاک کیا جائے گا جس طرح ان لوگوں کو ہلاک کیا گیا جو ان سے پہلے تھے۔''

ظاہر ہے کہ ایک مومن کو رسول کی تکذیب کرنے والوں کی طرح ہلاک نہیں کیا جاتا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ [المجادلة: ٢٢]

''جو لوگ خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے

---

[1] المصنف لعبد الرزاق (٥/ ٢٣٧) رقم الحديث (٩٤٧٧) ابن حزم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (المحلى: ١١/ ٤١٣)

دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔"

جب اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے سے دوستی رکھنے والا مومن نہیں ہے تو مخالفت کرنے والا کیوں کر مومن ہو سکتا ہے؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ابو قحافہ نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی تو (ان کے بیٹے) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنا چاہا، یا عبداللہ بن ابی نے رسول کریم ﷺ کی تحقیر کی تو اس کے بیٹے نے رسول کریم ﷺ سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والا کافر اور مباح الدم ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی دوستی نہیں:

اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ [المجادلة: ٢٢]

"جو لوگ خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے ہوں۔"

نیز فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ﴾ [الممتحنة: ١]

"اے ایمان والو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لیے (مکہ سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ تم تو ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور وہ دینِ حق سے، جو تمھارے پاس آیا ہے، منکر ہیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ مومن نہیں ہیں۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ [الحشر: ٣، ٤]

''اور اگر خدا نے جلا وطن کرنا نہ لکھ رکھا ہوتا تو ان کو دنیا میں بھی عذاب دے دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے آگ کا عذاب تیار ہے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص خدا کی مخالفت کرے تو خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔''

ان آیات میں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کو دنیوی اور اخروی عذاب کا باعث قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے والا اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے۔ عذاب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کرے گا یا ہمارے ہاتھوں سے انھیں تباہ و برباد کرے گا ورنہ اس سے کم درجہ کا عذاب تو ان پر نازل ہو چکا ہے، مثلاً: مالوں کا چلا جانا اور دیار و بلاد سے جلا وطن ہونا۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الأنفال: ۱۲، ۱۳]

''جب تمھارا مددگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب وہیبت ڈالے دیتا ہوں، تم ان کے سر مار کر اڑا دو، ان کا پور پور مار کر توڑ دو۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انھوں نے خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو خدا بھی سخت عذاب دینے والا ہے۔''

ان آیات میں ان کے دلوں پر رعب جمانے اور ان کو قتل کا حکم دینے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، پس جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس عذاب کا مستحق ہوگا۔

هُوَ اُذُنٌ کی تفسیر:

مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جو بات ہمارا دل چاہے گا کہیں گے اور ہر قسم کھالیں گے جس کے نتیجہ میں رسول کریم ﷺ ہماری بات مان لیں گے۔

سعید بن جبیر، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں:

"هو أذن" یعنی وہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں۔ ❶

یعنی مفسرین کہتے ہیں کہ منافق رسول کریم ﷺ کو ایذا دیتے اور نازیبا باتیں کہتے تھے۔ بعض منافقوں نے کہا:

"یوں نہ کیجیے، ہمیں ڈر ہے کہ ہماری باتیں آپ تک پہنچ جائیں اور آپ ہمیں سزا دیں۔"

حلاس کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ہم چاہیں گے کہیں گے، پھر جب آپ ﷺ کے پاس جائیں گے تو آپ ہماری تصدیق کریں گے، اس لیے کہ محمد ﷺ تو صرف ایک سننے والے کان ہیں۔ تب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں:

"نبیل بن حارث ایک آدمی تھا جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا: "جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہے وہ نبیل کو دیکھ لے۔" نبیل رسول کریم ﷺ کی باتیں منافقوں تک پہنچایا کرتا تھا، اسے کہا گیا کہ یوں نہ کرو تو اس نے کہا: محمد ﷺ تو نرے کان ہے۔ کوئی شخص جو کہتا ہے اسے مان لیتے ہیں۔ ہم جو چاہیں اس سے کہیں گے، پھر آ کر قسم کھا لیں گے تو وہ ہماری بات تسلیم کر لے گا۔ تب اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔" ❷

ان کے قول "اذن" کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی بات آپ کے نزدیک مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ رسول کریم ﷺ صرف متقی لوگوں کی بات مانتے ہیں، آپ خبر سنتے ہیں، جب وہ قسم کھاتے ہیں تو آپ انھیں معاف کر دیتے ہیں، یہ اس لیے ہے کہ آپ خیر کا کان ہیں، اس لیے نہیں کہ آپ ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:

"آپ خیر کا کان ہیں کہ جو بات آپ بتاتے ہیں اسے مان لیتے ہیں اور تمھاری دل کی باتوں پر تمھیں نہیں پکڑتے، تمھارے اسرارِ نہانی کو اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض اوقات اس لفظ میں مذاق اور تحقیر کا پہلو بھی ہوتا ہے۔"

---

❶ تفسير الطبري (١٠/ ١٦٧)

❷ تفسير الطبري (١٠/ ١٦٨)

اگر معترض کہے کہ نعیم بن حماد نے بطریق محمد بن ثور از یونس از حسن روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! کسی فاسق وفاجر کو مجھ پر احسان کرنیکی توفیق عطا نہ کر کیونکہ جو وحی مجھ پر کی جاتی ہے اس میں مجھے کہا گیا ہے: جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔“[1] [المجادلة: ٢٢]

سفیان کہتے ہیں: اہلِ علم کا خیال ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری جو حاکمِ وقت سے ملے جلے رہتے ہوں، اس کو ابو احمد العسکری نے روایت کیا ہے۔ اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ کسی فاسق سے دوستی نہیں لگانا چاہیے، اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے، حالانکہ ان میں ایسا نفاق نہیں پایا جاتا جس کی بنا پر وہ مباح الدم ہو جائیں۔

منافق کسے کہتے ہیں؟

کہا گیا ہے کہ جو مومن اللہ اور اس کے رسول کو چاہتا ہو وہ علی الاطلاق اللہ اور اس کے رسول کا مخالف نہیں ہے، جس طرح علی الاطلاق وہ کافر اور منافق بھی نہیں ہے اگرچہ اس نے بہت سے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ جس طرح رسول کریم ﷺ نے نُعیمان سے کہا تھا، جس کو شراب نوشی کی وجہ سے کئی مرتبہ کوڑے مارے گئے تھے، کہ ”وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔“[2]

اس لیے کہ ”محادہ“ علی الاطلاق عداوت، قطعِ تعلق اور علیحدگی کو کہتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ مومن ایسا نہیں ہوتا مگر نفاق کا لفظ گاہے نفاق کے شعبوں میں سے کسی ایک شعبہ پر بھی بولا جاتا ہے، اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ کفر کی ایک قسم دوسری قسم سے کم درجہ کی ہوتی ہے،[3] یہی حال ظلم اور فسق کا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جس نے کسی نسب سے اظہارِ براءت کیا وہ کافر ہو گیا اگرچہ یہ کتنا ہی معمولی ہو۔[4] اور جس

---

[1] تفسير القرطبي (١٧/ ٣٠٨) علامہ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ (تخريج أحاديث إحياء علوم الدين: ٢/ ١٠٨٩، رقم الحديث: ١٥٨١)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٧٨٠، ٦٧٧٤)

[3] المستدرك (٢/ ٣١٣) اسے امام حاکم اور ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[4] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٧٤٤) مسند أحمد (٢/ ٢١٥) اسے امام بوصیری رحمہ اللہ نے صحیح اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ (صحيح الجامع الصغير: ٤/ ١٦٥)

نے غیر اللہ کی قسم کھائی وہ مشرک ہو گیا۔"[1]

منافق کی نشانیاں تین ہیں:

۱۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۲۔ جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔

۳۔ جب اسے امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرے۔[2]

ابن ابی مُلیکہ کہتے ہیں:

"میں تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملا ہوں، ان میں سے ہر ایک اس بات سے ڈرتا تھا کہیں وہ منافق نہ ہو۔"[3]

بنا بریں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فاجر سے منافق مراد لیا ہے، لہٰذا اس سے استدلال نہیں ٹوٹتا، یا اس سے ہر فاجر مراد ہو، اس لیے کہ فجور پر نفاق کا گمان کیا جاسکتا ہے۔ ہر فاجر اس امر سے خائف رہتا ہے کہ اس کے گناہ دل کی کسی بیماری کی وجہ سے صادر نہ ہوتے ہوں یا مرض کے موجب نہ ہوں، اس لیے کہ معاصی کفر کے قاصد ہیں، جب کوئی شخص فاسق سے محبت کرتا ہے تو گویا وہ منافق سے محبت کرنے والا ہے۔

پس اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ ایسے شخص سے محبت نہ کرے جس سے ایسے افعال کا صدور ہوتا ہو جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہیں، اس طرح بھی استدلال بحال رہتا ہے۔ یا کبائر ایسے شعبہ سے وابستہ ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا شعبہ ہے، پس ان کا مرتکب من وجہ مخالفت کرنے والا ہے اگرچہ دوسری وجہ سے وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والا ہو اور جس قدر مخالفت اس میں پائی جاتی ہے اسی قدر ذلت و رسوائی اس کو لاحق ہوتی ہے، جیسا کہ حسن نے کہا:

"اگرچہ وہ خچروں پر سوار ہوں اور ترکی گھوڑے انھیں تیزی سے لیے جا رہے ہوں، تاہم گناہ کی ذلت ان کی گردنوں سے چسپاں ہوتی ہے، اللہ اپنی نافرمانی کرنے والے کو ضرور رسوا کرتا ہے۔"[4]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (۳۲۵۱) سنن الترمذي، رقم الحديث (۱۵۳۵) اسے امام ابن حبان، حاکم اور ذہبی رحمہم اللہ نے صحیح اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۳) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۰۷)

[3] صحيح البخاري (۱/ ۱۳۵)

[4] حلية الأولياء (۲/ ۱۴۹)

عاصی کو اس کی معصیت کے مطابق ذلت وہلاکت لاحق ہوتی ہے اور اس کے ایمان کے بقدر اس کو عزت ملتی ہے، جس طرح اسے مذمت اور سزا بھی ملتی ہے۔

ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ مومن کسی صورت میں بھی احکامِ الٰہی کی مخالفت کرنے والے سے ''مودت مطلقہ'' (محبت علی الاطلاق) روا نہ رکھے۔ یہ بات انسانی فطرت میں رکھی گئی ہے کہ جو اس پر احسان کرتا ہے انسان اس سے محبت کرتا ہے اور جو اس سے برا سلوک کرتا ہے تو وہ اس سے دشمنی رکھتا ہے۔ جب ایک فاجر آدمی اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا اور احسان کرتا ہے تو وہ اس سے ایسی محبت روا رکھتا ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، اس طرح وہ اس کا دوست بن جاتا ہے، حالانکہ حقیقتِ ایمان اس وجہ سے اس کے ساتھ عدم محبت کی متقاضی ہے، حالانکہ جس ایمان سے وہ بہرہ ور ہے وہ اس امر کا مقتضی ہے کہ مودت ومحبت کے علائق صرف مومن کے ساتھ استوار کیے جائیں، نہ کہ کافر ومنافق کے ساتھ۔

اس بنا پر بھی یہ استدلال نہیں ٹوٹے گا کیونکہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو ایذا دیتا ہے وہ اصلی مخالفت کا اظہار کرتا ہے، جس میں مخالفت کی تمام انواع واقسام شامل ہیں، اس لیے وہ سزائے مطلق کا مستوجب ہے اور وہ کفار کی سزا ہے، جس طرح نفاق کا اظہار کرنے والا اس کا مستوجب اور مستحق ہوتا ہے مگر جو شخص نفاق کے کسی ایک شعبہ کا اظہار کرتا ہے وہ اس سزا کے لائق نہیں ہے۔ واللہ اعلم

دوسری دلیل:

موضوع زیرِ قلم کی دوسری دلیل یہ آیات ہیں۔ ارشاد فرمایا:

﴿ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴾ [التوبة: ٦٤ تا ٦٦]

''منافق ڈرتے ہیں کہ ان (کے پیغمبر) پر کہیں کوئی ایسی سورت نہ اتر آئے کہ ان کے دل کی باتوں کو ان (مسلمان) پر ظاہر کر دے۔ کہہ دو کہ ہنسی کیے جاؤ، جس بات سے تم

ڈرتے ہو خدا اس کو ضرور ظاہر کر دے گا۔ اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ کہو: کیا تم خدا اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرنے لگے! بہانے مت بناؤ، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں تو دوسری جماعت کو سزا بھی دیں گے کیونکہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں۔" [التوبة: ٦٤ تا ٦٦]

یہ آیت اس ضمن میں نص ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کی آیت اور اس کے رسول کا مذاق اڑانا کفر ہے، پس گالی دینا بطریق اولیٰ مقصود ہے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کی توہین کرے، خواہ سنجیدگی سے ہو یا ازراہِ مذاق، وہ کافر ہو جاتا ہے۔

متعدد اہلِ علم سے مروی ہے، جن میں ابن عمر، محمد بن کعب، زید بن اسلم اور قتادہ شامل ہیں، حدیث کے الفاظ ایک دوسرے سے مخلوط ہو گئے ہیں کہ ایک منافق نے غزوۂ تبوک میں کہا:

"میں نے اپنے ان قاریوں جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا جن کے پیٹ اتنے رعب دار ہوں، جن کی زبان اتنی جھوٹی ہو اور جو جنگ میں ان سے زیادہ بزدل ہوں۔ اس کی مراد رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے قاری صحابہ تھے۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم منافق ہو اور جھوٹ کہتے ہو، میں رسول کریم ﷺ کو اس سے آگاہ کروں گا۔ عوف رسول کریم ﷺ کو بتانے کے لیے گئے تو پتہ چلا کہ اس کے بارے میں پہلے ہی قرآن نازل ہو چکا ہے۔ یہ شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ سفر کے لیے اپنی ناقہ پر سوار ہو چکے تھے، اس نے کہا: یا رسول اللہ! ہم ہنسی مذاق کرتے تھے جس طرح قافلہ والے کرتے ہیں اور اس طرح اپنا سفر طے کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں، وہ رسول کریم ﷺ کی ناقہ کی رسّی کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، پتھر اس کے پاؤں کو زخمی کر رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہم تو صرف کھیل تماشا کر رہے تھے۔ رسول کریم ﷺ اُسے فرما رہے تھے کہ "کیا تم اللہ، اس کے رسول اور اس کی آیات کا مذاق اڑا رہے تھے!"[1]

مجاہد کہتے ہیں کہ ایک منافق نے کہا: محمد ﷺ ہمیں بتاتے ہیں کہ فلاں شخص کی ناقہ فلاں فلاں

[1] تفسير الطبري (١٠/ ١٧٢) التفسير لابن أبي حاتم (٤/ ٦٣)

وادی میں ہے، حالانکہ وہ غیب نہیں جانتے، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ معمر، قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ غزوۂ تبوک میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے سامنے سے منافقین کا ایک قافلہ جا رہا تھا۔ وہ کہنے لگے: اس شخص کا گمان ہے کہ یہ روم کے محل اور قلعے فتح کر لے گا۔ اللہ نے اپنے رسول کو ان باتوں سے آگاہ کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں کو میرے پاس لاؤ۔'' آپ نے ان کو بلا کر کہا: کیا تم نے فلاں فلاں بات کہی تھی؟ انھوں نے قسم کھائی کہ ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔[1]

معمر کہتے ہیں کہ کلبی نے کہا: (منافقین) میں سے ایک شخص باتوں میں ان کے ساتھ شریک نہ تھا بلکہ اُن کی مذمت کرتے ہوئے چلا آ رہا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ﴾ [التوبة: ٦٦]

''اگر ہم تمھارے ایک گروہ کو معاف کر دیں تو دوسرے گروہ کو سزا دیں گے۔''

وہ ایک ہی شخص تھا جس کو گروہ سے تعبیر کیا۔

ان لوگوں نے جب رسول کریم ﷺ اور آپ کے اہلِ علم صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحقیر اور مذمت کی اور آپ کی باتوں کو اہمیت نہ دی تو اللہ نے خبر دی کہ ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے اگر چہ یہ بات انھوں نے مذاق کے طور پر کہی تھی، پھر جو چیز اس سے شدید تر ہو گی اس کا کیا حال ہو گا؟ ان پر حد اس لیے نہ لگائی کہ ابھی منافقین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، بخلاف ازیں آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کر دیں، نیز اس لیے کہ آپ کو یہ حق حاصل تھا کہ آپ ﷺ اپنی تحقیر کرنے والوں کو معاف کر دیں۔

تیسری دلیل:

قرآنِ کریم میں فرمایا:

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾ [التوبة: ٥٨]

''اور اُن میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ کو طعن دیتے ہیں۔''

''لمز'' کے معنی عیب اور طعن کے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ تجھ پر تہمت لگاتے ہیں اور تحقیر کرتے ہیں۔ عطاء کہتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ تیری چغلی کھاتے ہیں۔

---

[1] تفسير الطبري (١٠/ ١٧٣)

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ ﴾ [التوبة: ٦١]

''اور اُن میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں۔''

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کو طعن دیتا یا ایذا پہنچاتا ہے وہ ان میں سے ہے، اس لیے کہ ''الذین'' اور ''من'' کے الفاظ اسم موصول ہیں اور عموم کا مفہوم دیتے ہیں۔ یہ آیت اگرچہ ایک قوم کے طعن دینے اور ایذا پہنچانے کی وجہ سے نازل ہوئی مگر اس کا حکم ان آیات کی طرح عام ہے جو خاص اسباب کے تحت نازل ہوئیں۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اس سے وہ شخص بھی مراد ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور وہ شخص بھی جو اس کی مانند ہو۔ جب کوئی لفظ کسی خاص وجہ سے زیادہ عام ہو تو کہا گیا ہے کہ وہ اپنے سبب کے اندر محدود ہوگا مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عمومِ قول پر عمل کرنا واجب ہے جب تک کہ سبب کے اندر محدود ہونے پر دلیل قائم نہ ہو جائے، جیسا کہ اپنی اصلی جگہ میں مرقوم ہے۔

علاوہ بریں اس شخص کا ان میں سے ہونا ایک ایسا حکم ہے جس کا تعلق ایک کے ساتھ ہے جو لمز اور أذی سے مشتق ہے، اور یہ اس امر کو مقتضی ہے کہ وہ انھی میں سے ہے، پس جس سے اس کا اشتقاق کیا گیا ہے وہ اس حکم کی علت ہے، لہٰذا اس کا ہر جگہ پایا جانا (جامع ہونا) واجب ہے۔ مزید برآں اگرچہ اس قول سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کو ان کا منافق ہونا معلوم تھا مگر جن لوگوں نے اپنے نفاق کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ان کے بارے میں اللہ نے اپنے نبی کو بتایا نہ تھا بلکہ یوں فرمایا:

﴿ وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ [التوبة: ١٠١]

''اور تمھارے گرد و نواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، تم انھیں نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو چند امور کی بنا پر آزمایا جن سے مومنین و منافقین کے درمیان امتیاز پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ [العنكبوت: ١١]

''اور خدا ان کو ضرور معلوم کرے گا جو ایماندار ہیں اور ان کو معلوم کرے گا جو منافق ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ [آل عمران: ۱۷۹]

''لوگو! جب تک خدا ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے گا مومنوں کو اس حال میں، جس میں تم ہو، ہرگز نہیں رہنے دے گا۔''

اس لیے کہ دراصل ایمان اور نفاق دل سے ہوتا ہے۔ اقوال و افعال، جو اس سے ظاہر ہوتے ہیں، اس کی فرع اور دلیل ہوتے ہیں۔ جب کسی آدمی سے ایسی کوئی چیز ظاہر ہوتی ہے تو اس پر حکم مترتب ہو جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جو لوگ رسول کریم ﷺ پر طعن کرتے اور ایذا دیتے ہیں وہ منافق ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ نفاق کی دلیل ہے اور اس کی فرع۔ ظاہر ہے کہ جب کسی کی فرع اور دلیل ظاہر ہوتی ہے تو اس کا اصل مدلول بھی ظاہر ہو جاتا ہے، پس ثابت ہوا کہ جس میں یہ بات ثابت ہوگی وہ منافق ہوگا، خواہ اس قول سے پہلے ہی منافق ہو یا اس قول کی وجہ سے اس میں نفاق نے جنم لیا۔

اگر معترض کہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ یہ بات رسول کریم ﷺ کے لیے اس امر کی دلیل ہو کہ یہ اشخاص منافق ہیں جو آپ کی زندگی میں ایسی باتیں کہتے ہیں اگرچہ یہ بات دوسروں کے لیے دلیل نہ ہو؟

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جب یہ بات رسول کریم ﷺ کے لیے دلیل ہے یا جن کے لیے یہ امکان بھی موجود تھا کہ وحی الٰہی کی بنا پر اللہ ان کو اس استدلال سے بے نیاز کر دیتا تو دوسروں کے لیے کیوں کر دلیل نہیں جن کے لیے دوسروں کے باطن کو جاننا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ بنابریں دوسروں کے لیے اس کا دلیل ہونا اولیٰ اور زیادہ مناسب ہے، مزید برآں اگر دوسروں کے حق میں یہ دلالت جامع نہ ہوتی جن سے ایسا قول صادر ہو تو ایسی بات کہنے والوں کے لیے آیت زجر و عتاب کا پہلو کیسے ہوگا؟ نہ ہی آیت سے اس قول کی اہمیت واضح ہو سکے گی، اس لیے کہ کسی خاص منافق پر دلالت کبھی تو اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اگرچہ وہ مباح کام ہوتا ہے، جیسے کہا جائے کہ سرخ اونٹ والا منافق ہے اور سیاہ کپڑوں والا منافق ہے اور اس قسم کے الفاظ۔

جب قرآن نے عین اس قول کی مذمت کی اور اس کے قائل کو وعید سنائی تو اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مخصوص منافقین کی نشان دہی مقصود نہیں بلکہ منافقین کی ایک نوع پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ مزید برآں یہ قول نفاق سے پوری مناسبت رکھتا ہے اس لیے کہ وہ شخص رسول کریم ﷺ کو طعن اور

اذیت نہیں پہنچا سکتا جس کا عقیدہ یہ ہو کہ آپ ﷺ سچے رسول ہیں یا آپ اس پر اس کی جان سے حق رکھنے والے ہیں اور آپ وہی بات کہتے ہیں جو سچی ہو اور وہی فیصلہ کرتے ہیں جو قرینِ عدل وانصاف ہو، آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کی تکریم وتوقیر تمام مخلوقات پر واجب ہے۔ اور جب یہ بات نفسِ نفاق کی دلیل ہے تو جہاں بھی یہ پائی جائے گی وہاں ہی نفاق موجود ہوگا۔

مزید برآں یہ بات بلا شبہ حرام ہے، اب یا تو یہ کفر سے کم درجے کی خطا ہوگی یا کفر ہوگی، ظاہر ہے کہ یہ کفر سے کم درجہ کی خطا نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نافرمانوں کی انواع واقسام کی نشان دہی کی ہے، مثلاً: زانی، بہتان لگانے والا، چور، کم تولنے والا اور خائن۔ اور اس کو نفاق معیّن اور مطلق کی دلیل قرار نہیں دیا۔ جب اِن اقوال کے قائلین کو منافق قرار دیا تو معلوم ہوا کہ یہ اقوال کفر کے موجب ہیں، صرف معصیّت ہی کے نہیں، اس لیے کہ بعض معاصی کو نفاق ٹھہرانا اور بعض کو نہ ٹھہرانا درست نہیں جب تک کسی دلیل سے اس کا اختصاص نہ ثابت ہوتا ہو، ورنہ یہ ترجیح بلا مرجح ہوگی، پس ثابت ہوا کہ ان اقوال کا کسی ایسے وصف کے ساتھ مخصوص ہونا ناگریز ہے جس سے ان کا دلیلِ نفاق ہونا لازم آتا ہو، اور جہاں بھی یہ بات موجود ہوگی اسے کفر قرار دیا جائے گا۔

منافقین کے اقوال عدم ایمان کی علامت ہیں:

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بعض اقوال کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے انھیں منافق قرار دیا گیا، دیکھیے درج ذیل آیات میں فرمایا:

﴿ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي﴾ [التوبة: ٤٩]

”مجھے تو اجازت ہی دیجیے اور آفت میں نہ ڈالیے۔“

اس سے قبل فرمایا:

﴿لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴾ [التوبة: ٤٤، ٤٥]

”جو لوگ خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اجازت نہیں مانگتے (کہ

پیچھے رہ جائیں بلکہ چاہتے ہیں کہ) اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور خدا ڈرنے والوں سے واقف ہے۔ اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو خدا پر اور پچھلے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں، سو وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس کو عدمِ ایمان اور شک کی جامع علامت قرار دیا۔ رسول کریم ﷺ کے جہاد کے لیے نکلنے کے بعد یہ جہاد سے انحراف اور جہاد میں شامل نہ ہونے والے کی طرف سے اظہارِ معذرت بھی ہے، جس کا خلاصہ جہاد میں عدمِ شمولیت نکلتا ہے، پس آپ کو طعن دینا اور ایذا رسانی بالاولیٰ اس کی جامع دلیل ہے، اس لیے کہ پہلی بات اس کے لیے رسوائی کی موجب ہے اور دوسری بات اس کے محاربہ پر مبنی ہے اور یہ ظاہر بات ہے۔

منافقین ایمان سے عاری ہیں:

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو شخص آپ ﷺ کو طعن دے اور ایذا پہنچائے تو وہ منافقین میں سے ہے، تو ثابت ہوا کہ اس کی ضمیر منافقین اور کفار کی طرف لوٹتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ﴾ [التوبة: ٤١، ٤٢]

"تم سبک بار ہو یا گراں بار (یعنی مال و اسباب تھوڑا رکھتے ہو یا زیادہ) گھروں سے نکل آؤ اور خدا کے راستے میں مال اور جان سے لڑو، یہی تمھارے حق میں اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔ اگر مالِ غنیمت آسانی سے مل جائے اور سفر بھی کم ہو تو تمھارے ساتھ شوق سے چل دیتے لیکن مسافت ان کو دور دراز نظر آئی تو عذر کریں گے اور خدا کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے۔"

"سیحلفون" کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں جو قسم کھانے والے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نکل سکتے تو تمھارے ساتھ نکلتے۔ بلا ریب و خلاف ایسے لوگ منافق ہیں۔

پھر اگلی آیت میں ضمیر کو اُن کی طرف لوٹایا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ﴾ [التوبة: ٥٣، ٥٤]

''کہہ دو کہ تم (مال) خوشی سے خرچ کرو یا کرو نا خوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، تم نافرمان لوگ ہو اور ان کے خرچ (اموال) کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوا اِس کے کہ انھوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے کفر کیا۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ضمیر کا مرجع یہی لوگ ہیں اور انھوں نے ہی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے، ان میں سے کچھ لوگ طعن دیتے ہیں اور کچھ ایذا پہنچاتے ہیں۔ ﴿مَا هُمْ مِّنْكُمْ﴾ (وہ تم میں سے نہیں ہیں) کہہ کر بھی ان کو خارج از ایمان قرار دیا گیا۔

قرآن کریم کے متعدد مقامات میں منافقین کو خارج از ایمان قرار دیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ وہ کفار سے بھی بدتر ہیں اور وہ جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے۔ منافق روز قیامت اہلِ ایمان سے کہیں گے:

﴿ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ﴾ [الحديد: ١٤، ١٥]

''آیئے، ہم تمھارے نور سے کچھ اخذ کریں، پھر ان سے کہا جائے گا کہ آج تم سے اور کفار سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔''

آخر میں اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان کا جنازہ نہ پڑھائیں اور یہ بھی بتایا کہ وہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا، پھر ان کے ساتھ جہاد کرنے اور سختی برتنے کا حکم دیا۔ نیز فرمایا:

﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

[الأحزاب: ٦٠]

''اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو بری بری خبریں اڑایا کرتے ہیں، اپنے کردار سے باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے، پھر وہاں تمھارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔''

چوتھی دلیل:

درج ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ [النساء: ٦٥]

''تمھارے پروردگار کی قسم، یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمھیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اسے خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔''

باری تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو حکم نہ بنائیں، پھر آپ کے فیصلہ پر کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اپنے ظاہر و باطن کو اس کے سامنے جھکا دیں، اس سے قبل یہ آیت ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ [النساء: ٦٠، ٦١]

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو کتاب تم پر نازل ہوئی ہے اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک سرکش کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس سے اعتقاد نہ رکھیں، اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ اس کو بہکا کر راستہ سے دور ڈال دے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کی طرف رجوع کرو اور پیغمبر کی طرف آؤ، تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے اعراض کرتے اور رک جاتے ہیں۔''

خداوند تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جس کو کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ کرنے کی اور رسول کریم ﷺ کی طرف دعوت دی جائے اور وہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روک دے تو ایسا شخص منافق ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَيَقُولُونَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَاِذَا دُعُوٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۝ اَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوٓا اَمْ يَخَافُونَ اَنْ يَّحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ۝ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ اِذَا دُعُوٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُولُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [النور: ٤٧ تا ٥١]

"اور کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ان کا حکم مان لیا، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فرقہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ صاحبِ ایمان ہی نہیں ہیں۔ اور جب ان کو خدا اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کا قضیہ چکا دیں تو ان میں سے ایک فرقہ منہ پھیر لیتا ہے، اور اگر معاملہ حق ہو اور ان کو پہنچتا ہو تو ان کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا یہ شک میں ہیں یا ان کو یہ خوف ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان کے حق میں ظلم کریں گے (نہیں) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔ مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب خدا اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

مذکورہ صدر آیات میں بیان فرمایا کہ جو شخص اطاعتِ رسول سے منھ موڑے اور آپ کے حکم سے اعراض کرے تو وہ منافق ہے مومن نہیں، مومن وہ ہے جو کہتا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ جب رسول کریم ﷺ کی اطاعت سے اعراض کرنے اور اپنا فیصلہ شیطان کی طرف لے جانے سے ایمان زائل ہو جاتا ہے اور نفاق کا اثبات ہوتا ہے، حالانکہ یہ ترکِ محض ہے جس کا سبب حرص و ہوا کی قوت ہے تو آپ کی تحقیر اور سبّ و شتم کیونکر کفر کا باعث نہ ہو گا؟

ایک شخص رسول کریم ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا:

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابو اسحاق ابراہیم بن عبد الرحمن بن ابراہیم بن دُحیم نے اپنی تفسیر میں بطریق شعیب بن شعیب از ابو المغیرہ از عتبہ بن ضمرہ وہ اپنے والد سے روایت

کرتے ہیں کہ دو آدمی اپنا جھگڑا عدالتِ نبوی میں لائے۔ آپ ﷺ نے جھوٹے کے خلاف سچے آدمی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا: میں اس پر راضی نہیں ہوں، اس کے ساتھی نے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ کہا: میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروانا چاہتا ہوں، چنانچہ وہ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا: ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تمھارا فیصلہ وہی ہے جو رسول کریم ﷺ نے کیا ہے۔'' اس کے ساتھی نے اسے تسلیم نہ کیا اور کہا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں، چنانچہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے، جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا: ہم پہلے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں، دونوں نے میرے حق میں فیصلہ صادر فرمایا مگر میرا ساتھی نہیں مانتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے ساتھی سے پوچھا تو اس نے بھی واقعہ اسی طرح دہرا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے اندر داخل ہوئے اور تلوار لے کر باہر آئے اور آپ نے وہ تلوار اس شخص کے سر پر دے ماری جس نے انکار کیا تھا اور اسے قتل کر دیا، تب یہ آیت کریمہ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ...﴾ نازل ہوئی۔ [النساء: ٦٥]

اس مُرسل روایت کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے جو لائقِ اعتماد ہے، جسے ابنِ دُحیم نے بطریق الجوز جانی از ابو الاسود از ابن لہیعہ از ابو الاسود از عروہ بن زبیر روایت کیا ہے کہ دو آدمی اپنا جھگڑا لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ایک کے حق میں فیصلہ دے دیا، دوسرے نے کہا: ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجئے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! عمر کے یہاں چلے جاؤ۔'' چنانچہ وہ دونوں چلے گئے۔ جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا: اے ابن الخطاب! رسول کریم ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کیا تھا مگر اس نے کہا کہ ہمیں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجئے، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے آدمی سے پوچھا: کیا یہ ٹھیک کہتا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھہرو، میں واپس آ کر فیصلہ کروں گا۔ گھر سے تلوار حمائل کیے نکلے اور اس آدمی کے سر پر دے ماری جس نے کہا تھا کہ ہمیں عمر فاروق کے پاس بھیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور دوسرا آدمی رسول کریم ﷺ کے یہاں لوٹ آیا۔ اس نے عرض کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا، اگر میں انھیں اس کا موقع دیتا تو وہ

مجھے بھی مار ڈالتے، یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''مجھے یہ گمان نہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک مومن کو قتل کرنے کی جسارت بھی کر سکتا ہے! تب مذکورہ بالا آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ نازل ہوئی اور اللہ نے حضرت عمر کو اس کے قتل سے بری قرار دیا۔''[1]

یہ واقعہ مذکورہ بالا دو سندوں کے علاوہ بھی بسند دیگر منقول ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ کی روایت دوسری روایت کی تائید وحمایت کے لیے لکھا کرتا ہوں۔ میں نے اس کی روایت یہاں اس لیے نقل کی ہے کہ اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے، یوں نہیں کہ ابن لہیعہ روایت کرنے میں منفرد ہو تب بھی میں اس کی روایت کو حجت تسلیم کروں۔

پانچویں دلیل:

علماء نے مندرجہ ذیل آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

''جو لوگ خدا اور اس کے رسول کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر خدا دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت) سے جو انھوں نے نہ کیا ہو، ایذا دیں تو انھوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔'' [الأحزاب: ۵۷، ۵۸]

رسول کی ایذا اللہ کی ایذا ہے:

یہ آیت کئی وجوہ سے مسئلہ زیرِ قلم پر دلالت کرتی ہے:

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایذا کو رسول کی ایذا اور اپنی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ساتھ مقرون ومتصل کر کے بیان کیا ہے، یہ بطریق منصوص بھی آپ سے منقول ہے۔ اور جو شخص اللہ کو ایذا دے وہ کافر اور مباح الدم ہے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسول ﷺ کی محبت، اپنی اور رسول کی رضا مندی، اپنی اطاعت اور رسول کی اطاعت کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۱/ ۵۲۱)

عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾

[التوبة: ٢٤]

''کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو خدا اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تمھیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے، اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' [التوبة: ٢٤]

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ [التوبة: ٦٢]

''اللہ اور اس کا رسول اس بات کے بہت حقدار ہیں کہ ان کو راضی کریں۔''

اس آیت میں ﴿يُّرْضُوْهُ﴾ کی ضمیر واحد ہے (اس سے اللہ اور اس کا رسول دونوں مراد ہیں) ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ [الفتح: ١٠]

''جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔''

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [الأنفال: ١]

''تجھ سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے کہ مالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔''

مندرجہ ذیل آیات میں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت، عداوت، اذیت اور معصیت کو ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ [الأنفال: ١٣]

''یہ اس لیے ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔''

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ﴾ [المجادلة: ٢٠]

”بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔“

﴿ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّہٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ﴾ [التوبة: ٦٣]

”کیا انھیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔“

﴿ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ﴾ [النساء: ١٤]

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے۔“

اللہ اور اس کے رسول کا حق باہم لازم وملزوم ہیں:

متذکرہ صدر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حق باہم لازم وملزوم ہے، نیز یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی حرمت کی جہت ایک ہی ہے، لہٰذا جس نے رسول ﷺ کو ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اس لیے کہ امت کے تعلق باللہ کا رشتہ صرف رسول کے واسطہ سے استوار ہو سکتا ہے۔ کسی کے پاس بھی اس کے سوا دوسرا کوئی طریقہ یا سبب نہیں ہے، اوامر ونواہی اور اخبار و بیان میں اللہ نے رسول ﷺ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا ہے، اس لیے مذکورہ بالا امور میں اللہ اور رسول کے مابین تفریق جائز نہیں۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ اور رسول کی ایذا اور مومنین اور مومنات کی ایذا میں تفریق کی ہے، اہل ایمان کی ایذا کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُھْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا﴾ [الأحزاب: ٥٨]

”اس نے بہتان باندھا اور واضح گناہ کا ارتکاب کیا۔“

جبکہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والے پر دنیا وآخرت میں لعنت کی اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا۔ ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان کو ایذا کبھی تو کبائر کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے دی جاتی ہے اور اس میں کوڑے مارنا بھی شامل ہے، اس سے اوپر صرف کفر اور قتل باقی رہ جاتا ہے۔

تیسری وجہ: اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اس نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔ لعنت کے معنی رحمت سے دور کرنے کے ہیں اور دنیا وآخرت میں اس کی رحمت سے محروم صرف کافر ہوتا ہے، اس لیے کہ مومن بعض اوقات لعنت کے قریب تو پہنچ جاتا ہے مگر وہ مباح

الدم نہیں ہوتا، اس لیے کہ خون کی حفاظت اللہ کی طرف سے عظیم رحمت ہے جو کافر کے حق میں ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

﴿ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا﴾ [الأحزاب: ٦٠، ٦١]

''اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں مرض ہے اور وہ جو (مدینے کے شہر میں) بری بری خبریں اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار) سے باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے، پھر وہاں تمھارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔ وہ بھی پھٹکارے ہوئے، جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مار ڈالے گئے۔''

ان کو پکڑنا اور قتل کرنا ان کی لعنت کی توضیح اور اس کے حکم کا تذکرہ ہے، اس لیے اعراب میں اس کا کوئی محل نہیں اور وہ حالِ ثانی بھی نہیں ہے، اس لیے کہ جب ملعون کی صورت میں وہ آپ کے پڑوس میں رہیں گے اور ان پر لعنت کا اثر دنیا میں ظاہر نہ ہوا تو یہ ان کے حق میں وعید نہ ہوگی بلکہ یہ لعنت وعید سے قبل اور بعد بھی ثابت ہے، پس یہ امر ناگزیر ہے کہ ان کو پکڑنا اور قتل کرنا اس لعنت کے آثار میں سے ہے جس کی وعید انھیں سنائی گئی ہے، پس یہ اس شخص کے حق میں ثابت ہوگی جس پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی۔

اس کی مؤید وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''مومن پر لعنت کرنا اس طرح ہے جیسے اس کو قتل کر دیا جائے۔''[1] (صحیح بخاری و مسلم)

جب اللہ نے اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے تو یہ اس طرح ہے جس طرح اسے قتل کیا گیا، پس اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قتل مباح ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لعنت کا مستوجب کافر ہوتا ہے مگر علی الاطلاق اس کا استعمال درست نہیں۔ اس کی مؤید یہ آیت ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٠٤٧) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١١٠)

اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا﴾ [النساء: ٥١، ٥٢]

''بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں، اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے راستہ پر ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے، اور جس پر خدا لعنت کرے تو تم اس کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔'' [النساء: ٥٠، ٥١]

اگر وہ معصوم الدم ہوتا تو مسلمانوں پر اس کی مدد واجب ہوتی اور اس کے مددگار ہوتے۔ اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ یہ آیت ابن اشرف کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس پر یہ لعنت ہوئی کہ اسے قتل کیا گیا، اس لیے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دیا کرتا تھا۔ واضح رہے کہ اس پر یہ اعتراض نہیں وارد ہوتا کہ لعنت ایسے لوگوں پر بھی کی گئی ہے جن کو قتل کرنا جائز نہیں، اس کی چند وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی، اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ نے دونوں جہانوں میں اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ دیگر ملعونوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''اللہ نے اس پر لعنت کی'' یا یہ کہ ''اس پر اللہ کی لعنت ہے،'' یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کسی وقت اس کو رحمتِ الٰہی سے دور کیا گیا ہو۔ ان الفاظ میں کہ اللہ نے اس پر لعنت کی یا یوں کہا جائے کہ اس پر ابدی اور عام لعنت ہے، اور وہ شخص کہ جس پر مطلق لعنت کی گئی ہو، ان دونوں میں فرق ہے۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام ایسے لوگ جن پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے، مثلاً:

۱۔ کتاب اللہ کے مندرجات کو چھپانے والے۔ [البقرة: ١٥٩]

۲۔ وہ ظالم جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں۔ [الأعراف: ٤٤، ٤٥]

۳۔ جو دانستہ مومن کو قتل کرے۔ [النساء: ٩٣]

کافر یا مباح الدم ہیں۔ برخلاف بعض ان لوگوں کے جنھیں سنت و حدیث میں ملعون قرار دیا گیا ہو۔

تیسری وجہ: تیسری وجہ یہ ہے کہ اس صیغہ کے ذریعے اللہ کے لعنت کرنے کی خبر دی گئی ہے، اس لیے ''وأعدّ لھم'' کو اس پر معطوف کیا گیا ہے۔ عام ملعون، جن کو قتل نہیں کیا جاتا یا ان کو کافر

قرار نہیں دیا جاتا، ان پر لعنت دعا کے صیغہ کے ساتھ کی گئی ہے، مثلاً یہ احادیث:

''اللہ اس پر لعنت کرے جو زمین کی مقرر کردہ حدود کو تبدیل کر دے۔''[1] ''اللہ چور پر لعنت کرے۔''[2] یا ''اللہ سود کے کھانے اور کھلانے والے پر لعنت کرے۔''[3]

اور اس قسم کے الفاظ مگر اس پر مندرجہ ذیل آیت سے اعتراض وارد ہوتا ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [النور: ٢٣]

''جو لوگ پرہیزگار اور برے کاموں سے بے خبر اور ایمان دار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت دونوں میں لعنت ہے، اور ان کو سخت عذاب ہوگا۔''

اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے، حالانکہ صرف بہتان لگانے سے نہ کفر لازم آتا ہے نہ ایسا شخص مباح الدم ہوتا ہے۔

اس آیت کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے، ایک مجمل طریقہ اور دوسرا مفصل۔

مجمل جواب یہ ہے کہ مومن پر صرف بہتان لگانا ایذا رسانی کی ایک قسم ہے اور اگر یہ جھوٹ بھی ہوا تو بہتان عظیم ہے، جیسا کہ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴾ [النور: ١٦]

''اور جب تم نے اسے سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ایسی بات زبان پر لائیں، (پروردگار!) تُو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔''

قرآن نے اس امر کی تصحیح کی ہے کہ اللہ و رسول کو ایذا دینے اور اہل ایمان کو ایذا دینے میں فرق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٧٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٧٨٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٨٧)

[3] مسند أحمد (١/ ٣٩٣)

أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَ الَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب: ۵۷، ۵۸]

''جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر خدا دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت) سے جو انھوں نے نہ کیا ہو، ایذا دیں تو انھوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔''

یہ بات جائز نہیں کہ صرف اہلِ ایمان کو بلا وجہ ایذا دینا دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت اور رسوا کن عذاب کا مستوجب ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ و رسول کی ایذا رسانی اور مومن کی ایذا رسانی میں کچھ فرق نہ ہوتا۔ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والا لعنت مذکورہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا، اور اہل ایمان کو ایذا دینے والے کو صرف اس لیے سزا دی جاتی کہ اس نے بہتان باندھا اور ظاہر گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

قرآن میں دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [النساء: ۱۱۱، ۱۱۲]

''اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے، اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور جو شخص کوئی قصور یا گناہ تو خود کرے لیکن اس سے کسی بے گناہ کو متہم کرے تو اس نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔''

یہ کیسے ممکن ہے! اس لیے کہ خداوند علیم و حکیم جب کسی گناہ پر عتاب کرتا اور اس سے روکتا ہے تو ضروری ہے کہ اس کی آخری سزا ذکر کرے۔ جب دو گناہوں کا ذکر کرتا ہے جن میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہوتا ہے تو وہ دونوں پر زجر و توبیخ کرتا ہے، پھر ایک گناہ کی سزا کا ذکر کرتا ہے اور دوسرے کی سزا اس سے کم بتاتا ہے، پھر دوسری جگہ اس گناہ کا ذکر کرتا ہے اور اس پر کم درجہ کے عذاب کی دھمکی دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے گناہ پر وہ سزا نہیں دی جاتی جو بڑے کی وجہ سے دی جاتی ہے۔

اس دلیل سے واضح ہوتا ہے کہ صرف بہتان لگانے سے، جس میں اللہ اور رسول کی ایذا رسانی

نہیں ہوتی، دنیا و آخرت کی لعنت اور رسوا کن عذاب نہیں دیا جاتا۔ یہ بات اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ دلیل جامعیت سے بہرہ ور اور ہر خامی و نقص سے مبرا ہے۔

باقی رہا جواب مفصل تو وہ تین وجوہ پر مبنی ہے:

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ آیت بطور خاص امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ ہُشیم نے بطریق عوّام بن حَوشب از شیخ بنو کاہل روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ النور کی تفسیر کرتے ہوئے جب آیت کریمہ ﴿يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ تک پہنچے تو فرمایا:

> ''یہ آیت بطورِ خاص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ آیت اس لیے مبہم ہے کہ اس میں توبہ کا ذکر نہیں کیا گیا، جو شخص کسی مومن عورت پر بہتان باندھے تو اسے توبہ کا حق حاصل ہے مگر انھوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر بہتان طرازی کرتے ہیں، پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے۔'' [النور: ٤]
>
> اس آیت میں ان کو توبہ کا حق دیا گیا ہے مگر اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والوں کو توبہ کا موقع نہیں دیا گیا۔ حاضرین میں سے ایک کو یہ تفسیر اس قدر پسند آئی کہ اس نے ارادہ کیا کہ اٹھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سر چوم لے۔''[1]

ابو سعید الاشج بطریق عبداللہ بن حراش از عوّام از سعید بن جبیر از ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے نازل ہوئی۔ اس میں منافقین پر عمومی لعنت کا ذکر کیا گیا ہے۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امہات المومنین پر بہتان طرازی کی تھی، اس لیے کہ ان پر بہتان لگانے سے رسول کریم ﷺ پر طعنہ زنی اور عیب جوئی لازم آتی ہے۔ اور بیوی پر بہتان طرازی خاوند اور اس کے بیٹے کے لیے اذیت رسانی کی موجب ہوتی ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا شوہر بے غیرت

---

[1] تفسير الطبري (١٨/ ١٠٤) اس کی سند میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا شاگرد (شیخ بنو کاہل) مجہول ہے، لہٰذا یہ ضعیف ہے۔

[2] تفسير ابن أبي حاتم (١/ ١٨٣) اسے امام حاکم اور ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

ہے اور اس کی بیوی نقص وفساد سے مبرا نہیں۔ بیوی کے ساتھ زنا کاری شوہر کے لیے حد درجہ اذیت رساں ہے، اسی لیے شارع نے اس کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ اگر بیوی زنا کی مرتکب ہو تو شوہر اس پر بہتان لگائے، اور لعان کے ذریعے شوہر سے حدّ کو ساقط کر دیا مگر کسی اور کے لیے مباح نہیں کہ کسی صورت میں بھی کسی عورت پر بہتان طرازی کرے۔

بیوی پر بہتان لگانے سے بعض لوگوں کو جو ننگ و عار لاحق ہوتی ہے وہ اس عار سے کہیں بڑھ کر ہے جو ان کی اپنی ذات پر بہتان طرازی سے لاحق ہوتی ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ سے اس ضمن میں جو دو منصوص روایات مذکور ہیں ان میں سے ایک کے مطابق انھوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جو غیر محصنہ پر بہتان لگائے، مثلاً: لونڈی یا ذمیہ پر، جبکہ اس عورت کا خاوند یا بیٹا محصن ہو، تو بہتان لگانے والے پر حد لگائی جائے گی، اس لیے کہ بہتان طرازی کی وجہ سے اس کے محصن بیٹے اور شوہر کو عار لاحق ہوئی ہے۔

امام احمد سے دوسری روایت، اور وہی اکثر علماء کا موقف ہے، یہ نقل کی گئی ہے کہ بہتان طرازی کرنے والے پر کوئی حد نہیں ہے، اس لیے کہ خاوند اور بیٹے کو اس سے ایذا تو پہنچی ہے مگر ان پر بہتان نہیں لگایا گیا۔ اور مکمل حدِ قذف (بہتان باندھنے) کی وجہ سے لگائی جاتی ہے مگر رسول اکرم ﷺ کی ذات کے بارے میں ایذا رسانی بھی قذف (بہتان باندھنے) کی مانند ہے۔ جو رسول کریم ﷺ کی ازواج کی تنقیص کر کے حضور ﷺ پر عیب لگائے وہ منافق ہے اور یہی مفہوم ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا کہ ''منافقین کے بارے میں عام لعنت ہے۔''

اہل علم کی ایک جماعت اس ضمن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہمنوا ہے، چنانچہ امام احمد اور الاشج نے خصیف سے روایت کیا ہے کہ میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا کہ آیا زنا زیادہ برا فعل ہے یا پاکدامن عورت پر بہتان طرازی؟ تو انھوں نے کہا کہ زنا زیادہ برا ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن میں تو آیا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ [النور: ۲۳]

''جو لوگ پاکدامن اور احساسِ گناہ سے غافل مؤمن عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔''

یہ سن کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''یہ بطور خاص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ باسنادِ خود ابو الجوزاء سے اس آیت کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت بطور

خاص امہات المومنین کے ساتھ متعلق ہے۔ اسی طرح الاشج بسند خود ضحاک سے آیت کے ضمن میں نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت اُمہات المومنین سے متعلق ہے۔ علاوہ ازیں معمر، کلبی سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے رسول اکرم ﷺ کی بیویاں مراد ہیں، اور اگر کوئی شخص مسلم عورت پر بہتان لگائے تو وہ نصِ قرآنی کے مطابق فاسق ہے یا پھر وہ توبہ کرے۔

اس کی وجہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ محض بہتان لگانے سے کوئی شخص دنیا اور آخرت کی لعنت کا مستوجب نہیں ہوسکتا۔ بنا بریں ﴿المحصنات الغافلات المؤمنات﴾ کا لامِ تعریف عہد کے لیے ہے اور معہود یہاں رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں، اس لیے کہ آیت کے سیاق و سباق میں واقعۂ افک اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے والوں کا ذکر کیا گیا ہے یا یوں کہیے کہ خصوصِ سبب کی وجہ سے لفظ عام کو مقصود و محدود کر دیا گیا ہے۔

اس کا مؤید یہ امر ہے کہ اس وعید کو پاکدامن اور غافل طبع مومن عورتوں پر بہتان لگانے پر مرتب کیا گیا ہے۔ سورۂ ہذا کے آغاز میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمٰنِينَ جَلْدَةً﴾ [النور: ٤]

''وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے انھیں اسّی کوڑے مارو۔''

اس آیت میں کوڑے مارنے، شہادت کو رد کرنے اور فسق کو محض بہتان لگانے پر مرتب کیا گیا ہے، لہٰذا پاکدامن، غافل طبع اور مومن عورتوں کو محض پاکدامن عورتون پر ترجیح ہونی چاہیے، واللہ اعلم، اس لیے کہ ازواج مطہرات کے ایمان کی سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کی مائیں ہیں۔ وہ دنیا اور آخرت میں نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ہیں جبکہ عام مسلمان عورتوں کے ایمان کا پتہ محض ان کے ظاہر سے چلتا ہے۔ نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [النور: ١١]

''اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بوجھ اٹھایا اس کو بڑا عذاب ہوگا۔''

اس آیت میں ﴿تَوَلّٰى كِبْرَهُ﴾ (بڑا بوجھ اٹھانے) کی تخصیص اس کے عذابِ عظیم کے ساتھ مختص ہونے کی دلیل ہے۔

نیز فرمایا:

﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [النور: ١٤]

''اور اگر دنیا اور آخرت میں خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا سخت عذاب نازل ہوتا۔''

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ بڑے عذاب میں ہر شخص کو مبتلا نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے وہ شخص دو چار ہوگا جس نے اس میں بڑا پارٹ ادا کیا ہے۔ یہاں فرمایا: ''ولھم عذاب عظیم'' اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے امہات المومنین پر بہتان باندھا، رسول کریم ﷺ کو عیب دار بنانا چاہا اور اس واقعہ میں سرگرم حصہ لیا، یہ عبداللہ بن اُبی منافق کی علامات ہیں۔

رسول ﷺ کو ایذا پہنچانے والے کی توبہ قبول نہیں کی جاتی:

واضح رہے کہ اس قول کی بنا پر یہ آیت بھی حجت ہوگی اور اس آیت سے ہم آہنگ ہوگی، اس لیے کہ جب امہات المومنین پر بہتان طرازی ایذائے رسول کی مترادف ہے تو ایسا کرنے والا دنیا اور آخرت میں ملعون ہے، اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''اس میں توبہ کی گنجائش نہیں۔''[1] اس لیے کہ اگر رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے والا بہتان طرازی سے تائب بھی ہو جائے تو اس کی توبہ مقبول نہیں یہاں تک کہ از سرِ نو اسلام قبول کرے۔ بنا بریں امہات المومنین پر بہتان لگانا نفاق ہے اور اس سے خون مباح ہو جاتا ہے، جب اس کا مقصد رسول کریم ﷺ کو ایذا پہنچانا ہو یا وہ ازواج مطہرات کو یہ جان لینے کے بعد ایذا پہنچاتا ہو کہ وہ آخرت میں بھی آپ ﷺ کی بیویاں ہوں گی، اس لیے کہ نبی کی بیوی پر کبھی لعنت نہیں کی جاتی۔

امہات المومنین پر بہتان طرازی ایذائے رسول کی موجب ہے:

اس امر کی دلیل کہ امہات المومنین پر بہتان طرازی رسول ﷺ کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہے، صحیحین کی حدیث ہے جس کو انھوں نے واقعۂ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ

[1] تفسير الطبري (١٨/ ١٠٤) اس کی سند میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا شاگرد (شیخ بنو کاہل) مجہول ہے، لہٰذا یہ ضعیف ہے۔

رسول کریم ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن اُبی سے معذرت طلب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے گروہِ مسلمین! مجھے اس شخص سے کون چھڑائے گا جس نے میرے اہلِ خانہ کے بارے میں مجھے ایذا دی ہے؟ بخدا! مجھے اپنے گھر والوں کے بارے میں بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔ اس ضمن میں وہ ایک آدمی کا نام لیتے ہیں جس کے متعلق میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور وہ میرے اہل خانہ کے پاس میری موجودگی میں آیا کرتا تھا۔"

حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: یارسول اللہ! میں آپ کو اس سے چھڑاؤں گا، اگر وہ قبیلہ اَوس سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کی گردن اڑاؤں گا اور اگر وہ ہمارے برادر خزرج کا آدمی ہے تو ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے، پھر خزرج قبیلہ کے سردار سعد بن عبادہ کھڑے ہو گئے، وہ بڑے نیک آدمی تھے مگر غیرت نے ان کو مشتعل کر دیا۔ سعد بن معاذ کو مخاطب کر کے کہنے لگے: بخدا! تم اسے قتل نہیں کر سکتے، تم میں اس کی قدرت نہیں ہے، پھر اسید بن حضیر کھڑے ہو گئے، جو سعد بن معاذ کے سگے چچا زاد بھائی تھے، اس نے سعد بن عبادہ سے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو، بخدا! ہم اسے ضرور قتل کریں گے، تم منافق ہو اور منافقین کی طرف داری کرتے ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اوس اور خزرج دونوں قبیلے اٹھ کھڑے ہوئے اور آمادہ پیکار ہو گئے، رسول کریم ﷺ منبر پر کھڑے تھے، آپ ﷺ ان کا غصہ دور کرتے رہے یہاں تک کہ خاموش ہو گئے اور آپ ﷺ نے بھی سکوت فرمایا۔"[1]

ایک دوسری صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب میرا واقعہ لوگوں میں مشہور ہوا جبکہ مجھے اس کا علم نہ تھا تو رسول کریم ﷺ میرے بارے میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے کلمہ شہادت پڑھا، اور اللہ کی حمد وثنا کی جس کا وہ اہل ہے، پھر حمد وصلوٰۃ کے بعد ذکر فرمایا:

"مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دیجیے جنھوں نے میرے اہل خانہ پر بہتان طرازی کی ہے، بخدا! میں نے اپنے اہل خانہ میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور متہم بھی اس شخص کے ساتھ کیا جس میں مَیں نے کوئی برائی نہیں دیکھی اور جب بھی وہ میرے گھر میں آیا تو میں موجود ہوتا تھا، میں جب بھی سفر پر جاتا تو وہ بھی میرے ساتھ جاتا۔" سعد بن معاذ نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! مجھے حکم دیجیے کہ ان

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲٦۳۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۷۰)

کی گردن اڑادوں۔[1]

رسول کریم ﷺ کے یہ الفاظ کہ "من يعذرني" یعنی کون مجھے انصاف دلائے گا اور جب میں بدلہ لوں تو کون مجھے معذور قرار دے گا؟ اس لیے کہ اس نے مجھے میرے اہل خانہ کے بارے میں ایذا دی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو اس سے اتنی تکلیف پہنچی کہ اس سے معذرت چاہی اور ان اہل ایمان نے کہا جن کو غیرت نے برانگیختہ نہیں کیا تھا کہ ہمیں حکم دیجیے کہ ان کی گردن اڑا دیں۔ اگر آپ ﷺ ہمیں ان کی گردن اڑانے کا حکم دیں گے تو ہم آپ کو معذور تصور کریں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنے کے بارے میں جو مشورہ مانگا تھا اور یہ کہا تھا کہ ایسا کرنے میں ہم آپ ﷺ کو معذور تصور کریں گے، اس پر آپ ﷺ نے کچھ اعتراض نہ کیا۔

بہتان لگانے والوں میں کچھ مومن بھی تھے:

اب یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بہتان طرازی کرنے والوں میں حسان، مسطح اور حمنہ بھی تھے، یہ لوگ نفاق سے متہم نہ تھے اور نبی ﷺ نے کسی کو بھی اس وجہ سے قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کو کوڑے مارنے کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ارادہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے کا نہ تھا اور نہ ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی جو ایذا رسانی پر دلالت کرتی ہو، بخلاف ازیں عبداللہ بن اُبی کہ اس کا ارادہ اذیت پہنچانے کا تھا۔ مزید برآں ابھی تک یہ بات ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوئی تھی کہ دنیا میں آپ کی جو بیویاں ہیں وہ آخرت میں بھی آپ کی بیویاں ہوں گی اور عقلاً ایسی بات کا آپ ﷺ کی بیویوں سے صادر ہونا ممکن تھا۔ اسی لیے اس واقعہ میں آپ ﷺ نے توقف فرمایا حتی کہ حضرت علی اور زید رضی اللہ عنہما سے اس ضمن میں مشورہ بھی لیا اور بریرہ رضی اللہ عنہا سے بھی دریافت کیا۔[2] اور جس نے ایذا رسانی کا ارادہ نہیں کیا تھا ان کو منافق نہ ٹھہرایا کیونکہ یہ امکان تھا کہ تہمت زدہ عورت کو آپ ﷺ کہیں طلاق نہ دیدیں۔ جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ آخرت میں بھی آپ ﷺ کی بیویاں ہوں گی، نیز یہ کہ یہ مومنوں کی مائیں ہیں، اس لیے ان پر بہتان طرازی رسول کریم کے لیے باعثِ ایذا ہے اور یہ جائز نہیں کہ ان

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٥٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٧٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٧٠)

سے بے حیائی کا کام صادر ہو کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ ایک زانیہ عورت کے ساتھ ایک گھر میں رہیں اور اہل ایمان کی ماں اس عیب سے داغدار ہو، جو باطل ہے۔

اسی لیے قرآن میں فرمایا:

﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [النور: ۱۷]

''خدا تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا''

کتاب کے آخری حصہ میں ہم اس شخص کے بارے میں فقہاء کے اقوال نقل کریں گے جو آپ کی بیویوں پر تہمت باندھے، نیز یہ کہ اس کو آپ ﷺ کی اذیت رسانی تصور کیا جاتا ہے۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ﴿يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ سے بطور خاص رسول کریم ﷺ کی بیویاں مراد ہیں جبکہ دیگر علماء کے نزدیک اس سے مومنین کی بیویاں مراد ہیں۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ پاکدامن عورت پر بہتان لگانے سے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ [النور: ۲۳]

''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔''

عمرو بن قیس کہتے ہیں کہ پاک دامن عورت پر بہتان لگانے سے نوے سال کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں کو الاشج نے روایت کیا ہے۔

اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے:

یہ بہت سے لوگوں کا قول ہے، اور ظاہری خطاب سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت عام ہے، لہٰذا اسے اس کے عموم پر رکھنا واجب ہے، اس لیے کہ خصوص کی کوئی دلیل موجود نہیں اور نفس سبب کی وجہ سے بھی یہ آیت بالاتفاق مخصوص نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر ازواج کا معاملہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ علاوہ ازیں یہ سبب نہیں ہے، اس لیے کہ یہ جمع کا صیغہ ہے اور سبب واحد ہوتا ہے، نیز اس لیے کہ عموماتِ قرآن کو ان کے اسبابِ نزول تک محدود کرنا باطل ہے۔ اس لیے کہ عام آیات خاص اسباب کی وجہ سے نازل ہوئی تھیں جو ان کے نزول کے مقتضی ہوئے، اور ظاہر ہے کہ

ان میں سے کوئی چیز بھی اپنے سبب پر محدود نہ تھی۔ دونوں آیات میں فرق یہ ہے کہ سورت کے آغاز میں اُن شرعی سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے جو مکلفین کے ہاتھوں دوسروں کو دی جاتی ہیں، مثلاً: کوڑے مارنا، شہادت کو رد کرنا اور کسی کو فاسق قرار دینا۔ اور یہاں ان سزاؤں کا ذکر کیا جو اللہ کی طرف سے دی جاتی ہیں، مثلاً: دنیا و آخرت میں لعنت اور عذابِ عظیم۔

آیتِ قذف کس کے بارے میں نازل ہوئی؟

رسول اکرم ﷺ سے باسانید متعددہ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ پاکدامن عورت پر بہتان لگانا گناہ کبیرہ ہے۔[1] روایات صحیحہ میں ''پاکدامن، غافل طبع اور مومن عورتوں پر بہتان لگانے کے الفاظ ہیں۔''[2] بعض اہلِ علم مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر اسی طرح کرتے ہیں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَٰتِ الْغَٰفِلَٰتِ الْمُؤْمِنَٰتِ ﴾ [النور: ۲۳]

''جو لوگ پاکدامن، غافل طبع اور مومن عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں۔''

ابوحمزہ الثمالی کہتے ہیں:

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت مشرکینِ مکہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ ان کے درمیان اور رسول کریم ﷺ کے درمیان معاہدہ تھا۔ اُن میں سے کوئی عورت اگر ہجرت کر کے مدینہ چلی جاتی تو مشرکینِ مکہ اس پر بہتان لگاتے اور کہتے کہ یہ بدکاری کے لیے نکلی ہے، لہٰذا یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو مومن عورتوں پر ایسا بہتان لگاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایمان لانے سے باز رہتی ہیں۔ اس سے ان کا مقصد اہل ایمان کی مذمت اور ان سے نفرت دلانا ہوتا ہے تاکہ لوگ اسلام سے نفرت کرنے لگیں، جس طرح کعب بن اشرف نے کیا تھا۔''

بنابریں جو ایسا کرے گا وہ کافر ہوگا، جس طرح وہ شخص جو رسول کریم ﷺ کو برا بھلا کہے۔

ان کا یہ قول کہ یہ آیت عہد کے زمانہ میں نازل ہوئی، یعنی اس آیت سے عہد کرنے والے مشرکین مراد ہیں، ورنہ یہ آیت واقعۂ افک کی راتوں میں نازل ہوئی، اور یہ واقعہ خندق سے پہلے غزوۂ

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٨٧٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٦٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٩)

بنی المصطلق کے موقع پر پیش آیا، اور کفار کے ساتھ مصالحت دو سال بعد ہوئی۔ بعض اہل علم نے اس آیت کو اس کے ظاہری عموم پر محمول کیا ہے، اس لیے کہ اس کا سبب نزول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا واقعہ ہے اور بہتان لگانے والوں میں مومن اور منافق دونوں قسم کے لوگ تھے۔ ظاہر ہے کہ سببِ نزول کا عموم میں مندرج ہونا ضروری ہے اور یوں بھی تخصیص کا اثبات کسی دلیل سے نہیں ہوتا۔
اندریں صورت اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں:

﴿لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ [النور: ۲۳]

''ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی۔''

یہاں ماضی مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور لعنت کرنے والے کا نام نہیں لیا گیا مگر وہاں یہ الفاظ ہیں:

﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ [الأحزاب: ۵۷]

''اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی۔''

اور جب فاعل کا نام مذکور نہیں تو ہوسکتا ہے کہ ان پر فرشتوں اور لوگوں نے لعنت کی ہو نہ کہ اللہ تعالیٰ نے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک وقت ان پر اللہ نے لعنت کی ہو اور دوسرے وقت بعض مخلوقات نے۔ اس امر کا بھی احتمال ہے کہ بعض پر اللہ نے لعنت کی اور وہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے دین پر طعن کرنے کے لیے بہتان لگایا اور دوسروں پر مخلوقات نے لعنت کی۔ مخلوقات کی لعنت کا مفہوم بعض دفعہ بددعا ہوتا ہے اور گاہے اللہ کی رحمت سے دور ہونا۔

اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ ایک شخص جب اپنی بیوی پر بہتان لگاتا ہے تو دونوں لعان کرتے ہیں، اور پانچویں دفعہ شوہر کہتا ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں مجھ پر خدا کی لعنت۔ گویا جھوٹا ہونے کی صورت میں وہ بددعا کرتا ہے کہ اللہ اس پر لعنت کرے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے والوں کے ساتھ، جن کے پاس علم آچکا تھا، مباہلہ کریں اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کریں تو گویا بہتان طرازی کرنے والے پر اس طرح لعنت کی جاتی ہے۔ اس پر لعنت کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اسے کوڑے مارے جائیں، اس کی شہادت کو تسلیم نہ کیا جائے اور اسے فاسق ٹھہرایا جائے۔ یہ اس کے لیے بمنزلہ سزا کے ہے کیونکہ اس طرح وہ امن وقبول کے مقامات سے سراسر رحمت میں دور ہو جاتا ہے۔

یہ اس شخص سے مختلف ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ نے اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ اللہ کی لعنت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی تائید ونصرت اس سے ہر اعتبار سے زائل ہو جائے اور وہ دونوں جہانوں میں اسبابِ رحمت سے دور ہو جائے۔

رسوا کن عذاب صرف کفار کو دیا جاتا ہے:

جس بات سے دونوں آیات کا فرق واضح ہوتا ہے یہ ہے کہ یہاں فرمایا:

﴿ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ [الأحزاب: ٥٧]

''اوران کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔''

قرآن میں رسوا کنندہ عذاب صرف کفار کے لیے تیار کیا گیا ہے، قرآن میں فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ [النساء: ٣٧]

''جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو مال خدا نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھیں اور ہم نے ناشکروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ [البقرة: ٩٠]

''وہ اس کے غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے، اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

﴿ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْۤا اِثْمًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ [آل عمران: ١٧٨]

''ہم جو اُن کو مہلت دیے جاتے ہیں تو یہ اُن کے حق میں اچھا ہے (نہیں) بلکہ ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں، آخر کار ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔''

باقی رہی مندرجہ ذیل آیت کریمہ:

﴿ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا

وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [النساء: ١٤]

"جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے تو اسے آگ میں داخل کرے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔"

تو یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو فرائض سے انکار کرتے ہیں اور ان کو کچھ اہمیت نہیں دیتے۔ مزید برآں اس میں مذکور نہیں کہ اس کے لیے عذاب تیار کیا گیا ہے۔

عذابِ عظیم کفار کے ساتھ مخصوص نہیں:

عذابِ عظیم کی وعید مومنین کے لیے بھی آئی ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

[الأنفال: ٦٨]

"اگر خدا کا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔"

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [النور: ١٤]

"اگر دنیا اور آخرت میں خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔"

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾ [الحج: ١٨]

"اور جس کو اللہ ذلیل کرے تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں ہے۔"

یہ اس لیے کہ اہانت نام ہے تذلیل، تحقیر اور رسوائی کا، اور یہ عذاب کے دکھ سے ایک زائد چیز ہے۔ بعض اوقات ایک معزز آدمی کو عذاب تو دیا جاتا ہے مگر اس کو رسوا نہیں کیا جاتا، چونکہ اس آیت میں ﴿وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ [الأحزاب: ٥٧] فرمایا ہے، اس لیے معلوم ہوا کہ یہ اس قسم کا عذاب ہے جس کی دھمکی اس نے کفار اور منافقین کو دی ہے، چونکہ وہاں ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [البقرة: ٧] فرمایا ہے، اس لیے معلوم ہوا کہ یہ اُسی قسم کا عذاب ہے جس کا تذکرہ اس آیت میں ہے:

﴿لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [النور: ١٤]

''تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا سخت عذاب نازل ہوتا۔''

اس سے بھی دونوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں فرمایا:

﴿وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ [الأحزاب: ٥٧]

''اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کیا۔''

ظاہر ہے کہ عذاب کفار کے لیے تیار کیا گیا ہے، اس لیے کہ جہنم کو انھی کے لیے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ وہ لازماً اس میں داخل ہوں گے اور ان کو وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔ باقی رہے کبائر کا ارتکاب کرنے والے اہل ایمان تو ہو سکتا ہے کہ اللہ انھیں معاف کر دے اور وہ جہنم میں داخل نہ ہوں اور اگر داخل ہوئے بھی تو اس میں سے نکل جائیں گے اگرچہ کچھ مدت کے بعد کیوں نہ نکلیں۔

قرآن میں فرمایا:

﴿وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ [آل عمران: ١٣١]

''اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

خداوند کریم نے حکم دیا کہ سود نہ کھائیں، اللہ سے ڈرتے رہیں اور اس آگ سے ڈریں جس کو کفار کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان کے جہنم میں داخل ہونے کا خطرہ اسی صورت میں ہے جب کہ وہ سود کھائیں اور گناہ کے کام کریں، نیز یہ کہ جہنم کی آگ کفار کے لیے تیار کی گئی ہے، ان کے لیے نہیں۔ حدیث میں بھی اسی طرح آیا ہے:

''باقی رہے اہلِ جہنم تو وہ اس میں نہ جئیں گے نہ مریں گے۔[1] اور جن لوگوں نے کچھ گناہوں کا ارتکاب کیا ہے تو ان تک آگ کی لپٹ پہنچے گی، پھر اللہ ان کو وہاں سے نکال دے گا۔''[2]

یہ اسی طرح ہے جیسے جنت ان متقی لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو خوشی اور غمی میں خرچ کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں بیٹے بھی اپنے بڑوں کے اعمال کی وجہ سے داخل ہوں گے۔[3] کچھ لوگ اس میں

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٠٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٤٥٠)

[3] [آل عمران: ١٣٣، ١٣٤]، [الطور: ٢١]

شفاعت کی وجہ سے[1] اور کچھ رحمت کی بنا پر داخل ہوں گے۔[2] جنت کا جو حصہ بچ رہے گا اس کے لیے وہ دوسری مخلوقات کو پیدا کر کے اس میں داخل کر دے گا۔[3] اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے لیے تیار کیا جاتا ہے جو اس کا حقیقی مستوجب اور مستحق ہو، اور جو باقی لوگوں کی نسبت اس کے زیادہ لائق ہو، اس کے بعد کچھ اور لوگوں کو بطریق تتبع یا کسی اور وجہ سے اس میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

چھٹی دلیل: مومن اپنی آواز کو رسول کریم ﷺ کی آواز سے زیادہ بلند نہ کرے:

قرآن میں فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾ [الحجرات: ۲]

”اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، (ایسا نہ ہو) کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔“

بصریوں کے نزدیک تقدیرِ عبارت یوں ہے کہ اس ڈر سے کہ تمھارے اعمال ضائع نہ ہوں یا اس کراہت کی بنا پر کہ تمھارے اعمال برباد نہ ہوں۔ اور کوفیوں کے یہاں اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ تاکہ تمھارے اعمال ضائع نہ ہوں۔

وجہِ استدلال یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اس بات سے منع کیا کہ اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز سے زیادہ بلند کریں یا اس طرح باآواز بلند ان سے مخاطب ہوں جیسے آپس میں ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ رفع و جہر حبوطِ اعمال کا موجب بن سکتا ہے جبکہ آواز بلند کرنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ اس آیت میں ترکِ جہر کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ حبوطِ اعمال سے سلامت رہے۔

اس آیت میں جس خرابی کی نشاندہی کی گئی ہے وہ حبوطِ اعمال کا ہے اور جو چیز حبوطِ اعمال تک لے جا سکتی ہو اس کا ترک کرنا واجب ہے۔ اور اعمال کا حبط کفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۷٤۱۰)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (۳۰٤)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۸٤٦)

اس ضمن میں قرآن کریم میں متعدد آیات وارد ہوئی ہیں:

۱۔ ﴿وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ [البقرة: ٢١٧]

۱۔ ''اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر کر کافر ہو جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے۔''

۲۔ ﴿وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ [المائدة: ٥]

''اور جو ایمان کا انکار کرے تو اس کے اعمال ضائع ہو گئے۔''

۳۔ ﴿وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنعام: ٨٨]

''اور اگر انھوں نے شرک کیا تو جو اعمال وہ کرتے تھے ضائع ہو جائیں گے۔''

۴۔ ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر: ٦٥]

''اگر تُو نے شرک کیا تو تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔''

۵۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ [محمد: ٩]

''یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے خدا کے نازل کردہ کو ناپسند کیا، پس ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

کفر کی موجودگی میں کوئی عمل مقبول نہیں:

کفر کی موجودگی میں جو عمل انجام دیا جائے اسے قبول نہیں کیا جاتا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

۱۔ ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [المائدة: ٢٧]

''اللہ متقی لوگوں کے اعمال قبول کرتا ہے۔''

۲۔ ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ [محمد: ١]

''جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو خدا کے راستہ سے روکا تو خدا نے ان کے اعمال برباد کر دیے۔''

۳۔ ﴿وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ﴾ [التوبة: ٥٤]

''اور ان کے خرچے (اموال) کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ انھوں نے خدا سے اور رسول سے کفر کیا۔''

یہ بات ظاہر ہے کہ کفر کے سوا دوسری کوئی چیز اعمال کو ضائع نہیں کر سکتی، اس لیے کہ جو شخص

ایمان کی حالت میں فوت ہو اس کا جنت میں داخل ہونا ناگزیر ہے۔ اگر وہ جہنم میں داخل ہوا بھی تو وہاں سے نکل آئے گا۔ اور اگر اس کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں تو ہرگز جنت میں نہیں جائے گا، نیز اس لیے کہ اعمال کو وہ چیز ضائع کرتی ہے جو ان کے منافی ہو، اور اعمال کے منافی صرف کفر ہوتا ہے، یہ اہل السنۃ کا معروف اصول ہے، البتہ بعض اعمال کسی خرابی کی وجہ سے باطل ہو جاتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا:

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى﴾ [البقرة: ٢٦٤]

''اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر ضائع نہ کرو۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں حبوطِ اعمال کا موجب صرف کفر کو قرار دیا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی کی آواز کے اوپر آواز بلند کرنے سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے اور اسے پتہ بھی نہ ہو اور اس وجہ سے اس کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں اور یہ کہ رفعِ صوت حبوطِ اعمال کا سبب اور مظنّہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کی وجہ نبی اکرم ﷺ کی تعزیز و توقیر اور اکرام و اجلال ہے، نیز اس لیے کہ نبی کی آواز پر آواز بلند کرنے سے اسے ایذا پہنچتی ہے اور ساتھ ہی اس کی تحقیر بھی ہوتی ہے اگرچہ آواز بلند کرنے والے کا یہ ارادہ نہ ہو۔ جب ایذا اور تحقیر، جو غیر شعوری طور پر گستاخی کی موجب ہوتی ہے، کفر تک پہنچا دیتی ہے تو ایذا اور تحقیر ارادی طور پر کی جائے اور وہ فاعل کا مقصود بھی ہو تو بطریقِ اولیٰ کفر کی موجب ہوگی۔

ساتویں دلیل:

قرآنِ کریم میں فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [النور: ٦٣]

''مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ بے شک خدا کو یہ لوگ معلوم ہیں جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔''

رسول کریم ﷺ کے مخالفین کو حکم دیا گیا کہ فتنے سے احتراز کریں، فتنے سے ارتداد اور کفر مراد ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ [البقرة: ۱۹۳]

''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔''

﴿ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ [البقرة: ۲۱۷]

''اور فتنہ قتل سے بھی برا ہوتا ہے۔''

فضل بن زیاد امام احمد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اطاعتِ رسول کا ذکر قرآن کے تینتیس (۳۳) مقامات پر دیکھا ہے، پھر اس آیت کو پڑھنا شروع کر دیا:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾ [النور: ٦٣]

''جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے۔''

امام احمد رحمہ اللہ اس آیت کو بار بار تلاوت کرتے رہتے اور فرماتے تھے کہ فتنے سے شرک مراد ہے۔ عین ممکن ہے کہ جب وہ شخص رسول کریم ﷺ کے فرمان کو رد کرے تو اس کے دل میں کجی پیدا ہو جائے جو اس کی ہلاکت کی موجب ہو۔[1] پھر یہ آیت پڑھنے لگے:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ﴾ [النساء: ٦٥]

''تیرے رب کی قسم، وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو اپنے تنازعات میں حکم بنائیں۔'' [النساء: ٦٥]

ابو طالب المشکانی سے دریافت کیا گیا کہ بعض لوگ عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہ (حدیث کے مقابلہ میں) سفیان کی رائے کو اختیار کرتے ہیں، ان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ ابو طالب نے فرمایا:

''میں اس قوم پر حیران ہوتا ہوں جنھوں نے کوئی حدیث سن رکھی ہوتی ہے اور وہ اس کی اسناد اور صحت سے بھی آگاہ ہوتے ہیں پھر بھی وہ سفیان وغیرہ کی رائے کو اختیار کرتے

[1] دیکھیں: مجموع الفتاوی (۱/ ٤)

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [النور: ٦٣]

''ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ انھیں کوئی آفت لاحق ہو جائے یا وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔''

کیا تجھے معلوم ہے کہ فتنہ کیا چیز ہے؟ فتنے سے مراد کفر ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ﴾ [البقرة: ٢١٧]

''فتنہ قتل سے بھی بڑا (گناہ) ہے۔''

ایسے لوگ حدیثِ رسول کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی میں رائے کو اختیار کرتے ہیں۔''

جب آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو کفر و شرک اور عذابِ الیم سے ڈرایا گیا ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کفر یا عذاب الیم تک پہنچانے والی ہے۔ ظاہر ہے کہ عذاب تک پہنچانا محض فعلِ معصیت کی وجہ سے ہے اور کفر تک پہنچانے کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کے ساتھ ساتھ اس میں حکم دینے والے (رسول کریم ﷺ) کی تحقیر و استخفاف بھی شامل ہو جاتا ہے، پھر اس فعل کی سزا کیا ہوگی جو اس سے شدید تر ہے، مثلاً: آپ کو گالی دینا اور تحقیر کرنا وغیرہ۔

یہ نہایت وسیع باب ہے تاہم بحمد اللہ اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور جب دلائل متعدد ہوں تو گالی دینے والے کے کفر اور اس کی سزا کی شدت کے مسئلہ کو مزید تائید و تقویت حاصل ہو جائے گی، اور یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ رسول کا عدمِ احترام اور سُوئے ادبی ایسے کفر کی موجب ہو سکتی ہے جس سے جملہ اعمال غارت ہو جائیں۔ اس سے ہمارا مقصد بڑے بلیغ تر انداز سے پورا ہو جائے گا۔ جان لینا چاہیے کہ ''أذیٰ'' کا لفظ لغت میں اس شر اور ناپسندیدہ فعل پر بولا جاتا ہے جو معمولی درجے کا ہو اور جس کا اثر کمزور ہو۔ خطابی اور دیگر اہل علم نے اس کا ذکر کیا ہے اور یہ بات درست ہے۔ اس لفظ کے مواقعِ استعمال معلوم کرنے سے اس کی تائید ہوتی ہے، مثلاً یہ آیات:

﴿ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ﴾ [آل عمران: ١١١] ''وہ تمھیں معمولی تکلیف دیں گے۔''

﴿ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى ﴾ [البقرة: ٢٢٢]

”اور تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ وہ تو نجاست ہے۔“

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”سردی تکلیف کی موجب ہے اور گرمی اذیت ہے۔“ ❶

کسی عربی عورت سے دریافت کیا گیا کہ کیا سردی شدید تر ہوتی ہے یا گرمی؟ اس نے جواب دیا: ”البؤس“ اور ”أذی“ برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ”البؤس“، ”النعیم“ کی ضد ہے، یعنی وہ چیز جو بدن کو نقصان پہنچاتی ہو، برخلاف ”أذی“ کے کہ وہ اس حد تک نہیں پہنچتی، اسی لیے قرآن میں فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ [الأحزاب: ٥٧]

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔“

ایک حدیث قدسی میں آیا ہے:

”ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، وہ زمانے کو گالی نکالتا ہے۔“ ❷

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

”کعب بن اشرف کا کون ذمہ لے گا؟ اُس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔“ ❸

آپ ﷺ نے فرمایا:

”ایذا دینے والی چیز کو سن کر اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا اور کوئی نہیں۔ لوگ اللہ کے لیے اولاد اور شریک ثابت کرتے ہیں اور وہ انھیں معاف کرتا اور رزق دیتا ہے۔“ ❹

حدیث قدسی میں فرمایا:

”اے میرے بندو! تمھارے اندر مجھے ضرر پہنچانے کی طاقت نہیں کہ مجھے ضرر پہنچا سکو، اور تم میں مجھے نفع پہنچانے کی قدرت بھی نہیں کہ مجھے نفع پہنچا سکو۔“ ❺

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴾ [آل عمران: ١٧٦]

❶ تاريخ جرجان (ص: ٤٦٦) اس کی سند رشدین بن کریب اور یحییٰ بن علاء وغیرہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٢٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٤٢)

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥١٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٠١)

❹ صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٠٩٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٠٤)

❺ صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٧٧)

''اور جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں ان کی وجہ سے غمگین نہ ہونا، یہ خدا کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔''

اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ مخلوق اپنے کفر کی وجہ سے اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، البتہ اللہ تعالیٰ کو گالیاں دے کر اور اس کے لیے اولاد اور شریک ثابت کر کے اسے ایذا دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں لوگ اس کے رسولوں اور بندوں کو بھی ایذا دیتے ہیں، پھر وہ ایذا رسانی، جس سے اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر لاحق نہیں ہوتا، جب رسول کے حق سے متعلق ہو تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یعنی ایسا شخص کفر میں سب سے بڑھ جاتا ہے اور اسے شدید ترین سزا دی جاتی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ نبی ﷺ کو کم درجہ کی ایذا پہنچانے سے بھی ایسا کرنے والا کافر اور مباح الدم ہو جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل آیت اس موقف کے منافی نہیں ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ﴾ [الأحزاب: ٥٣]

''اے ایمان والو! پیغمبر کے گھر میں نہ جایا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے لیکن جب تمھاری دعوت کی جائے تو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو، یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں۔ (اور کہتے نہیں ہیں)''

اس آیت میں جس ایذا دینے والی چیز کا ذکر کیا گیا ہے وہ رسول کریم ﷺ کے گھر میں دیر تک بیٹھے رہنا اور باتوں میں لگے رہنا ہے، یہ مطلب نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول کریم ﷺ کو ایذا دیتے تھے، اور کسی فعل سے جب رسول کریم ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہو مگر اس کے فاعل کو معلوم نہ ہو کہ وہ آپ ﷺ کو اذیت پہنچا رہا ہے اور نہ ہی اس کا ارادہ ایذا پہنچانے کا ہو تو پھر بھی اس فعل سے اسے روکا جا رہا ہے اور یہ فعل گناہ کا موجب ہے، جیسے رسول کریم ﷺ کی آواز سے زیادہ اونچی آواز میں بولنا، مگر جب وہ قصداً ایذا دے رہا ہو اور اسے معلوم بھی ہو کہ وہ آپ ﷺ کو ایذا دے رہا ہے اور اس علم کے استحضار کے باوجود وہ اس کی جسارت کر رہا ہو تو یہ فعل کفر اور حبوطِ اعمال کا موجب ہے۔ واللہ اعلم

آٹھویں دلیل:

اس کی آٹھویں دلیل مندرجہ ذیل آیت قرآنی ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾ [الأحزاب: ٥٣]

''اور تمھارے لیے یہ مناسب نہیں کہ پیغمبرِ خدا کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو، بے شک یہ خدا کے نزدیک بڑے گناہ کا کام ہے۔''

اس آیت میں امت پر ہمیشہ کے لیے نبی کی بیویوں کو حرام قرار دیا گیا کیونکہ اس سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچتی ہے، پھر اس کی حرمت کی عظمت کی وجہ سے اس کو اللہ کے نزدیک عظیم جرم قرار دیا گیا۔ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت تب اتری جب بعض لوگوں نے کہا: ''اگر رسول کریم ﷺ وفات پا گئے ہوتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عقدِ ثانی کر لیتیں۔'' جو شخص آپ ﷺ کی بیویوں یا لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔ یہ حرمت نبوی کو توڑنے کی سزا ہے تو قیاس بریں نبی کو گالیاں دینے والا بالاولیٰ اس سزا کا مستحق ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں بطریق زہیر از عفان از حماد از ثابت از انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص کو رسول کریم ﷺ کی ام ولد کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا، رسول کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جا کر اسے قتل کر دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے تو وہ ایک ٹب میں نہا رہا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے نکلنے کو کہا اور اپنا ہاتھ اسے پکڑوا کر اسے باہر نکالا، جب دیکھا تو اس کا آلہ تناسل کٹا ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے قتل سے باز رہے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ! وہ مقطوع الذکر ہے۔[1]

رسول کریم ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے آپ ﷺ کی حرمت کو پامال کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر زنا کی حد لگانے کا حکم نہیں دیا تھا، اس لیے کہ زنا کی سزا قتل نہیں ہے بلکہ شادی شدہ کو رجم کیا جاتا ہے اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارے جاتے ہیں اور حد بھی اس صورت میں لگائی جاتی ہے اگر چار گواہ موجود ہوں یا وہ بذاتِ خود اعتراف جرم کرے۔

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٧٧١)

جب رسول کریم ﷺ نے یہ تفصیل معلوم کیے بغیر اس کو قتل کرنے کا حکم دیا کہ آیا وہ شادی شدہ ہے یا مجرد؟ تو اس سے معلوم ہوا کہ قتل کا حکم اس کی حرمت شکنی کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دو گواہوں نے آپ ﷺ کے سامنے شہادت دی ہو کہ انھوں نے اسے اس عورت کے ساتھ مباشرت کرتے دیکھا تھا یا اس سے ملتے جلتے الفاظ میں شہادت دی ہو اور آپ ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جب پتہ چل گیا کہ وہ مقطوع الذکر ہے تو معلوم ہوا کہ اس فساد کا کوئی اندیشہ نہیں ہے یا آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی تحقیق کرنے کے لیے بھیجا ہو کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اسے قتل کردیا جائے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اس واقعہ یا کسی اور واقعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''میں گرم سکے کی مانند ہوتا ہوں یا یہ کہ حاضر آدمی وہ کچھ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھتا۔''[1]

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے قیلہ بنت قیس بن معدیکرب سے، جو اشعث کی بہن تھی، نکاح کیا مگر اس کو گھر میں آباد کرنے سے قبل آپ وفات پاگئے۔[2] یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے اسے اختیار دیا کہ یا تو دیگر ازواج کی طرح پردہ میں رہو اور یا مجھ سے طلاق لے کر کسی اور کے ساتھ نکاح کرلو، اس نے نکاح کرنے کو ترجیح دی۔ جب رسول کریم ﷺ نے وفات پائی تو عکرمہ بن ابوجہل نے حضر موت میں اس سے نکاح کرلیا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو فرمایا: ''یہ عورت امہات المومنین میں سے نہیں، نہ ہی آپ ﷺ کے یہاں آباد ہوئی ہے اور نہ ہی اس کو حرم سرا میں داخل کیا گیا۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ مرتد ہوگئی تھی، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ احتجاج کیا کہ مرتد ہونے کی وجہ سے یہ آپ ﷺ کی ازواج میں شامل نہیں رہی۔[3] اندازِ استدلال یہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت اور مرد کو جلانے کا عزم کیا تھا کیوں کہ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ہیں حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مناظرہ کیا کہ وہ آپ ﷺ کی ازواج میں سے نہیں ہیں، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ اس سے باز رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رسول کریم ﷺ کی حرمت توڑنے والے کو قتل کردیا کرتے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قتل کرنا زنا

---

[1] مسند أحمد (۲/ ۵۱) رقم الحدیث (۶۲۸)

[2] معرفة الصحابة لأبي نعیم (۶/ ۳۲۴۵) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے موصول اور قوی الاسناد کہا ہے۔ (الإصابة: ۸/ ۱۷۴)

[3] تفسیر الطبري (۲۲/ ۴۱)

کی حد تھی، اس لیے کہ وہ عورت اس پر حرام تھی اور جو شخص ذات محرم سے نکاح کرے اس پر زنا کی حد لگائی جاتی ہے یا اسے قتل کیا جاتا ہے، اس کی دو وجہ ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ زنا کی حد رجم ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ یہ حد لگانے کے لیے جماع کا ثبوت مطلوب ہے، اور وہ یا تو شہادت قائم ہونے سے ہوتا ہے یا اقرار سے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ان کے گھر کو جلانے کا ارادہ کیا، حالانکہ یہ احتمال موجود تھا کہ اس نے مجامعت نہ کی ہو تو معلوم ہوا کہ یہ سزا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت شکنی کی وجہ سے دی جانے والی تھی۔

حدیثِ نبوی ﷺ کے دلائل

چند احادیث سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے:

پہلی حدیث:

شعبی نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عورت رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا تو آپ ﷺ نے اس عورت کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔[1] اس حدیث کو ابو داود اور ابن بطہ نے اپنے اپنے سنن میں روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ کی روایت کے مطابق، انھوں نے بھی اس سے استدلال کیا ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ بطریقِ جریر از مغیرہ از شعبی روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا مسلمان ایک یہودی عورت کے یہاں قیام پذیر تھا۔ وہ عورت اسے کھلاتی پلاتی اور نیک سلوک کیا کرتی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتی اور ایذا رسانی کرتی تھی۔ ایک رات اندھے نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا، جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا، آپ ﷺ کو لوگوں نے اس ضمن میں حلف دی، اندریں اثنا ایک اندھے شخص نے کھڑے ہو کر ماجرا بیان کیا، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس عورت کے خون کو ھدر (رائیگاں) قرار دیا۔[2]

یہ صحیح حدیث ہے، اس لیے کہ شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور شراحہ ہمدانیہ کی حدیث اُن سے روایت کی ہے۔[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں شعبی کی عمر تقریباً بیس سال تھی، یہ کوفہ میں رہتے تھے، چونکہ شعبی کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، اس لیے یہ حدیث متصل ہے۔ تاہم اگر یہ حدیث مرسل بھی ہو، اس لیے کہ شعبی کا سماع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بعید ہے، تاہم یہ اجماعاً حجت

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٦٢)

[2] السنن الكبرى للبيهقي (٧/ ٦٠) رقم الحديث (١٣٧٥٧)

[3] مسند أحمد (٢/ ١٥٠) رقم الحديث (٨٣٩)

ہے کیونکہ شعبی کی مراسیل محدثین کے نزدیک صحیح ہوا کرتی ہیں۔ مزید برآں شعبی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ثقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرویات کے سب سے بڑے عالم تھے۔ علاوہ بریں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اگلی روایت اس کی شاہد ہے، اس لیے کہ ہر دو روایات میں یا تو ایک ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے یا دونوں کا مطلب ایک ہے۔ عام اہل علم اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور صحابہ سے دیگر احادیث بھی منقول ہیں جو اس کی مؤید ہیں۔ اس قسم کی مرسل روایت سے فقہاء بلا جھجک استدلال کرتے ہیں۔

اس حدیث سے مستنبط احکام:

یہ حدیث اس مسئلہ میں نص کا حکم رکھتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والے کو قتل کرنا جائز ہے، نیز یہ کہ ایسے ذمّی کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ مسلم مرد یا عورت اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں تو ان کو بطریق اولیٰ قتل کرنا جائز ہے، اس لیے کہ یہ عورت ان لوگوں میں سے تھی جن کے ساتھ معاہدہ کیا گیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ کے تمام یہودیوں کے ساتھ مطلقاً معاہدہ کیا گیا تھا، اور ان پر جزیہ بھی نہیں لگایا گیا تھا۔ اہلِ علم کے مابین یہ مسئلہ متواتر کا درجہ رکھتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"علمائے سیر میں سے کوئی بھی اس کا مخالف نہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو تمام یہودیوں سے بلا جزیہ معاہدہ کیا گیا تھا۔"[1]

اور امام شافعی کا یہ قول درست ہے۔

مدینہ کے اردگرد رہنے والے یہود کی اقسام:

مدینہ کے اردگرد تین قسم کے یہود سکونت گزیں تھے:

۱۔ بنو قینقاع۔ ۲۔ بنو نضیر۔ ۳۔ بنو قریظہ۔

بنو قینقاع اور نضیر بنو خزرج کے اور قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کے ساتھ معاہدۂ صلح کر لیا۔ یہود کے جو معاہدے مدینہ کے اردگرد رہنے والے مشرکین کے ساتھ تھے اور جو انصار کے حلیف تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجدید کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ یہ معاہدہ بھی کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دشمن کے ساتھ لڑیں گے تو یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے مگر پہلے بنو قینقاع نے اور پھر بنو نضیر اور بنو قُریظہ نے اس معاہدے کو توڑ ڈالا۔

[1] الأم للشافعي (٤/ ٢٢٢)

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مدینہ آتے ہی مہاجرین اور انصار کے مابین ایک دستاویز تحریر کی ،اس میں یہود کے ساتھ بھی معاہدہ کیا۔ان کے مذہب اور اموال میں عدمِ مداخلت کا عہد کیا۔ کچھ شرطیں ان پر عائد کیں اور کچھ ان کو لکھ کر دیں، محمد بن اسحاق رقمطراز ہیں:

''میں نے بطریق عثمان بن محمد بن عثمان بن الاخنس بن شریق روایت کیا ہے کہ میں نے آل عمر بن الخطاب سے یہ دستاویز لی ،جو اس کتاب الصدقہ کے ساتھ مقرون و متصل تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمال کو لکھ کر دی تھی۔ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد تحریر کیا تھا کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ نے قریش اور یثرب کے اہل ایمان اور اُن کے متبعین کے درمیان تحریر کی ہے۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ان کی پیروی کریں ،اُن سے مل جائیں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں، یہ کہ باقی لوگوں کے علاوہ وہ ایک اُمت ہیں۔

''قریشی مہاجرین اپنی سیادت و قیادت پر باقی رہیں گے اور دورِ جاہلیت کی طرح باہم دیت ادا کرتے رہیں گے۔ انصاف اور بھلائی کے طریقہ پر مومن قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑوائیں گے۔ بنو عوف کے قبیلہ والے اپنی ریاست پر قائم رہیں گے اور حسبِ سابق اپنے قبیلہ والوں کی دیت ادا کرتے رہیں گے۔ ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کر انصاف اور بھلائی کے ساتھ ان کو رہا کروائے گا، پھر آپ ﷺ نے انصار کے خاندان، یعنی بنو حارث ،بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو نجار، بنو عمرو بن عوف ،بنو الاوس ،اور بنو النبیت کے باہمی شرائط کا ذکر کیا۔''

پھر فرمایا:

''جو شخص قرض کے زیر بار ہوگا اہل ایمان حسب دستور اس کا فدیہ یا تاوان ادا کریں گے، اور آپ ﷺ سے مشورہ کیے بغیر کوئی مومن دوسرے مؤمن کو اپنا حلیف نہیں بنائے گا۔ اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے، ان میں سے ادنیٰ شخص دوسرے کو پناہ دے سکے گا۔ مومن باہم ایک دوسرے کے حلیف ہیں، دوسرے لوگوں کا معاملہ یوں نہیں۔ یہود میں سے جو ہمارے تابع ہوگا ہم اسے مدد دیں گے اور اپنے برابر تصور کریں گے۔ کسی پر ستم نہیں ڈھایا جائے گا اور نہ اس کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔ مسلمانوں کی صلح ایک ہے، جب تک دشمن سے لڑتے رہیں گے یہودی بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر خرچ کریں گے۔ قبیلہ بنی عوف

کے یہود اہل ایمان کی پناہ میں ہیں۔ یہود اپنے مذہب پر عمل پیرا ہوں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ یہود کے حلیف اور وہ خود مسلمانوں کی پناہ میں ہوں گے۔ جو ظلم اور گناہ کا مرتکب ہو گا تو وہ اپنے آپ اور اپنے اہلِ خانہ کو ہلاک کرے گا۔

''یہودِ بنی نجار کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو یہود بنی عوف کے۔ بنی الحارث کے یہود، بنی عوف کے یہودیوں کی طرح ہوں گے۔ یہودِ بنی ساعدہ بھی یہودِ بنی عوف کی مانند ہوں گے۔ بنو جشم کے یہودیوں کو وہی کچھ ملے گا جو بنی عوف کے یہود کو ملے گا۔ بنی الاوس کے یہود بنی عوف کے یہود کی مانند ہوں گے۔ قبیلہ ثعلبہ کے یہود بنی عوف کے یہود کی طرح ہوں گے مگر جو ظلم وگناہ کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے آپ اور اپنے اہل خانہ کی ہلاکت کا موجب ہوگا۔ بنی ثعلبہ کا ایک خاندان اگر بنی عوف سے مل جائے تو انھی کا مانند ہوگا۔ بنو شطبہ انھی حقوق کے مستحق ہوں گے جو یہودِ بنی عوف کو دیے جاتے ہیں۔ ثعلبہ کے حلیف انھی کی مانند ہوں گے۔ اسی طرح یہود کے دوستوں سے وہی سلوک کیا جائے گا جو خود ان سے کیا جاتا ہے۔ پڑوسی اپنی جان کی مانند ہوگا، نہ اسے ضرر پہنچایا جائے گا اور نہ اس سے ظلم وگناہ کا سلوک ہوگا۔

''معاہدہ کرنے والوں کی جو کھیتی یا درخت ہوں گے، جن کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو اسے اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ قبیلہ اوس کے یہود، اس کے حلیف اور وہ خود اس صحیفہ والے نیک لوگوں کے ساتھ شامل ہوں گے۔''[1]

اس عہد نامہ میں کچھ اور باتیں بھی تھیں۔ یہ عہد نامہ اہل علم کے یہاں معروف ہے۔

مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ہر قبیلہ کے ذمے جو دیت تھی وہ تحریر کی، پھر تحریر فرمایا کہ کوئی مسلمان کسی کو اجازت کے بغیر حلیف نہ بنائے۔[2] یہود میں سے جو مسلمانوں کے تابع ہوگا اس کی مدد کی جائے گی، اور تابع ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ صلح رکھے اور جنگ نہ کرے، دین کی پیروی مراد نہیں جیسا کہ خود عہد نامہ میں مذکور ہے۔ مدینہ میں رہنے والے یہود اور ان کے مخالفین، جو ان سے لڑ نہ رہے ہوں، سب اس میں شامل ہیں۔

---

[1] الأموال لأبي عبيد (ص: ٢١٥)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٥٠٧)

اس عہد نامہ میں ذکر کیا ہے کہ انصار کے تمام یہود خاندان اہل ایمان کی پناہ میں ہوں گے۔ مدینہ منورہ میں جو یہودی سکونت پذیر تھے وہ یا تو اوس کے حلیف تھے یا خزرج کی بعض شاخوں کے۔ قبیلہ بنو قینقاع، جو مدینہ میں بود و باش رکھتے تھے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا، بنی عوف بن خزرج کے حلیف تھے جو ابن اُبی کا گروہ تھا۔ اس دستاویز کا آغاز انھی کے ذکر سے کیا گیا ہے۔

بنو قینقاع نے سب سے پہلے عہد توڑا:

ابن اسحاق نے بطریق عاصم بن عمر بن قتادہ روایت کیا ہے کہ بنو قینقاع کے قبیلہ نے یہود میں سب سے پہلے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ انھوں نے غزوۂ بدر و اُحد کے درمیان مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا آغاز کیا، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور یہ آپ کے حکم کے مطابق قلعوں سے اُتر آئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر قابو پایا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے حلیفوں پر مہربانی کیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنا رُخ مبارک پھیر لیا، اس نے اپنا ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان کے اندر داخل کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو، آپ اس قدر ناراض ہوئے کہ چہرے سے ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تجھ پر افسوس! مجھے چھوڑ دو۔'' اس نے کہا: بخدا! میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک آپ میرے حلیفوں پر مہربانی نہ فرمائیں گے۔ چار سو (۴۰۰) کھلے جسم کے جوان اور تین سو (۳۰۰) زرہ پوش، جنھوں نے مجھے سرخ و سیاہ سے بچایا تھا، آپ انھیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے! بخدا! میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے ان کو تمھاری خاطر آزاد کیا۔''

باقی رہے بنو نضیر اور بنو قُریظہ کے قبائل تو وہ مدینہ سے باہر رہتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انھوں نے جو معاہدہ کیا ہوا تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔[1]

یہ مقتول عورت، جس کو نابینے آدمی نے قتل کیا تھا، قینقاع کے قبیلہ سے تھی کیوں کہ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا۔ بہر کیف اس عورت کا تعلق قبیلہ قینقاع سے ہو یا کسی اور قبیلے سے وہ ذمّی عورت تھی، اس لیے کہ مدینہ کے سب یہودی ذمّی تھے۔ یہ یہودیوں کی تین قسمیں تھیں اور وہ سب کے سب ذمّی تھے۔

واقدی بطریق عبداللہ بن جعفر از حارث بن الفُضیل از محمد بن کعب القرظی روایت کرتا ہے کہ

---

[1] السیر والمغازي لابن اسحاق (ص: ٣١٤)

جب رسول اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے سب سے پہلے یہودیوں نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کرلیا۔ ہر قبیلہ کو آپ نے ان کے حلفاء کے ساتھ ملحق کردیا اور انھیں امان نامہ لکھ دیا۔ ان پر چند شرطیں عائد کیں جن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔ جب غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ کو شکست ہوئی اور آپ ﷺ مدینہ آئے تو یہود نے بغاوت کردی اور رسول کریم ﷺ کے معاہدہ کو توڑ دیا۔ رسول کریم ﷺ نے پیغام بھیج کر یہود کو بلایا اور ان کو مخاطب کر کے کہا:

''اے گروہِ یہود! اسلام قبول کرلو، بخدا! تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں وہی ماجرا پیش آئے جو قریش کو آیا۔''

یہود نے کہا:

''اے محمد ﷺ! آپ کو ان لوگوں سے دھوکہ نہ لگے جن سے آپ لڑے ہیں۔ آپ ﷺ ناتجربہ کار لوگوں سے لڑے ہیں، ہم جنگ جُو قوم ہیں، جب ہمارے ساتھ جنگ ہوگی تو تمھیں پتہ چل جائے گا کہ ہم جیسوں سے تمھاری لڑائی کبھی نہیں ہوئی۔'' [1]

پھر ان کے محاصرے اور اَذرِعات (ملک شام) کی طرف ان کو جلا وطن کرنے کا ذکر کیا، یہ بنوقینقاع کا قبیلہ تھا جو مدینہ میں اقامت گزیں تھا۔ ابن کعب نے اسی طرح ذکر کیا جس طرح کہ عہد نامہ میں مذکور ہے۔ اس نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے تمام یہودیوں سے معاہدہ کیا تھا اور یہ وہ بات ہے جس پر تمام اہل سیرت متفق چلے آتے ہیں۔ جو شخص بھی احادیث مأثورہ اور کتبِ سیرت کا مطالعہ کرے گا اس پر اصل حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

مقتولہ عورت ذمّی تھی:

ہم نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ بعض مصنفین اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ یہ عورت ذمّی نہ ہو مگر اس بات کا قائل علم حدیث سے بے بہرہ اور فنِ حدیث سے صرف اسی قدر آشنا ہے جس قدر عوام ہوتے ہیں۔ مگر اس کا یہ احتمال باطل ہے، اس لیے کہ اگر وہ ذمّی نہ ہوتی تو خون کو رائیگاں کرنے کے کچھ معنی نہ ہوتے۔ جب اس کے گالیاں دینے کا ذکر کیا گیا اور ساتھ ہی خون کو رائیگاں کرنے کا تو یہ دونوں آپس میں یوں وابستہ ہوگئے جس طرح رجم زنا سے متعلق ہے اور قطع ید

[1] المغازي للواقدي (١/ ١٧٦)

سرقہ کے ساتھ، اور یہ صحیح ہے، اس لیے کہ نفسِ حدیث کے اندر بات مذکور ہے کہ وہ دو وجہ سے ذمّی تھی۔

پہلی وجہ: اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک یہودی عورت تھی اور رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا تو رسول کریم ﷺ نے اس کے خون کو ''ھدر'' (جس کا قصاص و دیت نہ ہو) قرار دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے خون کے بطلان کو حرف ''فاء'' کی بدولت گالی دینے کا نتیجہ قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بطلانِ دَم کی وجہ اس کا گالی دینا ہے، اس لیے کسی حکم کو وصفِ مناسب اور حرف الفاء کے ساتھ مرتب کرنے سے اس وصف کا علت ہونا ثابت ہوتا ہے اگرچہ یہ الفاظ کسی صحابی کے ہوں، جیسے کہا جائے:

''زَنٰی مَاعز فرُجِمَ.'' ماعز نے زنا کیا تو اسے سنگسار کیا گیا۔

اس لیے کہ صحابی کا رسول کریم ﷺ کے امر و نہی اور حکم و تعلیل کو رسول کریم ﷺ کے الفاظ میں روایت کرنا یا رسول کریم ﷺ کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں نقل کرنا، دونوں احتجاج کے طور سے یکساں ہیں۔ جب صحابی کہے کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا یا فلاں بات سے منع فرمایا یا فلاں بات کا فیصلہ کیا یا فلاں کام فلاں وجہ سے انجام دیا تو یہ حجت ہے، اس لیے کہ صحابی اس بات کی جسارت اسی صورت میں کرتا ہے جب اسے معلوم ہو کہ یہ بات نقل کرنا اس کے لیے جائز ہے۔ ایسا کرنے میں غلطی کا وقوع وصدور نا قابلِ التفات ہے، اس لیے کہ سہو ونسیان کی گنجائش تو روایت میں ہوتی ہی ہے۔ اس کی تفصیل اپنی جگہ پر مذکور ہے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جب آپ کو پتہ چلا کہ اس عورت کو قتل کیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے اس بارے میں لوگوں کو قسم دی۔ جب آپ کو اس کا جرم بتایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کے خون کو ''ھدر'' قرار دیا۔ جب کوئی حکایت آپ کو سنائی جائے اور اس کے بعد آپ کسی بات کا حکم دیں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ حکایت اس حکم کی موجب ہے، اس لیے کہ یہ ایک نیا حکم ہے جس کے لیے سببِ حادث کی ضرورت ہے، اور سبب وہ حکایت ہے جو بیان کی گئی، اور وہ مناسب بھی ہے تو اس حکم کی نسبت اس حکایت کی طرف کی جائے گی۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کا لوگوں کو اس کے معاملہ میں قسم دینا، پھر اس کے خون کو باطل قرار دینا اِس بنا پر ہے کہ وہ عورت معصوم الدم تھی، اور اس کو قتل کرنے والا اس کا ضامن ہوتا بشرطیکہ رسول کریم ﷺ اس کے خون کو باطل نہ ٹھہراتے، اس لیے کہ اگر وہ عورت حربی ہوتی

تو آپ ﷺ اس کے بارے میں لوگوں کو حلف نہ دیتے اور نہ ہی اس کے خون کو ''ھدر'' قرار دینے کی ضرورت تھی کیونکہ کسی کے خون کو ''ھدر'' اس صورت میں ٹھہرایا جاتا ہے جب وہ محفوظ و معصوم ہو۔ آپ دیکھتے نہیں کہ جب ایک جنگ میں آپ نے ایک عورت کو مقتول دیکھا تو اس پر معترض ہوئے، اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔[1] مگر اس کو باطل یا ھدر قرار نہیں دیا، اس لیے کہ جب اس کا خون فی نفسہ ھدر ہے اور مسلمان اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ حربی کا خون معصوم نہیں ہوتا بلکہ ھدر ہوتا ہے تو اس کو باطل اور ھدر قرار دینے کا کچھ مطلب نہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے۔ وللہ الحمد

جب رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ جزیہ کے بغیر معاہدہ کیا، پھر ایک یہودی عورت کے خون کو اس لیے ''ھدر'' قرار دیا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی تو ایک یہودی عورت کے خون کو، جن پر جزیہ عائد کیا گیا تھا اور وہ دینی احکام کے پابند تھے، ھدر ٹھہرا دیں تو یہ اولیٰ و افضل ہے۔ اور اگر اس عورت کا قتل جائز نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس عورت کے قاتل کے فعل کی مذمت فرماتے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جس نے کسی مُعاھد کو بلاوجہ قتل کیا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔''[2]

اور آپ اس عورت کی ضمانت یا معصوم کو قتل کرنے کا کفارہ واجب کرتے۔ جب اس عورت کے خون کو آپ نے ھدر قرار دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا خون مباح تھا۔

دوسری حدیث:

نابینا جس نے اپنی ام ولد لونڈی کو ہلاک کر دیا تھا۔ اسماعیل بن جعفر نے بطریق اسرائیل از عثمان شحام از عکرمہ از ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک اندھے شخص کی ایک ام ولد لونڈی تھی جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ وہ اسے روکتا مگر وہ باز نہ آتی، وہ ڈانٹتا مگر وہ رکتی نہ تھی۔ ایک رات اس نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے کا آغاز کیا۔ اس نے بھالا لے کر اس کے شکم میں پیوست کر دیا اور اسے زور سے دبا دیا جس سے وہ ہلاک ہو گئی۔ صبح کو اس کا تذکرہ رسول کریم ﷺ سے کیا گیا تو لوگوں کو جمع کر کے آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے کیا جو کچھ کیا اور میرا اُس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠١٤، ٣٠١٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٤٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٦٦)

یہ سن کر اندھا آدمی کھڑا ہوا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آیا اور بیٹھ گیا، وہ کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اسے میں نے قتل کیا ہے، وہ آپ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی میں اسے روکتا مگر وہ باز نہ آتی تھی۔ میں اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا مگر وہ پرواہ نہ کرتی۔ میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں گاڑ دیا اور اسے زور سے دبا دیا۔ اس کے بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں۔ وہ میری رفیقہ حیات تھی۔ گزشتہ شب جب وہ آپ ﷺ کو گالیاں بکنے لگی تو میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں گاڑ دیا اور اسے زور سے دبا دیا حتی کہ وہ مر گئی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم گواہ رہو کہ اس کا خون هدر ہے۔''[1] (اس کو ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔)

خطابی کہتے ہیں کہ ''مِغول'' ایک بھالا ہوتا ہے جس کا پھل بڑا باریک اور تیز ہوتا ہے۔ دیگر اہلِ علم نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ وہ ایک تیز تلوار ہوتی ہے جس کا ایک دستہ ہوتا ہے اور اس کا غلاف چابک کی طرح ہوتا ہے۔ ''مِشمَل'' چھوٹی تلوار کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آدمی اس کو چھپائے رکھتا ہے، یعنی کپڑے سے اُسے ڈھانپ دیتا ہے۔ ''مِغول'' کا مادہ ''غَال'' اور ''اغتال'' ہے جس کے معنی اچانک کسی چیز کو پکڑ لینے کے ہیں۔

اسی حدیث سے امام احمد رحمہ اللہ نے احتجاج کیا ہے۔ (امام احمد کے بیٹے) عبداللہ نے بطریق روح از عثمان الشحام از عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک نابینا شخص تھا، اس کی ام ولد لونڈی رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فلاں عورت کا خون هدر ہے۔[2]

ممکن ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہو جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام سے واضح ہوتا ہے۔ بروایت عبداللہ امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ ذمی اگر رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اس کو قتل کرنے کے بارے میں کوئی حدیث وارد ہوئی ہے؟ فرمایا: جی ہاں! ان میں سے ایک حدیث اندھے شخص کے بارے میں ہے جس نے عورت کو قتل کیا تھا۔ فرمایا کہ اس نے اسے گالیاں دیتے ہوئی سنا تھا۔ پھر عبداللہ نے امام احمد سے دونوں حدیثیں روایت کیں۔ ممکن ہے کہ پہلے اس شخص نے اس کا گلا گھونٹا ہو اور پھر بھالا اس کے شکم میں پیوست کر دیا ہو یا ہو سکتا ہے کہ ایک روایت میں قتل کی کیفیت محفوظ نہ ہو۔

---

[1] سنن أبي داود (٤٣٦١) سنن النسائي (٧/ ١٠٧) اسے امام حاکم، ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (المستدرك: ٤/ ٣٥٤، بلوغ المرام، رقم الحديث: ١٢٣٠)

[2] أحكام أهل الملل للخلال: كتاب الحدود، باب فيمن شتم النبي ﷺ.

کیا یہ ایک ہی واقعہ ہے یا دو عورتوں کا قصہ ہے؟

یہ امر بعید از قیاس ہے کہ یہ دو واقعات ہوں۔ دو اندھے آدمیوں میں سے ہر ایک کی عورت رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی ہو اور دونوں نے اپنی اپنی بیوی کو قتل کر دیا اور دونوں ہی کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو قسم دی۔ صحیح یہ ہے کہ مقتولہ ایک یہودی عورت تھی، جیسا کہ ایک روایت میں صراحتاً ذکر کیا گیا ہے، قاضی ابویعلی وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ اس حدیث سے انھوں نے استدلال کیا ہے کہ ذمّی اگر نقضِ عہد کا مرتکب ہو تو اسے قتل کیا جائے۔ ان کے خیال میں ہر دو احادیث میں ایک ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

اس امر کا بھی احتمال ہے کہ یہ دو واقعات ہوں۔ خطابی کہتے ہیں: اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والے کو قتل کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ اس عورت کا آپ ﷺ کو گالیاں دینا دین سے ارتداد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطابی اس عورت کو مسلمان تصور کرتے ہیں، حالانکہ حدیث میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ اس کا کافرہ ہونا واضح ہے۔ اس کو امان اس لیے دی گئی تھی کہ وہ ایک مسلم کی مملوکہ تھی، اس لیے کہ مسلمانوں کے غلام کو بھی ذمّی کے حقوق حاصل ہوتے ہیں بلکہ معاہدین کی نسبت ان پر زیادہ پابندی ہوتی ہے یا اس لیے اسے پناہ ملی کہ وہ ایک مسلم کی منکوحہ تھی کیونکہ مسلمانوں کی اہل کتاب بیویاں محفوظ الدم ہونے کے اعتبار سے ذمّیوں کا حکم رکھتی ہیں، اس لیے کہ دائماً حضور ﷺ کو گالیاں دینا صرف مرتد سے صادر ہو سکتا ہے جس نے کوئی اور دین اختیار کر لیا ہو۔ اگر وہ مرتد عورت ہوتی اور اس نے کوئی اور مذہب اختیار کر لیا ہوتا تو اس کا مالک ایک طویل عرصہ تک اسے اس حالت میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ اسے گالیوں سے روکنے پر ہی اکتفا نہ کرتا بلکہ اس سے مطالبہ کرتا کہ اپنے اسلام کی تجدید کرے، خصوصاً اگر وہ اس سے ہم بستر ہوتا ہو، اس لیے کہ مرتد عورت کے ساتھ مجامعت جائز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب پر بدستور قائم تھی اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

بایں ہمہ اس آدمی نے یہ نہیں کہا کہ وہ تو کافر یا مرتد ہو گئی ہے بلکہ اس نے صرف اس کی گالیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے کھل کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس سے گالیاں دینے کے سوا دوسرا کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا، مثلاً: ارتداد یا ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انحراف وغیرہ۔

بہر کیف یہ عورت یا تو اس کی منکوحہ بیوی ہوگی یا مملوکہ لونڈی، دونوں صورتوں میں اگر اس کو قتل کرنا ناروا ہوتا تو رسول کریم ﷺ فرما دیتے کہ اس کو قتل کرنا حرام ہے اور اس کا خون معصوم ہے۔ معصوم کو قتل کرنے کی وجہ سے اس پر کفارے کو واجب قرار دیتے اور اگر وہ اس کی لونڈی نہ ہوتی تو اس پر دیت کو واجب قرار دیتے۔ جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا خون ھدر ہے، اور ھدر وہ خون ہوتا ہے جس کا قصاص دیا جاتا ہے، نہ دیت اور کفارہ تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ ذمّی ہونے کے باوجود مباح الدم تھی۔ گویا گالیاں دینے سے اس کے خون کو مباح الدم کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے خون کو اس وقت ھدر قرار دیا جب آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ گالیاں دینے کی وجہ سے اسے قتل کیا گیا ہے، پس معلوم ہوا کہ اس کا موجب ومحرک یہی ہے اور اس واقعہ کی دلالت اس پر واضح ہے۔

تیسری حدیث:

کعب بن اشرف یہودی کا واقعہ ہے جس سے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ ذمّی اگر رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اسے قتل کیا جائے، اس کا عہد وامان اس سے باقی نہیں رہتا۔

خطابی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ذمّی اگر رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اسے قتل کیا جائے، اس فعل سے مسلمانوں کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اس پر انھوں نے کعب بن اشرف کے واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ "کتاب الأم" میں فرماتے ہیں:

"رسول کریم ﷺ کے سامنے یا آپ ﷺ کے قرب وجوار میں یہودِ مدینہ کے سوا کوئی مشرک کتابی نہ تھا۔ یہ انصار کے حلیف تھے اور انصار نے حضور ﷺ کی آمد کے آغاز میں اسلام لانے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا، چنانچہ یہود نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ مصالحت کر لی اور جنگِ بدر ہونے تک ان کے کسی قول وفعل سے عداوت کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ جنگِ بدر کے بعد یہودیوں نے اظہارِ عداوت کا آغاز کیا اور لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکانے لگے، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے بھی یہود کے خلاف جنگ وپیکار کا ارادہ کیا۔" [1]

اس ضمن میں پہلا واقعہ کعب بن اشرف کا پیش آیا، یہ واقعہ مشہور ہے۔ اس کو عمرو بن دینار نے جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"کعب بن اشرف کو کون ٹھکانے لگائے گا؟ اُس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا

[1] الأم للشافعي (٤/ ١٨١)

پہنچائی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کے لیے تیار ہوں۔ کیا آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ رسول کریم ﷺ نے اثبات میں جواب دیا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ پھر مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجیے۔ فرمایا: کہہ لو۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ اس کے پاس گئے اور کہا: یہ آدمی (محمد ﷺ) ہم سے صدقہ مانگتا ہے اور اس نے ہمیں بڑی تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ سن کر کعب نے کہا: بخدا! تم اس سے بیزار ہو جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: اب جبکہ ہم اس کے پیروکار بن ہی چکے ہیں تو مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں یہاں تک کہ دیکھیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اچھا، ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک وسق یا دو وسق غلہ دے دیں۔ کعب نے کہا: میرے پاس کچھ رہن رکھو۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: آپ کون سی چیز پسند کریں گے؟ کعب نے کہا: اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: بھلا ہم اپنی عورتیں آپ کے پاس کیسے رہن رکھ دیں جب کہ آپ عرب کے سب سے خوبصورت انسان ہیں؟ اس نے کہا: تو پھر اپنے بیٹوں ہی کو رہن رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو کیسے رہن رکھ دیں؟ اگر ایسا ہو گیا تو انھیں گالی دی جائے گی کہ یہ ایک وسق یا دو وسق کے بدلے رہن رکھا گیا تھا، یہ ہمارے لیے عار کی بات ہے، البتہ ہم آپ کے پاس ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں میں طے ہو گیا کہ محمد بن مسلمہ ہتھیار لے کر اس کے پاس آئیں گے۔

پھر محمد بن مسلمہ نے کعب کو کہا کہ وہ حارث، ابوعبس بن جبر اور عباد بن بشر کے ہمراہ آئے گا۔ یہ سب لوگ رات کے وقت کعب کے یہاں آئے اور اسے آواز دی۔ کعب اتر کر ان کی طرف آیا۔ سفیان نے کہا: عمرو کے سوا دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ اس کی بیوی نے کہا: میں ایسی آواز سنتی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ کعب نے کہا: یہ تو میرا بھائی محمد بن مسلمہ ہے جس کا دودھ کا ساتھی ابو نائلہ ہے، شریف آدمی کو اگر نیزے کی مار کی طرف بلایا جائے تو اس پکار پر بھی وہ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ باہر آ گیا۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ آ جائے گا تو میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا۔ جب تم دیکھو کہ میں نے اس کا سر پکڑ کر اسے قابو میں کر لیا ہے تو اس پر پل پڑنا اور اسے مار ڈالنا۔

جب کعب اترا تو اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ انھوں نے کہا: ہمیں آپ کی طرف سے نہا

یت عمدہ خوشبو آ رہی ہے۔ اس نے کہا: میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ خوشبو والی عورت ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: اجازت ہو تو ذرا آپ کا سر سونگھ لوں؟ وہ بولا: ہاں ہاں! محمد بن مسلمہ نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ ڈالا، محمد بن مسلمہ نے کہا: بھئی ایک بار اور؟ کعب نے کہا: ہاں ہاں! محمد بن مسلمہ نے اس کے سر میں ہاتھ ڈال کر اچھی طرح پکڑ لیا، پھر بولے اس کو پکڑ لو، چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔[1] (صحیح بخاری و مسلم)

ابن ابی اویس نے بطریق ابراہیم ابن جعفر بن محمود بن محمد بن مسلمہ از والد خود، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ کعب بن اشرف نے رسول کریم ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ ﷺ کے دشمن کی مدد نہیں کرے گا اور نہ آپ ﷺ سے جنگ کرے گا، پھر وہ مکہ گیا اور مدینہ واپس آکر رسول کریم ﷺ کی عداوت کا اعلان کیا اور آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہے، تب رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو اس کے قتل کرنے کے لیے کہا۔ یہ ابن ابی اویس سے منقول ہے، اس کو خطابی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔[2]

علمائے مغازی اور تفسیر، مثلاً محمد بن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ کعب بن اشرف نے دیگر یہود کی طرح رسول کریم ﷺ کے ساتھ مصالحت کر لی تھی۔ یہ بنو طی کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی ماں بنو نضیر میں سے تھی، جب غزوۂ بدر میں بہت سے اہل مکہ مارے گئے تو اسے بڑا ناگوار گزرا، چنانچہ وہ مکہ گیا اور مرنے والوں کا مرثیہ کہا۔ اس نے جاہلیت کے دین کو دین اسلام پر ترجیح دی حتی کہ اُس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴾ [النساء: ٥١]

”بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے راستہ پر ہیں۔“

کعب بن اشرف جب مدینہ واپس آیا تو رسول کریم ﷺ کی شان میں ہجویہ اشعار کہنے لگا۔

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٢٥١٠) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٨٠١)

[2] معالم السنن (٤/ ٨٣)

اشعار میں مسلم خواتین کا ذکر کرتا اور ایذا دیتا تھا حتی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کعب بن اشرف سے کون نمٹے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ پھر تفصیل سے اس کے قتل کا واقعہ بیان کیا۔

واقدی نے بطریق عبدالحمید بن جعفر از یزید بن رومان و معمر از زہری از ابن کعب بن مالک وابراہیم بن جعفر از والد خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور کعب کے قتل کا واقعہ بیان کیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ (اس واقعہ کی وجہ سے) یہودی اور اس کے ہمنوا مشرکین گھبرا اٹھے۔ جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: گذشتہ رات ہمارے ساتھی کو قتل کیا گیا ہے۔ وہ ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار تھا اور اسے بلا جرم وگناہ، جس کا ہمیں علم ہو، قتل کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''اگر وہ بھی اسی طرح امن وسکون سے رہتا جس طرح اس کے دوسرے ہم خیال رہتے تھے تو اسے اچانک قتل نہ کیا جاتا، مگر اس نے ہمیں اذیت دی اور ہماری ہجو میں اشعار کہے تو جو بھی اس طرح کرے گا اسے قتل کردیا جائے گا۔''

چنانچہ رسول کریم ﷺ نے یہود کو دعوت دی کہ میں انھیں ایک عہد نامہ لکھ دیتا ہوں وہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ اس طرح رسول کریم ﷺ نے یہود اور مسلمانوں کے درمیان ایک عہد نامہ کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھ کر رملہ بنت حارث کے گھر میں لکھ کر دیا۔ یہود اب ایسی حرکتوں سے باز آگئے، جب سے کعب بن اشرف قتل ہوگیا، وہ ڈر گئے اور رسوا ہوگئے۔[1]

کعب بن اشرف کے قتل سے استدلال دو وجہ سے کیا جاتا ہے:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ کعب معاہد تھا اور اس نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی تھی۔ مغازی اور سیر کے علماء اس پر متفق ہیں۔ اس کا عام لوگوں کو علم تھا اور اس میں خاص لوگوں سے منقول ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اہل علم کے نزدیک یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے کہ رسول کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہود کے تمام گروہوں کے ساتھ معاہدہ کرلیا تھا۔ اس میں بنو قینقاع، نضیر اور قُریظہ کے قبائل سب شامل تھے، پھر جب بنو قینقاع نے معاہدہ توڑ دیا تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ جنگ کی، پھر کعب بن اشرف نے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور اس کے بعد بنو نضیر نے اور پھر بنو قریظہ

---

[1] كتاب المغازي للواقدي (١/ ١٩٢)

نے۔کعب بن اشرف کا تعلق بنونضیر کے ساتھ تھا۔ان کا معاملہ ظاہر ہے کہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ مصالحت کر لی تھی۔ انھوں نے یہ معاہدہ اس وقت توڑا تھا جب آپ ﷺ ان دو آدمیوں کی دیت ان کے پاس لینے گئے تھے جن کو عمرو بن اُمیہ الضمری نے قتل کیا تھا۔ یہ کعب بن اشرف کے قتل کے بعد کا واقعہ ہے۔ہم اس روایت پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ کعب بن اشرف رسول کریم ﷺ کا معاہد تھا، پھر اس نے آپ ﷺ کی ہجو کہی اور اپنی زبان سے آپ کو ایذا پہنچائی تو آپ ﷺ نے اسے معاہدہ توڑنے والا قرار دیدیا۔

باقی رہی اس امر کی دلیل کہ اس نے ہجو کر کے اپنا عہد توڑا تھا تو وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کعب بن اشرف سے کون نمٹے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔''

گویا اس کی ایذا رسانی کو آپ نے اس کے قتل کی علت ٹھہرایا اور مطلق ایذا وہ ہوتی ہے جو زبان سے دی جاتی ہے، جیسا کہ قرآن کی مندرجہ ذیل آیات میں وارد ہوا ہے:

۱۔ ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا﴾ [آل عمران: ۱۸٦]

''اور تم اہل کتاب سے اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے۔''

۲۔ ﴿ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى﴾ [آل عمران: ۱۱۱]

''اور یہ تمھیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

۳۔ ﴿ وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ﴾ [التوبة: ٦۱]

''اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو نرا کان ہے۔''

۴۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا﴾ [الأحزاب: ٦۹]

''مومنو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ کو (عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو خدا نے ان کو بے عیب ثابت کیا۔''

۵۔ ﴿ وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ ﴾ [الأحزاب: ۵۳]

''اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو، یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے۔''

٦۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ

عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب: ۵۷، ۵۸]

''جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر خدا دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت) سے، جو انھوں نے نہ کیا ہو، ایذا دیں تو انھوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ سر پر رکھا ہے۔''

حدیث قدسی:

حدیث قدسی میں فرمایا:

''زمانے کو گالی دے کر بندہ مجھے رنج پہنچاتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں۔''[1]

ایسی متعدد احادیث ہیں۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ ''اذی'' معمولی سی تکلیف کو کہتے ہیں، بخلاف ضرر کے۔ اسی لیے ''اذی'' کا اطلاق زبانی اذیت پر ہوتا ہے کیونکہ ایذا ملنے والے کو اس سے حقیقی اذیت نہیں پہنچتی۔ مزید برآں اس میں اللہ اور اس کے رسول کو مطلق ایذا پہنچانے کی وجہ سے ایک معاہد کو قتل کیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینا ان کو اذیت دینے کے مترادف ہے۔ اور جب وصف کو حکم پر حرف الفاء کے ساتھ مرتب کیا جائے تو یہ اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ وصف اس حکم کی علت ہے، خصوصاً جبکہ حکم اور وصف باہم موافق اور ہم آہنگ بھی ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ایذا مسلمانوں کو ایسے شخص کے قتل پر آمادہ کرنے کی علت ہے جو معاہد ہو کر ایسا فعل انجام دیتا ہے۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے سے اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، اور گالی دینا بالاتفاق اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچانا ہے بلکہ ایذا کی ایک مخصوص قسم ہے۔

مزید برآں ہم جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ذکر کر چکے ہیں کہ کعب نے سب سے پہلے عہد شکنی کا ارتکاب اس وقت کیا جب اس نے مدینہ واپس آکر قصیدے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہی۔ تب آپ نے مسلمانوں کو اس کے قتل پر آمادہ کیا۔ یہ تنہا اس امر کی دلیل ہے کہ ہجو گوئی سے اس نے اپنے عہد کو توڑ دیا، صرف مکہ جانے کی وجہ سے اس کا عہد نہیں ٹوٹا۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٢٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٤٦)

واقدی نے اپنے شیوخ سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بھی اس کا مؤید ہے، اگرچہ واقدی جب تنہا روایت کرے تو اس کی روایت قابلِ احتجاج نہیں ہوتی مگر اس کے ماہر مغازی ہونے اور اس کی تفصیلات سے آگاہ ہونے میں شبہ نہیں۔ ہم نے واقدی سے وہی کچھ لے کر ذکر کیا ہے جو ہم نے باسند دوسروں سے نقل کیا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''اگر وہ دوسروں کی طرح امن وچین سے رہتا'' اس امر پر نص کا حکم رکھتا ہے کہ کعب کا عہد ہجو گوئی کی وجہ سے ٹوٹا تھا، نیز یہ کہ معاہدین میں سے جو بھی ایسا کرے گا وہ تلوار کا مستحق ہوگا۔ اور جابر رضی اللہ عنہ کی روایت، جو دوسندوں کے ساتھ مرفوعاً منقول ہے، اس سے ہم آہنگ ہے، اور احتجاج کے سلسلہ میں اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

مزید برآں جب کعب مکہ گیا اور لوٹ کر مدینہ آیا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کے قتل پر نہیں بھڑکایا۔ جب اس کی ہجو گوئی کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کے قتل پر آمادہ کیا۔ اور نئے حکم کو نئے پیدا ہونے والے سبب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہجو گوئی اور ایذا، جو کعب نے مکہ لوٹ کر دی، اس کے نقضِ عہد اور قتل کی موجب ہے۔ جب یہ اس شخص کا حال ہے جس سے معاہدہ کیا ہوا ہے اور جو جزیہ بھی ادا نہیں کرتا پھر اُس ذمّی کے بارے میں کیا خیال ہے جو جزیہ ادا کرتا ہے اور ملّی احکام کا پابند ہے؟

اگر معترض کہے کہ کعب بن اشرف کو گالی دینے اور ہجو کہے بغیر پکڑا گیا تھا۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے بطریق محمد بن ابی عدی از داود از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ گیا تو قریش نے کہا: اس تنہا، بے یارو مددگار اور اپنی قوم کے بھولے ہوئے آدمی کو نہیں دیکھتے جو اپنے آپ کو ہم سے بہتر سمجھتا ہے؟ ہم حاجیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، سدانہ (کعبہ کی خدمت) اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) کے مناصب ہمارے پاس ہیں۔ کعب نے قریش سے کہا: تم مسلمانوں سے بہتر ہو۔ تب یہ آیت اتری:

﴿ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴾ [الکوثر: ۳]

''تمھارا دشمن ہر خیر وبرکت سے محروم ہے۔''

نیز یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ

الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾ [النساء: ۵۱] [1]

''بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں، اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں یہ لوگ مؤمنوں کی نسبت سیدھے راستہ پر ہیں۔''

نیز وہ بطریق عبدالرزاق از معمر از ایوب از عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ کعب بن اشرف کفارِ قریش کے پاس گیا، ان کو رسول کریم ﷺ کے خلاف ابھارا اور ان کو آپ کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا اور کہا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ قریشِ مکہ نے کہا کہ تم اہلِ کتاب ہو اور وہ صاحبِ کتاب ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ ہمیں نقصان پہنچانے کی ایک تدبیر ہو۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ جائیں تو ان دو بتوں کو سجدہ کیجیے اور ان پر ایمان لایئے۔ کعب نے اس کی تعمیل کی، پھر قریش نے اس سے کہا کہ آیا ہم راہِ راست پر ہیں یا محمد؟ ہم صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، تندرست وتوانا ناقہ ذبح کرتے ہیں، دودھ میں پانی ملا کر پلاتے ہیں جبکہ محمد ﷺ نے اپنی قرابت داری کو توڑ دیا ہے اور اپنے شہر سے نکل گیا ہے؟ کعب نے کہا: تم ان سے بہتر اور ہدایت پر ہو۔ تب مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ [2]

نیز امام احمد بطریق عبدالرزاق از اسرائیل از السدی، ابو مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جب کعب مکہ آیا تو اہل مکہ نے اس سے کہا: کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمد کا؟ کعب نے کہا: اپنا دین میرے سامنے پیش کیجیے۔ انھوں نے کہا کہ ہم اپنے رب کا گھر آباد کرتے ہیں، جوان اور توانا اونٹنیاں ذبح (کر کے لوگوں کو کھلاتے ہیں،) حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں۔ کعب نے کہا: تمھارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے۔ تب مذکورہ صدر آیت نازل ہوئی۔ [3]

موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ کعب بن اشرف یہودی بنونضیر میں سے تھا یا ان میں سکونت پذیر ہوگیا تھا۔ اس نے ہجو کہہ کر رسول کریم ﷺ کی توہین کی۔ وہ سوار ہو کر قریشِ مکہ کی طرف گیا اور رسول کریم ﷺ کے خلاف ان سے مدد مانگی۔ ابوسفیان نے کہا: میں تمھیں قسم دے کر

---

1. تفسیر الطبري (۵/ ۱۳۳) اسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے (موارد الظمآن، رقم الحدیث: ۱۷۳۱)
2. تفسیر الطبري (۵/ ۱۳٤)
3. تفسیر الطبري (۵/ ۱۳٤)

پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ کو ہمارا دین عزیز تر ہے یا محمد اور ان کے اصحاب کا دین؟ تمھارے خیال میں کون راہِ راست پر اور حق سے قریب تر ہے؟ ہم موٹے تازے اونٹ (مہمانوں کو) کھلاتے ہیں، پانی میں دودھ ملا کر پلاتے ہیں اور جب تک بادشمال چلتی رہے گی ہم یہ مشغلہ جاری رکھیں گے۔ کعب بن اشرف نے کہا: تم راہِ راست پر ہو، پھر سیدھا مدینہ چلا گیا۔ مشرکینِ مکہ رسول کریم ﷺ کے خلاف لڑنے پر متفق ہو گئے۔ کعب بن اشرف عداوتِ رسول کا علانیہ اظہار کرتا رہا اور آپ کے بارے میں ہجویہ اشعار کہتا رہا۔ آخر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"کون ہے جو ہمیں کعب سے مخلصی دلائے؟ اس نے علانیہ ہماری عداوت اور ہجو گوئی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ وہ قریش کے یہاں بھی گیا اور ان کو ہمارے ساتھ لڑنے پر آمادہ کیا، مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے آگاہ کر دیا ہے۔"

قریش کے بارے میں جو بدترین انتظار وہ کر رہا تھا کہ مدینہ آکر رسول کریم ﷺ سے نبرد آزما ہوں، اس کی وہ امید بر آئی، پھر رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو وہ آیات سنائیں جو کعب کے بارے میں اتری تھیں۔ وہ سابق الذکر آیت ہے اور چند دیگر آیات جو کعب بن اشرف اور قریش کے بارے میں نازل ہوئیں۔

مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! جیسے تُو چاہے مجھے کعب بن اشرف سے بچالے۔" محمد بن مسلمہ نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اسے قتل کروں گا۔ پھر کعب بن اشرف کے قتل کا پورا واقعہ ذکر کیا، پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کعب بن اشرف کو اس کی عداوتِ رسول ہجو گوئی اور آپ کے خلاف قریش کو اشتعال دلانے اور اس کا اعلان کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔[1]

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف کا واقعہ یہ ہے کہ جب کفارِ مکہ نے بدترین شکست کھائی تو رسول کریم ﷺ نے زید بن حارثہ کو زیریں علاقہ والوں کی طرف اور عبداللہ بن رواحہ کو بالائی علاقہ والوں کی طرف خوش خبری دے کر بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے نوازا ہے اور مشرکین میں سے بہت سے لوگ مارے گئے ہیں۔ جیسا کہ مجھے عبداللہ بن المغیث بن ابی بُردہ ظفری، عبداللہ بن ابی بکر، عاصم بن عمر بن قتادہ اور صالح بن ابی امامہ بن سہل میں سے ہر ایک نے اس واقعہ کا کچھ حصہ بتایا۔ انھوں نے کہا: کعب بن اشرف قبیلہ طَی میں سے تھا اور پھر بنی نبہان میں جا کر بس گیا تھا۔

[1] دلائل النبوة للبيهقي (٣/ ١٩٠)

اس کی ماں قبیلہ بنونضیر سے تعلق رکھتی تھی۔

جب کعب کو پتہ چلا کہ محمد ﷺ نے بہت سے مشرکینِ مکہ کو قتل کردیا ہے تو اس نے پوچھا کہ زید اورعبداللہ بن رواحہ جو بات کہتے ہیں کیا وہ سچ ہے؟ یہ لوگ تو اشراف العرب اور لوگوں کے بادشاہ تھے۔ بخدا! اگر محمد ﷺ نے ان لوگوں کو قتل کردیا ہے تو پھر ہمارے لیے زمین کا بطن اس کی سطح سے بہتر ہے۔ جب اسے اس خبر کی صداقت کا یقین آگیا تو دشمنِ خدا چل کر مکہ آگیا۔ اس نے المطلب بن ابی وداعہ سہمی کے یہاں قیام کیا۔ عاتکہ بنت ابی العیص بن امیہ اس کی بیوی تھی جس نے اس کے اکرام واحترام کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس نے لوگوں کو رسول کریم ﷺ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ وہ اشعار پڑھتا اور ان لوگوں پر روتا جو بدر میں مارے گئے تھے۔ راوی نے اس کے اشعار ذکر کیے اور حضرت حسان نے ان کا جو جواب دیا تھا وہ بھی بتایا، پھر کعب بن اشرف مدینہ آکر اشعار کہنے لگا جن میں مسلم خواتین کے متعلق عشقیہ کرتا۔ اس طرح وہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا، جیسا کہ عبداللہ بن ابی المغیث کا بیان ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''کعب بن اشرف سے کون نمٹے گا؟'' محمد بن مسلمہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اسے ٹھکانے لگاؤں گا، پھر راوی نے پورا واقعہ بیان کیا۔[1]

واقدی بطریقِ عبدالحمید بن جعفر از یزید بن رُومان و معمر از زُھری از ابن کعب بن مالک وابراہیم بن جعفر از والد خود، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ واقدی کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے مجھے اس واقعہ کا کچھ حصہ سنایا، جس واقعہ پر وہ سب متفق اللسان تھے وہ یہ ہے کہ انھوں نے کہا:

''کعب بن اشرف شاعر تھا اور رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجو کہا کرتا تھا۔ وہ اپنے اشعار میں کفارِ قریش کو رسول کریم ﷺ کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا۔ جب رسول کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس میں ملے جلے لوگ رہتے تھے۔ ان میں مسلمان بھی تھے جن کو دعوتِ اسلام نے یکجا کردیا تھا، نیز ان میں قلعوں میں رہنے والے اور اسلحہ والے بھی تھے، ان میں اوس اور خزرج کے حلیف بھی تھے۔ رسول کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ان میں صلح وامن کے جذبات پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ایسا بھی ہوتا کہ ایک شخص مسلم ہوتا اور اس کا باپ مشرک ہوتا۔ مشرکین اور یہودِ مدینہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کو سخت ایذا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مسلمانوں کو اس پر صبر کرنے اور

[1] السير والمغازي (ص: ٣١٦، ٣١٧)

ان کو معاف کرنے کا حکم دیا۔ ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [آل عمران: ۱۸٦]

''اور تم اہل کتاب اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے، تو اگر صبر اور پرہیز گاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔''

﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [البقرة: ۱۰۹]

''بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں، حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے تو تم معاف کردو اور درگزر کرو یہاں تک کہ خدا اپنا (دوسرا) حکم بھیجے، بے شک خدا ہر بات پر قادر ہے۔''

کعب بن اشرف نے رسول کریم ﷺ اور صحابہ کی ایذا رسانی سے باز رہنے سے انکار کردیا اور جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح بدر اور مشرکین کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کی بشارت لائے اور کعب نے قیدیوں کو جکڑے ہوئے دیکھا تو ذلیل و رسوا ہوگیا، پھر اس نے اپنی قوم سے کہا: تم پر افسوس ہو، بخدا! زمین کا بطن تمھارے لیے اس کی سطح سے افضل ہے۔ یہ لوگوں کے سردار تھے جن کو قتل کیا گیا اور قیدی بنایا گیا، اب تمھارے پاس کیا باقی رہا؟ انھوں نے کہا: ہم جب تک زندہ رہیں گے اس سے عداوت رکھیں گے، کعب نے کہا: تم کیا ہو؟ اس نے تو اپنی قوم کو کچل دیا اور قتل کردیا ہے، البتہ میں قریش کی طرف جاؤں گا، انھیں مشتعل کروں گا اور ان کے مقتولوں پر نوحہ گری کروں گا ہوسکتا ہے کہ اس پر وہ برانگیختہ ہو جائیں اور میں بھی ان کے ساتھ جنگ کے لیے نکلوں۔

چنانچہ کعب مکہ آیا اور اپنا سامان ابو وداعہ بن ابی صبیرہ سہمی کے پاس رکھ دیا۔ اس کی بیوی عاتکہ بنت اُسید بن ابی العیص تھی۔ اس نے قریش کے مرثیہ پر اشعار کہے۔ نیز حسان نے وہ اشعار سنائے جن میں اس نے ان اہل خانہ کی ہجو کہی تھی جن کے یہاں وہ قیام پذیر تھا۔ جب عاتکہ کو اس کی ہجو گوئی کی خبر پہنچی تو اس نے کعب کا سامان باہر پھینک دیا اور کہا: ''اس یہودی سے ہمیں کیا سروکار؟'' تم دیکھتے

نہیں کہ حسان ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ چنانچہ کعب وہاں سے چلا گیا۔ وہ جب کسی کے پاس قیام کرتا تو رسول کریم ﷺ حسان رضی اللہ عنہ کو بلاتے اور فرماتے کہ کعب فلاں شخص کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔ حضرت حسان اس کی ہجو کہتے اور وہ کعب کا سامان باہر پھینک دیتا۔

جب کعب کو رہنے کے لیے کوئی جگہ نہ ملی تو مدینے آیا۔ جب رسول کریم ﷺ کو اس کی آمد کا پتہ چلا تو فرمایا: ''اے اللہ! مجھے کعب بن اشرف سے بچا، اس نے شر کا اعلان کیا اور میری ہجو کہی ہے۔'' رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''کون مجھے کعب بن اشرف سے نجات دلائے گا؟ اس نے مجھے بہت ستایا ہے۔'' محمد بن مسلمہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں اسے قتل کروں گا۔ فرمایا: ''تو ایسا کرو۔''[1]

کعب بن اشرف کے جرائم:

کعب بن اشرف کی ذات میں کئی جرائم جمع ہو گئے تھے:

۱۔ اس نے قریش کے مقتولوں کا مرثیہ کہا۔

۲۔ قریش کو رسول کریم ﷺ کے خلاف ابھارا اور ان کی پشت پناہی کی۔

۳۔ اس نے قریش سے کہا کہ تمھارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے۔

۴۔ اس نے رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو کہی۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کے جواب میں چند وجوہ ہیں:

پہلا جواب:

آپ ﷺ نے کعب کو اس لیے قتل کرنا نہیں چاہا تھا کہ وہ مکہ گیا ہے اور اس نے جو کچھ کہنا تھا کہا۔ آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم اس وقت دیا جب وہ مدینہ آیا اور اس نے آپ ﷺ کی ہجو کی، جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی یہ تفصیل موجود ہے:

''پھر وہ مدینے آیا اور علانیہ عداوتِ رسول کا اظہار کرنے لگا۔''

پھر بیان کیا کہ نقضِ عہد کا باعث وہ اشعار ہیں جو اس نے مدینہ آ کر کہے، تب آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کی ترغیب دلائی۔

موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے:

---

[1] المغازي للواقدي (۱/ ۱۸۴۔ ۱۸۷)

"ہمیں ابن اشرف سے کون بچائے گا؟ کیونکہ اس نے ہماری عداوت اور ہجو کا اعلان کیا ہے۔"

اس کی تائید دو باتوں سے ہوتی ہے:

۱۔ ایک یہ کہ سفیان بن عیینہ نے بطریق عمرو بن دینار، عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ حُیَي بن اخطب اور کعب اہل مکہ کے یہاں آئے، انھوں نے کہا: تم اہل کتاب اور صاحب علم ہو، ہمیں بتاؤ کہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان کیا فرق ہے؟ مکہ والوں نے کہا: تم کیا ہو اور محمد کیا ہیں؟ انھوں نے کہا: ہم صلہ رحمی کرتے ہیں اور طاقتور اور صحت مند اونٹنیاں ذبح (کر کے مہمانوں کو کھلاتے ہیں،) دودھ میں پانی ملا کر پلاتے ہیں، قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ محمد ﷺ ایک تن تنہا آدمی ہے۔ اس نے ہماری قرابت داریوں کو منقطع کر دیا ہے، حاجیوں کے چور بنو غفار نے اس کی پیروی کی ہے تو آیا وہ بہتر ہے یا ہم؟ انھوں نے کہا: تم بہتر اور صحیح راستہ پر ہو۔ تب مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴾ [النساء: ۵۱، ۵۲]

"بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے راستے پر ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے، اور جس پر خدا لعنت کرے تو تم اس کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔"

اسی طرح قتادہ نے ذکر کیا کہ یہ آیت کعب بن اشرف اور حُیَي بن اخطب کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ دونوں قبیلہ بنی نضیر کے یہودی تھے جو ایامِ حج میں قریش سے ملے تھے۔ مشرکین نے ان سے کہا: کیا ہم ہدایت پر ہیں یا محمد اور اس کے صحابہ؟ ہم کعبہ کی حفاظت کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، ہم اہل حرم ہیں۔ دونوں نے کہا: تم محمد اور اس کے اصحاب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ دونوں جھوٹے ہیں، صرف محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب پر حسد کرنے کے لیے اس طرح کہہ رہے تھے، ان کے بارے مذکورہ صدر آیت نازل ہوئی۔

جب وہ دونوں اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو ان کی قوم نے کہا:

''محمد کا دعویٰ ہے کہ تمھارے بارے میں فلاں فلاں آیت نازل ہوئی ہے۔ دونوں نے کہا: یہ سچ ہے ہمیں حسد و بغض نے یہ بات کہنے پر آمادہ کیا تھا۔''

یہ دونوں روایات مرسل ہیں اور دو مختلف سندوں سے منقول ہیں، ان دونوں میں مذکور ہے کہ یہ دونوں آدمی مکہ گئے اور جو کہنا تھا کہا، پھر یہ دونوں واپس مدینہ آ گئے۔ رسول کریم ﷺ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے پر صحابہ کو آمادہ کیا اور ابن اخطب کے بارے میں خاموشی اختیار کی، پھر بنونضیر نے عہد شکنی کی تو ان کو خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا، پھر وہ آپ کے خلاف لشکر جمع کر کے لایا۔ جب لشکر شکست کھا کر بھاگ گیا تو بنوقریظہ کے ہمراہ ان کے قلعہ میں داخل ہوا اور ان کے ساتھ ہی مقتول ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس وجہ سے وہ دونوں مکہ آئے وہ کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا موجب نہ تھا۔ اس کو قتل کرنے کی وجہ اس کا مخصوص فعل ہجو گوئی تھا۔ اس نے جو کچھ مکہ میں کیا وہ دونوں نے مل کر کیا تھا اور اس کو دوسرے کی تائید و حمایت بھی حاصل تھی۔ اس کے قتل کی موجب اور محرک وہ ایذا تھی جو اس نے اللہ اور اس کے رسول کو دی تھی، جیسا کہ خود رسول کریم ﷺ نے اس کی صراحت فرمائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کعب بن اشرف سے کون نمٹے گا کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے؟''

جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں بیان کیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن ابی اویس نے بطریق ابراہیم بن جعفر حارثی از والد خود، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ اور بنوقریظہ کو (میرا گمان ہے کہ بنوقینقاع کا ذکر بھی ہے) وہ واقعہ پیش آیا تو کعب بن اشرف مکہ چلا گیا اور وہاں قیام پذیر ہوا اور کہنے لگا: نہ تو میں محمد ﷺ کے خلاف کسی کو مدد دوں گا اور نہ اس سے لڑوں گا۔

مکہ میں کعب سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہمارا دین اچھا ہے یا محمد اور اُس کے اصحاب کا؟ اس نے کہا: تمھارا دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر اور قدیم تر ہے، محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔[1] یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے رسول کریم ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں کیا تھا۔

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي (٣/ ١٩٤)

دوسرا جواب:

کعب بن اشرف کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ لسانی ایذا کا موجب ہوا تھا۔ مشرکین مقتولوں کا مرثیہ، اس کا کفار کو بھڑکانا، گالی دینا اور ہجو کہنا، دینِ اسلام پر طعنہ زنی اور کفار کے دین کو فوقیت دینا، یہ سب کچھ اس نے زبان سے کیا تھا۔ اس نے کوئی ایسا کام نہ کیا جس کا تعلق حرب و پیکار سے ہو۔ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کے بارے میں ہم سے جھگڑتا ہے تو وہ کفار کے مذہب کو فوقیت دینے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے کے سلسلہ میں اور زیادہ جھگڑنے والا ہوگا۔

اس لیے کہ ذمی اگر حربی کافروں کے لیے جاسوسی کرے، انھیں مسلمانوں کے نقائص سے آگاہ کرے اور کفار کو مسلمانوں کے ساتھ لڑنے پر ابھارے تو ہمارے نزدیک اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، جس طرح گالی دینے والے کا عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ جو اہل علم کہتے ہیں کہ گالی دینے والے کا عہد نہیں ٹوٹتا تو ان کے نزدیک کفار کے لیے جاسوسی کرنے اور کفار کو مسلمانوں کے حالات سے آگاہ کرنے سے بالاولیٰ ان کا عہد نہیں ٹوٹتا۔

امام ابوحنیفہ اور ثوری رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے مگر ان کے اصحاب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور کعب بن اشرف سے صرف ایذا باللسان کا جرم صادر ہوا تھا، لہٰذا اُس کا واقعہ ان لوگوں پر حجت ہے جو ان مسائل میں نزاع و اختلاف رکھتے ہیں۔

اس ضمن میں ہمارا موقف یہ ہے کہ ان تمام باتوں سے (ذمی کا عہد) ٹوٹ جاتا ہے۔

تیسرا جواب:

تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار کے دین کو مسلمانوں کے دین پر فوقیت دینا بلاشبہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے کم درجے کا جرم ہے، اس لیے کہ کسی چیز کا مفضول (گھٹیا، ادنیٰ) ہونا اس کے مسبوب یا مشتوم (گالی دیا جانا) ہونے سے اولیٰ واحسن ہے۔ اگر کفار کے مذہب کو برتری دینے سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے تو گالی دینے سے بطریق اولیٰ ٹوٹ جاتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کعب نے بدر کے کافر مقتولوں کا مرثیہ کہا اور ان کا انتقام لینے پر آمادہ کیا، تو زیادہ سے زیادہ اس میں یہ بات ہے کہ اس نے قریش کو جنگ پر آمادہ کیا۔ قریش جنگِ بدر کے بعد یوں بھی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار تھے۔ انھوں نے ابوسفیان کے زیرِ قیادت ایک تجارتی کاروان اس لیے بھیجا تھا کہ اس کے منافع کو

جنگ پر خرچ کیا جائے، اس لیے انھیں کعب بن اشرف کے ترغیب دینے کی ضرورت نہ تھی، البتہ اس کی مرثیہ گوئی اور قریش کے مذہب کو برتری دینے سے قریش کا غیظ وغضب اور بڑھ گیا۔

تاہم کعب کے نبی کریم ﷺ کو گالیاں دینے اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے مذہب کی مذمت کرنے نے مسلمانوں کو اس کے خلاف آمادۂ جنگ و پیکار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہجوگوئی میں جو فساد پایا جاتا ہے وہ دوسری باتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ جب دوسرا کلام نقضِ عہد کا موجب ہے تو ہجوگوئی بالاولیٰ ناقضِ عہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عورتوں کی اس جماعت کو قتل کر دیا تھا جو آپ ﷺ کو گالیاں دیتیں اور ہجوگوئی کرتی تھیں، جبکہ ان عورتوں کو معاف کر دیا جو دشمن کی مدد کرتیں اور ان کو رسول کریم ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کرتی تھیں۔

چوتھا جواب:

چوتھا جواب یہ ہے کہ اس نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ہمارے لیے کئی وجوہ سے حجت ہے، اور وہ یہ کہ اہل علم کے یہاں مشہور ہے کہ آیت کریمہ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا﴾ [النساء: ۵۱] کعب بن اشرف کی ان باتوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اس نے کفارِ مکہ سے کہی تھیں۔ (ان آیات میں) اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ اس نے کعب پر لعنت کی اور جس پر وہ لعنت کرے کوئی اس کا مددگار نہیں ہوتا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا عہد باقی نہیں رہا، اگر اس کا عہد باقی ہوتا تو مسلمانوں پر اس کی امداد واجب تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی گفتگو سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور کوئی اس کا مددگار نہیں ہوتا۔ اور جب سب وشتم اس سے زیادہ سخت ہے تو اس سے عہد کیوں نہ ٹوٹے گا؟ رسول کریم ﷺ نے اس کی صرف اسی بات کو عہد کا ناقض قرار نہیں دیا (واللہ اعلم)، اس لیے کہ اس نے علانیہ یہ بات نہیں کہی تھی بلکہ اللہ نے اپنے رسول کو وحی کے ذریعے مطلع کیا، جیسا کہ احادیث میں گزر چکا ہے۔

رسول کریم ﷺ کسی مسلم یا معاہد کو اس وقت تک نہیں پکڑتے تھے جب تک وہ علانیہ کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو۔ جب وہ مدینہ لوٹ کر آیا اور اس نے کھلم کھلا ہجو وعداوت کا اظہار کیا تو وہ قتل کا مستحق ٹھہرا، اس لیے کہ اس کی ایذا رسانی لوگوں پر واضح ہوگئی، البتہ جس سے خیانت کا اندیشہ دامن گیر ہو اس کے عہد کو اس کے منہ پر مارا جائے لیکن اس سے اس وقت تک لڑا نہیں جا سکتا جب تک وہ حرب و پیکار کا اظہار نہ کرے اور اس پر یہ بات ثابت نہ ہو۔

کیا شعر ہجو گوئی کے لیے مؤثر ہے؟

اگر کہا جائے کہ کعب بن اشرف نے ہجوگوئی کے ذریعے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیں، اور شعر ایک باوزن کلام ہے جسے حفظ کیا جاتا، لوگوں تک پہنچایا جاتا اور خوش الحانی کے ساتھ اسے پڑھا جاتا ہے۔ اور شعر ایذا رسانی اور اسلام سے روکنے میں جس قدر مؤثر ہوتا ہے نثر میں یہ تاثیر نہیں ہوتی، اسی لیے رسول کریم ﷺ حضرت حسان کو ان کی ہجوگوئی کرنے کا حکم دیتے اور فرماتے: ''ہجوگوئی تیر اندازی سے زیادہ ان کی گردن توڑتی ہے۔''[1]

حسان کی ہجوگوئی ان پر بری طرح اثر انداز ہوتی، اور وہ ایسی باتوں سے باز آ جاتے کہ اگر نثر میں شعروں سے کہیں زیادہ اُن کو گالیاں دی جائیں تو بھی باز نہ آتے۔

کیا گالیوں کی تکرار کو بھی اس میں دخل ہے؟

مزید برآں کعب بن اشرف اور سابق الذکر لونڈی سے گالیاں دینے کا فعل بتکرار و اعادہ سرزد ہوا، اور کسی چیز کی کثرت اور استمرار سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے انفرادی صورت سے نہیں ہوتی۔ اور تم حنفیہ کا یہ قول نقل کر چکے ہو کہ جس شخص سے بکثرت ایسے فعل کا صدور ہو اس کو قتل کرنا جائز ہے اور اگر یہ فعل متکرر نہ ہو تو اسے قتل کرنا روا نہیں۔ جب حدیث سے یہ بات ثابت ہو تو ہوسکتا ہے کہ مخالف اس کو تسلیم کرے۔

قول اول: اس ضمن میں ہمارا پہلا قول تو یہ ہے کہ اس سے خود ہمارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ گالی علی الاطلاق ذمی کے عہد کو توڑنے والی اور اس کے خون کو رائیگاں کرنے والی ہے۔ اب ناقضِ عہد کے بارے میں گفتگو باقی رہی کہ آیا عہد کسی خاص نوع کی گالی سے ٹوٹتا ہے، یعنی جو کثیر بھی ہو اور غلیظ بھی، یا عام قسم کی گالی سے؟ یہ ایک جداگانہ بحث ہے۔ پس جو گالی کثیر و غلیظ ہو اس کے بارے میں یہ کہنا واجب ہے کہ اس سے ذمی کا خون رائیگاں ہو جاتا ہے تاکہ کوئی شخص نصِ حدیث کی خلاف ورزی نہ کر سکے۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ذمی کی کوئی گفتگو اور ایذا رسانی اس کے خون کو مباح نہیں کر سکتی تو ایسا شخص سنتِ صحیحہ و صریحہ کی ایسی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا جس میں کسی کے لیے عذر کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٩٠)

جرم بعض اوقات زمان و مکان اور احوال کے لحاظ سے بھی بڑھ جاتا ہے:

قول دوم: ہمارا دوسرا قول یہ ہے کہ جو جرم سزا کا موجب ہوتا ہے بعض اوقات اس میں کسی صفت یا مقدار یا دونوں کی وجہ سے شدت پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً: کسی عام آدمی کو قتل کرنا والد یا صالح اولاد کو قتل کرنے کی مانند نہیں، اسی طرح کسی عام آدمی پر ظلم کرنا ایک یتیم و بے نوا پر ظلم کرنے کے برابر نہیں جو صالح والدین کی اولاد ہو، علی ہذا القیاس۔ عام اوقات، مقامات اور حالات میں گناہ کرنا حرم، احرام اور حرام مہینے میں گناہ کرنے کے برابر نہیں۔ خلفائے راشدین کی سنت رہی ہے کہ جب قتل میں کسی وجہ سے شدت پیدا ہو جائے تو اس میں دیت مغلظہ ادا کی جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: ''یہ کہ تُو اللہ کا شریک ٹھہرائے، حالانکہ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے۔'' عرض کیا گیا اس کے بعد؟ فرمایا: ''یہ کہ تُو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گی۔'' دریافت کیا گیا اس کے بعد کیا؟ فرمایا: ''یہ کہ تُو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔''[1]

اس میں شبہ نہیں کہ جو شخص کئی دفعہ راہزنی کرے، بہت سے لوگوں کا خون بہائے اور مال چھینے، اس کا جرم اس شخص کے جرم سے کہیں بڑھ کر ہوگا جو صرف ایک دفعہ راہزنی کا مرتکب ہو۔ بلاشبہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو زیادہ گالیاں دے یا ہجویہ اشعار کہے تو اس کا جرم اس شخص کی نسبت شدید تر ہے جو نثر میں ایک لفظ کہہ کر آپ ﷺ کو گالی دے۔ ظاہر ہے کہ پہلے شخص پر حد قائم کرنا مؤکد تر ہے، اسی طرح رسول کریم ﷺ پر کی گئی زیادتی کا انتقام لینا واجب تر ہے۔ اگر کم گالیاں دینے والا معافی کا اہل ہے تو یہ اس کا ہرگز اہل نہیں ہے۔

تاہم یہ حدیث دیگر احادیث کی طرح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو علی الاطلاق (بلا لحاظ قلت و کثرت) ایذا پہنچانے اور گالی دینے سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا اور اس کا خون مباح ہو جاتا ہے اگرچہ بعض اشخاص کا جرم اپنی نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے دوسروں کی نسبت شدید تر ہوتا ہے۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں:

وجۂ اول: پہلی وجہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''کعب بن اشرف سے کون نمٹے گا کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی ہے؟'' رسول کریم ﷺ نے اس کی ایذا رسانی کو

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٤٧٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٦)

اس کے قتل کی علت ٹھہرایا۔ یہاں علی الاطلاق، بلا قیدِ نوع و مقدار اِیذا رسانی کا ذکر کیا گیا ہے، پس واجب ٹھہرا کہ مطلق ایذا کو قتل کی علت ٹھہرایا جائے، خواہ قاتل ذمی ہو یا کوئی اور۔ ظاہر ہے کہ گالی کم ہو یا زیادہ، نظم میں ہو یا نثر میں بلاشبہ ایذا ہے، بنا بریں حکم اس سے متعلق ہو جائے گا اور وہ اُسے قتل کرنے کا حکم ہے۔ اگر آپ ﷺ کا یہ مطلب نہ ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے: ''اس نے ایذا رسانی میں مبالغہ کیا ہے یا کثرت سے کام لیا ہے یا اس پر مداومت کی ہے۔'' حالانکہ آپ ﷺ کو ''جوامع الکلم'' عطا ہوئے تھے اور آپ ﷺ وحی کے بغیر بولتے نہ تھے، آپ خواہ ناراض ہوتے یا راضی آپ کے لبوں سے وہی بات نکلتی جو حق ہوتی۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ''اس نے ہمیں ایذا دی ہے، اشعار میں ہماری ہجو کہی ہے، اور تم میں سے جو کوئی بھی اس کا مرتکب ہوگا اسے تہ تیغ کیا جائے گا۔''[1] آپ ﷺ نے اس میں کثرت کی قید نہیں لگائی۔

نظم کی علیت میں کوئی تاثیر نہیں:

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ کعب نے نظم میں آپ ﷺ کی ہجو کہی اور نثر میں یہودیت کو فوقیت دی اور دونوں کی وجہ سے اسے مباح الدم قرار دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل حکم میں نظم کی کوئی تاثیر نہیں ہے، اس لیے کہ نظم کہنے والے کی کوئی تخصیص نہیں اور کوئی حکم وصف کے بغیر وجود میں آ جائے تو وصف غیر مؤثر ہوگا اور اسے علت کا جزو قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں ایک حکم کو دو علتوں سے معلل کیا گیا ہو کیونکہ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب ایک علت دوسری میں مندرج نہ ہو، مثلاً: قتل اور زنا۔ جب دونوں علتیں ایک دوسری میں مندرج ہوں تو وصفِ اعم کو علت ٹھہرایا جاتا ہے اور وصفِ اخص غیر مؤثر ہوتا ہے۔

قلیل و کثیر میں کچھ فرق نہیں:

تیسری وجہ: تیسری وجہ یہ ہے کہ جو فعل خون کو مباح کر رہا ہے اس کے قلیل و کثیر اور غلیظ و خفیف میں خون کو مباح کرنے کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں ہے، خواہ وہ قول ہو یا فعل، مثلاً: ارتداد، زنا اور حرب و پیکار وغیرہ، یہ علمائے اصول کا قیاس ہے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ بعض اقوال و افعال ایسے ہوتے ہیں کہ بصورتِ کثرت خون کو مباح کرنے والے ہوتے ہیں اور جب کم ہوں تو مباح نہیں کرتے تو ایسا شخص علمائے اصول کے قیاس سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اس کا خیال اس صورت میں صحیح ہوتا

[1] المغازي للواقدي (۱/ ۱۹۲)

ہے جب ایسی نص موجود ہو جسے اصل بنفسہٖ قرار دیا جا سکے، اور یہ بات کسی نص سے ثابت نہیں کہ کثیر کی صورت میں اس کا خون مباح ہے اور قلیل میں نہیں۔ ہمارے حریف کا یہ موقف کہ اگر قاتل وزنی چیز مار کر زیادہ آدمیوں کو قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے، ورنہ نہیں، یا دبر میں زنا کرنا فاش ہے اور اگلی شرمگاہ میں نہیں تو یہ ایک مذہب کی حکایت ہے، ان سب جرائم کے بارے میں ایک ہی طرح کی گفتگو کی جاسکتی ہے۔

رسول کریم ﷺ سے بسند صحیح منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا تھا کیونکہ اس نے ایک انصاری لڑکی سے یہی سلوک کیا تھا۔[1] بھاری پتھر کے ساتھ کچلنے والے کو اس حدیث میں قصاصاً اسی طرح قتل کیا گیا، حالانکہ اس نے یہ فعل ایک ہی بار انجام دیا۔ قومِ لُوط کا فعل انجام دینے والے کے بارے میں فرمایا کہ فاعل اور مفعول کو قتل کر دو۔[2] اس میں بھی تکرار و اعادہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ رسول کریم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ بھی ایسا کرنے والے کو سنگسار کرتے رہے یا جلاتے رہے مگر تکرار کی شرط معتبر نہ تھی، جبکہ اباحتِ دم کے اصول منصوصہ یا اجماعیہ ایک دفعہ اور متعدد دفعات میں مساوی ہیں تو اباحتِ دم کے سلسلہ میں دونوں کے درمیان فرق روا رکھنا اثباتِ حکم بلا اصل ہے جس کی کوئی نظیر موجود نہیں بلکہ اصول کلیہ کے خلاف ہے اور یہ جائز نہیں۔

اس کی توضیح یوں ہے کہ جن اقوال سے قسم ٹوٹ جاتی ہے اس میں واحد اور کثیر مساوی ہیں اگرچہ کفر کی تصریح نہ کی گئی ہو، مثلاً: کوئی شخص ایک آیت یا ظاہری فریضے کا انکار کرے یا رسول کریم ﷺ کو ایک مرتبہ گالی دے تو یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص صراحتاً رسول کی تکذیب کرے۔ جن اقوال کی تصریح سے قسم ٹوٹ جاتی ہے ان کا بھی یہی حال ہے، مثلاً: کہے کہ میں نے عہد توڑ دیا اور میں تمھارے ذمے سے بری ہوگیا تو اس سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اگرچہ اس نے مکرر نہ کہا ہو۔ اسی طرح وہ افعال جن سے گالی دینا یا طعن فی الدین لازم آتا ہے تکرار و اعادہ کے محتاج نہیں ہیں۔

وجہِ چہارم: چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر ان افعال و اقوال کو زیادہ مرتبہ انجام دے تو یا تو اسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ ان افعال کی جنس خون کو مباح کرنے والی ہے یا اس لیے کہ ان افعال و اقوال کی ایک خاص مقدار خون کو مباح کرنے والی ہے، اگر پہلی صورت ہے تو وہی مطلوب ہے، اور اگر

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤١٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٧٢)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٤٦٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٥٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٥٦١) اسے امام حاکم اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

دوسری صورت ہے تو سوال یہ ہے کہ خون کو مباح کرنے والی مقدار کتنی ہے اور اس کی حد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ تحدید کے لیے نص یا اجماع یا قیاس کی ضرورت ہے ان لوگوں کے نزدیک جو مقدرات میں قیاس کو حجت مانتے ہیں مگر ان تینوں (نص، اجماع، قیاس) میں سے کوئی بھی یہاں موجود نہیں، اس لیے کہ اصول میں کوئی ایسا قول یا فعل نہیں جس کی ایک خاص تعداد خون کو مباح کرتی ہو اور اگر اس سے کم ہو تو مباح نہ کرتی ہو۔

ہمارا یہ اصول اقرار فی الزنا سے نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس کا اثبات چار دفعہ کے اقرار سے ہوتا ہے، وہ بھی اس کے نزدیک جو اس کا قائل ہو۔ اسی طرح قسامہ کے قتل سے بھی یہ قاعدہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ اس کا اثبات پچاس قسموں کے بعد ان علماء کے نزدیک ہوتا ہے جو اس صورت میں قصاص کے قائل ہیں۔ لعان کی گئی عورت کو رجم کرنے سے بھی ہمارا قاعدہ برقرار رہتا ہے، اس لیے کہ اس کا اثبات تب ہوتا ہے جب اس کا شوہر چار مرتبہ شہادت دیتا ہے اور یہ ان اہل علم کے نزدیک ہے جو کہتے ہیں کہ اگر عورت انکار کرے تو خاوند کے شہادت دینے کے بعد اسے رجم کیا جائے، کیونکہ اقرار اور قسموں میں سے کوئی چیز بھی اس کے خون کو مباح نہیں کرتی، مباح کرنے والا صرف زنا یا قتل کا فعل ہے، اقرار اور قسم اس کے ثبوت کی صرف ایک دلیل اور حجت ہے۔ ہمارا اختلاف اس بات میں نہیں کہ شرعی دلائل کا ایک نپا تلا نصاب ہے۔ ہم جو بات کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ خون کو مباح کرنے والے نفسِ قول یا عمل کے لیے شرع میں کوئی نصاب نہیں ہے کیونکہ شرعی حکم صرف ان کی جنس سے معلق ہے (ان کی خاص مقدار کے ساتھ نہیں)۔

وجہ پنجم: پانچویں وجہ یہ ہے کہ ان اشیاء کی کثرت کی صورت میں قتل یا تو ایک شرعی حد ہوتی ہے جو واجب التعمیل ہے، یا تعزیر ہے جو امام کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر پہلی صورت ہے تو اس کو واجب کرنے والے کی تحدید ضروری ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ اس کو جنس کے ساتھ معلق کیا جائے، ورنہ یہ سینہ زوری اور تحکم کے سوا کچھ نہیں۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو تعزیر بالقتل اصولِ شرعیہ میں موجود نہیں، اس کا اثبات کسی خاص دلیل سے ہوتا ہے، اور (کتاب وسنت میں) وارد شدہ عمومات بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً یہ حدیث کہ ''مسلمان کا خون صرف تین چیزوں میں سے کسی ایک سے حلال ہوتا ہے۔''[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٧٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٧٦)

استدلال کی قسمِ ثانی:

استدلال کی دوسری قسم یہ ہے کہ جن پانچ مسلمانوں نے کعب کو قتل کیا تھا، یعنی محمد بن مسلمہ، ابو نائلہ، عباد بن بشر، حارث بن أوس، ابو عبس بن جبر، رسول کریم ﷺ نے ان کو اچانک حملہ کرنے اور اس سے ایسی گفتگو کرنے کی اجازت دی تھی جس سے ظاہر ہو کہ یہ اس کے ہمنوا ہیں اور پھر اسے قتل کر دیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کافر کو امان دے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ کفر کی بنا پر اسے قتل کرے بلکہ اگر حربی کافر یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ مسلم نے اسے امن دیا ہے اور اس بارے میں اس سے ہم کلام بھی ہو تو وہ مستأمن (امن طلب کرنے والا) ہو جاتا ہے۔

عمرو بن الحمق نے رسول کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کسی آدمی کے خون اور مال کو مأمون قرار دے کر اسے قتل کر دیا تو میں اس سے بری ہوں اگرچہ مقتول کافر ہو۔''[1] (اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔)

سلیمان بن صرد رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی شخص تمھیں اپنے خون کا امین بنائے تو اسے مت قتل کیجیے۔''[2] (ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''امان کسی کو قتل کرنے کی زنجیر ہے، مومن کسی کو اچانک قتل نہیں کرتا۔''[3]

ہجو گو کا خون امان دینے سے محفوظ نہیں ہوتا:

خطابی کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف کو انھوں نے اس لیے قتل کیا کہ اس نے امان توڑ دی تھی اور اس سے قبل وہ عہد شکنی کر چکا تھا۔ خطابی کا خیال ہے کہ یہ سلوک اس کافر کے ساتھ جائز ہے جس نے عہد نہ کیا ہو، جس طرح اس پر شب خون مارنا اور غفلت کے اوقات میں اس پر تاخت و تاراج جائز ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۲٦۸۸) مسند أحمد (٥/ ۲۲۳) اسے حاکم، ذہبی، بوصیری اور ہیثمی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] سنن ابن ماجه (۲٦۸۹) اس کی سند میں عبداللہ بن میسرہ ضعیف اور ابو عکاشہ مجہول ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ (الضعيفة، رقم الحديث: ۲۲۰۱)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (۲۷٦۹) اسے امام حاکم اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح اور سیوطی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ (الجامع الصغير: ۱/ ۱۲٤)

۔ مگر اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ (کعب بن اشرف کے قاتلوں نے) جو گفتگو اس سے کی تھی اس کی بنا پر وہ امان یافتہ ہو گیا تھا اور اس کی کم از کم حالت یہ تھی کہ اسے امان کا شبہ حاصل ہو گیا تھا، اور ایسے آدمی کو محض کفر کی وجہ سے قتل کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ امان دینے سے تو حربی بھی معصوم الدم ہو جاتا ہے، اور مستأمن تو اس سے کم درجہ کے الفاظ کے ساتھ بھی ہو جاتا ہے، جیسا کہ اپنی جگہ مذکور ہے۔ کعب کو انھوں نے اس کی ہجو گوئی اور اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے کی وجہ سے قتل کیا تھا۔

اور جو شخص اس وجہ سے مباح الدم ہو چکا ہو عہد و امان کی بنا پر وہ معصوم الدم نہیں ہو سکتا، مثلاً مسلم اس شخص کو امان دے جس کا قتل راہزنی، اللہ و رسول سے جنگ کرنے اور فساد فی الارض کی وجہ سے واجب ہو چکا ہو یا اس شخص کو امان دے جو زنا یا ارتداد یا ارکانِ اسلام کو ترک کرنے کی وجہ سے واجب القتل ہو چکا ہو۔ مسلم کے لیے جائز نہیں کہ ایسے شخص کے ساتھ (از سرِ نو) عقد باندھے، خواہ وہ (دائمی) امان کا عہد ہو یا عارضی امان کا یا ذمی ہونے کا، اس لیے کہ اس کو حد شرعی کے مطابق قتل کیا جائے گا، اور اس کا قتل محض ایک حربی کافر ہونے کی وجہ سے نہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

باقی رہی غارت گری اور شب خون مارنا تو یہاں ایسا کوئی قول و فعل وجود میں نہیں آیا جس کی وجہ سے انھیں امن حاصل ہو گیا ہو، اور ان کا اپنا عقیدہ بھی یہ نہیں کہ انھیں امان دی جا چکی ہے، برخلاف کعب بن اشرف کے واقعہ کے۔

پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہجو کہہ کر اللہ و رسول کو ایذا دینے والے کو اگر امان دے دی جائے تو بھی اس کا خون محفوظ نہیں ہوتا تو دائمی ذمی بننے یا ہنگامی مصالحت کرنے سے اس کا خون بالاولیٰ معصوم نہ ہو گا۔ امان ہر کافر کو دی جا سکتی ہے اور ہر مسلم امان دینے کا مجاز ہے۔ مستأمن (امن کے طالب کافر) پر کوئی شرط نہیں لگائی جا سکتی۔ ذمی کے ساتھ معاہدہ یا تو حاکمِ وقت کر سکتا ہے یا اس کا نائب۔ اس میں اہل ذمہ پر بہت سی شرطیں عائد کی جاتی ہیں، مثلاً ذلت کا التزام وغیرہ۔

ابن یامین اور محمد بن مسلمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں:

کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں بعض کم عقل آدمیوں کو شبہ لاحق ہوا تھا۔ اس کا گمان ہے کہ ایسے آدمی کا خون سابقہ ذمی ہونے کی بنا پر یا ظاہری امان کی وجہ سے معصوم ہو سکتا ہے۔ یہ اس قسم کا شبہ ہے جو بعض فقہاء کو پیش آیا تھا حتی کہ اس نے گمان کیا کہ اس سے عہد نہیں ٹوٹتا، چنانچہ ابن وہب نے بطریق سفیان بن عیینہ از عمر بن سعید (برادر سفیان بن سعید ثوری) از والدِ خود از عبایہ نقل کیا ہے کہ

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کعب بن اشرف کے قتل کا ذکر کیا گیا تو ابن یامین نے کہا: اس کو قتل کرنا عہد شکنی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: اے معاویہ رضی اللہ عنہ! تمھاری موجودگی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غدار کہا جا رہا ہے مگر تم اس پر معترض نہیں ہوئے؟ بخدا! میں کبھی ایک چھت کے نیچے تمھارے ساتھ نہیں بیٹھوں گا اور مجھے جب بھی موقع ملے گا میں اس (ابن یامین) کو قتل کر دوں گا۔ [1]

واقدی نے بطریق ابراہیم بن جعفر از والد خود روایت کیا ہے کہ مروان بن الحکم جب مدینے کا والی تھا تو اس کے پاس ابن یامین النضری تھا، مروان نے کہا: کعب بن اشرف کو کیسے قتل کیا گیا؟ ابن یامین نے کہا: یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ محمد بن مسلمہ اس وقت وہاں موجود تھے اور بہت بوڑھے ہو چکے تھے، انھوں نے کہا: اے مروان! کیا تمھارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غدار کہا جا رہا ہے؟ بخدا! ہم نے اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کیا تھا۔ بخدا! میں تمھارے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں بیٹھوں گا، سوائے مسجد کے، اور اے ابن یامین! میں اللہ کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوئی اور میں نے تم پر قابو پالیا تو میں تمھیں قتل کر دوں گا۔

ابن یامین جب بھی بنو قریظہ کے قبیلے میں جاتا تو پہلے آدمی بھیج کر معلوم کرتا کہ محمد بن مسلمہ وہاں موجود ہے یا نہیں؟ اگر وہ اپنی اراضی پر گیا ہوتا تو ابن یامین وہاں جاتا اور اپنا کام کر کے واپس آجاتا، ورنہ وہاں جانے سے احتراز کرتا۔ ایک دفعہ محمد بن مسلمہ ایک جنازہ میں شریک تھے اور ابن یامین بقیع (کے قبرستان) میں تھا، ابن یامین نے دیکھا کہ محمد بن مسلمہ پر درختوں کی شاخیں جھکی ہوئی ہیں اور اس لیے مجھے دیکھ نہیں رہے، اس نے جلدی سے چلا جانا چاہا۔ لوگوں نے کھڑے ہو کر اسے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! آپ کیا کر رہے ہیں؟ ہم تمھیں بچالیں گے۔ محمد بن مسلمہ اس کے پاس آئے اور ایک ٹہنی پکڑ کر اسے مارنے لگے یہاں تک کہ یہ ٹہنی اس کے سر اور چہرہ کی ضربوں سے ٹوٹ گئی اور ابن یامین زخمی ہو گیا، پھر اسے نیم جان کر کے چھوڑ دیا۔ [2]

اگر معترض کہے کہ کعب اور اس کے قبیلہ بنو نضیر نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کی ہوئی تھی تو ابن اسحاق نے جو کچھ لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ ابن اسحاق نے بطریق مولیٰ زید بن ثابت از بنت محیصہ از والد خود روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم جس یہودی پر قابو پاؤ اسے قتل کر

---

❶ معالم السنن للخطابي (٤/ ٨٢)

❷ المغازي للواقدي (١/ ١٩٢)

دو۔'' محیصہ بن مسعود نے ایک یہودی تاجر ابن سنینہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ وہ ان سے ملا کرتا اور خرید و فروخت کیا کرتا تھا، اور حویصہ بن مسعود ابھی تک اسلام نہیں لایا تھا، وہ محیصہ سے بڑا تھا۔ جب محیصہ نے یہودی کو قتل کر دیا تو حویصہ اسے مارنے لگا اور کہتا جاتا تھا: اے دشمنِ خدا! تُو نے اسے قتل کر دیا، بخدا! اس کے مال کی وجہ سے تمھارے پیٹ پر چربی چڑھی ہوئی ہے۔ محیصہ نے کہا: بخدا! مجھے اس شخص نے یہودی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا کہ اگر وہ مجھے تمھارے قتل کرنے کا حکم دیتا تو میں تمھاری گردن اڑا دیتا۔ حویصہ نے کہا: جس دین نے تم کو اس درجہ پر پہنچا دیا ہے وہ بڑا عجیب ہے۔''[1]

واقدی نے باسانید سابقہ کہا ہے کہ لوگوں نے کہا جس رات کی صبح کعب بن اشرف کو قتل کیا گیا تھا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس یہودی پر تم قابو پالو اسے قتل کر دو۔'' یہودی ڈر گئے اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کا کہیں پتہ نہیں چلتا تھا، حالانکہ وہ باہر نہیں گئے تھے۔ وہ ہراساں تھے کہ کعب بن اشرف کی طرح ان پر شب خون نہ مارا جائے۔[2] اس نے ابن سنینہ کے قتل کا ذکر کیا اور کہا کہ یہودی اور ان کے مشرکین ساتھی گھبرا گئے اور حسبِ سابق واقعہ بیان کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے معاہدہ نہیں کیا تھا، ورنہ یہ نہ فرماتے کہ جو یہودی ملے اسے قتل کر دو۔ مزید برآں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے ساتھ یہ معاہدہ آپ نے کعب کے قتل کے بعد کیا تھا، اندریں صورت کعب بن اشرف معاہد نہ تھا۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آپ نے یہود کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ کعب بن اشرف ان کا سردار تھا۔ اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا تھا کہ محمد ﷺ کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب تک ہم زندہ رہیں گے ان سے عداوت رکھیں گے۔ وہ مدینہ سے باہر رہتے تھے، اس لیے کعب کا قتل ان پر بڑا ناگوار گزرا، لہٰذا مقتول کا انتقام لینے اور اس کا دفاع کرنے کے لیے وہ حرب و ضرب اور نقضِ عہد پر آمادہ ہوئے۔ جو لوگ وہاں مقیم تھے وہ اپنے سابقہ عہد پر قائم تھے، انھوں نے عداوت کا اظہار نہیں کیا تھا، اس لیے رسول کریم ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا نہ ان سے لڑے، اس کے بعد انھوں نے عداوت کا اظہار کیا۔ باقی رہا یہ عہد نامہ تو اس کا تذکرہ تنہا واقدی نے کیا ہے۔

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (۳۰۰۲)

[2] المغازي للواقدي (۱/ ۱۹۱)

کعب بن اشرف کو کب قتل کیا گیا؟

واقدی نے ذکر کیا ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ ماہ ربیع الآخر ۳ھ کو پیش آیا۔ غزوہ بنی قینقاع اس سے پہلے ماہ شوال ۲ھ کو غزوۂ بدر کے ایک ماہ بعد پیش آیا تھا۔ واقدی مزید کہتے ہیں کہ جس عہد نامہ میں رسول کریم ﷺ نے تمام یہود کے ساتھ مصالحت کی تھی بدر سے پہلے مدینہ آنے کے بعد لکھا تھا۔ اس کے بعد جب بنونضیر نے عداوت کا اظہار کیا تو ان کو ایک اور عہد نامہ لکھ دیا گیا جس میں سابقہ عہد نامہ کی تجدید کی گئی تھی۔ یہ پہلے معاہدے سے الگ ایک جداگانہ دستاویز تھی۔

پیچھے گزر چکا ہے کہ ابن اشرف معاہد تھا اور یہ کہ رسول کریم ﷺ نے یہ معاہدہ مدینہ آتے ہی تحریر کیا تھا۔ یہ واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ اگر یہ معاہدہ نہ لکھا گیا ہوتا تو یہودی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کعب کے قتل کا شکوہ نہ کرتے، اگر وہ حربی ہوتے تو کعب کا قتل چنداں عجیب نہ ہوتا۔ سب نے ذکر کیا ہے کہ کعب کے قتل کا واقعہ بدر کے بعد پیش آیا، اور رسول کریم ﷺ کا معاہدہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، جیسا کہ واقدی نے ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ فرع کے درمیان، جو بدر سے اگلے سال جمادی الاولیٰ میں پیش آیا تھا، غزوہ بنی قینقاع کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ واقدی بیان کرتے ہیں کہ بنو قینقاع پہلا قبیلہ تھا جو جنگ آزما ہوا اور عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ [1]

چوتھی حدیث:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> "جس نے نبی کو گالی دی اسے قتل کیا جائے اور جس نے آپ ﷺ کے صحابہ کو گالی دی اسے کوڑے مارے جائیں۔" [2]

اس کو ابو محمد الخلال اور ابو القاسم اَزجی نے روایت کیا ہے۔ اس کو ابو ذر الهروی نے بھی نقل کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

> "جو کسی نبی کو قتل کرے اسے قتل کر دو اور جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارو۔" [3]

---

[1] السیر والمغازي لابن إسحاق (ص: ٣١٤)

[2] اسے قاضی عیاض نے ابو ذر الہروی سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ الشفاء (٢/ ٢٢٠، ٢٢١)

[3] المعجم الصغیر للطبراني (١/ ٣٩٣، رقم الحدیث: ٦٥٩) اس کی سند میں عبید اللہ بن محمد عمری متہم بالکذب ہے، اسے علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے ضعیف، ابن حجر نے منکر اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے موضوع قرار دیا ←

اس حدیث کو عبدالعزیز بن الحسن بن زبالہ نے بطریق عبداللہ بن موسیٰ بن جعفر از علی بن موسیٰ از والد خود از جد خود از محمد بن علی بن الحسین از والدِ خود از الحسین بن علی از والد خود روایت کیا ہے مگر اس حدیث کے بارے میں دل مطمئن نہیں ہے، اس لیے کہ اس اسنادِ شریف پر بڑے عجیب وغریب متون گھڑے گئے ہیں، اور جو شخص اس کو اہل بیت سے روایت کرتا ہے وہ ضعیف ہے۔ اگر اس کی صحت ثابت ہو جائے تو یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ نبی کو گالی دینے والے کا قتل اس کے لیے حدِ شرعی ہے۔

پانچویں حدیث:

عبداللہ بن قدامہ نے ابو برزہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا، میں نے کہا: کیا میں اسے قتل کر دوں؟ انھوں نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد یہ حق کسی کو حاصل نہیں۔ نسائی نے اس کو بطریقِ شعبہ از توبۃ العنبری نقل کیا ہے۔[1]

ابو بکر عبدالعزیز بن جعفر الفقیہ نے ابو برزہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں، میں نے عرض کیا: اے خلیفۂ رسول! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟ آپ نے کہا: تجھ پر افسوس ہو! رسول کریم ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں۔

ابو داود نے سنن میں اس کو باسنادِ صحیح عبداللہ بن مطرف سے اور اس نے ابو برزہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، وہ کسی آدمی سے ناراض ہوئے تو اس نے آپ کی شان میں سخت سست کہا۔ میں نے کہا: اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اڑا دوں، میری اس بات سے ان کا غصہ جاتا رہا۔ آپ کھڑے ہوئے، پھر گھر کے اندر داخل ہوئے اور مجھے بلا کر پوچھا کہ ابھی ابھی تُو نے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا کہ میں نے عرض کیا تھا: مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے: ”اگر میں حکم دیتا تو آپ ایسا کر دیتے؟“ میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: نہیں، بخدا! رسول کریم ﷺ کے بعد یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔[2]

ابو داود نے مسائل میں کہا ہے کہ میں نے سنا ابو عبداللہ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) سے ابو بکر کی

← ہے۔ (مجمع الزوائد: ٦/ ٢٦٣، لسان الميزان: ٤/ ١١٢، الضعيفة، رقم الحديث: ٢٠٦)

[1] سنن النسائي (٧/ ١٠٩) امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٦٣) سنن النسائي (٧/ ١٠٠) اسے امام نسائی، حاکم اور ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

روایت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی آدمی کو تین میں سے کسی ایک جرم میں قتل کر سکتے تھے، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک تو ایمان کے بعد کفر کرنا ہے، دوسرا شادی شدہ ہو کر زنا کرنا، تیسرا کسی کو بلا وجہ قتل کرنا، البتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی کو قتل کرنا جائز ہے۔

اس حدیث سے وجہ استدلال:

علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کرنا جائز ہے، ان میں ابو داود، اسماعیل بن اسحاق القاضی، ابوبکر عبدالعزیز، قاضی ابو یعلی اور دیگر علماء شامل ہیں۔ اس لیے ابو برزہ نے جب دیکھا کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دی ہیں تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ اس نے بتایا تھا کہ اگر حضرت ابوبکر اسے حکم کرتے تو وہ اسے قتل کر دیتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے گالی دینے والے کو قتل کر سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیتے جس کے بارے میں لوگوں کو کچھ علم نہ ہو کہ اسے کیوں قتل کیا جا رہا ہے۔ اس معاملہ میں لوگوں کو آپ کی اطاعت کرنا چاہیے، اس لیے کہ آپ اسی بات کا حکم دیتے ہیں جس کا اللہ نے انھیں حکم دیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نافرمانی کا کبھی حکم نہیں دیتے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

۱۔ آپ جس کو قتل کرنے کا حکم دیں اس میں آپ کی اطاعت کی جائے۔

۲۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے اور سخت سست کہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قتل کر سکتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دوسرا اختیار جو دیا گیا تھا وہ آپ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے، لہٰذا جو شخص آپ کو گالی دے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت الفاظ کہے، اسے قتل کرنا جائز ہے بلکہ آپ کی وفات کے بعد یہ حکم مؤکد تر ہو جاتا ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدس اور حرمت وفات کے بعد اور زیادہ کامل ہو جاتی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس و آبرو میں سہل انگاری اور تغافل شعاری ممکن نہیں۔ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کو مطلقاً (قلت و کثرت کو ملحوظ رکھے

بغیر) گالی دینے سے ایسے شخص کا قتل مباح ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں اس حدیث کے عموم سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ایسے شخص کو قتل کیا جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ مسلم ہو یا کافر۔

چھٹی حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خطمہ قبیلے کی ایک عورت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس عورت سے کون نمٹے گا؟'' اس کی قوم سے ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کام میں انجام دوں گا، چنانچہ اس نے جا کر اسے قتل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہیں ٹکراتیں۔''[1]

اصحابِ مغازی اور دیگر اہلِ علم نے اس واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قبیلہ خطمہ کی ایک عورت کا واقعہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گوئی کرتی تھی:

واقدی نے بطریق عبداللہ بن حارث بن فضیل از والد خود روایت کیا ہے کہ عصماء بنت مروان بنو اُمیہ بن زید کے خاندان سے تھی اور یزید بن زید بن حصن الخطمی کی بیوی تھی۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیا کرتی تھی، اسلام میں عیب نکالتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا کرتی تھی۔ عمیر بن عدی الخطمی کو جب اس کی باتوں اور اشتعال بازی کا علم ہوا تو اس نے کہا: اے اللہ! میں تیرے حضور نذر مانتا ہوں کہ اگر تُو نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (بخیر و عافیت) مدینہ لوٹا دیا تو میں اس عورت کو قتل کر دوں گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بدر میں تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس آئے تو عمیر بن عدی آدھی رات کے وقت اس عورت کے گھر میں داخل ہوئے۔ اس کے اردگرد اس کے بچے سوئے ہوئے تھے، ایک بچہ اس کے سینے کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اور وہ اسے دودھ پلا رہی تھی۔ عمیر نے اپنے ہاتھ سے عورت کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی ہے، عمیر نے بچے کو الگ کیا، پھر اپنی تلوار کو اس کے سینے پر رکھا اور اس کی پشت کے پار کر دیا۔

پھر صبح کی نماز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو عمیر

---

[1] الكامل لابن عدي (٦/ ٢١٥٦) ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو وضع کرنے میں محمد بن حجاج متہم ہے، نیز دیکھیے: العلل المتناهية لابن الجوزي (١/ ١٧٥) اور آپ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک حتمی فیصلہ ہے اس کے بارے میں کوئی نزاع اور اختلاف ممکن نہیں۔

کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''کیا تُو نے بنت مروان کو قتل کر دیا؟'' عرض کیا: جی ہاں! میرا باپ آپ ﷺ پر قربان ہو۔ عمیر اس بات سے ڈرا کہ اس نے رسول کریم ﷺ کی مرضی کے خلاف کام کیا ہو، اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس ضمن میں مجھ پر کوئی چیز واجب ہے؟ فرمایا: ''نہیں، دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہیں ٹکرائیں۔'' یہ فقرہ پہلی مرتبہ رسول کریم ﷺ سے سنا گیا۔ عمیر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارد گرد دیکھا اور فرمایا: ''اگر تم ایسا شخص دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غیبی مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس اندھے کو دیکھو جس نے رات اللہ کی اطاعت میں گزاری ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اندھا نہ کہو، وہ بینا ہے۔''

جب عمیر رسول کریم ﷺ کے یہاں سے لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ اس عورت کے بیٹے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسے دفن کر رہے ہیں۔ جب انھوں نے عمیر کو سامنے آتے دیکھا تو وہ لوگ عمیر کی طرف آئے اور کہا: اے عمیر! اسے تُو نے قتل کیا ہے؟ عمیر نے کہا: ہاں! تم نے جو کرنا ہے کر لو اور مجھے ڈھیل نہ دو، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم سب وہ بات کہو جو وہ کہا کرتی تھی تو میں اپنی تلوار سے تم پر وار کروں گا، یہاں تک کہ میں مارا جاؤں یا تمھیں قتل کر دوں۔ اس دن سے اسلام بنی خطمہ میں پھیل گیا، قبل ازیں ان میں سے کچھ آدمی ڈر کے مارے اپنے اسلام لانے کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔[1]

یہاں واقدی نے بروایت عبداللہ بن حارث حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار نقل کیے ہیں جو انھوں نے عمیر بن عدی کی مدح میں کہے ہیں۔ عبداللہ بن حارث اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ عورت کے قتل کا واقعہ اس رات پیش آیا جب رمضان کی پانچ راتیں ابھی باقی تھیں اور رسول کریم ﷺ غزوۂ بدر سے لوٹ کر آئے تھے۔ ابو احمد عسکری نے اس واقعہ کو اس سے زیادہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے، پھر کہا ہے کہ یہ عورت رسول کریم ﷺ کی ہجو کہتی اور ایذا دیا کرتی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے بکری کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ ایک بکری دوسری بکری کو منحوس سمجھ کر اس سے الگ ہو جاتی ہے اور مینڈھوں کی طرح ایک دوسری کو سینگ نہیں مارتی۔ محمد بن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[2]

---

[1] المغازي للواقدي (١/ ١٧٢ ـ ١٧٤)

[2] طبقات ابن سعد (٢/ ٢٧)

ابو عبید کتاب الاموال میں فرماتے ہیں:

ایک یہودی عورت عصماء کا واقعہ بھی اسی قسم کا ہے۔ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے کی وجہ سے اسے قتل کیا گیا۔[1]

یہ عورت وہ نہیں ہے جس کو اس کے نابینا آقا نے قتل کیا تھا اور نہ ہی وہ یہودی عورت ہے جسے قتل کیا گیا تھا، اس لیے کہ یہ عورت قبیلہ بنی امیہ بن زید سے تعلق رکھتی تھی جو انصار کی ایک شاخ ہے۔ اس کا شوہر قبیلہ بنی خطمہ سے تھا۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس عورت کو بنی خطمہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کا قاتل اس کا شوہر نہیں بلکہ ایک اور شخص تھا۔ اس کے چھوٹی بڑی عمر کے بیٹے بھی تھے، البتہ قاتل اس کے شوہر کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

محمد بن اسحاق رقمطراز ہیں:

> ''مصعب بن عمیر نے اسعد بن زرارہ کے یہاں قیام کیا اور لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے لگے حتی کہ انصار کے خاندان میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس میں مسلمان مرد و عورت نہ ہوں ماسوا خاندانِ بنو امیہ بن زید، خطمہ، وائل، واقف اور اوس اللہ، یعنی اوس بن حارثہ کے۔ اس کی وجہ ابو قیس نامی شخص تھا جس کے اشعار وہ سنتے اور اس کی تعظیم کرتے تھے۔''[2]

واقدی پر نقد و جرح:

ابن اسحاق کا یہ بیان واقدی کے اس بیان کی تصدیق کرتا ہے کہ بنو خطمہ میں اسلام کا ظہور تاخیر سے ہوا۔ حضرت حسان سے جو اشعار نقل کیے گئے ہیں وہ بھی اس سے ہم آہنگ ہیں۔ ہم نے یہ واقعہ بروایت اہل المغازی ذکر کیا ہے، حالانکہ واقدی ضعیف ہے، اس لیے کہ یہ واقعہ اہل سیرت کے یہاں مشہور ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ واقدی مغازی کے احوال و امور کی تفصیلات کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔ امام شافعی، احمد اور دیگر محدثین رحمہم اللہ سیرت کا علم ان کی کتب سے حاصل کرتے تھے، البتہ سیرت کے باب میں روایات باہم مخلوط ہو جاتی ہیں۔ بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ واقدی نے پورا واقعہ اپنے شیوخ سے سنا ہے، حالانکہ انھوں نے ہر راوی سے واقعہ کا ایک حصہ سنا ہے (پھر اس کو محفوظ کر دیا) اور راویوں کے بیانات میں امتیاز روا نہیں رکھا۔

---

[1] كتاب الأموال (٢/ ١٩٤)

[2] السيرة النبويه لابن هشام (١/ ٤٣٧)

پھر اس کے ساتھ یہ چیز بھی شامل ہوتی ہے کہ واقدی مرسل اور مقطوع روایات سے بھی اخذ کرتے ہیں، پھر وہ اس حد تک اس میں کثرت کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ان کی روایت کو مبالغہ اور عدمِ ضبط پر محمول کیا جاتا ہے، اور ان کی منفرد روایات سے احتجاج ممکن نہیں رہتا۔ جہاں تک ان کی روایت سے استشہاد اور دوسری روایات کو تائید وتقویت دینے کا تعلق ہے اس میں نزاع وخلاف کی کوئی گنجائش نہیں، خصوصا اس مکمل واقعہ میں جس میں واقدی قاتل ومقتول کا نام اور واقعہ کی صورتِ حال تک بیان کر دیتا ہے، اس لیے کہ واقدی اور اس کے نظائر وامثال ان لوگوں سے بہتر ہیں جن کا نام کاذب ووضاع ہونے کے باوجود بلند ہوگیا ہے۔

مزید برآں ہم نے گالی دینے والے کے قتل کا اثبات محض اس حدیث کی اساس پر نہیں کیا بلکہ اس کا ذکر صرف تو کید وتقویت کے لیے کیا گیا ہے، اور تائید وتقویت کے لیے تو واقدی سے کم درجہ کے لوگوں کی روایات تک کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔

عصماء خطمیہ کے واقعہ سے استدلال کیسے کیا جاتا ہے؟

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس عورت کو محض اذیت رسانی اور ہجوگوئی کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا اور یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے نمایاں ہوتی ہے کہ قبیلہ خطمہ کی ایک عورت نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس عورت سے کون نمٹے گا؟'' اس سے معلوم ہوا کہ اسے ہجوگوئی کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ جب عمیر کو اس کے اقوال اور اشتعال بازی کا پتہ چلا تو کہا: اے اللہ! میں تیرے حضور نذر مانتا ہوں کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ لوٹ آئے تو میں اس عورت کو قتل کر دوں گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب عمیر کو اس کی قوم نے کہا: کیا تُو نے اسے قتل کیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! تم جو چاہو کر لو اور مجھے ڈھیل مت دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم سب وہ بات کہتے جو وہ کہا کرتی تھی تو میں تمھیں اپنی تلوار سے مارتا یا خود مر جاتا۔

یہ ایک تمہیدی بات تھی، دوسری بات یہ ہے کہ اس نے اپنے اشعار میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ لڑنے پر نہیں اکسایا تھا تاکہ یہ کہا جا سکے کہ لڑائی پر اکسانا بھی جنگ ہوتا ہے۔ اس نے صرف اس بات پر لوگوں کو ابھارا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ترک کر دیا جائے۔ علاوہ بریں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقدین کی مذمت بھی کی تھی۔ اس کا انتہائی مقصد یہ تھا کہ کوئی نیا شخص اس دین میں نہ آئے، اور جو داخل ہو چکے ہیں وہ اسے چھوڑ کر چلے جائیں۔ ہر گالی دینے والے کا یہی اسلوب وانداز ہوتا ہے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ اس عورت نے مدینے میں آپ ﷺ کی اس وقت ہجو کہی جب مدینہ کے اکثر قبائل حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے، اور مسلمانوں کی عزت کفار سے زیادہ تھی۔ ظاہر ہے کہ گالی دینے والا ایسے حال میں یہ نہیں چاہتا کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے لڑا جائے، بخلاف ازیں اس کا مقصدِ وحید ان کا اشتعال دلانا ہوتا ہے اور یہ کہ لوگ آپ ﷺ کی پیروی نہ کریں۔

مزید برآں وہ آپ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا نہیں چاہتی تھی، اس لیے کہ تمام علمائے سیر و مغازی اس بات پر متفق ہیں کہ اوس و خزرج کے تمام قبائل میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ہاتھ یا زبان سے رسول کریم ﷺ سے لڑ سکے، نہ ہی مدینہ کا کوئی شخص اس کے اظہار و اعلان پر قادر تھا۔ کافر یا منافق کا انتہائی مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو آپ ﷺ کی پیروی سے ہٹا دے یا اس امر میں اسے مدد دے کہ وہ مدینے سے مکہ لوٹ جائے، اور اس قسم کے کام جن کا مقصد لوگوں کو آپ سے دور کرنا اور آپ ﷺ کے ساتھ کفر کرنے کی ترغیب دلانا تھا۔ علاوہ بریں ہجوگوئی اگر ایک طرح کا قتال ہو تو اس کے ساتھ عہد کا ٹوٹ جانا واجب ہے اور اس کی وجہ سے ذمی کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ ذمی جنگ کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ عہد قتال سے باز رہنے کا مقتضی ہے تو جب اس نے ہاتھ یا زبان کے ساتھ جنگ کی تو اس نے ایسا کام کیا جس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے، اور جنگ کے بعد نقضِ عہد کا کوئی مقصد نہیں۔

جب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی اور رسول کریم ﷺ کی سیرت و حیات کا علم رکھنے والے شخص کو اس کا علم ہے کہ رسول کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو کسی سے جنگ نہ کی بلکہ یہود تک سے صلح کا معاہدہ کر لیا، خصوصاً اَوس اور خزرج کے تمام خاندانوں اور ان کی شاخوں سے، آپ ﷺ ہر لحاظ سے ان کے ساتھ الفت و محبت کے مراسم استوار کرتے تھے۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو وہاں لوگوں کے مختلف طبقات تھے، ان میں اہل ایمان بھی تھے جن کی تعداد زیادہ تھی، اور کچھ وہ تھے جو اپنے دین پر قائم رہے، آپ ﷺ نہ خود کسی سے لڑتے تھے نہ کوئی آپ ﷺ سے برسرِ پیکار تھا۔ رسول کریم ﷺ بذات خود اور آپ ﷺ کے قبیلہ کے اہل ایمان اور حلفاء امن پسند تھے، جنگ جُو نہ تھے حتیٰ کہ رسول کریم ﷺ نے انصار کے حلیفوں کو اپنی حلف پر قائم رہنے دیا۔

موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ امام ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ مدینہ طیبہ وارد ہوئے تو انصار کے ہر خاندان میں مسلمانوں کا ایک گروہ پایا جاتا تھا، ما سوا بنی خطمہ، بنی واقف اور بنو وائل کے کہ یہ لوگ سب کے بعد اسلام لائے۔ مدینہ کے اردگرد انصار کے حلیف آباد تھے جن سے

وہ لڑائی کی صورت میں مدد لیا کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے انصار کو حکم دیا کہ حلفاء کو ان کے حلف پر قائم رہنے دیا جائے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ اور اعدائے اسلام کے درمیان اس وقت جنگ کی حالت تھی۔

واقدی کا قول بھی یہی ہے، جیسا کہ اس نے بطریق یزید بن رومان اور ابن کعب بن مالک حضرت جابر سے کعب بن اشرف کے واقعہ میں نقل کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں ملے جلے لوگ رہتے تھے۔ ان میں اہل اسلام بھی تھے جن کو دعوت اسلام نے ایک شیرازے میں منسلک کر دیا تھا، ان میں قلعوں اور اسلحے والے لوگ بھی تھے، ان میں اوس اور خزرج کے حلفاء بھی تھے۔ رسول کریم ﷺ مدینہ آئے تو سب کے ساتھ مصالحت کرنی چاہی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ایک آدمی مسلمان ہوتا اور اس کا باپ مشرک ہوتا، اور ظاہر ہے کہ اوس کے قبائل باہم ایک دوسرے کے حلیف تھے۔

چونکہ رسول کریم ﷺ نے ان کو ان کے حال پر رہنے دیا اور یہ عورت بھی معاہدین میں سے تھی۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اسلام کا اظہار کرتے اور اندر سے کافر تھے، اپنی زبان سے وہ بات کہتے جو ان کے دل میں نہ ہوتی تھی۔ اسلام اور ایمان ایک ایک کر کے انصار کی تمام شاخوں میں پھیلتا جا رہا تھا حتی کہ ان میں کفر کا اظہار کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہا بلکہ وہ دو فرقوں میں بٹ گئے، ایک فرقہ اہل ایمان کا تھا اور دوسرا منافقین کا۔ ان میں سے جو اسلام نہیں لائے تھے انھوں نے یہود کی طرح صلح کا معاہدہ کر لیا تھا یا یوں کہیے کہ ان کی حالت یہود سے بایں طور بہتر تھی کہ ان میں اپنی قوم کے لیے عصبیت پائی جاتی تھی، اور وہ ان کی مرضی کے مطابق چلنے کے خواہاں تھے، وہ اپنی جماعت سے باہر نہیں نکلنا چاہتے تھے۔ رسول کریم ﷺ ان سے خوش اخلاقی کا معاملہ کرتے اور ان کی ایذا رسانی کو گوارا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ آپ ﷺ کا خوش اخلاقی کا برتاؤ یہود سے زیادہ تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ کو امید تھی کہ کسی روز یہ اپنی قوم کی طرح مشرف بہ اسلام ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ کو یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ اگر ان سے سختی روا رکھی تو ان میں سے جن لوگوں نے برملا اسلام کا اظہار کیا تھا ان کے دل برے ہوں گے، ایسا کرنے میں آپ ﷺ مندرجہ ذیل آیت کی پیروی فرماتے تھے:

﴿ لَتُبْلَوُنَّ فِيْۤ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [آل عمران: ١٨٧]

''تمھیں تمھارے مال و جان کے بارے میں آزمایا جائے گا، اور آپ ﷺ ان لوگوں سے، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور مشرکین سے، بڑی دکھ دینے والی باتیں سنیں گے، اور اگر تم صبر کرو اور ڈرتے رہو تو یہ بڑی بات ہے۔''

بایں ہمہ رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو اس عورت کے قتل پر آمادہ کیا جو ہجو کیا کرتی تھی اور اس کے قاتل کے بارے میں فرمایا:

''اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غیبی مدد کی ہے تو اس شخص کو دیکھ لو۔''

اس سے ثابت ہوا کہ رسول کریم کی ہجو اور مذمت کفر کے بغیر بھی قتل کی موجب ہے، اور گالی دینے والا واجب القتل ہے، وہ حلیف اور معاہد کیوں نہ ہو جبکہ ایسی حالت میں ان لوگوں کا خون محفوظ ہوتا ہے جو گالی نہ دیتے ہوں اگرچہ معاہدہ بھی نہ کیا ہو۔

حاملہ عورت کو قتل کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ وہ جنگ میں عملی حصہ لیتی ہو، اس لیے کہ ایک جنگ میں رسول کریم ﷺ نے ایک عورت دیکھی جسے قتل کیا گیا تھا تو فرمایا: ''یہ جنگ تو نہیں لڑتی تھی۔''[1] پھر آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔[2] مگر آپ ﷺ نے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیا، حالانکہ وہ اپنے ہاتھ سے لڑتی نہ تھی۔ اگر گالی دینا قتل کا موجب نہ ہوتا تو اس کا قتل کرنا روا نہ تھا، اس لیے کہ محض کفر کی بنا پر عورت کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ کسی کافرہ عورت کو جو جنگ میں حصہ نہ لیتی ہو کسی وقت بھی قتل کیا گیا بلکہ قرآن کریم اور اس کی ترتیبِ نزول اس کی عدمِ اباحت پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ قتال کے بارے میں پہلی آیت یہ نازل ہوئی:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ﴾ [الحج: ۳۹، ۴۰]

''جن لوگوں سے لڑا جاتا تھا اب ان کو قتال کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ وہ

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحدیث (۲۶۶۹) سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (۲۸۴۲) اسے امام حاکم اور ذہبی، ابن حبان اور بوصیری رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۰۱۴، ۳۰۱۵) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۴۴)

مظلوم ہیں اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے، (اور ان کو بھی قتال کی اجازت ہے) جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔''

اپنا دفاع کرنے کے لیے مومنین کو قتال کی اجازت دی گئی، یہ ان لوگوں کو سزا دی گئی تھی جنھوں نے ان کو ان کے گھروں سے نکالا، اللہ کی توحید و عبادت سے باز رکھا۔ ظاہر ہے کہ ان امور میں عورتوں کا کچھ حصہ نہیں ہے۔

پھر مسلمانوں پر جنگ کو مطلقاً فرض ٹھہرایا گیا، اس کی مزید توضیح اس آیت میں فرمائی:

﴿ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ [البقرۃ: ۱۹۰]

''اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لڑتا نہ ہو اس سے جنگ و قتال جائز نہیں، ظاہر ہے کہ خواتین اہلِ قتال میں شامل نہیں ہیں۔ جب اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو یا تو کہا جائے گا کہ اس کی ہجو گوئی قتال کے ہم معنی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمی کی ہجو گوئی قتال کے مترادف ہے، لہٰذا اس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور خون مباح ہو جاتا ہے، یا کہا جائے گا کہ ہجو گوئی قتال نہیں ہے، اور ظاہر تر بات بھی یہی ہے، جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ اس میں جنگ و قتال کی اشتغال بازی نہ تھی اور نہ ہی وہ عورت جنگ کے حق میں تھی۔

پس ثابت ہوا کہ گالی دینا مسلمانوں کے لیے ایک ضرر رساں جرم ہے مگر یہ قتال نہیں جو قتل کا موجب ہوتا ہے، جیسا ان کے حق میں راہزنی اور اس قسم کے کام۔ اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینا بوجوہ قتل کا موجب ہے۔

ایسے وجوہ جو گالی دینے والے کے قتل کے موجب ہیں:

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ گالی دینا قتل کا موجب نہ ہوتا تو اس عورت کو قتل کرنا جائز نہ تھا اگرچہ وہ عورت حربی ہو، اس لیے کہ اگر حربی عورت ہاتھ اور زبان سے لڑتی نہ ہو تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں مگر اس جرم کی بنا پر جو قتل کی موجب ہو۔ اس بات کو شرعی اصولوں کے خلاف قرار دیا گیا ہے، خصوصاً ان لوگوں کے نزدیک جو اس کے قتل کرنے کو اس طرح سمجھتے ہیں جس طرح حملہ آور کو قتل کیا جاتا ہے۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ گالی دینے والی عورت معاہدین میں سے تھی اور اس وقت کے عام معاہدین سے بہتر تھی۔ اگر گالی دینے سے اس کا خون مباح نہ ہوتا تو اسے قتل نہ کیا جاتا اور اس

کو قتل کرنا جائز بھی نہ ہوتا، اس لیے اس کا قاتل اس امر سے خائف تھا کہ کہیں فتنہ رونما نہ ہو یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''اس میں دو بکریاں سینگوں سے نہیں ٹکرائیں گی۔''[1]

حالانکہ دو بکریوں کی ملاقات کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ اس کلام سے رسول کریم ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ اس سے فتنہ پروری کا ظہور نہیں ہوگا، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔ یہ واقعہ اہل ایمان پر اللہ کی رحمت اور اس کے رسول اور دین کے لیے نصرت و حمایت کا موجب ہوگا۔

تیسری وجہ: حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ اس عورت کو ہجوگوئی کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ باقی قوم کو اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ انھوں نے ہجو نہیں کہی تھی۔ اگر وہ ہجو کے مرتکب ہوتے تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاتا جو اس عورت کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اس سے واضح ہوا کہ ہجوگوئی بذات خود قتل کی موجب ہے، قطع نظر اس سے کہ ہجوگو حربی ہو، مسلم یا معاہد حتیٰ کہ اس کی بنا پر ایسے شخص کو بھی قتل کیا جاتا ہے جس کو ہجو کے بغیر قتل نہیں کیا جا سکتا تھا، اور اگر حربی مقاتل ہو تو اس کو دوسری وجہ سے بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ مسلم کے بارے میں تو یہ ظاہر ہے، معاہد میں اس لیے کہ جب ہجوگوئی سے عورت کا خون مباح ہو جاتا ہے تو گویا وہ قتال کی مانند بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔

چوتھی وجہ: مسلمانوں کو قبل از ہجرت اور آغازِ ہجرت میں جنگ کا آغاز کرنے سے منع کیا گیا تھا، اور کفار کو قتل کرنا اس وقت حرام تھا بلکہ وہ کسی کو بلا وجہ قتل کرنے کے مترادف تھا۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا قَالُوْا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٤٦]

''بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں، پیغمبر نے کہا: اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو، وہ کہنے

[1] الكامل لابن عدي (٦/ ٢١٥٦) یہ حدیث موضوع ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

لگے کہ ہم راہِ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے جبکہ ہم وطن سے نکالے گئے اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے! لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند آدمیوں کے سوا سب پھر گئے، اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴾ [الحج: ۳۹]

"جن مسلمانوں سے (بلاوجہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا ان کی مدد کرے گا وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔"

سیرت دان اہلِ علم اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں اور کسی سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہجرت سے پہلے اور اس کے آغاز میں قتل و قتال کا آغاز کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ جب انصار نے بیعت عقبہ کی تھی اور اہل منیٰ پر حملہ کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے جنگ کی اجازت نہیں دی گئی۔"[1] رسول کریم ﷺ اس وقت ان انبیاء کی طرح تھے جن کو جنگ کا حکم نہیں دیا گیا تھا، مثلاً: حضرت نوح، ہود، صالح، ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام۔ بلکہ بنی اسرائیل کے علاوہ دیگر انبیاء میں سے اکثر کو جنگ کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کے رہنے والوں سے جنگ نہ کی اور نہ ان کے سرداروں میں سے کسی کو قتل کرنے کا حکم دیا جو ان کو کفر پر جمع کیے ہوئے تھے۔ جو آیات اس وقت نازل ہوئیں ان میں صرف ان لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا اور ان سے لڑے۔ اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اس وقت مدینہ کے کافروں کو قتل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ رسول کریم ﷺ کا لڑائی سے ہمیشہ کے لیے رُکے رہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قتال سے باز رہنا اس وقت آپ ﷺ کے لیے مستحب تھا یا واجب بلکہ اس کا وجوب ظاہر تر ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ اس لیے لڑائی سے رکے رہنا آپ ﷺ پر واجب تھا، اور جو چیز اس حکم کو تبدیل کرتی ہے وہ اہل مدینہ میں موجود نہ تھی، لہٰذا وجوب سابق آپ ﷺ کے فعل میں باقی رہے گا۔

[1] مسند أحمد (۳/ ٤٦٢)

موسیٰ بن عقبہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ التوبہ کے نزول سے قبل اپنے اعداء کے ساتھ رسول کریم ﷺ کا برتاؤ یہ تھا کہ جو آپ ﷺ سے لڑتا آپ ﷺ اس کے خلاف نبرد آزما ہوتے، اور جو شخص اپنا ہاتھ روک کر آپ ﷺ سے معاہدہ کر لیتا آپ ﷺ بھی اس سے رک جاتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [النساء: ۸۹]

''پھر اگر وہ تم سے جنگ کرنے سے کنارہ کشی کریں اور لڑیں نہیں اور تمھاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو خدا نے تمھارے لیے ان پر زبردستی کرنے کی کوئی سبیل مقرر نہیں کی۔''

اور قرآن کا ایک حصہ دوسرے کو منسوخ کرتا ہے۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی ہے پہلی آیت منسوخ ہو جاتی اور نئی نازل شدہ آیت پر عمل کیا جاتا ہے، پہلی آیت منتہائے عمل کو پہنچ جاتی ہے۔ قبل ازیں اس پر جو عمل کیا جا چکا ہوتا اس کو اللہ کی اطاعت پر محمول کیا جاتا تھا یہاں تک کہ سورۃ التوبہ نازل ہوئی۔ جب ہجوگوئی کرنے والی عورت کے قتل کا حکم دیا گیا اور اس کے کافر قبیلہ کو قتل کرنے کا حکم نہ دیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینا ہی اس کے قتل کا موجب ہے اگرچہ اس موقع پر عام قتال کی اجازت نہ تھی بشرطیکہ قتال کا کوئی موجب نہ ہو، مثلاً: معاہدہ کرنا، عورت ہونا، گالی نہ دینے والے کافر کو قتل کرنے کی ممانعت یا اس کی عدم اباحت۔

یہ وجہ نہایت معقول اور ژرف نگاہی کی آئینہ دار ہے کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کا خون معصوم ہوتا ہے، اس کو صرف جائز وجوہ کی بنا پر قتل کیا جا سکتا ہے۔ کفر کی بنا پر قتل کرنا ایسا امر نہیں جس پر تمام شرائع کا اتفاق ہو اور نہ ہی ایک شرع کے تمام اوقات میں اس پر عمل کیا جاتا ہے، مثلاً: قصاص میں قتل کرنا کہ یہ ایسی بات ہے جس پر جملہ شرائع اور عقول متفق چلی آتی ہیں۔ آغازِ اسلام میں کافر کا خون عصمتِ اصلیہ کی وجہ سے معصوم تھا، اور اس لیے بھی کہ اہل ایمان کو اللہ نے اس کے قتل سے روکا ہے۔ ان لوگوں کا خون اس قبطی کے خون کی طرح تھا جس کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا یا اس کافر کی طرح جس کو ہمارے عصر و عہد میں دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو یا اس سے اعلیٰ و احسن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا و آخرت میں اس کو گناہ تصور کیا تھا، حالانکہ قبطی کا قتلِ خطا شبہِ عمد یا خطائے محض کے قبیل سے تھا اور خالص عمد نہ تھا۔

پس ہمارے نبی اکرم ﷺ کی ظاہری سیرت اور جس بات کا آپ ﷺ کو اذن دیا گیا تھا اس کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ اس وقت مدینہ کے غیر مسلموں کی حالت بالکل اسی طرح تھی۔ جب ان میں

سے ہجو گوئی کرنے والی عورت کو قتل کیا گیا اور آپ ﷺ کے نزدیک وہ حربی کافر نہ تھے جن سے جنگ کرنا مطلقاً روا ہو تو اہل ذمہ میں سے ہجو گوئی کرنے والی عورت کی حالت بھی اسی طرح ہوگی بلکہ اس سے اعلیٰ و احسن، اس لیے کہ ذمی عورت سے ہم نے عہد لیا ہے وہ گالیاں نہیں دے گی اور خاکساری اور انکساری کے عالم میں رہے گی جبکہ غیر ذمی سے ہم نے کوئی عہد نہیں لیا۔

ساتویں حدیث:

ابو عفک یہودی کا واقعہ: واقدی نے بطریق سعید بن محمد از عمارہ بن غزیہ و از ابو مصعب اسماعیل بن مُصعب بن اسماعیل بن زید بن ثابت اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے، دونوں کہتے ہیں کہ بنو عمرو بن عوف میں ایک شیخ تھا جس کو ابو عفک کہتے تھے۔ وہ نہایت بوڑھا تھا اور اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ یہ شخص مدینہ آ کر لوگوں کو رسول کریم ﷺ کی عداوت پر بھڑکایا کرتا تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب رسول کریم ﷺ بدر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و کامرانی سے نوازا تو وہ حسد کرنے لگا اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذمت میں ایک توہین والا قصیدہ کہا۔

سالم بن عمیر نے نذر مانی کہ میں ابو عفک کو قتل کروں گا یا اسے قتل کرتے ہوئے مارا جاؤں گا۔ سالم موقع کی تلاش میں تھا، موسم گرما کی ایک رات تھی، ابو عفک موسم گرما میں قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے صحن میں سو رہا تھا، اندریں اثنا سالم بن عمیر آیا اور تلوار اس کے جگر پر رکھ دی، دشمنِ خدا بستر پر چیخنے لگا۔ اس کے ہم خیال بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے، پہلے اسے اس کے گھر میں لے گئے اور پھر قبر میں دفن کر دیا۔ کہنے لگے اسے کس نے قتل کیا ہے؟ بخدا! اگر ہمیں قاتل کا پتہ چل جائے تو ہم اسے قتل کر دیں گے۔[1]

ابو عفک کو کب قتل کیا گیا؟

محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے کہ وہ یہودی تھا۔[2] ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ مدینہ کے تمام یہودی معاہد تھے مگر اس نے ہجو کہی اور آپ ﷺ کی مذمت کی تو اسے قتل کیا گیا۔ واقدی، ابن رُقیش سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عفک کو ماہِ شوال میں ہجرتِ نبوی کے بیس ماہ بعد قتل کیا گیا۔ یہ واقعہ کعب بن اشرف کے قتل سے پہلے کا ہے۔ اس واقعہ میں اس امر کی واضح دلیل موجود ہے کہ معاہد اگر علانیہ نبی

[1] المغازي للواقدي (١/ ١٧٤)

[2] الطبقات الكبرى (٢/ ٢٨)

کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، اسے دھوکے سے قتل کیا جا سکتا ہے مگر یہ اہل مغازی کی روایت ہے اور بلاشبہ دوسری روایات کی مؤید و مؤکد ہو سکتی ہے۔

آٹھویں حدیث:

انس بن زُنیم الدیلی کا واقعہ: یہ واقعہ علمائے سیرت کے نزدیک مشہور ہے۔ ابن اسحاق، واقدی اور دیگر اہل سیرت نے اسے ذکر کیا ہے۔ واقدی نے بطریق عبداللہ بن عمرو بن زُہیر از محجن بن وہب ذکر کیا ہے[1] کہ آخری واقعہ جو خزاعہ اور کنانہ کے مابین پیش آیا وہ یہ ہے کہ انس بن زُنیم الدیلی نے رسول اکرم ﷺ کی ہجو کہی۔ قبیلہ خزاعہ کے ایک لڑکے نے سن لیا، اس نے انس پر حملہ کر دیا اور اس کے سر پر چوٹ ماری۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور ان کو اپنا زخم دکھایا، فتنہ بازی کا آغاز ہوا۔ بنو بکر پہلے ہی خزاعہ سے اپنے خون کا مطالبہ کر رہے تھے۔

واقدی نے بطریق حرام بن ہشام بن خالد الکعبی اپنے والد سے روایت کی ہے کہ عمرو بن سالم خزاعی قبیلہ خزاعہ کے چالیس سواروں میں رسول کریم ﷺ سے مدد طلب کرنے کے لیے نکلا۔ انھوں نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا جو ان کو پیش آیا تھا اور اس قصیدے کا بھی ذکر کیا جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ؎

اللهم إني ناشد محمداً

جب قافلے والے فارغ ہوئے تو انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! انس بن زُنیم الدیلی نے آپ ﷺ کی ہجو کہی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا۔ جب انس بن زُنیم کو پتہ چلا تو وہ معذرت طلبی کے لیے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں مدحیہ قصیدہ کہا اور آپ کو سنایا۔

واقدی کہتے ہیں کہ "حرام" نامی شخص نے مجھے وہ قصیدہ سنایا۔ رسول کریم ﷺ کے پاس وہ قصیدہ بھی پہنچا اور اس نے جو معذرت چاہی تھی وہ بھی پہنچی، اور نوفل بن معاویہ الدیلی آپ ﷺ سے ہم کلام ہوا۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ معاف کرنے کے اہل ہیں۔ ہم میں سے کون ہے جس نے آپ ﷺ سے عداوت نہ رکھی ہو اور آپ ﷺ کو ستایا نہ ہو! دورِ جاہلیت میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا چیز لیں اور کیا نہ لیں حتیٰ کہ آپ ﷺ کے ذریعے اللہ نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور آپ ﷺ کی وجہ سے ہمیں ہلاکت سے چھڑایا۔ قافلہ والوں نے اس پر

[1] المغازي للواقدي (۲/ ۲۸۲۔ ۲۸۹)

جھوٹ باندھا اور آپ ﷺ کے پاس مبالغہ آمیزی سے کام لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''قافلے کا ذکر چھوڑیے، ہم نے سرزمینِ تہامہ میں کسی دور و نزدیک کے رشتہ دار کو نہیں دیکھا جو خزاعہ سے زیادہ اطاعت شعار ہو۔'' آپ ﷺ نے نوفل بن معاویہ کو خاموش کرا دیا۔ جب وہ خاموش ہو گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اسے معاف کیا۔'' نوفل نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔''

ابن اسحاق نے کہا کہ انس بن زُنیم نے ان باتوں سے معذرت کی جو ان کے بارے میں عمرو بن سالم نے کہی تھیں، جب وہ رسول کریم ﷺ کے پاس مدد طلب کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس نے ذکر کیا کہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کی توہین کی تھی، اور پھر وہ قصیدہ پڑھا جس میں یہ بھی تھا ؎

وتعلم أن الركب ركب عويمر
هم الكاذبون المخلفو كل موعد

''آپ جانتے ہیں کہ عویمر کے قافلے والے جھوٹے ہیں اور ہر وعدہ کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں۔''

واقعہ انس بن زُنیم کی وجۂ دلالت:

وجۂ استدلال یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حدیبیہ والے سال دس برس کے لیے قریش کے ساتھ مصالحت کر لی تھی۔ قبیلہ خزاعہ آپ ﷺ کا حلیف بن گیا تھا۔ ان میں سے اکثر مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے مسلم اور کافر رسول کریم ﷺ کے لیے ہمہ تن پیکرِ ہمدردی و خیر خواہی تھے۔ بنوبکر قریش کے حلیف بن گئے۔ یہ سب لوگ آپ ﷺ کے معاہد بن گئے، اور یہ وہ بات ہے جو نقلِ متواتر سے ثابت ہے، اور اہل علم کے یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

انس بن زُنیم کے بارے میں آپ ﷺ کو بتایا گیا تھا کہ معاہد ہونے کے باوجود اس نے آپ ﷺ کی ہجو کہی ہے، چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے کسی آدمی نے اس کے سر پر چوٹ ماری اور رسول کریم ﷺ کو بتایا کہ اس نے آپ ﷺ کی ہجو لکھی ہے۔ اس سے ان کا مقصد رسول کریم ﷺ کو بنوبکر کے خلاف بھڑکانا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اس کے خون کو ''ھدر'' (جس میں قصاص و دیت نہ ہو) قرار دے دیا اور کسی اور کے خون کو ''ھدر'' قرار نہ دیا۔ اگر انھیں یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ معاہد کے ہجو کہنے سے اس سے انتقام لینا واجب ہو جاتا ہے تو وہ ایسا نہ کرتے۔ اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا، حالانکہ اس نے معاہد ہوتے ہوئے ہجوگوئی کا ارتکاب کیا تھا، لہٰذا یہ اس

ضمن میں نص ہے کہ ہجو گو معاہد کا خون مباح ہو جاتا ہے۔

بعد ازاں جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے اپنے اشعار میں اسلام لانے کا اظہار کیا، اسی لیے اسے آپ ﷺ کے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کے اشعار میں یہ الفاظ کہ ''تعلم رسول اللّٰہ'' اور ''نُبِّئْ رسول اللّٰہ'' اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ پہلے اسلام لا چکا تھا یا یہ کہ اس کا یوں کہنا اس کا اسلام لانا ہے، اس لیے کہ بت پرست جب ''محمد رسول اللّٰہ'' کہے تو اسے مسلم قرار دیا جائے گا۔ اس نے ہجو گوئی سے انکار بھی کیا تھا اور ان لوگوں کی شہادت کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ وہ اس کے دشمن ہیں، اس لیے کہ دونوں قبیلوں کے درمیان عرصہ سے حرب و ضرب کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ اگر اپنی اس حرکت سے وہ مباح الدم نہ ہو جاتا تو اسے اس بات کی ضرورت نہ تھی۔

پھر اسلام لانے، معذرت خواہی، مخبرین کی تردید اور رسول کریم ﷺ کی مدح گوئی کے بعد اس نے خون کو ھدر قرار دینے کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے معافی طلب کی، حالانکہ معافی تب دی جاتی ہے جب جرم کی سزا دینے کا جواز موجود ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام لانے اور معذرت خواہی کے بعد آپ ﷺ اسے سزا دے سکتے تھے مگر آپ نے تحمل و بردباری کے پیش نظر اس پر کرم نوازی فرمائی اور اسے معاف کر دیا۔

مزید برآں اس حدیث میں ہے کہ نوفل بن معاویہ نے رسول کریم ﷺ کے پاس اس کی سفارش کی تھی، حالانکہ علمائے سیرت نے علی العموم ذکر کیا ہے کہ نوفل ان متکبرین میں سے تھا جنھوں نے حدود سے تجاوز کر کے خزاعہ والوں کو قتل کیا تھا اور قریش نے ان کی مدد کی تھی، اس طرح قریش اور بنو بکر کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

پھر نوفل نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا اور ہجو کہنے والے کی رسول کریم ﷺ سے سفارش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہجو گوئی، لڑ کر عہد توڑ دینے سے بھی بڑا جرم ہے حتی کہ اگر ایک قوم نے لڑ کر عہد شکنی کی ہو اور دوسری نے ہجو کہی ہو، پھر دونوں اسلام قبول کر لیں تو لڑنے والے کا خون معصوم ہوگا مگر ہجو گو سے انتقام لینا جائز ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے توہین و تحقیر کو خون بہانے کے ساتھ ملا دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں امور قتل کے موجب ہیں بلکہ کسی کو بے آبرو کرنا ان کے نزدیک اہل اسلام اور معاہدین کا خون بہانے سے بھی بڑا جرم ہے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عہد شکنی کرنے والے بنو بکر میں

سے کسی کے خون کو بھی ھدر قرار نہ دیا، البتہ ان کے اکثر حصے میں فتحِ مکہ کے روز آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کو بنو بکر سے انتقام لینے کی قدرت بخشی تھی، اور ہجو کہنے والے شخص کے خون کو ھدر ٹھہرایا حتی کہ وہ اسلام لایا اور معذرت خواہی کی، حالانکہ عہد مصالحت پر مبنی تھا اور اس میں جزیہ قبول کرنے اور ذمی بنانے کی شرط شامل نہ تھی۔ صلح کرنے والا کافر، جو اپنے شہر میں مقیم ہو، خواہ کسی قسم کے افعال واقوال کا ارتکاب علانیہ کرتا ہو جو اس کے دین یا دنیا سے متعلق ہوں، اس کا عہد اس وقت تک نہیں ٹوٹتا جب تک مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہجو کوئی جنسِ حرب میں سے ہے بلکہ اس سے غلیظ تر ہے، اور یہ کہ ہجو گو ذمی نہیں رہتا (بلکہ اس کا ذمہ ٹوٹ جاتا ہے)۔

نویں حدیث:

واقعہ ابن ابی سرح: اس واقعہ کی صحت پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ یہ واقعہ ان کے یہاں اس قدر مشہور ہے کہ آحاد کے روایت کرنے سے بے نیاز ہے۔ یہ واقعہ ایک ثقہ عادل راوی کی روایت سے اثبت واَقوی ہے۔ ہم اس واقعہ کو پورے شرح وبسط کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تاکہ اس سے وجۂ دلالت واضح ہو جائے۔

مصعب بن سعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ فتحِ مکہ کے دن عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے لاکر رسول کریم ﷺ کے پاس کھڑا کر دیا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! عبداللہ کو بیعت کیجیے، رسول کریم ﷺ نے نظر اٹھا کر اسے تین مرتبہ دیکھا، آپ ﷺ ہر دفعہ بیعت کرنے سے انکار کرتے تھے، پھر تیسری مرتبہ کے بعد اس کو بیعت کر لیا، پھر صحابہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: "کیا تم میں کوئی دانا آدمی نہ تھا جو اس کی طرف اٹھ کر اسے قتل کر دیتا جب اس نے دیکھا تھا کہ میں نے اس کو بیعت کرنے سے اپنا ہاتھ روک دیا تھا۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں کیا معلوم تھا کہ آپ ﷺ کے جی میں کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے اپنی آنکھ سے اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ فرمایا: "نبی کو زیب نہیں دیتا کہ اس کی خیانت کرنے والی آنکھ ہو۔" اس کو ابوداود نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔[1]

نسائی نے اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فتحِ مکہ کے دن چار آدمیوں کے سوا باقی سب کو امن دے دیا، فرمایا:

[1] سنن أبي داود، رقم الحدیث (٤٣٥٩) اسے امام حاکم، ذہبی اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

"ان چار آدمیوں کو قتل کر دو اگرچہ کعبہ کے پردے کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوں۔"

وہ آدمی یہ تھے:

۱۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ ۲۔ عبداللہ بن خطل۔

۳۔ مقیس بن صبابہ۔ ۴۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔

ان میں سے عبداللہ بن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا تھا کہ اسے پکڑ لیا گیا، سعید بن حارث اور عمار بن یاسر اس کی طرف بھاگے، سعید زیادہ جوان تھا اس نے عمار سے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ مقیس کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا۔ باقی رہا عکرمہ تو وہ بحری جہاز میں سوار ہوا اور جہاز آندھی کی زد میں آ گیا۔ جہاز والوں نے کہا: توحید کے قائل ہو جاؤ، اس لیے کہ تمھارے بت تمھارے کسی کام نہیں آتے، عکرمہ نے کہا: بخدا! اگر سمندر میں ایک خدا نجات دیتا ہے تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! میں تیرے حضور عہد کرتا ہوں کہ اگر تُو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی تو میں محمد ﷺ کے پاس جا کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا، اور میں انھیں معاف کرنے والا اور سخی پاؤں گا، چنانچہ عکرمہ آیا اور اسلام قبول کیا۔

باقی رہا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان کے یہاں چھپ گیا۔ جب رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو دعوتِ بیعت دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے لا کر رسول کریم ﷺ کے پاس کھڑا کر دیا، پھر ابوداود کی طرح حدیث کا باقی حصہ ذکر کیا۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول کریم ﷺ کا کاتب تھا لیکن شیطان نے اسے پھسلایا تو وہ کفار کے ساتھ مل گیا۔ فتحِ مکہ کے دن آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے پناہ مانگی جو آپ ﷺ نے دے دی۔[2] (ابوداود)

محمد بن سعد نے طبقات میں بطریق علی بن زید از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فتحِ مکہ کے دن ابن ابی سرح، فَرتنی، ابن الزبعریٰ اور ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ ابو برزہ ابن خطل کے پاس آئے اور وہ کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا تھا، ابو برزہ نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ انصار کے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ اگر وہ ابن ابی سرح کو دیکھے گا تو اسے قتل کر دے گا۔

---

[1] سنن النسائي (٧/ ١٠٥) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

[2] سنن أبي داود (٤٣٥٨) اسے امام حاکم اور ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے رضاعی بھائی تھے، اس لیے ابن ابی سرح ان کے پاس آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی سفارش کی۔ انصاری نے تلوار کے دستہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور منتظر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ابن ابی سرح کو قتل کرنے کا اشارہ کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری سے کہا: ''تم نے اپنی نذر کیوں نہ پوری کی؟'' اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تلوار کے دستہ پر ہاتھ رکھے منتظر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس کے قتل کا اشارہ کریں گے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اشارہ خیانت ہے، کسی نبی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ آنکھ سے اشارہ کرے۔''[1]

ابن بکیر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے اور اپنے لشکروں کو الگ الگ مقرر کیا تو انھیں حکم دیا کہ صرف اسی کو قتل کریں جو ان سے لڑے مگر چند آدمیوں کا نام لے کر آپ نے فرمایا: ''انھیں قتل کر دو اگرچہ وہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوں۔'' وہ مندرجہ ذیل اشخاص ہیں:

۱۔ عبداللہ بن خطل۔ ۲۔ عبداللہ بن ابی سرح۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سرح کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وحی لکھا کرتا تھا، پھر وہ مشرک ہو کر مکہ چلا گیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں جدھر چاہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موڑ سکتا ہوں، وہ مجھے کسی چیز کے لکھنے کا حکم دیتے ہیں تو میں کہتا ہوں: کیا میں فلاں طرح لکھ لوں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے اور وہ اس طرح کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے: لکھو ''علیم حکیم'' تو وہ کہتا: کیا میں ''عزیز حکیم'' لکھ لوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''دونوں برابر ہیں۔''[2]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی:

﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ [الأنعام: ۹۳]

''اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے یا کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، اور جو کہے کہ میں بھی اللہ کی طرح وحی نازل کر سکتا ہوں۔''

---

[1] الطبقات الکبیر (۲/ ۱٤۱)

[2] سیرت ابن ھشام (۲/ ٤۰۹)

جب رسول کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہاں بھاگ آیا، جو اس کے رضاعی بھائی تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے پاس چھپائے رکھا یہاں تک کہ مکہ والے مطمئن ہوگئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے رسول کریم ﷺ کے پاس لائے اور اس کے لیے امان طلب کی۔ رسول کریم ﷺ دیر تک خاموش رہے اور وہ ٹھہرا رہا، پھر فرمایا: ہاں! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر واپس چلے گئے۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تو اس لیے خاموش تھا کہ تم میں سے کوئی اٹھ کر اسے قتل کر دے گا۔'' ایک انصاری نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے قتل کرنے کا اشارہ کیوں نہ کر دیا؟'' فرمایا: ''نبی کسی کو اشارے سے قتل کرنے کا حکم نہیں دیتا۔''[1]

ابراہیم بن سعد نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ ہمارے بعض علماء نے ہمیں بتایا کہ ابن ابی سرح قریش کی طرف لوٹ گیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر چاہوں تو میں بھی محمد ﷺ جیسا کلام لا سکتا ہوں۔ آپ ایک بات کہتے ہیں اور میں اسے کسی اور چیز کی طرف موڑ دیتا ہوں، پھر آپ کہتے ہیں کہ تم نے ٹھیک کیا، تب سابق الذکر آیت کریمہ نازل ہوئی، اسی لیے رسول کریم ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ ابن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت رسول کریم ﷺ نے مسلم امراء سے عہد لیا تھا کہ صرف اسی شخص سے لڑیں جو لڑائی کا آغاز کرے مگر آپ نے چند آدمیوں کا نام لے کر ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا اگرچہ وہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوں۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا اور رسول کریم ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتا تھا مگر وہ مرتد ہو کر مکہ لوٹ گیا۔

عبداللہ کہا کرتا تھا کہ میں جدھر چاہوں محمد (ﷺ) کو موڑ سکتا ہوں۔ وہ مجھے لکھواتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس کے بجائے فلاں الفاظ لکھ دوں؟ وہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے، اسی طرح لکھ دو۔ بات یہ تھی کہ رسول کریم ﷺ فرماتے لکھو: ''عزیز حکیم'' تو وہ اس کی جگہ ''حکیم علیم'' لکھ دیتا تو آپ ﷺ فرماتے: ''سب ٹھیک ہے۔''[2]

ہم نے مغازی معمر میں زہری سے فتح مکہ کے واقعہ میں لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ مکہ میں

❶ سیرت ابن ہشام (۲/ ٤٠٩) اسے امام حاکم و ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ المستدرك للحاكم (۳/ ٤٥)

❶ سیرت ابن ہشام (۲/ ٤٠٩) اسے امام حاکم و ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ المستدرك للحاكم (۳/ ٤٥)

❶ سیرت ابن ہشام (۲/ ٤٠٩) اسے امام حاکم و ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ المستدرك للحاكم (۳/ ٤٥)

❷ البدایۃ والنہایۃ (٤/ ۲۹٦)

داخل ہوئے تو صحابہ کو قتل و قتال سے منع کیا، فرمایا: ''اسلحہ سے باز رہو۔'' البتہ تھوڑی دیر کے لیے قبیلہ خزاعہ کو قبیلہ بنو بکر سے انتقام لینے کی اجازت دی گئی، پھر آپ نے روک دیا تو وہ رک گئے۔ سب لوگ امن میں رہے سوا چار آدمیوں کے، یعنی ابن ابی سرح، ابن خطل، مقیس کنانی اور ایک عورت، پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مکہ کو میں نے حرم قرار نہیں دیا بلکہ اللہ نے اسے حرم قرار دیا ہے۔ اس کو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور نہ روزِ قیامت تک کسی کے لیے حلال کیا جائے گا۔ اس کو اللہ نے میرے لیے تھوڑے وقت کے لیے حلال ٹھہرایا ہے۔''

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن ابی سرح کو لے کر آ گئے اور کہا: یا رسول اللہ! اس کو بیعت کیجیے مگر آپ ﷺ نے منھ موڑ لیا، پھر دوسری طرف سے آئے اور کہا: اس کو بیعت کیجیے مگر آپ ﷺ نے اعراض فرمایا، پھر دوسری جانب سے آئے اور کہا: اس کو بیعت کیجیے (تیسری دفعہ میں) آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھا کر اسے بیعت کر لیا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اس لیے اعراض کیا تھا کہ تم میں سے کوئی اسے قتل کر دے گا۔'' ایک انصاری نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیوں نہ کر دیا؟ فرمایا: ''نبی آنکھ سے اشارہ نہیں کرتا۔''[1]

گویا آپ ﷺ نے اسے عہد شکنی تصور کیا۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ابن شہاب سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو لڑنے سے روکا اور فرمایا: ''صرف اس سے لڑیں جو لڑائی کا آغاز کرے۔'' آپ نے چار آدمیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، یعنی:

۱۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ ۲۔ حویرث بن نقید۔

۳۔ ابن خطل۔ ۴۔ مقیس بن صبابہ۔

آپ نے ابن خطل کی گلوکار لونڈیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو رسول کریم ﷺ کے خلاف ہجویہ اشعار گایا کرتی تھیں۔

بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چند آدمیوں کو بشمول ابن سرح قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ

[1] المصنف لعبد الرزاق (۵/ ۳۷۷) رقم الحدیث (۹۷۳۹)

ہجرت کرنے کے بعد مرتد ہوگیا تھا۔ وہ چھپا رہا یہاں تک کہ اہل مکہ مطمئن ہوگئے، پھر آپ ﷺ کی بیعت کرنے کے ارادے سے حاضر ہوا مگر آپ نے اس لیے اعراض فرمایا کہ صحابہ میں سے کوئی اٹھ کر اسے قتل کر دے گا مگر کسی کو نہ پتہ چل سکا کہ حضور ﷺ کے دل میں کیا بات ہے؟ صحابہ میں سے ایک نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ اشارہ کر دیتے تو میں اسے قتل کر دیتا۔'' فرمایا: ''نبی ایسا نہیں کرتا۔''

کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا اور انھوں نے اسے پناہ دی تھی۔ ایک گلوکار لونڈی کو قتل کیا گیا اور دوسری چھپ گئی یہاں تک کہ اسے امان دی گئی۔ محمد بن عائذ نے اپنے مغازی میں اس وقعہ کو اسی طرح ذکر کیا ہے۔

واقدی نے اپنے شیوخ سے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول کریم ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتا تھا۔ بعض اوقات رسول کریم ﷺ اسے لکھواتے "سمیع علیم" اور وہ "علیم حکیم" لکھتا۔ رسول کریم ﷺ اسے پڑھتے تو فرماتے: ''اللہ نے اسی طرح فرمایا ہے۔'' اس سے وہ شخص فتنے میں مبتلا ہوگیا اور کہنے لگا: محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں وہ سمجھتے نہیں۔ میں جو چاہتا ہوں انھیں لکھ دیتا ہوں۔ میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے، جیسے محمد ﷺ پر وحی آتی ہے، چنانچہ وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے روز رسول کریم ﷺ نے اس کے خون کو ''ھدر'' قرار دیا۔ اس روز ابن ابی سرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ ان کا رضاعی بھائی تھا، کہنے لگا: اے بھائی! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں، مجھے یہاں روک لیجیے اور آپ محمد ﷺ کے پاس جائیے اور میرے بارے میں بات کیجیے۔ اگر محمد ﷺ نے مجھے دیکھ لیا تو میرا (سر) کاٹ دے گا جس میں میری دونوں آنکھیں ہیں۔ میں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے اور میں تائب ہو کر آیا ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تم میرے ساتھ چلو۔'' عبداللہ نے کہا: بخدا! اگر اس نے مجھے دیکھ لیا تو میری گردن اڑا دے گا اور مجھے مہلت نہ دے گا کیونکہ اس نے میرے خون کو ھدر قرار دیا ہے اور اس کے صحابہ ہر جگہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تم میرے ساتھ چلو، ان شاء اللہ تجھے قتل نہیں کریں گے۔'' رسول کریم ﷺ نے اچانک دیکھا کہ عثمان عبداللہ کا ہاتھ پکڑے آرہے ہیں اور آپ کے سامنے آکر ٹھہر گئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اس کی ماں مجھے اٹھا لیا کرتی اور اسے چلنے پر مجبور کرتی۔ مجھے دودھ پلاتی اور اس کا دودھ چھڑا دیتی۔ وہ میرے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتی اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتی، لہٰذا اسے میرے لیے

بخش دیجیے۔'' رسول کریم ﷺ نے منھ موڑ لیا۔ آپ جدھر کو منھ موڑتے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی طرف سے آپ ﷺ کے سامنے آجاتے اور اس کلام کو دہراتے۔ آپ کے منہ موڑنے کی وجہ یہ تھی کہ کوئی آدمی اُٹھ کر اس کی گردن اڑا دے گا کیونکہ آپ ﷺ نے اسے امان نہیں دی تھی جب آپ نے دیکھا کہ کوئی شخص کھڑا نہیں ہو رہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سرنگوں ہو کر رسول کریم ﷺ کا سر چوم رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس کو بیعت کر لیجیے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''بہت اچھا'' پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

''تمھارے لیے کیا چیز مانع تھی کہ تم میں سے ایک اس کتے یا یہ فرمایا کہ اس فاسق کی طرف کھڑا ہوتا اور اسے قتل کر ڈالتا۔''

عباد بن بشر نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے اشارہ کیوں نہ کیا؟ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ہر طرف سے آپ کی نگاہ کو دیکھ رہا تھا، بدیں امید کہ آپ مجھے اشارہ کریں گے اور میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ بات ابوالیسر نے کہی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں کسی کے قتل کے لیے اشارہ نہیں کرتا۔'' بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا: ''نبی کی خیانت کرنے والی آنکھ نہیں ہوتی۔''

اسلام لانے سے سابقہ گناہ ساقط ہو جاتے ہیں:

رسول کریم ﷺ نے اسے بیعت کر لیا اس کے بعد وہ جب بھی آپ کو دیکھتا تو بھاگنے لگتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، عبداللہ جب بھی آپ کو دیکھتا ہے بھاگ جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ یہ سن کر مسکرا دیے اور فرمایا: ''کیا میں نے اس کو بیعت نہیں کیا اور اسے امان نہیں دی؟'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! مگر اسے اپنا جرم یاد آتا ہے جو اس نے دین اسلام کے متعلق کیا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اسلام سابقہ گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے۔''[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن ابی سرح کی طرف لوٹے اور اسے بتایا، چنانچہ وہ اس کے بعد آپ ﷺ کے پاس آتا اور لوگوں کے ہمراہ آپ ﷺ کو سلام کہتا۔[2]

---

1. صحيح مسلم، رقم الحديث (١٢١)
2. المغازي للواقدي (٢/ ٨٥٥)

ابن ابی سرح کے واقعہ سے وجہِ استدلال:

اس واقعہ میں وجہِ دلالت یہ ہے کہ عبداللہ نے رسول کریم ﷺ پر یہ جھوٹ باندھا تھا کہ وہ آپ کی وحی کی تکمیل کرتا اور جو چاہتا آپ کو لکھ دیتا اور آپ ﷺ اس پر صاد فرما دیتے، بقول اس کے وہ جدھر چاہتا آپ کو پھیر دیتا۔ جس وحی کا آپ کو حکم دیا جاتا تھا اسے تبدیل کر دیتا اور آپ اس کی تائید فرماتے اور وہ اسی طرح رہتی جیسے اسے اللہ نے نازل کیا ہو۔ وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی طرح اس پر بھی وحی کی جاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ اور کتاب اللہ پر اس طعن اور افترا پردازی کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ نبوت و رسالت مشکوک ہو کر رہ جائے اور یہ کفر و ارتداد سے بھی بڑا گناہ اور گالی کی ایک قسم ہے۔

اسی طرح جس کاتب نے بھی اسی قسم کی افترا پردازی سے کام لیا اللہ تعالیٰ نے اسے توڑ پھوڑ دیا اور اسے خلافِ معمول سزا دی، اس لیے کہ بیمار دلوں میں اس سے شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص رسول کریم ﷺ کے باطن اور حقیقت نفس الامری کو سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہے، اس لیے اس نے جو خبر دی ہے وہ درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی یوں مدد فرمائی کہ اس میں ایسی نشانی پیدا کر دی جس سے اس کا مفتری ہونا واضح ہوتا ہے۔

ایک اور مفتری کاتب کا واقعہ:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عبدالعزیز بن صہیب سے روایت کی اور اس نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ ایک عیسائی مسلمان ہوگیا اور اس نے سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران پڑھیں۔ یہ رسول کریم ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتا تھا، اس نے پھر عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور کہا کرتا تھا: محمد وہی کچھ سمجھتے ہیں جو میں اسے لکھ دیتا ہوں۔ وہ مر گیا اور لوگوں نے اسے دفن کیا۔ جب صبح ہوئی تو قبر نے اسے نکال پھینکا تھا۔ لوگوں نے کہا: یہ محمد ﷺ اور اس کے اصحاب کا فعل ہے کہ انھوں نے قبر کھود کر اسے باہر پھینک دیا ہے، چنانچہ وہ جس قدر (گہری) زمین کھود سکتے تھے کھودی۔ صبح کو وہ قبر سے باہر پڑا تھا۔ اب انھیں پتہ چل گیا کہ یہ لوگوں کا فعل نہیں، پھر انھوں نے اسے پھینک دیا۔[1]

مسلم نے بطریق سلیمان بن المغیرہ از ثابت از انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ بنو نجار کا ایک آدمی تھا جس نے سورۃ البقرۃ و آل عمران پڑھی ہوئی تھی اور وہ رسول کریم ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتا تھا، وہ

[1] صحیح البخاري رقم الحدیث (۳۶۱۷)

بھاگ کر اہل کتاب سے مل گیا۔ انھوں نے اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا کہ یہ شخص محمد ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتا تھا۔ وہ اس سے بڑے خوش ہوئے۔ تھوڑی مدت ہوئی تھی کہ اللہ نے اس کی گردن توڑ دی۔ انھوں نے گڑھا کھود کر اسے چھپا دیا، صبح ہوئی تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا تھا، انھوں نے دوبارہ گڑھا کھود کر اسے چھپا دیا، زمین نے صبح کو پھر اُسے باہر پھینک دیا، چنانچہ لوگوں نے اسے اسی حالت میں رہنے دیا۔[1]

اس افترا پردازی کرنے والے ملعون کو، جو کہا کرتا تھا کہ محمد ﷺ کو وہی بات معلوم ہوتی ہے جو میں لکھ دیتا ہوں، توڑ پھوڑ دیا اور اسے رسوا کر دیا اور وہ یہ کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر نے اس کو کئی مرتبہ پھینک دیا۔ یہ خارقِ عادت امر اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اس کے قول کی سزا تھی اور یہ کہ وہ جھوٹا تھا، اس لیے کہ عام مردوں کی یہ حالت نہیں ہوتی اور یہ جرم محض ارتداد سے بہت بڑا ہے۔ عام مرتد مر جاتے ہیں اور ان کو ایسا واقعہ پیش نہیں آتا، نیز یہ کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دیتا اور آپ پر طعن کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کا انتقام لیتا اور اس کے کذب کو نمایاں کرتا ہے کیونکہ لوگوں کے لیے اس پر حد قائم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

مؤلف کے عہد میں جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر مسلمانوں سے لڑتا تھا:

اس سے ملتا جلتا وہ واقعہ ہے جس کو بہت سے عادل، ثقہ اور اہل علم فقہاء بارہا آزما چکے ہیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے شامی ساحل کے بہت سے قلعوں اور شہروں پر حملہ کر کے رومیوں کا محاصرہ کر لیا تو اس وقت کے مسلمانوں کا بیان ہے کہ ہم کسی قلعہ یا شہر کا ایک مہینہ یا اس سے زیادہ عرصہ تک محاصرہ جاری رکھتے مگر قلعہ فتح نہ ہوتا اور ہم مایوس ہو جاتے۔ اچانک قلعہ والے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینا اور آپ ﷺ کی توہین کرنے کا آغاز کر دیتے تو قلعے کا فتح کرنا ہمارے لیے آسان ہو جاتا اور ہم ایک دو دن میں اس کو فتح کر لیتے، پھر اس علاقے کو لشکر کشی کر کے فتح کر لیتے اور وہاں گھمسان کی جنگ ہوتی۔ ہماری حالت یہ تھی کہ جب ہم سنتے کہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کی توہین کا آغاز کر دیا ہے تو ہم آپس میں ایک دوسرے کو فتح کی بشارت دیتے، حالانکہ ان کے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے کی وجہ سے ہمارے دل غصہ سے بھر جاتے تھے۔

اسی طرح ہمارے معتبر اصحاب نے بیان کیا ہے کہ مغرب کے مسلمانوں کی حالت بھی عیسائیوں

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۸۱)

کے ساتھ اسی طرح تھی۔ یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ بعض اوقات اپنے اعداء کو اپنی طرف سے عذاب دیتا ہے اور بعض اوقات اپنے مومن بندوں کے ہاتھ سے۔ اسی طرح جب رسول کریم ﷺ نے ابن ابی سرح پر قابو پالیا تو اس کے خون کو ھدر قرار دیا کیونکہ اس نے رسول کریم ﷺ کو ہدف طعن بنایا اور آپ پر جھوٹ باندھا تھا، حالانکہ رسول کریم ﷺ نے ان تمام اہل مکہ کو امان دے دی تھی جنھوں نے آپ کے ساتھ شدید جنگ کی۔ اس کے باوجود کہ مرتد کے بارے میں سنت یہ ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اسے قتل نہ کیا جائے، توبہ کا مطالبہ کرنا واجب ہے یا مستحب۔

ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر بیان کریں گے کہ لوگوں کی ایک جماعت عہدِ رسالت میں مرتد ہوگئی تھی، پھر انھیں توبہ کی دعوت دی گئی تو انھوں نے توبہ کر لی اور اسے قبول کر لیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والے اور طعن کی آماجگاہ ٹھہرانے والے کا جرم مرتد سے بھی بڑھ کر ہے۔

رسول کریم ﷺ نے پہلے ابن ابی سرح کے خون کو ھدر قرار دیا تھا، حالانکہ وہ مسلمان ہو کر توبہ کرنے کے لیے آیا تھا، پھر آپ نے فرمایا: ''تم نے اسے قتل کیوں نہ کیا؟'' اس کے بعد اسے معاف کر دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول کریم ﷺ اسے قتل کرنے کے مجاز تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ اسے معاف کرنے اور اس کے خون کو بچانے کا حق بھی رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گالی دینے والا اگر توبہ کر کے اسلام کی طرف لوٹ آئے تو رسول کریم ﷺ پھر بھی اس کو قتل کر سکتے ہیں۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل امور سے ہوتی ہے۔

توبہ کرنے کے باوجود گالی دہندہ کو قتل کرنا جائز ہے:

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ عکرمہ سے مروی ہے کہ فتحِ مکہ سے قبل ابن ابی سرح اسلام کی طرف لوٹ آیا، دیگر علماء نے بھی ذکر کیا ہے کہ ابن ابی سرح فتحِ مکہ سے پہلے، جبکہ آپ ﷺ اس میں اقامت گزیں ہوئے، مسلمان ہوگیا تھا۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس آنے سے قبل ابن ابی سرح نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ میرا جرم بہت بڑا ہے، میں توبہ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اور مرتد کی توبہ یہ ہے کہ وہ دوبارہ اسلام قبول کر لے، پھر فتحِ مکہ کے بعد وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ شہر میں امن و سکون کا دور دورہ تھا اور وہ تائب بھی ہو چکا تھا۔ رسول کریم ﷺ اس وقت چاہتے تھے کہ مسلمان اسے قتل کر دیں، تھوڑی دیر آپ ﷺ اس کا انتظار بھی کرتے رہے۔

آپ ﷺ کا خیال تھا کہ کوئی مسلم اسے قتل کر دے گا۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی اسے قتل کرنا جائز ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ سے کہا کہ وہ آپ کو دیکھ کر بھاگ جاتا ہے تو آپ نے فرمایا: ''کیا میں نے اسے بیعت نہیں کیا اور اسے امان نہیں دی؟'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! مگر وہ اسلام لانے کے بعد اپنے عظیم جرم کو یاد کرتا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام پہلے گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے۔'' رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا کہ بیعت اور امان دینے سے قتل کا خوف زائل ہو گیا اور گناہ اسلام لانے کی وجہ سے ساقط ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینے والا جب اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اسلام گالی کے گناہ کو ساقط کر دیتا ہے، البتہ اس کو قتل کرنا جائز ہوتا ہے تاوقتیکہ قتل کا اسقاط اس شخص کی طرف سے صادر ہو جو اس کا استحقاق رکھتا ہے۔

اس کا تفصیلی تذکرہ ان شاء اللہ اپنی جگہ پر آئے گا۔ ہم یہاں صرف یہ ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر طعنہ زنی اور تحقیر اس حال میں قتل کو واجب کر دیتی ہے جبکہ محض ارتداد کی بنا پر قتل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ جب یہ امر قتل کا موجب ہے تو اس میں مسلم اور ذمی یکساں ہیں، نیز اس لیے کہ ہر وہ فعل جس میں قتل واجب ہے، ماسوا ارتداد کے، اس میں مسلم اور ذمی یکساں ہیں۔ صحابہ کے ابن ابی سرح اور دو گلوکار لونڈیوں میں سے ایک کو چھپانے میں اس امر کی دلیل ہے کہ رسول کریم ﷺ ان کے قتل کو واجب نہیں ٹھہرایا تھا بلکہ ان کے قتل کو مباح قرار دیا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کو معاف کرنا بھی جائز تھا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ رسول کریم ﷺ کو ان کو قتل کرنے کا یا معاف کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، یہ بات اس امر کی مؤید ہے کہ قتل کا جواز رسول کریم ﷺ کے حق کی وجہ سے تھا۔

ابن ابی سرح اور نصرانی کے افترا کی تردید:

واضح ہو کہ ابن ابی سرح اور نصرانی کاتب کا آپ پر یہ افترا کہ آپ ﷺ ان سے سیکھتے تھے، بہت نمایاں قسم کا افترا ہے۔ اس کا یہ قول کہ میں جدھر چاہوں آپ کو پھیر دوں، بہت واضح قسم کا جھوٹ ہے۔ رسول کریم ﷺ اس کو وہی چیز لکھواتے تھے جو اللہ کی نازل کردہ ہوتی تھی، نیز آپ ﷺ اس کو وہی قرآن لکھنے کا حکم دیتے تھے جو وحی کے ذریعے آپ پر نازل ہوتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ آپ ﷺ جدھر چاہتے مڑ جاتے بلکہ اللہ جدھر چاہتا آپ کو موڑ دیتا۔

اسی طرح اس کا یہ قول کہ میں جو چاہوں لکھتا ہوں، سفید جھوٹ ہے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ اس کو اپنی مرضی سے نہیں لکھواتے تھے اور نہ اس پر وحی نازل ہوتی تھی، علی ہذا القیاس نصرانی کا یہ قول کہ محمد ﷺ نہیں سمجھتے مگر جو کچھ ان کے لیے لکھ دوں، بھی اسی قبیل سے ہے۔ اسی افترا کی بنا پر عذاب اس پر محیط ہوگیا اور وہ سزا کا مستوجب ہوا۔

اہل علم کے مابین یہ امر متنازع فیہ ہے کہ جو کچھ وہ لکھ لیتا تھا آیا رسول کریم ﷺ اسے برقرار رکھتے تھے، حالانکہ وہ اس سے مختلف ہوتا تھا جو رسول کریم ﷺ نے اسے لکھوایا تھا، کیا رسول اکرم ﷺ نے اس ضمن میں اسے کچھ فرمایا تھا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

ابن ابی سرح اور نصرانی کے بارے میں علماء کی آراء:

پہلا قول: پہلا قول یہ ہے کہ یہ محض نصرانی اور ابن ابی سرح کی افترا پردازی ہے ورنہ رسول کریم ﷺ سے ایسا قول صادر نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کی تحریر کو قرآن کی حیثیت سے تسلیم کیا ہو، البتہ جب شیطان نے ان کے لیے ارتداد کو آراستہ و پیراستہ انداز میں پیش کیا تو انھوں نے آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنا شروع کیا تاکہ لوگوں کو آپ ﷺ سے متنفر کر دیں۔ ان کی بات کو تسلیم کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے باخبر ہونے کے بعد آپ سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ کسی نے یہ بات نہیں کہی کہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہو کہ میں نے یہی بات کہی یا لکھوائی تھی اور یہی درست ہے، البتہ مرتد ہونے کے بعد انھوں نے یہ بات کہی کہ رسول کریم ﷺ نے ان سے اس طرح فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس حال میں کافر اور دشمنِ خدا تھا، اس حال میں وہ اللہ پر جھوٹ بھی باندھتے تھے، اللہ تعالیٰ اُس سے عظیم تر ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس صحیح روایت سے ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ نصرانی نے کہا: محمد ﷺ وہی کچھ سمجھتے ہیں جو میں انھیں لکھ دیتا ہوں۔ البتہ وہ بعض اوقات ایسی چیزیں بھی لکھ دیتا تھا جو آپ نے نہیں لکھوائی ہوتی تھیں۔ اس میں کمی بیشی کر دیتا اور اس کو تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ اس لیے اس نے سمجھا کہ رسول کریم ﷺ اس کی تحریر پر تبدیلی کے باوجود اعتماد کرتے ہیں۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ آیاتِ خداوندی اہل علم کے سینوں میں واضح اور روشن ہوتی ہیں اور پانی بھی انھیں دھو کر صاف نہیں کر سکتا اور اس کی حفاظت و صیانت اللہ کے ذمے ہے اللہ اپنے نبی کو پڑھا دیتا ہے اور پھر وہ بھولتا نہیں مگر وہ جس کو اللہ چاہے اور وہ اس کو اٹھا لینا چاہتا ہو اور اس کی تلاوت کو منسوخ کر دینا چاہتا ہو۔

جبریل ہر سال رسول کریم ﷺ کو قرآن سنایا کرتے تھے۔[1] رسول کریم ﷺ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی چند مسلمانوں کو پڑھوا دیتے اور پھر تواتر کے ساتھ وہ ان سے منقول ہوتی رہتی۔ اکثر مفسرین، جنھوں نے اس واقعہ کو رسول کریم ﷺ سے نقل کیا تھا، ذکر کرتے ہیں کہ آپ اسے لکھواتے: "سمیعاً علیماً" اور وہ لکھتا: "علیماً حکیماً" اور جب لکھواتے: "علیماً حکیماً" وہ لکھتا: "غفوراً رحیماً" اور اس کے نظائر و امثال۔ اس نے یہ ذکر نہیں کیا کہ رسول کریم ﷺ نے اسے کچھ کہا تھا۔

وہ کہتے ہیں جب اس شخص کو معلوم تھا کہ وہ جھوٹ ہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کے کاذب ہونے کی نشانی بھی ظاہر کر دی اور روایات صحیحہ میں صرف یہ بات موجود ہے کہ اس نے جو کچھ کہا رسول کریم ﷺ سے سن کر کہا یا جو چاہا اس نے لکھا، بایں ہمہ اسے معلوم تھا کہ رسول کریم ﷺ نے اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض روایات میں جو مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو وہ روایت منقطع یا معلل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قائل نے یہ بات اس بنا پر کہی ہو کہ کاتب ہی نے یہ بات کہی ہے۔ ایسی جگہ معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ کے فرمودات میں بھی شبہ لاحق ہو جاتا ہے۔

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اسے کوئی بات کہی تھی، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے بطریق حماد بن سلمہ از ثابت از انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ ایک آدمی رسول اکرم ﷺ کا کاتب تھا۔ جب آپ اسے "سمیعاً علیماً" لکھواتے تو وہ کہتا کہ میں نے "سمیعاً بصیراً" لکھا ہے، آپ فرماتے: "اسی طرح رہنے دو" اور جب "علیماً حکیماً" لکھواتے تو وہ "علیماً حلیماً" لکھتا، حماد نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

اس نے سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران پڑھی ہوئی تھی اور جس نے یہ دونوں سورتیں پڑھ لیں اس نے قرآن کا بہت سا حصہ پڑھ لیا۔ وہ شخص جا کر نصرانی ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں محمد ﷺ کے لیے جو چاہتا تھا لکھتا تھا اور محمد ﷺ کہتے تھے: جو لکھا ہے اسے رہنے دو۔ وہ مر گیا اور اسے دفن کیا گیا تو قبر نے اسے دو یا تین مرتبہ باہر پھینک دیا۔ ابوطلحہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا وہ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[2]

ہم نے بطریق یزید بن ہارون از حمید از انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کا ایک

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٨٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٥٠)

[2] مسند أحمد (٣/ ٢٤٥)

کاتب تھا۔ اس نے سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھی ہوئی تھی اور کوئی آدمی جب سورۃ البقرۃ اور آل عمران پڑھ لیتا تو وہ ہماری نگاہ میں معزز ہو جاتا۔ رسول کریم ﷺ اس کو ”غفوراً رحیما“ لکھواتے اور وہ ”علیماً حکیماً“ لکھتا، رسول کریم ﷺ فرماتے: ”فلاں فلاں آیات لکھو“ تو میں جیسے چاہتا لکھ لیتا، آپ اسے ”علیماً حکیماً“ لکھواتے اور وہ ”سمیعاً بصیراً“ لکھتا۔ وہ کہتا کہ میں جیسے چاہوں گا لکھوں گا۔ وہ آدمی اسلام سے منحرف ہو گیا اور مشرکوں میں جا ملا۔ وہ کہنے لگا: میں محمد ﷺ کو تم سے بہتر جانتا ہوں، میں جو چاہتا تھا لکھ لیا کرتا تھا۔ وہ آدمی مر گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”زمین اسے قبول نہیں کرے گی۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ اس جگہ گئے جہاں وہ فوت ہوا تھا، دیکھا کہ قبر نے اسے پھینک دیا ہے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس آدمی کا کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم نے اس کو کئی دفعہ دفن کیا ہے مگر زمین نے اسے قبول نہیں کیا۔[1] اس کی اسناد صحیح ہے۔

جن لوگوں نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ البزار نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے جس کو ثابت نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اس کو ثابت نے انس سے روایت کیا ہے مگر اس کی تائید کسی دوسری روایت سے نہیں ہوتی، اس کو حمید نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، میرا خیال ہے کہ حمید نے اس کو ثابت سے سنا ہے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں ذکر کیا کہ انھوں نے یہ حدیث رسول کریم ﷺ سے سنی ہے یا اس وقت موجود تھے جب آپ ﷺ یہ حدیث ارشاد فرما رہے تھے، غالباً انھوں نے ایک سنی سنائی بات بیان کر دی۔

اس کلام میں بظاہر تکلف پایا جاتا ہے۔ ہم نے جو کچھ ابن اسحاق اور واقدی کی روایت کے بارے میں کہا ہے، اس روایت کے ظاہری مفہوم کے عین موافق ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ کچھ ایسے آثار بھی منقول ہیں جن میں اس قول کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، چنانچہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ اسے فرماتے: لکھو ”علیم حکیم“ تو وہ کہتا: کیا میں ”عزیزٌ حکیم“ لکھ لوں؟ رسول کریم ﷺ فرماتے: ہاں! دونوں یکساں ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ اسے لکھواتے ”عزیز حکیم“ یا ”حکیم علیم“ تو وہ دونوں

---

[1] مسند أحمد (۳/ ۱۲۰) اسے امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

میں سے ایک طرح لکھ دیتا، رسول کریم ﷺ فرماتے: ''سب ٹھیک ہے۔''

اس روایت میں اس امر کی وضاحت ہے، اس لیے کہ دونوں کلمات نازل ہو چکے تھے، رسول کریم ﷺ دونوں کو پڑھتے اور اسے فرماتے کہ ان دونوں حروف کو جیسے چاہو لکھو، دونوں ٹھیک ہیں۔ ایک روایت میں صراحتاً رسول کریم ﷺ سے منقول ہے کہ قرآن کریم ﷺ کو سات حروف پر اتارا گیا ہے، ان میں ہر ایک کافی شافی ہے، اگر تم کہو ''عزیز حکیم'' یا ''غفور رحیم'' تو دونوں ٹھیک ہیں مگر ایسا نہ ہو کہ جس آیت میں رحمت کا ذکر کیا گیا ہے اسے عذاب کے ذکر پر ختم کر دیا جس آیت میں عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اسے رحمت کے ذکر پر ختم کرو۔[1]

صحابہ کی ایک جماعت نے آیت کریمہ ﴿وَ اِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ کو اس طرح پڑھا ہے جبکہ قرآن مجید میں ﴿الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ہے۔ بکثرت احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جن سات حروف پر قرآن کو نازل کیا گیا ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک آیت کے آخر میں علی سبیل البدل مختلف اسمائے الٰہی میں سے کسی ایک اسم کو تبدیل کر کے پڑھا جائے۔ قاری کو اختیار ہے کہ جونسا اسم الٰہی چاہے تلاوت کرے۔ رسول کریم ﷺ اسے اختیار دیتے تھے کہ ان حروف کو جیسے چاہے لکھے۔ بعض اوقات رسول کریم ﷺ چند حروف میں ایک حرف تلاوت فرماتے، وہ آپ سے کہتا: کیا میں اس طرح لکھ لوں؟ اس لیے کہ اس نے بکثرت آپ کو دو حرفوں کے درمیان اختیار دیتے سنا تھا۔ رسول کریم ﷺ اسے فرماتے: ''دونوں یکساں ہیں'' اس لیے کہ آیت دو حرفوں کے مطابق اتری تھی۔ بعض اوقات وہ دو میں ایک حرف لکھتا اور رسول کریم ﷺ کو پڑھ کر سناتا تو آپ اس کی تائید فرماتے کہ ٹھیک ہے، اس لیے کہ وہ آیت یوں بھی اتری تھی۔

قرآنی آیات کو ''سمیع علیم''، ''علیم حلیم''، ''غفور رحیم''، ''سمیع بصیر''، ''علیم حلیم'' یا ''حکیم حلیم'' کے الفاظ سے اکثر جگہ ختم کیا گیا ہے۔ کسی ایک آیت کا متعدد حروف پر نازل ہونا ایک عام سی بات تھی۔ جب جبریل ہر رمضان میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ قرآن کا اعادہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٩٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨١٨) مصنف ابن أبي شيبة (٦/ ١٣٨) رقم الحديث (٣٠١١٨) المعجم الكبير للطبراني (٢٠/ ١٥٠) رقم الحديث (٣١٢) سنن أبي داود، رقم الحديث (١٤٧٧) مذکورہ بالا الفاظِ حدیث متعدد روایات سے ماخوذ ہیں، معجم کبیر کی روایت کو علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اور ابوداود کی روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

فرماتے تو اللہ نے اس موقع پر بعض حروف کو منسوخ کر دیا۔ جب آخری مرتبہ قرآن کریم ﷺ کا مذاکرہ ہوا تو اس وقت اس کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق پڑھا گیا، جو آج بھی لوگوں میں مقبول ہے۔ اسی قراءت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو جمع کیا تھا، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس واقعہ کو "الناسخ والمنسوخ" میں ذکر کیا ہے، اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو بھی اپنی کتاب "الناسخ المنسوخ" میں ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں بعض حروف کے نسخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس میں ایک اور وجہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جس کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم نے بطریق مسکین بن بکیر از معان از خلف روایت کیا ہے کہ ابن ابی سرح رسول کریم ﷺ کے لیے قرآن لکھا کرتا تھا۔ جب بھی رسول کریم ﷺ سے آیات کے آخری لفظ "یعملون، یفعلون" کے بارے میں سوال کرتا تو رسول کریم ﷺ اسے فرماتے: "ان میں سے جو لفظ چاہو لکھ لو۔" راوی نے کہا: پھر اللہ اسے صحیح لفظ پہچاننے کی توفیق دیتا۔ ابن ابی سرح مرتد ہو کر اہل مکہ کے یہاں آ گیا۔ انھوں نے کہا: اے ابن ابی سرح! تم ابن ابی کبشہ (نعوذ باللہ من ذلک۔ کفار مکہ تحقیراً آپ کو اس نام سے یاد کیا کرتے تھے) کے لیے قرآن کیسے لکھا کرتے تھے؟ اس نے کہا: میں جیسے چاہتا لکھتا تھا، تب مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ ﴾ [الأنعام: ۹۳][1]

"اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے، حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کیا گیا۔"

فتحِ مکہ کے دن رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ابن ابی سرح کو پکڑے تو اس کی گردن اڑا دے، جہاں بھی اسے پائے اگرچہ وہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا ہو۔" اس اثر میں ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ سے دو جائز حروف کے بارے میں سوال کرتا تو آپ اسے فرماتے: "ان میں سے جو چاہو لکھ لو"، اللہ اس کو درست لکھنے کی توفیق دیتا اور دونوں میں سے جو حرف اللہ کو عزیز ہوتا وہ لکھتا، وہ دونوں حرف نازل شدہ ہوتے یا صرف وہ لکھتا جو اللہ کا نازل کردہ ہوتا، بشرطیکہ دوسرا نازل شدہ نہ ہوتا۔

[1] تفسیر الطبري (۷/ ۲۷۳)

رسول کریم ﷺ کی طرف سے یہ اختیار یا تو وسعت پر مبنی ہوتا، اگر وہ دونوں نازل شدہ ہوتے، یا اللہ کی حفاظت پر اعتماد کرتے اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ صرف وہی لکھے گا جس کو اللہ نے نازل کیا ہے، اور اس کتاب میں اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا جس کی حفاظت کی ضمانت خود اللہ نے لی ہو اور جس کے بارے میں فرمایا ہو کہ باطل نہ اس کے آگے سے اس میں گھس سکتا ہے، نہ پیچھے سے۔

بعض علماء نے ایک تیسری وجہ بھی ذکر کی ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات وہ رسول کریم ﷺ سے مکہ میں ایک آیت سنتا اور جب اس میں سے ایک یا دو کلمات باقی رہتے تو جو کچھ پڑھا ہوتا تھا اس سے اندازہ لگا تا کہ اس کے آگے فلاں الفاظ باقی ہیں جیسا کہ ایک ذہین و فطین آدمی کا شیوہ ہے، چنانچہ وہ اسے لکھ لیتا اور پھر رسول کریم ﷺ کو پڑھ کر سناتا تو آپ ﷺ فرماتے: ''یہ اسی طرح اتری ہے''۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مندرجہ ذیل آیت کے متعلق پیش آیا:

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ [المؤمنون: ١٤] [1]

''پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب پیدا کرنے والوں سے اچھا ہے۔''

کلبی نے بطریق ابو صالح از عباس اس واقعہ میں اسی طرح روایت کیا ہے اگرچہ یہ اسناد ثقہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے ابن ابی سرح سے نقل کیا ہے کہ اس نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا تھا اور بعض اوقات وہ وحی بھی لکھا کرتا تھا۔ جب آپ اسے ''عزیز حکیم'' لکھواتے تو وہ ''غفور رحیم'' لکھ دیتا، رسول کریم ﷺ فرماتے کہ ''دونوں یکساں ہیں۔'' جب یہ آیت اُتری:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ [المؤمنون: ١٢ تا ١٤]

''ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔''

تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اظہارِ حیرت کیا اور کہا:

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ [المؤمنون: ١٢ تا ١٤]

---

[1] دیکھیں: مسند الطیالسي (١/ ٩) رقم الحدیث (٤١)

''بابرکت ہے اللہ جو سب پیدا کرنے والوں سے بہتر ہے۔''

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ آیت اسی طرح اتاری گئی ہے، تم اسے لکھ لو۔'' تو تب اسے شک ہوا اور کہا کہ اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو مجھ پر بھی انھی کی طرح وحی نازل ہوئی ہے اور اگر جھوٹے ہیں تو میں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح انھوں نے کہا۔ تب سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر (۹۳) نازل ہوئی۔[1]

مگر اس روایت کو اس لیے ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ یہ بات حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ بعض اہل علم نے ایک اور بات کہی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف یہ بات مذکور ہے کہ ابن ابی سرح لکھنے کے بعد رسول کریم ﷺ کو سنایا کرتا تھا، آپ ﷺ اس کو لکھواتے ''سمیعاً علیماً'' تو وہ کہتا: میں نے ''سمیعاً بصیراً'' لکھ لیا ہے، رسول کریم ﷺ فرماتے کہ ''اسے رہنے دو'' یا فرماتے: ''تم جیسے چاہو لکھ لو'' واقدی کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ اسے فرماتے: ''اللہ نے اسی طرح نازل کیا ہے''، پھر آپ ﷺ اسے برقرار رہنے دیتے۔

رسول کریم ﷺ کو کاتبوں کی ضرورت تھی:

علماء کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو کاتبوں کی ضرورت تھی کیونکہ صحابہ میں لکھنے والوں کی قلت تھی اور ضرورت کے وقت کاتب نہ ملتے تھے، مزید برآں عربوں پر امیت غالب تھی حتی کہ اس عظیم ملک میں کاتب تلاش کیا جاتا مگر نہیں ملتا تھا۔ ان میں سے جب کوئی خط یا عریضہ لکھنے کا ارادہ کرتا تو کاتب کے حصول میں بڑی دشواری پیش آتی۔ جب رسول کریم ﷺ کو کاتب میسر آ جاتا تو اس کو غنیمت سمجھتے، اگر کاتب اس میں کمی بیشی کر دیتا تو کاتب کی نایابی کی وجہ سے اس سے کچھ تعرض نہ کرتے۔ آپ اسے تبدیل کرنے کا حکم اس لیے نہ دیتے کہ کہیں ناراض ہو کر تحریر مکمل کرنے سے قبل لکھنا بند نہ کر دے۔ اس بات پر بھروسہ کرتے ہوئے کہ قاری جب اگلے الفاظ کو پڑھے گا تو ان ایک دو کلمات کو اپنے دل یا حافظہ میں محفوظ کلام کی بنیاد پر خود ہی درست کر لے گا، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۝ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ﴾

[الأعلیٰ: ٦، ٧]

''ہم تجھے پڑھائیں اور تو نہیں بھولے گا مگر جو اللہ چاہے، وہ اس کو جانتا ہے جو بلند ہو اور جو پوشیدہ ہو۔''

---

[1] تفسیر القرطبي (٧/ ٤٠)

مصحف عثمان رضی اللہ عنہ عرضۂ اخیرہ پر مبنی ہے:

ان وجوہ میں سے پہلی وجہ صحیح تر ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید کو متعدد حروف پر نازل کیا گیا تھا، اس لیے کہ علمائے سلف کے نزدیک پسندیدہ قول، جس پر عام احادیث اور صحابہ کی مختلف قراءتیں دلالت کرتی ہیں، یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جس مصحف پر جمع کیا تھا وہ ''حروف سبعہ'' میں سے ایک ہے اور یہ ''عرضۂ اخیرہ'' کے مطابق ہے۔ جب دوسری مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کے ساتھ قرآن مجید کا مذاکرہ کیا تھا، نیز یہ کہ حروف سبعہ اس مصحف سے خارج ہیں۔ حروف سبعہ میں کلمات مختلف ہو جاتے تھے مگر معنی و مفہوم میں تضاد یا اختلاف نہیں پیدا ہوتا تھا۔

حدیث دہم:

دو گلوکار لونڈیوں کا واقعہ: دسویں حدیث دو گلوکار لونڈیوں کے واقعہ پر مشتمل ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو پر مشتمل اشعار گایا کرتی تھیں۔ تیسری بنی ہاشم کی لونڈی تھی، علمائے سیرت کے نزدیک یہ مشہور واقعہ ہے۔ قبل ازیں سعید بن المسیب کی روایت میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فَرْتَنی نامی لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں زہری سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھیں اور صرف اسی سے لڑیں جو لڑائی کا آغاز کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار آدمیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطل کی دو لونڈیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو پر مشتمل اشعار گایا کرتی تھیں۔ راوی نے کہا کہ ایک لونڈی کو قتل کیا گیا، دوسری چھپ گئی اور پھر اسے امان دی گئی۔ محمد بن عائذ القرشی نے اپنے مغازی میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ابن بکیر نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے اور اپنے لشکر کو تقسیم کر دیا تو انھیں حکم دیا کہ صرف اسی کو قتل کریں جو ان سے لڑے، ماسوا چند اشخاص کے جن کا نام لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو قتل کر دو اگرچہ ان کو کعبے کے پردوں کے نیچے پاؤ۔'' ان میں سے ایک عبداللہ بن خطل تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ مسلمان تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صدقات کی فراہمی کے لیے بھیجا۔ آپ نے اس کے ہمراہ انصار کے ایک آدمی کو

بھیجا، اس کے ساتھ ایک آزاد کردہ غلام تھا جو مسلمان تھا اور اس کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور اپنے غلام کو ایک مینڈھا ذبح کرنے اور کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ سو کر اٹھا اور کھانا تیار نہ کیا۔ ابن خطل نے اس پر تجاوز کیا اور اسے قتل کر دیا، پھر مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا۔

اس کی ایک لونڈی تھی جس کی ایک سہیلی تھی، دونوں رسول کریم ﷺ کے خلاف ہجویہ اشعار گایا کرتی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے ابن خطل اور اس کی دونوں لونڈیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ ان میں ایک شخص مقیس بن صبابہ تھا جس نے ایک انصاری کو اس لیے قتل کیا تھا کہ انصاری نے اس کے بھائی کو قتل کیا تھا، نیز سارہ بنی عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی جو مکہ میں رسول کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھی۔[1]

اموی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے چند آدمیوں اور عورتوں کو قتل کرنے کا عہد لیا، آپ نے فرمایا: ''اگر تمھیں وہ کعبہ کے پردوں کے نیچے بھی ملیں تو قتل کر دو۔ آپ ﷺ نے ان چھ آدمیوں کے نام لیے جو یہ ہیں:

۱۔ ابن ابی سرح۔ ۲۔ ابن خطل۔ ۳۔ حویرث بن نقید۔

۴۔ مقیس بن صبابہ ۵۔ ایک آدمی بنی تیم بن غالب سے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے بتایا کہ وہ چھ آدمی تھے۔ اس نے دو آدمیوں کے نام چھپا لیے اور چار کے نام بتائے۔ عورتیں ابن خطل کی دو گلوکار لونڈیاں تھیں اور ایک سارہ بنی عبدالمطلب کی آزاد لونڈی، پھر کہا کہ دونوں گلوکار لونڈیاں رسول کریم ﷺ کی ہجو (پر مشتمل اشعار) گایا کرتی تھی اور سارہ، جو ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی تھی، وہ اپنی زبان سے رسول کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھی۔

واقدی اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ لڑنے سے منع کیا۔ آپ نے چھ آدمیوں اور چار عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، پھر اس نے ان کو گنا۔ ابن خطل۔ کہتے ہیں کہ سارہ عمرو بن ہاشم کی لونڈی تھی اور دو گلوکار لونڈیاں ابن خطل کی تھیں۔ ایک کا نام فرتنی اور دوسری کا قریبہ تھا اور بعض ان کا نام فرتنی اور ارنب بتاتے ہیں، پھر کہا: ابن خطل کا جرم یہ تھا کہ اسلام لایا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول کریم ﷺ نے اس کو عامل بنا کر بھیجا اور اس کے ساتھ قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کو بھی بھیجا۔ وہ کھانا پکاتا اور اس کی خدمت کرتا تھا۔ ابن ابی سرح ایک مجلس میں اترا اس نے خزاعی کو کھانا پکانے کا حکم دیا، ابن ابی سرح دوپہر کو سو گیا وہ جاگا تو خزاعی ابھی سو رہا تھا اور اس نے کھانا تیار نہ

---

[1] سیرت ابن هشام (۲/ ٤٠٩)

کیا۔ ابن ابی سرح اسے مارنے لگا یہاں تک کہ اُسے قتل کر دیا، پھر کہنے لگا: بخدا! اگر میں محمد ﷺ کے پاس گیا تو وہ مجھے قتل کر دے گا، چنانچہ اسلام سے منحرف ہو کر مکہ پہنچا اور جو صدقہ فراہم کیا تھا وہ بھی لے گیا۔

اہل مکہ نے اس سے دریافت کیا: کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا: میں نے تمھارے دین سے بہتر کوئی دین نہیں پایا، چنانچہ وہ شرک پر برقرار رہا۔ اس کی دو فاسق گلوکار لونڈیاں تھیں۔ ابن خطل ہجویہ اشعار کہتا اور ان کو گانے کا حکم دیتا۔ اس کے اور اس کی لونڈیوں کے پاس لوگ آتے، شراب پیتے اور یہ انھیں ہجویہ اشعار گا کر سناتیں۔

عمرو بن ہاشم کی لونڈی سارہ مکہ میں نوحہ گر عورت تھی، عمرو اسے ہجویہ اشعار سناتا اور وہ انھیں گاتی تھی۔ یہ صلہ مانگنے کے لیے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی حاجت طلب کی، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا گلوکاری اور نوحہ گری تمھارے لیے کافی نہیں ہے؟'' اُس نے کہا: اے محمد ﷺ! جب سے بدر میں سردارانِ مکہ مارے گئے ہیں، لوگوں نے گانا سننا چھوڑ دیا ہے، چنانچہ رسول کریم ﷺ اس سے خوش اخلاقی سے پیش آئے اور ایک بارِ شتر غلہ اسے دیا، پھر یہ قریش کی طرف لوٹ آئی اور ان کے دین پر قائم رہی۔ فتح مکہ کے روز آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ ماری گئی۔

باقی رہیں دو گلوکار لونڈیاں تو رسول کریم ﷺ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، ان میں سے ایک ارنب یا قریبہ ماری گئی، فرتنی کو امان دے دی گئی، وہ زندہ رہی اور خلافتِ عثمانی میں اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی دیت آٹھ ہزار درہم مقرر کی اور شدتِ جرم کی وجہ سے اس میں دو ہزار کا اضافہ کیا۔

لونڈیوں کے واقعہ سے استدلال:

دونوں گلوکار لونڈیوں کے بارے میں علمائے سیرت کے یہاں اتفاق پایا جاتا ہے۔ اس واقعہ کو اس قدر شہرت نصیب ہوئی کہ اخبار آحاد کی ضرورت باقی نہ رہی۔ بنو ہاشم کی لونڈی کا تذکرہ عام اہل مغازی اور بڑے باخبر اہل علم نے کیا ہے، تاہم بعض نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اندازِ استدلال یہ ہے کہ محض کفر اصلی کی وجہ سے عورت کو دانستہ قتل کرنا اجماعاً جائز نہیں۔ یہ رسول اکرم ﷺ کی مشہور سنت ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کسی لڑائی میں ایک عورت کی لاش ملی تو رسول کریم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠١٤، ٣٠١٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٤٤)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ کسی جنگ میں عورت کی لاش ملی۔ رسول کریم ﷺ نے اس کے قتل کو ناپسند فرمایا اور کہا: ''یہ جنگ تو نہیں کرتی تھی''، پھر ایک شخص سے کہا: خالد کو مل کر کہو کہ مزدور اور بچے کو قتل نہ کرے۔''[1] (ابو داود)

امام احمد نے مسند میں کعب بن مالک سے روایت کیا ہے، اس نے اپنے چچا سے روایت کی کہ رسول کریم ﷺ نے جب اس کو خیبر میں ابن ابی الحقیق کی طرف بھیجا تو آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا۔[2]

علمائے سیرت کے نزدیک یہ بات مشہور ہے۔ حدیث میں بروایت زہری از عبداللہ بن کعب مروی ہے کہ پھر اس کے بالا خانے پر چڑھے اور دروازہ کھٹکھٹایا، ان کی طرف ایک عورت نکلی اور اس نے کہا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم عرب کے ایک قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور غلہ لینے کے لیے آئے ہیں۔ عورت نے دروازہ کھول دیا اور کہا: گھر میں تمھارے قریب ہی ایک آدمی بھی ہے، ہم نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا، وہ عورت اونچی آواز سے بولنے اور چلانے لگی۔ رسول کریم ﷺ نے جب ہمیں بھیجا تھا اس وقت بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع کیا تھا۔ ہم میں سے ایک شخص اس پر تلوار اٹھاتا اور پھر اسے رسول کریم ﷺ کی ممانعت یاد آ جاتی تو اپنا ہاتھ روک لیتا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم رات ہی کو فارغ ہو جاتے۔[3]

اسی طرح یونس بن بکیر نے بطریق عبداللہ بن کعب بن مالک از عبداللہ بن انیس نقل کیا ہے کہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے دروازہ کھولا۔ میں نے عبداللہ بن عقیل سے کہا اسے پکڑ لو، چنانچہ اس نے تلوار بلند کی، پھر اس کی عورت گئی تو میں نے اس پر تلوار بلند کی، اندریں اثنا مجھے یاد آ گیا کہ رسول کریم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے تو میں رک گیا۔ اسی طرح متعدد راویوں نے ابن انیس سے روایت کیا ہے کہ اس کی عورت چلائی، ہم میں سے بعض نے اس طرف جانے کا ارادہ کیا، پھر ہمیں یاد آ گیا کہ رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کے قتل سے منع کیا ہے۔[4]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٦٦٩) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٨٤٢) اسے امام حاکم اور ذہبی، ابن حبان اور بوصیری رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] مسند أحمد (٣٩/ ٥٠٦)

[3] سيرت ابن هشام (٢/ ٢٧٣) دلائل النبوة للبيهقي (٤/ ٣٣)

[4] مغازي للواقدي (١/ ٣٩٢)

عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت کب ہوئی؟

بلا اختلاف یہ واقعہ فتح مکہ بلکہ فتحِ خیبر سے بھی پہلے کا ہے۔ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ ۴ھ، ماہ ذوالحجہ غزوۂ خندق سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ خندق کے بعد پیش آیا۔ ان دونوں کا خیال ہے کہ خندق کا واقعہ ماہ شوال ۵ھ کو پیش آیا۔ بخلاف ازیں موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ خندق کا واقعہ ۴ھ کو پیش آیا، حضرت ابن عمر کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مکہ مکرمہ ماہِ رمضان ۸ھ کو فتح ہوا۔

ہم نے اس کا تذکرہ اس شخص کے وہم کو دور کرنے کے لیے کیا ہے جو اس زعم میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ فتح مکہ والے سال عورتوں کو قتل کرنا مباح تھا اس کے بعد حرام ہوا، ورنہ اہل علم کے نزدیک اس میں شبہ نہیں کہ عورتوں کو قتل کرنا کسی وقت بھی مباح نہ تھا، اس لیے کہ آیات قتال اور ان کی ترتیب نزول اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو قتل کرنا جائز نہ تھا۔ علاوہ ازیں وہ عورتیں جو اس وقت ابن ابی الحقیق کے قلعہ میں تھیں، یہ لوگ ان کو قیدی نہیں بنانا چاہتے تھے بلکہ یہ عورتیں اہل خیبر کے نزدیک اس کے فتح ہونے سے بہت پہلے وہاں بند تھیں، نیز یہ کہ عورت چلائی اور وہ اس کی آواز کے شر کی وجہ سے خائف تھے، تاہم انھوں نے اس عورت کو قتل نہ کیا۔ انھیں امید تھی کہ ڈرانے سے اس کا شر جاتا رہے گا۔

ہاں یہ بات ہے کہ عورت کو قتل کرنے کا ارادہ حرام ہے، البتہ اگر ہم مردوں پر غارت گری کریں یا منجنیق سے پتھر پھینکیں یا شہر کا ایک حصہ فتح کریں یا آگ پھینکیں اور اس سے عورتیں اور بچے تلف ہوجائیں تو ہم اس سے گناہ گار نہ ہوں گے۔ اس کی دلیل صعب بن جثامہ کی روایت ہے کہ اس نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر ہم کسی محلہ پر شب خون ماریں اور کچھ بچے قتل ہوجائیں تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''وہ انھیں میں سے ہیں۔''[1]

نیز اس لیے کہ رسول کریم ﷺ نے طائف والوں پر منجنیق سے پتھر پھینکے تھے،[2] حالانکہ پتھر بچے اور عورت کو بھی لگ سکتا ہے، بہرکیف حربی عورت کی کوئی ضمانت ہے نہ دیت وقصاص اور کفارہ، اس لیے کہ لڑائیوں میں اگر کوئی شخص کسی عورت کو قتل کر دیتا تو رسول کریم ﷺ اسے کسی چیز کا حکم نہ دیتے تھے اس سے حربی اور ذمی عورت کا فرق واضح ہوجاتا ہے۔ اگر حربی عورت لڑتی ہو تو اسے قتل کرنا

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠١٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٤٥).

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٧٦٢) مراسيل أبي داود (ص: ١٦٥) رقم الحديث (٢٩٩). موصولاً صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے۔

بالاتفاق جائز ہے، اس لیے کہ عورت کو قتل کرنے کی ممانعت کی علت رسول کریم ﷺ نے یہ فرمائی تھی کہ وہ لڑتی نہ تھی۔ جب وہ عملاً جنگ میں حصہ لے گی تو اس کو قتل کرنے کا مقتضی پایا جائے گا اور مانع باقی نہیں رہے گا۔

مگر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت سے لڑا جائے گا جس طرح ایک مسلمان کسی حملہ آور سے لڑتا ہے۔ اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا جائے گا بلکہ دفاع مقصود ہوگا، اگر عورت بے بس ہو جائے تو اسے قتل کرنا جائز نہ ہوگا۔ دوسرے علماء کے نزدیک لڑنے کی صورت میں عورت جنگجو آدمی کی طرح ہوگی (اور اسے قتل کرنا جائز ہوگا۔)

جب یہ بات طے ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ عورتیں عورت ہونے کی بنا پر معصوم الدم تھیں، پھر آپ نے محض ہجو کرنے کی بنا پر ان کے قتل کا حکم دیا، حالانکہ وہ دارالحرب میں تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص آپ ﷺ کی ہجو کرے اور گالی دے تو ہر حال میں اسے قتل کرنا جائز ہے۔ اس کی تائید و حمایت مندرجہ ذیل وجوہ سے ہوتی ہے:

پہلی وجہ: ہجو گوئی اور گالی گلوچ یا تو قتال باللسان کی قسم سے ہے اور اس لیے قتال بالید میں شامل ہے۔ ہجو گو عورت اس خاتون کی مانند ہے جس کی رائے سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں فائدہ اٹھایا جائے، مثلاً: ملکہ یا اس قسم کی عورت، جیسے ہند بنت عتبہ بن ربیعہ و زوجۂ ابی سفیان و والدۂ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، یا اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے کی وجہ سے بذات خود قتل کیے جانے کی موجب ہو، اس لیے کہ یہ بھی ایک قسم کا محاربہ ہے یا ان میں سے کچھ بھی نہ ہو۔

اگر عورت پہلی یا دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہو تو گالیاں دینے کی صورت میں ذمی عورت کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ اندریں صورت وہ محاربہ ہے اور اس نے ایسے کام کا ارتکاب کیا ہے جو اس کے قتل کا موجب ہے۔ اگر ذمی عورت ایسا کرے گی تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کیا جائے گا۔ وہ ان دو قسموں سے ہرگز خارج نہیں ہو سکتی کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ایک حربی عورت کو قتال بالید واللسان اور کسی ایسے کام کے ارتکاب کے بغیر قتل کیا جائے جو بنفسہ قتل کا موجب ہو۔ ایسی عورت کو قتل کرنا سنت و اجماع کے خلاف ہے۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حربی عورتیں ہیں۔ انھوں نے دار الحرب میں رسول کریم ﷺ کو ستایا تھا، لہٰذا گالی دینے کی وجہ سے ان کو قتل کیا گیا، جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے،

پس ذمی عورت کو مسلمہ کی طرح قتل کرنا اولیٰ و احسن ہے، اس لیے کہ ہمارے اور ذمی عورت کے درمیان عہد ہے جو علانیہ گالی دینے سے اسے مانع ہے۔ علاوہ ازیں ذلت و رسوائی کا التزام ذمی عورت پر لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ مسلم کا خون بہائے یا اس کی ناموس و آبرو کو نقصان پہنچائے تو اسے پکڑا جا سکتا ہے اور ان جرائم کی بنا پر حربی عورت کو پکڑا نہیں جا سکتا۔ جب حربی عورت کو رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے قتل کیا جا سکتا ہے، حالانکہ وہ کسی مانع کے بغیر اسے مباح سمجھتی ہے تو ذمی عورت کو اس جرم میں قتل کرنا، جبکہ گالی دینے سے اسے عہد کی بنا پر روکا گیا ہے، اولیٰ و افضل ہے۔

اگر معترض کہے کہ ذمی کے خون کا معصوم ہونا مؤکد تر ہے، اس لیے کہ اس کی ضمانت دی گئی ہے اور حربی کے خون کی ضمانت نہیں دی گئی تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ذمی بھی خونِ مسلم کا ضامن ہے اور حربی غیر ضامن ہے، پس ذمی ضامن بھی ہے اور مضمون بھی، اس لیے کہ اس عہد کا تقاضا ہے جو ہمارے اور اس کے درمیان منعقد ہوا ہے۔ باقی رہی حربی عورت تو ہمارے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں جو اس کا مقتضی ہو، پس اگرچہ ہم ذمی کی جان کے ضامن ہیں اور اس کی حفاظت ہم پر لازم ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی بنا پر ناموسِ رسول میں رخنہ اندازی اور ہتکِ حرمت اس کے لیے جائز ہو جائے بلکہ اس سے اس کا جرم بڑھ جاتا ہے اور وہ اس بات کے بہت لائق ہوگا کہ ایذا رسانی کی بنا پر اس کا مواخذہ کیا جائے۔ جس جرم کی وجہ سے حربی عورت کو قصداً قتل کرنا درست ہے اس میں ذمی عورت کو بالاولیٰ قتل کیا جا سکتا ہے۔

تیسری وجہ: تیسری وجہ یہ ہے کہ ان عورتوں نے فتحِ مکہ والے سال جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا بلکہ یہ ذلیل و رسوا اور مسلمانوں کی اطاعت گزیں تھیں اور ہجوگوئی اگر قتال شمار ہوتی ہے تو وہ پہلے بھی موجود تھی۔ ایک حربی عورت اگر کسی جگہ میں پُر امن رہے تو اسے اس بنا پر قتل نہیں کیا جا سکتا کہ قبل ازیں اس نے جنگ لڑی تھی، پس معلوم ہوا کہ گالی بنفسہٖ ان عورتوں کے خون کو مباح کرنے والی ہے نہ کہ وہ سابقہ لڑائی جو انھوں نے لڑی تھی۔

چوتھی وجہ: رسول اکرم ﷺ نے تمام اہل مکہ کو امن دیا تھا بجز ان کے جو جنگ کریں، حالانکہ قبل ازیں وہ آپ ﷺ سے لڑ کر آپ کے صحابہ کو قتل کر چکے تھے اور انھوں نے اس معاہدہ کو توڑ دیا تھا جو ہمارے اور ان کے درمیان تھا مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان عورتوں کا خون ھدر قرار دیا اور استثنا کردہ لوگوں میں شامل نہ کیا اگرچہ انھوں نے جنگ نہیں کی تھی۔ محض اس لیے کہ یہ آپ کو ایذا دیا

کرتی تھیں، پس ثابت ہوا کہ گالی دے کر رسول کریم ﷺ کو ستانے والے کا جرم لڑائی سے بھی شدید تر ہے، لہٰذا اس کو اسی وقت قتل کیا جائے جبکہ اسے لڑنے اور قتل کرنے سے منع کیا گیا تھا۔

پانچویں وجہ: دونوں گلوکار عورتیں لونڈیاں تھیں اور ان کو ہجوگوئی کا حکم دیا گیا تھا اور لونڈی کو قتل کرنا آزاد عورت کے قتل کرنے سے بھی بعید تر ہے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ نے مزدور کو قتل کرنے سے منع کیا تھا۔[1] اور اس سے لونڈی کا جرم خفیف تر ہو جاتا ہے کہ اسے ہجوگوئی کا حکم دیا گیا، اس لیے کہ اس نے از خود ابتداءً اس کا ارتکاب نہیں کیا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موجباتِ قتل میں سے گالی دینا غلیظ تر جرم ہے۔

چھٹی وجہ: چھٹی وجہ یہ ہے کہ ان عورتوں کو یا تو ہجوگوئی کی وجہ سے قتل کیا گیا، اس لیے کہ انھوں نے عہد کے باوجود اس کا ارتکاب کیا، پس یہ ذمی کی ہجوگوئی کے قبیل سے ہے، یا محض ہجوگوئی کی وجہ سے ان کو قتل کیا گیا اور ان کے ساتھ معاہدہ نہ تھا۔ اگر پہلی بات ہے تو مطلوب بھی وہی ہے، اگر دوسری بات ہے تو جب گالیاں دینے والی غیر معاہدہ کو قتل کیا جاسکتا ہے تو جس کو عہد کی بنا پر گالی دینے سے روکا گیا ہے، اس کو گالی دینے کے جرم میں قتل کرنا اولیٰ ہے، اس لیے کہ کسی عورت کا کفرِ محض اور اس کا حربی ہونا اس کے خون کو بالاتفاق مباح نہیں کرتا، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، خصوصاً جبکہ گالی دینا قتال کے برابر نہیں ہے، جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

اگر معترض کہے کہ تردید کی وجہ کیا ہے جبکہ سب اہل مکہ عہد توڑ کر محارب بن چکے تھے؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس نقضِ عام کے باوجود رسول کریم ﷺ نے ان کا مال لینے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنانے کی اجازت نہیں دی تھی یا تو آپ نے اس طرح معاف کر دیا جس طرح لڑائی نہ کرنے والے کے قتل کو معاف کیا یا اس لیے کہ بعض آدمیوں سے جو نقضِ عہد کا جرم بنو بکر کی امداد کرنے کی وجہ سے صادر ہوا تھا اور بعض سے اس کا اقرار کرنے کی بنا پر، اس کا حکم ان کی اولاد کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا۔

اس کی توضیح اس امر سے ہوتی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بنو بکر کو خزاعہ سے اور دس یا اس سے کم و بیش آدمیوں کے نام لے کر ان کے سوا باقی سب لوگوں کو امان دے دی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٦٦٩) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٨٤٢) اسے امام حاکم اور ذہبی، ابن حبان اور بوصیری رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

بنوبکر نے خزاعہ کے آدمیوں کو قتل کر کے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ عہد توڑ کر خون کو مباح کرنے والا کام کرنے اور محض عہد توڑنے اور دوسرا کوئی جرم نہ کرنے کے درمیان فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ بہر کیف، ان عورتوں کو حرب عام اور نقض عام کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کا خاص جرم گالی دینا ہے جس کے فاعل کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، خواہ اس کے ساتھ اس کے معاہد ہونے کو شامل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

واضح رہے کہ قبل ازیں جن عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے ان کو قتل کیا گیا، مثلاً: یہودی عورت، ام ولد اور عصماء، تو اگر ان کا معاہد ہونا ثابت نہ بھی ہو تو اس کے ساتھ استدلال جائز ہوگا، اس لیے کہ افعال و اقوال جن کی وجہ سے ایک غیر مسلمہ اور غیر معاہد کو قتل کیا جا سکتا ہے معاہدہ عورت کو ان کے باعث قتل کرنا اولیٰ و احسن ہے، اس لیے کہ قتل کے موجبات ذمیہ کے حق میں غیر ذمیہ کی نسبت وسیع تر ہیں۔ جو بات اس پر دلالت کرتی ہے ان میں سے ایک عورت کا واقعہ ہے جو آپ کو گالیاں دیا کرتی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون مجھے میرے دشمن سے بچائے گا؟'' چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے اور اسے قتل کر دیا۔[2]

گیارہویں حدیث:

ابن خطل کا واقعہ: بعض اہل علم نے اس پر ابن خطل کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں بطریق زہری از انس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ فتح مکہ والے سال مکہ میں داخل ہوئے اور آپ نے آہنی خود پہن رکھی تھی۔ جب آپ ﷺ نے اسے اتارا تو ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے قتل کر دو۔''[3]

اس روایت کے نقل کرنے پر سب اہل علم کا اتفاق ہے اور وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ نے ابن خطل کے خون کو فتح مکہ کے روز ہدر قرار دیا اور اسے قتل کیا گیا۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ ابن خطل پردے

---

[1] مسند أحمد (۲/ ۱۷۹، ۲۰۷) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: ٦/ ۱۸۰)

[2] مصنف عبد الرزاق (٥/ ۳۰۷) رقم الحدیث (۹۷۰٥) اس کی سند میں عروہ بن محمد کا استاذ مجہول ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ دشنام طرازی مردنے کی تھی جس کی تفصیلِ تخریج گزر چکی ہے۔

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (١٨٤٦) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۳۵۷)

کے ساتھ لٹکا ہوا تھا کہ ابو برزہ اس کے پاس آئے اور اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ واقدی نے ابو برزہ سے روایت کیا ہے کہ آیت کریمہ ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ [البلد: ۱] میرے بارے میں نازل ہوئی۔ عبداللہ بن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، میں نے اسے باہر نکالا اور رکن و مقام کے درمیان اس کی گردن اڑا دی۔

واقدی نے ذکر کیا کہ ابن خطل مکہ کی بالائی جانب سے آیا۔ وہ لوہے میں ڈوبا ہوا تھا، پھر نکل کر ''خندمہ'' کے پہاڑ کے قریب آیا تو اس نے مسلمانوں کا لشکر دیکھا اور سمجھا کہ لڑائی ہونے والی ہے وہ اس قدر مرعوب ہوا کہ اس پر کپکپی طاری تھی، یہاں تک کہ کعبہ پہنچا، اپنے گھوڑے سے اترا اور ہتھیار پھینک دیے۔ وہ بیت اللہ میں آ کر اس کے پردوں میں داخل ہو گیا۔ ہم علمائے مغازی سے نقل کر چکے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اسے صدقے کی فراہمی پر مقرر کیا تھا، ایک آدمی اسے خدمت کے لیے دیا، وہ اپنے رفیق پر اس لیے ناراض ہوا کہ اس نے کھانا نہ پکایا، چنانچہ ابن خطل نے اسے قتل کر دیا، پھر ڈر کے مارے مرتد ہو گیا اور زکوۃ کے اونٹ بھی لے گیا۔ وہ اشعار میں رسول کریم ﷺ کی ہجو کہا کرتا تھا اور اپنی دونوں لونڈیوں سے یہ اشعار گانے کی فرمائش کرتا تھا۔ اس طرح اس کے تین ایسے جرائم تھے جس سے کسی کا بھی خون مباح ہو جاتا ہے:

۱۔ قتلِ نفس۔ ۲۔ ارتداد۔ ۳۔ ہجو گوئی۔

ابن خطل کے واقعہ سے استدلال کرنے والے کہتے ہیں کہ اس کو قتلِ نفس کی وجہ سے نہیں مارا گیا تھا، اس لیے کہ جو شخص کسی کو قتل کر کے مرتد ہو جائے اس کی زیادہ سے زیادہ سزا یہ ہے کہ اسے قصاص میں قتل کیا جائے۔ خزاعہ کے قبیلے میں سے جس شخص کو قتل کیا گیا اس کے اولیاء بھی تھے۔ اگر اسے قصاص میں قتل کرنا ہوتا تو اسے مقتول کے اولیاء کی تحویل میں دے دینا چاہیے، یا تو وہ اسے قتل کریں گے یا معاف کر دیں گے یا دیت قبول کریں گے۔ اسے محض ارتداد کی وجہ سے بھی قتل نہیں کیا گیا، اس لیے کہ مرتد سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اگر وہ مہلت طلب کرے تو اسے مہلت دی جاتی ہے اور ابن خطل بیت اللہ میں امان لینے آیا تھا۔ اس نے جنگ کو ترک کر دیا اور اسلحہ پھینک دیا تھا یہاں تک کہ اس کے معاملہ میں غور کیا گیا۔ جب رسول کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جس کو محض ارتداد کی بنا پر قتل کیا جائے اس کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا جاتا۔

پس ثابت ہوا کہ اس کے قتل میں یہ سختی گالی گلوچ اور ہجو گوئی کی وجہ سے ہے۔ گالی دینے والا مرتد

بھی ہو جائے تو وہ محض مرتد کی طرح نہیں جس کو توبہ کا مطالبہ کرنے سے قبل قتل کیا جاتا ہے، اس کو قتل کرنے میں تاخیر نہیں کی جاتی۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ توبہ کے بعد اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

ابن خطل کے واقعہ سے استدلال:

ابن خطل کے واقعہ سے فقہاء کی ایک جماعت نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والا مسلمان بھی ہو تو اسے حداً قتل کیا جائے۔ اس پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ابن خطل حربی تھا، اس لیے اسے قتل کیا گیا۔

مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ بلاشبہ علمائے سیرت کے نزدیک مرتد تھا، اس لیے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اس کو قتل کرنا ضروری تھا، حالانکہ وہ اطاعت شعار تھا، قیدی کی طرح اس نے صلح کو قبول کر لیا تھا، پس معلوم ہوا کہ جو شخص مرتد ہو اور گالی دے تو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اسے قتل کیا جائے مگر مرتد محض کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ فتحِ مکہ والے سال رسول کریم ﷺ نے تمام محاربین کو امان دے دی تھی، ماسوا چند آدمیوں کے جو خصوصی مجرم تھے اور رسول کریم ﷺ نے صرف ان کے خون کو ھدر قرار دیا تھا، کسی اور کے خون کو نہیں، پس معلوم ہوا کہ اسے صرف کفر اور جنگ کرنے کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا تھا۔

بارہویں حدیث:

رسول کریم ﷺ نے جن کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا: رسول اکرم ﷺ نے چند آدمیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے، اس وجہ سے ان کو قتل بھی کیا گیا تھا، حالانکہ آپ نے محض کافروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا، وہ حربی ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ ہم نے قبل ازیں سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فتحِ مکہ کے دن ابن الزبعریٰ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب کی مرسل روایت نہایت قابل اعتماد ہوتی ہے۔ اگر بعض علمائے مغازی اس کا ذکر نہ بھی کریں تو اس سے روایت کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ علمائے سیرت کے یہاں اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ امان سے کن لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا؟ ہر شخص کو اس بارے میں کچھ علم تھا اسے بیان کر دیا اور جو شخص کسی چیز کا ذکر کرے تو وہ نہ ذکر کرنے والے پر حجت ہوتا ہے۔

بُجیر اور اس کے بھائی کعب بن زُہیر کا واقعہ:

ابن اسحاق رقمطراز ہیں:

''جب رسول اکرم ﷺ طائف سے لوٹ کر مدینہ آئے تو بُجیر بن زُہیر بن ابی سلمی نے اپنے بھائی کعب بن زُہیر کو اطلاع دی کہ مکہ میں جو شخص رسول کریم ﷺ کی توہین کیا کرتے تھے، آپ نے ان کو قتل کر دیا ہے اور قریش کے جو شاعر باقی تھے، مثلاً: عبداللہ بن الزبعری اور ہُبیرہ بن ابی وہب اِدھر اُدھر بھاگ گئے ہیں۔''

اس واقعہ میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان تمام شعراء کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جو مکہ میں شعر کہہ کر آپ کو دکھ دیتے تھے، مثلاً: ابن الزبعری وغیرہ۔

ابن الزبعری:

اس میں کوئی خفا نہیں کہ ابن الزبعری کا گناہ یہ تھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ حد درجہ عداوت رکھتا تھا اور زبان سے اس کا اظہار کرتا تھا۔ یہ بہت بڑا شاعر تھا اور شعرائے اسلام کی ہجو کہا کرتا تھا، مثلاً: حسان اور کعب بن مالک۔ باقی گناہوں میں یہ دوسروں کے ساتھ شریک تھا۔ ابن الزبعری نجران کی طرف بھاگ گیا تھا اور پھر اسلام قبول کر کے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے توبہ اور معذرت خواہی کے طور پر عمدہ اشعار کہے تھے۔ گالیاں دینے کی وجہ سے آپ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا تھا، حالانکہ آپ ﷺ نے تمام اہل مکہ کو امان دے دی تھی، ما سوا ان لوگوں کو جو اس جیسے جرائم کے مرتکب ہوئے تھے۔

ابوسفیان بن حارث:

ان میں سے ایک ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب بھی تھا۔ اس کی ہجوگوئی اور جب وہ تائب ہو کر آیا تو رسول کریم ﷺ کے اعراض کرنے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ واقدی نے بطریق سعید بن مسلم بن قماذین از عبدالرحمٰن بن سابط وغیرہ روایت کیا ہے کہ ابوسفیان رسول کریم ﷺ کا رضاعی بھائی تھا، حضرت حلیمہ سعدیہ نے چند روز اسے دودھ پلایا تھا۔ یہ رسول کریم ﷺ کا ہم عمر تھا اور آپ سے بہت محبت کرتا تھا۔ جب آپ کو مبعوث کیا گیا تو آپ سے اس قدر عداوت کرنے لگا کہ کسی نے نہ کی ہوگی۔ یہ شعب ابی طالب میں اقامت گزیں نہیں ہوا تھا۔

اس نے رسول کریم ﷺ اور صحابہ کی ہجو کہی تھی (تا آخر)، پھر اللہ نے اس کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ ابوسفیان نے کہا: اب میں کس کی صحبت اختیار کروں؟ اب اسلام ہر طرف چھا گیا ہے، پھر میں اپنی بیوی اور بچوں کے پاس آیا اور کہا: باہر نکلنے کے لیے تیار ہو جاؤ، محمد ﷺ کا لشکر آ گیا ہے۔ انھوں نے کہا:

> ''اب وقت آ گیا ہے کہ تم محمد ﷺ کی مدد کرو۔ سب عرب و عجم نے آپ ﷺ کی اطاعت قبول کر لی ہے اور تم اس کی عداوت میں بھاگے جا رہے ہو، حالانکہ تم ان کی امداد کے بہت لائق ہو۔ میں نے اپنے ''مذکور'' نامی غلام سے کہا: میرے اونٹ اور گھوڑے جلدی سے تیار کرو۔''

پھر ہم چلے یہاں تک کہ ابواء میں اترے۔ رسول کریم ﷺ کا ہراول دستہ ابواء میں اتر چکا تھا۔ مجھے عجیب سا لگا اور میں ڈرا کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ رسول کریم ﷺ نے میرے خون کو ھدر قرار دے دیا تھا، چنانچہ میں اور میرا بیٹا جعفر صبح کے وقت ایک میل چل کر وہاں پہنچے جہاں آپ ﷺ اترے تھے۔ لوگ تھوڑی تھوڑی جماعتوں کی صورت میں آئے۔ میں صحابہ کے ڈر سے (باقی لوگوں سے) الگ تھلگ رہا۔ جب آپ اپنے لشکر میں نمودار ہوئے تو میں آپ کے چہرے کی طرف سے سامنے آیا، آپ ﷺ نے بھرپور نگاہوں سے مجھے دیکھا اور چہرہ دوسری طرف پھیر لیا، میں دوسری طرف سے آپ کے سامنے آیا مگر آپ ﷺ نے کئی دفعہ مجھ سے اعراض فرمایا۔

میرے ذہن پر دور و نزدیک کے کئی خیالات ابھرے، میں نے کہا: مجھے آپ کے پاس پہنچنے سے قبل ہی قتل کر دیا جائے گا، پھر مجھے آپ ﷺ کا لطف و کرم اور قرابت داری کا خیال آیا تو یہ وہم کافور ہو گیا۔ مجھے اس امر کا یقین تھا کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ میرے اسلام پر مسرت کا اظہار کریں گے، اس لیے کہ وہ میری قرابت داری سے آگاہ تھے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں تو انھوں نے مجھ سے انحراف کیا۔ اندریں اثنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے ملے اور مجھ سے منہ موڑ لیا، میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ میرے خلاف ایک انصاری کو بھڑکا رہے ہیں۔

ایک آدمی مجھ سے چمٹ گیا اور کہنے لگا: اے دشمنِ خدا! تو وہ شخص ہے جو رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو ایذا دیا کرتا تھا؟ آپ کی عداوت میں تو مشرق و مغرب کی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ میں نے کسی حد تک اپنا دفاع کیا۔ اس نے میرے ساتھ دست درازی کی اور مجھے آدمیوں کے گھیرے میں

لے لیا جو میرے ساتھ ہونے والے سلوک سے خوش ہو رہے تھے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ پھر میں اپنے چچا عباس کے پاس گیا، میں نے کہا: اے عباس! مجھے امید تھی کہ رسول کریم ﷺ میری قرابت داری اور میری عظمت وشرف کی وجہ سے میرے اسلام لانے سے خوش ہوں گے مگر اس کا حشر آپ نے دیکھ لیا، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے بات کر کے انھیں راضی کیجیے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں تمھارے بارے میں ہرگز ان سے ایک کلمہ بھی نہیں کہوں گا۔ میں نے جو کچھ دیکھنا تھا دیکھ لیا، الا یہ کہ مجھے کوئی صورت نظر آئے۔ میں رسول کریم ﷺ کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتا اور آپ سے ڈرتا ہوں۔

میں نے کہا: چچا جان! آپ مجھے کس کے سپرد کر رہے ہیں؟ عباس نے کہا: بس یہی ہے، پھر میں نے (حضرت) علی رضی اللہ عنہ سے مل کر یہی ماجرا بیان کیا، انھوں نے بھی یہی جواب دیا (تا آخر)۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ پھر میں نکل کر رسول کریم ﷺ کی جائے قیام کے پاس بیٹھ گیا یہاں تک کہ آپ جُعفہ جانے لگے۔ آپ اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی میرے ساتھ بات نہیں کرتا تھا، پھر میں آپ جہاں پڑاؤ کرتے میں اس کے دروازے پر بیٹھ جاتا۔ میرے ساتھ میرا بیٹا جعفر کھڑا تھا، جونہی آپ مجھے دیکھتے تو منہ موڑ لیتے یہاں تک کہ میں آپ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر حاضر ہوا، میں آپ کے لشکر میں موجود تھا حتی کہ آپ اَذاخِر نامی جگہ سے اتر کر وادیِ ابطح میں پہنچے، پھر آپ ﷺ نے مجھے ایسی نگاہ سے دیکھا جو پہلے سے بہت نرم تھی، جس سے مجھے امید تھی کہ آپ ﷺ مسکرائیں گے۔ بنو عبدالمطلب کی خواتین آپ کے یہاں آئیں، ان میں میری بیوی بھی تھی۔ اس نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ بات چیت کر کے ان کو میرے بارے میں نرم کیا، پھر آپ مسجد کی طرف گئے اور میں آپ ﷺ کے آگے آگے تھا اور کسی حالت میں آپ سے جدا نہیں ہوتا تھا، پھر آپ ھوازن قبیلہ کی طرف گئے تو میں بھی آپ کے ساتھ گیا، پھر ھوازن کا واقعہ ذکر کیا جو کہ مشہور ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان کے اسلام لانے کا واقعہ ایک اور طریقے سے بھی سنا ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ سے ''ثنیۃ العقاب'' میں ملا۔ آگے اسی طرح ذکر کیا جس طرح ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ رسول کریم ﷺ سے ''ثنیۃ العقاب'' میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ملے اور داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کے بارے میں گفتگو کی۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ابوسفیان آپ کے چچا اور

پھوپھی کا بیٹا اور آپ کا خسر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ان دونوں کی ضرورت نہیں۔ میرے چچا زاد نے تو میری بے عزتی کی، باقی رہا میری پھوپھی زاد اور خسر تو اس نے مجھے مکہ میں کہا جو کچھ کہا۔

جب دونوں تک یہ خبر پہنچی اور ابوسفیان کے ہمراہ اس کا بیٹا بھی تھا، اس نے کہا: بخدا! یا تو رسول کریم ﷺ مجھے اجازت دیں گے یا میں اپنے بیٹے کا دامن تھام کر ہم جدھر چاہیں گے چلے جائیں گے یہاں تک کہ ہم بھوک پیاس سے مر جائیں۔ جب رسول کریم ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو دونوں کے لیے آپ کا دل نرم ہو گیا۔ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابوسفیان نے اپنے اسلام لانے اور سابقہ خطاؤں سے معذرت پر مبنی اشعار آپ کو سنائے۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ دونوں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی مگر آپ نے شرف باریابی بخشنے سے انکار کر دیا۔ آپ کی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! ابوسفیان آپ کا خسر، چچا زاد، پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی ہے۔ اللہ دونوں کو مسلمان کر کے آپ کے پاس لایا ہے۔ وہ آپ (کے فیوض و برکات) سے محروم نہ رہیں۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"مجھے ان دونوں کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک تیرے بھائی کا تعلق ہے، اس نے تو مجھے مکہ میں کہا جو کچھ کہا، اس نے کہا تھا کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے گا یہاں تک کہ میں آسمان پر چڑھ جاؤں۔"

ام سلمہ نے کہا:

"یا رسول اللہ! وہ آپ کی قوم کا ایک فرد ہے۔ آپ تمام قریش سے بولتے ہیں اور اس کے بارے میں قرآن نازل ہو چکا ہے۔ آپ نے ایسے لوگوں کو بھی معاف کر دیا ہے جو اس سے بڑے مجرم تھے۔ ابوسفیان آپ کا چچا زاد ہے اور آپ کا اس کے ساتھ قریبی رشتہ ہے۔ آپ اس کا جرم معاف کرنے کے بہت حقدار ہیں۔" رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اُس نے میری بے عزتی کی ہے، لہٰذا مجھے ان کی کچھ ضرورت نہیں۔"

جب دونوں کو اس کا پتہ چلا تو ابوسفیان نے کہا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا: یا تو وہ میری بات مانیں گے یا میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر نکل جاؤں گا اور چلتے چلتے ہم بھوک پیاس سے مر جائیں گے اور آپ سب لوگوں سے زیادہ حلیم اور کریم تر ہیں اور آپ میرے رشتہ دار بھی ہیں، جب رسول

کریم ﷺ کو اس کے الفاظ کا پتہ چلا تو آپ کا دل نرم ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی اُمیہ نے کہا: میں آپ کی تصدیق کرنے آیا ہوں، آپ کے خسر (ابوسفیان) کی طرح میں بھی آپ کا رشتہ دار ہوں، ام سلمہ رضی اللہ عنہا دونوں کے بارے میں آپ سے گفتگو کرتی تھیں، چنانچہ رسول کریم ﷺ کا دل دونوں پر نرم ہو گیا اور آپ ﷺ نے شرفِ باریابی بخشا، دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کا اسلام بہت اچھا ثابت ہوا۔

عبداللہ بن ابی امیہ طائف میں مقتول ہوئے اور ابوسفیان نے مدینہ میں خلافت فاروقی میں وفات پائی اور کسی ضمن میں اس پر کوئی عیب گیری نہ کی گئی۔ ملاقات سے پہلے رسول کریم ﷺ نے ابو سفیان کے خون کو ھدر قرار دے دیا تھا۔

واقعہ ابی سفیان سے استدلال:

ابوسفیان کے واقعہ سے اس طرح احتجاج کیا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مشرکین کے بڑے بڑے رؤسا کو چھوڑ کر صرف ابوسفیان کے خون کو ھدر قرار دیا تھا، حالانکہ ان کی وجہ سے جہاد بالید والمال کی زیادہ ضرورت پیش آئی، جبکہ رسول کریم ﷺ مدینہ سے مکہ تشریف لائے تھے اور اہالیانِ مکہ کی خون ریزی آپ کا مطلوب و مقصود نہ تھا بلکہ آپ ﷺ نرمی سے ان کو دعوتِ اسلام دیتے تھے، ابو سفیان میں پایا جانے والا مخصوص سبب ہجوگوئی کے سوا دوسرا کوئی نہ تھا، پھر وہ اسلام لانے کے لیے آیا مگر آپ ﷺ اعراض فرماتے رہے، حالانکہ آپ ﷺ دور کے لوگوں کی اسلام کے لیے تالیفِ قلب فرماتے تھے، پھر قریبی رشتہ داروں کی دلجوئی تو اور بھی ضروری ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ابوسفیان آپ کی تحقیر و تنقیص کرتا تھا، جیسا کہ حدیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔

حُویرث بن نقید کا واقعہ:

رسول کریم ﷺ نے فتحِ مکہ کے روز حویرث بن نقید کے قتل کرنے کا حکم بھی دیا تھا، جیسا کہ علمائے سیرت کے یہاں معروف ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں زہری سے روایت کی ہے، اور یہ صحیح ترین مغازی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"جو مغازی لکھنا چاہے تو وہ مردِ صالح موسیٰ بن عقبہ کا وابستۂ دامن ہو جائے۔"

رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو ہاتھ روکنے کا حکم دیا، ماسوا اس کے جو خود جنگ کی طرح ڈالے،

آپ ﷺ نے چار آدمیوں کے قتل کے حکم دیا، ان میں سے ایک حویرث بن نقید تھا۔

سعد بن یحییٰ اموی اپنے مغازی میں رقم فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بتایا اور اس نے ابن اسحاق سے سنا:

''رسول کریم ﷺ نے (فتح مکہ کے موقع پر) چند آدمیوں اور عورتوں کے قتل کا حکم دیا تھا اگرچہ وہ کعبہ کے پردوں سے لٹکے ہوں، پھر ان کے نام بتائے جو یہ ہیں:

۱۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ ۲۔ عبداللہ بن خطل۔

۳۔ حویرث بن نقید۔ ۴۔ مقیس بن صبابہ اور بنی تیم بن غالب کا ایک آدمی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر نے کہا کہ وہ چھ آدمی تھے، اس نے دو آدمیوں کے نام چھپائے اور چار آدمیوں کے نام بتائے، اس کا خیال ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل بھی ان میں سے ایک ہے۔ حویرث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، جیسا کہ ابن بکیر وغیرہ نے ابن اسحاق سے اُن آدمیوں کے نام ذکر کیے ہیں جن کو رسول کریم ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کو قتل کر دو اگرچہ تم ان کو کعبہ کے پردوں سے لٹکتے ہوئے پاؤ۔'' حویرث بن نقید رسول کریم ﷺ کو ستایا کرتا تھا۔

واقدی نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ سے منع کیا مگر چھ آدمیوں اور چار عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، ان کے نام یہ ہیں:

ا۔عکرمہ بن ابوجہل۔ ۲۔ھبار بن الاسود۔ ۳۔ابن ابی سرح۔

۴۔مقیس بن صبابہ۔ ۵۔حویرث بن نقید۔ ۶۔ابن خطل۔

وہ کہتے ہیں کہ حویرث بن نقید رسول کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا، فتحِ مکہ والے دن اس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر رکھا تھا، حضرت علی اُس کے بارے میں پوچھتے ہوئے آئے تو کہا گیا کہ وہ جنگل کو گیا ہے، حویرث کو پتہ چل گیا کہ اسے تلاش کیا جا رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے دروازے سے الگ ہوئے تو حویرث گھر سے نکل کر ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانے لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑا دی۔

یہ واقعہ زہری، ابن عقبہ، ابن اسحاق، واقدی اور اموی وغیرہم کے نزدیک مشہور ہے، زیادہ سے زیادہ اس میں یہ بات ہے کہ یہ مرسل روایت ہے اور مرسل جب متعدد طرق سے مروی ہو، اس

کے راوی فنِ روایت میں مہارت رکھتے ہوں اور اس کے مؤید روایات بھی موجود ہوں تو وہ مسند و مرفوع روایت کی طرح ہوتی ہے بلکہ بعض روایات، جو اہل سیرت کے یہاں مشہور ہیں، سندِ واحد کے ساتھ مروی روایات سے اقوی ہوتی ہیں اور اس وجہ سے یہ روایت ضعیف نہیں کہلاتی کہ اس کا ذکر اس روایت میں نہیں کیا گیا جو سعد اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ منقولُ ہے، اس لیے کہ مثبت روایت نافی سے مقدم ہوتی ہے۔

جس راوی نے کہا کہ آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اس کے یہاں زائد علم ہے، ممکن ہے کہ رسول کریم ﷺ نے پہلے اس کو قتل کرنے کا حکم نہ دیا ہو اور بعد ازاں یہ حکم صادر کر دیا ہو، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے صحابہ کو جنگ سے روکا ہو اور صرف ان کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا تھا جو جنگ کا آغاز کریں، ماسوا ان چاروں کے کہ ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، خواہ وہ کہیں بھی ہوں، بعد ازاں حکم دیا کہ اس کو اور دوسرے کو بھی قتل کر دیں۔ محض آپ کا جنگ سے منع کرنا اپنے دامن میں یہ مفہوم نہیں رکھتا کہ جن سے ہاتھ روکا گیا ہے ان کا خون معصوم ہے مگر اس کے بعد آپ نے ان کو ایسی امان دے دی جو خون کو بچانے والی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے آدمی کو قتل کرنے کا حکم صرف اس لیے دیا کہ یہ آپ کو ایذا دیا کرتا تھا، حالانکہ آپ نے شہر کے ان تمام لوگوں کو امان دے دی تھی جو آپ اور آپ کے صحابہ کے خلاف نبرد آزما رہتے تھے اور انواع واقسام کے کام کیا کرتے تھے۔

نضر بن حارث وعقبہ بن ابی معیط:

ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ جب بدر سے مدینہ لوٹے تو نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا، بدر کے قیدیوں میں سے اور کسی کو قتل نہیں کیا، ان دونوں کا واقعہ معروف ہے۔

ابن اسحاق رقمطراز ہیں:

''قیدیوں میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے، جب رسول کریم ﷺ صفراء میں پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نضر کو قتل کر دیا، مجھے اسی طرح بتایا گیا ہے، پھر آپ سفر پر روانہ ہوگئے، جب ''عِرق الظبیتہ'' کے مقام پر پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا، اس کو عاصم بن ثابت نے قتل کیا۔''

موسیٰ بن عقبہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ (بدر کے) قیدیوں میں سے باندھ کر صرف عقبہ

کو قتل کیا گیا۔ اس کو عاصم بن ثابت بن ابی الافلح نے قتل کیا۔ جب عقبہ نے اسے آتے دیکھا تو قریش کے نام کی فریاد کی اور کہا: اے گروہِ قریش! کیا وجہ ہے کہ سب لوگوں میں سے مجھے ہی قتل کیا جا رہا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہو۔'' محمد بن عائذ نے اپنے مغازی میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نضر کو بدر کے قریب ''صفراء'' نامی جگہ میں قتل کیا گیا، اس کے قائل کے نزدیک نضر کو قیدیوں میں شمار نہیں کیا تھا، اس لیے کہ اسے قریشیوں کی قتل گاہ کے نزدیک قتل کیا گیا تھا۔ ورنہ ہمارے علم کی حد تک اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ نضر اور عقبہ دونوں کو قید کرنے کے بعد قتل کیا گیا تھا۔ بزار نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عقبہ پکارا: اے گروہ قریش! یہ کیا بات ہے کہ مجھے باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''تمھارے کفر اور رسول اللہ پر افترا پردازی کی وجہ سے۔'' [1]

واقدی لکھتے ہیں:

نضر بن حارث کو مقداد بن اسود نے قید کیا تھا، جب رسول کریم ﷺ بدر سے نکلے اور ''اُثیل'' نامی جگہ میں پہنچے اور قیدیوں کو آپ کے سامنے لایا گیا آپ نضر کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے، اس کے پہلو میں ایک آدمی تھا، نضر نے اسے کہا: بخدا! محمد ﷺ مجھے قتل کر دے گا، اس نے مجھے ایسی آنکھوں سے دیکھا ہے جن میں موت کے آثار نظر آتے تھے۔ اس شخص نے جواب دیا: بخدا! تم ڈر گئے ہو اور کوئی بات نہیں۔ نضر نے مصعب بن عمیر سے کہا: اے مصعب! تم میرے قریبی رشتہ دار ہو، اپنے ساتھی (حضرت محمد ﷺ) سے کہو کہ میرے ساتھ میرے رفقاء جیسا سلوک کیا جائے، اگر تُو نے ایسا نہ کیا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ مصعب نے کہا: ''تو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے بارے میں فلاں فلاں بات کہا کرتا تھا۔'' اے مصعب! مجھ سے میرے ساتھیوں جیسا سلوک کیا جائے، اگر انھیں قتل کیا جائے تو مجھے بھی قتل کیا جائے اور اگر ان پر احسان کیا جائے تو مجھ پر بھی کیا جائے۔ مصعب نے کہا: تم رسول کریم ﷺ کے صحابہ کو دکھ دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ راوی نے کہا: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باندھ کر اسے قتل کر دیا۔''

واقدی نے کہا کہ رسول کریم ﷺ قیدیوں کو لائے یہاں تک کہ ''عرق الظبیتہ'' نامی جگہ

---

[1] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یحییٰ بن سلمہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد: ٦/ ٩٢)

میں پہنچے تو آپ نے عاصم بن ثابت بن ابی الافلح کو حکم دیا کہ عقبہ کی گردن اڑا دے۔ عقبہ نے کہنا شروع کیا: ہائے افسوس اے قریش! سب لوگوں میں سے مجھے ہی کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس لیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہو۔'' اس نے کہا: اے محمد ﷺ! تمھارا احسان کرنا بہت اچھا ہے، مجھے میری قوم کا ایک فرد تصور کیجیے، اگر آپ انھیں قتل کریں تو مجھے بھی قتل کر دیں، اگر ان پر احسان کریں تو مجھ پر بھی احسان کریں، اگر ان سے فدیہ لیں تو میں بھی ان میں سے ایک جیسا ہوں گا۔ اے محمد ﷺ! بچوں کی حفاظت کون کرے گا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''جہنم، اے عاصم! اسے آگے کرو اور اس کی گردن اڑا دو۔'' عاصم نے اسے آگے بڑھایا اور اس کی گردن اڑا دی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''تو بہت برا آدمی تھا، بخدا! میں نے اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کا انکار کرتے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اس کے نبی کو ایذا دیتا ہو۔ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس نے تجھے قتل کر کے میری آنکھیں ٹھنڈی کیں۔''

اندازِ استدلال:

یہ بیان اس حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ تمام قیدیوں میں سے ان دو آدمیوں کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ اپنے قول و فعل سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے تھے جو آیات نضر کے بارے میں نازل ہوئیں وہ معروف ہیں، اسی طرح عقبہ اپنی زبان اور ہاتھوں سے جو ایذا دیا کرتا تھا، وہ معروف ہے اس شخص نے رسول کریم ﷺ، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، کا گلا اپنی چادر سے پورے زور سے دبایا، یہ آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا،[1] اسی طرح رسول کریم ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے تو اس نے آپ ﷺ کی پشت مبارک پر اونٹ کا اوجھڑ لا کر رکھ دیا تھا۔

کعب بن زہیر بن ابی سلمی کا واقعہ:

جو لوگ فتحِ مکہ کے بعد قریش یا دوسرے لوگوں میں سے آپ ﷺ کی ہجو کہا کرتے تھے، رسول کریم ﷺ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، مثلاً کعب بن زہیر وغیرہ۔

اموی کہتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے بتایا کہ ابن اسحاق نے کہا اور یونس بن بکیر اور بکائی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٦٧٨)

وغیرہ نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ طائف سے لوٹ کر مدینہ تشریف لائے تو بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو لکھا کہ رسول کریم ﷺ نے مکہ کے چند آدمیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو ہجوگوئی کر کے آپ ﷺ کو ایذا دیا کرتے تھے۔

یونس اور بکائی کے الفاظ یہ ہیں کہ مکے میں ایک شخص رسول کریم ﷺ کو ہجو کہہ کر ایذا دیا کرتا تھا، رسول کریم ﷺ نے اسے قتل کر دیا اور قریش کے شعراء میں سے جو باقی رہ گئے تھے مثلاً: ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب، وہ اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ اگر تمھیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو اڑ کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ جاؤ کیونکہ جو شخص تائب ہو کر آجاتا ہے آپ ﷺ اسے قتل نہیں کرتے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پناہ لینے کے لیے دُور دراز چلے جاؤ۔

جب کعب کو یہ خط ملا تو زمین اس پر تنگ ہوگئی، اسے اپنی جان خطرے میں نظر آئی۔ اس کے جو دشمن موجود تھے وہ افواہیں اُڑانے لگے، وہ کہنے لگے: اسے قتل کیا جائے گا جب اسے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو رسول کریم ﷺ کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھا، اس میں کعب نے اپنے خوف اور چغل خوروں کی افواہوں کا ذکر کیا، پھر مدینہ آکر قبیلہ جہینہ کے ایک شخص کے یہاں قیام پذیر ہوا، جو پہلے سے اُسے جانتا تھا۔ صبح کی نماز کے وقت وہ شخص کعب کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لے گیا، جب وہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ چکا تو اس نے کہا: یہ رسول کریم ﷺ ہیں، اُٹھ کر آپ کے پاس جاؤ۔ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ اٹھ کر رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں رکھ دیا، رسول کریم ﷺ اسے پہچانتے نہ تھے، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کعب بن زہیر مسلمان ہو کر توبہ کرنے اور آپ ﷺ سے امان طلب کرنے کے لیے آیا ہے، اگر میں اسے آپ ﷺ کے پاس لاؤں تو کیا آپ ﷺ اس کی توبہ قبول کرلیں گے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھے عاصم بن عمر نے بتایا کہ ایک انصاری نے کعب پر حملہ کر دیا اور کہا: یا رسول اللہ! مجھے چھوڑیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اسے جانے دیجیے، یہ توبہ کرنے اور اس کام سے باز رہنے کے لیے آیا ہے۔'' راوی نے کہا کہ کعب کو انصار کے اس قبیلے پر بڑا غصہ آیا، ان کے اس ساتھی کی وجہ سے جو کچھ اس نے کہا تھا اور یہ اس لیے کہ مہاجرین میں سے جس نے بھی کوئی بات کہی اچھی کہی تھی، کعب نے اپنا وہ قصیدہ سنایا جو اُس نے یہاں آتے وقت کہا تھا۔ پھر ابن اسحاق نے کعب کا مشہور قصیدہ ''بانت سعاد'' تحریر کیا، اس میں یہ اشعار بھی ہیں:

أنبئت أن رسول الله أوعدني
والعفو عند رسول الله مأمول

''مجھے پتہ چلا ہے کہ رسول اللہ نے مجھے وعید دی ہے، حالانکہ رسول کریم ﷺ سے معافی کی امید کی جاتی ہے۔''

مهلاً هداك الذي نافلة ال
قرآن فيه مواعيظ وتفصيل

''ذرا ٹھہریے! تجھے اللہ نے قرآن کا انعام دیا ہے، جس میں نصیحت کی باتیں اور بڑی تفصیل ہے۔''

لا تأخذني بأقوال الوشاة ولم
أذنب ولو كثرت فيَّ الأقاويل

''مجھے چغل خوروں کے کہنے پر نہ پکڑیے جبکہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا اگرچہ میرے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ کعب کو پتہ چلا کہ رسول کریم ﷺ نے ایک بات سنی تھی، اس کی بنا پر اس کے خون کو هدر قرار دیا۔ وہ مسلمان ہو کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ کی مسجد میں آیا اور یہ قصیدہ پڑھا، رسول کریم ﷺ نے مکہ کے چند آدمیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کی ہجو کہہ کر آپ کو ایذا دیتے تھے، اُن میں سے کچھ تو نجران چلے گئے، ابن الزبعری اسلام قبول کر کے توبہ کرنے کے لیے حاضر ہوا، ہبیرہ نجران میں مقیم رہا اور شرک کی حالت میں مر گیا، ہجوگوئی کی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے کعب کے خون کو هدر قرار دیا، حالانکہ اس کی کہی ہوئی ہجو چنداں بلیغ نہ تھی۔ اس نے دین اسلام کو ہدفِ طعن بنایا، اس پر تنقید کی اور آپ ﷺ کی دعوت کی تنقیص کی تھی، پھر قبل اس کے کہ اس پر قابو پایا جاتا وہ توبہ کر کے اسلام لایا اگرچہ وہ حربی کافر تھا، تاہم اس نے اپنے اشعار میں معذرت خواہی کی۔

اس ضمن میں ایک بات یہ بھی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہجو کہنے والے کی طرف توجہ دیتے اور اسے قتل کروا دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''مجھے میرے دشمن سے کون بچائے گا؟'' سعد بن یحییٰ بن سعید اُموی اپنے مغازی میں بطریقِ والد خود از عبدالملک بن جریج از عکرمہ از ابن

عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک مشرک نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون مجھے میرے دشمن سے بچائے گا؟" حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا: میں بچاؤں گا۔ پھر میدان میں نکل کر (اسے قتل کر دیا) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کا سامان حضرت زبیر کو دے دیا۔ میرے خیال میں یہ واقعہ خیبر میں پیش آیا، جہاں زبیر رضی اللہ عنہ نے یاسر کو قتل کر دیا۔ اس کو عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ [1]

مروی ہے کہ ایک آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے میرے دشمن سے کون بچائے گا؟" حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بچاؤں گا، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی طرف بھیجا اور انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ [2]

صحابہ کرام گالی دہندہ کو قتل کر دیا کرتے تھے خواہ وہ ان کا قریبی رشتہ دار ہوتا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم جب کسی کے بارے میں سنتے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا اور دکھ پہنچاتا ہے تو اسے قتل کر ڈالتے اگرچہ وہ ان کا قریبی رشتہ دار ہوتا۔ اس معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی تائید کرتے اور اس سے خوش ہوتے، بعض اوقات آپ ایسا کرنے والے کو اللہ اور اس کے رسول کے "ناصر" کا لقب دیتے۔

ابو اسحاق الفزاری نے سیرت پر اپنی مشہور کتاب میں بطریق سفیان ثوری از اسماعیل بن سمیع مالک بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے اپنے والد کو مشرکین میں پایا اور آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس سے ایک قبیح جملہ سنا، میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھ سکا جب تک نیزہ مار کر اسے موت کی نیند نہ سلا دیا۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناگوار نہ گزری۔ ایک اور آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے اپنے والد کو مشرکین میں پایا اور اسے قتل کر دیا اور یہ بات آپ پر ناگوار نہ گزری، اموی وغیرہ نے اس کو بدیں سند روایت کیا ہے۔

اسی طرح ابو اسحاق الفزاری نے اپنی کتاب میں حسان بن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور جابر رضی اللہ عنہما بھی تھے، جب مشرکین نے

---

[1] المصنف لعبد الرزاق (۵/ ۲۳۷) رقم الحدیث (۹٤۷۷) ابن حزم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (المحلی: ۱۱/ ٤۱۳)

[2] مصنف عبد الرزاق (۵/ ۳۰۷) رقم الحدیث (۹۷۰۵) اس کی سند میں عروہ بن محمد کا استاذ مجہول ہے۔

صف آرائی کی تو ان میں سے ایک آدمی سامنے آ کر رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے لگا، مسلمانوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں اور میری ماں فلاں عورت ہے، تم مجھے اور میری والدہ کو گالیاں دے لو مگر رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے باز آ جاؤ، اس سے وہ اور مشتعل ہو گیا اور پھر گالیوں کا اعادہ کرنے لگا، مسلمان نے پھر اسے منع کیا، پھر تیسری مرتبہ کہا: اگر تم نے پھر اس کا اعادہ کیا تو میں تلوار لے کر تم پر چڑھ جاؤں گا، اس نے پھر گالی دی، مسلمان نے اس پر حملہ کر دیا، مشرک پیچھے ہٹا مسلمان نے اس کا تعاقب کیا اور مشرکین کی صفوں کو چیرتے ہوئے اس پر تلوار کا وار کیا، پھر مشرکین نے اسے شہید کر دیا، یہ دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کیا تمھیں اس آدمی پر حیرت ہوئی ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کی؟''

پھر اس شخص کے زخم مندمل ہو گئے اور وہ اسلام لے آیا، اس شخص کو ''رحیل'' کہا جاتا تھا، اُموی نے اس کو اپنے مغازی میں اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[1]

عمیر بن عدی کا واقعہ پیچھے گزر چکا ہے کہ جب اُسے پتہ چلا کہ بنتِ مروان رسول کریم ﷺ کو ایذا دے رہی ہے تو اس نے کہا: اے اللہ! میں تیرے حضور نذر مانتا ہوں کہ اگر رسول کریم ﷺ لوٹ کر مدینہ آ گئے تو میں اس عورت کو قتل کر دوں گا، چنانچہ اس نے رسول کریم ﷺ سے اجازت لیے بغیر اسے قتل کر دیا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم ایسے آدمی کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غیبی مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔''

اسی طرح یہودی عورت اور اُم ولد کا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ کو گالیاں دینے کی وجہ سے اسے قتل کیا گیا۔ اس آدمی کا واقعہ بھی گزر چکا ہے جس نے ابن ابی سرح کو قتل کرنے کی نذر مانی تھی، رسول کریم ﷺ اس کو بیعت کرنے سے اس لیے رکے رہے کہ وہ شخص اسے قتل کر کے اپنی نذر پوری کر لے۔

کافر جنوں میں سے جو رسول کریم ﷺ کو گالی دیتا تھا مومن جن اس کو قتل کر دیتے تھے:

علماء نے ذکر کیا ہے کہ مومن جن اس کافر جن کو قتل کر دیتے تھے جو رسول کریم ﷺ کو گالی دیا کرتا تھا، یہ ہجرت سے پہلے اور اُس وقت کا واقعہ ہے جبکہ جن وانس کے خلاف قتال کا حکم نازل نہیں ہوا

---

[1] مکارم الأخلاق لابن أبي الدنیا (ص: ٦٢) رقم الحدیث (١٧٨) یہ حدیث حسان بن عطیہ رحمہ اللہ کے ارسال کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تھا، رسول کریم ﷺ ایسا کرنے والے کی تائید کرتے اور اس کا شکریہ ادا کرتے۔

سعد بن یحییٰ اُموی نے اپنے مغازی میں بطریق محمد بن سعید، یعنی عم خود از محمد بن المنکد ر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک جن نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر چند اشعار پڑھے، مکہ میں ان اشعار کا بہت چرچا ہوا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''یہ شیطان ہے جس نے بتوں کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں، اس کا نام مسعر ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے گا۔''

ابھی تین دن گزرے تھے کہ اسی پہاڑ پر کوئی یہ اشعار سنا رہا تھا:

نحن قتلنا في ثلاث مسعراً
إذ سفّه الحق وسن المنكرا

''ہم نے تین دنوں میں مسعر کو قتل کر دیا، اس نے حق کی تحقیر کی اور برائی کی طرح ڈالی تھی۔''

قنعته سيفاً حساماً مبتراً
بشتمه نبينا المطهرا

''میں نے اس کو شمشیر براں کے ساتھ ڈھانپ دیا، اس لیے کہ وہ ہمارے پاک نبی کو گالیاں دیتا تھا۔''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''یہ ایک سرکش جن تھا، جس کا نام سمحج تھا، میں نے اس کا نام عبداللہ رکھ دیا۔''[1]

اس نے مجھے بتایا کہ میں تین روز سے (شعر کہنے والے سرکش جن کی) تلاش میں ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اللہ اسے جزائے خیر دے۔''

ابن ابی الحقیق کا قتل:

جن لوگوں کو ایذائے رسول ﷺ کی وجہ سے قتل کیا گیا ان میں سے ایک ابو رافع بن ابی الحقیق یہودی ہے، علماء کے یہاں اس کا واقعہ معروف ہے، بقدر ضرورت ہم یہاں اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی کی طرف

[1] أخبار مكة للفاكهي (٤/ ١٦)

چند انصار صحابہ کو بھیجا، عبداللہ بن عتیک کو ان کا امیر مقرر کیا، ابو رافع رسول کریم ﷺ کو ایذا دیتا اور آپ کے مخالفین کی مدد کیا کرتا تھا، وہ ارضِ حجاز میں ایک قلعے میں اقامت گزیں تھا، جب انصار وہاں پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے چوپایوں کو گھروں کی طرف لا رہے تھے، عبداللہ نے اپنے رفقاء سے کہا تم یہاں بیٹھو، میں دربان کے پاس جا کر نرم انداز میں بات کروں گا ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے اندر جانے دے، چنانچہ عبداللہ دروازے کے پاس آئے اور کپڑا اوڑھ لیا جیسے کوئی پاخانے کے لیے بیٹھا ہو، لوگ اندر داخل ہو گئے۔

دربان نے اسے پکار کر کہا: اے اللہ کے بندے! اگر تم اندر داخل ہونا چاہو تو ہو جاؤ کیونکہ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں، عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اندر داخل ہو کر چھپ گیا جب لوگ داخل ہو چکے تو اس نے دروازہ بند کر لیا اور چابیاں ایک میخ کے ساتھ لٹکا دیں، میں نے اٹھ کر چابیاں پکڑ لیں اور دروازہ کھولا۔ افسانہ گو ابو رافع کو افسانہ سنا رہا تھا جبکہ وہ اپنے بالا خانے میں تھا، جب افسانہ گو چلے گئے تو بالا خانہ پر چڑھا، جب میں کوئی دروازہ کھولتا تو اسے اندر سے بند کر لیتا، میں نے کہا کہ اگر لوگوں کو میری آمد کا پتہ چل بھی گیا تو میں ان کے پہنچنے تک اسے قتل کر چکا ہوں گا جب میں اس کی طرف پہنچا تو وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے کنبہ کے درمیان پڑا تھا۔ اور کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے کہا یہاں ابو رافع ہے؟ اس نے پوچھا کون ہے؟ جہاں سے آواز آئی تھی میں اُدھر جھکا اور اسے تلوار ماری مگر میں خوف زدہ تھا، اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا، وہ چیخا تو میں دروازے سے نکل گیا اور قریب ہی ٹھہرا رہا۔

میں پھر اس کی طرف لوٹا اور کہا: ابو رافع یہ آواز کیسی ہے؟ اس نے کہا: تیری ماں مرے، ایک آدمی نے مجھے گھر میں تلوار ماری ہے (یہ سنتے ہی) میں نے تلوار مار کر اسے لہولہان کر دیا، مگر وہ مرا نہیں، پھر میں نے تلوار کی نوک اس کے بطن میں رکھی یہاں تک کہ اس کی پشت تک پہنچ گئی، میں نے سمجھا کہ میں نے اسے قتل کر دیا، میں ایک ایک کر کے دروازے کھولتا گیا، یہاں تک کہ میں ایک سیڑھی کے پاس پہنچا اور اس پر پاؤں رکھ دیا، میرا خیال تھا کہ میں زمین پر پہنچ گیا ہوں، میں چاندنی رات میں گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔

میں نے اسے اپنی پگڑی سے باندھا اور جا کر دروازے پر بیٹھ گیا، میں نے کہا کہ میں رات بھر یہاں سے نہیں جاؤں گا، جب تک مجھے پتہ نہ چلے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے جب مرغ نے اذان دی تو موت کی خبر دینے والا فصیل پر چڑھ کر پکارا کہ میں ابو رافع تاجر اہلِ حجاز کی موت اطلاع دیتا

ہوں، میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا: اب نجات کی راہ ڈھونڈو، اللہ نے ابورافع کو ہلاک کر دیا، میں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر ماجرا سنایا، آپ نے فرمایا: ''اپنا پاؤں پھیلاؤ'' میں نے پاؤں پھیلا دیا، آپ نے اسے چھوا تو وہ ایسے ہوگیا کہ گویا کبھی تکلیف نہ ہوئی تھی۔[1] (صحیح بخاری)

ابن اسحاق نے بطریق زہری از عبداللہ بن کعب بن مالک روایت کیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احسانات کیے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ انصار کے یہ دو گروہ اوس اور خزرج باہم ایسے لڑتے بھڑتے رہتے تھے جیسے مینڈھے۔ اگر ایک گروہ ایک کام کرتا تو دوسرا بھی اسی طرح کرتا، کہا کرتے تھے کہ دوسرا گروہ دین اسلام میں اور رسول کریم ﷺ کے نزدیک ہم پر سبقت نہ لیجائے۔ جب اوس والوں نے کعب بن اشرف کو ہلاک کر دیا تو خزرج کو خیال گزرا کہ ایک شخص عداوتِ رسول میں اسی کی مانند ہے اور خیبر میں رہنے والا ابن ابی الحقیق ہے، انھوں نے رسول کریم ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دے دی، پھر آخر تک حدیث سنائی کہ وہ اس کے بالا خانے پر چڑھ گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، اس کی بیوی ان کی طرف آئی اور کہا: تم کون ہو؟ کہنے لگے: ہمارا تعلق عرب کے ایک قبیلے سے ہے، ہم غلہ لینے کے لیے آئے ہیں، عورت نے دروازہ کھول دیا اور کہا: گھر میں تمھارے پاس یہ آدمی ہے (یعنی ابورافع گھر میں ہے؟) اور پھر قتل کا پورا واقعہ بیان کیا۔[2]

حضرت البراء اور ابن کعب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ سے اجازت لے کر رات کو اسے قتل کرنے کے لیے گئے، اس لیے کہ وہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دیتا اور عداوت رکھتا تھا، گویا وہ کعب بن اشرف کی مانند تھا اس فرق کے ساتھ کہ کعب بن اشرف معاہد تھا اور جب اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی تو آپ نے مسلمانوں کو اس کے قتل کرنے کے لیے کہا مگر ابورافع معاہد نہ تھا۔

ان احادیث سے استدلال کی نوعیت:

مذکورہ صدر جملہ احادیث اس امر کی آئینہ داری کرتی ہیں کہ جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کو ایذا دیتا یا گالیاں نکالتا تو رسول کریم ﷺ اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیتے اور اسی وجہ سے لوگوں کو اس کے قتل پر ابھارتے، آپ کے صحابہ بھی آپ ﷺ کے حکم سے ایسا کرتے، دوسرے لوگ اگرچہ کافر اور غیر معاہد

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٠٣٨)

[2] سيرت ابن هشام (٢/ ٢٧٣) دلائل النبوة للبيهقي (٤/ ٣٣)

ہوتے مگر مسلمان ان پر ہاتھ نہ اٹھاتے بلکہ ان کو امان دیتے، کسی عہد کے بغیر ان پر احسان کرتے، پھر ان میں سے بعض کو قتل کیا گیا، بعض تائب ہو کر مسلمان ہو گئے اور تین وجوہ کی بنا پر وہ معصوم الدم قرار پائے۔

آپ نے بعض کے خون کو ھدر فرمایا تھا مگر بوجوہ وہ معصوم الدم قرار پائے:

۱۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قابو پائے جانے سے قبل اس نے توبہ کر لی اور مسلم جس پر حد واجب ہو چکی ہو مگر قدرت پائے جانے سے قبل توبہ کر لے تو اس کی حد ساقط ہو جاتی ہے، پھر حربی کافر تو اس کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ رسول کریم ﷺ ایسے لوگوں کو معاف فرما دیا کرتے تھے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حربی جب اسلام لائے تو جاہلیت کے گناہوں کی وجہ سے اس پر گرفت نہیں کی جاتی، خواہ اس کے ذمے حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ [الأنفال: ۳۸]

"جو لوگ کافر ہیں اُن سے کہہ دیں کہ اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔"

اسلام سابقہ گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے:

نیز رسول کریم ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ "اسلام سابقہ گناہ معاف کر دیتا ہے۔"[1]

نیز فرمایا:

"جو شخص اسلام میں نیک اعمال انجام دے تو جاہلیت کے کاموں پر اس کی گرفت نہیں ہوگی۔"[2]

یہی وجہ ہے کہ بکثرت لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور انھوں نے معروف لوگوں کو قتل کیا تھا مگر اُن میں کسی سے بھی قصاص و دیت طلب کی گئی نہ کفارہ، مثلاً: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی، ابن قوقل کا قاتل ابن العاص، خبیب بن عدی کا قاتل عقبہ بن حارث اور ان گنت لوگ جن کے بارے میں صحیح روایات میں مذکور ہے کہ وہ اسلام لائے اور بعض نے کسی مسلمان کو بھی قتل کیا تھا مگر رسول کریم ﷺ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۱)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٩٢١) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۰)

نے ان میں سے کسی پر بھی قصاص واجب نہ ٹھہرایا بلکہ ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے قاتل ہیں اور دونوں ہی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، اُن میں سے ایک تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے دوسرے کو قتل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے، پھر قاتل کو اللہ توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے اور وہ اسلام لاتا ہے، پھر اللہ کی راہ میں مارا جاتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''[1] (بخاری و مسلم)

جو شخص اسلام لاتا اور کفر میں اس نے کسی کو قتل کیا ہوتا یا کسی کا مال لیا ہوتا تو رسول کریم ﷺ اس کے ضامن نہیں ہوتے تھے:

اگر کسی نے حالتِ کفر میں مسلمان کا مال تلف کیا ہوتا تو رسول کریم ﷺ اس کے ضامن نہیں ہوتے تھے، اور اگر کسی نے کافر ہوتے ہوئے زنا یا چوری کا ارتکاب کیا یا شراب پی یا کسی پر بہتان لگایا تو اُس پر شرعی حد نہیں لگایا کرتے تھے، خواہ قیدی ہونے کے بعد اسلام لایا ہو یا اس سے قبل۔ ہمارے علم کی حد تک نہ اس کی روایت میں اختلاف ہے اور نہ فتوے میں۔

بلکہ اگر کوئی حربی کافر اسلام لایا اور اس کے قبضہ میں کسی مسلم کا مال ہوتا جو اس نے غنیمت کے طور پر لیا ہوتا تو وہ اس کی ملکیت ہوتا اور وہ اسے اس مسلم کو واپس نہ کرتا، جو اس کا (اصلی) مالک ہوتا، اور وہ مال اس نوعیت کا ہوتا جس کو ایک مسلم دوسرے سے لے کر اس کا مالک نہ بن سکتا، اس لیے کہ وہ دین اسلام میں حرام ہے۔ یہ تابعین کے جمہور علماء اور اُن کے بعد آنے والوں کا موقف ہے۔ خلفائے راشدین سے بھی اسی طرح منقول ہے، امام حضرت ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا منصوص قول یہی ہے۔ امام احمد کے جمہور اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں۔

اس کی اساس یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں جو مال تھا اور جس کو وہ اپنی ملکیت تصور کرتا تھا، اسلام لانے یا معاہدہ کرنے نے اس کو مزید استحکام بخشا، اس لیے کہ وہ مال فی سبیل اللہ اپنے اصلی مالک کے ہاتھ سے، جو مسلم تھا، نکلا اور اس کا اجر اللہ پر واجب ہو گیا اور جس نے اس کو لیا ہے وہ اسے حلال سمجھتا ہے اور اللہ نے اس کے اسلام لانے کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام خون اور مال اسے معاف کر دیے جو

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٢٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٩٠)

اس نے لیے تھے، اب مالک کی طرف اس مال کو لوٹانا اس کے ذمے واجب نہیں، جس طرح وہ ان نفوس و اموال کا ضامن نہیں جو اس نے تلف کیے۔ البتہ اس نے (حالتِ کفر میں) جو عبادات ترک کیے وہ ان کی قضا نہیں دے گا۔ اس لیے کہ جمیع عبادات اعتقاد کے تابع ہیں، جب اُس نے اُس عقیدے کو ترک کر دیا تو اس کے زیر جو گناہ تھے وہ معاف ہوگئے، اسی طرح اس کے ہاتھ میں جو مال ہے اس میں اس پر کوئی تاوان وغیرہ نہیں ہے جو اس سے لیا جائے، جس طرح اس کے قبضہ میں جو عقود فاسدہ ہیں، جن کو وہ (قبل از اسلام) حلال تصور کرتا تھا، مثلاً ربا وغیرہ۔

علماء کی ایک جماعت کے نزدیک وہ یہ مال اس کے مسلم مالک کو لوٹانے کا پابند ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور حنابلہ میں سے ابو الخطاب کا زاویۂ نگاہ یہی ہے، اس لیے کہ کفار کا اس کو مالِ غنیمت سمجھنا ایک حرام فعل ہے، اس لیے غنیمت سمجھ کر وہ مسلم کے مال کے مالک نہیں بن سکتے، جس طرح غصب سے مالک نہیں بن سکتے، نیز اس لیے کہ کوئی مسلم اُن کے طریق سے لے لے، جس کے مطابق ایک مسلم دوسرے مسلم سے مال لے کر اس کا مالک نہیں بن سکتا، مثلاً اسے غنیمت بنا لے یا چوری کر لے تو وہ اس کے مسلم مالک کو لوٹانے کا پابند ہے، جس طرح رسول کریم ﷺ کی ناقہ کے ذکر پر مشتمل حدیث میں ہے۔[1] اور ہمارے علم کی حد تک لوگوں کا اس پر اتفاق ہے اور اگر وہ اس کے مالک ہو سکتے تو غنیمت حاصل کرنے والا بھی اُن میں سے اس کا مالک ہوتا اور اسے واپس نہ کرتا۔

مگر پہلا قول صحیح تر ہے، اس لیے کہ مشرکین مسلمانوں کا بہت سا مال غنیمت میں حاصل کرتے تھے، مثلاً گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ اور ان میں سے بکثرت مشرکین اسلام لا چکے تھے مگر آپ ﷺ نے کسی سے بھی مال واپس نہ لیا، حالانکہ ان میں سے بہت سے اموال ابھی تک موجود ہوں گے۔

ضمن میں یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ [الحشر: ۸]

''ان تنگ دست مہاجرین کے لیے جن کو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کیا گیا، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی تلاش کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱٦٤۱)

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۝ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ [الحج: ۳۹، ۴۰]

''جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا (ان کی مدد کرے گا) وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، انھوں نے کچھ قصور نہیں کیا، ہاں! یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) صومعے اور عیسائیوں کے گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں، جن میں خدا کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے، ویران ہو چکی ہوتیں اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے، خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے بے شک خدا توانا اور غالب ہے۔''

فرمایا:

﴿ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ کُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ﴾ [البقرۃ: ۲۱۷]

''اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ میں جانے) سے بند کرنا اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّمَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [الممتحنۃ: ۹]

''خدا انھی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو

جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔''

ان آیات میں بیان فرمایا کہ مسلمانوں کو اُن کے گھروں سے نکالا گیا اور بلاوجہ مالوں سے محروم کیا گیا حتی کہ دولت مند ہونے کے بعد وہ تنگ دست ہوگئے، پھر مشرکین ان کے گھروں اور مالوں پر قابض ہوگئے، جبکہ فتحِ مکہ تک وہ اُن کے قبضے میں تھے۔ جو لوگ دورِ جاہلیت میں ان پر قابض تھے انھوں نے اسلام قبول کیا، جن لوگوں کو گھروں سے نکالا گیا تھا اسلام لانے اور فتحِ مکہ کے بعد رسول کریم ﷺ نے نہ ان کو گھر واپس دلوایا اور نہ مال۔ رسول کریم ﷺ کو فتحِ مکہ کے روز کہا گیا کہ آیا آپ اپنے گھر میں قیام نہیں کریں گے؟ فرمایا: ''کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے؟'' مہاجرین نے آپ سے کہا کہ ہمارے مال واپس دلوائے جائیں جن پر کفار قابض ہوگئے ہیں، رسول کریم ﷺ نے اس سے انکار کیا اور مالوں کو انھی کے ہاتھوں میں رہنے دیا جو اسلام لانے کے بعد اس پر قابض ہوگئے تھے۔

عقیل بن ابی طالب نے رسول کریم ﷺ کے گھروں پر قبضہ کر لیا:

واقعہ یوں ہے کہ رسول کریم ﷺ کے ہجرت کر جانے کے بعد عقیل بن ابی طالب اپنے بھائیوں، رسول کریم ﷺ اور دیگر رجال و خواتین کے گھروں پر قابض ہوگئے اور اپنے والد سے جو ورثہ پایا تھا وہ اس پر مزید ہے۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے کہا گیا کیا آپ اپنے آبائی گھر میں قیام نہیں کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے؟''[1] عقیل نے رسول کریم ﷺ اور اپنے بھائیوں اور رجال و خواتین کے تمام گھر، جو مکہ میں تھے، فروخت کر دیے تھے۔

علمائے سیرت نے، جن میں سے ایک ابو الولید ازرقی بھی ہیں، ذکر کیا ہے کہ عبدالمطلب کے جو گھر مکہ میں تھے بنو عبدالمطلب کے قبضہ میں آگئے، ان میں سے ایک شعبِ ابن یوسف اور ابن یوسف کے بعض گھر ابو طالب کے قبضہ میں تھے اور وہ کشادہ جگہ جو اس کے اور دارِ ابن یوسف کے درمیان ہے، رسول اکرم ﷺ کی جائے ولادت ہے اور اس کے آس پاس جو جگہ ہے وہ رسول کریم ﷺ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی ملکیت میں تھی۔ بلاشبہ یہ گھر رسول کریم ﷺ کی ملکیت میں تھا جو آپ ﷺ نے اپنے والدِ محترم سے ورثہ میں پایا تھا اور وہیں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی اور آپ کا ایک گھر اور تھا جو آپ اور آپ ﷺ کی اولاد نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ورثہ میں پایا۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٦٧٨)

ازرقی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے دو گھروں کے بارے سکوت اختیار فرمایا، ایک وہ گھر جہاں آپ پیدا ہوئے اور دوسرا وہ گھر جہاں حضرت خدیجہ بنت خویلد کی رخصتی ہوئی اور ان کے تمام بچوں نے وہاں جنم لیا۔

ازرقی نے کہا کہ عقیل بن ابی طالب نے وہ گھر لے لیا جس میں آپ پیدا ہوئے تھے، باقی رہا حضرت خدیجہ کا مکان تو وہ محبب بن ابی لہب نے لے لیا، وہ اس کا قریب ترین پڑوسی تھا، پھر اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اُسے فروخت کر دیا۔ علمائے سیرت نے اس کی توضیح کی ہے جو کچھ ہم نے مہاجرین کے گھروں کے بارے میں ذکر کیا ہے۔

آل جحش کی حویلی اور ابوسفیان کا اس پر قبضہ:

ازرقی کہتے ہیں کہ جحش بن رئاب کا وہ گھر جو معلّی میں تھا اولاد جحش کے قبضہ میں رہا۔ جب اللہ نے اپنے نبی ﷺ اور صحابہ کرام کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت دی تو آلِ جحش کے تمام مردوں اور عورتوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اپنا گھر خالی چھوڑ دیا۔ وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، ابوسفیان نے ان کے اس گھر کو چار سو دینار کے عوض عمرو بن علقمہ عامری کے پاس فروخت کر دیا۔ جب آلِ جحش کو پتہ چلا کہ ابو سفیان نے اُن کے گھر کو فروخت کر دیا ہے تو ابو احمد نے ابوسفیان کی ہجو کہی اور مکان فروخت کرنے کی وجہ سے اُس کی مذمت کی، پھر اس نے چند اشعار کہے۔

فتحِ مکہ کے دن ابو احمد بن جحش رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور مکان کے بارے میں گفتگو کی، اس وقت اس کی بینائی جا چکی تھی، اس نے کہا: یا رسول اللہ! ابوسفیان نے میرا مکان فروخت کر دیا ہے، رسول کریم ﷺ نے اس کو بلا کر آہستہ سے کچھ کہا، ابو احمد نے بعد ازاں اس کا ذکر کبھی نہیں کیا۔ ابو احمد سے دریافت کیا گیا کہ تجھ سے رسول اللہ ﷺ نے کیا کہا تھا؟ ابو احمد نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر تو صبر کرے تو تمھارے لیے بہتر ہوگا اور اس کے عوض تجھے جنت میں گھر ملے گا۔'' میں نے کہا: میں صبر کروں گا۔ چنانچہ ابو احمد نے اُسے ترک کر دیا۔

دارِ عتبہ بن غزوان:

عتبہ بن غزوان کا ایک گھر تھا جس کو ذات الوجھین کہتے تھے۔ جب اس نے ہجرت کی تو اسے یعلی بن امیہ نے لے لیا، ہجرت کرتے وقت عتبہ نے یعلی کو اس کی وصیت کی تھی، فتحِ مکہ والے

سال جب بنو جحش نے اپنے مکان کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے گفتگو کی تو رسول کریم ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اپنا وہ مال واپس لیں جو اُن سے رضائے الٰہی کے لیے لیا گیا اور جسے انھوں نے اللہ کے لیے چھوڑا۔ یہ بات سن کر عتبہ نے رسول کریم ﷺ سے اپنے مکان کے بارے میں گفتگو کرنے کا ارادہ ترک کر دیا، باقی مہاجرین بھی خاموش رہے اور انھوں نے اپنے مکان کے بارے میں بات نہ کی جسے انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر چھوڑا تھا۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ بھی خاموش رہے اور اپنے اس مکان کے بارے میں گفتگو نہ کی جس میں آپ ﷺ پیدا ہوئے تھے اور جس مکان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی تھی۔ یہ واقعہ اہل علم کے نزدیک معروف ہے۔

محمد بن اسحاق نے بطریق عبداللہ بن ابی بکر بن ابی حزم و زہیر بن عکاشہ بن ابی احمد روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن آن کے محلہ میں دیر تک رہے۔ لوگوں نے ابو احمد سے کہا: اے ابو احمد! رسول کریم ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ جو چیز تم نے اللہ کی راہ میں دی ہے اسے واپس لو۔ اور زیاد بن عبیداللہ بکائی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ تمام مہاجرین رسول کریم ﷺ سے جا ملے اور مکہ میں صرف وہی شخص رہا جو یا تو بیمار ہو یا قید خانے میں بند ہو۔ مکہ میں چند خاندان ایسے تھے جو اپنی جان و مال سمیت پورے کے پورے مکہ سے ہجرت کر گئے تھے۔ اُن میں سے ایک تو بنو مظعون کا خاندان تھا جو بنی جمع میں سے تھے اور دوسرا ابو جحش بن رئاب کا خاندان۔ بنو مظعون اور بنو جمع بنو امیہ کے حلیف تھے، تیسرا بنو بکیر کا خاندان جو بنی سعد بن لیث سے تھا اور وہ عدی بن کعب کے حلیف تھے۔ ان سب کے مکانات مکہ میں مقفل ہو چکے تھے اور ان میں کوئی بھی رہنے والا نہ تھا۔

جب بنو جحش بن رئاب اپنے گھر سے (ہجرت کے لیے) نکلے تو ابو سفیان نے تجاوز کر کے ان کے گھر کو عمرو بن علقمہ، برادرِ بنی عامر بن لوی، کے پاس فروخت کر دیا۔ جب بنو جحش کو پتہ چلا کہ ابو سفیان نے اُن کے گھر کے ساتھ کیا سلوک کیا تو عبداللہ بن جحش نے یہ ماجرا رسول کریم ﷺ سے کہا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عبداللہ! تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اللہ تمھیں اس کے عوض جنت میں ایک گھر دے دے؟ عبداللہ نے کہا: کیوں نہیں! رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر وہ گھر تمھیں ملے گا۔''

جب رسول کریم ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ابو احمد نے اپنے گھر کے بارے رسول کریم ﷺ سے بات کی، رسول کریم ﷺ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ لوگوں نے ابو احمد کو بتایا کہ رسول کریم ﷺ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ جو مال تم سے راہِ خدا میں لیا گیا ہے تم اُسے واپس لو، چنانچہ

ابو احمد یہ سن کر خاموش ہوگیا۔

واقدی اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو احمد بن جحش مسجد حرام کے دروازے پر اپنے اونٹ کے اوپر کھڑا ہوگیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول کریم ﷺ اپنے خطبے سے فارغ ہو کر کعبہ کے دروزے پر ٹھہرے ہوئے تھے، اس سے پہلے آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز ادا کی تھی اور پھر وہاں سے باہر آئے تھے تو ابو احمد چلا چلا کر کہہ رہا تھا: اے بنی عبدِ مناف! میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، میرا گھر (واپس دلوادو)۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر آہستہ سے کوئی بات کہی، حضرت عثمان ابو احمد کے پاس گئے اور ان سے رازدارانہ طریقے سے بات کی، ابو احمد اپنے اونٹ سے اترا اور لوگوں کے ساتھ مل کر بیٹھ گیا اور اس کے بعد کبھی نہیں سنا گیا کہ ابو احمد نے اپنے گھر کے بارے میں کسی سے کوئی بات کہی ہو۔

رسول کریم ﷺ نے مہاجرین کے گھر اُنھی کے پاس رہنے دیے جو ان پر قابض تھے:

مندرجہ صدر بیان اس ضمن میں نص ہے کہ مہاجرین نے اپنے مکانات واپس لینا چاہے تھے مگر رسول کریم ﷺ نے اس سے روکا۔ آپ ﷺ نے مکانات انھیں کے پاس رہنے دیے جو ان پر قابض ہوگئے تھے یا جنھوں نے وہ مکانات خرید لیے تھے۔ جو مکانات اُن سے لیے گئے تھے رسول کریم ﷺ نے اُن کو بمنزلہ ان اموال کے قرار دیا جو ان سے لے لیے گئے تھے یا جو انھوں نے راہِ خدا میں خرچ کیے تھے۔ نہ خون اور اموال وہ تھے جن کو اللہ نے خرید لیا اور اسی کے سپرد کر دیے گئے اور ان کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہوگیا، اس لیے ان کو واپس نہیں لیا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین ہمارے خونوں اور مالوں کو حلال سمجھتے تھے اور یہ سب کچھ انھوں نے حلال سمجھ کر لیا تھا، حلال سمجھنے میں وہ گنہگار بھی تھے، جب وہ مشرف بہ اسلام ہوگئے تو اسلام نے اس گناہ کو ساقط کر دیا اور وہ ایسے ہوگئے گویا انھوں نے کسی خون و مال سے تعرض کیا ہی نہیں، اس لیے ان کے ہاتھوں میں جو کچھ بھی ہے اسے ان سے چھیننا جائز نہیں۔

عقیل رسول کریم ﷺ کے مکانات پر کیسے قابض ہوئے؟

اگر معترض کہے کہ صحیح بخاری و مسلم میں بطریق زہری از علی بن حسین از عمرو بن عثمان، اُسامہ بن زید سے مروی ہے کہ اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ اپنے مکہ والے گھر میں داخل نہیں ہوں گے؟ فرمایا: ''کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر یا مکان چھوڑا بھی ہے؟''[1] عقیل اور طالب دونوں

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٥٨٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٥١)

بھائیوں نے وراثت حاصل کی تھی مگر جعفر اور علی رضی اللہ عنہما کو کوئی ورثہ نہ دیا گیا، اس لیے کہ وہ دونوں مسلمان تھے جبکہ عقیل اور طالب کافر تھے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ (ایک شخص نے) کہا: یا رسول اللہ! کل کو آپ کا قیام کہاں ہوگا؟ یہ فتح مکہ کے دنوں کی بات ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا بھی ہے؟''[1] پھر فرمایا: ''کافر مومن کا وارث نہیں ہوتا اور مومن کافر کا وارث نہیں ہوتا۔''[2]

امام زہری سے دریافت کیا گیا کہ ابو طالب کا وارث کون ہوا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ابو طالب کے وارث عقیل اور طالب تھے۔ معمر نے زہری سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کل اپنے حج میں کہاں قیام کریں گے؟[3] (بخاری)

ان احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ مکانات عقیل کی طرف بطریقِ وراثت منتقل ہوئے تھے، غلبہ کے طور پر نہیں، پھر انھوں نے ان مکانات کو فروخت کر دیا۔

ہم کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا وہ گھر جو رسول کریم ﷺ نے اپنے والد سے ورثہ میں پایا تھا اور دوسرا وہ گھر جو آپ ﷺ اور آپ کے بچوں کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملا تھا، عقیل کا اس میں کچھ حق نہ تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ عقیل یونہی اس پر قابض ہوگئے تھے۔ باقی ابو طالب کے مکانات گو وہ ہجرت سے کئی سال قبل فوت ہوگئے تھے اور وراثت کے حصص اس وقت تک متعین نہیں ہوئے تھے، ابھی تک یہ حکم نازل بھی نہیں ہوا تھا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، بلکہ مکہ میں جو مشرک فوت ہوئے تھے انھوں نے اپنی مسلم اولاد کو دوسرے بچوں کی طرح وراثت کا حصہ دیا تھا۔ اس پر طرّہ یہ کہ مشرکین مسلمان عورتوں سے نکاح بھی کرتے تھے جو تقسیمِ وراثت سے بھی بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں میں موالات کا رشتہ میں جا کر نکاح اور وراثت کو منع کر کے کیا تھا، مزید برآں جہاد کا حکم دیا جو عصمت کو قطع کرنے والا ہے۔

حربی کافر جب مسلمان ہوجائے تو اس سے مسلمانوں کے مال کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا:

ابن اسحاق، ابن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ مکہ تشریف لائے تو

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٨٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٨٣)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٥٨)

ان مکانات کو دیکھا، ان میں سے جن کو جاہلیت کے طریقے پر تقسیم کیا گیا تھا آپ ﷺ نے اُن سے کچھ تعرض نہ کیا اور جو ہنوز غیر مقسوم تھے ان کو دینِ اسلام کے احکام کے مطابق تقسیم کر دیا۔

ابن ابی نجیح کی یہ روایت اس ضمن میں وارد شدہ مرفوع احادیث سے ہم آہنگ ہے، مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت کہ جو تقسیم دورِ جاہلیت میں وقوع پذیر ہوئی اسے ویسا ہی رہنے دیا جائے اور جو تقسیم اسلام کے زمانہ میں ہوئی تو وہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگی۔"[1] (ابو داود، ابن ماجہ)

اس روایت کا مفہوم کتاب اللہ کے عین موافق ہے اور ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، اس لیے کہ حربی کافر اگر کوئی فاسد معاملہ انجام دے، مثلاً ربا یا خمر و خنزیر کی خرید و فروخت وغیرہ کا اور اس کی قیمت وصول کرنے کے بعد اسلام لائے تو اس کے پاس جو مال موجود ہے اُس پر حرام نہ ہوگا، اس کو واپس کرنا بھی اس پر واجب نہیں اور اگر اس نے قیمت وصول نہیں کی تو وہ صرف وہی قیمت وصول کر سکتا ہے جو ایک مسلم کے لیے جائز ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۷۸]

"اور جو سود باقی ہے وہ چھوڑ دو اگر تم ایماندار ہو۔"

اس آیت میں حکم دیا کہ جو سود لوگوں کے ذمے باقی ہے اس کو چھوڑ دو مگر یہ نہیں فرمایا کہ جو لے چکے ہو اسے واپس کر دو۔

جب آپ نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) خطبہ دیا تو جاہلیت کے تمام خون اور ربا معاف کر دیا حتی کہ حضرت عباس کا جو سود لوگوں کے ذمے واجب الادا تھا وہ بھی معاف کر دیا۔[2] مگر جو لے چکے اسے واپس کرنے کا حکم نہ دیا۔ میراث کا معاملہ بھی اسی طرح ہے، جب کوئی شخص دورِ جاہلیت میں مر گیا اور اس کی وراثت تقسیم کر دی گئی تو اس تقسیم کو نافذ کر دیا جائے گا، اگر تقسیم سے پہلے ورثہ پانے والے مسلمان ہو جائیں یا تقسیم سے پہلے اپنا معاملہ مسلمانوں کی عدالت میں لائیں تو اسے اسلامی اصولوں کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ جب ابو طالب نے وفات پائی تو اس کی وراثت ساری اولاد میں تقسیم کرنی چاہیے تھی مگر ان کے مکانات کو تقسیم نہ کیا گیا یہاں تک کہ حضرت علی اور جعفر رضی اللہ عنہما ہجرت کر کے مدینہ

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (۲۹۱٤) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۲٤۸٥) اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ إرواء الغليل، رقم الحديث (۱۷۱۷)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۲۱۸)

چلے گئے۔ عقیل نے ان کے مکانات پر قبضہ کر کے ان کو فروخت کر دیا۔ اسی ضمن میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان نہیں چھوڑا بلکہ مکانوں پر قابض ہو کر انھیں فروخت کر دیا۔''[1]

اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ ان مکانات پر قابض ہوگیا جن کے ہم مستحق تھے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو مکانات کو عقیل کی طرف منسوب نہ کیا جاتا اور نہ ہی ان کے چچا زاد بھائیوں کی طرف کیونکہ مکانات میں ان کا کوئی حق نہ تھا۔

رسول کریم ﷺ نے اس کے بعد فرمایا:

''مومن کافر کا وارث نہیں ہوتا اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہوتا۔''[2]

آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہنوز مکانات اس کے قبضہ میں ہیں اور تقسیم نہیں ہوئے تو ہم تمام مکانات اُسی کو دے دیں گے اور اس کے بھائیوں کو نہیں دیں گے، اس لیے کہ وہ ایک غیر مقسوم میراث ہے، لہٰذا اب اُسے اسلامی احکامات کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور اسلامی تقسیم کی رُو سے ایک مسلم کافر کا وارث نہیں ہوتا، اگرچہ یہ حکم ابو طالب کی وفات کے بعد نازل ہوا، چونکہ ترکہ اس وقت تک تقسیم نہیں ہوا تھا اس لیے اسے اسلامی احکام کے مطابق تقسیم کیا جا سکتا تھا، لہٰذا رسول کریم ﷺ نے واضح کیا کہ جعفر اور علی کو ابو طالب کی وراثت سے حصہ طلب کرنے کا کوئی حق نہیں اگرچہ جائیداد موجود ہو اور جب اُن سے یہ جائیداد فی سبیل اللہ لی گئی تو اب وہ اسے کیونکر واپس لے سکتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مشرک حربی سے اس کے اسلام لانے کے بعد اُن دماء و اموال اور حقوق اللہ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا جن کا ارتکاب اس نے دورِ جاہلیت میں کیا تھا اور نہ ہی اس کے ہاتھ سے وہ اموال چھینے جا سکتے ہیں جو بطورِ غنیمت اس نے مسلمانوں سے لیے، اسی طرح اس سے ان گالیوں کا بھی محاسبہ نہیں کیا جائے گا جو اس سے دورِ جاہلیت میں صادر ہوئیں، بنا بریں ان لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

گالی دہندہ کو قتل کرنا سنتِ رسول کا حتمی تقاضا ہے:

ہم نے جو کہا ہے کہ گالی دینے والے مشرک کو حتمی طور پر قتل کیا جائے لیکن اس قسم کے دوسرے کفر کو معاف کر دیا جائے، یہ بات عہدِ رسالت میں اور اس کے بعد صحابہ کے نفوس میں جاگزیں تھی۔ وہ گالی دینے والے کو قصداً قتل کرتے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ وہ گالی دینے کو اس کے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٥٨٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦١٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٥٨٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٣٥١)

قتل کا موجب اور محرک قرار دیتے تھے اور اس راہ میں اپنی جان دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے، جیسا کہ قبل ازیں حدیث میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے کہا: مجھے اور میرے ماں باپ کو بے شک گالی دے لومگر رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے احتراز کرو، پھر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا، نیز اُس شخص کا واقعہ بھی گزر چکا ہے کہ اس نے اپنے باپ کو سنا کہ وہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے رہا ہے تو اس نے اُسے قتل کر دیا۔ علاوہ ازیں ایک انصاری کی روایت جس نے عصماء کو قتل کرنے کی نذر مانی تھی، پھر اُسے قتل کر دیا تھا اور اُس آدمی کی روایت جس نے ابن ابی سرح کو قتل کرنے کی نذر مانی تھی اور رسول کریم ﷺ نے اس کو بیعت کرنے میں تاخیر کی تھی تا کہ وہ اسے قتل کر کے اپنی نذر پوری کرے۔

غزوۂ بدر میں ابو جہل کا قتل:

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے روز میں صف میں کھڑا تھا کہ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا، اچانک مجھے دو انصاری نوجوان نظر آئے، میری یہ آرزو تھی کہ دونوں میں سے جو طاقت ور ہے میں اس کے پاس ٹھہروں۔ دونوں میں سے ایک نے مجھے اشارہ کر کے پوچھا: چچا! کیا تم ابو جہل کو پہچانتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا اور پوچھا، بھتیجے! تمھیں اس سے کیا سروکار؟ لڑکے نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ جس کی تقدیر پہلے آئی ہے وہ مر جائے۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں اس پر بڑا حیران ہوا، پھر دوسرے لڑکے نے اشارہ کر کے اسی قسم کی بات کہی، جلدی ہی میں نے ابو جہل کو لوگوں میں گھومتے دیکھا، میں نے دونوں سے کہا: کیا تم اسے دیکھتے نہیں؟ یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھتے ہو۔ اس نے کہا کہ دونوں تلواریں لے کر اس پر جھپٹ پڑے اور اسے مار ڈالا، پھر آ کر رسول کریم ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کس نے اُسے قتل کیا ہے؟'' دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ میں نے اسے قتل کیا ہے، آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے اپنی اپنی تلوار کو پونچھ لیا ہے؟ دونوں نے کہا: نہیں، چنانچہ حضور ﷺ نے دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا: ''تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔'' رسول کریم ﷺ نے ابو جہل کا سامان معاذ بن عمرو بن الجموح کو دے دیا، ان کا نام معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء تھا۔[1]

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۱٤۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۷۵۲)

رسول اکرم ﷺ کے ابوجہل کے قتل سے خوش ہونے اور سجدۂ شکر بجا لانے کا واقعہ مشہور ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

((هذا فرعون هذه الأمة)) [1] ''یہ اس امت کا فرعون ہے۔''

اس کے باوجود رسول کریم ﷺ نے ابو البختری ابن ہشام کے قتل سے منع کیا، حالانکہ وہ غیر معاہد کافر تھا، اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ لڑنے سے باز رہا اور ظلم کی دستاویز کو ضائع کر کے اس نے رسول کریم ﷺ کی مدد کی تھی، جو آپ پر بڑا احسان تھا۔ [2] رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا:

''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان ناپاک لوگوں کی سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان کو چھوڑ دیتا۔'' [3]

اس طرح آپ مطعم کو اس احسان کا بدلہ دینا چاہتے تھے کہ اس نے مکہ میں رسول کریم ﷺ کو پناہ دی تھی اور مطعم معاہد نہ تھا۔ پس ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے والے کو قتل کرنا اور اس سے انتقام لینا ایک طے شدہ بات ہے، برخلاف اس کے جو جنگ و قتال سے باز رہے اگرچہ کفر میں دونوں برابر ہیں، جس طرح آپ محسن کو اس کے احسان کا بدلہ دیتے تھے اگرچہ وہ کافر ہو۔

ابولہب کی رسوائی:

یہ امر اس کا مؤید ہے کہ ابولہب آپ کا قرابت دار تھا، جب اس نے آپ ﷺ کو ایذا دی اور بنو ہاشم کی مدد نہ کی تو اس کی لعنت پر مشتمل قرآن نازل ہوا اور نام لے کر اُس کو وعید سنائی گئی، یہ ایسی رسوائی ہے جس سے دیگر کفار دو چار نہیں ہوئے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابولہب اپنی قوم کے کفار میں سے تھا۔ جب ہمارے خلاف قریش متحد ہو گئے تو ہم سے الگ ہو گیا اور ہمارے اعداء کی پشت پناہی کرنے لگا، اس لیے اللہ نے اس کی مذمت کی۔ بنو المطلب اگرچہ نسبت کے لحاظ سے عبدِ شمس اور نوفل کے مساوی تھے، چونکہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کی نصرت و اعانت کی جبکہ عبد شمس اور نوفل کافر تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس کاوش کو قبول فرمایا اور اسلام لانے کے بعد آپ کے اقارب

---

[1] مسند أحمد (۱/ ۴۰۳) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ (مجمع الزوائد: ۶/ ۸۲)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (۷/ ۳۵۷) رقم الحديث (۳۶۶۸۲)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۱۳۹)

میں ان کا حصہ بنی ہاشم کے بعد رکھا، چونکہ ابو طالب نے بھی رسول کریم ﷺ کی مدد کی اور آپ کا دفاع کیا تھا، اس لیے ان کو جہنمیوں کی نسبت ہلکا عذاب دیا جائے گا۔[1]

جن سے مسلمان انتقام نہ لے سکیں ان کے بارے میں اللہ کی سنت:

مروی ہے کہ ابولہب کو (روزِ قیامت) انگوٹھے کے نشیب میں پانی پلایا جائے گا، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ جب پیدا ہوئے اور اس کی لونڈی ثویبہ نے اسے آپ ﷺ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اسے آزاد کر دیا۔[2] اللہ کی یہ سنت رہی ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہوں اور اہل ایمان انھیں سزا نہ دے سکیں تو اللہ تعالیٰ ان سے اپنے رسول کا انتقام لیتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے، جیسا کہ مفتری کاتب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کسی حد تک ہم نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ [الحجر: ۹۴، ۹۵]

''پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کو سنا دو اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو، ہم تمھیں ان لوگوں کے شر سے بچانے کے لیے، جو تم سے استہزا کرتے ہیں، کافی ہیں۔''

ان مذاق اڑانے والوں کو اللہ نے ایک ایک کر کے ہلاک کیا، ان کا واقعہ معروف ہے، جس کو علمائے سیرت اور مفسرین نے ذکر کیا ہے اور جیسا کہ کہا گیا ہے: یہ قریش کے چند سردار تھے، ان میں سے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن عبدِ یغوث اور حارث بن قیس تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے قیصر و کسریٰ کو بھی (دعوتِ اسلام پر مشتمل) خطوط تحریر کیے تھے مگر دونوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ قیصر نے رسول کریم ﷺ اور ان کے خط کو احترام کی نگاہ سے دیکھا، اس لیے اس کی سلطنت قائم رہی، کہا جاتا ہے کہ اُس کے خاندان میں ابھی تک حکومت و سلطنت باقی ہے، بخلاف ازیں کسریٰ نے رسول کریم ﷺ کے خط کو چاک کر دیا اور رسول کریم کا مذاق اڑایا، اس لیے بہت جلد اللہ نے اسے تباہ و برباد کر دیا، اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا اور اس کے خاندان میں حکومت باقی نہ رہی۔ اس کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۱۲)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۵۱۰۱) یہ حضرت عروۃ سے مرسل روایت ہے۔

﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ [الکوثر: ۳]

''بے شک تیرا دشمن ہی خیر و برکت سے محروم ہے۔''

جو شخص بھی رسول کریم ﷺ سے بغض و عناد رکھے گا اللہ اس کی جڑ کاٹ دے گا اور اس کا نام و نشان مٹا دے گا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل یا عقبہ بن ابی معیط یا کعب بن اشرف کے بارے میں نازل ہوئی اور اللہ نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا وہ آپ دیکھ چکے ہیں۔

عربی میں مثل مشہور ہے:

"لحوم العلماء مسمومة." (علماء کا گوشت زہریلا ہوتا ہے۔)

تو پھر انبیاء علیہم السلام کا گوشت کیسا ہوگا؟!

حدیث قدسی:

روایات صحیحہ میں رسول کریم ﷺ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جس نے میرے ولی سے دشمنی رکھی اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کیا۔''[1]

تو پھر اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو انبیاء علیہم السلام سے دشمنی رکھے، جو اللہ سے جنگ کرتا ہے اس سے جنگ کی جاتی ہے، انبیاء کے جو واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امتوں نے جب انبیاء کو ایذا دی اور قول و عمل سے ان کی مخالفت کی تو ان کو ہلاک کیا گیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کو ذلیل کیا گیا، وہ غضب الٰہی سے دو چار ہوئے اور ان کا کوئی مددگار نہ تھا اور وہ اس لیے کہ انھوں نے ناحق انبیاء کو قتل کیا جبکہ وہ کافر بھی تھے، جیسا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

آپ کسی ایسے شخص کو نہ پائیں گے جس نے کسی نبی کو ایذا دی ہو اور پھر توبہ نہ کی تو اس پر کوئی نہ کوئی آفت نہ آئی ہو۔ قبل ازیں ہم ذکر کر چکے ہیں اور مسلمان اس کو آزما چکے ہیں کہ کفار جب رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے لگتے ہیں تو ان سے جلد انتقام لیا جاتا ہے، متعدد واقعات سے یہ بات ہم تک پہنچی ہے۔ یہ ایک وسیع باب ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ چیز یہاں ہمارے پیش نظر ہے۔ بخلاف ازیں ہمارا مقصد صرف حکم شرعی کو بیان کرنا تھا۔

اللہ اپنے رسول کی حفاظت کرتا اور لوگوں سے اسے بچاتا ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی حفاظت کرتا اور اس سے لوگوں کی ایذا اور سب و شتم کو ہر ممکن طریق

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٥٠٢)

سے دُور کرتا ہے حتی کہ الفاظ میں بھی اس کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مجھ سے کفار کے سب و شتم اور لعن طعن کو دور رکھتا ہے اور وہ اس طرح کہ وہ مذمم کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔''[1]

اس طرح اللہ نے آپ کے اسم اور صفت کو ایذا سے بچا کر اس شخص کی طرف موڑ دیا جو ''مذمم'' ہے اگرچہ ایذا دینے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانا چاہتا تھا۔

گالی دینے والے کے قتل کا تعیّن اور اس کا سبب:

جب یہ بات طے ہوچکی جو ہم نے سنتِ رسول اور سیرتِ صحابہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ رسول کو گالی دینے والے کا قتل ایک مسلمہ بات ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یا تو اسے صرف حربی کافر ہونے کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کی وجہ سے جو ان کے کافر ہونے کے ساتھ ایک مزید جرم ہے، اور یہ بات غلط ہے کہ اسے محض حربی کافر ہونے کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے، اس لیے کہ احادیث نبویہ میں اس امر کی تصریح ہے کہ اُسے محض حربی کافر ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا بلکہ اکثر احادیث اس بارے میں نص کا درجہ رکھتی ہیں کہ اس کے قتل کا موجب صرف گالی دینا ہے تو ہم کہتے ہیں: جب یہ مسلمہ بات ہے کہ حربی کے قتل کا موجب گالی دینا ہے تو مسلم اور ذمی بالاولیٰ اس بات کے مستحق ہیں کہ گالی دینے کی بنا پر انھیں قتل کیا جائے، اس لیے کہ قتل کا موجب و متحرک گالی دینا ہے، نہ کہ محض کفر اور حرب و پیکار، جیسا کہ واضح ہو چکا، لہٰذا جہاں کہیں یہ موجب موجود ہوگا تو قتل واجب ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر خون کو مباح کر دیتا ہے مگر اس بات کا موجب نہیں کہ کافر کو بہر حال قتل کیا جائے، اس لیے کہ کافر کو امان دے سکتے ہیں، اس کے ساتھ مصالحت کر سکتے ہیں، اس پر احسان کر سکتے اور فدیہ لے کر بھی اسے رہا کیا جا سکتا ہے۔

لیکن جب کافر عہد کرے تو اس کا خون محفوظ ہوجاتا ہے جس کو کفر نے مباح کیا تھا، پس حربی اور ذمی کافر کے مابین یہ فرق و امتیاز ہے مگر قتل کے دوسرے موجبات عہد کے حکم میں داخل نہیں ہوتے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۵۳۳) صحیح مسلم میں یہ روایت نہیں ملی۔ حافظ ابن حجر اور علامہ احمد شاکر مصری رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ یہ روایت صرف صحیح بخاری میں ہے، صحیح مسلم میں نہیں۔ (فتح الباري: ۶/ ۵۳۵، مسند أحمد: ۱۳/ ۵۰، رقم الحديث: ۷۳۲۷)

حدیث نبوی سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ رسول کریم ﷺ گالی دینے والے کے لیے قتل کا حکم محض گالی کی وجہ سے دیتے تھے نہ کہ کفر کے باعث جس میں عہد نہ کیا گیا ہو، جب قتل کا موجب، یعنی گالی موجود ہے اور عہد نے بھی اس کے خون کو بچایا نہیں تو اب قتل کے سوا چارہ نہیں۔ اس کے بارے میں جو بات زیادہ سے زیادہ کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ حربی کافر تھا اور ساتھ ہی گالی بھی دیتا تھا اور مسلم جب (رسول کریم ﷺ کو) گالی دے تو وہ مرتد اور گالی دہندہ ہو جاتا ہے اور مرتد کا قتل اصلی کافر کے قتل سے واجب تر ہے لیکن ذمی جب گالی دیتا ہے تو وہ کافر، محارب اور گالی دہندہ بن جاتا ہے جبکہ پہلے عہد بھی کر چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا قتل زیادہ ضروری ہے۔

مزید برآں ذمی سے جو معاہدہ اجماعاً نہیں کیا گیا کہ وہ برملا رسول کریم ﷺ کو گالی دے گا، اسی لیے جب وہ علانیہ گالی دینے کا مرتکب ہوگا تو مسلمانوں کے اجماع کے مطابق اسے سزا دی جائے گی۔ اس کی سزا یا قتل ہے یا تعزیر (جس کا مدار و انحصار حاکم کی صوابدید پر ہوتا ہے) اسے سزا اس لیے نہیں دی جا رہی کہ وہ ایسے فعل کا مرتکب ہوا جس پر اس سے عہد لیا گیا تھا، وہ غلیظ کفر ہی کیوں نہ ہو، ایسے فعل پر سزا دینا جائز نہیں جس پر اس سے عہد لیا گیا ہو، بشرطیکہ عہد ایسا نہ ہو جو اس کے فعل کو جائز ٹھہرائے، اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس کی وجہ سے قتل کا حکم دیا، بایں طور اُس نے وہ کام کیا جس کی وجہ سے اسے قتل کیا جا سکتا ہے اور عہد کی وجہ سے وہ کام اس کے لیے جائز بھی نہیں اور ایسے شخص کا قتل بلاشبہ جائز ہے۔

یہ توجیہ اس کے قتل کی مقتضی ہے، قطع نظر اس کے کہ اس نے عہد توڑا یا نہیں، اس لیے کہ قتل کے وہ موجبات جن کی اجازت ہم نے اسے نہیں دی ان کی بنا پر اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ذمی عورت کے ساتھ زنا کرنے، ذمی پر ڈاکہ ڈالنے اور ذمی کو قتل کرنے سے اس کا عہد نہیں ٹوٹتا اور اگر انھی افعال کا ارتکاب مسلمانوں کے ساتھ کرے تب بھی یہی صورت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کا عہد نہیں ٹوٹتا، تاہم اُسے قتل کیا جائے گا۔

مزید برآں مسلم گالی اس لیے نہیں دیتا کہ اس نے علانیہ اپنے ایمان کا اظہار کیا ہے اور ذمی گالی سے اس لیے باز رہتا ہے کہ اس نے ذمی ہونے کا اظہار کیا اور ذلت و رسوائی کے التزام کو قبول کیا ہے اور اگر وہ ذلیل ہونے کی وجہ سے اس لیے باز نہیں رہتا تو ایسا کرنے کی صورت میں اسے کوئی سزا نہیں دی جا سکتی اور نہ تعزیر ہی جائز ہے۔ اور جب گالی دینے کی وجہ سے اس کافر کو قتل کیا جا سکتا ہے جو ظاہراً و

باطناً اس فعل کو جائز قرار دیتا ہے اور اس نے اس فعل کو چھوڑنے کا ہمارے ساتھ معاہدہ بھی نہیں کیا تو اس شخص کو بالاولی قتل کیا جائے گا جس نے علانیہ گالی نہ دینے کا ہمارے ساتھ التزام اور معاہدہ کیا ہے۔

علاوہ بریں مذکورہ صدر احادیث اس امر کی آئینہ داری کرتی ہیں کہ گالی دہندہ واجب القتل ہے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر گالی دہندہ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، اور امر وجوب کو چاہتا ہے، جس شخص کے بارے میں بھی آپ کو پتہ چلا کہ وہ گالی دیتا ہے تو آپ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا، صحابہ نے بھی اس کی پیروی کی، حالانکہ اس کو معاف کرنا آپ کے لیے ممکن تھا اور جہاں معاف کرنے کا امکان مفقود ہو تو وہاں گالی دہندہ کو قتل کرنا واجب تر اور اس کام کی رغبت شدید تر ہوتی ہے۔ یہ فعل جہاد کی ایک نوع ہے، اسی کا نام کفار و منافقین کے ساتھ سختی برتنا، اللہ کے دین کا اظہار و اعلان اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ واجب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ گالی دہندہ کا قتل فی الجملہ واجب ہے اور جہاں رسول کریم ﷺ کو معاف کرنے کا اختیار ہے تو وہ اس شخص کے بارے میں ہے جس پر قابو پالیا گیا ہو جبکہ وہ اسلام کا اظہار کرتا اور اس کے احکام کی اطاعت کرتا ہو یا جو آپ ﷺ کے پاس امن و سلامتی تلاش کرنے کے لیے آئے۔ ایسا نہ کرنے والوں میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے دو میں سے ایک گلو کار لونڈی کو معاف کر دیا تھا اور بعض نے ابن ابی سرح کو امن دیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں امن و آشتی کی تلاش میں اسلام لانے اور توبہ کرنے کے ارادے سے آئے تھے اور آپ ایسے آدمی کو معاف کر سکتے ہیں، لہٰذا اُس کا قتل متعین نہیں۔ جب ثابت ہو گیا کہ گالی دہندہ کا قتل واجب تھا اور حربی کافر نے گالی نہیں دی، لہٰذا اُس کا قتل واجب نہیں بلکہ اسے قتل کرنا جائز ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ذمی بننے سے واجب القتل کا خون معصوم نہیں ہوتا بلکہ اس شخص کا جو جائز القتل ہو۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مرتد ذمی نہیں ہوتا، اسی طرح ڈاکہ زنی کرنے والا اور زانی چونکہ واجب القتل ہیں، اس لیے ذمی بننے سے وہ قتل سے بچ نہیں سکتے۔

اسی طرح ذمی کو حربی کافر پر جو برتری حاصل ہے وہ عہد کی وجہ سے ہے اور عہد کی بنا پر اس کے لیے گالی کا اظہار اجماعاً مباح نہیں ہو جاتا، بایں طور ذمی اور حربی گالی کے اظہار و اعلان میں، جو موجب قتل ہے، شریک ہیں اور ذمی میں عہد کی جو خصوصیت پائی جاتی ہے وہ گالی کے اظہار کو مباح نہیں کرتی تو گویا وہ ایسے فعل کا مرتکب ہوا جو قتل کا موجب ہے اور اس کی اجازت اُسے نہیں دی گئی تھی، پس اس کو قتل کرنا ضروری ٹھہرا۔

علاوہ ازیں رسول کریم ﷺ نے گالی دینے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا، حالانکہ جان و مال کے ساتھ لڑائی کرنے والے کو آپ نے امان دے دی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینا محاربہ سے شدید تر یا اس جیسا ہے اور ذمی اگر لڑے گا تو اسے قتل کیا جائے گا تو بنا بریں گالی دینے کی صورت میں بالاولیٰ اسے قتل کیا جائے گا، نیز یہ کہ ذمی اگرچہ عہد کی وجہ سے معصوم الدم ہے مگر اسی عہد کی وجہ سے گالی دینے سے روکا گیا ہے، بخلاف ازیں حربی نے کوئی عہد نہیں کیا، جس کی وجہ سے وہ معصوم الدم ہو اور گالی دینے سے کوئی چیز اسے مانع نہیں، اس لیے ذمی ممنوع السب ہونے کی بنا پر حربی سے بدتر، عداوت میں شدید تر اور اس کا جرم بھی بڑا ہے، اس لیے ذمی اس سزا کا زیادہ مستحق ہے جو حربی کو گالی دینے کی وجہ سے دی جاتی ہے۔ اور وہ عہد جس کی بنا پر وہ معصوم الدم تھا اس نے اپنے موجب کو پورا نہیں کیا، اس لیے بے کار ہے۔ اس لیے کہ ہمارا رویہ اسی وقت تک اس کے ساتھ درست ہوگا جب تک اس کا برتاؤ ہمارے ساتھ صحیح ہے مگر وہ بالاتفاق درست نہیں، لہٰذا اُسے سزا دی جائے گی اور عہد اس کے جسم اور خون کی حفاظت تو کرتا ہے مگر جب اس پر کوئی حق واجب ہو (تو اس کا جسم اور خون معصوم نہیں رہتا)۔ جب اس کو سزا دینا بالاتفاق جائز ہے تو معلوم ہوا کہ اس نے ایسا فعل انجام دیا ہے جو سزا کا موجب ہے۔

سنت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ اس گناہ کی سزا قتل ہے۔ ان احادیث سے استدلال کا راز یہ ہے کہ ذمی کو صرف عہد کے ٹوٹ جانے کی بنا پر قتل نہیں کیا جاتا، اس لیے کہ محض عہد کے ٹوٹ جانے سے وہ غیر معاہد کافر ہے بلکہ اُسے گالی دینے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا، حالانکہ گالی کفر، عداوت اور محاربہ کو مستلزم ہے اور یہ بات جہاں بھی ہو قتل کی موجب ہے، باقی مزید گفتگو اس موضوع پر آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ

تیرہویں حدیث:

رسول پر جھوٹ باندھنے والے کی سزا ہم نے بطریق ابو القاسم عبداللہ بن محمد بغوی اور یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی از علی بن مسہر از صالح بن حبان از ابن بریدہ از والد خود روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو پتہ چلا کہ ایک شخص نے ایک قوم سے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھارے اور تمھارے اموال کے بارے میں اپنی رائے سے فیصلہ کروں، اس نے دورِ جاہلیت میں ان سے ایک عورت کا رشتہ مانگا تھا اور انھوں نے عورت کو اس کے نکاح میں دینے سے انکار کر دیا تھا، پھر جا کر اس عورت کے یہاں مقیم ہو گیا۔ ان لوگوں نے رسول کریم ﷺ کو بلا بھیجا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''دشمنِ خدا نے جھوٹ بولا۔'' پھر ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا: ''اگر تم اُسے زندہ پاؤ تو اسے قتل کر دو اور اگر مردہ پاؤ تو اسے نذرِ آتش کر

دو۔'' جب وہ شخص پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ سانپ کے ڈسنے سے مر چکا تھا، چنانچہ اس نے اسے آگ میں جلا دیا۔ تب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا گھر دوزخ میں تلاش کرے۔'' [1]

ابو احمد بن عدی نے اس کو اپنی کتاب الکامل میں نقل کیا ہے کہ ہم نے بطریق حسین بن محمد بن عنبر از حجاج بن یوسف الشاعر از زکریا بن عدی از علی بن مسہر از صالح بن حیان از ابن بریدہ از والد خود روایت کیا ہے کہ بنولیث کا ایک خاندان مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر رہتا تھا۔ دورِ جاہلیت میں ایک آدمی نے ان سے رشتہ مانگا تھا مگر انھوں نے نہ دیا، ایک روز وہ شخص ان کے پاس آیا اور اس نے سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس نے کہا: رسول کریم ﷺ نے یہ حُلہ مجھے پہنایا اور حکم دیا تھا کہ تمھارے خون و مال میں جیسے چاہوں فیصلہ کروں۔ پھر جا کر اس عورت کے یہاں مقیم ہوا جسے وہ چاہتا تھا۔ اُس قوم نے رسول کریم ﷺ کی طرف پیغام بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دشمنِ خدا نے جھوٹ بولا'' پھر ایک آدمی کو بھیج کر آپ نے حکم دیا کہ اگر تم اسے زندہ پاؤ، اور میرا خیال ہے کہ تم اسے زندہ نہ پاؤ گے، تو اس کی گردن اڑا دو اور اگر مردہ پاؤ تو آگ میں جلا دو، آپ نے فرمایا:

''جس نے مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھا وہ اپنا گھر جہنم میں بنا لے۔'' [2]

اس حدیث کی سند صحیح اور شروط الصحیح کے مطابق ہے، ہمارے نزدیک اس میں کوئی علت نہیں۔ [3]

بسندِ دیگر اس کی مؤید ایک اور روایت بھی ہے، اس کو المعافی بن زکریا الجریری نے کتاب الجلیس میں

---

[1] حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے غیر صحیح اور منکر کہا ہے۔ (میزان الاعتدال: ۲/ ۲۹۳، سیر أعلام النبلاء: ۷/ ۳۷٤) البتہ آپ ﷺ کا فرمان ''من کذب علي متعمداً ...الخ'' صحیح ہے اور کتب حدیث میں ثابت ہے، دیکھیے: صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۰۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٤)

[2] دیکھیے: الکامل لابن عدي (٤/ ۱۳۷۱) اس کے آخر میں ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم میں اس روایت کی یہی صرف ایک ہی سند ہے۔

[3] اس کی سند میں صالح بن حیان القرشی سخت ضعیف ہے، مصنف رحمہ اللہ کو صالح بن صالح بن حي سے اشتباہ ہوا ہے جو اپنے دادا ''حیان'' کی طرف منسوب ہو کر صالح بن حیان کے نام سے مشہور ہے اور صحیحین کا راوی ہے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے صالح القرشی کو صالح بن حیان، جو صحیحین کا راوی ہے، سمجھ کر اس روایت کو صحیح کہا ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس پر کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ روایت کسی بھی سند سے ثابت نہیں ہے۔ دیکھیے: (میزان الاعتدال: ۲/ ۲۹۳، سیر أعلام النبلاء: ۷/ ۳۷٤)

بطریق ابو حامد الحضرمی از سری بن مرثد الخراسانی از ابو جعفر محمد بن علی الفزاری از داود بن الزبرقان از عطاء بن السائب از عبداللہ بن زبیر روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایک روز اپنے اصحاب سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے کہ ''جس نے مجھ پر دانستہ جھوٹ بولا وہ اپنا گھر دوزخ میں بنالے؟ ابن زبیر نے کہا کہ ایک شخص ایک عورت پر عاشق تھا، وہ اس عورت کے اہل خانہ کے پاس شام کے وقت گیا اور کہا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا اور کہا ہے کہ میں جس کے پاس چاہوں ٹھہروں کہا کہ وہ رات گزارنے کا انتظار کر رہا تھا، ان میں سے ایک آدمی رسول کریم ﷺ کے پاس گیا اور کہا کہ فلاں آدمی کہتا ہے کہ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ ہمارے گھروں میں سے جہاں چاہے رات گزارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس نے جھوٹ بولا، اے فلاں شخص! اس کے ساتھ جاؤ اور اگر اللہ تعالیٰ تمھیں اس پر قدرت عطا کرے تو اس کی گردن اڑا دو اور اسے آگ میں جلا دو اور میرا خیال ہے کہ تمھاری جان اس سے چھوٹ جائے گی۔''

جب وہ آدمی نکل گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''اُسے بلاؤ، میں نے تمھیں اس کی گردن اڑانے اور اسے آگ میں جلانے کا حکم دیا ہے تو اگر اللہ تجھے اس پر قدرت عطا کرے تو اس کی گردن اڑا دو اور اسے آگ میں مت جلاؤ، اس لیے کہ آگ کا عذاب صرف وہ ذات دیتی ہے جو آگ کی مالک ہے اور میرا خیال ہے کہ تمھاری جان اس سے چھوٹ جائے گی۔''

اندریں اثنا گرج دار بادل آسمان پر چھا گیا، وہ آدمی وضو کرنے کے لیے نکلا اور اس کو سانپ نے ڈس لیا، جب رسول کریم ﷺ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا: ''وہ جہنم میں جائے گا۔''[1]

ابوبکر بن مردویہ بطریق الوازع از ابوسلمہ از اُسامہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص میری طرف ایسی بات کو منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی، وہ اپنا گھر دوزخ میں بنالے۔''

یہ بات آپ نے اس ضمن میں فرمائی جب آپ نے ایک شخص کو بھیجا اور اس نے آپ پر

---

[1] الجليس للحريري (١/ ١٨٢، ١٨٣) اس کی سند میں داود بن زبرقان الرقاشی سخت ضعیف ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ کسی سند سے ثابت نہیں ہے۔ (المیزان: ٢/ ٢٩٣)

جھوٹ باندھا، وہ شخص مردہ پایا گیا، اس کا پیٹ چاک کیا گیا تھا اور اسے زمین نے قبول نہیں کیا تھا۔[1]

مروی ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ پر جھوٹ باندھا تو رسول کریم ﷺ نے حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیج کر اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔[2]

اس حدیث کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں:

رسول کریم ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے کے بارے میں علماء کا اختلاف:

ایک قول یہ ہے کہ حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا جائے اور جھوٹ باندھنے والے کو قتل کیا جائے۔ ان میں سے کچھ لوگ اس کو کافر قرار دیتے ہیں، ان میں سے ابو محمد الجوینی ہیں، حتی کہ ابن عقیل اپنے شیخ ابو الفضل ہمدانی سے روایت کرتے ہیں کہ بدعتی، کذاب اور وضاع ملحدین سے زیادہ برے ہیں، اس لیے کہ ملاحد باہر رہ کر دین کو بگاڑتے ہیں جبکہ کذاب و وضاع اندر سے دین کو بگاڑتے ہیں۔ وہ ایک شہر والوں کی مانند ہیں جو اس کو برباد کرنے کی سعی کرتے ہیں، اس کے برعکس ملاحدہ ایسے ہیں جیسے باہر سے شہر کا محاصرہ کرنے والے، پس جو لوگ اندر ہیں وہ قلعے کا دروازہ کھولتے ہیں، اس لیے وہ اسلام کے حق میں باہر سے آنے والوں سے بدتر ہیں۔

اس قول کی توجیہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ پر جھوٹ باندھنا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے، اسی لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر جھوٹ باندھنے اور دوسروں پر جھوٹ باندھنے میں بڑا فرق ہے۔''[3]

کیونکہ رسول ﷺ جو حکم دیتا ہے وہ دراصل اللہ کا حکم ہوتا ہے، جس کی پیروی بالکل اسی طرح واجب ہوتی ہے جس طرح حکم خداوندی کی پیروی، رسول کریم ﷺ جس بات کی خبر دیں اس کی تصدیق اسی طرح واجب ہے جس طرح اس بات کی تصدیق جس کی خبر اللہ نے دی ہو۔

جو رسول کریم ﷺ کی دی ہوئی خبر کو جھٹلائے یا آپ ﷺ کے حکم کی پیروی سے باز رہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے، مثلاً یوں کہے کہ میں اللہ کا رسول یا نبی ہوں، یا اللہ کی طرف کسی جھوٹی خبر کو منسوب کرے، جیسے مسیلمہ یا اسود عنسی اور جھوٹے مدعیانِ نبوت نے کیا تو وہ کافر اور مباح الدم

[1] وازع مذکور کو امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث کہا ہے۔

[2] اسے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں سعید بن جبیر کا شاگرد مبہم ہے۔ مصنف عبد الرزاق (٥/ ٣٠٨) رقم الحديث (٩٧٠٧)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٩١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤)

ہے اور جو شخص عمداً اللہ کے رسول پر جھوٹ باندھے تو وہ بھی کافر ہے۔

مندرجہ صدر بیان اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنا اسی طرح ہے جس طرح آپ کی تکذیب کرنا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو یکجا کر دیا ہے، قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہٗ ﴾
[العنكبوت: ٦٨]

''اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا جب حق آئے تو اس کی تکذیب کرے!''

بلکہ بعض اوقات آپ پر جھوٹ باندھنے والا آپ کو جھٹلانے والے سے بھی بڑھ جاتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کاذب کا ذکر پہلے کیا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح سچی بات کو آپ کی طرف منسوب کرنے والا آپ کی تصدیق کرنے والے سے درجے میں بڑھ کر ہے جب کہ کاذب مکذّب کی طرح ہوا یا اس سے بدتر، اور اللہ پر جھوٹ باندھنے والا اس کو جھٹلانے والے کی مانند ہوا تو کاذب علی الرسول بھی رسول کو جھٹلانے والے کی مانند ہوگا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ تکذیب (جھٹلانا) کذب کی ایک قسم ہے۔ تکذیب کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی خبر کے بارے میں کہا جائے کہ یہ سچی نہیں ہے اور یہ اللہ کے دین کا ابطال ہے اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ آپ کی بتائی ایک خبر کو جھٹلایا جائے یا سب کو۔ ایسا شخص اس لیے کافر ہو جاتا ہے کہ اس سے اللہ کی رسالت اور اُس کے دین کا ابطال لازم آتا ہے اور جو شخص آپ ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اللہ کے دین میں عمداً اُس چیز کو داخل کرتا ہے جو اُس میں سے نہیں ہے۔ وہ اس زعم باطل کا شکار ہے کہ امت پر اس خبر کی تصدیق اور اس امر کی اطاعت واجب ہے، اس لیے کہ یہ اللہ کا دین ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ کا دین نہیں ہے۔

اور دین میں کسی چیز کا اضافہ کرنا اسی طرح ہے جیسے اس میں سے کسی چیز کو کم کر دیا جائے اور اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ قرآن کی ایک آیت کو جھٹلایا جائے یا کوئی بات تصنیف کر کے عمداً کہا جائے کہ یہ قرآن کی سورت ہے۔ مزید برآں دانستہ آپ پر جھوٹ باندھنا آپ کا مذاق اڑانے اور تحقیر کرنے کے مترادف ہے، اس لیے کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ آپ نے یہ حکم دیا ہے حالانکہ آپ نے یہ حکم نہیں دیا ہوتا بلکہ یہ حکم دینا آپ کے لیے جائز بھی نہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص اسے سنت ٹھہراتا

ہے، یا یوں کہتا ہے کہ آپ باطل اشیاء کی خبر دیتے ہیں، گویا یہ آپ کو جھوٹ کی طرف منسوب کرنے والی بات ہے جو صریح کفر ہے۔

مزید برآں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ نے رمضان کے علاوہ کسی اور ماہ کے روزے فرض کیے ہیں یا یوں کہے کہ چھ نمازیں فرض ہیں یا کہے کہ اللہ نے روٹی اور گوشت کو حرام قرار دیا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے تو ایسا شخص بالاتفاق کافر ہے۔

جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں چیز کو رسول کریم ﷺ نے واجب ٹھہرایا ہے، حالانکہ آپ نے اسے واجب قرار نہیں دیا۔ یا یوں کہے کہ رسول کریم ﷺ نے فلاں چیز کو حرام قرار دیا، حالانکہ آپ ﷺ نے اسے حرام نہیں ٹھہرایا تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا، جس طرح پہلے نے جھوٹ باندھا اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ صراحتاً اس قول کو رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا، اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ رسول کریم ﷺ کا اجتہاد یا استنباط ہے (بلکہ وہ تصریح کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا)۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص عمداً اللہ پر صریح جھوٹ باندھے وہ دانستہ اللہ کی تکذیب کرتا ہے اور وہ زیادہ برا ہے۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ جو شخص اس ذات پر جھوٹ باندھے جس کی تعظیم واجب ہو تو وہ اس کی توہین وتحقیر کا ارتکاب کرتا ہے۔ مزید برآں اس پر جھوٹ باندھنے والا اس پر افترا کر کے اسے عیب دار ظاہر کرتا اور اس کی تنقیص کرتا ہے اور یہ بات ''عیاں را چہ بیان'' کی مصداق ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ پر جھوٹ باندھے، جس طرح ابن سرح نے باندھا تھا، اس نے کہا تھا: محمد ﷺ مجھ سے سیکھتا ہے۔ یا اس کو بعض مہلک فواحش یا اقوالِ خبیثہ کے ساتھ متہم کرے تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے، اسی طرح آپ پر جھوٹ باندھنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔

اسی لیے جھوٹ باندھنے والا یا تو کوئی خبر یا امر یا فعل نقل کرے گا تو اگر اس نے آپ سے ایسا امر نقل کیا جس کا حکم آپ نے نہیں دیا تو اس نے آپ کی شریعت میں اضافہ کیا، یہ فعل ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ اس کا حکم صادر فرماتے، اگر ایسا ہوتا تو لازماً آپ اس کا حکم دیتے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''میں نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی جو تمھیں جنت کے قریب لے جانے والی ہوتی مگر اس کا حکم تمھیں دے دیا اور نہ ہی کوئی ایسی چیز ترک کی جو تمھیں جہنم سے دُور لے جانے والی ہوتی مگر اس سے منع کر دیا۔''[1]

[1] مصنف عبد الرزاق (۱۱/ ۱۲۵) رقم الحدیث (۲۰۱۰۰) اسے امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔ ←

جب آپ ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا تو اس کا حکم دینا آپ ﷺ کے لیے جائز نہ تھا۔ جو شخص آپ ﷺ سے روایت کرے کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے تو اس نے آپ ﷺ کی طرف ایک ایسا امر منسوب کیا جس کا حکم دینا آپ ﷺ کے لیے جائز نہ تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے آپ کی نسبت حماقت اور کم عقلی کی طرف کی۔ اسی طرح اگر کسی نے آپ ﷺ سے ایک خبر نقل کی تو اگر وہ خبر اس قسم کی ہوتی کہ اس کا بتانا ضروری تھا تو آپ ﷺ از خود اس کی خبر دے دیتے، اس لیے کہ اللہ نے دین کو کامل کر دیا ہے تو جب آپ نے کسی چیز کی خبر نہیں دی تو وہ اس قابل نہیں تھی کہ اس کی خبر دی جاتی، اگر کوئی شخص جھوٹ موٹ آپ سے کسی فعل کو نقل کرتا ہے تو اگر وہ فعل اس قابل ہوتا کہ اس پر عمل کیا جائے اور عمل کرنے کا پہلو راجح ہوتا تو آپ اس کو انجام دیتے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو اس کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔

متذکرہ بالا امور کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے تمام احوال میں اکمل البشر ہیں، لہٰذا جس قول و فعل کو آپ نے ترک کیا ہے اس کا ترک کرنا اس پر عمل کرنے سے بہتر ہے اور جو کام کیا اس کا کرنا اس کو ترک کرنے سے افضل ہے۔ جب کوئی آدمی دانستہ آپ پر جھوٹ باندھے یا آپ کی جانب سے اس بات کی خبر دے جو وجود پذیر نہیں ہوئی تو آپ کی طرف سے یہ خبر دینا آپ ﷺ کی ذات میں عیب و نقص ثابت کرنے والی بات ہے، اس لیے کہ اگر وہ فعل کمال کا موجب ہوتا تو آپ سے ضرور صادر ہوتا۔

واضح رہے کہ یہ قول نہایت قوی ہے، جیسا کہ آپ سمجھتے بھی ہیں مگر یہ بات قرینِ عقل و قیاس ہے کہ کذب کی دو قسموں میں فرق و امتیاز روا رکھا جائے، مثلاً ایک شخص وہ ہے جو آپ کے رُو برو آپ ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے اور ایک وہ ہے جو بالواسطہ اس کا ارتکاب کرتا ہے، جیسا کہ وہ یوں کہے کہ فلاں بن فلاں نے مجھے رسول کریم ﷺ سے حدیث سن کر بتائی تو یہ دراصل اس شخص پر افترا ہے جس کی طرف اس نے حدیث کو منسوب کیا۔

بخلاف ازیں اگر یوں کہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا یوں کہے کہ آپ سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے یوں فرمایا، حالانکہ وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے، یہ رسول کریم ﷺ پر افترا پردازی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ایک حدیث کو گھڑ کر سادہ طریقے سے روایت کر دے تو اس میں نزاع کی گنجائش ہے، خصوصاً اس لیے کہ سب صحابہ عدول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعدیل کی ہے۔

← علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کے رواۃ ''صحیح'' کے رواۃ کی طرح ہیں سوائے محمد بن عبداللہ بن یزید کے، وہ ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد: ۸/ ۲۶۶)

اگر کذب کا صدور کسی ایسے شخص سے ہو جو صحابہ میں شامل ہو تو وہ دین کے لیے سخت ضرر رساں ہے، اسی لیے جو شخص آپ پر جھوٹ باندھتا آپ اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے اور اسے جلد سزا دیتے۔ تاکہ عدول میں ایسا شخص داخل نہ ہو جائے جو اُن میں سے نہیں بلکہ منافقین میں سے ہے جو شخص کوئی حدیث روایت کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو اس کا یہ فعل حرام ہے، جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے مجھ سے کوئی حدیث روایت کی اور وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔"[1]

مگر ایسا شخص کافر نہیں ہوگا جب تک وہ اپنی روایت میں اس چیز کو شامل نہ کرے جو کفر کی موجب ہو، اس لیے کہ وہ اس بات میں صادق ہے کہ اس کے شیخ نے اسے حدیث سنائی، چونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کا شیخ اس کے روایت کرنے میں جھوٹا ہے، روایت کرنا اس کے لیے جائز نہ تھا تو گویا یہ اس طرح ہے جیسے کسی کے اقرار یا شہادت یا عقد پر شہادت دے جبکہ اُسے معلوم ہو کہ یہ باطل ہے، ظاہر ہے کہ یہ شہادت حرام ہے مگر اسے جھوٹا گواہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس قول کی بنا پر آپ ﷺ کو گالی دینے والا آپ پر جھوٹ باندھنے والے کی نسبت زیادہ قابل مذمت ہے، اس لیے کہ جھوٹ باندھنے والا تو دین میں اُس چیز کا اضافہ کرتا ہے جو اس میں شامل نہیں ہے مگر گالی دینے والا پورے دین کو ہدف طعن بناتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جھوٹ باندھنے والے کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کا حکم دیا اور گالی دینے والا تو اس سے زیادہ قتل کا مستحق ہے۔

اگر معترض کہے کہ آپ پر جھوٹ باندھنے میں بڑا فساد ہے اور وہ یوں کہ اگر اس کی بات کو مان لیا جائے تو اس سے دین میں اس چیز کو بڑھانا لازم آتا ہے جو اس میں شامل نہیں یا دین میں سے اس چیز کو کم کرنا لازم آتا ہے جو اس میں شامل ہے، جبکہ طعن کرنے والا اپنے کلام کے بطلان کو اُن آیات نبوت کی وجہ سے جانتا ہے جو اللہ نے آپ پر ظاہر کیں۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ جو شخص آپ ﷺ سے حدیث روایت کرتا ہے اگر وہ عادل و ضابط نہ ہو تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، ہر روایت کرنے والے کی روایت قبول نہیں کی جائے گی مگر بعض اوقات اسے ثقہ تصور کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ ثقہ نہیں ہوتا۔ بخلاف ازیں طعن کنندہ

---

[1] صحیح مسلم (۱/ ۹، ۱۰)

کا طعنہ بہت سے لوگوں پر مؤثر ہوتا ہے اور آپ کی حُرمت بہت سے دلوں سے ساقط ہو جاتی ہے، اس لیے اس کا جرم مؤکدتر ہے، مزید برآں آپ سے جو حدیث روایت کی جاتی ہے اس میں ایسے دلائل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے صِدق و کذب میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے کی سزا کے بارے میں قول ثانی:

رسول کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے والے کو سخت سزا دی جاتی ہے مگر اُسے کافر قرار نہیں دیا جاتا۔ اسے قتل کرنا بھی جائز نہیں، اس لیے کہ کفر اور قتل کے موجبات معلوم ہیں اور یہ اُن میں سے نہیں اور یہ جائز نہیں کہ اس چیز کو ثابت کیا جائے جس کی کوئی اصل نہ ہو اور جو شخص اس کا قائل ہے اس کے قول کو اس طرح مقید کیا جائے گا کہ آپ پر افترا پردازی کسی ظاہری عیب کو متضمن نہ ہو لیکن اگر وہ خبر دے کہ اس نے ایسی بات سنی ہے جو ظاہراً آپ ﷺ کے نقص و عیب پر دلالت کرتی ہے، مثلاً وہ حدیث جس میں گھوڑوں کے پسینے[1] اور اس قسم کی خرافات کا تذکرہ کیا گیا ہے تو یہ کھلا استہزا اور تضحیک ہے، بلاشبہ ایسا شخص کافر اور مباح الدم ہے۔ جن لوگوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے وہ حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ وہ کافر ہے۔ اس لیے آپ نے اُسے قتل کر دیا، محض افترا پردازی اس کی وجہ نہیں ہے۔

یہ جواب بے کار ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ کا یہ شیوہ نہ تھا کہ کسی منافق کو اس بنا پر قتل کر دیں کہ کسی ثقہ آدمی نے اُسے منافق ٹھہرایا ہے یا قرآن سے اس کا منافق ہونا ثابت ہوتا ہے، پھر آپ ﷺ ایسے شخص کو کیونکر قتل کر سکتے ہیں جس کے منافق ہونے کا صرف آپ ﷺ کو علم ہے۔ رسول کریم ﷺ نے بہت سے آدمیوں کے نفاق کے متعلق حذیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کو خبر دی[2] مگر اُن میں سے کسی کو بھی قتل نہ کیا۔

مزید برآں حدیث میں جس سبب کا ذکر کیا گیا ہے وہ رسول کریم ﷺ پر ایسی افترا پردازی ہے جس میں اس کی کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہو۔ قتل کو بھی اسی پر مرتب کیا گیا ہے، لہٰذا قتل کو کسی اور سبب کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔

مزید برآں جھوٹ باندھنے سے اس آدمی کا مقصد شہوت رانی تھا اور ایسی بات کا ظہور و صدور جیسے کفار سے ہوتا ہے اسی طرح فُسّاق سے بھی ہوتا ہے، نیز یہ کہ اس کا نفاق یا تو اس جھوٹ کی وجہ سے

---

[1] یہ موضوع حدیث ہے، دیکھیے: تنزيه الشريعة (۱/ ۱۳٤)، اللآلیء المصنوعة (۱/ ۳)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۷٤۲)

ہوگا یا کسی گزشتہ سبب کی بنا پر، اگر اس جھوٹ کی وجہ سے ہے تو ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنا نفاق کا ہم معنی ہے اور منافق کافر ہوتا ہے۔ جب نفاق پہلے سے ہے اور وہی قتل کا موجب ہے نہ کہ اور کوئی فعل تو پھر اس کے قتل کو اس وقت تک مؤخر کیوں کیا گیا اور اس نفاق کی بنا پر اللہ نے اس پر گرفت کیوں نہ کی حتی کہ اس نے کیا جو کچھ کیا۔ علاوہ بریں لوگوں نے رسول کریم ﷺ کو اس شخص کے قول سے آگاہ کر دیا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''دشمنِ خدا نے جھوٹ بولا'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ زندہ ہو تو اسے قتل کر دو۔'' پھر فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ تم اسے زندہ نہ پاؤ گے۔''[1]

کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اس کے گناہ کا تقاضا یہ ہے کہ اسے جلد سزا دی جاتی۔

جب فعل کی علت معلوم ہو جائے تو اسے سزا دینی چاہیے:

رسول اکرم ﷺ جب کسی فعل کے بعد قتل، کفارہ یا کوئی اور سزا دیتے اور وہ فعل اس قابل ہوتا کہ اُس پر سزا کو مترتب کیا جائے تو وہی فعل سزا کا مستوجب ہوتا نہ کہ کوئی اور فعل، مثلاً جب اعرابی نے ذکر کیا کہ اس نے ماہِ رمضان میں جماع کیا ہے تو آپ ﷺ نے اسے کفارے کا حکم دیا۔[2] اسی طرح جب ماعز اور غامدیہ نے زنا کا اقرار کیا تو آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا۔[3] ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ بعض اوقات اس امر میں اختلاف رونما ہوتا ہے کہ سزا کا نفسِ موجب آیا ان اوصاف کا مجموعہ ہے یا ان میں سے بعض؟ اور یہ تنقیح المناط کی ایک قسم ہے۔ اب یا تو اس فعل کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ سزا کے تعین میں غیر مؤثر ہے اور اس سزا کا موجب کوئی اور فعل ہے جو یہاں مذکور نہیں اور یہ بات لازماً فاسد ہے تاہم اس کے بارے میں ایک بات کہی جا سکتی ہے جو اس سے قریب تر ہے اور وہ یہ کہ اُس شخص نے آپ ﷺ پر ایسا جھوٹ باندھا جس سے آپ کی تنقیصِ شان لازم آتی ہے، اس نے کہا تھا کہ رسول کریم ﷺ نے اُسے اُن لوگوں کے خون و مال میں حَکم بنایا اور اسے حکم دیا کہ جس گھر میں چاہے رات بسر کرے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس عورت کے یہاں رات بسر کرے اور اس کے ساتھ بدکاری کرے اور جب وہ ان کے خون و مال میں حَکم ہو تو ان کے لیے اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔

---

1. پہلے گزر چکا ہے کہ اس قصہ کا مدار صالح بن حیان پر ہے جو انتہائی ضعیف ہے۔
2. صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٢٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٩٥)
3. صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٢٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٩٥)

رسول کریم ﷺ محرمات کو حلال نہیں بنا سکتے:

ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ حرام کو حلال نہیں ٹھہرا سکتے اور جس شخص کا یہ گمان ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حرام خون و مال کو حلال قرار دیا تھا اس نے آپ ﷺ کی تحقیر کی اور رسول کریم ﷺ کی طرف اس بات کو منسوب کیا کہ آپ ﷺ نے اسے ایک اجنبی عورت کے پاس خلوت میں رات بسر کرنے کی اجازت دی تھی اور یہ کہ آپ مسلمانوں کو جو حکم چاہیں دے سکتے ہیں، یہ رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس پر بہت بڑا عیب اور طعن ہے۔ اندریں صورت آپ ﷺ نے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اُس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا جس نے آپ کی عیب چینی کی اور آپ کو ہدفِ طعن و ملامت بنایا اور اس جگہ مقصود بھی یہی ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ حدیث اس بارے میں نص کا درجہ رکھتی ہے کہ جو شخص آپ پر طعن کرے تو دونوں اقوال کے مطابق اُسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے۔

قولِ اول کی مؤید یہ بات ہے کہ اگر اُن لوگوں کو علم ہوتا کہ یہ کلام گالی اور طعنہ زنی کے مترادف ہے تو بکمالِ عجلت اس سے انکار کر دیتے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کے معاملے نے انھیں شک میں ڈال دیا، اس لیے انھوں نے توقف سے کام لیا اور رسول کریم ﷺ سے اس کی تصدیق چاہی، اس لیے کہ یہاں دو چیزیں باہم متعارض تھیں: ایک تو اطاعتِ رسول کا وجوب اور دوسرا اس ملعون کا عجیب و غریب دعویٰ۔

قول اول کے مؤیدین کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر افترا پردازی آپ پر طعن کرنے کے مترادف ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا مگر اس شخص کے بارے میں حدیث میں مذکور نہیں کہ اس کا ارادہ آپ کو ہدفِ طعن ولعن بنانے کا تھا، آپ پر جھوٹ باندھ کر یہ شہوت رانی کی راہ نکالنا چاہتا تھا اور بس۔ ہر جھوٹ گھڑنے والا دانستہ ایسا کرتا ہے، اس کا مقصد محض مطلب برآری ہے اگر وہ استہزا کا خواہاں نہیں اور غرض اکثر و بیشتر یا تو مال کا حصول ہوتا ہے یا عزت افزائی، جس طرح غلط کار اگر کسی کو گمراہ کرنے کا خواہاں نہ ہو تو اس کا مقصد ریاست و اقتدار اور تعظیم کا حصول ہوتا ہے یا ظاہری شہوات کی راہ نکالنا۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص سے ایسا قول و فعل صادر ہو جو کفر کا موجب ہو تو وہ کافر ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے کفر کے ارادے سے یہ بات نہ کہی ہو، اس لیے کہ کفر کا ارادہ تو کوئی شخص بھی نہیں کرتا۔ إلا ما شاء الله

●

چودھویں حدیث:

جو شخص نبی کو ایذا دے اور اسے قتل کیا جائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ یہ حدیث اس بدّو کے تذکرہ پر مشتمل ہے جس کو رسول کریم ﷺ نے کچھ دیا تو اس نے کہا تھا آپ نے اچھا نہیں کیا، مسلمانوں

نے اسے قتل کرنا چاہا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جب اس آدمی نے کہا جو کچھ کہا اگر اس وقت میں تمھیں نہ روکتا اور تم اسے قتل کر دیتے تو وہ جہنم میں داخل ہو جاتا۔'' [1]

اس کا ذکر آگے چل کر ان احادیث کے ضمن میں آئے گا جس میں ایذا دہندہ کو آپ کے معاف کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص آپ کو ایذا دے اور اسے قتل کیا جائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ وہ کافر ہے اور اس کو قتل کرنا جائز ہے ورنہ وہ شہید ہوتا اور اس کا قاتل جہنمی ہوتا۔

رسول کریم ﷺ نے اس کو معاف کر دیا تھا، پھر اسے راضی کرنا چاہا تو وہ راضی ہو گیا، اس لیے کہ آپ ایذا دینے والے کو معاف کر سکتے تھے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ

جب رسول اکرم ﷺ نے حنین کا مالِ غنیمت تقسیم کیا تو ایک شخص نے کہا: یہ ایسی تقسیم ہے جس میں رضائے الٰہی کو پیش نظر نہیں رکھا گیا حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا:

''پناہ بخدا کہ لوگ میرے بارے میں کہیں کہ میں اپنے صحابہ کو قتل کرتا ہوں۔ پھر آپ نے بتایا کہ اس کی نسل سے ایسی قومیں پیدا ہوں گی جو قرآن کی تلاوت کریں گی مگر قرآن اُن کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ [2] پھر آپ نے خوارج کا تذکرہ کیا۔'' (صحیح مسلم)

رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کرنے سے صرف اس لیے منع کیا کہ لوگ باتیں نہ کریں کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روکنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ شخص بذاتِ خود معصوم الدم ہے۔ جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی روایت میں ہے کہ جب حاطب نے کہا: میں نے یہ کام اس لیے نہیں کیا تھا کہ میں کافر ہوں یا اس لیے کہ مجھے اپنے دین سے دل چسپی نہیں اور اس لیے

---

[1] مسند بزار (١٥/ ٢٩٤) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابراہیم بن حکم بن ابان متروک ہے۔ ابراہیم مذکور کی وجہ سے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: ٩/ ١٨، تفسیر ابن کثیر: ٢/ ٤٠٤)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٠٦٣)

کہ میں کفر پر راضی ہوں رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس نے تم سے سچ کہا''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ جنگِ بدر میں حصہ لے چکا ہے اور تمھیں کیا خبر کہ اللہ نے اہل بدر کی طرف جھانکا اور کہا کہ جو چاہو کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔''[1] رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ شخص اپنے ایمان پر قائم ہے اور یہ ایسے کام کر چکا ہے جس سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا خون معصوم ہے اور فساد کی جو علت بیان کی گئی تھی وہ زائل ہو چکی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی بات کہنے والے کو قتل کرنا جائز ہے بشرطیکہ ایسے فساد کا خطرہ نہ ہو۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ [التوبة: ٧٣]

''کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان سے سختی کا سلوک کیجیے۔''

﴿ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ ﴾ [الأحزاب: ٤٨]

''کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور ان کی ایذا کو نظر انداز کیجیے۔''

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ آیت ﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ﴾ نے سابقہ حکم کو منسوخ کر دیا۔

اس سے ملتی جلتی یہ آیت ہے کہ عبداللہ بن اُبی نے جب کہا:

﴿ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ ﴾ [المنافقون: ٨]

''اگر ہم مدینہ لوٹ آئے تو جو معزز ہے وہ ذلیل تر آدمی کو وہاں سے نکال دے گا۔''

عبداللہ بن اُبی نے یہ بھی کہا تھا:

﴿ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ﴾ [المنافقون: ٧]

''رسول اللہ کے پاس جو لوگ ہیں ان پر خرچ نہ کیجیے تاکہ بکھر جائیں۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے عبداللہ کو قتل کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا:

''تب مدینہ کے بہت سے لوگ اس پر ناراض ہوں گے۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٩٤)

نیز فرمایا:

"لوگ اس قسم کی باتیں نہ کریں کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں۔"

یہ واقعہ مشہور ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔[1] اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ إن شاء اللہ

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایسی بات کہہ کر رسول کریم ﷺ کو ایذا دے تو قابو پانے کی صورت میں اُسے قتل کرنا جائز ہے۔ عبداللہ کو اس لیے قتل نہ کیا کہ قتل کرنے کی صورت میں یہ خطرہ دامن گیر تھا کہ لوگ اسلام سے نفرت کرنے لگیں گے کیونکہ اسلام اس وقت کمزور تھا۔

اور یہ بات بھی اسی باب سے متعلق ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "مجھے اس آدمی سے کون چھڑائے گا جو میرے اہل خانہ کو دکھ دے رہا ہے؟" حضرت سعد بن معاذ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو رہائی دلاؤں گا۔ اگر وہ قبیلہ اوس میں سے ہوگا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔" یہ واقعہ مشہور ہے۔[2] چونکہ کسی نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو ایذا دے اور آپ ﷺ کی تنقیص کرے اُسے قتل کرنا جائز ہے۔ عبداللہ بن اُبی اور اُن لوگوں میں جنھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا، یہ فرق ہے کہ اس سے عبداللہ کا مقصد رسول کریم ﷺ کی عیب جوئی، آپ ﷺ پر طعنہ زنی اور آپ ﷺ کو غصہ دلانا تھا۔ وہ ایسے انداز سے گفتگو کرتا تھا جس سے رسول کریم ﷺ کی تحقیر ہوتی تھی، اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم اُسے قتل کر دیں گے۔ برخلاف حسان، مسطح اور حمنہ کے کہ ان کا ارادہ یہ نہ تھا اور نہ ہی انھوں نے ایسی گفتگو کی جو اس پر دلالت کرتی ہو، اسی لیے آپ نے عبداللہ بن اُبی سے مخلصی چاہی، کسی اور سے نہیں اور اسی لیے آپ نے خطبہ دیا جس کے نتیجے میں قریب تھا کہ دونوں قبیلے (اوس اور خزرج) باہم برسرِ پیکار ہوں۔

پندرہویں حدیث:

عزیٰ نامی بُت کا مال سعید بن یحییٰ بن سعید اُموی نے اپنے مغازی میں بطریق والدِ خود از مجالد بن سعید از شعبی روایت کیا ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے مکہ فتح کیا تو عزیٰ بت کا مال منگوایا اور اُسے اپنے سامنے بکھیر دیا، پھر نام لے کر ایک آدمی کو بلایا اور اُس میں سے کچھ دیا، پھر ابوسفیان بن حرب اور سعد بن حُریث کو بلا کر اس میں سے دیا، پھر قریش کی ایک جماعت کو بلا کر کچھ مال دیا۔ آپ

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۵۱۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۸٤)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲٦۳۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۷۰)

ایک شخص کو سونے کا ایک ٹکڑا دیتے جس میں پچاس مثقال سے ستر مثقال تک سونا ہوتا، ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: آپ بخوبی آگاہ ہیں کہ سونے کا ٹکڑا کہاں دینا ہے، پھر دوسرے نے بھی کھڑے ہو کر اسی طرح کہا مگر رسول کریم ﷺ نے منہ پھیر لیا، پھر تیسرے نے کھڑے ہو کر کہا: آپ فیصلہ تو کرتے ہیں مگر اس میں ہمیں انصاف نظر نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس ہو، پھر میرے بعد انصاف کون کرے گا؟'' پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا: ''جا کر اسے قتل کر دو۔'' ابوبکر گئے مگر اُسے نہ پایا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اسے قتل کر دیتے تو مجھے امید تھی کہ وہ اُن میں سے پہلا آدمی بھی ہوتا اور آخری بھی۔''

یہ حدیث اس ضمن میں نص کا حکم رکھتی ہے کہ رسول کریم ﷺ پر طعن کرنے والے کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے۔ یہ جنگِ حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کا واقعہ نہیں اور نہ ہی یہ سونے کی اینٹ سے متعلق ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے بھیجی تھی، بخلاف ازیں یہ واقعہ عزیٰ کے مال کی تقسیم سے متعلق ہے اور ان واقعات سے پہلے کا ہے۔ عزیٰ کو مسمار کرنے کا واقعہ فتح مکہ سے پہلے ۸ھ کو ماہِ رمضان کے اواخر میں پیش آیا، حنین کا مالِ غنیمت ماہِ ذی القعدہ کو جعرانہ میں تقسیم کیا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ۱۰ھ کو پیش آیا۔

یہ حدیث مُرسل ہے۔ اس کو مجالد نے روایت کیا ہے جو ضعیف راوی ہے مگر اس کے معنی و مفہوم کی مؤید روایات موجود ہیں۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا جو رسول کریم ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ تھا، اس کی تائید میں قرآن نازل ہوا۔ اس شخص کا جرم اس آدمی کے جرم سے خفیف تر ہے۔

خوارج کے ذکر پر مشتمل احادیث:

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جس نے اس سونے کی تقسیم میں رسول کریم ﷺ کو موردِ طعن بنایا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے بھیجا تھا۔ اس نے کہا تھا: یا رسول اللہ ﷺ! خدا سے ڈرو!

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اس کی نسل میں سے ایسی قوم نکلے گی جو قرآن کریم ﷺ کی تازہ تلاوت کریں گے مگر وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے

کمان سے نکل جاتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے اُن کو پالیا تو انھیں قومِ عاد کی طرح قتل کروں گا۔"[1]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

"آخری زمانے میں ایک قوم نکلے گی جو نوعمر اور کم عقل ہوگی، وہ سید المخلوقات کے اقوال سنائیں گے، ان کا ایمان اُن کے گلے سے نیچے نہ اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے نکل جاتا ہے۔ تم جہاں کہیں بھی انھیں پاؤ تو اُن کو قتل کر دو۔ ان کے قاتل کو روزِ قیامت اجر ملے گا۔"[2]

ایک سیاہ فام آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر معترض ہوتا ہے:

نسائی نے ابو برزہ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال آیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کر دیا۔ آپ نے دائیں جانب والوں کو بھی دیا اور بائیں جانب والوں کو بھی مگر جو پیچھے تھے اُن کو کچھ نہ دیا، پیچھے کھڑے ہونے والوں میں سے ایک نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تقسیم کرتے وقت انصاف کو ملحوظ نہیں رکھا۔ وہ ایک سیاہ فام، منڈے ہوئے بالوں والا آدمی تھا اور اس نے دو سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

"بخدا! تم میرے بعد کوئی ایسا آدمی نہ پاؤ گے جو مجھ سے زیادہ عادل ہو۔" پھر فرمایا: "آخری زمانے میں ایک قوم نمودار ہوگی، گویا یہ بھی ان میں سے ہے، وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کے گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے نکل جاتا ہے۔ ان کی نشانی سر منڈانا ہوگی، وہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ اُن کا آخری آدمی دجال کے ساتھ ظہور پذیر ہوگا۔ جب تم انھیں ملو تو ان کو قتل کر دو، وہ بنی نوعِ انسان اور حیوانات سب سے بدتر ہوں گے۔"[3]

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عتاب کرنے والے شخص کی جماعت کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے قاتل کو آخرت میں اجر ملے گا، آپ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٣٤٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٦١١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٦)

[3] سنن النسائي (٧/ ١١٩) اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

نے فرمایا: ''اگر میں نے ان کو پا لیا تو اُن کو قومِ عاد کی طرح قتل کروں گا۔'' آپ نے فرمایا کہ یہ انسان و حیوان سب سے بدتر ہیں۔

ترمذی اور دیگر محدثین نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: سطح آسمان کے نیچے وہ بد ترین مقتول ہیں اور جس کو انھوں نے قتل کیا وہ بہترین مقتول ہے۔[1] ابو امامہ نے بتایا کہ اس نے رسول کریم ﷺ کو کئی مرتبہ یہ بات فرماتے ہوئے سنا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ [آل عمران: ١٠٦]

''جس روز کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ، جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا کہ) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے؟''

نیز کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ ﴾ [آل عمران: ٧]

''مگر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔''

اور کہا کہ وہ ٹیڑھے چلے تو انھیں ٹیڑھا کر دیا گیا۔

اور یہ جائز نہیں کہ ان کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہو کہ وہ لوگوں سے لڑتے تھے، جس طرح حملہ کرنے والوں، راہ زنی کرنے والوں اور باغیوں سے لڑا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں سے اس لیے لڑا جاتا ہے کہ ان کا رعب داب باقی نہ رہے، فساد سے باز آ جائیں اور اطاعت قبول کر لیں۔ ان کے بارے میں یہ حکم نہیں کہ جہاں پاؤ قتل کر دو، نیز قومِ عاد کی طرح بھی ان کو قتل نہیں کیا جاتا، یہ آسمان کی چھت کے نیچے بدترین مقتول بھی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بخلاف ازیں آخر کار ان سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

متذکرہ صدر بیان سے معلوم ہوا کہ ان کا قتل اس لیے واجب ہے کہ یہ مبالغہ آمیزی کرنے کی وجہ سے دین سے نکل گئے، جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٠٠٠) اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن اور امام حاکم اور ذہبی رحمہما اللہ نے صحیح کہا ہے۔

تیر اپنے کمان سے آگے نکل جاتا ہے، اس لیے جہاں پاؤ ان کو تہہ تیغ کر دو۔ اس حدیث میں اُن کے قتل کے حکم کو خروج عن الدین پر مترتب کیا گیا ہے، بنا بریں قتل کا موجب صرف اُن کا دین سے باہر نکل جانا ہے، اسی لیے ظہور پذیر ہونے والے گروہ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اگر اُس گروہ کو پتہ چل جاتا جو اُن کو قتل کرے گا کہ رسول کریم ﷺ کی زبانی ان کے بارے میں کس چیز کا فیصلہ کیا گیا ہے تو وہ عمل کرنے سے انکار کر دیں۔ اس گروہ کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک آدمی کا بازو تو ہے مگر اُس کی کلائی نہیں ہے۔ اس کے بازو کے سرے پر اس طرح کا نشان ہے جیسے پستان کے سرے پر گول سا دانہ ہوتا ہے، جس پر سفید بال ہوں گے۔''❶

راوی نے مزید کہا:

''وہ بہترین فرقے کے خلاف خروج کریں گے، دونوں میں سے جو گروہ اقرب الی الحق ہوگا وہ اسے قتل کرے گا۔''❷

یہ پورا بیان احادیث صحیحہ میں موجود ہے، پس ثابت ہوا کہ ان کے قتل کا حکم خاص صفات پر مبنی ہے، صرف اس لیے نہیں کہ وہ محض باغی یا محارب ہیں اور یہ بات ان میں سے کسی ایک میں بھی موجود ہوتی ہے اور متعدد اشخاص میں بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شروع میں ان کو اس لیے قتل نہیں کیا تھا کہ ابھی بات منظرِ عام پر نہیں آئی تھی کہ یہی وہ فرقہ ہے جس کی علامات رسول کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں یہاں تک کہ انھوں نے ابن خباب کو شہید کر دیا اور لوگوں کے چوپائے لوٹ کر لے گئے، گویا وہ رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق ثابت ہوئے:

''وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔''❸

پس ثابت ہوا کہ وہی لوگ دین اسلام سے نکل جانے والے ہیں، نیز اس لیے کہ اگر محاربہ سے پہلے ان کو قتل کر دیتے تو اُن کے قبائل مسلمانوں سے ناراض ہوتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے الگ ہو جاتے، حالانکہ انھیں اس بات کی ضرورت تھی کہ اپنے لشکر کے ساتھ لطف و مدارات کا سلوک کرتے

❶ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰٦٦)

❷ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰٦٥)

❸ صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۳٤٤) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰٦٤)

اور ان کے ساتھ اُلفت و محبت کے مراسم استوار کرتے، جس طرح آغازِ کار میں رسول کریم ﷺ کو منافقین کی تالیفِ قلب مطلوب تھی۔

مزید برآں خوارج نے رسول کریم ﷺ سے کچھ تعرض نہ کیا بلکہ وہ آپ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے مگر دین میں انھوں نے اس غلو سے کام لیا کہ کم عقلی کی وجہ سے سب حدیں پھاند گئے، ان کی حالت وہی تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درج ذیل آیت سے سمجھی:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴾ [الكهف: ١٠٣، ١٠٤]

''کہہ دیجیے کیا میں تمھیں بتاؤں کہ سب سے گھٹیا اعمال کس کے ہیں، وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہو کر رہ گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کرتے ہیں۔''

اس کے نتیجے میں انھوں نے ایسے عقائدِ فاسدہ اختراع کیے جن پر ایسے افعال منکرہ مترتب ہوئے جن کی وجہ سے امت کے بہت لوگ کافر ہو گئے اور دوسروں نے ان کے بارے میں توقف سے کام لیا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے اس آدمی کو دیکھا جو تقسیم کے بارے میں آپ کو موردِ طعن بنا رہا تھا اور اپنی جہالت اور مبالغہ آمیزی کی بنا پر آپ کو نا انصافی کا مرتکب قرار دے رہا تھا، وہ اس زعمِ باطل میں مبتلا تھا کہ عدل کے معنی تمام لوگوں کے درمیان مساوات کے ہیں اور یہ نہیں سوچتا تھا کہ بعض لوگوں میں ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو فرقِ مدارج کی موجب ہوتی ہیں اور ان میں تالیفِ قلب کے مصالح کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

یہ معلوم کر کے آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ ان میں پہلا آدمی ہے، جب وہ رسول کریم ﷺ کی موجودگی میں آپ کی سنت کو ہدفِ تنقید بنا رہا ہے تو آپ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین پر سخت طعنہ زنی کرے گا۔

خوارج کے افکار و عقائد:

خوارج کے افکار و معتقدات پر تبصرہ کرنے والوں کا قول ہے کہ ان کے نزدیک انبیاء سے کبائر کا صدور جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث متواتر بھی اگر قرآن کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہو تو وہ اُسے لائق اعتنا نہیں گردانتے،[1] اسی لیے وہ زانی کو سنگسار کرنے کے قائل نہیں۔ وہ چور کا ہاتھ کاٹ دیتے ہیں،

[1] خوارج کے نزدیک زانی کی سزا ایک سو کوڑے ہیں، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو، اس لیے ←

خواہ مسروقہ مال کم ہو یا زیادہ، وہ اس زعم باطل کا شکار ہیں کہ حجت صرف قرآن ہے، اسی اصل فاسد کو اساس قرار دیتے ہوئے وہ سنت رسول کو حجت نہیں سمجھتے۔

خوارج سے نقل کرنے والے کہتے ہیں کہ وہ نقل متواتر پر معترض نہیں ہوتے، وہ نقل کا اثبات اسی اصل پر کرتے ہیں، اسی لیے رسول کریم ﷺ نے اُن کے بارے میں فرمایا کہ وہ قرآن تو پڑھتے ہیں مگر وہ اُن کے گلے سے نیچے نہیں اُترتا۔[1] مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے ہیں، اس کے معانی پر سنت سے استدلال نہیں کرتے، وہ قرآن کو اپنے دل سے نہیں سمجھتے، صرف زبان کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

فرقہ ہائے خوارج:

اس ضمن میں تحقیق یہ ہے کہ خوارج کی مختلف اقسام ہیں، اوپر جو کچھ بیان کیا گیا وہ خوارج کے ایک فرقہ کی رائے ہے، خوارج کا ایک گروہ راویوں کی تکذیب کرتا ہے اور ایک گروہ اس کے علم سے بالکل بے بہرہ ہے جبکہ اُن کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ جو چیز قرآن میں مذکور نہیں وہ مخلوقات پر حجت نہیں ہے یا تو اس لیے کہ وہ منسوخ ہے یا رسول کے ساتھ مخصوص ہے یا علاوہ ازیں اسی طرح جو ذکر کیا گیا ہے کہ انبیاء سے کبائر کا صدور ممکن ہے تو یہ ان کے ایک گروہ کا خیال ہے۔

بہر کیف خوارج میں سے جس کا اعتقاد یہ ہے کہ نبی مال کی تقسیم میں ظلم کرتا ہے اور وہ اللہ کے حکم سے ایسا کرتا ہے تو وہ رسول کریم ﷺ کی تکذیب کرتا ہے اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ نبی فیصلہ کرنے یا تقسیم میں ظلم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا دعوی یہ ہے کہ نبی جائر (ظالم اور بے انصاف) ہوتا ہے اور اس کا اتباع واجب نہیں ہے، نیز یہ کہ اُس کی رسالت جس امانت، وجوبِ اطاعت اور اس کے قول و فعل میں زوالِ حرج پر مشتمل ہے وہ اس کے عین برعکس ہے کیونکہ نبی اللہ کی طرف سے یہ بات پہنچاتا ہے کہ اللہ نے اس کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کو واجب قرار دیا ہے اور یہ کہ نبی کسی پر ظلم و جور نہیں کرتا، جو شخص اس میں طعنہ زنی کرتا ہے وہ نبی کی تبلیغ میں طعنہ زنی کا مرتکب ہوتا ہے اور یہ طعن فی الرسالت ہے۔ اسی بیان سے مندرجہ ذیل حدیث کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

← کہ قرآن میں اسی سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ مسروقہ مال قلیل ہو یا کثیر وہ چور کا ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں، اس لیے کہ سنت نے قطعِ ید کی حد مقرر کی ہے مگر قرآن نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ (غلام احمد حریری) ۱۰-۵-۱۹۸۹

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٣٤٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

''اگر میں نے عدل نہ کیا تو اور کون عدل کرے گا؟ اگر میں نے عدل نہ کیا تو پھر تم نہایت گھاٹے اور خسارے میں رہے۔''[1]

اس لیے کہ طعنہ زنی کرنے والا کہتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ کی تصدیق اور اطاعت اس پر واجب ہے اور جب وہ یہ کہے کہ اس نے عدل نہیں کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے ایسے شخص کی تصدیق کی جو عادل اور امین نہیں تھا اور جو ایسے شخص کی اتباع کرے تو وہ خائب و خاسر ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا﴾، نیز یہ کہ جو شخص مال کے بارے میں امین نہیں ہے تو اس سے بڑی چیزوں کے بارے میں اُسے کیونکر امین تصور کیا جا سکتا ہے؟

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں آسمان والوں کا امین ہوں، میرے پاس صبح و شام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔''[2]

جیسا اس شخص نے آپ ﷺ سے کہا کہ اللہ سے ڈرو تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمام کائنات ارضی پر رہنے والوں سے زیادہ اس بات کا حقدار نہیں کہ میں اللہ سے ڈروں؟''[3]

اس لیے کہ رسول ﷺ نے اللہ کے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچا دیا:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ۷]

''اور رسول جو کچھ تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمھیں منع کرے اس سے رک جاؤ۔''

اس آیت کے شروع میں فرمایا:

﴿مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ [الحشر: ۷]

''جو مال خدا نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ خدا اور پیغمبر کے لیے ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جس مالِ غنیمت سے منع فرمایا گیا اس سے باز رہنا ہم پر لازم ہے، اس بنا پر واجب ہے کہ رسول کریم ﷺ سب اہل زمین سے اس بات کے زیادہ مستحق

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۶۱۰) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۰۶۴)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۴۳۵۱) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۰۶۴)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۳۴۴) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۰۶۴)

ہیں کہ اللہ سے ڈریں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ ﷺ کی اور دوسروں کی اطاعت یا تو مساوی ہوتی یا صرف دوسروں کی اطاعت کی جاتی اور آپ ﷺ کی نہیں اور یہ اس صورت میں جبکہ آپ ﷺ اُس سے کم درجہ ہوتے اور یہ بات آپ کی لائی ہوئی شریعت کے ساتھ کفر کے مترادف ہے اور یہ بالکل واضح ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ قول کہ انسانوں اور حیوانوں سے بدتر۔[1] نیز یہ ارشاد کہ آسمان کی چھت سے نیچے بدتر مقتول،[2] اس بارے میں نص ہے کہ وہ منافقین میں سے ہیں، اس لیے کہ منافق کفار سے بھی بدتر ہیں، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ آیت کریمہ:

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾ [التوبة: ۵۸]

''اور اُن میں سے وہ بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں تجھے طعن دیتے ہیں۔''

منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابو اُمامہ کی روایت میں ہے کہ مندرجہ ذیل آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی:

﴿ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ [آل عمران: ۱۰۶]

''کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟''

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے رسول کریم ﷺ کو موردِ طعن بنایا اور آپ ﷺ کی عیب چینی کی، جس طرح ان طعنہ دینے والوں نے کیا تھا۔ جب ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ نے اُن لوگوں کے قتل کا حکم دیا جو اس طعنہ زنی کرنے والے شخص کی جنس میں سے تھے، خواہ وہ کہیں بھی ہوں، آپ نے یہ بھی بتایا کہ وہ تمام مخلوقات سے بدتر اور منافقین میں سے ہیں، لہٰذا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شعبی کی روایت کا مفہوم درست ہے کہ دراصل یہ قتل کے مستحق ہیں۔

اب یہ بات باقی رہی کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس طعنہ زن کے قتل سے منع کیا تھا۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شعبی کی روایات کا تعلق اس زمانے سے ہے جب پہلے پہل ان کا ظہور ہوا، اس لیے قرینِ عقل و قیاس یہ بات ہے (واللہ اعلم) کہ پہلے آپ نے ان کو

---

[1] سنن النسائي (۷/ ۱۱۹) اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] سنن الترمذي، رقم الحدیث (۳۰۰۰) اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن اور امام حاکم اور ذہبی رحمہما اللہ نے صحیح کہا ہے۔

قتل کرنے کا حکم بدیں خیال دیا ہو کہ ان کا انقطاع ہو جائے گا، اگر چہ آپ اکثر منافقین کو معاف کر دیا کرتے تھے، اس لیے کہ آپ کو یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ آپ کے بعد اُمت میں فساد پیدا نہ ہو جائے، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر میں اسے قتل کر دوں تو مجھے امید ہے کہ وہ شخص ان میں سے اول بھی ہوگا اور آخر بھی۔''

اور اس کے قتل میں جو عظیم مصلحت پائی جاتی ہے وہ اُس فتنے سے کہیں بڑھ کر ہے جو اس کے قتل سے بعض لوگوں کے اسلام سے نفرت کرنے کی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے۔

چونکہ وہ شخص مل نہ سکا اور اس کا قتل دشوار تھا اور رسول کریم ﷺ کے پاس اللہ کا عطا کردہ علم تھا تو گویا آپ کو معلوم تھا کہ ان کا نکلنا ضروری ہے اور ان کے استیصال سے کچھ فائدہ نہیں۔ اسی طرح آپ جانتے تھے کہ دجال لا محالہ نکلے گا، اس لیے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابن صیاد کے قتل کرنے سے روک دیا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''اگر یہ ابن صیاد ہے تو تم اس پر قابو نہ پا سکو گے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اس کو قتل کرنے کا کیا فائدہ؟''[1]

پھر بھی بات اسی امر کی موجب ہوئی کہ آپ نے ذوالخویصرہ کو قتل کرنے سے منع فرمایا جب اس نے حنین کے غنائم کی تقسیم میں طعن کیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اڑا دوں، فرمایا: ''اُسے چھوڑ دو، اس کے چند رفقاء ہیں کہ اپنی نماز کو تم ان کی نماز کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر تصور کرو گے۔ یہ دین سے اس طرح نکل جاتے ہیں جس طرح تیر اپنے کمان سے نکل جاتا ہے۔'' یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: ''یہ اس وقت نکلیں گے جب لوگ میں تفرقہ پھیل جائے گا۔''[2] آپ ﷺ نے اس کو چھوڑنے کا حکم اس لیے دیا کہ اس کے چند ساتھی ہیں جو بعد میں خروج کریں گے۔

اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ ان کے ظہور پذیر ہونے کے علم نے آپ کو ان کے قتل سے روکا، مبادا لوگ باتیں کریں کہ محمد ﷺ اپنے اُن اصحاب کو قتل کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اس طرح بہت سے لوگوں کے دل اسلام سے نفرت کرنے لگیں گے اور اس میں کوئی مصلحت نہیں پائی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٥٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٣٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤١٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٠٥)

جاتی جس سے اس فساد کا ازالہ ہوتا ہو۔ بایں ہمہ آپ اس بات کے مجاز تھے کہ ایذا دینے والے کو مطلقاً معاف کر دیں۔ فداہ أبي و أمي

بعض احادیث میں (عدمِ قتل کی وجہ) آپ نے یہ بیان فرمائی کہ وہ نماز پڑھتا ہے اور بعض میں فرمایا: ''لوگ یہ باتیں نہ کریں کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کر دیتے ہیں۔'' بعض احادیث میں فرمایا کہ اس کے چند اصحاب ظہور پذیر ہونے والے ہیں۔ ان احادیث کا تذکرہ آگے آئے گا اگرچہ یہاں بھی اُن کا ذکر بے محل نہیں۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ جو شخص آپ کے فیصلے یا مالِ غنیمت کی تقسیم پر معترض ہو تو وہ واجب القتل ہے، جیسا کہ آپ نے اپنی زندگی میں اور بعد از وفات اس کا حکم دیا مگر آپ نے اپنی زندگی میں طعن کرنے والوں کو معاف فرما دیا، جس طرح آپ ایذا دینے والے منافقین کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ جب آپ کو پتہ چلا کہ وہ امت میں نمودار ہونے والے ہیں، نیز یہ کہ اس آدمی کے قتل میں زیادہ فائدہ نہیں بلکہ اس کے قتل میں وہی خرابی ہے جو باقی منافقین کے قتل میں پائی جاتی ہے، یا اس سے بھی زیادہ۔

اس حدیث کا مؤید مشہور حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور وہ یہ کہ جب ابو برزہ نے اُس آدمی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی تھی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس پر ناراض ہوئے تھے، جب ابو برزہ نے کہا کہ کیا میں اسے قتل کر دوں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس بنا پر کسی کو قتل کرے۔''[1]

حسبِ سابق یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کو قتل کرنے کا حکم دیں گے اور اس شخص نے آپ کو ستایا ہو تو آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ جبکہ شعبی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے قتل کا حکم دیا تھا جس نے طعن کر کے آپ کو ناراض کیا تھا تو گویا یہ واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول کی دلیل ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول اس کے معنی کی صحت کی دلیل ہے۔

صحابہ کرام خوارج کو قتل کر دیا کرتے تھے:

اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو جس شخص کے بارے میں علم ہوتا کہ یہ خارجی ہے تو وہ اُسے قتل کر ڈالتے تھے اگرچہ وہ تنہا ہو۔ صبیغ بن عسل کی مشہور روایت ہے، ابوعثمان النہدی کہتے ہیں کہ

[1] سنن النسائي (۷/ ۱۰۹) امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

قبیلہ بنی یربوع یا بنی تمیم کے ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ الذاریات، والمرسلات، والنازعات کے کیا معنی ہیں؟ یا ان میں سے کسی ایک کے بارے میں پوچھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اپنے سر سے کپڑا اتارو، جب دیکھا تو اس کے بال کانوں تک لمبے تھے، فرمایا: بخدا! اگر میں تمھارے بال منڈے ہوئے دیکھتا تو تمھارا سر اڑا دیتا۔'' شعبی کہتے ہیں: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کے نام خط لکھا یا شعبی نے کہا کہ ہمیں خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ اس کے پاس نہ بیٹھا کرو۔ راوی کہتا ہے کہ جب وہ صبیغ آجاتا اور ہماری تعداد ایک سو ہوتی تو ہم الگ الگ ہو جاتے۔ اس کو اُموی اور دیگر محدثین نے بسندِ صحیح روایت کیا ہے۔[1]

دیکھیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار کے درمیان قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر میں وہ علامت دیکھ لوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے لیے بیان کی تھی تو اُس کی گردن اڑا دوں گا، حالانکہ انھی صحابہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالخویصرہ کے قتل سے منع کیا تھا۔ اُس سے معلوم ہوا کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول ''جہاں پاؤ انھیں قتل کر دو'' کا مفہوم مطلق قتل سمجھا ہے، نیز یہ کہ لوگوں کو معاف اس وقت کیا جاتا تھا جب اسلام کمزور تھا اور تالیفِ قلب کی ضرورت تھی۔

سونے کے ٹکڑے کی تقسیم پر قریش کی ناراضگی:

اگر معترض کہے کہ جب ان طاعنین کا قول مبنی بر نفاق اور موجبِ کفر ہے جس سے خون حلال ہو جاتا ہے اور اس کو شر الخلائق کہا جاتا ہے تو پھر ان کے اور قریش و انصار کے ناراض ہونے میں کیا فرق ہوا؟ چنانچہ ابوسعید کی صحیح روایت میں آیا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا ٹکڑا چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا تو قریش اور انصار ناراض ہوگئے اور کہا کہ آپ یہ مال نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ان کی تالیفِ قلب کرتا ہوں۔'' اندریں اثنا ایک شخص آیا جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور پھر طعن کرنے والے کا واقعہ کا بیان کیا۔[2]

---

[1] سنن الدارمي (ص: ١٤٤) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (الإصابة: ٣/ ٢٥٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٣٤٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم پر انصار کی خفگی:

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے کہا: ہم ان لوگوں سے زیادہ اس کے مستحق تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں آسمان والوں کا امین ہوں، میرے پاس صبح وشام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔"

یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہوا جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، اس نے حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم پر انصار کی خفگی کا ذکر کیا۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے اس وقت کہا جب اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ ہوازن کے اموال لڑے بغیر عطا کر دیے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے بعض آدمیوں کو ایک سو اونٹ تک دینے لگے: اللہ اپنے رسول کو معاف فرمائے، وہ قریش کو دیتے اور ہمیں محروم رکھتے ہیں، حالانکہ ابھی تک ہمارے تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے مالِ غنیمت قریش میں تقسیم کر دیا، انصار نے کہا: یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے اور ہمارا مالِ غنیمت ان میں بانٹا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انصار نے کہا: جب تکلیف ہوتی ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور مالِ غنیمت دوسروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی باتوں سے آگاہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر چمڑے کے ایک خیمے میں جمع کیا اور دوسرے کسی کو نہ بلایا۔ جب انصار جمع ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس آئے اور فرمایا: وہ کیا بات ہے جو تمھاری نسبت مجھے پہنچی ہے؟ انصار میں جو سمجھ دار تھے انھوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے اصحاب عقل و دانش نے تو کچھ نہیں کہا، البتہ نوجوانوں نے کہا ہے کہ اللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرمائے، وہ قریش کو دیتے اور ہمیں محروم رکھتے ہیں حالانکہ ابھی تک ہماری تلواروں سے خون ٹپکتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اُن لوگوں کو دیتا ہوں جو نئے نئے اسلام لائے ہیں، میرا مطلب ان کی تالیفِ قلب ہے، کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ لوگ تو مال لے کر (اپنے گھروں کو) جائیں اور تم اپنے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٥١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

آدمیوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کو لے کر جاؤ جو چیز تم لے کر جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے کر جائیں گے۔"

انصار نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! ہم راضی ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "میرے بعد تم پر اور لوگوں کو ترجیح دی جائے گی، پس صبر کرتے رہنا یہاں تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو حوض پر ملو۔" انصار نے کہا: ہم صبر کریں گے۔[1]

قریش و انصار کے غصے اور خوارج کے غصے میں فرق:

کہا گیا ہے کہ قریش، انصار اور دوسرے قبائل کا کوئی مومن یہ نہیں سمجھتا تھا کہ رسول کریم ﷺ نے ظلم و جور سے کام لیا ہے اور نہ ہی اس کو آپ ﷺ کے لیے جائز سمجھتے تھے۔ وہ آپ پر یہ تہمت بھی نہیں باندھتے تھے کہ مال کی تقسیم میں آپ نے خواہشِ نفس کی پیروی کی ہے یا آپ بادشاہت چاہتے ہیں یا یہ کہ آپ نے مال کی تقسیم میں رضائے الٰہی کو ملحوظ نہیں رکھا اور اس قسم کی باتیں جو منافق کہتے تھے۔ دونوں قبائل (اَوس اور خزرج) کے دانشمند لوگوں نے، اور وہ عوام تھے، سرے سے کوئی بات ہی نہ کی بلکہ اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ دیا وہ اس پر راضی ہوگئے۔ انھوں نے کہا: اللہ ہمارے لیے کافی ہے، اللہ اور اس کا رسول ہم پر فضل فرمائے گا جیسا کہ انصار کے عقل مند لوگوں نے کہا تھا کہ ہمارے دانش مند لوگوں نے تو اس ضمن میں کچھ نہیں کہا اور جن لوگوں نے گفتگو کی ہے وہ کم عمر ہیں یعنی اُن کا خیال یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ دینی مصالح کے تحت مال تقسیم کرتے ہیں اور مال کو اسی جگہ خرچ کرتے ہیں جو جگہ دوسری جگہوں کی نسبت اعلیٰ و اولیٰ ہوتی ہے اور یہ وہ بات ہے جس میں ان کے نزدیک شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ مصلحت کو کیسے معلوم کیا جائے تو کبھی اس کا علم وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور کبھی اجتہاد سے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ رسول کریم ﷺ خود ایسا کرتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک آپ ﷺ اس میں وحی کی پیروی کرتے تھے، اور جو شخص اس کو ناپسند کرتا یا اس پر اعتراض کرتا تھا وہ کافر اور رسول کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے۔

وہ اس بات کو جائز سمجھتے تھے کہ آپ کی تقسیم اجتہاد پر مبنی ہو، جو دنیوی امور اور دینی مصالح سے متعلق ہوں اُن کے بارے میں وہ آپ کی طرف مراجعت کرتے تھے، یہ ایسا باب ہے کہ پوری امت

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٤٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٥٩)

کے نزدیک اس میں آپ اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتے ہیں۔ بعض اوقات صحابہ کسی امر کے بارے میں آپ سے سوال کرتے مگر یہ سوال بحث ونزاع کے لیے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس لیے کہ اُس کی علت معلوم کریں اور آپ کی سنت کا فہم وادراک حاصل کریں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کن امور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کرتے تھے؟

صحابہ کی مراجعت دو وجوہ سے تجاوز نہیں کرتی تھی:

۱۔ اگر وہ معاملہ ان سیاسی امور میں سے ہوتا جن میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی تو صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس لیے مراجعت فرماتے تا کہ آپ اس پر پوری طرح غور وفکر کر لیں۔

۲۔ مراجعت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے علم وایمان میں اضافہ ہو اور اُن پر غور وفکر کی راہ کھل جائے۔

حُباب بن المنذر کی مراجعت:

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں ایک جگہ اترے تو حُباب نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ منزل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے پسند کی ہے تو ہم اس میں کسی تبدیلی کے مجاز نہیں یا حرب وضرب کی چالوں کے پیش نظر آپ نے اسے اختیار کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ میری ذاتی رائے ہے اور میں نے اسے جنگی مصلحت کے پیش نظر اختیار کیا ہے۔'' حُباب نے کہا: جنگی مصلحت کے لحاظ سے یہ جگہ مناسب نہیں، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کو قبول کیا اور دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔[1]

سعد بن معاذ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشاورت:

غزوۂ خندق والے سال جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غطفان سے اس شرط پر مصالحت کا ارادہ کیا کہ انھیں مدینہ کی اراضی کا نصف ثمرہ دیا جائے گا تو حضرت سعد بن معاذ انصار کے چند اشخاص کی معیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ اللہ کے حکم سے کیا ہے تو آمنا وصدقنا، اور اگر آپ نے یہ فیصلہ اپنی رائے سے کیا ہے تو اس میں غور وفکر کی گنجائش ہے۔ فرمایا: ''میں نے یہ فیصلہ اپنی رائے سے کیا ہے، میں نے دیکھا کہ قبیلہ غطفان والوں نے بہت سا مال دیا اور تمھارے لیے یہ قبائل جمع کیے اور

---

[1] مستدرك حاكم (۳/ ٤۲۷) یہ قصہ متعدد طرق سے مروی ہے جن میں اگرچہ کچھ میں ضعف ہے لیکن مجموعی طور پر درجۂ حسن کو پہنچتا ہے۔

تمھارا تو صرف ایک ہی قبیلہ ہے، اس لیے میں نے چاہا کہ ان کے ذریعے ہم اپنا دفاع کریں اور انھیں کچھ دے دیں۔" سعد نے کہا: بخدا! یا رسول اللہ ﷺ! جب ہم مشرک تھے تو لوگ ہم سے نصف حصہ لینے کی امید نہیں رکھتے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ لوگ مدینے کا پھل یا تو مہمان ہونے کی صورت میں کھاتے تھے یا ہم سے خریدتے تھے، پھر آج یہ لوگ ہمارا پھل کیسے لے سکتے ہیں جبکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور آپ بھی ہم میں موجود ہیں، ہم انھیں کچھ نہیں دیں گے اور نہ ہی ان کی عزت افزائی کریں گے، پھر صلح نامہ لے کر اس پر تھوکا اور اسے پھینک دیا۔[1]

وہ ظنی امور جو دنیوی معاملات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو اُن کے بارے میں فیصلہ وہی ہے جو آپ نے اس وقت کیا جب آپ ﷺ سے نر کھجور کا بور مادہ کھجور پر ڈالنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ محض میرا ظن تھا اور ظن و گمان کی بنا پر مجھ پر گرفت نہیں ہونی چاہیے۔ جب اللہ کی طرف سے میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس کی تعمیل کیجیے، اس لیے کہ میں اللہ پر جھوٹ نہیں باندھتا۔"[2] (صحیح مسلم)

دوسری روایت میں یوں فرمایا:

"دنیوی امور کو تم مجھ سے بہتر جانتے ہو اور جو تمھارا دینی معاملہ ہو تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔"[3]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی آپ ﷺ کی طرف مراجعت:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی باب سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کی ایک جماعت کو کچھ مال دیا، اس وقت میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے ان میں سے ایک آدمی کو کچھ نہ دیا، حالانکہ وہ آدمی مجھے بہت عزیز تھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فلاں فلاں شخص کو دیا اور فلاں آدمی کو محروم رکھا، حالانکہ وہ مومن ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "یوں کہو کہ وہ مسلم ہے"، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بات تین دفعہ دہرائی اور آپ ﷺ نے وہی جواب دیا، پھر فرمایا:

---

1. سیرت ابن ھشام (۲/ ۲۲۳) البدایة والنھایة (۴/ ۱۰۶)
2. صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۳۶۱)
3. صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۳۶۳)

''میں ایک آدمی کو کچھ دیتا ہوں، حالانکہ دوسرا آدمی مجھے عزیز تر ہوتا ہے، مگر میں اسے کچھ نہیں دیتا۔ میں اس لیے دیتا ہوں کہ (نہ دینے کی وجہ سے کہیں) وہ شخص اوندھے منہ جہنم میں نہ جا گرے۔''[1] (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مقصد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلانا تھا کہ فلاں شخص کو بھی دینا چاہیے یا یہ کہ اس شخص کو نہ دینے کی وجہ کیا ہے جبکہ اس سے کم تر درجہ کے لوگوں کو دیا گیا ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دونوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ کسی شخص کو مال صرف اس کے مومن ہونے کی وجہ سے نہیں دیا جاتا، بلکہ میں دیتا بھی ہوں اور نہیں بھی دیتا اور جس کو نہیں دیتا بعض اوقات وہ مجھے عزیز تر ہوتا ہے، اس لیے کہ میں جس کو دیتا ہوں اگر اس کو نہ دوں تو اس کے کافر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا میں اسے اس لیے دیتا ہوں تا کہ اس کا ایمان محفوظ ہو جائے اور وہ ان لوگوں کے زمرہ میں داخل نہ ہو جو اللہ کی عبادت ایک شرط پر کرتا ہے اور جس کو میں نہیں دیتا وہ یقین و اطمینان کے اُس درجہ پر فائز ہوتا ہے جو اُسے دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے، ایسا شخص مجھے عزیز تر اور میرے نزدیک افضل ہوتا ہے۔

وہ اللہ اور اس کے رسول کی رسی کے ساتھ پنجہ مارتا اور اپنا دنیوی حصہ دے کر اس کے عوض دینی حصہ لیتا ہے۔ جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ اور انصار وغیرہ کو اس کا صلہ دیا گیا جبکہ نومسلم اور اہل نجد تو بکریاں اور اونٹ لے کر مدینہ گئے اور وہ (انصار) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ لے گئے، مزید برآں اگر اُن کو محض ایمان لانے کی بنا پر دیا گیا تو پھر اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ مومن ہے، عین ممکن ہے کہ (وہ صرف ظاہری طور پر) اسلام لایا ہو اور ایمان اس کے دل میں داخل نہ ہوا ہو، اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سعد رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہتر جانتے تھے کہ مومن کن خصوصیات کا حامل ہوتا ہے اور یہ وہاں ہے جہاں فرق و امتیاز کا امکان ہو۔

مؤلفۃ القلوب کو دینے کے بارے میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشورہ:

ابن اسحاق نے محمد بن ابراہیم بن حارث سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ دیے ہیں، جبکہ جعیل بن سُراقہ الضمری کو کچھ بھی نہ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر عیینہ اور اقرع جیسے آدمیوں سے ساری دنیا بھی بھر جائے تو جعیل ان سے بہتر ہے مگر اسلام کی ترغیب دلانے کے لیے میں نے اُن کو دیا ہے اور جعیل بن

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۵۰)

سراقہ کے لیے صرف اسلام کو کافی سمجھا۔“ ❶

انصار کے ذکر پر مشتمل حدیث میں بعض علمائے مغازی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ انصار نے کہا: ہم صرف یہ بات جاننے کے خواہاں ہیں کہ اگر یہ تقسیم اللہ کے حکم سے ہے تو ہم صبر کریں گے اور اگر رسول اکرم ﷺ کی رائے پر مبنی ہے تو ہم آپ سے استفسار کریں گے۔ اس سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ انصار میں سے بعض کا خیال یہ تھا کہ ممکن ہے رسول کریم ﷺ نے اپنے اجتہاد کے مطابق تقسیم کی ہو اور اس میں کوئی مصلحت پائی جاتی ہو۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ جس کو آپ نے دیا اس میں کیا مصلحت تھی اور جس کو ایمان و جہاد میں برتری کے باوجود نہیں دیا اس میں کون سا راز مضمر تھا؟

سرسری نظر میں اس کو دینے کا موجب یہی ہے اور رسول کریم ﷺ اس کو بھی دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی، اور یہی معنی ہیں ان کے قول ”استعتبناہ“ کے، یعنی ہم آپ سے مطالبہ کریں کہ ہماری ناراضگی دور کریں یا تو اس کی وجہ بیان کر کے کہ دوسروں کو کیوں دیا یا ناراضگی اس طرح دور کریں گے کہ دوسروں کی طرح ہمیں بھی دیں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”کوئی شخص ایسا نہیں کہ جسے معذرت خواہی اللہ سے بڑھ کر محبوب ہو، اسی لیے اس نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے (انبیاء) مبعوث کیے۔“ ❷

اسی لیے رسول کریم ﷺ نے چاہا کہ جو کچھ انھوں نے کیا اس پر انھیں معذور قرار دیں، لہٰذا ان کے سامنے اسے کھول کر بیان کیا۔ جب معاملہ کھل کر سامنے آیا تو صحابہ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور اس طرح راضی ہو گئے جس طرح راضی ہونا چاہیے۔

جو بات چیت صحابہ سے نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے خیال میں غنیمت کی تقسیم اجتہاد پر مبنی تھی اور وہ دوسروں کی نسبت مال کے زیادہ حقدار تھے، اس لیے دوسروں کو دینے پر انھیں تعجب ہوا اور انھوں نے یہ جاننا چاہا کہ آیا یہ تقسیم وحی پر مبنی تھی یا اجتہاد پر جو واجب الاتباع ہو کیونکہ مصلحت اسی میں مضمر تھی یا اس کی بنا اس اجتہاد پر رکھی گئی تھی جس کی موجودگی میں آپ دوسری بات پر بھی عمل کر سکتے ہیں جبکہ وہ زیادہ قرینِ مصلحت ہو یا یہ کہ اس تقسیم کا تعلق اس صورت سے ہو جو ابھی ایک جگہ آ کر ٹھہری نہیں اور آپ ﷺ اس تقسیم کے ذریعے اُسے ایک جگہ ٹھہراتے ہیں، اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا

---

❶ سيرت ابن هشام (٢/ ٤٩٦)

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٤١٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٩٩)

کہ اللہ رسول کریم ﷺ کو معاف فرمائے کہ قریش کو دیتے اور ہمیں محروم رکھتے ہیں جبکہ ہنوز ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے اور ہمارا مالِ غنیمت ان میں بانٹ دیا جاتا ہے،[1] اور ایک روایت میں ہے کہ تکلیف کے وقت ہمیں پکارا جاتا ہے اور مالِ غنیمت دوسروں میں بانٹ دیا جاتا ہے؟[2]

کیا یہ عطیہ جات مالِ غنیمت سے تھے یا خمس میں سے؟

عطیہ جات میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا یہ نفسِ غنیمت میں سے تھے یا اس کے 1/5 میں سے؟ سعد بن ابراہیم اور یعقوب بن عتبہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: عطیہ جات مالِ غنیمت سے الگ تھے۔ بنا بریں رسول کریم ﷺ نے ان کا حصہ مالِ غنیمت میں سے لے لیا تا کہ وہ خوش ہو جائیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کا ارادہ یہ تھا کہ مالِ غنیمت کے عوض انھیں علاقہ بحرین میں جاگیر دی جائے۔ انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم تب جاگیر لیں گے جبکہ ہمارے مہاجر بھائی بھی اسی قسم کی جاگیر لیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بحرین کا مال آیا تو اس وقت نمازِ فجر کا وقت تھا، رسول کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ جب بحرین کا مال آئے گا تو میں تجھے اتنا مال دوں گا۔[3] مگر تقسیم سے قبل آپ نے اس لیے اجازت نہ لی کہ میں جو کچھ کروں گا وہ اس کو مان لیں گے اور جب کسی آدمی کو اپنے دوست کے بارے میں معلوم ہو کہ اگر میں اس کے مال میں سے کچھ لے لوں گا تو وہ خوش ہوگا تو وہ دوست کے مال میں سے لے سکتا ہے، اگرچہ زبانی اس سے اجازت نہ بھی لے، یہ طریقہ صحابہ و تابعین میں معروف تھا، مثلاً ایک آدمی نے بالوں کا گچھہ رسول کریم ﷺ سے مانگا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا اور بنی ہاشم کا جو حصہ ہے وہ میں نے تجھے دیا اور اگر انھوں نے اپنا حصہ مانگ لیا تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔''[4]

موسیٰ بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مال خمس میں سے تھا۔ واقدی کہتے ہیں کہ صحیح تر قول یہی ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۱۴۷) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۰۵۹)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۰۵۹)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (۲۲۶۹) صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۳۱۴)

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (۲۶۹۴) سنن النسائي (۶/ ۲۶۴) اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

خمس کی تقسیم کیسے کی جائے؟

۱۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ خمس کو امام اپنے اجتہاد کے مطابق تقسیم کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول یہی ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خمس کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا جائے، امام شافعی رحمہ اللہ اور احمد اسی کے قائل ہیں، جب خمس کو پانچ قسموں میں بانٹا جائے اور یتیم، مسکین یا مسافر نہ ہوں یا ہوں تو دولت مند ہوں تو اُن کے حصص کو رسول کے حصے میں ڈال دیا جائے۔

یتامیٰ، مساکین اور مسافر اس وقت اپنی قلت کے باوجود زکوۃ کا حصہ لینے کی وجہ سے غنی ہو چکے تھے۔ جب خیبر فتح ہوا اور اکثر اہل اسلام دولت مند ہو گئے تو رسول کریم ﷺ نے انصار کو کھجوروں کے وہ باغ واپس کر دیے جو انصار نے مہاجرین کو عطیہ کے طور پر دیے تھے۔ اس طرح انصار کے پاس مہاجرین کو دیے ہوئے عطیہ جات اور خیبر اور دوسری جگہوں کا مالِ غنیمت جمع ہو گیا اور اس طرح وہ دولت مند ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا تھا:

''کیا میں نے تمھیں تنگ دست نہیں پایا تھا اور میری وجہ سے اللہ نے تمھیں دولت مند بنا دیا۔''[1]

رسول کریم ﷺ خمس کا زیادہ حصہ ''سہم رسول'' کے مصارف میں خرچ کیا کرتے تھے، اس لیے کہ سب سے بڑی مصلحت اس قوم کی تالیفِ قلب ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ خمس الخمس (خمس کا پانچوں حصہ ۱/۲۵) مؤلفۃ القلوب کے لیے کافی ہو گیا تھا، وہ اس معاملہ سے آگاہ ہی نہیں اور جو لوگ اس واقعہ سے آگاہ و آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ مال میں اتنی گنجائش نہ تھی۔

کہا گیا ہے کہ (مالِ غنیمت میں) چوبیس ہزار یا کم و بیش اونٹ تھے، چاندی چار ہزار اوقیہ اور دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر تھیں، اس طرح کل تیس ہزار اونٹ ہوئے اور مؤلفۃ القلوب کو اس سے دو گنا اونٹ دیے گئے اور یہ وہ بات ہے جس میں اہل علم کے یہاں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ باقی رہا بعض قریش اور انصار کا قول سونے کے اس ٹکڑے کے بارے میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے بھیجا تھا کہ کیا آپ اہل نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے تو وہ بھی اسی قبیل سے ہے، انھوں نے یہ سوال اسی غرض سے کیا تھا، اس کے دو جواب اور بھی ہیں:

پہلا جواب: اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ایسی بات کہنے والوں میں سے کچھ تو منافق تھے جن کو قتل کرنا جائز ہے۔ جس طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ حنین کے مالِ غنیمت کے بارے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٣٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦١)

میں کہہ رہا تھا کہ یہ ایسی تقسیم ہے جس میں رضائے الٰہی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

قریش اور انصار میں سے بہت سے منافق اقامت پذیر تھے، پس جو بات اس نے کہی اس کی کوئی وجہِ جواز نہ تھی اور وہ ایک منافق سے صادر ہوا تھا اور جس آدمی کے بارے میں ابوسعید نے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: ہم اس مال کے ان سے زیادہ حق دار تھے، ابوسعید نے اس کو منافق نہیں کہا تھا۔ واللہ أعلم

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ اعتراض بعض اوقات گناہ و معصیت کا موجب ہوتا ہے اور اس کے مرتکب کے منافق ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اگرچہ وہ منافق نہیں ہوتا، قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ﴾ [الأنفال: ٦]

''حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد آپ سے جھگڑتے ہیں۔''

رسول کریم ﷺ کی طرف مراجعت کی چند امثلہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ جن لوگوں نے حج کا احرام باندھا ہے، وہ اُس کو عمرہ بنالیں، اس طرح ان کے حلال ہونے میں تاخیر ہوئی، اس ضمن میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ [1]

۲۔ صلح حدیبیہ والے سال حلال ہونا نہیں چاہتے تھے (بلکہ ان کا خیال تھا کہ عمرے کی تکمیل کی جائے۔)

۳۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کفار کے ساتھ صلح کرنے کے حق میں نہ تھے اور اس ضمن میں بعض صحابہ نے آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ [2] یہ سخت گناہ کا کام تھا، جس سے خدا کے حضور معافی طلب کرنا ان کے لیے ازبس ناگزیر تھا۔

۴۔ جن صحابہ نے اپنی آواز کو رسول کریم ﷺ کی آواز سے زیادہ بلند کیا تھا، انھوں نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس سے توبہ کرنا لازم تھا۔ [3]

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ ﴾ [الحجرات: ٧]

''اور جان لو کہ اللہ رسول تم میں موجود ہے، اگر بہت سی باتوں میں وہ تمھاری اطاعت

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٦٥١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٢١٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٣٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٨٥)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٤٦)

کرے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ۔"

سہل بن حنیف نے کہا:

"دین کے بجائے تم اپنی رائے کی مذمت کرو۔ میں نے ابو جندل والے واقعہ میں اپنے آپ کو دیکھا اور اگر میں رسول کریم ﷺ کے حکم کو رد کر سکتا تو رد کر دیتا۔"[1]

یہ امور حرص و لالچ اور جلد بازی کی وجہ سے صادر ہوئے اس لیے نہیں کہ دین کے بارے میں انھیں کوئی شک تھا، جس طرح قریش کے لیے جاسوسی کرنے کے سلسلے میں حاطب سے غلطی صادر ہوئی، حالانکہ وہ گناہ اور معصیت پر مبنی تھی اور ایسا کرنے والے پر توبہ واجب ہے کیونکہ یہ رسول کریم ﷺ کی نافرمانی ہے۔

فتحِ مکہ کے دن انصار کا قول اور رسول کریم ﷺ کا جواب:

فتحِ مکہ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اسی قبیل سے ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص ابو سفیان کے گھر داخل ہو جائے تو اُسے امن ہے، جو ہتھیار ڈال دے یا اپنا دروازہ بند کر لے تو اسے امن ہے۔"

انصار نے کہا:

"یہ شخص (رسول کریم ﷺ) اپنے رشتہ داروں اور اپنے کنبہ کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وحی نازل ہوئی اور وحی جب آتی تھی تو ہم سے پوشیدہ نہ رہتی، اس حالت میں کوئی شخص آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا یہاں تک کہ وحی ختم ہو جاتی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے گروہ انصار! انھوں نے کہا: ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا: تم نے یوں کہا کہ یہ شخص اپنے کنبے اور قبیلے کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ انصار نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ایسا تو ہوا ہے۔ فرمایا: "ہرگز نہیں میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ اور تمھاری طرف ہجرت کی، میرا جینا تمھارے ساتھ ہے اور میرا مرنا بھی تمھارے ساتھ ہے۔" انصار روتے ہوئے آپ کے پاس آئے، وہ کہتے تھے: بخدا ہم نے یہ بات اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں بخل کرتے ہوئے کہی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "بے شک اللہ اور اس کا رسول تمھاری تصدیق کرتے اور

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٨٥)

تمھیں معذور ٹھہراتے ہیں۔"[1] (صحیح مسلم)

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انصار نے جب دیکھا کہ رسول کریم ﷺ نے مکہ والوں کو امان دے دی ہے اور ان کے خون و مال کو معصوم قرار دے دیا ہے، حالانکہ آپ ﷺ مکہ میں جبراً داخل ہوئے تھے اور ان کو قتل کرنے اور اگر چاہتے تو ان کا مال لینے پر بھی قادر تھے۔ وہ اس بات سے ڈرے کہ مبادا آپ ﷺ مکہ کو اپنا وطن بنا لیں اور قریش کے ساتھ مراسمِ الفت و مودت قائم کر لیں، اس لیے کہ مکہ آپ ﷺ کا وطن تھا اور اہالیان مکہ آپ ﷺ کا کنبہ اور قبیلہ تھے، نیز یہ کہ وطن اور اہل کی کشش اس امر کی مقتضی تھی کہ آپ ﷺ واپس لوٹ جائیں، مگر ارباب عقل و دانش نے یہ بات نہیں کہی جو جانتے تھے کہ رسول کریم ﷺ مکہ کو وطن نہیں بنا سکتے۔ کہنے والوں نے یہ بات طعن وعیب کے طور پر نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بخل اور وابستگی کے عالم میں یہ بات کہی تھی، اللہ اور اس کے رسول نے اس کی تصدیق کی تھی، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ انتہائی لگاؤ اور وابستگی نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا، اللہ اور اس کے رسول نے اس بات پر ان کو معذور ٹھہرایا، اس لیے کہ وہ دیکھ اور سُن چکے تھے، نیز اس لیے کہ رسول ﷺ کی جدائی اس قسم کے اہل ایمان کے لیے بڑی دشوار ہے، جو اُن کا جزو لا ینفک ہے جبکہ دوسرے لوگوں کی حیثیت ایک خارجی چیز ہے اور وہ بات متکلم کو معاف کر دی جاتی ہے جو اس نے محبت اور تعظیم و تکریم کے پیش نظر کہی ہو بلکہ اس پر اس کی مدح و ستائش کی جاتی ہے اگر ایسی بات تعظیم و تکریم نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے کہی جائے تو اس کا کہنے والا سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا رسول کریم ﷺ کے ساتھ ادب:

فعل کی بھی یہی صورت ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ابو بکر صدیق لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، اتفاق سے رسول کریم ﷺ مسجد میں تشریف لے آئے، ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو"، ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر بھی پیچھے ہٹے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جب میں نے آپ کو اسی جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھے وہاں ٹھہرنے سے روکا؟" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "ابن ابی قحافہ کو زیب نہیں دیتا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے آگے کھڑا ہو۔"[2]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٨٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٢١)

ابو ایوب انصاری کا رسول کریم ﷺ کے ساتھ ادب:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جب رسول کریم ﷺ سے اجازت چاہی کہ بالائی منزل سے نچلی منزل پر اتر آئیں اور رسول کریم ﷺ اوپر والی منزل پر تشریف لے جائیں، ابو ایوب رضی اللہ عنہ پر یہ بات سخت ناگوار گزری کہ وہ اوپر والی منزل میں رسول کریم ﷺ کی بالائی جانب اقامت گزیں ہوں، انھوں نے رسول کریم ﷺ سے ذکر کیا کہ نچلی منزل میں سکونت پذیر ہونا آپ کے لیے سہولت کا موجب ہوگا کیونکہ لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے جاتے ہیں، اس طرح ابو ایوب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی توقیر وتکریم کی بنا پر مکان کی بالائی منزل پر نہ رہ سکے۔[1] انصار نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ جو بات چیت کی تھی وہ بھی اسی قبیل سے تھی۔

رسول کریم ﷺ سے عرض مدعا کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ایک وہ جو کفر کی موجب ہے، مثلاً یوں کہنا کہ یہ ایسی تقسیم ہے جس میں رضائے خداوندی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جو گناہ اور معصیت کی موجب ہے اور ایسا کرنے والوں کے اعمال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، مثلاً زیادہ اونچی آواز سے بولنا کہ آپ کی آواز دب جائے، اور جس طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کے صلح کا رجحان ظاہر کرنے کے بعد بعض لوگوں نے اس کی مخالفت کی تھی یا غزوۂ بدر میں حق واضح ہو جانے کے بعد بعض لوگوں نے آپ ﷺ کی مخالفت کی۔ یہ جملہ اُمور آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی میں شامل ہیں۔

۳۔ تیسری قسم وہ ہے جو ایسی نہیں ہوتی، اس کا ارتکاب کرنے والے کی کبھی تعریف کی جاتی ہے اور کبھی نہیں، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ ہم دوگانہ پڑھتے ہیں حالانکہ ہم پُرامن ہوتے ہیں؟[2] یا حضرت عائشہ کا یہ قول: کیا اللہ نے یوں نہیں فرمایا کہ جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ [الحاقة: ۱۹] یا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ "تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اُس (جہنم میں) وارد نہ ہو۔"[3] یا جس طرح حُباب بن منذر نے مقامِ بدر کے پڑاؤ

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٥٣)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٨٦)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٩٦)

کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے گفتگو کی تھی۔ اسی طرح جب رسول کریم ﷺ نے قبیلہ غطفان سے مدینہ کی نصف کھجوروں کے عوض مصالحت کی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں رسول کریم ﷺ سے بات چیت کی۔

جب رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو وہ برتن توڑنے کا حکم دیا تھا جن میں گدھوں کا گوشت پک رہا تھا تو صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم ان کو دھو نہ لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دھو لیا کرو۔''[1] اسی طرح جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں کی بشارت دینے کے لیے نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں واپس کر دیا اور اس ضمن میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ تبادلۂ افکار کیا۔[2] نیز رسول کریم ﷺ نے جب بعض غزوات میں سواریوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ سب صحابہ کا زادِ راہ یکجا کر کے رسول کریم اس پر دعا فرمائیں تو رسول کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کیا[3] اور اس قسم کے مسائل واحکام جن میں کسی اشکال کے بارے میں سوال کیا گیا تاکہ صحابہ کے لیے اس کی وضاحت ہو جائے یا اس کی مصلحت سمجھ میں آ جائے اور رسول کریم ﷺ نے اس پر عمل فرمایا۔

الغرض یہ وہ احادیث ہیں جو باتفاقِ محدثین رسول کریم ﷺ سے آپ کو گالیاں دینے والے کے بارے میں منقول ہیں، خواہ گالی دہندہ معاہد ہو یا غیر معاہد۔ ان میں سے بعض احادیث مسئلہ زیرِ بحث کے بارے میں نص کا درجہ رکھتی ہیں، بعض ظاہر الدلالت ہیں اور بعض ایسے استنباط پر مبنی ہیں جو صاحبِ فہم وادراک کا خاصہ ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن کے بارے میں وہ شخص توقف سے کام لیتا ہے جو انھیں سمجھ نہیں پاتا یا جن کے نزدیک اُن کی توجیہ کچھ اور ہے یا ان سے استدلال کرنا اس کے نزدیک ضعیف ہے، بہرکیف جو شخص جادۂ حق کا راہ پیما اور طالب ہوتا اور اس کا قصد بھی کرتا ہے اور اللہ نے اُسے بصیرت وعلم سے نوازا بھی ہو تو حق اس پر پوشیدہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٤١٩٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٠٢)
2. صحيح مسلم، رقم الحديث (٣١)
3. صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤٨٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧)

اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے استدلال

مسئلہ زیر بحث پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، اس لیے کہ ایسے واقعات متعدد صحابہ سے منقول ہیں اور ایسے واقعات پھیل جاتے اور شہرت پذیر ہو جاتے ہیں اور کسی صحابی نے بھی ان سے انکار نہیں کیا، اس لیے کہ ان واقعات نے اجماع کی صورت اختیار کر لی ہے اور خوب جان لیجیے کہ کسی فرعی مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ اس سے بلیغ تر طریقہ پر ممکن نہیں۔

مہاجر بن ابی اُمیہ کا فعل دو گلوکار لونڈیوں کے ساتھ:

سیف بن عمر التمیمی نے اپنی کتاب ''الردۃ والفتوح'' میں اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ مہاجر جب علاقہ یمامہ کے امیر تھے، اُن کی عدالت میں دو گلوکار لونڈیوں کا معاملہ پیش کیا گیا، ان میں سے ایک رسول کریم ﷺ کی مذمت پر مشتمل اشعار گایا کرتی تھی، مہاجر نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا اور اس کے اگلے دونوں دانت نکال دیے اور دوسری مسلمانوں کی ہجو کہا کرتی تھی، مہاجر نے اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا اور اگلے دو دانت نکلوا دیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُسے لکھا:

''تم نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والی گلوکار عورت کو جو سزا دی مجھے اس کے بارے میں معلوم ہوا ہے اگر مجھے پہلے پتہ چل جاتا تو میں تجھے اس کے قتل کا حکم دیتا، اس لیے انبیاء (کی توہین کی وجہ سے) جو سزا دی جاتی ہے وہ باقی سزاؤں سے مختلف ہوتی ہے اگر کوئی مسلم ایسا کرے تو وہ مرتد ہے اور اگر معاہد اس کا مرتکب ہو تو وہ عہد شکنی کرنے والا محارب ہے۔''

جو لونڈی مسلمانوں کی ہجو کہتی تھی اس کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا:

''مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے مسلمانوں کی ہجو گوئی کرنے والی لونڈی کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس کے اگلے دو دانت نکلوا دیے ہیں اگر وہ اسلام کی نام لیوا ہے تو اس کی تادیب کیجیے اور مُثلہ سے احتراز کیجیے اور اگر وہ ذمی عورت ہے تو اس نے جس شرک سے اجتناب کیا ہے وہ

زیادہ بڑی بات ہے اور اگر ایسی خبر مجھے پہلے مل جاتی تو میں تجھے تکلیف پہنچاتا، لہٰذا اُسے اسی حالت میں رہنے دو، مُثلہ سے بچتے رہو، اس لیے کہ وہ گناہ کا موجب اور لوگوں کو نفرت دلانے والا ہے، البتہ قصاص میں ایسا کرنا جائز ہے۔"

سیف بن عمر کے سوا دیگر علماء نے بھی اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔[1] نیز ان سے منقول روایت پہلے بھی گزر چکی ہے کہ جو شخص رسول کریم کو گالی دے تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے، مگر کسی اور کو گالیاں دینے سے قتل نہیں کر سکتے، یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والے کو قتل کیا جا سکتا ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا معاہد یا عورت، نیز یہ کہ اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، برخلاف اس کے جو عام لوگوں کو گالیاں دے، اُس کو قتل کرنا انبیاء کے لیے حد (شرعی سزا) ہے، جس طرح عام لوگوں کو گالیاں دینے والے کی سزا کوڑے مارنا ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم نہ دیا، اس لیے کہ مہاجر بن ابی امیہ نے قبل ازیں اپنے اجتہاد سے اس کو سزا دے دی تھی، اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اس عورت پر دو سزائیں جمع ہو جائیں، یہ بھی احتمال تھا کہ وہ اسلام لاتی یا توبہ کرتی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خط سے پہلے مہاجر بن ابی اُمیہ اس کی توبہ کو قبول کر لیتے، یہ اس کا اجتہاد تھا جس کے مطابق وہ سزا دے چکا تھا، اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے تبدیل نہ کیا، اس لیے ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی گفتگو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انھوں نے مہاجر کو اس عورت کے قتل سے اسی لیے منع کیا کہ وہ قبل ازیں اس کو سزا دے چکا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قتل کر دیا جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا:

حرب نے اپنے مسائل میں بطریق لیث بن ابی سُلیم از مجاہد روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دی تھیں، انھوں نے اسے قتل کر دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو شخص اللہ یا کسی نبی کو گالی دے اُسے قتل کر دو۔"

لیث بطریق مجاہد از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

"جو مسلم اللہ یا کسی نبی کو گالی دے اُس نے رسول کریم ﷺ کی تکذیب کی، گالی دینا ارتداد ہے، لہٰذا اُس سے توبہ کا مطالبہ کرنا چاہیے، اگر اپنے رویے سے باز آئے تو بہتر ورنہ اُسے قتل کیا جائے، اور جو معاہد عناد سے کام لے اور اللہ یا اس کے رسول کو گالی دے یا

[1] تاريخ طبري (۱/ ۳٤۱)

اس کا اعلان کرے تو اس نے اپنے عہد کو توڑ دیا، پس اسے قتل کر دو۔''

ابو مشجعہ بن ربعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو قسطنطین، جو ملک شام کا پادری تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے مصالحت اور اس کی شرائط کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ شرائط لکھ دو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بہت اچھا'' جبکہ وہ معاہدہ لکھ رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یاد آیا تو انھوں نے کہا: ''میں لشکر کی غلطی کو اس سے مستثنیٰ کرتا ہوں۔'' آپ نے دو مرتبہ اس طرح کہا، پادری نے کہا: ''آپ کی دونوں باتیں منظور ہیں اور خدا اس کا بُرا کرے جو تجھ سے عہد کر کے اس کو واپس لے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاہدہ لکھنے سے فارغ ہوئے تو اُس نے کہا: ''یا امیر المومنین! لوگوں میں کھڑے ہو کر اُن کو بتایئے کہ آپ نے کیا شرطیں طے کیں اور کس چیز کو میرے ذمے فرض قرار دیا تا کہ وہ مجھ پر ظلم کرنے سے باز رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جی ہاں! پھر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا: میں اللہ کی تعریف کرتا اور اُسے سے مدد مانگتا ہوں، جس کو اللہ ہدایت کرے تو اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت سے بہرہ ور نہیں کر سکتا۔ نبطی نے کہا: اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم کیا کہتے ہو؟'' نبطی نے کہا: کچھ نہیں، اور نبطی نے پھر اپنے مقولہ کو دُہرایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے بتاؤ کہ یہ کیا کہتا ہے؟'' (صحابہ نے) کہا: ''یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم نے یہ معاہدہ تجھ سے اس لیے نہیں کیا تم ہمارے دین میں دخل اندازی کرنے لگو گے، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تُو نے یہ مقولہ پھر دہرایا تو میں تمھارا سر اڑا دوں گا، حضرت عمر نے خطبہ کے الفاظ دُہرائے مگر نبطی نے کچھ نہ کہا، جب حضرت عمر فارغ ہوئے تو نبطی نے معاہدے کی دستاویز لے لی۔ اس کو حرب نے روایت کیا ہے۔

دیکھیے یہ حضرت عمر ہیں جو مہاجرین و انصار کے ایک مجمع میں عہد کرنے والوں سے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے تم سے عہد اس لیے نہیں کیا کہ تم ہمارے دین میں دخل اندازی کرو اور قسم کھائی کہ اگر اس نے اپنے مقولہ کو دُہرایا تو اس کی گردن اڑا دیں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس اجماع سے معلوم ہوا کہ معاہدین ہمارے دین پر معترض نہیں ہو سکتے اور ایسا کرنے سے ان کا خون مباح ہو جاتا ہے اور سب سے بڑا اعتراض تو رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ہے، یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے، جس میں کوئی خفا و اشتباہ نہیں ہے، اس لیے کہ اعلانیہ تقدیر کی تکذیب کرنا گویا علانیہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ہے، حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس لیے قتل نہ کیا کہ یہ بات ان کے نزدیک طے شدہ نہ تھی کہ یہ الفاظ طعن فی الدین کے مترادف ہیں، ہوسکتا ہے اُس نے سوچا کہ یہ الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا کہ یہ ہمارا دین واعتقاد ہے تو اسے کہا کہ اگر تو نے یہ الفاظ دُہرائے تو میں تمھاری گردن اڑا دوں گا۔

ان میں سے ایک روایت وہ ہے جس سے امام احمد رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے اور اس کو بطریق ہشیم از حصین از مردے از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ اُن کے پاس سے ایک راہب گزرا، اُس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا، ہم نے اُن کو اس لیے ذمی نہیں بنایا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں، نیز اس کو بطریق ثوری از حصین از شیخ، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے ایک راہب پر تلوار کھینچ لی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا اور کہا: ہم نے ان کے ساتھ اس لیے مصالحت نہیں کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کریں، ہر دو روایات کے مابین جمع وتطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ ابن عمر نے راہب پر تلوار اس لیے کھینچی کہ وہ اپنے جرم کا اعتراف کرے گا، جب اُس نے اپنے جرم کو تسلیم نہ کیا تو آپ نے اسے قتل نہ کیا اور فرمایا: اگر میں اسے گالیاں دیتے سنتا تو اسے قتل کر ڈالتا۔ بکثرت محدثین نے ابن عمر کی روایت کو نقل کیا ہے، یہ تمام آثار ذمی مرد وعورت کے بارے میں نص کا درجہ رکھتے ہیں اور ان میں سے بعض مسلم وکافر کے بارے میں عام یا نص کا حکم رکھتے ہیں۔

وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اس آدمی کو قتل کر دیا تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ تھا، وہ حدیث بھی پیچھے گزر چکی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے صبیغ بن عسل کے سر کو ننگا کیا اور فرمایا تھا کہ اگر میں نے اُسے منڈا ہوا پایا تو تیرا سر اڑا دوں گا اور اس سے توبہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا، اس کے گروہ کا گناہ یہ تھا کہ انھوں نے سنتِ رسول پر اعتراض کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ آیت کریمہ ﴿يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ بطورِ خاص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی، اس میں توبہ کا ذکر نہیں کیا گیا اور جو شخص مومن عورت پر بہتان لگائے تو اللہ نے اسے توبہ کا حق دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں نازل ہوئی اور لعنت عام منافقین پر کی گئی ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان طرازی سے رسول کریم ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہے، اس لیے یہ نفاق ہے اگر منافق کی توبہ مقبول نہ ہو تو اسے قتل کرنا واجب ہوتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے باسناد خود بطریق سماک بن الفضل از عروہ بن محمد از شخصے از بلقین روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی تو حضرت خالد بن ولید نے اُسے قتل کر دیا۔ یہ عورت مجہول الاسم ہے، محمد بن مسلمہ کی روایت پہلے گزر چکی ہے کہ اس نے ابن یامین کے بارے میں، جس کا دعوی تھا کہ کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کیا گیا، قسم کھائی تھی کہ اگر ابن یامین انھیں مل گیا تو وہ اسے قتل کر دیں گے، کیونکہ اس نے رسول کریم ﷺ کو غدار کہا تھا، جبکہ مسلمانوں نے اس پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا مروان نے اس آدمی کو قتل نہیں کیا تھا، اس لیے کہ ان کا خاموش رہنا کسی مذہب و مسلک کی دلیل نہیں ہے، جبکہ اس نے محمد بن مسلمہ کی مخالفت نہیں کی تھی، ان کے خاموش رہنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انھیں اس شخص کے بارے میں شرعی حکم معلوم نہ ہو، یا معلوم تھا۔ مگر اس کی حکمت ان پر واضح نہ تھی یا اس پر حد لگانے کے لیے ان کے جذبات متحرک نہ ہوسکے یا انھوں نے خیال کیا کہ ابن یامین نے یہ بات یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہی کہ کعب بن اشرف کو رسول کریم ﷺ کے حکم کے بغیر قتل کیا گیا یا دیگر وجوہات کی بنا پر۔

خلاصہ یہ کہ ان کا ابن یامین کو قتل نہ کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ محمد بن مسلمہ کے خلاف تھے، اس واقعہ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ محمد بن مسلمہ نے بدیں وجہ اس کو خطا کار قرار دیا کہ اس نے ابن یامین پر حد نہ لگائی، اس لیے اس کے ساتھ بات چیت چھوڑ دی، تاہم ابن یامین مسلم تھا، اس لیے کہ مدینے میں ان دنوں کوئی غیر مسلم مقیم نہ تھا۔

ابن المبارک نے بطریقِ حرملہ بن عثمان از کعب بن علقمہ از صحابی رسول ﷺ غرفہ بن حارث الکندی روایت کی ہے کہ غرفہ نے ایک نصرانی کو سنا جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے رہا تھا، اُس نے اسے خوب مارا اور اس کی ناک توڑ دی، حضرت عمرو بن العاص کی عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا گیا، عمرو نے کہا: ''ہم نے ان کے ساتھ عہد کیا ہے۔'' غرفہ نے کہا: پناہ بخدا کہ ہم ان کے ساتھ یہ عہد باندھیں کہ وہ علانیہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیں، ہم نے اُن سے صرف یہ عہد کیا ہے کہ انھیں ان کے عبادت خانوں میں جانے کی اجازت دیں کہ وہاں جا کر جو جی چاہے کریں، اُن سے وہ کام نہ لیں جسے وہ انجام نہ دے سکیں اور اگر کوئی دشمن ان پر حملہ کرنا چاہے تو اس کا دفاع کریں۔ ان کے مذہبی احکام

میں خلل انداز نہ ہوں، الا یہ کہ وہ ہمارے دینی احکام پر راضی ہوں تو ہم ان کے مابین اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق فیصلہ صادر کریں گے اور اگر وہ ہم سے دور رہیں گے تو ہم اُن سے کچھ تعرض نہیں کریں گے۔ (یہ سن کر) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو نے سچ کہا۔''[1]

بایں طور حضرت عمر اور غرفہ بن حارث اس بات پر متفق تھے کہ ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ اس امر کا مقتضی نہیں کہ اُن کو علانیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے کی اجازت دیں، البتہ وہ کفر و تکذیب پر قائم رہ سکتے ہیں، جب بھی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیں گے تو ان کا خون مباح ہو جائے گا اور اُن کو قتل کرنا جائز ہوگا، یہ اسی طرح ہے جیسے عبداللہ بن عمر نے اس راہب کے بارے میں کہا تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا کہ اگر میں اسے گالیاں دیتے سن لیتا تو اسے قتل کر ڈالتا، ہم نے اُن سے یہ عہد نہیں کیا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔

اس آدمی کو قتل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے خلاف شہادت قائم نہیں ہوئی تھی، اس کو صرف غرفہ نے سنا تھا، ممکن ہے کہ غرفہ نے اُسے قتل کرنا چاہا ہو مگر عدمِ شہادت کی وجہ سے قتل کی تکمیل نہ کی، نیز اس لیے کہ ایسا کرنے میں حاکمِ وقت کے خلاف فتنہ انگیزی کا اندیشہ ہے، اس لیے کہ حاکمِ وقت کے نزدیک یہ جرم ثابت نہیں ہوا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے:

خُلید سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو گالیاں دیں، اس پر عمر بن عبدالعزیز نے تحریر کیا کہ گالی دینے کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو اُسے قتل کیا جا سکتا ہے، البتہ میں اس کے سر پر کوڑے ماروں گا۔ اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ یہ بات اُس کے لیے مفید ہے تو میں ایسا نہ کرتا۔'' اس کو حرب نے روایت کیا ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ یہ روایت عمر بن عبدالعزیز سے مشہور ہے اور وہ خلیفہ راشد، سنت رسول کو جاننے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔

تو یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی رائے مسئلہ زیر قلم میں۔ کسی صحابی اور تابعی سے اس کی مخالفت منقول نہیں، سب نے اس کو تسلیم کیا اور بنظر استحسان دیکھا ہے۔

---

[1] التاريخ الكبير (٧/ ١٠٠) السنن الكبرى للبيهقي (٩/ ٢٠٠)

قیاس سے استدلال

اس موضوع پر قیاس سے استدلال کئی وجوہ سے ممکن ہے:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ ہمارے دین کی عیب چینی، حرف گیری اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو گالی دینا ہمارے خلاف نبرد آزمائی اور حرب وضرب کے مترادف ہے، اس لیے اس سے حرب و پیکار کی طرح بلکہ بالاولی عہد ٹوٹ جاتا ہے، اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ وَ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [التوبة: ٤١]

''اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔''

جہاد بالنفس زبان کے ساتھ بھی اور ہاتھ کے ساتھ بھی بلکہ بعض اوقات اس سے قوی تر ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مشرکین کے ساتھ اپنے ہاتھوں، اپنی زبانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ جہاد کیجیے۔''[1] (نسائی وغیرہ)

رسول کریم ﷺ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے: ''ان سے جنگ کیجیے۔''[2] حضرت حسان کے لیے مسجد میں منبر رکھا جاتا تھا اور اپنے اشعار کے ساتھ مشرکین کی ہجو کہتے اور رسول کریم ﷺ کا دفاع کیا کرتے تھے۔[3] رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ! روح القدس کے ذریعے حسان کی مدد فرما۔''[4]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٥٠٤) سنن النسائي (٦/ ٧) اسے امام ابن حبان، حاکم، ذہبی اور نووی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نہیں ملی، البتہ "اهجهم" یا "هاجهم و جبريل معك" (یعنی ان کی ہجو کہیے جبریل آپ کے ساتھ ہیں) الفاظ سے ثابت ہے۔ دیکھیے: صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٢١٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٨٦)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٥٠١٥) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٥٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٨٥)

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''اے حسان! جب تک تُو رسول کریم ﷺ کا دفاع کرتا ہے، جبریل تمھارے ساتھ ہوتا ہے۔[1] اشعار (کفار مکہ) کے لیے تیروں سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔''[2]

کفارِ مکہ بہت سی ایذا دینے والی چیزوں سے اس اندیشے کی بنا پر اجتناب کیا کرتے تھے کہ حسان ان کی ہجو کہیں گے، کعب بن اشرف (یہودی) جب مکہ گیا تو جس خاندان میں بھی قیام گزیں ہوتا تو حضرت حسان ایک قصیدہ لکھ کر اس کی ہجو کہتے، اس کے نتیجے میں وہ کعب کو اپنے یہاں سے نکال دیتے، یہاں تک کہ مکہ میں کوئی اس کو جگہ دینے والا نہ تھا۔

حدیث نبوی میں ہے:

((أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر))[3]

''ظالم سلطان کے پاس حق بات کہنا افضل الجہاد ہے۔''

یا یہ کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''حضرت حمزہ افضل الشہداء ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم سلطان کے پاس حق بات کہی، سلطان نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کیا گیا۔''[4]

جب جہاد باللسان کو مشرکین کی مذمت وہجو گوئی، نیز دعوتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ میں یہ مرتبہ و مقام حاصل ہے تو معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ اور رسول کے دین کو علانیہ برا بھلا کہے اور کتاب اللہ کی کھلم کھلا مذمت کرے تو وہ مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہوتا ہے، اور یہی عہد شکنی ہے۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے اُن کے ساتھ اس امر کا معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک کے عقائد، نیز اپنی باطنی عداوت، ضرر رسانی اور ہمارے لیے آفات طلبی پر برقرار رہیں گے، ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ ہمارے دین کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، ہمارا خون بہانا چاہتے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٩٠)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٩٠)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٤٤) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٨٤) سنن نسائي (٧/ ١٦١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٠١١) اسے امام حاکم اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[4] مستدرك حاكم (٣/ ٢١٥) رقم الحديث (٤٨٨٤) اسے امام حاکم اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (الصحيحة، رقم الحديث: ٣٧٤)

ہیں، اپنے مذہب کو سر بلند دیکھنے کے آرزو مند ہیں، وہ اپنی استطاعت کی حد تک اس کے لیے کوشاں بھی رہتے ہیں، یہ وہ امور ہیں جن پر برقرار رہنے کا ہم نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا ہے لیکن جب وہ اس ارادے کے بموجب اس پر عمل بھی کریں گے اور وہ یوں کہ ہم سے برسر پیکار ہوں تو ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح جب وہ اپنے عقیدے کے بموجب عمل کریں گے، یعنی اللہ، اس کی کتاب، اس کے دین اور اس کے رسول کی مذمت کریں گے تو ہمارے ساتھ ان کا معاہدہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ ارادے اور اعتقاد کے بموجب عمل کرنے میں کچھ فرق نہیں۔

تیسری وجہ: ہمارے اور ان کے درمیان جو مطلق معاہدہ ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہمارے دین پر طعنہ زنی اور ہمارے رسول کو برا بھلا کہنے سے باز رہیں، بالکل اسی طرح جس طرح وہ ہماری خون ریزی اور جنگ آزمائی سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ عہد کے معنی ہی یہ ہیں کہ عہد کرنے والے فریقین میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اُن خطرات سے مامون سمجھتا ہے جو عہد سے پہلے متوقع تھے اور ظاہر ہے کہ ہم اس بات سے خائف رہتے ہیں کہ کفار علانیہ کفر کا اظہار کریں، ہمارے رسول کو برا بھلا کہیں یا ہمارے خلاف اعلانِ جنگ کریں بلکہ اعلانِ جنگ سے زیادہ ہمیں آپ ﷺ کی ہتک عزت کا اندیشہ دامن گیر رہتا ہے، اس لیے کہ ہم رسول کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم، آپ کے رفعِ ذکر اور علوِ قدر کی خاطر اپنی جان و مال قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، تمام کفار کو معلوم ہے کہ یہ ہمارے دین کا جزو لاینفک ہے، بنا بریں ان میں سے جو شخص علانیہ گالی دیتا ہے وہ عہد کو توڑ دیتا ہے اور وہ ایسا کام انجام دیتا ہے جس کا ہمیں اُن سے اندیشہ تھا اور جس پر ہم معاہدہ کرنے سے قبل اُن سے لڑتے تھے اور یہ بات بالکل واضح ہے۔

چوتھی وجہ: چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر مطلق عہد اس کا مقتضی نہ بھی ہو تو وہ عہد جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے ساتھ کیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سب موجود تھے، اس میں یہ بات واضح ہے اور تمام اہل ذمہ اسی قسم کے عہد پر جاری وساری رہے ہیں۔

اہل ذمہ کے ساتھ مسلمانوں کی شرطیں:

حرب نے باسنادِ صحیح عبدالرحمن بن غنم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب شام کے عیسائیوں سے معاہدہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے جو عہد نامہ تحریر کیا گیا اس میں مذکور تھا:

"یہ دستاویز اللہ کے بندے امیر المومنین ساکنِ مدینہ نے لکھ کر دی ہے کہ تم (مسلمان) جب ہمارے پاس آئے تو ہم نے تم سے اپنے، اپنی اولاد اور اموال کے لیے امان طلب

کی، بشرطیکہ ہم اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کریں گے۔“
دیگر شرائط کا ذکر کرنے کے بعد کہا: ”ہم برملا شرک کا ارتکاب نہیں کریں گے اور نہ ہی شرک کی طرف کسی کو دعوت دیں گے۔“ دستاویز کے آخر میں کہا: ”ہم نے اپنی جان اور اپنے اہل خانہ کے لیے یہ شرط قبول کی اور اس پر ہم نے امان قبول کی ہے اگر ہم کسی شرط کی خلاف ورزی کریں تو ہمارا عہد باقی نہ رہے گا اور ہمارا وہ سب کچھ حلال ہو جائے گا جو اہل عناد و کفار کا حلال ہوتا ہے۔“ (یعنی جان و مال وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیچھے گزر چکا ہے جو انھوں نے معاہدہ تحریر کی جانے والی مجلس میں کہا تھا کہ ہم نے یہ معاہدہ تمھارے ساتھ اس لیے نہیں کیا کہ تم ہمارے دین میں مداخلت کرنے لگو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے کہ اگر یہ بات تم نے پھر دُہرائی تو تمھاری گردن اڑا دوں گا، شرطیں مقرر کرنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔

مذکورہ صدر بیان اس حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ نصاریٰ پر مسلمانوں کی یہ شرط واجب ہے کہ وہ علانیہ کلمۂ کفر کہنے سے احتراز کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو وہ محارب بن جائیں گے، اس وجہ سے ثابت ہوتا ہے کہ گالی اُن لوگوں کے نزدیک بھی نقضِ عہد کی موجب ہے جو کہتے ہیں کہ گالی اُس صورت میں نقضِ عہد کی موجب ہوتی ہے جب ان پر یہ شرط عائد کی گئی ہو کہ وہ گالی نہیں نکالیں گے، جیسا کہ ہمارے بعض اصحاب (حنابلہ) اور بعض شافعیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

اسی طرح یہ بات ان لوگوں کے نزدیک بھی ناقضِ عہد ہوگی جو کہتے ہیں کہ جب ان پر یہ شرط عائد کی جائے کہ ان کے گالی دینے سے عہد ٹوٹ جائے گا تو اس صورت میں عہد ٹوٹ جائے گا، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بعض اصحاب نے کہا ہے، اس لیے کہ اہل ذمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ شروط کے پابند ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی امام یا خلیفہ ایسا نہیں ہوا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شرائط کے خلاف معاہدہ کیا ہو۔

بخلاف ازیں بعد میں آنے والے تمام حکام و سلاطین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد نامہ کی پابندی کرتے رہے اور جن لوگوں نے یہ کوشش کی کہ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کے حق میں یہ شرط بھی عائد کی جائے کہ وہ خلاف ورزی کرنے والا اس وقت ہوگا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے کر اپنا عہد توڑ ڈالے۔ اندریں صورت خلاف ورزی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، اس لیے کہ اس شرط کی صحت پر صحابہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور وہ اصول وضوابط سے ہم آہنگ بھی ہے جب حکام و سلاطین نے یہ

شرط ان پر عائد کی ہے اور یہ شرط صحیح بھی ہے تو ہر قول کے مطابق اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

پانچویں وجہ: ذمیوں کے ساتھ معاہدہ اس بات پر ہوا ہے کہ دار السلام ہمارا ہوگا اور اس میں اسلامی احکام نافذ العمل ہوں گے، نیز یہ کہ ذمی لوگ ذلیل اور تابع ہو کر رہیں گے ان کے ساتھ جو مصالحت یا معاہدہ ہوا ہے اس کی بنیاد یہی ہے تو پھر رسول کریم ﷺ کو گالی دینا اور دین کی تنقیص کرنا ذلیل اور عاجز آدمی کا کام نہیں ہے، لہٰذا ایسے شخص کا عہد باقی نہیں رہے گا۔

ذمی کو گالی دینے کی قدرت عطا کرنا اور اُسے سزا نہ دینا:

چھٹی وجہ: اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی تعزیر و توقیر ہم پر فرض ٹھہرائی ہے۔ تعزیر کا مطلب آپ ﷺ کی تائید و نصرت اور حفاظت ہے، توقیر سے اجلال و اکرام مراد ہے، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ناموس و آبرو کی حفاظت جیسے بھی ہو سکے واجب ہے بلکہ یہ تعزیر و توقیر کا پہلا درجہ ہے۔ بنا بریں یہ جائز نہیں کہ ہم ذمیوں سے ایسا معاہدہ کریں کہ وہ ہمارے نبی ﷺ کو علانیہ برا بھلا کہیں۔ ذمیوں کو اس بات کا موقع دینے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی تعزیر و توقیر کو ترک کر دیا جائے، جبکہ انھیں معلوم ہے کہ ہم اس بات پر ان سے صلح نہیں کر سکتے۔ بخلاف ازیں ہم پر واجب ہے کہ جیسے بھی بن پڑے ان کو اس بات سے روکیں، انھی شرائط پر ہم نے اُن سے معاہدہ کیا ہے، جب انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی تو ان شرائط کو توڑ دیا جو ہمارے اور ان کے درمیان طے پائے تھے۔

ساتویں وجہ: رسول کریم ﷺ کی نصرت و حمایت ہم پر فرض ہے، اس لیے کہ یہ تعزیر کا ایک جزو ہے جو ہم پر فرض ہے اور یہ اللہ کی راہ میں بہت بڑا جہاد بھی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

﴿مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ﴾
[التوبۃ: ۳۸]

”تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمھیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو تم زمین سے پیوست ہو جاتے ہو۔“

نیز فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوٰرِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ [الصف: ١٤]

''اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ، جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا: کون ہے میری مدد کرنے والا اللہ کی خاطر؟''

بلکہ مسلمانوں کی مدد کرنا واجب ہے، جس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث نبوی ہے:

''اپنے بھائی کی مدد کیجیے خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔''[1]

نیز فرمایا:

''ایک مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے، نہ اُسے تنہا چھوڑے اور نہ ہی اس پر ستم ڈھائے۔''[2]

پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک مومن رسول کریم ﷺ کی مدد نہ کرے؟ سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ناموس وآبرو کو اذیت دینے والوں سے بچایا جائے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کسی مومن کو منافق سے بچایا جو اسے ایذا دیتا تھا، اُس کے جسم کو اللہ روز قیامت جہنم کی آگ سے بچائے گا۔''[3]

اسی لیے گالی کا جواب دینے والے کو ''منتصر'' کہا جاتا ہے، ایک آدمی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول کریم ﷺ کی موجودگی میں گالی دی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے، جب بدلہ لینے کے لیے تیار ہوئے تو رسول کریم ﷺ کھڑے ہوگئے، ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ شخص گالیاں دے رہا تھا اور آپ ﷺ تشریف فرما تھے، جب میں بدلہ لینے کے لیے تیار ہوا تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''فرشتہ اُس کی گالی کا جواب دے رہا تھا، جب تم بدلہ لینے کے لیے تیار ہوئے تو فرشتہ چل دیا اور پھر میں بیٹھ نہ سکا۔''[1] یا جیسے رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

عربی زبان میں یہ محاورہ کثیر الاستعمال ہے کہ گالی کا بدلہ لینے والے کو ''منتصر'' (انتقام لینے والا) کہتے ہیں، بالکل اسی طرح قاتل اور ضارب کا انتقام لینے والے کو ''منتصر'' کہتے ہیں۔

پیچھے گزر چکا ہے کہ جس شخص نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والی بنت مروان کو قتل کیا

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤٤٣)
2. صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤٤٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨٠)
3. سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٨٣) اسے امام بغوی اور البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ (مصابيح السنة: ٣/ ٣٧٤، رقم الحديث: ٣٨٨٢)
4. سنن أبي داود، أرقام الحديث (٤٨٩٦، ٤٨٩٧) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ (الصحيحة، رقم الحديث: ٢٣٧٦)

تھا، اس کے حق میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی غیبی مدد کی ہے تو اس آدمی کو دیکھ لو۔''

اور جس آدمی نے صفیں چیر کر رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کیا تھا، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم نے اس آدمی پر تعجب کیا جس نے اللہ اور اس کے رسول کو مدد دی تھی؟''

رسول اکرم ﷺ کی ناموس کی حفاظت ایک ایسی نصرت ہے جو دوسروں کی عزت کو بچانے سے زیادہ مؤثر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کی آبرو میں رخنہ اندازی بعض اوقات اس کے مقصد کے لیے ضرررساں نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے اُس کے اعمال نامے میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

رسول کریم ﷺ کی مدح وستائش اقامتِ دین ہے اور آپ کی آبرو کا ضیاع دین کے لیے ضرررساں ہے:

رسول اکرم ﷺ کی ناموس و آبرو میں رخنہ اندازی کلیتاً دین کے منافی ہے، اس لیے کہ ہتک عزت سے اکرام واحترام کا سقوط لازم آتا ہے، جو سقوطِ رسالت کو مستلزم ہے اور اس سے دین کا بطلان لازم آئے گا۔ الغرض رسول کریم ﷺ کی مدح وستائش پر قیامِ دین کا انحصار ہے اور اس کے ساقط ہونے سے پورا دین ساقط ہو جاتا ہے اور جب صورت یہ ہے تو ہم پر لازم ہے کہ آپ ﷺ کی ہتک کرنے والے سے انتقام لیں اور انتقام کی صورت یہ ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی ناموس میں رخنہ اندازی کرنے سے اللہ کے دین کا ٹوٹ پھوٹ جانا لازم آتا ہے۔

یہ واضح بات ہے کہ جو شخص اللہ کے دین میں فساد پیدا کرتا ہے اسے قتل کر دینا چاہیے۔ بخلاف ازیں کسی خاص شخص کی تذلیل سے اللہ کے دین کا بطلان لازم نہیں آتا۔ جن لوگوں سے ہم نے معاہدہ کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم نے اس بات پر عہد کیا ہے کہ ان سے آپ ﷺ کی بے عزتی کا انتقام نہیں لیں گے، ہم نے اس بات پر بھی معاہدہ نہیں کیا کہ اُن سے مسلمانوں کے حقوق وصول نہیں کیے جائیں گے، اس پر معاہدہ کرنا جائز بھی نہیں، جب اس نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی تو ہم پر واجب ہے کہ اس کو قتل کر کے ان سے رسول کریم ﷺ کا بدلہ لیں، اس کے ترک کرنے پر ہم نے ان سے معاہدہ نہیں کیا، لہٰذا وہ واجب القتل ہے۔ غور وفکر کرنے والے کے لیے یہ بات نہایت واضح ہے۔

آٹھویں وجہ: کفار سے معاہدہ کیا گیا ہے کہ اپنے دین کے فواحش و منکرات کا بلادِ اسلامیہ میں اظہار نہیں کریں گے، اگر وہ ان کا اظہار و اعلان کریں گے تو سزا کے مستحق ہوں گے اگرچہ ان کا اظہار اُن کے مذہب کے عین مطابق ہو، جب وہ علانیہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیں گے تو اس کی سزا کے مستحق ہوں گے اور اس کی سزا قتل ہے۔

رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کی سزا قتل ہے:

نویں وجہ: مسلمانوں کے یہاں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ کفار کے لیے رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ممنوع ہے اگر ممانعت کے بعد وہ ایسا کریں تو انھیں سزا دی جائے گی۔ معلوم ہوا کہ کفار سبِّ رسول پر برقرار نہیں رہ سکتے، جس طرح وہ اپنے کفریہ عقائد پر قائم ہیں اور جب وہ ان جرائم پر قائم نہیں رہ سکتے اور پھر بھی اس کے مرتکب ہوں تو بالاتفاق ان کو سزا دی جائے گی اور گالی کی سزا یا تو کوڑے مارنا ہے، یا قید کرنا یا ہاتھ کاٹنا یا قتل کرنا، پہلی بات باطل ہے، اس لیے کہ کسی ایک مسلم یا سلطان المسلمین کو گالی دینا کوڑے مارنے اور قید کرنے کا مستوجب ہے، اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کی بھی یہی حیثیت ہو تو رسول کریم ﷺ اور دوسروں کو گالی دینا مساوی ہوا اور یہ بداہتہً باطل ہے اور قطعِ ید کا کچھ مطلب نہیں، اس لیے قتل ہی متعین ہے۔

جب اہل ذمہ مخالفت کریں تو ان کا عہد ٹوٹ جائے گا:

دسویں وجہ: قیاس جلی اس امر کا مقتضی ہے کہ جب اہل ذمہ اپنے عہد کی مخالفت کریں تو اُن کا عہد ٹوٹ جائے گا، فقہاء کی ایک جماعت نے یہ موقف اختیار کیا ہے، اس لیے کہ عہد کے بغیر خون مباح ہوتا ہے اور عہد معاملات میں سے ایک معاملے کا نام ہے اور جب عہد کرنے والے فریقین میں سے کوئی ایک طے کردہ عہد کی کسی بات کو پورا نہ کرے تو اس سے عہد یا تو ٹوٹ جاتا ہے یا فریق ثانی، جو کہ عقد کنندہ ہے، عہد کو فسخ کرنے پر قادر ہو جاتا ہے، یہ بات بیع، نکاح، ہبہ اور دیگر امور میں ایک ضابطہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس کی حکمت واضح ہے، اس لیے کہ ایک فریق نے چند شرائط کا التزام اسی لیے کیا ہے کہ فریق ثانی بھی اس کی پابندی کرے، اگر دوسرا پابندی نہیں کرے گا تو پہلا بھی اس کو اپنے لیے لازم قرار نہیں دے گا، اس لیے کہ جو حکم کسی شرط کے ساتھ معلق ہو وہ عدمِ شرط کی صورت میں باتفاق عقلاء ثابت نہیں ہوتا، البتہ اس کے مثل کے ثابت ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو معلوم ہونا چاہیے کہ جس بات پر معاہدہ کیا گیا ہے، اگر وہ عاقد کا حق ہو اور کسی شرط کے بغیر وہ اسے خرچ کر سکتا ہے تو شرط کے فوت ہونے سے عقد فسخ نہیں ہوگا، البتہ وہ خود اسے فسخ کر سکتا ہے، مثلاً وہ رہن کی شرط لگائے یا کسی ضامن کی یا مبیع کے اندر کسی صفت کا تعین کرے اگرچہ یہ اس کا اور ان لوگوں کا حق ہے جو اس کے ولی بن کر تصرف کرتے ہیں تو اس کے لیے اس عقد کو جاری رکھنا جائز نہ ہوگا بلکہ شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے یہ عقد از خود فسخ ہو جائے گا اور اس کو فسخ کرنا اس پر واجب ہوگا، جیسا کہ اس نے زوجہ کے آزاد ہونے کی شرط لگائی، مگر وہ لونڈی نکلی اور وہ ایسا شخص ہو جس کے ساتھ لونڈی کا نکاح جائز نہ ہو یا اس نے خاوند کے مسلم ہونے کی شرط عائد کی مگر وہ کافر نکلا یا بیوی کے مسلمان ہونے کی شرط لگائی مگر وہ بت پرست نکلی۔ کسی کے ساتھ ذمی ہونے کا معاملہ طے کرنا امیر یا خلیفہ کا حق نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ اور عام مسلمانوں کا حق ہے۔

جب اہل ذمہ کسی مشروط چیز کی مخالفت کریں تو اس میں ایک قول یہ ہے کہ حاکم اس عقد کو فسخ کر دے۔ فسخ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس غیر مسلم کو اس کی جائے امن میں پہنچا دے اور دار الاسلام سے نکال دے، یہ خیال کرتے ہوئے کہ صرف کسی بات کی خلاف ورزی کرنے سے عقد نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کو فسخ کرنا واجب ہے، مگر یہ قول ضعیف ہے، اس لیے کہ جب مشروط اللہ کا حق ہو، عاقد کا نہ ہو تو شرط کے فوت ہونے سے وہ خود ہی ختم ہو جائے گا، اس کو فسخ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چند شروط ایسے ہیں کہ وہ حقوق اللہ ہونے کے اعتبار سے اہل ذمہ پر لازم ہیں، مثلاً سلطان یا کسی اور کے لیے جائز نہیں کہ اہل کتاب سے جزیہ لے اور ان کے ساتھ دار الاسلام میں مقیم رہنے کا معاہدہ کرے، الا یہ کہ وہ خود اس کو اپنے اوپر لازم کر لیں، ورنہ نص قرآنی کے مطابق اُن کے ساتھ لڑنا سلطان پر واجب ہوگا۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ اس شرط کے بغیر بھی ان کو دار الاسلام میں ٹھہرانا جائز ہے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ مسلمانوں کو اس سے کچھ نقصان نہ پہنچتا ہو، جس چیز سے مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچتا ہو اس پر ان کو برقرار رکھنا کسی حال میں جائز نہیں، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جس چیز سے مسلمانوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچتا ہو اس پر انھیں برقرار رکھا جا سکتا ہے، تاہم انھیں اللہ کے دین کو بگاڑنے اور اس کے رسول ﷺ اور کتاب پر طعن و تشنیع کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

اس لیے بکثرت فقہاء کہتے ہیں کہ اگر وہ ایسی مخالفت کریں جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو تو ان کا عہد ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ بعض فقہاء نے یہ تحقیق کی ہے کہ اگر اس سے مسلمانوں کو د

نقصان پہنچتا ہو تو اُن کا عہد ٹوٹ جائے گا، دنیوی نقصان سے نہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کو ہدفِ طعن بنانا عظیم ترین دینی نقصان ہے، جب یہ حقیقت نمایاں ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ ان پر یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ رسول کریم ﷺ کو علانیہ گالی نہ دیں۔

یہ شرط دو وجہ سے ثابت ہے:

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ ذمی بنانے کا موجب و مقتضا ہی یہ ہے۔ جس طرح فروختنی چیز (مبیع) کا عیوب سے پاک ہونا، ادائیگیِ قیمت کی مدت کا پورا ہونا، خاوند بیوی کا جماع کے موانع سے پاک ہونا اور بیوی کے آزاد مسلمہ ہونے کی صورت میں خاوند کا مسلم اور آزاد ہونا نکاح کا موجب اور مقتضا ہے، اس لیے کہ نکاح کا موجب وہ ہے جو عرفاً نظر آتا ہے، اگرچہ عقد کرنے والے نے زبان سے اس کی شرط نہ لگائی ہو، مثلاً فروختنی چیز کا عیوب سے پاک ہونا (مشروط نہ بھی ہو تب بھی ضروری ہے۔)

ظاہر ہے کہ دین پر طعنہ زنی اور رسول ﷺ کی بدگوئی سے باز رہنا عقد ذمہ کا اصلی مقصود ہے اور اہل اسلام ان سے اس کا مطالبہ اسی طرح کرتے ہیں جس طرح اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اہل کتاب مسلمانوں سے لڑیں نہیں بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کی بدگوئی انتہائی ایذا کی موجب ہے اور ایذائے عام سے باز رہنا عقدِ ذمہ کا بنیادی مقصد ہے، جب مشتری کی ظاہری حالت یہ ہے کہ اس نے سودا اِس مفروضے پر کیا ہے کہ فروختنی چیز عیوب سے پاک ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر مبیع میں عیب نکل آئے تو سودا فسخ ہو جائے گا، اگر یہ شرط اس نے عائد نہ بھی کی ہو، اسی طرح مسلمانوں کا ظاہری بھی یہی ہے، جنھوں نے ذمیوں سے اسی لیے معاہدہ کیا ہے کہ وہ دین میں بگاڑ پیدا کرنے اور ہاتھ یا زبان سے دین کو ہدف تنقید بنانے سے احتراز کریں، اگر مسلمانوں کو معلوم ہو کہ یہ علانیہ دین کو ہدف طعن و ملامت بنائیں گے تو اُن سے معاہدہ نہ کرتے اور اہل ذمہ کو یہ بات اسی طرح معلوم ہے جس طرح بائع جانتا ہے کہ مشتری نے اس کے ساتھ معاملہ اسی اساس پر کیا ہے کہ فروختنی چیز سالم از عیب ہے، بلکہ یہ بات ظاہر تر اور مشہور تر ہے اور اس میں خفا و اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری وجہ: اس شرط کے ثبوت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے پہلے پہل اہل کتاب کے ساتھ معاہدہ کیا وہ اصحابِ رسول ﷺ، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء تھے، فریقین کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا ہم نے اسے نقل کیا اور ان لوگوں کے اقوال ذکر کیے ہیں جن کے ساتھ انھوں نے معاہدہ کیا تھا، اس معاہدے میں یہ بات شامل تھی کہ وہ مسلمانوں کے دین کو ہدف تنقید نہیں بنائیں گے

اور یہ کہ اگر وہ اس کے مرتکب ہوں گے تو ان کا خون و مال مباح ہوجائے گا اور ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ باقی نہیں رہے گا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ معاہدہ کرتے وقت یہ بات اس میں شامل تھی تو اس کے زائل ہونے سے معاہدہ فسخ ہوجائے گا، اس لیے کہ معاہدے کا ٹوٹ جانا بھی اُن کے ساتھ مشروط ہے، نیز اس لیے کہ شرط حقوق اللہ میں شامل ہے، مثلاً خاوند بیوی کے مسلمان ہونے کی شرط۔ جب یہ شرط باقی نہیں رہے گی تو معاہدہ اسی طرح باطل ہو جائے گا جیسے شوہر کے کافر یا بیوی کے بت پرست نکل آنے سے یا مبیع کے مال مغصوب یا آزاد ثابت ہونے سے معاملہ باطل ہوجاتا ہے، اسی طرح زوجین کے درمیان اگر سسرالی تعلق یا رضاعت کا رشتہ ظاہر ہوجائے یا مبیع قبضہ کرنے سے پہلے تلف ہوجائے تو معاملہ فسخ ہوجاتا ہے، اس لیے کہ جس طرح ان امور کو جاننے کے باوجود عقدِ معاملہ درست نہیں اسی طرح عقدِ معاملہ کے بعد ان اشیاء کے ظہور سے معاملہ فسخ ہوجائے گا۔ جب حاکم و سلطان کے لیے جائز نہیں کہ کافر سے ان اقوال و افعال کے صدور کے بعد معاہدہ کرے، اسی طرح ان افعال کے ظہور سے اس کا طے کردہ معاہدہ فسخ ہوجائے گا۔

علاوہ ازیں اگر ہم فرض کرلیں کہ عقد صرف حاکم کے توڑنے سے ٹوٹتا ہے، تاہم بلاشبہ اس کو توڑنا سلطان پر واجب ہوگا کیونکہ اس نے یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے منعقد کیا تھا، اس لیے کہ اگر یتیم کا سرپرست اس کے لیے کوئی چیز خریدے اور وہ عیب دار نکلے تو یتیم کے ضائع شدہ مال کی تلافی اس پر واجب ہے، اس معاملہ کو قول و فعل دونوں سے فسخ کیا جاسکتا ہے، مشتری اگر بائع کو قتل کردے تو اس سے سودا از خود فسخ ہوجائے گا۔

حاکم و سلطان کے لیے محض قول کے ساتھ معاملہ کو فسخ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے، سلطان کا وہ فعل معتبر نہیں جس سے مسلمانوں کو ضرر لاحق ہوتا ہے، جبکہ اسے ترک کرنے کی قدرت بھی اس میں موجود ہو، جب ہم کہتے ہیں کہ ذمی کا معاہدہ ٹوٹ گیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس کا وہ عہد اب باقی نہیں جس کی وجہ سے اس کا خون محفوظ تھا، اور یہی بات صحیح ہے، اس لیے کہ جب عہد کے منافی کوئی چیز موجود ہو تو عہد کا باقی رہنا محال ہے۔

وہ امور جو عقدِ معاہدہ کے خلاف ہیں:

یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں متنازع فیہ ہے کہ کون سے امور عقدِ عہد کے منافی ہیں؟

۱۔ بعض فقہاء کا قول ہے کہ جو اُمور بھی عقدِ عہد کے خلاف ہیں، وہ اس کے منافی ہیں، اس لیے کہ حاکمِ وقت اُن شرائط کے بغیر اہل کتاب کے ساتھ معاہدہ نہیں کرسکتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طے کیے تھے۔

۲۔ بعض فقہاء کے نزدیک اس سے ایسی مخالفانہ اشیاء مراد ہیں جو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہوں، اس لیے کہ اس سے کمتر درجہ کے معاملات میں اہل کتاب کے ساتھ مصالحت جائز ہے، جس طرح اسلام کی کمزوری کے زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے مصالحت کی تھی۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ امور مراد ہیں جن سے دینی یا دنیوی ضرر لاحق ہوتا ہے، مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنہ زنی یا اس قسم کے دیگر امور۔

الغرض، تمام ایسے امور جن کی موجودگی میں حاکم ان کے ساتھ معاہدہ نہیں کرسکتا وہ عہد کے منافی ہیں، جس طرح ایسے تمام امور جن کی موجودگی میں بیع کرنا یا نکاح کرنا جائز نہیں، وہ عقدِ بیع یا نکاح کے منافی ہیں۔

۴۔ چوتھی چیز دین اسلام پر طعنہ زنی ہے، اگر اہل کتاب اس کے مرتکب ہوں تو حاکم ان کے ساتھ معاہدہ نہیں کرسکتا، مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اس کی قدرت رکھتے ہوں اور جب چاہیں اس کا ارتکاب کرسکیں، یہ وہ بات ہے جس پر تمام اہل اسلام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے، اس لیے بعض علماء ایسا کرنے پر اسے تعزیری سزا دیتے ہیں اور بعض اُسے قتل کی سزا دیتے ہیں، اس میں کسی مسلمان کے لیے شک کی گنجائش نہیں اور جس نے شک کیا اس نے اسلام کے کڑے کو اپنی گردن سے اتار دیا۔

جب سلطان کے لیے کوئی معاملہ جائز نہ ہو تو وہ عقد کے منافی ہے، جس نے کسی شرط کی ایسی مخالفت کی جو آغازِ عقد کے منافی ہو تو اس کا عقد بلاشبہ فسخ ہوجائے گا، مثلاً زوجین میں سے کوئی ایک جب ایسا مذہب اختیار کرلے یا جو آغازِ عقد سے مانع ہو، جیسا کہ مسلم مرتد ہوجائے یا کافر کی بیوی اسلام قبول کرلے تو اس سے عقد فسخ ہوجائے گا یا تو اسی وقت یا عدت گزرنے کے بعد یا قاضی کی عدالت میں پیش ہونے کے بعد، جیسا کہ اپنی جگہ طے شدہ ہے۔

اہل ذمہ کا دین کو ہدفِ طعن بنانا عقدِ عہد کے نقطہ آغاز کے منافی ہے، اس لیے اس سے ان کے عہد کا ٹوٹ جانا واجب ہے اور غور وفکر کرنے والے کے لیے یہ کھلی ہوئی بات ہے تمام فقہاء کے نزدیک ان باتوں سے عہد کا ٹوٹ جانا واجب ہے اصولِ قیاس کی روشنی میں یہ بات واضح ہے، واضح ہو کہ جن وجوہ کا ذکر ہم نے بلحاظ معنی کیا ہے وہ ذمی سے متعلق ہیں، بخلاف ازیں مسلم اگر گالی دے تو اس میں معنوی جہت کے ذکر کی ضرورت نہیں، کیونکہ اُس کے حق میں یہ ظاہر ہے اور یہ محل بھی اتفاق کا

ہے مگر اس مسئلہ کی تحقیق آگے آ رہی ہے جس میں دیکھا جائے گا کہ آیا اس کا گالی دینا خالص ارتداد ہے جو زیادت مغلظہ سے خالی ہوتا ہے یا ارتداد کی ایک قسم ہے جو ہر حال میں اس کے قتل کی متقاضی ہے؟ ایک سوال یہ بھی ہے کہ آیا اُسے مسلمان سمجھتے ہوئے بھی گالی دینے کی بنا پر قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ واللہ اعلم

اگر سائل کہے کہ قرآن میں آیا ہے:

﴿ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [آل عمران: ١٨٦]

”البتہ مالوں اور جانوں میں تمھاری آزمائش کی جائے گی اور تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین سے بہت ایذا سنو گے اور اگر تم صبر سے کام لو اور ڈرتے رہو تو یہ بڑی بات ہے۔“

اس آیت میں فرمایا کہ ہم ان سے بہت سی ایذا دینے والی باتیں سنیں گے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی ایذا پر صبر کرنے کا حکم دیا، ظاہر ہے کہ جس چیز سے ہمیں زیادہ دکھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کتاب اللہ، اس کے دین اور رسول ﷺ کو ہدف طعن بنایا جائے اور ارشاد ربانی ﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى﴾ [آل عمران: ١١١] ”وہ تمھیں کچھ ضرر نہیں پہنچائیں گے، البتہ (معمولی) ایذا دیں گے۔“ اسی قبیل سے ہے۔

پہلی توجیہ: اس ضمن میں پہلی توجیہ یہ ہے کہ آیت ہذا میں یہ مذکور نہیں کہ یہ بات اہل ذمہ سے سنی گئی ہے بلکہ یہ کفار سے سنی گئی ہے۔

دوسری توجیہ: دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان کی ایذا پر صبر اور اللہ سے ڈرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، ان کے ساتھ قتال سے مانع نہیں اور اس سے اس بات کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی کہ قدرت کے وقت اُن پر حد شرعی لگائی جائے، کیونکہ مسلمانوں میں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ جب ہم کسی مشرک یا کتابی کو سنیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دے رہا ہے تو ہمارے اور اس کے مابین کوئی عہد قائم نہیں رہتا، بلکہ بقدر امکان و استطاعت اُن سے جہاد و قتال ہم پر واجب ہے۔

پہلی مرتبہ عزت بدر کے موقع پر حاصل ہوئی:

تیسری توجیہ: تیسری توجیہ یہ ہے کہ آیت ہذا اور اس کی مماثل آیات بعض وجوہ سے منسوخ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں بہت سے یہودی اور مشرکین

بھی تھے۔ وہاں کے رہنے والے اس وقت دو قسموں میں بٹے ہوئے تھے: (۱) مشرکین، (۲) اہل کتاب۔

چنانچہ مدینہ کے باسیوں سے آپ ﷺ نے صلح کا معاہدہ کر لیا، اُن میں یہودی بھی تھے اور دوسرے لوگ بھی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عفو و درگزر کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِۦٓ ﴾ [البقرۃ: ۱۰۹]

''بہت سے اہل الکتاب یہ چاہتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں، اپنی جانوں کی طرف سے حسد کی بنا پر، اس کے بعد کہ حق اُن پر واضح ہو چکا ہے، پس معاف اور درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم صادر کرے۔''

اس آیت میں اللہ نے رسول کریم ﷺ کو اس وقت تک عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم دیا، یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دے اور اپنے لشکر کو عزت بخشے، اس لیے غزوۂ بدر پہلا موقع تھا جب اللہ نے مسلمانوں کو عزت بخشی، اس سے کفارِ مدینہ کی گردنیں جھک گئیں اور دیگر کفار خوف زدہ اور ہراساں ہو گئے۔

رسول کریم ﷺ اور عبداللہ بن اُبی:

صحیحین میں بطریق عروہ از اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے جس پر پالان ڈالا گیا تھا، اس کے نیچے فدک کی بنی ہوئی ایک چادر تھی، حضرت اُسامہ بن زید آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھے، آپ ﷺ بنو حارث بن خزرج کے قبیلہ میں جا کر حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کرنا چاہتے تھے، یہ غزوۂ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ چلتے چلتے ایک مجلس سے گزرے جس میں عبداللہ بن اُبی بھی تھا، اس وقت تک عبداللہ اسلام نہیں لایا تھا، مجلس میں ملے جلے لوگ تھے، جن میں مسلمان، یہودی اور بت پرست مشرکین بھی تھے، مجلس میں عبداللہ بن رواحہ بھی تھے، جب گدھے کے پاؤں سے گرد اٹھی اور اُس نے مجلس کو ڈھانپ لیا تو عبداللہ نے اپنی چادر کے ساتھ اپنی ناک کو ڈھانپ لیا، پھر کہا: گرد نہ اڑاؤ۔ رسول کریم ﷺ نے سلام کہا، ذرا ٹھہرے اور سواری سے اُتر آئے، آپ نے قرآن کی تلاوت کی اور ان کو دعوتِ اسلام دی۔ عبداللہ نے کہا: اے شخص! آپ ﷺ بڑی اچھی بات کہتے ہیں، اگر یہ سچ ہے تو ہماری مجالس میں آ کر ہمیں سنایا نہ کرو، اپنے گھر

لوٹ جاؤ، جو شخص آپ ﷺ کے یہاں جائے اسے یہ باتیں سنایا کرو، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہماری مجالس میں ضرور آیا کریں، ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں۔ مسلمان، مشرک اور یہودی باہم گالیاں دینے لگے اور قریب تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ کر دیتے۔

رسول اکرم ﷺ ان کو خاموش کراتے رہے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے، پھر رسول کریم ﷺ سوار ہو کر حضرت سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے سعد! جو کچھ عبداللہ نے کہا تم نے سنا نہیں؟ اس نے یوں یوں باتیں کی ہیں۔'' حضرت سعد نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اسے معاف کیجیے اور درگزر سے کام لیجیے، مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی، اللہ نے آپ پر حق نازل کیا، اس علاقہ کے لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا تھا کہ عبداللہ کے سر پر دستارِ فضیلت باندھ کر اسے تاج شاہی پہنائیں۔ جب اللہ نے آپ پر حق نازل کر کے اس کو اس (سعادت) سے محروم کر دیا تو یہ چڑ گیا۔ یہ حرکت جو آپ نے دیکھی، اس نے اسی لیے کی ہے، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔

رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ حکم خداوندی کے مطابق مشرکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیا کرتے اور ان کی ایذا پر صبر کرتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [آل عمران: ۱۸۶]

''البتہ تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین سے بہت سی ایذا دینے والی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بڑی بات ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ [البقرۃ: ۱۰۹]

''بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد تم کو کافر بنا دیں، یہ حسد ان کی جانوں کی طرف سے ہے، اس کے بعد کہ حق ان پر واضح ہو چکا، پس عفو و درگزر سے کام لو

یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

رسول اکرم ﷺ عفو و درگزر کے بارے میں حکم خداوندی پر عمل کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کی اجازت دے دی اور جب رسول کریم ﷺ غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے رؤسائے قریش کو ہلاک کر دیا تو رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کامیاب و کامران، مال غنیمت لے کر قریشی قیدیوں کے ہمراہ واپس مدینہ لوٹے۔ عبداللہ بن اُبی اور اس کے بت پرست مشرکین رفقاء نے کہا: یہ کام (دین اسلام) اب ٹھیک ہوگیا ہے، اس لیے رسول کریم ﷺ کی بیعت کر کے اسلام کو قبول کر لینا چاہیے، چنانچہ انھوں نے بیعت کر لی۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔[1]

علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ مندرجہ ذیل آیات منسوخ الحکم ہیں:

۱۔ ﴿أَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الأنعام: ١٠٦] "مشرکوں سے اعراض کیجیے۔"

۲۔ ﴿لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ﴾ [الغاشية: ٢٢] "تو اُن پر داروغہ نہیں ہے۔"

۳۔ ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ﴾ [المائدة: ١٣]

"پس ان کو معاف کیجیے اور درگزر سے کام لیجیے۔"

۴۔ ﴿وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا﴾ [التغابن: ١٤] "اور یہ کہ تم معاف کرو اور درگزر کرو۔"

۵۔ ﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ﴾ [التغابن: ١٠٩]

"معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔"

اور اس قسم کی دیگر آیات جن میں اللہ نے اہل ایمان کو مشرکوں سے درگزر کرنے کا حکم دیا ہے، ان تمام آیات کو مندرجہ ذیل آیات نے منسوخ کر دیا:

۱۔ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ﴾ [التوبة: ٥]

"مشرکوں کو قتل کرو، جہاں بھی ان کو پاؤ۔"

۲۔ ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ [التوبة: ٢٩]

"جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے لڑو۔"

امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اُن کو معاف کریں اور درگزر کریں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے، پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٥٦٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٩٨)

نازل کر کے اپنا حکم صادر کیا:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ﴾ [التوبة: ۲۹]

''اُن لوگوں سے لڑو جو اللہ اور آخری دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اس کو حرام قرار نہیں دیتے۔''

اس آیت نے سابقہ آیات کو منسوخ کر دیا، اس میں اہل کتاب سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ تابع ہو جائیں اور جزیہ کا اقرار کر کے اپنی ذلت و رسوائی کو قبول کریں۔

اسی طرح موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ ان لوگوں سے نہیں لڑتے تھے، جو آپ ﷺ کے ساتھ جنگ سے باز رہتے تھے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ ﴾ [النساء: ۹۰]

''اگر وہ تم سے الگ رہیں اور تمھاری طرف صلح کا پیغام پھینکیں تو اللہ نے تمھارے لیے اُن پر گرفت کی کوئی راہ نہیں نکالی۔''

یہاں تک کہ سورۃ التوبہ نازل ہوئی تو آپ کو حکم دیا گیا کہ تمام کفار سے لڑیں قطع نظر اس سے کہ وہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب خواہ لڑائی سے باز رہیں یا نہ رہیں، آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اُن تمام معاہدات کو نظر انداز کر دیں جو آپ ﷺ اور ان کے درمیان تھے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا:

﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ [التوبة: ۷۳]

''کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے۔''

اس سے قبل آپ ﷺ کو فرمایا گیا تھا:

﴿ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ ﴾ [الأحزاب: ۴۸]

''کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور ان کی ایذا کو نظر انداز کیجیے۔''

بدر سے عزت افزائی کا آغاز ہوا اور فتح مکہ پر اس کی تکمیل ہوئی:

اسی لیے زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس آیت نے سابقہ تمام آیات کو منسوخ کر دیا، البتہ سورۃ

توبہ کے نزول اور غزوۂ بدر سے پہلے آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ کفار کی ایذا رسانی پر صبر کریں اور ان کو معاف کر دیں۔ غزوۂ بدر کے بعد اور سورۃ التوبہ کے نزول سے قبل آپ ایذا دینے والوں سے لڑتے تھے اور جن سے صلح کی ہوئی تھی ان سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھتے تھے، چنانچہ ایذا دینے والوں مثلاً کعب بن اشرف سے آپ نے یہی سلوک کیا، اس طرح غزوۂ بدر دینی اعزاز کا نقطۂ آغاز تھا اور فتح مکہ پر دینی اعزاز کا اختتام ہوا۔

غزوۂ بدر سے پہلے ظاہری ایذا کو سنتے تھے اور اس پر انھیں صبر کا حکم دیا جاتا تھا، بخلاف ازیں بدر کے بعد منافقین کی جانب سے انھیں خفیہ ایذا دی جاتی تھی اور اس پر انھیں صبر کا حکم دیا تھا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر کفار اور منافقین پر سختی کرنے کا حکم صادر کیا گیا، اس غزوے کے بعد کوئی کافر اور منافق انھیں مجلس عام یا خاص میں ایذا نہ دے سکا، وہ غصے میں دانت پیس کر رہ جاتے تھے، وہ جانتے تھے کہ بات کرنے کی صورت میں اسے قتل کیا جائے گا، غزوۂ بدر کے بعد یہودی مسلمانوں پر دست درازی کرنے لگے یہاں تک کہ کعب بن اشرف کو قتل کیا گیا۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ محمد بن مسلمہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو یہودی سہمے ہوئے تھے، اس لیے کہ دشمنِ خدا کعب بن اشرف کے ساتھ ہم نے جو کچھ کیا اس وجہ سے یہودی ڈر گئے تھے، کوئی یہودی ایسا نہ تھا جسے اپنی جان کا خطرہ نہ ہو۔

ابن سنینہ یہودی کا قتل:

محیصہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''یہودیوں میں سے تم جس پر قابو پاؤ اُسے قتل کر دو۔''

چنانچہ محیصہ بن مسعود نے ایک یہودی تاجر پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، وہ مسلمانوں سے مل جل کر اُن سے خرید و فروخت کیا کرتا تھا، حویصہ بن مسعود اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا، وہ محیصہ سے عمر میں بڑا تھا، جب اس نے قتل کر دیا تو حویصہ نے اسے مارنا شروع کر دیا، وہ کہنے لگا، اے دشمن خدا! تُو نے اسے قتل کر دیا، بخدا! اس کے مال سے تمھارے پیٹ پر چربی چڑھی ہوئی ہے، بخدا! یہ حویصہ کے اسلام لانے کا پہلا موقع تھا، محیصہ نے کہا کہ میں نے اس سے کہا: ''مجھے اس کو قتل کرنے کا حکم اس شخص نے دیا تھا کہ اگر وہ مجھے تجھ کو مارنے کا حکم دیتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔'' اس نے کہا: اگر

محمد ﷺ تجھے مجھ کو قتل کرنے کا حکم دیتے تو تم مجھے قتل کر دیتے؟ محیصہ نے کہا: جی ہاں، اللہ کی قسم! حویصہ نے کہا: بخدا! جو دین تجھ پر اس حد تک اثر انداز ہوا ہے بڑا عجیب ہے۔ [1]

یہود کا خوف و ہراس:

ابن اسحاق کے علاوہ دیگر علمائے سیرت نے ذکر کیا ہے کہ جب سے کعب بن اشرف کو قتل کیا گیا یہودی رسوا ہو گئے اور ڈر گئے۔ جب دین کے ظہور وشیوع اور دین کے غلبہ سے متعلق اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تو اللہ نے معاہدین کی جنگ سے باز رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ مشرکین اور اہل کتاب سے جنگ لڑی جائے حتی کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔[التوبة: ۲۹]

صبر وتقویٰ کا انجام:

آغاز کار میں جس صبر وتقویٰ کا حکم دیا گیا تھا یہ اس کا انجام ہے۔ اس وقت یہود سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا، خواہ وہ مدینہ میں رہتے ہوں یا کسی اور جگہ، ان آیات کا تعلق ہر اُس کمزور مومن کے ساتھ ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی مدد ہاتھ اور زبان سے کسی طرح ممکن نہ ہو اور وہ جیسے بھی بن پڑے، دل سے یا کسی اور طرح سے، انتقام لے لے، یہ آیات ہر طاقتور مومن کے حق میں جو اللہ اور اس کے رسول کی مدد اپنی زبان یا ہاتھ سے انجام دے سکتا ہو معاہدین کے خلاف ذلت کی علامت بن گئیں، مسلمان رسول کریم ﷺ کی عمر کے آخری حصہ اور خلفائے راشدین کے عہد میں ان ہی آیات پر عمل کرتے تھے، اور تا قیامت اسی پر گامزن رہیں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پوری پوری مدد کرتا رہے گا جو مومن کسی ایسی جگہ مقیم ہو جہاں اسے ضعیف تصور کیا جاتا ہو یا کسی وقت وہ ضعیف ہو جائے تو وہ اہل کتاب اور مشرکین کی ایذا پر صبر کرے اور ان آیات کو معمول بنائے جن میں عفو و درگزر اور صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ باقی رہے طاقتور مسلمان تو وہ ان آیات پر عمل کریں جن میں کفار کے رؤساء سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، جو دین کو ہدف تنقید بناتے ہیں، نیز آیت قتال کی تعمیل کریں جس میں اہل الکتاب سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے تاوقتیکہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

اگر معترض یہ آیت کریمہ پیش کرے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

[1] سنن أبي داود (۳۰۰۲) سیرت ابن ھشام (۲/ ۵۸) واللفظ له، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

﴿وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ [المجادلة: ۸]

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا، پھر جس کام سے منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگے اور یہ تو گناہ اور ظلم اور رسولِ خدا کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب تمھارے پاس آتے ہیں تو جس کلمے سے خدا نے تم کو دعا نہیں دی اس سے تمھیں دعا دیتے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں تو جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا (اے پیغمبر!) ان کو دوزخ ہی کی سزا کافی ہے، یہ اسی میں داخل ہوں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔''

خداوند کریم نے اس آیت میں بتایا کہ وہ رسول کریم ﷺ کو بُرا تحفہ دیتے ہیں، نیز یہ کہ روزِ قیامت ان کو اس جرم کی کافی سزا دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو دنیا میں سزا دینا ضروری نہیں۔

یہود کا رسول کریم ﷺ اور صحابہ کو سلام کہنا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی کا گزر رسول کریم ﷺ پر ہوا تو اس نے کہا: السام علیك (تجھے موت آئے۔) رسول کریم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: "وعلیك" (اور تجھے بھی) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہودی کیا کہتے ہیں؟'' صحابہ نے عرض کی: نہیں، فرمایا: یہ کہتے ہیں: ''تجھے موت آئے۔'' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم انھیں قتل نہ کر دیں؟ فرمایا: ''نہیں، جب اہل کتاب تمھیں سلام کہیں تو تم کہو: "وعلیکم" (اور تم پر بھی۔)'' [1] (صحيح بخاري)

رسول کریم ﷺ کی بُردباری اور تحمل:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہود کے ایک گروہ نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: "السام علیك" حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اسے سمجھ لیا اور کہا موت تم پر آئے اور تم پر لعنت ہو، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! جانے دو، اللہ تمام امور میں نرمی کو پسند کرتا ہے''، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! جو کچھ انھوں نے کہا، کیا آپ ﷺ نے سنا نہیں؟ آپ ﷺ نے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٥٨)

فرمایا: ”میں نے کہہ دیا تھا: تم پر بھی موت آئے۔“ ❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ چند یہودیوں نے رسول کریم ﷺ کو سلام کیا اور کہا: اے ابو القاسم! آپ کو موت آئے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”تمھیں بھی موت آئے“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے کہا: کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ یہود نے کیا کہا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں! میں نے سن کر اس کا جواب بھی دے دیا، ہماری طرف سے (فرشتے جواب) دیتے ہیں جبکہ ان کی طرف سے کوئی ہمیں جواب نہیں دیتا۔ ❷ (صحیح مسلم)

اس قسم کی بد دعا رسول کریم ﷺ کے حق میں اذیت رسانی اور گالی ہے اور اگر ایک مسلم ایسی بات کہے تو اس کی وجہ سے وہ مرتد ہو جاتا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں یہ آپ کے لیے موت کی بد دعا ہے اور یہ کافر کا فعل ہی ہو سکتا ہے مگر بایں ہمہ آپ ﷺ نے ان کو قتل نہ کیا بلکہ ایسا کہنے والے یہودی کو قتل کرنے سے منع کیا جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔

رسول کریم ﷺ کے صبر کی وجوہ:

ہم کہتے ہیں کہ اس کے کئی جواب ہیں:

پہلا جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلام کمزور تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا کہ اے عائشہ! جانے دو، اللہ تعالیٰ تمام امور میں نرمی کو پسند کرتا ہے اور یہ وہ اذیت ہے جس پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کہ نیا حکم نہ آ جائے، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے چند گروہوں نے یہ جواب دیا ہے، ان میں سے قاضی ابو یعلی، ابو اسحق شیرازی، ابو الوفاء بن عقیل اور دیگر علماء ہیں، جن علماء نے یہ جواب دیا ہے، ان کے نزدیک اہل کتاب کو امان دینا اُن کے ایمان لانے کی مانند ہے کہ امان اور ایمان دونوں رسول کریم ﷺ کو گالی گلوچ دینے سے ٹوٹ جاتے ہیں مگر یہ جواب محل نظر ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہودی سلام کہتے وقت ”السام علیکم“ کہتے ہیں، تم اس کے جواب میں (وعلیك) کہہ دیا کرو۔“ ❸ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے

❶ صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٠٢٤) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢١٦٥)

❷ صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢١٦٦)

❸ صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٢٥٧) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢١٦٤)

فرمایا: ”جب اہل کتاب تمھیں سلام کہیں تو تم ”وعلیکم“ کہہ دیا کرو۔“ [1] (صحیح بخاري و مسلم)

ان احادیث سے مستفاد ہوا کہ اہل کتاب جب تک اپنے ذمے پر قائم رہیں ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا، نیز یہ کہ رسول کریم ﷺ نے غلبۂ اسلام کے دنوں میں بھی اس جرم کی بنا پر اہل کتاب کو قتل نہیں کیا تھا جب آپ ﷺ قبیلہ بنی نضیر کی طرف سوار ہو کر گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب یہودی تمھیں سلام کہیں تو تم صرف ”علیکم“ کہہ دیا کرو۔ یہ کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے بعد کا واقعہ ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام اس وقت قوت وشوکت سے بہرہ ور ہو چکا تھا۔

البتہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کفار و منافق سے آغاز اسلام میں ایذا دینے والی باتیں سنتے مگر حکم خداوندی کی تعمیل میں صبر و تحمل سے کام لیتے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ ﴾ [الأحزاب: ٤٨]

”کفار اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور اُن کی ایذا کو نظر انداز کیجیے۔“

اگر ان کو شرعی سزا دی جاتی تو اس سے عظیم فتنہ و فساد کا اندیشہ تھا جو ان کے اذیت والے کلمات پر صبر کرنے سے بھی عظیم تر ہوتا۔ جب مکہ فتح ہوا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے تو سورۃ التوبہ کی آیت نازل ہوئی:

﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ [التوبة: ٧٣]

”کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کیجیے اور اُن پر سختی کیجیے۔“

نیز فرمایا:

﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۞ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴾ [الأحزاب: ٦٠، ٦١]

”اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو (مدینے شہر میں) بری خبریں اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار) سے باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے، پھر وہاں تمھارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن، وہ بھی پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مار ڈالے گئے۔“

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٢٥٨) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢١٦٣)

منافقوں نے نفاق کو کب چھپایا؟

جب باقی ماندہ منافقین نے دیکھا کہ اسلام اب عزت وشوکت سے بہرہ ور ہو چکا ہے اور رسول کریم ﷺ کفار و منافقین کے خلاف نبرد آزما ہیں تو انھوں نے اپنے نفاق کو چھپا لیا، چنانچہ غزوۂ تبوک کے بعد کسی منافق سے ایک بُرا کلمہ بھی سننے میں نہ آیا اور وہ اپنے غصے کو لیے جہنم رسید ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد اُن میں سے صرف چند لوگ باقی رہ گئے جن کو حضور ﷺ کے محرمِ راز حضرت حذیفہ ہی جانتے تھے، نہ تو خود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھتے اور نہ وہ شخص جو انھیں پہچانتے تھے، مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

مندرجہ صدر بیانات اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سورۃ التوبہ کے نزول سے قبل کفار کی جس اذیت کو برداشت کرتے تھے بعد ازاں اس سے دو چار نہیں ہوتے تھے، نیز جس طرح قیامِ مکہ کے دوران کفار کی جو اذیت آپ ﷺ گوارا کرتے تھے، مدینہ منورہ پہنچ کر اس کو برداشت کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر مسئلہ زیر قلم اس باب میں سے نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

دل میں پوشیدہ عداوت سے عہد نہیں ٹوٹتا:

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ ایسی گالی نہیں جس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ وہ بظاہر سلام کہتے تھے، جو مسلمانوں میں معروف ہے اور علانیہ سب وشتم کا ارتکاب نہیں کرتے تھے، البتہ وہ سلام کی خفیہ تحریف کرتے تھے جس کا عام لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا، یہی وجہ ہے کہ جب ایک یہودی نے آپ ﷺ کو سلام مسنون کے بجائے ”السام“ (موت آئے) کہا تو صحابہ کو پتہ بھی نہ چلا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو بتانا پڑا اور فرمایا: ”یہود جب سلام کہتے ہیں تو وہ ”السام علیکم“ کہتے ہیں تو پوشیدہ کفر اور تکذیب سے ان کا عہد نہیں ٹوٹتا تھا، یہ ایک ناگزیر سی بات ہے، اسی طرح پوشیدہ گالی بھی عہد شکنی کی موجب نہیں، البتہ علانیہ برا بھلا کہنے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

بکثرت علماء نے بیان کیا ہے کہ یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ”السام علیک“ کہتے، اور رسول کریم ﷺ اس کے جواب میں ”وعلیکم“ کہتے، آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ جب آپ ﷺ کے یہاں سے چلے جاتے تو کہتے: اگر یہ نبی ہوتا تو ہمیں سزا دیتا، ہمارے بارے میں اس کی بد دعا مقبول ہوتی اور ہماری بات کو سمجھ پاتا۔ ایک روز یہود نے

آ کر "السام علیك" کہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بات سمجھ لی اور کہا: بلکہ تمھیں موت آئے، تمھاری مذمت ہو، تم پر بیماری آئے اور تم پر لعنت ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! اسے دفع کیجیے، اللہ سب کاموں میں نرمی کو پسند کرتا ہے، وہ فحش و بے حیائی کو پسند نہیں کرتا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات نہیں سنی؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اہل کتاب تمھیں سلام کہیں تو تم "وعلیکم" کہہ دیا کرو۔"[1]

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے گالی نہیں سمجھتے تھے، اسی لیے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتصریح ان کو گالی دینے سے منع کیا اور نرمی کے ساتھ اُنھی کے الفاظ لوٹانے کا حکم دیا۔ اگر انھوں نے بُرے الفاظ کہے ہوں گے تو ہماری بد دعا ان کے بارے میں مقبول ہوگی اور ان کی دعا ہمارے متعلق قبول نہیں کی جائے گی اور اگر یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں حقیقی گالی ہوتی تو لازماً انھیں سزا دی جاتی، اگرچہ یہ سزا تعزیر اور کلام تک محدود ہوتی۔

جب اس ضمن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعزیر کی اجازت نہیں دی بلکہ ان پر سختی کرنے والوں کو منع فرمایا تو معلوم ہوا کہ یہ بظاہر گالی نہیں، اس لیے کہ انھوں نے اسے مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی، بالکل اسی طرح جیسے منافقین اپنے نفاق کو چھپاتے ہیں، البتہ ان کے لب ولہجہ سے اس کو پہچان لیا جاتا ہے۔ بنا بریں اس سلسلہ میں کوئی سخت سزا نہیں دی جاتی۔ اس پر تفصیلی گفتگو آگے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ

تیسرا جواب: صحابہ کرام کا یوں کہنا کہ "السام علیکم" کہنے والے کو قتل نہ کر دیا جائے اس امر کا آئینہ دار ہے کہ گالی دینے والے یہودی کو وہ واجب القتل سمجھتے تھے، اس لیے کہ کعب بن اشرف اور یہودی عورت کے قتل کا واقعہ وہ قبل ازیں دیکھ چکے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس کو قتل کرنے سے منع کیا اور بتایا کہ ایسی گفتگو کا جواب اسی قسم کی گفتگو سے دینا چاہیے، یہ ویسی گالی نہیں ہے جو یہودی عورت، کعب بن اشرف اور دوسرے لوگوں نے دی تھی، بخلاف ازیں انھوں نے اس بدکلامی کو چھپانے کی کوشش کی ہے جس طرح منافقین اپنے نفاق کو چھپاتے ہیں۔

چوتھا جواب: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو معاف کر سکتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس امر کی مجاز نہیں ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ بلاخوف و

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٥٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٦٥)

نزاع مسلمانوں میں سے جو شخص حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو گالی دے وہ کافر اور مباح الدم ہو جاتا ہے، وہ شخص بھی اسی طرح ہے جو انبیاء میں سے کسی کو بھی گالی دے۔

بایں ہمہ فرمان ربانی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴾ [الأحزاب: ٦٩]

''اے ایمان والو! تم اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو رعب لگا کر رنج پہنچایا تو خدا نے اُن کو بے عیب ثابت کیا اور وہ خدا کے نزدیک آبرو والے تھے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ﴾ [الصف: ٥]

''اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمھارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔''

چنانچہ بنو اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی زندگی میں ستاتے تھے اور اگر کوئی مسلمان اسی طرح کہے تو واجب القتل ہوگا، تاہم موسیٰ علیہ السلام نے ان کو قتل نہ کیا، ہمارے رسول اکرم ﷺ اس امر میں ان کی پیروی کرتے تھے، بعض اوقات آپ سنتے کہ آپ کو گالی دی جا رہی ہے، یا کوئی شخص آپ ﷺ کو اس سے آگاہ کرتا، مگر آپ موذی کو سزا نہیں دیتے تھے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ﴾ [التوبة: ٦١]

''اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴾ [التوبة: ٥٨]

''اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ (تقسیم) صدقات میں تم پر طعنہ زنی کرتے ہیں، اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ) مل جائے تو خوش رہیں اور اگر (اس قدر) نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں۔''

امام زہری بطریق ابوسلمہ از ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ اندریں اثنا عبداللہ بن ذی الخویصرہ تمیمی حاضر ہوا اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انصاف کیجیے۔ فرمایا: ''تو برباد ہو، اگر میں نہ عدل کروں گا تو اور کون کرے گا؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا: ''جانے دیجیے، اس کے کچھ ساتھی ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور ان کے روزوں کو اپنے روزوں کے مقابلے میں کچھ وقعت نہ دے گا، یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنے کمان میں سے گزر جاتا ہے۔'' اس حدیث میں یہ آیت بھی مذکور ہے:

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ﴾ [التوبة: ٥٨]

''ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو تجھے صدقات کے بارے میں طعن دیتے ہیں۔''

ذوالخویصرہ کا واقعہ:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بطریق معمر از زہری روایت کیا ہے۔[1] صحیحین میں اس کو باسانید مختلفہ بطریق زہری از ابوسلمہ وضحاک ہمدانی از ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں بنوتمیم کے ایک آدمی ذوالخویصرہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انصاف سے کام لیجیے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو ہلاک ہو۔ اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن اڑا دوں، فرمایا: جانے دیجیے، اس کے چند رفقاء ایسے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں تم اپنے نماز روزے کو کچھ وقعت نہ دو گے۔''[2]

راوی نے خوارج سے متعلق مشہور حدیث روایت کی مگر آیت کے نزول کا ذکر نہ کیا۔ اکثر احادیث میں اس کا نام ذوالخویصرہ ہی مذکور ہے۔ زہری کے اصحاب وتلامذہ نے ان سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیح تر بات یہ ہے کہ معمر جس روایت کے نقل کرنے میں منفرد ہے یہ اس کا وہم ہے اور اس کا وہ عادی ہے۔ علماء نے اس کا نام حرقوص بن زہیر بھی ذکر کیا ہے۔

صحیحین میں بطریق عبدالرحمن بن ابی نعم از ابوسعید منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٩٣٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٦٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

کریم ﷺ کی خدمت میں یمن سے تھوڑا سا سونا بھیجا جو ہنوز مٹی سے آلودہ تھا۔ آپ نے اسے چار آدمیوں میں بانٹ دیا، اس حدیث میں مذکور ہے کہ قریش اور انصار اس سے ناراض ہوگئے اور کہنے لگے آپ اہل نجد کے رؤساء کو دیتے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے؟ فرمایا: ''میں ان کی تالیفِ قلب کرتا ہوں''، پھر ایک گہری آنکھوں ابھری ہوئی پیشانی، گھنی داڑھی، اُبھرے ہوئے رخساروں اور منڈے ہوئے بالوں والا شخص نمودار ہوا اور کہا: ''اے محمد ﷺ! اللہ سے ڈر! آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو پھر اس کی اطاعت کون کرے گا؟''

اللہ تو مجھے زمین والوں کا امین بناتا ہے، مگر تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ قوم میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت مانگی، میرا خیال ہے کہ وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، مگر آپ ﷺ نے اسے روک دیا، جب وہ پیٹھ موڑ کر چل دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کی نسل میں سے ایک قوم ہوگی جو قرآن کی تلاوت کرے گی، مگر قرآن ان کے گلے سے نہیں اترے گا۔''

پھر خوارج کے بارے میں حدیث ذکر کی، اس کے آخر میں مذکور ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے، مگر بت پرستوں سے تعرض نہ کریں گے، اگر میں نے ان کو پا لیا تو میں انھیں قوم عاد کی طرح تہہ تیغ کروں گا۔[1]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ کیا تم مجھے امین تصور نہیں کرتے؟ حالانکہ میں آسمان والوں کا امین ہوں، صبح و شام میرے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ سے ڈر! رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''تُو ہلاک ہو، کیا میں تمام کائنات والوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے کا اہل نہیں؟'' پھر وہ شخص چل دیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟ فرمایا: ''نہیں، ممکن ہے یہ نماز پڑھتا ہو''، خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: بہت سے نمازی ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی، رسول ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دل اور پیٹ چیر کر دیکھ لیا کروں۔''[2]

ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اور دوسری میں ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٣٤٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٥١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟ فرمایا: ''نہیں۔''

اس آدمی کے بارے میں قرآن نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین میں سے تھا۔

قرآن میں فرمایا:

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ﴾ [التوبة: ٥٨]

''اور ان میں سے ایسے آدمی بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ کو طعن دیتے ہیں۔''

جب رسول کریم ﷺ نے چار آدمیوں کو مال دے دیا تو اس نے رسول کریم ﷺ سے کہا: انصاف کیجیے اور خدا سے ڈریے، گویا اس نے آپ ﷺ کو ظالم اور خدا سے نہ ڈرنے والا قرار دیا، اسی لیے رسول کریم ﷺ نے اُس سے کہا: ''کیا میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا نہیں ہوں؟ جب میں آسمان والوں کا امین ہوں تو تم مجھے امین کیوں نہیں سمجھتے؟''

اگر کوئی شخص آج کوئی ایسی بات کہے تو بلاشبہ واجب القتل ہوگا۔ آپ ﷺ نے اسے اس لیے قتل نہ کیا کہ وہ اسلام کا اظہار کرتا تھا، یعنی نماز پڑھتا تھا، جس کی عدم ادائیگی پر جنگ لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ منافق اس لیے تھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا اور آپ ﷺ از راہ تالیف قلبی اس کو معاف کر دیا کرتے تھے تاکہ لوگ باتیں نہ بنانے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے دیگر واقعات میں اس کی وضاحت بھی پائی جاتی ہے۔

صحیح مسلم میں بطریق ابو الزبیر از جابر رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ جب حنین سے لوٹ کر جعرانہ آئے تو بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں کچھ چاندی تھی اور رسول کریم ﷺ اس میں سے لے کر لوگوں کو دے رہے تھے، اس نے کہا: اے محمد ﷺ! انصاف کیجیے۔ فرمایا: ''تجھ پر افسوس ہے، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ اگر میں انصاف نہیں کرتا تو تم خائب اور خاسر ہوئے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کو قتل کر دوں''، آپ ﷺ نے فرمایا: ''پناہ بخدا کہ میرے بارے میں لوگ یہ کہیں کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کر دیتا ہوں۔ یہ آدمی اور اس کے ہمنوا قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا، وہ دین سے اس طرح نکل جاتے ہیں جس طرح تیر کمان میں سے آگے نکل جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں بطریق عمرو از جابر رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ جب جعرانہ میں مال

غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا: انصاف کیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں عدل نہیں کرتا تو تم بڑے بد بخت ہو۔''[1]

اس نے رسول کریم ﷺ کی شان میں اس سے بھی شدید تر الفاظ کہے، چنانچہ ابن بکیر بطریق ابن اسحاق از ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر از مقسم ابو القاسم مولیٰ عبداللہ بن الحارث روایت کرتے ہیں کہ میں اور تلید بن کلاب اللیثی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملے جو اپنے ہاتھوں میں جوتے لٹکائے کعبہ کا طواف کر رہے تھے، ہم نے ان سے کہا: آپ اس وقت موجود تھے جب ذوالخویصرہ تمیمی رسول کریم ﷺ کے ساتھ محو تکلم تھا؟ حضرت عبداللہ نے اثبات میں جواب دیا، پھر ہمیں بتایا کہ مذکورہ شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ ﷺ حنین میں مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے، اس نے کہا: اے محمد ﷺ! آپ نے جو کچھ کیا میں نے دیکھ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے کیا دیکھا؟''، اس نے کہا: میں نے دیکھا کہ آپ انصاف سے کام نہیں لے رہے۔ رسول کریم ﷺ نے ناراض ہو کر فرمایا: ''اگر عدل میرے یہاں نہیں ہے تو پھر کہاں ہوگا؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اسے جانے دیجیے، اس کی ایک جماعت ہوگی جو دین میں تکلف سے کام لے گی۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنے کمان سے نکل جاتا ہے۔''[2]

ابن اسحاق بطریق ابو جعفر محمد بن علی بن حسین روایت کرتے ہیں کہ ذوالخویصرہ تمیمی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اس وقت حنین میں مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ اس کے آگے حسبِ سابق روایت کو ذکر کیا۔ اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے بطریق یعقوب بن ابراہیم بن سعد از والد خود از ابن اسحاق مثل ایں روایت کیا ہے،[3] اموی نے بطریق از ابو عبیدہ و از محمد بن علی و از ابن ابی نجیح از والد خود روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے رسول کریم ﷺ سے گفتگو کی۔ محمد بن علی نے کہا: اس کا نام ذوالخویصرہ تمیمی تھا۔

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٣٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٣)
2. سيرت ابن هشام (٢/ ٤٩٦) السنة لابن أبي عاصم، رقم الحديث (٩٢٩)
3. مسند أحمد (٢/ ٢١٩) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد (٦/ ٢٣٠)

رسول کریم ﷺ پر اعتراض کرنے والے کے بارے میں مزید تحقیق:

دیگر محدثین نے بھی ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا وہ ذوالخویصرہ تھا، اسی طرح وہ منافق جس نے بقول ابن مسعود حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا یہی شخص تھا۔

البتہ ابن ابی نُعم نے ابوسعید سے جو روایت کی ہے وہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت علی نے یمن سے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں تھوڑا سا سونا بھیجا تھا۔ آپ نے اسے چار نجدی اشخاص میں بانٹ دیا تھا، اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ جنگِ حنین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، مزید برآں یمن ابھی فتح بھی نہیں ہوا تھا، پھر ۱۰ھ میں رسول کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھیجا تاکہ کفار کے عہدوں کے ٹوٹنے کا اعلان کر دیں، جب حضرت علی یمن سے لوٹے تو رسول کریم ﷺ سے ان کی ملاقات حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب زکوۃ کا مال بھیجا تو رسول کریم ﷺ اس وقت مدینہ طیبہ میں تھے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ حنین کے مالِ غنیمت میں سے رسول کریم ﷺ نے قریش اور اہل نجد کے بہت سے لوگوں کو انعامات دیے، یہ تھوڑا سا سونا آپ ﷺ نے چار نجدی اشخاص میں بانٹ دیا تھا، جب صورتِ حال یہ ہے تو معترض اس مرتبہ ذوالخویصرہ کے سوا کوئی اور شخص ہوگا اور ابوسعید دونوں واقعات میں موجود ہوگا، بنا بریں معمر کی روایات کے یہ الفاظ درست نہیں کہ صدقات کے ذکر پر مشتمل آیت ذوالخویصرہ کے واقعہ میں نازل ہوئی، بلکہ حدیث میں یہ الفاظ زہری یا معمر نے شامل کیے ہیں، اس لیے کہ ذوالخویصرہ نے آپ ﷺ کے مالِ غنیمت تقسیم کرنے پر اعتراض کیا تھا اور یہ وہ صدقات بھی نہیں جو آٹھ مصارف میں تقسیم کیے جاتے ہیں، مفسرین کا یہ قول قابل التفات نہیں کہ یہ آیت حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں نازل ہوئی تھی، یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سونے کی تقسیم پر اعتراض کرنے والا ذوالخویصرہ ہی ہو۔ بنا بریں ابوسعید کی جملہ روایات اسی واقعہ سے متعلق ہوں گی، نہ کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے ساتھ، اور آیت بھی اسی ضمن میں اتری ہوگی، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابوسعید دونوں واقعات کے وقت موجود ہو اور آیت ایک واقعہ کے بارے میں اتری ہو۔

ابوبُردہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس مال لایا گیا جو آپ ﷺ نے تقسیم کر دیا، آپ نے دائیں بائیں والوں کو دیا، مگر جو لوگ پس پشت تھے، ان کو کچھ نہ دیا، آپ ﷺ کی

پچھلی طرف سے ایک آدمی نے اٹھ کر کہا: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ نے تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ وہ ایک سیاہ فام آدمی تھا، اس کے بال منڈے ہوئے تھے اور وہ دو سفید کپڑوں میں ملبوس تھا، یہ سن کر آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

''بخدا! تم میرے بعد مجھ سے بڑھ کر عادل آدمی نہ پاؤ گے، پھر فرمایا: آخری زمانے میں ایک قوم نمودار ہوگی گویا یہ بھی اُن میں سے ایک ہے، وہ قرآن کی تلاوت کریں گے، مگر قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے نکل جاتا ہے، ان کی علامت یہ ہے کہ سر منڈوایا کریں گے وہ آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہوتے رہیں گے، حتی کہ ان میں سے آخری شخص دجال کے ساتھ نمودار ہوگا، جب تم ان سے ملو تو انھیں قتل کردو، وہ بنی نوع انسان اور حیوانات سب سے بدتر ہوں گے۔''[1]

اسی قبیل کی ایک روایت وہ ہے جس کو صحیحین میں بطریق ابو وائل عبداللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ حنین کے روز رسول کریم ﷺ نے بعض لوگوں کو مالِ غنیمت کی تقسیم میں ترجیح دی، چنانچہ آپ ﷺ نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ دیے، پھر عرب کے رؤساء کو کچھ مال دیا اور ان کو دوسروں پر ترجیح دی۔ ایک آدمی نے یہ دیکھ کر کہا: بخدا! اس تقسیم میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا یا یوں کہا کہ اس میں رضائے الٰہی کو پیش نظر نہیں رکھا گیا، میں نے کہا: واللہ! میں رسول کریم ﷺ کو اس بات سے آگاہ کروں گا، چنانچہ میں نے آکر آپ ﷺ کو اس سے آگاہ کر دیا، یہ سن کر رسول کریم ﷺ کا چہرہ سرخ ہوگیا، پھر فرمایا: ''اگر اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟ پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے اُن کو اس سے زیادہ ستایا گیا تھا مگر انھوں نے صبر سے کام لیا۔''

راوی کا بیان ہے کہ میں نے کہا: اس کے بعد میں ان سے کوئی بات نہیں کہوں گا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک انصاری نے کہا: اس تقسیم میں رضائے الٰہی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔[2] واقدی کہتے ہیں کہ یہ بات معتب بن قشیر نے کہی جس کو منافقین میں شمار کیا جاتا تھا ظاہر ہے کہ

[1] سنن النسائي (۷/ ۱۱۹) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ازرق کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور باقی تمام رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔ (مجمع الزوائد: ٦/ ۲۳۲)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۱۵۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰٦۲)

ایسی بات کہنے والا بالاتفاق واجب القتل ہے، اس لیے کہ اس نے رسول کریم ﷺ کو ظالم اور ریا کار قرار دیا، رسول کریم ﷺ نے تصریح فرمائی کہ رسولوں کو اسی طرح ستایا گیا تھا، پھر معاف کرنے میں آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا، اس لیے کہ اس قول کا ثبوت موجود نہ تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے نہ تو قائل کی طرف دھیان دیا اور نہ ہی اُس سے کچھ گفتگو کی۔

اسی قسم کی وہ روایت ہے جس کو ابن ابی عاصم اور ابوالشیخ نے الدلائل میں باسناد صحیح بطریق قتادہ از عقبہ بن وساج حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں سونے چاندی کا ایک ہار پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اسے صحابہ میں تقسیم کر دیا، ایک دیہاتی آدمی نے اُٹھ کر کہا: اے محمد ﷺ! اللہ نے آپ ﷺ کو عدل کا حکم دیا ہے مگر آپ ﷺ انصاف کرتے دکھائی نہیں دیتے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''افسوس ہے، پھر میرے بعد اور کون انصاف کرے گا؟'' جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے آہستہ سے میرے پاس لاؤ۔''[1]

پھر اس سے ملتا جلتا اس انصاری کا قول ہے جس نے نالے کے بارے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کیا تھا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے زبیر! پہلے تم اپنے کھیت کو سیراب کرو اور پھر پانی اپنے پڑوسی کے کھیت کی طرف چھوڑ دو''، انصاری بولا: یہ فیصلہ آپ ﷺ نے اس لیے کیا کہ زبیر آپ ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔[2] نیز جب آپ ﷺ نے ایک شخص کے خلاف فیصلہ صادر کیا تو اس نے کہا، مجھے یہ فیصلہ پسند نہیں، پھر وہ (فیصلہ کرانے کے لیے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں گیا (تاہم وہ راضی نہ ہوا) اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کر دیا۔

تلاش کرنے سے احادیث میں اس کے بکثرت نظائر و امثال مل جاتے ہیں، مثلاً وہ حدیث جس کو بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے بھائی نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میرے پڑوسیوں کو کس لیے گرفتار کیا گیا؟ رسول کریم ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا، اس نے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ دوسروں کو مالِ غنیمت سے روکتے ہیں اور اپنے لیے اسے حلال سمجھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اس طرح کرتا ہوں تو اس

---

[1] السنة لابن أبي عاصم، رقم الحديث (۹۳۴) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۶/ ۲۳۱)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۲۳۵۹) صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۳۵۷)

کی ذمہ داری مجھ پر ہے، ان پر نہیں"، پھر فرمایا: "اس کے پڑوسیوں کو رہا کر دو۔" ❶ (ابوداود بسند صحیح)

اس شخص نے اگرچہ دوسروں کی زبانی آپ ﷺ پر بہتان لگایا، تاہم اس کا مقصد آپ کی تحقیر اور اذیت رسانی تھی، اس نے اس واقعہ کی تردید کرنے کے لیے اسے نقل نہیں کیا تھا اور یہ بھی ایک طرح کی گالی ہے۔

اسی قسم کے ایک واقعہ کو ابن اسحاق نے بطریق ہشام از حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک بدو سے ایک اونٹ پانچ وسق کھجوروں کے عوض خریدا اور اسے اپنے گھر لائے، آپ نے کھجوریں تلاش کیں تو انھیں موجود نہ پایا، چنانچہ آپ ﷺ بدو کی طرف گئے اور اسے کہا: اے اللہ کے بندے! ہم نے تمھارا یہ اونٹ پانچ وسق کھجوروں کے عوض خریدا تھا، ہمارا خیال تھا کہ کھجوریں گھر میں موجود ہیں، مگر ہم نے انھیں نہ پایا۔ بدو نے کہا: ہائے فریب! ہائے فریب! لوگوں نے اسے مکے مارے اور کہا کہ تُو رسول کریم ﷺ کو اس طرح کہتا ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔" اس کو ابن ابی عاصم اور ابن حیان نے الدلائل میں روایت کیا ہے۔ ❷

یہ تمام امور ایسے ہیں جن کی وجہ سے کوئی بھی آدمی واجب القتل، منافق، کافر اور مباح الدم ہو جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ اور دیگر انبیاء ایسی بات کہنے والے سے درگزر سے کام لیتے اور اُسے معاف کر دیا کرتے تھے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ [الأعراف: ١٩٩]

"معاف کیجیے، بھلائی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔"

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ [المؤمنون: ٩٦]

"ایسے طریقہ سے دفاع کیجیے جو بہت اچھا ہو۔"

﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ [فصلت: ٣٤]

❶ سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٦٣١) اسے امام حاکم اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

❷ اس سے قدرے مفصل امام احمد نے اپنی سند میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: مسند أحمد (٦/ ٢٦٨) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے احمد اور بزار نے روایت کیا ہے اور احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد: ٤/ ١٤٣)

”نیکی اور بدی برابر نہیں اور بدی کا دفاع اس طریق سے کیجیے جو بہت اچھا ہو۔“

مسئلہ زیر بحث کے بارے میں بہت سی مشہور احادیث پائی جاتی ہیں، انبیائے کرام علیہم السلام اپنی فضیلت کی وجہ سے اس درجہ کو پانے کے بہت حق دار ہیں اور سب لوگوں کی نسبت اُن کو اس کی زیادہ ضرورت بھی ہے، اس لیے کہ ان کو دعوتِ دین، لوگوں کے اخلاقی علاج اور ان کی عاداتِ قبیحہ کو تبدیل کرنے کی وجہ سے نہایت کڑی آزمائش سے سابقہ پڑتا ہے، یہ ایسا کام ہے کہ جو بھی اس سے عہدہ برآ ہو لوگ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ بنا بریں جو کلام ان کے لیے باعثِ ایذا ہو اس کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے، ایسا آدمی اگر معاہد ہو تو محارب بن جاتا ہے اور اگر اس نے اسلام کا اظہار کر رکھا ہے تو وہ مرتد یا منافق بن جاتا ہے، مزید برآں انبیاء حقوق العباد وصول کرنے کے حقدار بھی ہیں، اس لیے اللہ نے انھیں یہ حق دیا ہے کہ اس قسم کے اُمور کو معاف کر دیا کریں، یہ وسعت انھیں اس لیے دی گئی ہے کہ یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے اور حقوق العباد کو حقوق اللہ کے مقابلہ میں ترجیح دی جاتی ہے، جس طرح قصاص اور حدِ قذف کے مستحق کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اگر چاہے تو قاتل اور قاذف کو معاف کر دے۔

انبیاء معاف کرنے کے زیادہ حقدار اس لیے ہیں کہ اُن کے عفو و درگزر میں نبی، امت اور دین کے سلسلہ میں عظیم مصالح اور حکمتیں مضمر ہیں، یہی معنی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خادم، کسی عورت، کسی چوپائے اور کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا تھا، بجز اس صورت کے جبکہ آپ جہاد کر رہے ہوں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے بھی کسی سے انتقام نہ لیا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ کو تکلیف دی گئی ہو اور آپ نے اپنے ساتھی سے اس کا انتقام لیا ہو، البتہ جہاں اللہ کی محرمات میں رخنہ اندازی ہوتی ہو تو آپ انتقام لیے بغیر آرام نہ کرتے۔[1] (صحیح بخاری و مسلم)

حسبِ موقع و مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتقام بھی لیتے اور معاف بھی کرتے تھے:

ظاہر ہے کہ آپ کو ایذا پہنچانا حرمت شکنی سے بھی بڑا جرم ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق درمیان میں حائل ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہوتا کہ معاف کر دیں یا بدلہ لیں۔ ایسے حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً معاف فرما دیتے، اگر مصلحت قتل میں دیکھتے تو مجرم کو قتل کرنے کا حکم دیتے، جن امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حق نہ ہوتا، مثلاً زنا، چوری یا کسی ظلم کا معاملہ ہوتا تو اس کی سزا دینا آپ پر واجب ہوتا۔

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۵۶۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۳۲۷، ۲۳۲۸)

صحابہ رضی اللہ عنہم جب دیکھتے کہ کوئی شخص آپ ﷺ کو ایذا دے رہا ہے تو اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ قتل کا مستحق ہے مگر آپ ﷺ اسے معاف فرما دیتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتاتے کہ اُسے معاف کر دینا قرین مصلحت ہے، ساتھ ہی یہ بھی واضح کرتے کہ اسے قتل کرنا بھی جائز ہے اور اگر آپ ﷺ کے معاف کرنے سے قبل کوئی شخص اسے قتل کر ڈالتا تو آپ ﷺ اس سے تعرض نہ فرماتے، یہ جانتے ہوئے کہ اس نے یہ انتقام اللہ اور اس کے رسول کے لیے لیا ہے، لہٰذا اُس کی مدح و ستائش فرماتے، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا جو آپ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ تھا، اسی طرح ایک آدمی نے بنتِ مروان اور دوسرے نے گالی دینے والی ایک یہودی عورت کو قتل کر دیا جب رسول کریم ﷺ کی وفات کی وجہ سے مجرم کو معاف کرنے کا امکان باقی نہ رہے تو پھر یہ اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کا حق ہوگا اور کوئی اسے معاف نہ کر سکے گا، لہٰذا اِس کو نافذ کرنا واجب ہے۔

اس کی توضیح اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابراہیم بن الحکم بن اَبان نے اپنے والد سے، اس نے عکرمہ سے اور اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بدو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں مدد مانگنے کے لیے آیا، آپ ﷺ نے اُسے کچھ دیا اور فرمایا: ''میں نے تجھ پر احسان کیا۔'' بدو نے کہا: آپ ﷺ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا، یہ سن کر مسلمان ناراض ہوئے اور اس کو مارنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، رسول کریم ﷺ نے باز رہنے کا اشارہ فرمایا، پھر آپ ﷺ اٹھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور بدو کو اپنے گھر بلا کر کچھ اور دیا تو وہ راضی ہوگیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تُو نے آ کر ہم سے سوال کیا اور ہم نے تجھے دیا، پھر تُو نے ہمیں جو کچھ کہنا تھا کہا، جس سے مسلمان ناراض ہوگئے، اگر تم چاہو تو مسلمانوں کے سامنے بھی وہی بات کہو جو تم نے مجھ سے کہی تھی تاکہ تم پر انھیں جو غصہ تھا وہ دور ہو جائے''، اس نے کہا: جی ہاں، پھر وہ اگلے دن یا پچھلے پہر کو آیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا ساتھی آیا تھا، اس نے مانگا تو ہم نے دیا، پھر اس نے جو کچھ کہنا تھا کہا، پھر ہم نے اسے گھر بلا کر بھی کچھ دیا اور وہ راضی ہوگیا، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ بدو نے اثبات میں جواب دیا اور دعا دی کہ اللہ آپ ﷺ کے اہل و عیال کو بخیر و عافیت رکھے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میری اور اس بدو کی مثال اُس آدمی جیسی ہے جس کے پاس ایک ہی ناقہ ہو اور جب لوگ اس کا تعاقب کریں تو وہ اور نفرت کرنے لگے، پھر ناقہ والے نے انھیں پکارا کہ مجھے

اور میری ناقہ کو اپنے حال پر چھوڑ دو، وہ ناقہ کے لیے زمین سے خشک گھاس لے کر اس کے سامنے آیا تو وہ آ کر بیٹھ گئی، اس نے کجاوہ کسا اور اس پر بیٹھ گیا۔ جب بدو نے وہ الفاظ کہے تھے، اگر میں اس وقت تم کو کھلی چھٹی دے دیتا تو تم اسے قتل کر کے جہنمی بن جاتے۔"[1]

اس روایت کو ابو احمد عسکری نے بدیں اسناد اس طرح روایت کیا ہے کہ بدو نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: اے محمد ﷺ! مجھے دیجیے، آخر آپ مجھے اپنا یا اپنے باپ کا مال تو نہیں دیں گے، اس نے رسول کریم ﷺ کو بڑے درشت الفاظ میں مخاطب کیا۔ صحابہ نے اس پر دھاوا بول دیا اور کہا: اے دشمن خدا! تم رسول کریم ﷺ کو ایسے الفاظ سے یاد کرتے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی کو اس کی یاوہ گوئی کی بنا پر مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جاسکتا تھا، کیونکہ وہ یہ الفاظ کہہ کر کافر ہو گیا تھا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو محض ان کلمات کی وجہ سے اُسے قتل کر دیا جاتا تو وہ دوزخ میں نہ جاتا، بلکہ شہید و مظلوم ہونے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوتا، بلکہ ایک مومن کو دانستہ قتل کرنے کی وجہ سے اس کا قاتل جہنم رسید ہوا، اندریں صورت رسول کریم ﷺ فرماتے کہ اس کو قتل کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ ناحق کسی کو قتل کرنا سب کبائر سے بڑا گناہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ اعرابی مسلم تھا، اسی لیے رسول کریم ﷺ نے اسے "صاحبکم" کہہ کر مخاطب کیا اور اسی لیے وہ مدد مانگنے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اگر وہ حربی کافر ہوتا تو ہرگز آپ ﷺ سے مدد طلب نہ کرتا اور اگر رسول کریم ﷺ اسے اس لیے دیتے کہ وہ اسلام لے آئے تو حدیث میں مذکور ہوتا کہ وہ اسلام لے آیا۔ اسلام کا عدم ذکر اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ وہ قبل ازیں حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا مگر اُس میں بدوؤں جیسی دُرشتی پائی جاتی تھی، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں مذکور ہے:

﴿فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا﴾ [التوبة: ٥٨]

"اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ) مل جائے تو خوش رہیں اور اگر (اس قدر) نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں۔"

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جن منافقین کا نفاق کسی شک و شبہ سے بالا تھا آپ

---

[1] مسند بزار (١٥/ ٢٩٤) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابراہیم بن حکم بن ابان متروک ہے۔ ابراہیم مذکور کی وجہ سے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: ٩/ ١٨، تفسیر ابن کثیر: ٢/ ٤٠٤)

ان کو بھی معاف کر دیا کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر سے زیادہ مرتبہ مغفرت مانگنے سے ایسے لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا تو میں ستر سے زیادہ دفعہ ان کے لیے معافی مانگتا۔"[1] حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو منافقین کا جنازہ پڑھنے اور اُن کے لیے مغفرت طلب کرنے سے منع کر دیا، بلکہ ان پر سختی کرنے کا حکم دیا، آپ منافقین کی جن باتوں کو برداشت کرتے اور اُن سے عفو و درگزر کا جو معاملہ کرتے تھے وہ سورۃ التوبہ کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کو یہ حکم ملا تھا:

﴿ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ ﴾ [الأحزاب: ٤٨]

"کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کیجیے۔"

اس لیے کہ اس وقت آپ کو منافقین کے لطف و کرم کی ضرورت تھی اور یہ خطرہ دامن گیر تھا کہ اگر آپ ﷺ نے کسی منافق کو قتل کر دیا تو عرب آپ ﷺ سے نفرت کرنے لگیں گے جب عبداللہ بن اُبی نے کہا تھا:

﴿ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ ﴾ [المنافقون: ٨]

"جب ہم مدینہ لوٹ کر آئیں گے تو زیادہ عزت والا ذلیل تر کو نکال دے گا۔"

جب ذوالخویصرہ نے آپ سے کہا تھا کہ عدل سے کام لیجیے، آپ نے انصاف نہیں کیا تو اس قسم کے واقعات میں رسول کریم ﷺ نے منافقین کو اسی لیے قتل نہ کیا کہ لوگ یہ بات نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کر دیتے ہیں، اس لیے کہ لوگ ظاہری باتوں کو دیکھتے ہیں۔ جب انھیں پتہ چلتا ہے کہ کسی مسلم کو قتل کیا گیا ہے تو گمان کرنے والا اس گمان میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ آپ دشمنی کی بنا پر اپنے صحابہ کو قتل کر دیتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اسلام میں داخل ہونے سے نفرت کرنے لگیں، جب دین اسلام میں اموال کثیرہ دے کر لوگوں کی تالیف قلب کی جاتی ہے تا کہ اللہ کا دین قائم رہے اور اُس کا کلمہ بلند ہو تو لوگوں کو معاف کر کے اُن کی تالیف کرنا اس سے اولیٰ و افضل ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ نازل کی، آپ ﷺ کو منافقین کا جنازہ پڑھنے، ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر دعا مانگنے سے منع کیا اور کفار و منافقین کے خلاف نبرد آزما ہونے اور اُن پر سختی کرنے کا حکم

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (١٣٦٦)

دیا تو وہ تمام معاملات منسوخ ٹھہرے جن میں ان کے ساتھ عفو و درگزر کی تلقین کی گئی تھی، جس طرح اس حکم کو منسوخ قرار دیا کہ کفار میں سے جو صلح کرے اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ اب صرف اقامتِ حدود اور ہر انسان کے حق میں اعلائے کلمۃ اللہ کا معاملہ باقی رہا۔

ایک سوال:

اگر کہا جائے کہ قرآن میں آیا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۝ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا﴾ [النساء: ٤٤، ٤٥]

"بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا تھا کہ وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بھٹک جاؤ اور خدا تمھارے دشمنوں سے خوب واقف ہے اور خدا ہی کافی کارساز اور کافی مددگار ہے۔"

سورۃ النساء کی آیت نمبر (۴۶) میں ﴿اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ اسی طرح ہے جیسے: "اسمع لا سمعت" ہے، یا "واسمع غير مقبول منك" (تُو سن مگر تمھارا سننا مقبول نہیں) اس لیے کہ جو سنانے کا ارادہ نہیں رکھتا اُس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہود رسول کریم ﷺ سے کہا کرتے تھے: "راعنا سمعك" یہ ایک طرح کا مذاق اور یہود کی زبان میں بدترین گالی ہے، امام احمد نے عطیہ سے روایت کیا ہے کہ یہود آتے اور کہتے کہ "راعنا سمعك" ان کو دیکھ کر مسلمان بھی اسی طرح کہنے لگے، تب اللہ نے یہود کے اندازِ تکلم کو ناپسند فرمایا۔

عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ ایک شخص زبان مروڑ کر کہتا: "أرعنا سمعك" اس سے اس کا مقصد دین پر طعنہ کرنا ہوتا تھا، بعض اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ یہود کی زبان میں بدترین قسم کی گالی تصور کیا جاتا تھا، اس طرح یہ لوگ اس طرح کہہ کر رسول کریم ﷺ کو گالی دیتے، اپنی زبان مروڑ کر یہ لفظ ادا کرتے، آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے اور دین پر طعنہ زنی کے مرتکب ہوتے، اس کے باوجود رسول کریم ﷺ نے ان کو قتل نہ کیا۔

ہم کہتے ہیں اس سوال کے کئی جواب دیے جا سکتے ہیں۔

پہلا جواب:

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ بات اس وقت تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ اور اہل ایمان کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بڑا دکھ اٹھائیں گے، پھر انھیں اس حال میں صبر وتقویٰ کا حکم دیا، جب مسلمان قوت وشوکت سے بہرہ ور ہوئے اور انھیں کفار سے نبرد آزمائی کا حکم دیا گیا تو اس حکم کو منسوخ قرار دیا گیا، لڑائی اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا حتی کہ ذلیل ہو کر وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں، ذلیل آدمی کسی کے روبرو اس کو تکلیف نہیں دیتا اور اگر دیتا ہو تو اُسے ذلیل نہیں کیا جا سکتا۔

حکم کے تبدیل ہو جانے کی وجہ سے بعض لوگ اس کو ''نسخ'' سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اس کو نسخ نہیں کہتے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تا حکم ثانی عفو و درگزر کا حکم دیا ہے اور اسلام کی عزت و شوکت کی صورت میں وہ حکم ثانی آ چکا تھا اور ان سے جنگ پیائی کا حکم اس وقت تک ہے جب وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح قرآن میں فرمایا:

﴿ فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴾ [النساء: ۱۵]

''ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ وہ مر جائیں یا اللہ اُن کے لیے کوئی اور سبیل نکالے۔''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ''اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راستہ نکال دیا ہے۔''[1] بعض لوگوں کے نزدیک اس کو نسخ کہتے ہیں اور بعض اسے نسخ نہیں کہتے، یہ ایک طرح کا لفظی نزاع ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عفو و درگزر کا حکم عند الضرورت باقی ہے، یعنی اس وقت جب کوئی مسلم جنگ لڑنے سے قاصر ہو، بایں طور کہ وقت یا جگہ ایسی ہو جہاں وہ لڑنے پر قادر نہ ہو، اس لیے یہ منسوخ نہیں، کیونکہ منسوخ وہ ہوتا ہے جو آنے والے تمام ازمنہ میں مرفوع الحکم ہو چکا ہے۔

الغرض اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ جب رسول کریم ﷺ نے قوت وشوکت حاصل کر لی تھی تو اہل کتاب اور مشرکین کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ ختم ہو گیا اور ان کے ساتھ جنگ لڑنا اور اُن پر حدود قائم کرنا آپ ﷺ پر فرض ٹھہرا، خواہ اسے نسخ کہا جائے یا نہ کہا جائے۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱٦۹۰)

دوسرا جواب:

رسول کریم ﷺ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ گالی دینے والے کو معاف کر دیں، البتہ امت اس شخص کو معاف نہیں کر سکتی جو رسول کریم ﷺ کو گالی دے، جس طرح رسول کریم ﷺ کو یہ اختیار تھا کہ اگر ایک شخص کسی مسلم کو گالی دے اور آپ اسے معاف کر دیں، مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی مسلم رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو واجب القتل ہے۔

تیسرا جواب:

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ گالی کا اظہار نہیں بلکہ اخفا ہے، مثلاً "السام علیکم" یا طرزِ گفتگو میں نفاق کا ظہور، اس لیے کہ وہ اس امر کا اظہار کرتے تھے کہ وہ آپ ﷺ سے سوال کرنا چاہتے تھے یا آپ ﷺ سے باتیں کرنا چاہتے اور طلبِ مراعات کے متمنی ہیں، اس لیے آپ ان کا انتظار کرتے، حتی کہ وہ اپنی بات ختم کر لیں اور آپ کی بات کو سمجھ لیں، اس طرح ان کا آنا اس مقصد کے لیے ہوتا تھا، پھر وہ زبان مروڑ کر بات کرتے، ان کا مقصد آپ کا مذاق اڑانا، گالی دینا اور دین کو ہدفِ طعن بنانا ہوتا تھا، زبان مروڑ کر "السام" کا لفظ کہتے اور ان کا مقصد آپ کو موت کی بد دعا دینا ہوتا تھا، یہود کی جماعت خبث و نفاق میں معروف تھی اور بظاہر جو بات کہتے اُن کے باطن میں نہ ہوتی تھی مگر اس سے ان پر اقامتِ حد کا وجوب لازم نہیں آتا اور اگر یہ گالی ہوتی تو اہل اسلام نیکی سمجھ کر اس سے آپ ﷺ کو مخاطب نہ کرتے حتی کہ انھیں ایسی ذو معنی بات کہنے سے روکا گیا جس میں مذاق کا واہمہ پایا جاتا ہو کہ نیت کرنے اور دلالتِ حال سے اسے گالی قرار دیا جا سکے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب جب اس لفظ کے ساتھ کسی کو مخاطب کرتے تو اس کا مقصد مخاطب کو گالی دینا نہیں ہوتا تھا۔ دورِ جاہلیت میں یہ انصار کی بولی تھی، ابو العالیہ کہتے ہیں کہ مشرکینِ عرب جب باہم بات چیت کرتے تو ایک دوسرے سے کہتے: "أرعني سمعك" پھر ان کو اس طرح کہنے سے روک دیا گیا، ضحاک کا قول بھی یہی ہے، اور وہ یہ کہ عرب ایک دوسرے کو کہتے تھے: "أرعيته سمعي إرعاء" (میں نے اس کی بات توجہ سے سنی) گویا تُو نے اپنے کان کو اس کی گفتگو پر لگا دیا، دوسرا آدمی کہتا: "راعيته سمعي" (میں نے اپنے کان اس کی گفتگو پر لگا دیے) مگر یہود اس کو گالی تصور کرتے تھے یا تو اس لیے کہ اس میں اشتراک کا مفہوم پایا جاتا ہے، کیونکہ اس کو کان لگانے اور توجہ دینے کے

لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا اور مفاعلہ کے معنی میں بھی، گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم میری طرف توجہ دو تا کہ میں بھی آپ کی طرف توجہ دے سکوں، یہ مفہوم اس وقت مراد لیا جاتا ہے جب ہم مرتبہ اشخاص بات چیت کر رہے ہوں اور رئیس کا مرتبہ اس سے بلند تر ہوتا ہے یا یہودی اس سے حماقت اور کم عقلی کا مفہوم مراد لیتے تھے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کو یاد رکھا جائے اور اس کی طرف توجہ دی جائے اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب بلند مرتبہ آدمی اپنے سے کم درجہ کے شخص سے ہم کلام ہو، اس لیے کہ "رعایت" کے معنی حفاظت ونگہداشت کے ہیں، "استرعاء الشاۃ" (بکریاں چرانے کا مطالبہ کرنا) کے معنی بھی یہی ہیں۔

مگر عربوں کے عُرف ولغت میں اس کا غالب استعمال ردی معنی میں کیا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ اس سے عرب "اسمع" کا مفہوم مراد لیتے ہیں "سمعت" (میں نے سنا) کا نہیں، الغرض اس قسم کے الفاظ حسب نیت اور زبان کو مروڑ کر گالی کے معنی میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں، بنا بریں مسلمانوں کو اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے روک دیا گیا تا کہ یہود کے ساتھ مماثلت جانبین سے باقی نہ رہے اور اس کو مذاق کا ذریعہ بھی نہ بنایا جائے، نیز اس لیے کہ اس قسم کے الفاظ کے ساتھ رسول کریم ﷺ کو مخاطب کرنے میں سوئے ادبی کا پہلو پایا جاتا ہے۔

بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہود کی زبان میں یہ لفظ قبیح ترین گالی کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔ مسلمان رسول کریم ﷺ کو مخاطب کرنے کے لیے کہتے: "راعنا یا رسول اللّٰہ!" (یا رسول اللہ ہماری طرف توجہ فرمایئے) مگر یہی لفظ یہود کے یہاں گالی کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا، جب یہود نے اسے سنا تو غنیمت جانا اور باہم کہنے لگے: ہم محمد (ﷺ) کو خفیہ گالی دیا کرتے تھے، اب علانیہ دیا کرو، چنانچہ وہ آپ ﷺ کے یہاں آتے اور کہتے: "راعنا یا محمدًا" اور باہم ہنسنے لگتے، یہ الفاظ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے سُنے تو وہ یہود کا مطلب بھانپ گئے، وہ ان کی بولی جانتے تھے، انھوں نے یہود سے کہا: تم پر خدا کی لعنت، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر اس کے بعد میں نے کسی یہودی کو یوں کہتے سن لیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ یہودی کہنے لگے تم خود بھی تو یہی الفاظ کہتے ہو۔ تب مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقُولُوا۟ رَٰعِنَا﴾ [البقرۃ: ۱۰۴]

"اے ایمان والو! "راعنا" کا لفظ نہ کہا کرو۔"

ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ یہود اس کو رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کا ذریعہ نہ بنائیں۔[1] پس یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ یہ لفظ عربی اور عبرانی میں مشترک تھا۔ یہود جب یہ لفظ بولتے تو مسلمان اس کا وہی معنی سمجھتے جو ان کی اپنی بولی میں رائج تھا، جب انھیں معلوم ہوا کہ دوسری زبان میں یہ لفظ فلاں معنی کے لیے بولا جاتا ہے تو ان کو یہ لفظ استعمال کرنے سے روکا گیا۔ مسلمانوں نے یہود کو بتایا کہ یہ لفظ استعمال کرنے سے ان کا عہد ٹوٹ جائے گا اور وہ مباح الدم ہوجائیں گے، یہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ جب یہود اس لفظ کو گالی کے مفہوم میں استعمال کریں گے تو ان کا خون مباح ہوجائے گا، مسلمانوں نے یہود کے خون کو مباح اس لیے قرار نہ دیا کہ اہل اسلام اس گالی کو سمجھتے نہ تھے، اور گالی کے مفہوم پر گفتگو واضح ہے اور وہ یہ کہ اس سے ایسا لفظ مراد ہے جس سے گالی کا مفہوم سمجھ میں آتا ہو۔

ایک سوال:

اگر معترض کہے کہ ہم نے اہل ذمہ کو اُن کے مذہب پر قائم رہنے دیا ہے اور اُن کے مذہب میں رسول کریم ﷺ کو گالی دینا حلال ہے تو جب وہ گالی دیں گے تو وہی کام کریں گے جس پر قائم رہنے کی ہم نے انھیں اجازت دی ہے۔ یہ مخالف کا موقف ہے۔

جواب:

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہود کے مذہب میں تو مسلمانوں سے لڑنا ان کا مال لینا اور ہر ممکن طریقے سے ان کے خلاف نبرد آزمائی جائز ہے، حالانکہ ذمی ہونے کے بعد وہ اس کے مجاز نہیں ہیں، اور اگر ایسا کریں گے تو اُن کا عہد ٹوٹ جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے ان کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے عقائد کو بحال رکھیں اور جو کام پوشیدہ رکھنے کا ہے اسے پوشیدہ رکھیں تاہم انھیں اس بات کی اجازت نہیں دی کہ علانیہ اس کا اظہار کریں اور مسلمانوں کے سامنے اس کو موضوع گفتگو بنائیں۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ گالی دینے والے کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، جب تک ہم خود اس کو یہ بات کہتے ہوئے نہ سنیں یا مسلمان اس کی شہادت نہ دیں، جب یہ بات وقوع پذیر ہوگی تو سمجھا جائے گا کہ اُس نے اس کا اظہار و اعلان کر دیا۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں مقدمے باطل ہیں (پہلا مقدمہ یہ ہے کہ) ہم نے اُن کو اُن کے مذہب پر قائم رہنے دیا ہے، اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ہم ان کو اُن کے تمام عقائد پر قائم

[1] تفسير القرطبي (٢/ ٥٧)

رہنے دیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی طرح محارب رہیں گے اور اپنے مذہب کے اظہار اور ہمارے دین کی تنقید پر اُن کو سزا نہیں دی جائے گی، حالانکہ بلا نزاع وخلاف اس جرم کی ان کو سزا دی جاتی ہے اور اگر ہم اُن کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی کھلی چھٹی دے دیں تو وہ مساجد کو منہدم کر دیں گے، مصاحف کو نذرِ آتش کر دیں گے اور علماء وصالحین کو تہ تیغ کر دیں گے، اس لیے کہ ان کے عقائد میں بہت سی ایسی باتیں شامل ہیں جن سے مسلمانوں کو ایذا پہنچتی ہے اور گناہ اگر پوشیدہ رہے تو اس کا ضرر صرف اس شخص کو پہنچتا ہے جو اس کا مرتکب ہو، اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ ان میں سے کسی چیز پر بھی انھیں قائم رہنے نہیں دیا جاتا۔

اور جیسا کہ غرفہ بن حارث نے کہا ہے کہ ہم نے ان کو صرف اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ باہم جیسے چاہیں کریں، بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کو ضرر وایذا لاحق نہ ہو، پوشیدہ امور کے بارے میں ہم ان پر معترض نہ ہوں گے، اس لیے کہ گناہ جب تک پوشیدہ رہتا ہے صرف اپنے مرتکب کو ضرر پہنچاتا ہے اور اگر اس کا اعلان کر دیا جائے اور اس کی مذمت نہ کی جائے تو عام لوگوں کو اس سے ضرر پہنچتا ہے، ہم نے ان کے ساتھ یہ شرط طے کی ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے ہمیں اذیت پہنچتی اور ضرر لاحق ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اسے حلال تصور کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں، جب وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیں گے تو ان کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

ہم نے ان کے ساتھ یہ شرط بھی طے کی ہے کہ اسلامی احکام کا التزام کریں، اگرچہ وہ سمجھتے ہوں کہ اُن کے مذہب کے لحاظ سے یہ اُن پر واجب نہیں ہے، جزیہ ادا کرنا بھی ان کے لیے ضروری ہے، اگرچہ اُن کا اعتقاد یہ ہو کہ اُن سے جزیہ لینا حرام ہے، ہم نے یہ شرط بھی طے کی ہے کہ وہ اپنے مذہبی امور کو پوشیدہ رکھیں گے، اپنی کتاب کو بلند آواز کے ساتھ نہیں پڑھیں گے، جنازہ بھی جہراً نہیں ادا کریں گے، ناقوس نہیں بجائیں گے، مسلمانوں سے بلند تر ہونے کی کوشش نہیں کریں گے، اپنی شکل و صورت اور لباس ایسا پہنیں گے جس سے بسہولت انھیں پہچانا جا سکے اور وہ ذلیل نظر آئیں گے، اور اس قسم کی شرائط جن کے بارے میں ان کا اعتقاد یہ ہو کہ ان کے مذہب کی رُو سے اُن پر واجب نہیں۔

مذکورہ صدر بیان سے معلوم ہوا کہ ہم نے ان پر یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ بہت سی ایسی باتوں کو ترک کر دیں جن کو وہ اپنے مذہب کے لحاظ سے مباح یا واجب ٹھہراتے ہیں اور بہت سے ایسے کام کریں جن کو وہ اپنا دین نہیں سمجھتے، پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے ان کو علی الاطلاق اپنے مذہب پر

قائم رہنے کی اجازت دی ہے؟

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ فرض کیجیے ہم نے ان کو اپنے مذہب پر قائم رہنے دیا تو ان کے مذہب میں نبی کو گالی دینا حلال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان سے دریافت کیا جائے گا کہ آیا معاہدہ کرنے سے پہلے یہ بات اُن کے مذہب میں موجود تھی؟ یا گالی کو ترک کرنے کا معاہدہ کرنے کے باوجود ان کے مذہب میں اس کی اجازت پائی جاتی ہے؟ پہلی بات تو تسلیم ہے مگر اس کا کچھ فائدہ نہیں، اس لیے کہ انھوں نے معاہدہ کرلیا ہے، اگر اس حالت میں ان کا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا تو اب وہ ایسا نہیں کر سکتے، اس لیے کہ ان کے مذہب میں اس کی اجازت دوسری حالت میں ہے (اب نہیں) یہ اسی طرح جس طرح ایک مسلم کے نزدیک اہل کتاب کے ساتھ معاہدہ کرنے سے قبل اُن کا خون اور مال حلال ہے اور ان کی ہجو کہہ کر یا گالی دے کر ان کو اذیت پہنچانا روا ہے مگر اُن کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد اس کی اجازت نہیں۔

بنا بریں ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم ان کو ایذا دے کر کہیں کہ ہم نے اپنے دین کے مطابق تم سے معاہدہ کیا ہے، اور ہمارے دین میں تم کو ایذا پہنچانا درست ہے، اس لیے کہ متحارب فریقین کے مابین جو معاہدہ ہوا ہے اس سے ان میں سے ہر ایک پر وہ ضرر رسانی اور اذیت حرام ٹھہرتی ہے جس کو وہ معاہدہ سے قبل حلال سمجھتا تھا۔

مگر دوسرا مقدمہ قابلِ تسلیم نہیں ہے (اور وہ یہ کہ آیا یہ بات ان کے مذہب میں معاہدے سے پہلے موجود تھی یا اس کو ترک کرنے کا معاہدہ کرنے کے باوجود اُن کے مذہب میں جائز اور درست ہے؟) یہ مقدمہ اس لیے مسلمہ نہیں ہے کہ ان کے مذہب میں عہد شکنی روا نہیں اور نہ ہی یہ بات جائز ہے کہ جس بات پر معاہدہ ہوا ہے اُس کی خلاف ورزی کی جائے، بلکہ جملہ ادیانِ عالم میں وفائے عہد کی تلقین کی گئی ہے، اگرچہ وہ اس پر اعتقاد نہ بھی رکھتے ہوں، ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہے کہ وفائے عہد کے وجوب پر عمل پیرا ہوں، اگر ان کے دین میں وجوبِ وفا کی تعلیم نہیں ہے تو ہم نے ان سے ایسے دین کے مطابق معاہدہ نہیں کیا جس پر اعتقاد رکھنے والا عہد شکنی کو جائز سمجھتا ہو اور اگر ہم نے ایسے دین کے مطابق اُن سے معاہدہ کیا ہو تو گویا اس بات پر معاہدہ کیا کہ وہ عہد شکنی کے جواز کا عقیدہ رکھیں اور عہد کو توڑ ڈالیں جبکہ ہم عہد کو پورا کرنے والے ہیں، اور اس کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔

جس فعل کے ترک کا اُن سے معاہدہ کیا گیا تھا اگر اس کا ارتکاب اُن کے دین میں شامل نہیں تو

گویا ہم نے اُن سے اس بات کا معاہدہ کیا کہ اپنی زبان اور ہاتھوں سے ہمیں اذیت نہ پہنچائیں اور علانیہ اللہ اور اُس کے رسول کو دکھ نہ دیں، نیز اپنے اس دین کو پوشیدہ رکھیں جو اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک باطل ہے اور جب وہ اس کو ترک کرنے اور خفیہ نہ رکھنے کا معاہدہ کر لیں گے تو اس کا ارتکاب ان کے مذہب کے مطابق بھی اُن پر حرام ہوگا، اس لیے کہ یہ غدر، خیانت اور عہد شکنی ہے اور ان کے دین میں یہ حرام ہے، اگر کوئی کافر قوم بخوشی خاطر کسی مسلم سے معاہدہ کرے کہ مسلم ان کی صلیب کا تذکرہ نہیں کرے گا تو از روئے دین اسلام وہ اس عہد کی پابندی کرے گا۔

باقی رہا قائل کا یوں کہنا کہ ان کے مذہب میں ہمارے نبی کو گالی دینا حلال ہے تو یہ باطل ہے، اس لیے کہ معاہدے کے پیش نظر یہ بات ان کے دین میں بھی حرام ہوگی، جس طرح ہمارے خون و مال کو حلال سمجھنا معاہدے کی رُو سے ان کے دین میں بھی حرام ہے، بذات خود وہ یہ احساس رکھتے ہیں کہ معاہدہ کرنے کے بعد اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کو ستائیں یا مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں تو یہ فعل خود ان کے دین میں بھی حرام ہوگا۔ جس طرح ایک مسلم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ اگر معاہدہ کرنے کے بعد وہ اہل کتاب کو دکھ دے گا تو یہ ایسا فعل ہوگا جو اس کے دین میں بھی حرام ہے اور وہ بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ یہ عہد شکنی کے سوا کچھ نہیں، اور اگر وہ یہ سمجھتے ہوں کہ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں بلکہ وہ اہل اسلام کے زیر تسلط ہیں تو اس طرح وہ معصوم الدم نہیں ہوں گے بلکہ اس لائق ہیں کہ اُن سے انتقام لیا جائے، اس لیے کہ ان کو ہم سے بچانے والا صرف عہد ہے اور اگر وہ اس کی پابندی نہیں کرنا چاہتے تو کوئی چیز ان کو ہم سے محفوظ نہیں رکھ سکتی، غور و فکر کرنے والے کے لیے یہ بالکل عیاں ہے اور اس سے مسئلہ زیر قلم کی حکمت و مصلحت روشن ہو جاتی ہے۔

بعض فقہاء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہم نے ان کو اپنے عقائد پر قائم رہنے کی اجازت دی ہے اور ہم نقضِ عہد کو اس وقت تسلیم کرتے ہیں جب اپنے عقیدے کے خلاف بہتان لگا کر رسول کریم ﷺ کو گالی دیں، مگر یہ تفصیل پسندیدہ نہیں ہے۔ ان شاء اللہ آگے چل کر اس کی تحقیق آئے گی۔

اگر معترض کہے کہ فرض کیجیے اہل ذمہ سے اس بنا پر صلح کی گئی کہ وہ اس کا اظہار نہیں کریں گے مگر محض اظہارِ دین سے عہد کیسے ٹوٹ جائے گا؟ یہ تو اسی طرح ہے جیسے وہ اپنی کتاب کو بلند آواز سے پڑھیں یا صلیب اور اپنی عید کی نمائش کریں تو یہ بات اُن کو سزا دینے کی موجب تو ہوگی مگر اس سے عہد کا ٹوٹنا لازم نہیں آئے گا تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس سے بڑا نقضِ عہد کیا ہے کہ وہ بلند

آواز سے کلمۂ کفر کہیں، ذلت کی حد سے نکل جائیں اور ہمارے دین پر طعنہ زن ہوں اور ہمیں ایسی ایذا دیں جو قتلِ نفوس اور اخذ اموال سے بھی بلیغ ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معروف شرائط کے بعد ان امور کے اظہار کے بارے میں ہمارے نزدیک دو وجوہ ممکن ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ عہد ٹوٹ جائے گا اور ہمارے لیے اُس کی پابندی لازم نہیں رہے گی۔

۲۔ دوسری وجہ یہ کہ عہد نہیں ٹوٹے گا۔

ان دونوں کے درمیان فرق و امتیاز کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ ان امور سے کلمۂ کفر کا ظہور اور اِعلاء لازم نہیں آتا، البتہ اس سے دینِ کفار کا غلبہ لازم آتا ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے، اس لیے کہ مسلم اگر کلمۂ کفر کہے تو وہ کافر ہوجائے گا اور اگر محض کفار کی چال ڈھال اختیار کرے تو اسے سزا دی جائے گی مگر وہ کافر نہیں ہوگا اور یہ اسی طرح ہے جیسے مسلم کے کھلم کھلا گناہوں کا ارتکاب کرنے سے اس کو سزا دینا لازم ہے مگر اس کا ایمان باطل نہیں ہوگا لیکن کلمۂ کفر کہنے سے اس کا ایمان باطل ہوجاتا ہے، اسی طرح معاہد اگر کفر کا اظہار کرے تو اس کی امان باطل ہوجائے گی اور اگر کفار کی شکل و شباہت اختیار کریں تو وہ نافرمانی کے مرتکب تو ہوں گے مگر اُن کی امان باطل نہیں ہوگی۔

ہمارے اصحاب میں سے جو کہتے ہیں کہ اگر اہل کتاب تثلیث کا اظہار کریں، جو کہ ان کا اصل دین ہے، تو ان کا عہد ٹوٹ جائے گا، یہ ان کا جواب ہے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ان اشیاء کے ظہور سے مسلمانوں کو زیادہ ضرر نہیں پہنچتا اور نہ ہی ان کے دین وملت پر طعنہ زنی لازم آتی ہے، البتہ اس سے دو باتوں میں سے ایک بات لازم آتی ہے:
ایک تو یہ کہ ان کی شکل و شباہت کا مسلمانوں کے ساتھ اشتباہ لازم آتا ہے، یا یہ کہ ان کے مذہبی منکرات وفواحش کا دارالاسلام میں ظہور وشیوع ہوتا ہے، جیسے کوئی مسلم علانیہ مے نوشی یا کوئی اور گناہ کرے، باقی رہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا اور دین اسلام کو ہدفِ طعن بنانا اور اس قسم کے دیگر امور واشیاء تو اس سے مسلمانوں کو جو ضرر لاحق ہوتا ہے وہ بعض وجوہ سے قتل نفس اور اخذِ مال سے بھی بڑھ کر ہے، آخر اس سے بڑھ کر کلمۃ اللہ کی تحقیر، اللہ کے دین کی تذلیل اور کتاب اللہ کی تخفیف اور کیا ہوسکتی ہے کہ معاہد کافر اس ذات کریم کو سبّ وشتم کا نشانہ بنائے جس پر اللہ کی کتاب نازل ہوئی تھی!

اسی لیے ہمارے اصحاب اور اصحاب شافعی نے اُن اُمور کو جو اُن کے ساتھ عہد بندی کی وجہ سے حرام ہیں، دو قسموں میں تقسیم کیا ہے: ایک قسم کے اُمور وہ ہیں جو مسلمانوں کی ذات، اُن کے مال اور دین کو نقصان پہنچاتے ہیں، دوسری قسم کے امور وہ ہیں جو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں نہیں ہیں، ان کے نزدیک پہلی قسم کے امور ناقضِ عہد ہیں اور دوسری قسم کے نہیں، اس لیے کہ عہد علی الاطلاق سے لازم آتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ایذا رسانی سے اجتناب کریں، پس مسلمانوں کی ضرر رسانی سے عہد کا مقصد فوت ہو جاتا ہے جس سے عہد کا ٹوٹ جانا لازم آتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح عوض کے قبل از قبض تلف ہونے سے بیع کا مقصد فوت ہو جاتا ہے یا اس صورت میں بیع کا مقصد قائم نہیں رہتا جب مبیع (فروخت کردہ چیز) میں کسی اور کا استحقاق ثابت ہو جائے، برخلاف دیگر امور کے جو اس درجہ کے نہیں، نیز جب یہ مضرات بذات خود اس امر کے موجب ہیں کہ مسلم کو قتل کی سزا دی جائے تو معاہد کو قتل کی سزا دیا جانا اولیٰ و افضل ہے، اس لیے کہ مسلم اپنے ایمان کی وجہ سے اور کافر امان کی بنا پر اس امر کا پابند ہے کہ وہ یہ کام نہ کرے، نیز اس لیے کہ یہ مضرات حرب وقتال کے قبیل سے ہیں، جن کے بعد عہد باقی نہیں رہتا، برخلاف دیگر معاصی کے جن سے صرف دوسرے کی تحقیر اور قطعِ تعلق لازم آتا ہے۔

حدیث قدسی:

اگر معترض کہے کہ کفار کو امان دے کر شرک پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی ہے جو سبّ رسول ﷺ سے بھی عظیم تر جرم ہے، لہٰذا اُن کو سبّ رسول کی بھی اجازت ہونی چاہیے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ اللہ کو گالی دینے کے باوجود اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں۔

حدیث قدسی:

اس کی وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ تثلیث کے قائل ہیں اور وہ اللہ کو گالی دینے کے مترادف ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ابنِ آدم نے مجھے جھٹلایا، حالانکہ اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، اس نے مجھے گالی دی جبکہ یہ بات اسے زیب نہیں دیتی، بندے کی تکذیب تو یہ ہے کہ خدا نے جس طرح مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا دوبارہ نہیں کرسکتا، حالانکہ تخلیق اول میرے لیے دوبارہ پیدا کرنے سے آسان تر

ہے، اور بندے کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے، جبکہ میں یکتا اور ایسا بے نیاز ہوں جس کے نہ تو اولاد ہے اور نہ والدین اور میرا ہمسر بھی کوئی نہیں۔"[1]

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس طرح مروی ہے۔[2]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب نصاریٰ کو دیکھتے تو فرماتے: ان پر رحم نہ کیجیے، انھوں نے اللہ کو ایسی گالی دی ہے جو کسی انسان نے اس کو نہیں دی۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ [مریم: ۸۸ تا ۹۱]

"اور کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے، تم بہت عجیب چیز لائے ہو، قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پھٹ کر اڑ جائیں، صرف اس لیے کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹا ثابت کیا ہے۔" [مریم: ۸۸۔ ۹۱]

یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو عقیدہ رکھتے اور اس پر قائم تھے اور یہ عظیم ترین بہتان ہے۔

اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

۱۔ ایک یہ کہ یہ سوال فاسد الاعتبار ہے، اس لیے کہ کسی چیز کا فی نفسہ دوسرے کی نسبت بڑا گناہ ہونا اس سزا کے اثر سے ظاہر ہوتا ہے جو آخرت میں اس گناہ پر مترتب ہوگی نہ کہ دنیا میں اس پر قائم رہنے سے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اہل ذمہ شرک پر قائم رہتے ہیں مگر زنا، سرقہ، رہزنی، قذف مسلم اور مسلمانوں سے نبرد آزمائی پر قائم نہیں رہے، ظاہر ہے کہ یہ اشیاء شرک سے کم درجہ کی ہیں، بلکہ سنت اللہ اس کی مخلوقات کے بارے میں یہی ہے، دیکھیے اللہ نے قوم لوط کو دنیا ہی میں سزا دے دی مگر دنیا میں بہت سے شہر شرک سے معمور و بھرپور ہیں ان کو دنیا میں سزا نہ دی۔ اس کلام سے احتجاج کرنے والا یوں سمجھتا ہے کہ کفار کو اس لیے قتل کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمان سے لڑتے ہیں، خواہ ان کا کفر اصلی ہو یا ہنگامی حتی کہ ان کے نزدیک مرتد عورت کو بھی قتل نہیں کیا جاتا۔ وہ کہتے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۱۹۳)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٤٨٢)

ہیں کہ کفر کی سزا دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں دی جائے گی، جن لوگوں سے جنگ لڑی جاتی ہے محض اس لیے لڑی جاتی ہے کہ ان کی اذیت رسانی سے بچا جا سکے۔

یوں کہنا بھی درست نہیں کہ جب ہم نے ان کو کفر پر قائم نہیں رہنے دیا تو اگر ہم محاربہ پر قائم رہنے دیں جو کفر سے کم درجے کا ہے تو یہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے گناہ جن کا ضرر فاعل سے تجاوز کر کے دوسروں تک پہنچتا ہے تو اس کے مرتکب کو شرعاً و تقدیراً دنیا میں سزا دی جاتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی گناہ ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر ایسا نہیں کہ اس کے مرتکب کو دنیا میں سزا دی جائے۔''[1]

اس لیے کہ ایسے شخص کو بتاخیر سزا دینے میں اہل زمین کے اندر فساد بپا ہونے کا اندیشہ ہے، برخلاف اُن معاصی کے جن کا ضرر فاعل سے آگے نہیں بڑھتا کہ بعض اوقات ان کی سزا کو مؤخر بھی کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ کفر کی طرح بڑی ہو، جب ہم ان کو شرک پر قائم رہنے دیں گے تو اس کی سزا اکثر و بیشتر ان کو بتاخیر دی جائے گی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے امور کی سزا بھی دیر سے دی جائے، اس لیے کہ ان دونوں میں فرق ہے جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بلا خلاف و نزاع جب وہ مسلمانوں کو ضرر نہ پہنچاتے ہوں اور انھیں کفر پر قائم رہنے دیا جائے تو انھیں الم و رنج پہنچانا روا نہیں۔ اندریں صورت نہ ان کو مالی سزا دی جا سکتی ہے اور نہ جسمانی اور اگر علانیہ گالی دینے کا مظاہرہ کریں تو انھیں قتل کیا جائے گا یا اور کوئی جسمانی سزا دی جائے گی۔

یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ جب انھیں شرک کی سزا نہیں دی جاتی تو گالی کی سزا بھی نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ گالی دینا اس سے کم درجے کا جرم ہے اور اگر یہ سوال خلاف اجماع ہو تو اس کا جواب ضروری نہیں، خصوصاً جب کہ فریق مخالف خود اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ گالی دینے پر انھیں سزا دی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھیں شرک پر قائم رہنے کی اجازت نہیں دی گئی، لہٰذا معترض سے اس سوال کو قبول نہیں کیا جائے گا اور اس شبہے کا جواب مشترک ہے، اس لیے اس کا الگ جواب دینا ہم پر واجب نہیں۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ گالی دینے والا گالی کے ساتھ شرک کو بھی شامل کر لیتا ہے، جس پر اس کے ساتھ معاہدہ کیا گیا تھا، برخلاف اس مشرک کے جو گالی نہ دیتا ہو۔ اور اکیلے گناہ کا اقرار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ساتھ ایک اور گناہ کا اعتراف بھی کیا جائے، خواہ وہ اس سے کم

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۲۹)

درجے کا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ دو گناہوں کے جمع ہونے سے جُرم میں ایسی شدت آ جاتی ہے جو اکیلے جرم میں نہیں ہوتی۔

۴۔ معترض کا یہ قول کہ اُن کا جرم، جو کفر ہے، رسول کو گالی دینے سے بڑا جرم ہے، علی الاطلاق درست نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب کے دو گروہ ہیں: ایک گروہ یہود کا ہے جن کا اصلی کفر رسول کریم ﷺ کی تکذیب ہے، مگر آپ ﷺ کو گالی دینا تکذیب سے بھی بڑا جرم ہے، پس اُن کا سب سے بڑا کفر رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ہے، اس لیے کہ وہ جملہ امور جن کی وجہ سے ان کی تکفیر کی جاتی ہے، مثلاً دین اسلام اور عیسیٰ علیہ السلام (کی نبوت) کا انکار، امورِ آخرت کو تسلیم نہ کرنا، علاوہ ازیں سب رسول کریم ﷺ سے متعلق ہیں، لہٰذا رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے ان تمام امور کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ ان تمام امور کا علم ہمیں رسول کریم ﷺ کے ذریعے حاصل ہوا، عصر حاضر میں تمام روئے زمین والوں کو ورثے میں کوئی ایسا علم نہیں ملا جس کے متعلق شہادت دی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، ما سوا اُس علم کے جو ہمیں ورثے میں حضرت محمد ﷺ سے ملا ہے، علاوہ ازیں دیگر علوم جو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے منقول ہیں، ان میں سے کثیر یا اکثر مشتبہ اور مخلوط ہو چکے ہیں اور جس کی حقیقت معلوم نہ ہو اُس کے بارے میں واجب ہے کہ اس کی تصدیق اور تکذیب سے احتراز کیا جائے۔

باقی رہے نصاریٰ تو رسول اکرم ﷺ کی شان میں ان کی گستاخی یہ ہے کہ وہ آپ کی لائی ہوئی توحید، اخبارِ غیبیہ اور شرائع پر طعن و تنقید کرتے ہیں، ان کے یہاں آپ کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول قرار دیا، یہود کے یہاں حضور ﷺ کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ آپ نے تورات کی شریعت کو تبدیل کر دیا، ورنہ نصاریٰ موروثی شریعت کے محافظ نہ تھے بلکہ زمانے کی ہر گھڑی میں ان کے علماء ایک نئی شریعت ایجاد کیا کرتے تھے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا تھا اور پھر اس کی اس طرح حفاظت نہ کرتے جیسے حفاظت کا حق ہے، پس نصاریٰ کا آپ کو گالی دینا توحید کو ہدفِ طعن بنانے، شرک کی ترغیب دلانے اور دین اور انبیاء کی تکذیب کرنے پر مشتمل ہے، محض ان کے شرک کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جملہ انبیاء کی تکذیب کرتے اور پورے دین کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے، لہٰذا یوں نہیں کہا جا سکتا کہ جس شرک پر وہ قائم ہیں وہ سبّ رسول سے بھی عظیم تر ہے، بخلاف ازیں سبّ رسول ﷺ، جس پر وہ قائم ہیں اس میں شرک بھی موجود ہے اور اس سے بڑھ کر جرائم بھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ایک صاحبِ عقل وخرد کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کائنات پر اللہ کے دین کا قیام رسل وانبیاء علیہم السلام کا مرہونِ منت ہے، اگر رسول نہ آتے تو خدائے واحد کی بلاشریک عبادت نہ کی جاتی اور نہ ہی لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کیا ہیں جن کا وہ مستحق ہے اور نہ ہی اس کی شریعت اس کائنات پر قائم ہوتی۔

یہ بات خاطر میں نہ لائیے کہ اگر عقول انسانیہ اور اُن علوم کو تنہا چھوڑ دیا جاتا جن کو وہ نظر وفکر کے بل بوتے پر حاصل کرتی ہیں تو وہ علیٰ وجہ الیقین اللہ کے اسماء وصفات سے آگاہ وآشنا ہو جاتیں، اس لیے کہ جن لوگوں نے محض عقل کی مدد سے اس بات کو موضوع بحث بنایا ہے، انھوں نے رسولوں کی تعلیمات سے باخبر اور مانوس ہونے کے بعد ایسا کیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس نے رسولوں کی اطاعت کی ہو یا نہ کی ہو، ان کے اکثر اکابر نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ محض عقل کی مدد سے امورِ الٰہیہ کی تفصیلات کو یقینی طور پر معلوم نہیں کیا جا سکتا، بخلاف ازیں اس کے ذریعے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ظن وتخمین پر مبنی ہوتا ہے۔

عقل اپنی نظر وفکر سے جن امور کا احاطہ کر سکتی ہے رسولوں نے پہلے ہی لوگوں کو ان سے آگاہ کر دیا ہے، لوگوں کو ان کی نصیحت کی اور اس میں غور وفکر کی دعوت دی ہے اور اس کے نتیجے میں اندھی آنکھوں کو کھول دیا، بہرے کانے کو شنوائی دی اور بند دلوں کے دروازے کھول دیے۔ عقل انسانی جس امر کے فہم وادراک سے قاصر ہے، انبیاء نے وہ لوگوں کو سکھائی اور بتائی، اس لیے انبیاء پر طعن وتنقید اللہ کی توحید، اس کے اسماء وصفات، اس کے دین وکلام، اس کے شرائع، اس کے ثواب وعتاب اور عام اسباب پر طعن ہے جو اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان پائے جاتے ہیں، بلکہ یوں کہنا زیادہ اقرب الی القیاس ہے کہ دنیا بھر میں جو مملکت بھی قائم ہوئی ہے وہ نبوت یا آثارِ نبوت کی وجہ سے قائم ہوئی ہے، نیز یہ کہ جو بھلائی بھی دنیا میں پائی جاتی ہے وہ آثارِ نبوت کے زیرِ اثر ہوتی ہے۔

ایک صاحب عقل وخرد کو اس باب میں ان لوگوں کو شک وشبہ کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے جن میں نبوت کے آثار محو ہو چکے ہیں، مثلاً براہمہ، صابئہ، مجوس، ان کے فلاسفہ اور عوام الناس کہ لوگ اللہ اور اس کی توحید سے اعراض کر کے کواکب واصنام، آگ، بتوں اور شیطانوں کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں نہ توحید رہی اور نہ کچھ اور، صرف رسولوں کی پیروی کرنے والے توحید سے وابستہ رہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ﴾ [الشوریٰ: ۱۳]

''اس نے تمھارے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کے اختیار کرنے کا نوح کو حکم دیا گیا تھا اور جس کی (اے محمد!) ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا، (وہ یہ کہ) دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔''

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس دین کی طرف رسول دعوت دیتے تھے مشرکین پر بڑا ناگوار تھا۔ کچھ لوگ انبیاء کی پیروی کرتے تھے اور کچھ مشرک تھے، یہ حق بات ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسولوں کو گالی دینے اور ہدفِ طعن بنانے کے موجب ومحرک جملہ انواعِ کفر وضلالات کے سرچشمے تھے اور کفر کی تمام اقسام ان کی فرع تھیں، بالکل اسی طرح جس طرح رسولوں کی تصدیق ایمان کی تمام شاخوں کی اصل واساس اور جملہ اسبابِ ہدایت کا شیرازہ ہے۔

۵۔ یہ بات سنت سے ثابت ہے جس کی تردید ممکن نہیں کہ جو شخص آپ کو گالی دیتا تھا، آپ ﷺ اس کو قتل کرنے کا حکم دیتے تھے، مسلمان بھی دوسروں کو اس پر آمادہ کرتے تھے، مگر شرک کے مجرم یا اس سے بڑے جرم کے مرتکب کو قتل کرنے سے احتراز کرتے تھے، قطع نظر اس سے کہ وہ حربی کافر ہو یا معاہد، اگر یہ دلیل مقبول ہوتی تو یوں کہنا درست ہوتا کہ جب مشرک کو قتل نہیں کیا جاتا تو گالی دہندہ کو قتل نہ کرنا اولیٰ ہے، جب کافر ہونے کے باوجود ذمی سے معاہدہ کیا جاتا ہے تو گالی دینے پر معاہدہ کرنا افضل ہے، اگر اس کو تسلیم کیا جائے تو یہ سنت رسول سے متصادم ہے اور جو قیاس سنت سے معارض ہو وہ مردود ہے۔

۶۔ جس شرک کی راہ پر وہ گامزن ہیں اگرچہ وہ اللہ کو گالی دینے کے مترادف ہے مگر وہ اسے گالی نہیں سمجھتے بلکہ حمد وثنا پر محمول کرتے ہیں، اس لیے ان کا ارادہ گالی اور تحقیر کا نہیں ہوتا، برخلاف سبِّ رسول کے، لہٰذا اُس چیز کے اقرار سے جس کو وہ تحقیر اور استخفاف پر محمول نہیں کرتے اُس چیز کا قصد لازم نہیں آتا جس سے وہ تحقیر مراد لیتے ہیں۔ یہ اُس شخص کا جواب ہے جو سبِّ رسول ﷺ کی صورت میں ان کو قتل کرنے کا قائل ہے مگر اس صورت میں ان کو قتل کرنے کا قائل نہیں جب

وہ اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کریں۔

۷۔ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا مسلمانوں کے دین پر طعن اور ان کے لیے ضرر رسانی کا موجب ہے، جبکہ اپنے مذہبی عقائد کا اظہار مسلمانوں کی ضرر رسانی کا موجب نہیں، اس لیے رسول ﷺ کو گالی دینا ایک طرح کی جنگ پیائی ہے، جس پر ان کو سزا دی جاتی ہے، اگرچہ یہ بات شرک سے کم درجہ کی ہے، یہ بھی اسی قائل کا جواب ہے۔

۸۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ مقیس علیہ میں حکم کو تسلیم نہ کیا جائے اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے کفر کا اعلان کریں تو ان کا عہد ٹوٹ جائے گا، برخلاف اس صورت کے جبکہ وہ اپنی مقدس کتاب کو جہراً پڑھیں کہ اس میں کفر والی کوئی بات نہیں، خصوصاً جبکہ ہم اس کو سمجھتے بھی نہیں، یہ صرف شعارِ کفر کا اظہار ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، اور اظہارِ کفر اور شعارِ کفر کے اظہار میں فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔

ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب انھوں نے کفر کا اظہار کیا جو کہ اللہ کے دین پر طعن ہے تو ان کا عہد ٹوٹ گیا، برخلاف اس کفر کے جس میں ہمارے دین پر طعن نہ کیا گیا ہو، اس لیے کہ عہد کا تقاضا یہ ہے کہ آپس میں جو چاہیں کہیں یا کریں، بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے لیے ضرر رساں نہ ہو۔ باقی رہا کلمۂ کفر کا اظہار یا مسلمانوں کی ایذا رسانی تو اُس پر اُن سے عہد نہیں کیا گیا، ان باتوں کی تفصیل آگے آ رہی ہے، کثیر فقہائے حدیث اور ہمارے اصحاب میں سے اہل المدینہ اور دیگر اہل علم نے کہا ہے کہ ہم نے اہل ذمہ کو ان باتوں کے اظہار کی اجازت نہیں دی، لہٰذا اگر وہ اس کا اظہار کریں گے تو اپنا عہد توڑ ڈالیں گے۔

حنبل کی روایت کے مطابق ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ جو شخص بھی ایسی بات کہے جس سے ذاتِ باری کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو اُسے قتل کیا جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر اہل المدینہ کا موقف یہی ہے، جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ سے سنا، جن سے ایک یہودی کے بارے میں سوال کیا جا رہا تھا، جس کا گزر ایک مؤذن پر ہوا جو اذان کہہ رہا تھا، یہودی نے اسے کہا کہ تُو نے جھوٹ بولا، ابوعبداللہ نے کہا: اسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ اس نے گالی دی ہے بعض لوگوں نے ان کے عقائد اور غیر عقائد میں فرق کیا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ذمیوں کے بعض عقائد ایسے ہوتے ہیں جن کا اظہار ہمارے دین کی تنقیص پر مشتمل ہے، جبکہ ان کے بعض عقائد کے اظہار سے ہمارے دین پر کوئی حرف نہیں آتا، اس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا، کیونکہ اس مسئلہ کے فروعات سے اس کے ماخذ کا اظہار ہوتا ہے۔

ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کی موجودگی میں ایک نصرانی

سے (جس نے کہا تھا کہ اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا) کہا تھا کہ ہم نے تجھے جو کچھ بھی دیا اس لیے نہیں دیا تھا کہ تم ہمارے دین میں مداخلت کرو گے، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تُو نے آئندہ ایسا کہا تو میں تمھارا (سر) کاٹ دوں گا جس میں تمھاری دونوں آنکھیں ہیں۔ ہماری ذکر کردہ تمام آیات اس کی مؤید ہیں، اس لیے کہ جہاد واجب ہے، یہاں تک کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور پورا دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ اللہ کے دین کو تمام مذاہب پر غلبہ عطا ہو اور ذمی ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں، منکرات و فواحش سے روکنا بھی حسبِ استطاعت واجب ہے، اس لیے (اہل ذمہ) جب کلمۂ کفر کا اظہار و اعلان کریں گے تو جو عہد انھوں نے ہم سے کیا تھا اس کو توڑ دیں گے، وہ ذلت اُن پر باقی نہ رہے گی جس کے وہ پابند تھے۔ اندریں صورت ہم پر واجب ہوگا کہ کلمۂ کفر کا اعلان کرنے والوں کے خلاف جہاد بالسیف کریں، اس لیے کہ وہ کافر ہیں اور اُن کا عہد اب باقی نہیں رہا۔ واللہ سبحانہ أعلم

مسئلہ ثانیہ

ایسا شخص واجب القتل ہے:

اسے غلام بنانا، اس پر احسان کرنا اور اس کا فدیہ لینا جائز نہیں، اگر ایسا شخص مسلم ہو تو وہ اجماعاً واجب القتل ہے، اس لیے کہ وہ ایک قسم کا مرتد یا زندیق ہے اور یہ دونوں واجب القتل ہوتے ہیں (خواہ مرد ہو یا عورت) ایسے شخص کو مسلمان فرض کر کے قتل کیا جائے گا، بالاتفاق اسے حد لگا کر قتل کیا گیا، اس لیے حد کی اقامت واجب ہے، قبل ازیں ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں اس امر کی واضح ہے کہ سنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیش نظر رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والی مسلم عورت کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ بعض آثار میں اس امر کی صراحت پائی جاتی ہے کہ گالی دہندہ مسلم عورت کو قتل کیا جائے، جبکہ بعض احادیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والی ذمی عورت کو تہہ تیغ کیا جائے، جب ذمی عورت کو گالی دینے کی وجہ سے قتل کیا جا سکتا ہے تو مسلمہ کو بالاولیٰ قتل کر دینا چاہیے، جیسا کہ ایک فقیہ جانتا ہے۔

اہل کوفہ میں سے جو لوگ کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل نہیں کیا جاتا تو اس کا قیاس اس امر کا مقتضی ہے کہ گالی دینے والی عورت کو بھی قتل نہ کیا جائے، اس لیے کہ گالی دہندہ اس کے نزدیک مرتد ہوتا ہے، حالانکہ اس کا فقہی مذہب اس امر کا متحمل تھا کہ گالی دہندہ عورت کو اقامتِ حد کی بنا پر ساحرہ کی طرح قتل کیا جائے، یا بعض کے نزدیک رہزنی کرنے والی عورت کو مگر اس کے اصول میں اس کی گنجائش نہیں۔

جب عام اہل علم کا صحیح موقف یہ ہے کہ مرتد عورت کو قتل کیا جائے تو پھر گالی دینے والی کو بالاولیٰ قتل کرنا چاہیے اور سابقہ دلائل کی روشنی میں صحیح مذہب یہی ہے، اگر گالی دینے والا معاہد ہو تاہم وہ واجب القتل ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، یہ سلف کے عام فقہاء اور ان کے اَتباع کا موقف ہے۔ قبل ازیں ہم ابن المنذر کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا کس سزا کا مستوجب ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ اس بات پر عام اہل علم کا اجماع ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا

قتل ہے، امام مالک، لیث، احمد، اسحاق اور امام شافعی اسی کے قائل ہیں، ابن المنذر کہتے ہیں کہ نعمان رحمہ اللہ (امام ابوحنیفہ) سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی ذمی رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اسے قتل نہ کیا جائے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ عام لوگوں کے نزدیک وہ واجب القتل ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک رحمہ اللہ، اسحاق اور دیگر فقہائے مدینہ رحمہم اللہ کا۔ ان کے اصحاب کی گفتگو اس بات کی مقتضی ہے کہ اس کو قتل کرنے کے دو ماخذ ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ ایک طرح کی حد شرعی ہے، فقہائے حدیث کا موقف یہی ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں:

''اگر (اہل ذمہ) علانیہ رسول کریم ﷺ کو گالی دیں اور مسلمان اس کو سن لیں یا ان پر یہ جرم ثابت ہو جائے تو انھیں قتل کیا جائے۔''

جن لوگوں نے کہا کہ ان کا جرم، جو کہ شرک ہے، سب رسول ﷺ سے بڑا جرم ہے۔ ان کی بات درست نہیں، بقول اسحاق ان کو قتل کیا جائے، اس لیے کہ یہ نقضِ عہد ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کیا تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ان کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کے گالی دہندہ راہب کو قتل کر دیا تھا اور کہا:

''ہم نے (اہل ذمہ سے) اس لیے صلح نہیں کی تھی۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ایسے شخص کو قتل کرنے اور اس کے عہد کے ٹوٹ جانے کی تصریح کی ہے۔ ان تصریحات کا تذکرہ قبل ازیں کیا جا چکا ہے۔ ان کے عام اصحاب نے بھی اس کے واجب القتل ہونے کی تصریح کی ہے اور کئی جگہ اس پر روشنی ڈالی ہے، نیز اس کا ذکر انھوں نے عہد شکن اہل ذمہ میں کیا ہے، بعض متقدمین اور متاخرین کا قول ہے کہ ایسے عہد شکن لوگ واجب القتل ہیں، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض گروہوں نے ذکر کیا ہے کہ عہد شکن اہل ذمہ کے بارے میں حاکمِ وقت کو اختیار ہے، جس طرح قیدی کے بارے میں اسے غلام بنانے، قتل کرنے، ممنون کرنے اور فدیہ وصول کرنے کے بارے میں اختیار ہے، اُسے چاہیے کہ وہ کام کرے جو ان چاروں کاموں میں سے امت کے حق میں مفید ہو، جبکہ انھوں نے اسے ناقضینِ عہد میں شمار کیا ہے، پس اس کلام کے اطلاق وعموم

میں گالی دینے والا بھی شامل ہوگیا، ورنہ اس ضمن میں بھی تخییر کے پہلو کو اختیار کیا گیا مگر اس طریقہ کے محققین اور اکابر مثلاً قاضی ابو یعلی نے اپنی پچھلی کتب میں اس تخییر کو اس شخص کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے جو رسول کو گالی دینے والا نہ ہو، باقی رہا گالی دہندہ تو وہ واجب القتل ہے اگرچہ قیدی اور دیگر لوگوں کے حق میں یہ تخییر موجود ہے۔

بنابریں گالی دہندہ کے قتل کے تعین کے بارے میں اختلاف کو یا تو نقل نہ کیا جائے، اس لیے کہ جن لوگوں نے ایک جگہ تخییر کا اطلاق کیا ہے دوسری جگہ یہ کہا ہے کہ گالی دینے والے کو قتل ہی کرنا چاہیے (اسے کوئی دوسری سزا نہ دی جائے)، اس موقف کو اختیار کرنے والوں کے اکابر نے کہا ہے کہ گالی دہندہ اس تخییر سے مستثنیٰ ہے، یا یہ اس مسئلہ میں ایک کمزور پہلو ہے، اس لیے کہ جن لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے، انھوں نے دوسری جگہ بتصریح اس سے انکار کیا ہے۔

اصحابِ شافعی رحمہ اللہ اس ضمن میں مختلف الرائے ہیں۔ اُن میں حسب ذیل اختلاف پایا جاتا ہے:

۱۔ شوافع میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ گالی دہندہ حتماً واجب القتل ہے، اگرچہ دوسروں کے حق میں تخییر موجود ہے۔

۲۔ بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ وہ دیگر ناقضینِ عہد کی مانند ہے اور اس کے بارے میں دو قول پائے جاتے ہیں:

ا۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اُسے اس کے وطن میں پہنچا دیا جائے۔

ب۔ دوسرا صحیح قول یہ ہے کہ اسے قتل کرنا جائز ہے، مگر قیدی کی طرح حاکمِ وقت کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ وہ سلوک کرے جو امت کے لیے موزوں تر ہو، مثلاً اگر چاہے اسے قتل کر دے، قیدی بنائے، اس پر احسان کر کے اسے چھوڑ دے، اس سے فدیہ وصول کرے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے جو بحث دوسری جگہ کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ناقضِ عہد اور حربی کافر دونوں کا ایک ہی حکم ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ قیدی کی مانند ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے دوسری جگہ حتماً بلاتخییر اُسے واجب القتل قرار دیا ہے، اس مسئلے کی تلخیص وتحریر ایک تمہید کی محتاج ہے، جس میں یہ واضح کیا جائے کہ عہد کن اُمور سے ٹوٹتا ہے؟ نیز یہ کہ ناقضِ عہد کی سزا بالعموم کیا ہے۔ جب یہ باتیں طے ہوجائیں تو پھر بطورِ خاص "سبّ" (گالی دینا) کے مسئلے پر روشنی ڈالی جائے؟

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے، ناقضِ عہد کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ناقض عہد ہے جو

مسلمانوں کے قبضے میں نہیں اور جنگ کیے بغیر اُسے گرفتار نہیں کیا جا سکتا، دوسرا ناقض وہ ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو، پہلی قسم کا ناقض قوت وشوکت سے بہرہ ور ہوتا ہے، اس لیے حاکم اُس سے جزیہ وصول کر سکتا اور نہ ہی اس سے شریعت کے احکام واجبہ کی تعمیل کروانے پر قادر ہے، صرف چغلی کھانے والے ان پر ظلم وزیادتی کر سکتے ہیں، وہ دارالحرب کو اپنا وطن بنا لیں گے۔ ایسے لوگ اجماعاً ناقض عہد ہیں، اگر ان میں سے کسی کو قیدی بنا لیا جائے تو امام احمد رحمہ اللہ کے ظاہر مذہب کے مطابق اُس کا حکم وہی ہے جو حربی کافر کا ہے جبکہ اُسے قید کر لیا جائے۔ حاکم وقت اس کے ساتھ اپنی صوابدید کے مطابق سلوک کرے گا۔

ابو الحارث سے معاہدین کی ایک قوم کے بارے میں سوال کیا گیا جو عہد توڑ کر اپنے بچوں کو دارالحرب میں لے جائیں، پھر تعاقب کر کے اُن کو پکڑ لیا جائے اور ان سے جنگ لڑی جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب وہ عہد توڑ ڈالیں تو ان میں سے جو بالغ ہو اس پر وہی احکام جاری کیے جائیں گے جو قیدی ہونے کی صورت میں حربی کافروں پر جاری کیے جاتے ہیں، ان کا معاملہ حاکمِ وقت کی صوابدید پر مبنی ہے، باقی رہے ان کے بچے تو جو نقضِ عہد کے بعد پیدا ہوا ہو تو وہ ناقضِ عہد کی مانند ہے اور جو نقضِ عہد سے قبل عالم وجود میں آیا اس پر کوئی ذمہ داری نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ علقمہ بن علاثہ کی بیوی نے کہا تھا:

"اگر علقمہ مرتد ہوا ہے تو میں تو مرتد نہیں ہوئی۔"[1]

عہد توڑنے والوں کے بارے میں حضرت حسن (بصری) سے بھی اسی طرح منقول ہے، وہ کہتے ہیں: "عورتوں پر کچھ بھی نہیں ہے۔"

جناب صالح سے سوال کیا گیا کہ اگر معاہدین ایک قلعہ میں ہوں اور اُن کے ہمراہ مسلمان بھی ہوں، پھر وہ عہد توڑ ڈالیں اور مسلمان بھی قلعہ میں ان کے ہمراہ موجود ہوں تو اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ صالح نے جواب دیا: جو بچے نقضِ عہد کے بعد پیدا ہوئے انھیں ناقضینِ عہد کی طرح قیدی بنا لیا جائے اور جو نقضِ عہد سے پہلے پیدا ہوئے ہوں، انھیں قیدی نہ بنایا جائے۔ اس طرح انھوں نے تصریح کی ہے کہ اگر ناقض عہد کو جنگ کر کے قیدی بنایا جائے تو حاکم وقت کو اس کے بارے میں اختیار ہے اور جو بچے نقضِ عہد کے بعد پیدا ہوئے ان کو عہد توڑنے والوں کی طرح قیدی بنا لیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ ناقض عہد کو قیدی بنایا جا سکتا ہے، ان کا مشہور مذہب یہی ہے۔

[1] أحكام أهل الملل للخلال: كتاب السير، باب فيمن نقض العهد و الحق بدار الحرب.

ان سے ایک دوسری روایت بھی منقول ہے کہ قابو پانے کی صورت میں انھیں قیدی کے بجائے ذمی بنا لیا جائے، ابو طالب سے ایک روایت ایک معاہد شخص کے بارے میں منقول ہے، جو بذات خود مع اہل و عیال دشمن کے ساتھ جا ملے اور دار الحرب میں اُس کے یہاں اولاد پیدا ہو تو اس اولاد کو قیدی بنا لیا جائے، پھر ان سے اور ان کی اس اولاد سے جو دار الاسلام میں پیدا ہوئی ہو جزیہ وصول کیا جائے، ابو طالب سے دریافت کیا گیا کہ اُن کی جو اولاد دار الاسلام میں پیدا ہوئی ہو کیا ان کو قیدی نہ بنایا جائے؟ کہا: نہیں، پھر ان سے دریافت کیا گیا: اگر ان بچوں کو بچپن میں دار الاسلام لایا جائے، پھر وہ بڑے ہو جائیں تو ان کا کیا حکم ہے؟ ابو طالب نے کہا کہ انھیں قیدی نہ بنایا جائے بلکہ امن گاہ میں پہنچا دیا جائے۔

ناقضِ عہد کے بارے میں امام احمد کا موقف:

ابن ابراہیم نے امام احمد رحمہ اللہ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جو مع اہل و عیال دار الحرب میں چلا جائے اور وہاں اس کے یہاں اولاد پیدا ہو اور پھر مسلمان اس کو پکڑ لیں تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ امام احمد رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ اس کے اہل و عیال کو کچھ سزا نہیں دی جائے گی، البتہ جو بچے اس کی غلامی کی حالت میں پیدا ہوں گے ان سے جزیہ وصول کیا جائے۔ اس کے جواب میں امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ عہد توڑنے والے اور اس کے موجود بچوں سے جزیہ تو وصول کیا جائے گا مگر انھیں غلام نہیں بنایا جائے گا، نیز یہ کہ اس کے جو بچے جنگ کے بعد پیدا ہوئے انھیں غلام بنا لیا جائے گا، اس لیے کہ اس کے چھوٹے بچے حربی کافر کی اولاد ہونے کی وجہ سے قیدی ہیں، وہ صرف قید ہونے ہی کی وجہ سے غلام بن جائیں گے اور آغاز و انجام میں کسی وقت بھی ذمیوں میں شمار نہیں ہوں گے۔ البتہ جو بچے نقضِ عہد سے پہلے پیدا ہوئے وہ سابقہ عہد کی وجہ سے ذمی قرار پائیں گے۔

پہلی مشہور روایت کی بنا پر جب کفار کو قیدی بنایا جائے گا تو حاکم وقت ان سے اپنی صوابدید کے مطابق وہ سلوک کرے گا جو مسلمانوں کے لیے موزوں تر ہو، وہ چاہے انھیں قتل کرے یا غلام بنا لے یا بلا معاوضہ چھوڑ دے یا فدیہ لے کے رہا کر دے۔ جب حاکمِ وقت بلا معاوضہ اُن کو رہا کرنے کا مجاز ہے تو اُن سے جزیہ قبول کر کے انھیں دوبارہ ذمی بنا کر بھی آزاد کر سکتا ہے مگر اس پر یہ واجب نہیں ہے، جس طرح رسول اکرم ﷺ نے بنو قریظہ اور اہل خیبر کے قیدیوں کو قتل کرا دیا تھا اور انھیں جزیہ ادا کرنے کی دعوت نہیں دی تھی اور اگر آپ انھیں اس کی دعوت دیتے تو وہ اسے قبول کر لیتے۔

دوسری روایت کے مطابق ان کو دوبارہ ذمی بنانے کی دعوت دینا واجب یا مستحب ہے، بالکل اُسی طرح جیسے مرتد کو اسلام کی دعوت دینا واجب یا مستحب ہے، اگر وہ دوبارہ ذمی بننے کے لیے تیار ہوجائیں تو اُن کو ذمی بنا لینا چاہیے، جس طرح مرتد کا اسلام لانا اور اصلی حربی سے جزیہ قبول کرنا واجب ہے، جبکہ وہ قید ہونے سے پیشتر اس کی پیش کش کرے، اگر یہ فدیہ دینے سے انکار کریں تو اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں قتل کرنا واجب ہے اور ان کو غلام بنانا روا نہیں، بایں طور کہ نقضِ امان کو نقضِ ایمان پر محمول کیا جائے گا اور اگر وہ بار بار عہد شکنی کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا وہی ہے جو اس شخص کی ہے جو بار بار مرتد ہو جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب:

اشہب نے امام مالک سے ان لوگوں کے بارے میں اسی طرح روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آزاد آدمی کو دوبارہ ہرگز کبھی بھی غلام نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ بہر حال انھیں ذمی بننے کی طرف لوٹایا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف:

امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "الأم" میں اسی طرح ذکر کیا ہے، انھوں نے نواقضِ عہد کا (تفصیلی) ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

> "جو شخص ایسی بات کرے یا ایسا کام کرے جس کو میں نے ناقضِ عہد قرار دیا ہے اور اسلام قبول کرے تو قول ہونے کی صورت میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ دین اسلام میں یہ بات مذکور ہو کہ جو شخص ایسا کرے اسے حد یا قصاص میں قتل کیا جائے تو اندریں صورت اسے حد یا قصاص میں قتل کیا جائے گا، نقضِ عہد کی وجہ سے نہیں۔
>
> اگر اس نے ایسا کام کیا جس کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے مگر اسلام قبول نہ کیا، البتہ کہا کہ میں حسب سابق جزیہ دیا کروں گا یا نئے سرے سے صلح کر لوں گا تو اسے سزا دی جائے اور قتل نہ کیا جائے، بجز اس صورت کہ جبکہ وہ ایسا فعل کرے جس سے قصاص یا حد لازم آتی ہو، اگر اس نے کوئی ایسا فعل کیا یا ایسی بات کہی جس سے ہمارے قول کے مطابق وہ مباح الدم ہو جاتا ہے اور ہم نے اس پر قابو پا لیا اور اس نے دوبارہ اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے سے انکار کیا تو اسے قتل کیا جائے اور اس

کے مال کو مالِ غنیمت بنا لیا جائے۔"

مذکورہ صدر عبارت میں امام شافعی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ اگر ہم اس پر قابو پالیں اور وہ جزیہ دینا چاہے تو جزیہ کو قبول کیا جائے، اگر وہ جزیہ ادا نہ کرے اور اسلام بھی قبول نہ کرے تو اسے قتل کیا جائے اور اس کا مال لے لیا جائے، اس کے بارے میں اصحاب شافعی رحمہ اللہ سے دو قول منقول ہیں۔ اس ضمن میں امام احمد رحمہ اللہ سے ایک تیسری روایت منقول ہے اور وہ یہ کہ قیدی بنائے جانے کی صورت میں وہ غلام بن جائیں گے۔

ابن ابراہیم نے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اگر رومی یہود کو قید کر لیں، پھر مسلمان ان پر غالب آجائیں تو وہ ان کو فروخت نہیں کریں گے، ان کا احترام واجب ہوگا، البتہ اگر کوئی ان سے جزیہ ادا کرنے سے منحرف ہو جائے تو وہ غلاموں کی مانند ہوگا، امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ مالکیہ میں سے ابن القاسم اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ اگر کفار دارالاسلام سے نکل کر اپنا عہد توڑ ڈالیں، جزیہ دینے سے انکار کریں، احسان قبول نہ کریں اور دارالحرب میں چلے جائیں تو اُن کا عہد ٹوٹ گیا، جب عہد ٹوٹنے کے بعد ان کو قیدی بنا لیا جائے تو ان کے مال کو مالِ غنیمت تصور کیا جائے گا اور دوبارہ اُن کو ذمی نہیں بنایا جائے گا۔

اس طرح مالکیہ نے ان کو قیدی بنانا واجب قرار دیا اور دوبارہ ذمی بنانے سے روکا ہے، گویا انھوں نے ان کے ذمہ سے نکل جانے کو مرتد کے ارتداد کی مانند قرار دیا ہے کہ اس سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا مگر ان کو غلام بھی نہیں بنایا جا سکتا، اس لیے کہ ان کا کفر اصلی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا زاویۂ نگاہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کہتے ہیں کہ عہد توڑنے والا مرتد کی مانند ہو جاتا ہے مگر اُسے غلام بنا سکتے ہیں جبکہ مرتد کو غلام بنانا جائز نہیں، تاہم اگر ان پر قابو نہ پایا جا سکے، یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کرنے اور دوبارہ ذمی بننے پر آمادہ ہوں تو ان کو پھر ذمی ٹھہرایا جا سکتا ہے، اس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے شام کے اہل الکتاب کو نقضِ عہد کے بعد دوسری اور تیسری مرتبہ ذمی بنا لیا تھا، یہ واقعہ فتوح الشام میں مشہور ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ جب اہل ذمہ جزیہ دینے سے منکر ہو کر مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہوں اور امام عادل بھی موجود ہو تو ان سے لڑ کر ان کو واپس لایا جائے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک مشہور بات یہ ہے کہ ذمی قیدی کو دوبارہ ذمی

نہیں بنایا جا سکتا بلکہ اس کے مال کو مالِ غنیمت تصور کیا جاتا ہے، جب امام مالک رحمہ اللہ اس مسئلہ کی مخالفت نہیں کرتے تو دوسرے بالا ولیٰ اس کے مخالف نہیں ہوں گے، اس لیے کہ انھی کا یہ قول مشہور ہے کہ قیدی کو دوبارہ ذمی نہیں بنایا جا سکتا۔

اگر یہ لوگ دوبارہ ذمی بننا پسند کریں تو کیا اُن کی پیش کش واجب القبول ہے یا نہیں جس طرح اصلی حربی سے اس کو قبول کیا جاتا ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ذمی قیدی کو پھر ذمی بنایا جا سکتا ہے تو ان کو بار دیگر ذمی بنانا اولیٰ ہے اور اگر کہیں کہ واجب نہیں تو پھر ان کو ذمی بنانا بھی جائز نہیں، اس لیے کہ بنو قینقاع نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عہد کو توڑ دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن اُبی نے باصرار ان کی سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اذرعات کی طرف جلا وطن کر دیا اور مدینے میں رہنے کی اجازت نہ دی، حالانکہ وہ تجدیدِ عہد کر کے مدینہ میں رہنے کے خواہاں تھے۔

اسی طرح بنو قریظہ جب مسلمانوں کے خلاف جنگ آزما ہوئے تو انھوں نے صلح کر کے دوبارہ ذمی بننا چاہا، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قبول نہ کیا تو وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر راضی ہو کر قلعوں سے نیچے اتر آئے، جب بنو نضیر نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا تو انھیں اس شرط پر قلعوں سے اتارا کہ انھیں جلا وطن کر دیا جائے گا، حالانکہ وہ دوبارہ ذمی بن کر مدینہ طیبہ میں رہنے کے خواہاں تھے۔

یہ سب گروہ ذمی تھے جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ مدینہ کے دارالاسلام میں اللہ اور اُس کے رسول کا حکم نافذ ہوگا، عہد کنندہ مسلمانوں اور ذمی متعاہدین کے مابین اگر کوئی حادثہ رونما ہو تو اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا جائے گا، کتاب الصلح میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔[1] اگر ذمی عہد توڑ ڈالیں اور بعض مسلمانوں کو قتل کریں اور بعض کو جلاوطن کریں اور ان کی چاہت کے باوصف انھیں بارِ ثانی ذمی نہ بنایا گیا ہو تو معلوم ہوا کہ یہ واجب ہے نہ روا، اس لیے کہ سرزمین حجاز میں دو مذہبوں والے نہیں رہ سکتے، کفار کے لیے اقامت وہاں ممکن نہیں، اس لیے کہ یہ ابھی مشروع نہیں ہوا تھا، بلکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ کی زرہ مدینے کے ابو شحمہ یہودی کے یہاں مرہون تھی۔[2] مدینہ میں اور یہودی بھی تھے اور خیبر میں بکثرت یہودی بود و باش رکھتے تھے اور خیبر حجاز کا ایک حصہ ہے، مگر رسالت

---

[1] الأموال لأبي عبيد (ص: ٢١٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٩١٦)

ما آپ ﷺ نے مرض وفات میں یہ عہد کیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دیں گے[1] اور وہاں دو دین نہیں رہ سکیں گے،[2] خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ میں آپ ﷺ کے اس عہد کو نافذ کیا گیا۔[3]

ناقضِ عہد اور مرتد میں فرق:

عہد توڑنے والوں اور مرتدین میں فرق یہ ہے کہ جب کوئی مرتد دین اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس نے حرب و قتال کے مقصد کو پورا کر دیا، لہٰذا اس سے کسی اور بات کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اگرچہ ہمارا گمان یہ ہو کہ اس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہے، مگر ہمیں لوگوں کے سینے پھاڑ کر ملاحظہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ باقی رہے یہ لوگ تو اُن کی لڑائی سے باز رہنا، اگرچہ عہد کی وجہ سے ہے اور جس سے خیانت کا خوف ہو اس کے عہد کو رد کرنا ہمارے لیے جائز ہے، جس سے خوف دامن گیر ہو، اگر اس کے عہد کو اس کے منہ پر مارنا ہمارے لیے روا نہ ہوتا تو جب وہ عہد توڑ ڈالیں تو یہ بے وفائی کی علامت ہے کیونکہ عہد کو انھوں نے خوف اور بچاؤ کے لیے اختیار کیا تھا اور جب ان کا بس چلے گا تو یہ خوف ترکِ عہد کو جائز قرار دینے والا ہوگا اور وہ صرف جزیہ قبول کریں گے، جس طرح صلح کرنے والوں کے منہ پر عہد کو دے مارنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد توڑنے والے قیدی کو دوبارہ ذمی بنانا بالاولیٰ جائز نہیں، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اہل کتاب کی چاہت کے باوجود انھیں ذمی نہیں بنایا تھا، جب زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونے کی صورت میں ان کو دوبارہ ذمی نہ بنایا جائے تو یہ اولیٰ ہے، بنو قریظہ کی عہد شکنی کے بعد ان کے لڑاکا جوانوں کو قتل کیا گیا تھا اور انھیں ذمی نہیں بنایا گیا تھا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ [الفتح: ۱۰]

''اور جو عہد شکنی کرتا ہے تو اس کی ذمہ داری اس کی جان پر ہے۔''

اگر عہد توڑنے والے کے لیے یہ واجب ہوتا کہ جب بھی وہ عہد شکنی کرے اس کے ساتھ دوبارہ

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۰۵۳) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱٦۳۷)
2. مسند أحمد (٤٣/ ۳۷۱) رقم الحديث (۲٦۳٥۲) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (مجمع الزوائد (٥/ ٥٨٦)، رقم الحديث: ۹٦٦۱)
3. موطأ إمام مالك (۱۹، ۱۸، ۷۱)

معاہدہ کرلیا جائے تو اسے عہد شکنی کی سزا کا مطلقاً خوف نہ ہوتا بلکہ جب چاہتا اپنے عہد کو توڑ ڈالتا۔

مگر ہم اسے ذمہ کی طرف دوبارہ لوٹا سکتے ہیں، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس کو زبیر بن باطا القرظی کا اہل وعیال اور سب مال دے دیا تھا بشرطیکہ وہ ارض حجاز میں رہے، وہ بنوقریظہ کے عہد شکن قیدیوں میں سے تھا۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ عہد شکنی کے بعد بھی اہل ذمہ کو دارالاسلام میں اقامت کی اجازت دی جاسکتی ہے، جبکہ بنوقینقاع پر قابو پانے کے بعد ان کو اذرعات کی طرف جلاوطن کیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ عہد شکنی کے بعد بھی ذمیوں پر احسان کیا جاسکتا ہے اور جب عہد شکن قیدی پر احسان کرنا اور اسے دارالاسلام میں ٹھہرانا جائز ہے تو اس سے فدیہ لے کر چھوڑ دینا بالاولیٰ جائز ہے۔

ان ناقضینِ عہد کے بارے میں رسول کریم ﷺ کی سیرت سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان کو قتل کرنا بھی روا ہے اور ان کو ممنونِ احسان بنانا بھی بشرطیکہ دارالاسلام میں مقیم رہیں، اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو دارالحرب بھی جاسکتے ہیں، یہ بات ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو اُن لوگوں کو دوبارہ ذمی یا بارِ دیگر غلام بنانا چاہتے ہیں۔

اگر معترض کہے کہ ہمارے نزدیک اُن کو دوبارہ ذمی بنانا اس لیے واجب ہے کہ اُن کا غیر ذمی ہونا اور مسلمانوں کی جماعت سے نکل جانا، اسلام اور مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے یا یہ امن شکنی ہے، جو نقضِ ایمان کی مانند ہوتی ہے، جب اسلام سے برگشتہ ہونے والے سے وہ چیز قبول نہیں کی جاتی جو اصلی کافر سے قبول کی جاتی ہے، بخلاف ازیں اس سے صرف اسلام قبول کیا جاتا ہے، ورنہ قتل کر دیا جاتا ہے، اسی طرح جو شخص عہد شکنی کا مرتکب ہو اس سے بھی وہ چیز قبول نہیں کی جاتی جو اصلی حربی کافر سے قبول کی جاتی ہے بلکہ اس سے یا تو اسلام قبول کیا جاتا ہے یا عہد کی پابندی ورنہ اُسے قتل کر دیا جاتا ہے، نیز اس لیے کہ سابقہ عہد کی وجہ سے انھیں جو حرمت حاصل ہو چکی ہے وہ ان کو دوبارہ غلام بنانے سے مانع ہے، جس طرح سابقاً اسلام قبول کرنے کی حرمت مرتد کو غلام بنانے سے مانع ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ایک مرتبہ دین حق میں داخل ہو کر اس سے نکل جانے کی وجہ سے مرتد کا کفر مزید شدت اختیار کر گیا ہے، اب کسی وجہ سے بھی اس کو اس کفر پر قائم رہنے نہیں دیا جائے گا، پس یا تو وہ اسلام قبول کرے ورنہ دین کی عصمت بچانے کے لیے اُسے حتمی طور پر قتل کیا جائے گا، جس طرح فروج واموال کو تحفظ دینے کے لیے حدود شرعیہ کا قیام ازبس ناگزیر ہوتا ہے، اسے

---

[1] كتاب المغازي لعروة بن الزبير (ص: ١٨٨)

قید کرنا اس لیے جائز نہیں کہ اس طرح وہ اپنے ارتداد پر قائم رہے گا اور اس دین کی قدر و منزلت بڑھے گی جس کو اس نے اسلام کے عوض اختیار کیا ہے۔

باقی رہا عہد شکنی کرنے والا تو اس نے اس عہد کو توڑ ڈالا جس کی وجہ سے اسے تحفظ حاصل تھا، اب اس کی حرمت زائل ہوگئی اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں بلا عقد و عہد رہ گیا، اب وہ اس حربی کافر کی مانند ہے جس کو ہم نے قیدی بنایا ہو بلکہ اس سے بھی بدتر، ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا نہ تو جزیہ معاف کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی اور احسان کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ اللہ نے ہمیں اُن سے لڑنے کا حکم دیا ہے، حتی کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں، جس کو ہم جزیہ ادا کرنے سے قبل پکڑ لیں وہ اس آیت میں شامل نہیں، اس لیے کہ اس سے لڑا نہیں جاتا بلکہ قیدی بنانے کی صورت میں اللہ نے ہمیں اختیار دیا ہے کہ ہم اُسے بلا معاوضہ چھوڑ دیں یا فدیہ قبول کر کے رہا کر دیں مگر ذمی اور کتابی پر احسان کرنے کو واجب قرار نہیں دیا، نیز اس لیے بھی کہ قیدی کے ساتھ مسلمانوں کا حق بھی وابستہ ہوگیا ہے کہ وہ اسے قیدی بنا کر اس کا فدیہ وصول کر سکتے ہیں، لہٰذا اپنے حق کو بلا معاوضہ ترک کرنا ان پر واجب نہیں، بنا بریں اس کو قتل کرنا جائز ہے، اس لیے کہ وہ ایک غیر معاہد کافر ہے بلکہ ایک ایسے دور میں اپنے عہد کا رشتہ استوار کرنا چاہتا ہے، جب عہد کرنا اس کے ساتھ واجب نہیں اور اس کی وجہ سے اس کا خون محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اگر معترض کہے کہ جو لوگ اس کو دوبارہ ذمی بنانے اور اس کے مال کو مالِ غنیمت بنانے سے روکتے ہیں یا مفت میں قیدی پر احسان ہے اور اس سے مسلمانوں کا حق ضائع ہوتا ہے، اس لیے اُن کے اموال کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں: یہ اس بات پر مبنی ہے کہ قیدی پر احسان کرنا جائز نہیں مگر کتاب و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدی پر احسان کرنا ایک مستحسن فعل ہے اور جو شخص اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اس کے اثبات کے لیے دلیل کا محتاج ہے۔

اگر سائل کہے کہ ذمی کا عہد سے خروج اس پر سختی کا موجب ہے، لہٰذا اُسے یا تو قتل کیا جائے یا غلام بنا لیا جائے، جس طرح قتل کی سزا متعین کرنا مرتد کے لیے سختی کا موجب تھے، جب اس میں وہ بات جائز ہے جو اصلی حربی کافر کے حق میں جائز ہے تو دونوں کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہا۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جب اس کو غلام بنانا جائز ہے تو اُس پر جزیہ عائد کرنا بھی درست ہے، بشرطیکہ اللہ کا کوئی حق مانع نہ ہو، اس لیے کہ غلام بنانے کی صورت میں وہ صرف اپنے آپ کا مالک نہیں

رہتا۔ بعض اوقات حاکمِ وقت کے پیش نظر یہ مصلحت ہوتی ہے کہ اس پر جزیہ لگانے یا احسان کرنے یا فدیہ لینے میں زیادہ مصلحت پائی جاتی ہے، برخلاف مرتد کے کہ اس کو زندہ چھوڑنے میں کوئی مصلحت نہیں ہے اور برخلاف بت پرست کے جب ہم اس کے غلام بنانے کو جائز تصور کریں کیونکہ اس پر جزیہ لگانے سے اللہ کا حق یعنی اس کا دین مانع ہے، باقی رہا عہد شکنی کرنے والا تو اس کا دین نقض سے پہلے بھی وہی تھا اور بعد ازاں بھی وہی، نیز اس کے نقضِ عہد کا ضرر ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو اس سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں، لہٰذا اُس کا معاملہ حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے۔

کیا ناقضِ عہد کو قتل کرنا ضروری ہے؟

اگر معترض کہے کہ پھر تم نے اس اختلاف کا تذکرہ کیوں نہیں کیا کہ ایسے ناقض عہد کو قتل کرنا لازم ہے، جس طرح دیگر ناقضین کا، جیسا کہ آگے آ رہا ہے، حالانکہ ابوالخطاب نے کہا ہے:

۱۔ جب ہم ذمی کے نقضِ عہد کا فیصلہ کریں تو امام احمد رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اسے فی الفور قتل کیا جائے۔

۲۔ ابوالخطاب کہتے ہیں ہمارے شیخ کا قول یہ ہے کہ حاکم وقت کو اس میں چار امور کا اختیار ہے، ان کا یہ فیصلہ علی الاطلاق ہر ناقضِ عہد کے بارے میں ہے ایک گروہ نے مطلقاً اس ضمن میں ان کی پیروی کی ہے۔

۳۔ بعض علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ نقضِ عہد اس طرح کرے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو، مثلاً ان سے جنگ آزمائی کرنا۔

۴۔ اور اگر دارالحرب میں چلے جانے کی وجہ سے عہد شکنی کرے تو وہ قیدی کی مانند ہے، اس کی مؤید وہ حدیث ہے جس کو عبداللہ بن احمد نے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے نصاریٰ کی اس قوم کے بارے میں پوچھا جو عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ آزما ہوں، انھوں نے جواب دیا کہ ان کے بچوں کو نہ قید کیا جائے اور نہ قیدی بنایا جائے اور ان کے بالغ مردوں کو قتل کیا جائے۔ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا: اُن کے یہاں دارالحرب میں جو اولاد پیدا ہو اس کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: اُن کو قید کر کے قتل کر دیا جائے، میں نے اپنے والد سے پوچھا اگر ان کی اولاد میں سے کوئی بھاگ کر دارالحرب چلا جائے اور مسلمان اس کو قید کر لیں تو کیا آپ کے نزدیک ان کو غلام بنا لیا جائے؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے

فرمایا: اولاد کو قید کیا جائے نہ قتل کیا جائے، اس لیے کہ بچوں نے عہد شکنی نہیں کی ان کے بڑوں نے کی ہے، پھر ان کا گناہ کیا ہوا؟ اس طرح امام احمد رحمہ اللہ نے ان میں سے لڑنے والوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، یہ حکم انھوں نے محض عہد شکنی کی وجہ سے دیا یا عہد شکنی اور جنگ لڑنے کی وجہ سے۔

ہم قبل ازیں امام احمد رحمہ اللہ کی یہ تصریح قلم بند کر چکے ہیں کہ عہد شکنی کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ لڑنے والوں پر حربی کافروں کے احکام جاری کیے جائیں، جب ان کو قید کیا جائے تو حاکم ان کے بارے میں جو چاہے حکم صادر کرے۔

ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ جو ذمی دارالحرب میں چلا جائے اُسے غلام بنا لیا جائے اور دوسری روایت کے مطابق اسے دوبارہ ذمی بنا لیا جائے، اندریں صورت امام احمد رحمہ اللہ کے قول کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ ایسے ذمی کو قتل کرنا واجب ہے، جبکہ آپ نے اس کے خلاف تصریح کی ہے، جن لوگوں نے اس بات کو امام احمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے انھوں نے اس بات کو امام احمد رحمہ اللہ کے کلام سے اخذ کیا ہے، حالانکہ یہ صورت اس میں شامل نہیں ہے، نیز ابو الخطاب وغیرہ نے بھی دارالحرب میں چلے جانے والی صورت کو امام کے کلام میں شامل نہیں کیا، انھوں نے صرف عہد شکنی کرنے والے کا ذکر کیا ہے کہ وہ اُن اُمور کو ترک کر دے جو عہد کی رُو سے اس پر واجب ہیں یا مسلمانوں کے زیر تسلط ہونے کے باوجود ایسے کام کرے جن سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

علماء کے بقول امام احمد رحمہ اللہ کے ظاہری کلام سے اہل ذمہ کے حق میں قتل کا تعین ثابت ہوتا ہے اور بات صحیح بھی ہے، جس شخص نے علماء کے کلام سے یہ سمجھا کہ علماء کا یہ قول ہر ناقضِ عہد کے بارے میں ہے تو یہ ان کے اپنے ذہن کی اختراع ہے، علماء کا قول نہیں، جو شخص یہ کہتا ہے کہ دارالحرب کی طرف نقل مکانی، مسلمانوں کے خلاف نبرد آزمائی اور جزیہ کی عدم ادائیگی نقضِ عہد کے موجبات ہیں اسے چاہیے کہ دارالحرب اور دیگر امور کے مابین فرق و امتیاز ثابت کرے، جیسا کہ ہم نے امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کی تصریحات سے اس شخص کے بارے میں ثابت کیا ہے جو جزیہ نہ ادا کرنے کی وجہ سے اپنا عہد توڑ ڈالے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو شخص صرف دارالحرب کی طرف فرار کا مرتکب ہو اس نے مسلمانوں کو ایسا ضرر نہیں پہنچایا جس کی سزا اُسے بطور خاص دی جا سکے، البتہ اُس نے اس عہد کو توڑ دیا جو ہمارے مابین تھا، تو گویا وہ اس کافر کی طرح ہے جس نے کوئی عہد نہ کیا ہو۔ اس کی توضیح آگے آ رہی ہے۔

جو حربی کافر کی طرح دار العہد میں آ جائے:

یہ جان لینا چاہیے کہ جو ذمی دار الحرب میں چلا جائے وہ حربی قرار پائے گا، اس کے بعد اس سے جو جرائم صادر ہوں گے وہ ایک حربی کے جرائم ہوں گے کہ اسلام لانے یا دوبارہ ذمی بن جانے کی صورت میں اُن پر گرفت نہیں کی جائے گی۔ امام الخرقی فرماتے ہیں:

''جو ذمی دار الاسلام سے بھاگ کر دار الحرب چلا جائے اور اپنے عہد کو توڑ ڈالے گا حربی بن جائے گا۔''

اسی طرح اگر ذمی دار الاسلام میں جزیہ ادا کرنے سے انکار کریں یا کسی (شرعی) حکم کو نہ مانیں اور وہ قوت وشوکت بھی رکھتے ہوں جس کی بنا پر وہ لڑنے کے قابل ہوں تو انھوں نے عہد شکنی کرنے کے بعد جنگ کی اور اُن کا حکم وہی ہے جو حربی کافروں کا ہے، لہٰذا اُن میں سے جو کافر ہوں اُن کو قتل کرنا ضروری نہیں بلکہ حاکم وقت ان کے بارے میں اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرنے کا مجاز ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ اسے غلام بنانا جائز ہے، اس لیے کہ جس جگہ انھوں نے پناہ لی ہے وہ دار الحرب کا قائم مقام ہے، نیز انھوں نے مسلمانوں پر کوئی ایسی زیادتی نہیں کی جس کا آغاز ان کی طرف سے ہوا ہو بلکہ انھوں نے گھر جانے کے بعد اپنا دفاع کیا، جبکہ ان کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ محارب ہیں۔

ہمارے اصحاب میں سے جو لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے والے کو قتل کرنا ضروری ہے، نیز جو ذمی دار الحرب کو چلا جائے، امام اس کو اپنی صوابدید کے مطابق سزا دے سکتا ہے تو یہ اس صورت میں ہے جب ذمی لڑائی کا آغاز خود کرے، جبکہ انھوں نے عہد شکنی نہ کی ہو اور وہ مسلمانوں کے خلاف محاربین کی مدد کر رہا ہو لیکن جب لڑائی کا آغاز اس وقت کرے جب وہ اتنی قوت حاصل کر چکا ہو کہ وہ جزیہ ادا کرنے سے انکار کر سکتا ہو تو اس میں اور حربی کافر میں کچھ فرق نہیں، اسی لیے ہمارے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ مرتدین جب اس وقت مسلمانوں کی جان اور مال تلف کریں جب وہ پناہ حاصل کر چکے ہوں تو اس کے ضامن نہیں ہوں گے اور جو نقصان انھوں نے پناہ حاصل کرنے سے پہلے کیا وہ اس کے ضامن ہوں گے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

عہد شکنی کرنے والوں کی اولاد کا معاملہ:

باقی رہی وہ روایت جو عبداللہ نے اپنے والد امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کی ہے تو اس کا مقصد صرف

بالغ مردوں اور بچوں میں فرق و امتیاز کرنا ہے، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ بچوں کو قتل کرنا روا نہیں اور مردوں کو اسی طرح قتل کیا جائے جس طرح اہل حرب کو قتل کیا جاتا ہے، اسی لیے انھوں نے اولاد کے بارے میں یہ کہا ہے کہ جو بچے عہد شکنی کے بعد پیدا ہوں انھیں قیدی بنایا جائے اور قتل کیا جائے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ بچے اگر چھوٹے ہوں تو انھیں قید کر لیا جائے اور اگر بالغ ہو چکے ہوں تو انھیں قتل کیا جائے، یعنی اُن کو اسی طرح قتل کرنا جائز ہے جس طرح اصلی اہل حرب کو قتل کیا جاتا ہے، امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ مقصد نہیں کہ ان کو قتل کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ یہ بات خلافِ اجماع ہے۔ واللہ اعلم

قسم ثانی:

دوسری قسم کے ذمی وہ ہیں جو امام کے حکم سے سرتابی نہ کرتے ہوں، اُن کے بارے میں امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ ان کو عہد شکنی کرنے والا قرار نہیں دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اہل ذمہ کا عہد اُس وقت ٹوٹتا ہے جب وہ اتنی قوت و شوکت حاصل کر لیں جس کے بل بوتے پر امام کے حکم سے سرتابی کرنے لگیں اور امام ان پر شرعی احکام جاری نہ کر سکے، یا دارالحرب میں دوسروں سے پیچھے رہ جائیں، اس لیے کہ اگر وہ قوت و شوکت سے بہرہ ور نہ ہوں تو امام ان پر حدودِ شرعیہ جاری کر سکتا ہے اور واجب حقوق اُن سے وصول کر سکتا ہے، اس طرح وہ اس تحفظ سے خارج نہیں ہوں گے جو اُن کو حاصل ہے، ان کا معاملہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح باغیوں میں سے کوئی حاکمِ وقت کی اطاعت سے نکل جائے اور وہ قوت و شوکت سے بھی بہرہ ور نہ ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اُن کا عہد اس وقت ٹوٹے گا جب وہ عہد توڑ کر دارالاسلام سے نکل جائیں اور جزیہ دینے سے انکار کر دیں، نیز جبکہ ظلم کیے بغیر وہ ہم سے الگ ہو جائیں اور دارالحرب کو چلے جائیں تو ان کا عہد ٹوٹ جائے گا، مگر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے، مسلم عورت سے جبراً زنا کرنے والے اور اس قسم کے کام کرنے والے ذمی کو قتل کیا جائے۔"

باقی رہے امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تو ان کے نزدیک ذمیوں سے متعلق امور و افعال دو قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ ایک قسم کے افعال وہ ہیں جن کو انجام دینا ان پر واجب ہے۔

۲۔ دوسری قسم کے افعال وہ ہیں جن کو ترک کرنا اُن پر واجب ہے۔

قسم اول:

پہلی قسم کے افعال کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر ذمی ان افعال کو انجام دینے سے انکار کرے مثلاً جزیہ ادا کرنے سے انکار کریں یا حاکمِ وقت جب ان کو شرعی امور ادا کرنے کا حکم صادر کرے تو وہ انکار کر دیں تو ان کا عہد بلاشبہ ٹوٹ جائے گا۔

جزیہ نہ ادا کرنے والے کی سزا:

امام احمد رحمہ اللہ جزیہ نہ ادا کرنے والے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اگر وہ اکیلا ہے تو جبراً اُس سے وصول کیا جائے، اگر نہ ادا کرے تو اسے قتل کر دیا جائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا ہے، یہاں تک کہ وہ ذلت قبول کر ا کے اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں، جزیہ ادا کرنے کا ایک آغاز ہے اور ایک انجام، اس کا آغاز التزام اور اس کو اپنے ذمے لینے سے ہوتا ہے اور انجام ادا کرنے اور دینے سے۔"

"الصغار" (ذلت) کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب پر مسلمانوں کے احکام نافذ کیے جائیں اگر وہ جزیہ ادا نہ کریں یا کریں مگر جھک کر اور تابعدار ہو کر نہ کریں تو وہ آخری حد ساقط ہوگئی جس تک لڑنے کا حکم دیا گیا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جنگ پھر سے شروع ہو جائے گی۔

نیز اس لیے کہ ان کے خون کو تحفظ جزیہ ادا کرنے اور احکام پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ملا تھا، جب اُس سے انھوں نے انکار کر دیا اور اس کی ضد پر عمل پیرا ہوئے تو وہ اس کی طرح ہو گئے جس کا خون اسلام لانے کی وجہ سے محفوظ ہوا تھا مگر اس نے اس سے انکار کر دیا اور زبان سے کلمۂ کفر بکنے لگا۔

اور جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے تو یہ ضروری ہے کہ وہ بایں طور اس سے انکار کرے کہ اُس سے اس کا وصول کرنا ممکن نہ ہو، مثلاً ایک جسمانی حق سے انکار کرے جس کو انجام دینا یا دوسرے کے ذریعے اس کی تکمیل کرنا دائماً ناممکن ہو، یا جزیہ ادا کرنے سے انکار کرے، جیسا کہ ہم نے مسلم کے بارے میں کہا جب وہ صلوۃ وزکوۃ سے منکر ہو، باقی رہی یہ صورت کہ اس پر حاکمِ وقت سے جنگ آزما ہو تو نقضِ عہد کی حد یہی ہے، مثلاً کوئی شخص ترک صلوۃ وزکوۃ کے باوجود جنگ کرے۔

قسم ثانی:

یعنی وہ امور جن کو ترک کرنا ان پر واجب ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک نوع وہ ہے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔

۲۔ دوسری نوع وہ ہے جس سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔

نوع اول کی پھر دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک قسم وہ ہے جس سے مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچتا ہو، مثلاً یہ کہ کسی مسلم کو قتل کر دے، رہزنی کا مرتکب ہو، جنگ میں مسلمانوں کے مخالفین کی مدد کرے، دشمن کے لیے جاسوسی کرے بایں طور کہ خط لکھ کر انھیں اطلاع کرے یا بات چیت کر کے مسلمانوں کے راز افشا کرے، دشمنوں کے جاسوس کو اپنے یہاں ٹھہرائے، مسلم عورت کے ساتھ زنا کرے یا نکاح کے نام سے مسلمہ کے ساتھ بدکاری کا مرتکب ہو۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جس سے مسلمانوں کو دُکھ پہنچتا ہو اور ان کی تحقیر ہوتی ہو، مثلاً یہ کہ اہل کتاب اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کو بُرا بھلا کہیں۔

نوع ثانی وہ ہے جس سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو اور ان کی تحقیر ہوتی ہو، مثلاً:

۱۔ اونچی آواز سے اپنے مذہبی شعائر کا اعلان کرنا۔

۲۔ ناقوس بجانا اور اپنی مقدس کتاب کو بلند آواز سے پڑھنا۔

۳۔ مسلمانوں جیسی شکل وصورت بنانا اور اُن جیسا لباس پہننا۔

قبل ازیں ہم بتا چکے ہیں کہ ان جملہ اُمور کے بجالانے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے، جب ان میں سے کسی بات پر عمل کر کے ذمی اپنا عہد توڑ ڈالے جبکہ وہ مسلمانوں کے قبضہ میں بھی ہو، مثلاً کسی مسلم عورت کے ساتھ زنا کرے یا کفار کے لیے جاسوسی کرے تو امام احمد رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق اسے قتل کیا جائے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنا عہد توڑ دے یا اسلام میں کسی نئی بات کا آغاز کرے (یعنی رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دے) تو میرے نزدیک اُسے قتل کرنا واجب ہے، اس لیے کہ یہ عہد اور ذمہ اُسے اس لیے نہیں دیا گیا تھا۔ انھوں نے تصریح کی ہے کہ جو عہد شکنی اور فساد کا موجب ہو اُسے قتل کیا جائے۔ قبل ازیں امام موصوف کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ جو شخص محض واجبات کا انکار کر کے نقضِ عہد کرے وہ حربی کافر کی مانند ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ اگر کوئی ذمی مسلم عورت کے ساتھ بدکاری کا مرتکب ہو تو اُسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ ان کے ساتھ مصالحت کرنے کا یہ مقصد نہ تھا۔ اگر عورت

اس بدفعلی پر رضا مند ہو تو اس پر حد لگائی جائے اور اگر اس کے ساتھ جبراً یہ فعل کیا گیا تو عورت کسی سزا کی مستحق نہیں۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہودی مسلم عورت کے ساتھ زنا کرے تو اسے قتل کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک یہودی کو لایا گیا جس نے ایک مسلم عورت کو پہلے پیٹا اور پھر اس کے ساتھ زنا کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ زنا نقضِ عہد سے بھی بڑا جرم ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی عیسائی غلام مسلم عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''زانی اگر غلام بھی ہو تو بھی اُسے قتل کیا جائے۔''

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی مجوسی کسی مسلم عورت کے ساتھ زنا کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے، کیونکہ اس نے نقضِ عہد کیا ہے۔ زانی اگر اہل کتاب میں سے ہو تو بھی اُسے قتل کیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کو اس جرم میں سولی دی تھی کہ اس نے مسلم عورت کے ساتھ زنا کیا۔ فرمایا: یہ نقضِ عہد ہے'' امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس کو سولی دے کر قتل کر سکتے ہیں؟ فرمایا: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے تو اسی طرح ثابت ہوتا ہے۔'' گویا امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی بات پر کوئی تنقید نہ کی۔

مُہنا کہتے ہیں: میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے ایک یہودی یا عیسائی کے بارے میں پوچھا جو ایک مسلم عورت کے ساتھ بدکاری کرے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ انھوں نے فرمایا: ''اسے قتل کیا جائے۔'' میں نے اپنا سوال دُہرایا تو انھوں نے پھر وہی جواب دیا، میں نے کہا: لوگ تو کہتے ہیں کہ اس پر حد لگائی جائے گی، فرمایا: ''نہیں، بلکہ اسے قتل کیا جائے گا۔'' میں نے کہا: اس کی دلیل کیا ہے؟ فرمایا: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔''

امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب کی ایک جماعت نے ان سے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی ذمی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرے تو اُسے قتل کیا جائے، امام موصوف سے دریافت کیا گیا اگر وہ اسلام لے آئے تو پھر؟ فرمایا: ''اُسے قتل کیا جائے یہ اس پر واجب ہو چکا ہے۔''

بایں طور امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ اس کو قتل کرنا ہر حال میں واجب ہے، خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اگر وہ اسلام قبول کر لے تب بھی اسے قتل کرنا واجب ہے، اس پر وہ حد لگائی جائے جو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں تفریق کرتی ہے، اس میں امام احمد رحمہ اللہ نے خالد الحذاء کی روایت کردہ حدیث کی پیروی کی ہے، خالد بطریق ابن اَشوع از شعبی از عوف بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک عورت کو ڈنڈا رسید کیا اور پھر اس سے زنا کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو

مصلوب کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔[1]

مروزی نے اس کو بطریق مجالد از شعبی از سوید بن غفلہ روایت کیا ہے کہ ملک شام میں ایک مسلمان عورت گدھے پر سوار تھی تو ایک ذمی نے گدھے کو ڈنڈا مارا جس سے عورت نیچے گر گئی، ذمی نے اپنے آپ کو اس پر گرا دیا، عوف بن مالک نے اُسے دیکھا اور سر پر ڈنڈا مار کر اسے زخمی کر دیا۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عوف کی شکایت کی۔ عوف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماجرا بیان کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کو بلوا کر پوچھا تو اس نے عوف کی تصدیق کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہماری بہن نے شہادت دی ہے۔'' چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے مصلوب کیا گیا، یہ اسلام میں پہلا مصلوب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ارے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ سے ڈرو اور ان پر ظلم نہ کرو، جو شخص ایسا کام کرے اس کا کوئی ذمہ نہیں۔''

سیف نے الفتوح میں اس واقعہ کو بروایت عوف بن مالک تفصیلاً ذکر کیا ہے، اس نے ذکر کیا ہے کہ گدھے نے عورت کو گرا دیا تھا اور نبطی آدمی نے اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تو اُس نے انکار کیا اور فریاد چاہی، عوف کہتے ہیں کہ میں نے اپنی لاٹھی لی اور پیچھے چل دیا، میں نے اس سے مل کر اس کے سر پر ایک گرہ دار لاٹھی ماری اور اپنے گھر لوٹ آیا۔ اس روایت میں ہے کہ عوف نے نبطی سے کہا: مجھے سچ سچ بتا دو۔ چنانچہ نبطی نے اصل واقعہ بیان کر دیا۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاسوس اگر ذمی ہو تو اس کا عہد ٹوٹ گیا، اس لیے اُسے قتل کیا جائے، امام موصوف راہب کے بارے میں کہتے ہیں کہ اسے نہ قتل کیا جائے نہ ستایا جائے اور نہ ہی اس سے کچھ پوچھا جائے، الا یہ کہ اس کے بارے میں پتہ چلے کہ وہ کفار کو مسلمانوں کی خامیوں سے آگاہ کرتا ہے تو اندریں صورت وہ مباح الدم ہو جاتا ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کو گالی دے کر اپنا عہد توڑ ڈالے تو اسے قتل کیا جائے۔

اس کے بعد ہمارے اصحاب میں اختلاف رونما ہوا، چنانچہ القاضی اور اُن کے اکثر اصحاب، مثلاً ان کے والد ابو الحسین اور الشریف ابی جعفر اور ابو المواہب العکبری، ابن عقیل اور ان کے بعد میں آنے والے چند لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص ان امور اور دیگر وجوہ کی بنا پر اپنا عہد توڑ دے تو اس کا حکم وہی ہے جو قیدی کا ہے۔ اس کی سزا کا انحصار امام کی صوابدید پر ہے جس طرح قیدی کے بارے میں امام

[1] مصنف عبد الرزاق (٦/ ١١٤) رقم الحديث (١٠١٦٧)

کو اختیار ہے کہ اُسے قتل کرے، بلا عوض رہا کر دے، غلام بنا لے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے، حاکم کو وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جو مسلمانوں کے حق میں موزوں تر ہو۔

قاضی "المجرد" میں رقمطراز ہیں:

"جب ہم کہتے ہے کہ اس کا عہد ٹوٹ گیا تو ہم اس سے جملہ حقوق وصول کریں گے، مثلاً قتل، حد، تعزیر، اس لیے کہ ہمارے مابین معاہدہ اس بات پر ہوا تھا کہ ذمی مسلمانوں کے احکام پر عمل کرے گا اور ہمارے احکام یہی ہیں، جب ہم اپنے حقوق اُس سے وصول کر لیں تو امام کو اختیار ہے کہ اُسے قتل کرے یا غلام بنائے اُس کو اس کے وطن کی طرف نہ بھیجا جائے، اس لیے کہ ان امور کی وجہ سے اس کا عہد ٹوٹ گیا اور عہد ٹوٹنے کے بعد وہ پہلے کی طرح ہو گیا اور اب وہ اس طرح ہے جیسے کوئی عیسائی دارالاسلام میں آ گیا ہو۔"

قاضی اپنی کتاب "الخلاف" میں لکھتے ہیں:

"عہد شکنی کرنے والے کا حکم وہی ہے جو حربی قیدی کا ہے، حاکم کو اس کے بارے میں چار باتوں کا اختیار ہے، یعنی اسے قتل کرے، اگر چاہے تو غلام بنائے، احسان کر کے بلا فدیہ چھوڑ دے یا فدیہ وصول کرے۔"

اس لیے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ قیدی کے بارے میں حاکم کو چار باتوں کا اختیار ہے، قیدی کا یہ حکم اس لیے ہے کہ وہ بلا امان ہمارے قبضے میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ حاکم ان میں سے وہ کام کرے جو مسلمانوں کے حق میں موزوں تر ہو، اپنی آخری کتاب "الخلاف" میں قاضی نے گالی دہندہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا اور کہا کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور اسے لازماً قتل کیا جائے، امام کو اس کے قتل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے، اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان لگانا ایک فوت شدہ شخصیت (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کا حق ہے، اس لیے وہ توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہو گا، جس طرح کسی اور شخص پر بہتان طرازی کی جائے تو وہ معاف نہ ہو گی۔

ان لوگوں کے حق میں مذہب سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام اور تعلیل کو عموم پر محمول کیا جائے، امام احمد رحمہ اللہ اہل ذمہ کی ایک جماعت کے بارے میں فرماتے ہیں، جو عہد توڑ کر اپنی اولاد کو دارالحرب لے گئے، پھر ان کو تلاش کر لیا گیا اور وہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو گئے، امام احمد فرماتے ہیں کہ جب اہل ذمہ اپنا عہد توڑ ڈالیں تو ان میں سے جو بالغ ہوں گے ان پر وہی

احکام جاری ہوں گے جو اہل حرب پر کیے جاتے ہیں جبکہ ان کو قید کر لیا جائے، پھر ان کا معاملہ حاکم وقت کی صوابدید پر منحصر ہے، ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے، بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ امام اگر چاہے تو اُن کو دوبارہ ذمی بنالے بشرطیکہ اس میں کوئی مصلحت پائی جاتی ہو، جیسا کہ امام موصوف نے اصل حربی اسیر کے بارے میں فرمایا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہر دو اقوال میں سے یہی قول صحیح ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں سے جو نقضِ عہد کا مرتکب ہو اسے اس کے وطن میں پہنچا دیا جائے، امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے بعض سبِّ رسول کو بطور خاص مستثنیٰ کرتے ہیں اور اس کو حتمی طور پر قتل کا موجب ٹھہراتے ہیں، دیگر جرائم کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یہ نہیں، بعض اصحاب کے نزدیک قتل کا حکم عام ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ جہاں تک اُن کے الفاظ کا تعلق ہے تو وہ ''کتاب الام'' میں فرماتے ہیں:

''جب امام جزیہ کا صلح نامہ لکھنا چاہے تو وہ یوں تحریر کرے۔ اس کے آگے وہ اس کی شرائط تحریر کرتے ہیں، پھر فرماتے ہیں: شرط یہ ہے کہ اگر تم (اہل ذمہ) میں سے کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کتاب اللہ یا دین اسلام کا تذکرہ نازیبا الفاظ میں کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ، امیر المومنین اور تمام اہل اسلام بری الذمہ ہو جائیں گے، اس کو دی گئی امان ختم ہو جائے گی اور امیر المومنین کے لیے اس کا خون و مال اسی طرح مباح ہو جائے گا جس طرح حربی کافروں کا خون مباح ہوتا ہے، نیز اہل ذمہ میں سے کوئی اگر کسی مسلمہ کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو یا نکاح کے نام سے زنا کرے یا رہزنی کرے یا کسی مسلم کو دین سے برگشتہ کرے یا مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں کی مدد کرے یا اُن کو مسلمانوں کی خامیوں سے آگاہ کرے یا اُن کے جاسوسوں کو اپنے یہاں ٹھہرائے تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا، اب اس کا خون اور مال مباح ہے اور اگر کسی مسلمان کے خلاف اس سے کم درجہ کا جرم کرے تو اس کی سزا اُسے دی جائے گی، پھر کہتے ہیں کہ یہ شروط لازمہ ہیں، اگر وہ انھیں پسند کرے تو فبہا ورنہ نہ تو اس کے ساتھ معاہدہ طے پائے گا اور نہ جزیہ۔''

آگے فرماتے ہیں:

''جس نے بیان کردہ امور میں سے کوئی بات کہی یا کی جن سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور پھر

اسلام لایا تو اگر یہ قول یا فعل ہو تو اسے قتل نہ کیا جائے الا یہ کہ دین اسلام میں یہ بات مذکور ہو کہ ایسا کرنے والے کو از روئے حد و قصاص قتل کیا جائے تو اندریں صورت اسے حد و قصاص میں قتل کیا جائے، نقضِ عہد کے جرم میں نہیں اور اگر مذکورہ امور میں سے کوئی کام کرے جن کے بارے میں ہم نے کہا ہے کہ اُن سے عہد ٹوٹ جاتا ہے مگر اس نے اسلام قبول نہ کیا اور کہا کہ میں توبہ کروں گا اور حسب سابق جزیہ ادا کیا کروں گا یا از سرِ نو صلح کر لوں گا تو اُسے سزا دی جائے اور قتل نہ کیا جائے الا یہ کہ اس نے ایسا کام کیا ہو جس سے قصاص یا حد لازم آتی ہے۔ اس سے چھوٹے درجے کے قول و فعل کے عوض اُسے سزا دی جائے اور قتل نہ کیا جائے۔''

وہ مزید فرماتے ہیں:

''اگر اس نے سابق الذکر اقوال و افعال میں سے کچھ کیا جن سے وہ مباح الدم ہو جاتا ہے، پھر اسے پکڑ لیا گیا مگر اس نے اسلام لانے اور جزیہ ادا کرنے سے انکار کیا تو اسے قتل کیا جائے اور اس کے مال کو بطورِ غنیمت لے لیا جائے۔''

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اسلام لانے اور دوبارہ ذمی بننے سے انکار کرے تو وہ واجب القتل ہے۔

ابوالخطاب نے ''الہدایہ'' میں، نیز حلوانی اور ہمارے کثیر متاخرین اصحاب نے امام احمد رحمہ اللہ کے فرمودات پر عمل کرنے میں متقدمین کے موقف کو اختیار کیا ہے اور یہی بات درست بھی ہے۔ امام احمد نے تصریح کی ہے کہ جو ذمی مسلم عورت کے ساتھ زنا کر کے مسلمان ہو جائے تو اسے حتماً قتل کیا جائے، اُن کے نزدیک یہ جرم دارالحرب جا کر عہد توڑنے سے بھی شدید تر ہے۔ انھوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ معاملہ اسیر کی طرح حاکمِ وقت کے سپرد ہے۔ انھوں نے صراحتاً فرمایا ہے کہ امام کو قتل کرنے کا اختیار ہے مگر امام احمد رحمہ اللہ کی تصریحات پر غور کرنے والے پر پوشیدہ نہیں کہ مطلقاً تخییر کا قول ان کی تصریحات کے منافی ہے۔

باقی رہے امام ابوحنیفہ تو یہ مسئلہ ان کے طے کردہ معیار پر پورا نہیں اترتا، اس لیے کہ ان کے نزدیک ذمیوں کا عہد تب ٹوٹتا ہے جبکہ وہ قوت و شوکت سے بہرہ ور ہونے کی وجہ سے امام کے احکام ماننے سے انکار کر دیں اور امیر ان پر شرعی احکام نافذ نہ کر سکے، امام مالک کا موقف یہ ہے کہ اہل ذمہ کا

عہد اس صورت میں ٹوٹتا ہے کہ جب وہ شرعی احکام کی تعمیل کا انکار کر کے ظلم و ستم ڈھائے بغیر جزیہ کا انکار کر دیں یا دارالحرب کو چلے جائیں مگر ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے گالی دہندہ کو قتل کرنا ہی متعین ہے (اُسے دوسری کوئی سزا نہیں دی جا سکتی) فرماتے ہیں کہ ذمی اگر مسلم عورت کو زنا پر مجبور کرے اور وہ آزاد عورت ہو تو ذمی کو قتل کیا جائے گا، اگر لونڈی ہو تو ذمی کو سخت سزا دی جائے، امام مالک کے نزدیک اہل اسلام کو ضرر پہنچانے والے اہل ذمہ کا قتل لازم ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دارالامان میں پہنچا دیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دارالاسلام میں اسے امان حاصل تھی، لہٰذا اُسے قتل نہیں کیا جا سکتا جب تک اُسے امن کی جگہ نہ پہنچایا جائے، یہ اسی طرح ہے جیسے ایک بچے کے امان دینے پر داخل ہوا ہو۔ مگر یہ نہایت ضعیف دلیل ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۞ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ ﴾ [التوبة: ۱۲، ۱۳]

''اور اگر عہد باندھنے کے بعد اپنا عہد توڑ ڈالیں اور تمھارے دین پر طعنہ زن ہوں تو کفار کے بڑوں کو قتل کر دو، ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ باز آ جائیں، تم اس قوم سے آخر کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں۔''

اگرچہ یہ آیت اُن کافروں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنھوں نے صلح کی ہو، مگر اس کے لفظی و معنوی عموم میں ذمی عہد شامل ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے، مزید برآں اللہ کا فرمان ہے کہ انھیں جہاں پاؤ قتل کر دو، اس عموم میں ان کا محفوظ اور غیر محفوظ ٹھکانہ سب شامل ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان سے لڑنے کا حکم دیا ہے، یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں، لہٰذا اگر جزیہ ادا نہ کریں یا ذلیل نہ ہوں تو بلا شرط اُن سے لڑنا جائز ہے۔

نیز اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جس روز کعب بن اشرف کو قتل کیا گیا تھا رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس یہودی کو دیکھیں قتل کر دیں، حالانکہ وہ معاہد تھے، آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ان کو ان کے دارالامن میں پہنچا دیا جائے، اسی طرح جب بنو قینقاع نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو آپ نے ان سے جنگ لڑی اور اُن کو اُن کے دارالامن میں نہیں پہنچایا تھا، جب بنو قریظہ نے عہد توڑا تو آپ نے ان سے جنگ کر کے انھیں قیدی بنا لیا اور ان کے دارالامن تک نہ پہنچایا۔

اسی طرح رسول کریم ﷺ نے چوری چھپے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے جتلایا نہیں کہ آپ ﷺ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کو اس کے محفوظ ٹھکانہ پر پہنچاتے۔ علی ہذا القیاس آپ ﷺ نے بنونضیر کو اس شرط پر قتل کیا کہ اپنے ہمراہ صرف وہ اشیاء لے جائیں جن کو اونٹوں پر لادا جا سکے، ماسوا (لوہے کے) ایک کڑے کے، ظاہر ہے کہ اسے محفوظ ٹھکانے تک پہنچانا نہیں کہتے، اس لیے کہ جو شخص اپنے محفوظ ٹھکانے پر پہنچ جائے وہ اپنی جان و مال اور اہل و عیال کی طرف سے بے فکر ہو جاتا ہے، بنا بریں جب سلام بن ابی الحقیق وغیرہ یہودیوں نے خیبر میں عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو آپ نے انھیں ان کے دار الامن میں پہنچائے بغیر قتل کر دیا۔

نیز اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کے صحابہ حضرت عمر، ابو عبیدہ، معاذ بن جبل اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہم نے اس نصرانی کو قتل کر دیا جو ایک مسلمان عورت کے ساتھ بدکاری کرنا چاہتا تھا مگر کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا، آپ نے اس کو اس کے محفوظ ٹھکانے تک نہ پہنچایا تو گویا اس پر اجماع منعقد ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ پر جو شرائط عائد کی تھی ان میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر ہم نے کسی چیز کی خلاف ورزی کی جس کی ہم نے ذمہ داری لی ہے تو ہمارا ذمہ باقی نہیں رہے گا اور ہماری وہ تمام اشیا تمھارے لیے حلال ہوں گی جو مخالفین و اعداء کے لیے حلال ہوتی ہیں۔

اس کو حرب نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ اور حضرت عمر، ابوبکر، ابن عمر، ابن عباس، خالد بن الولید وغیرہم رضی اللہ عنہم کے بارے میں پیچھے گزر چکا ہے کہ انھوں نے عہد شکنی کرنے والوں کو قتل کیا یا ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، اور ان کو ان کے دار الامن تک نہیں پہنچایا تھا، نیز اس لیے کہ اس کا خون مباح تھا۔ ان کے خون کو تحفظ صرف ذمی ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا تھا، جب ذمہ باقی نہ رہا تو اصلی اباحت واپس آ گئی، نیز اس لیے کہ اگر کافر دار الاسلام میں امن کے بغیر داخل ہو اور ہمارے قبضے میں آ جائے تو دار الاسلام میں اس کو قتل کرنا جائز ہے، مگر جو کافر کسی بچے کے امان دینے پر دار الاسلام میں داخل ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مامون سمجھتا ہے، اس لیے اُسے امان کا شبہ حاصل ہو چکا ہے، لہٰذا اُسے قتل کرنا ممنوع ہے۔

مثلاً کوئی شخص کسی عورت کو اپنے لیے حلال سمجھ کر اس کے ساتھ زنا کرے تو اس پر حد شرعی نہیں، اسی طرح اس کے دار الاسلام میں داخل ہونے کو کوتاہی پر محمول کیا جائے گا، بخلاف ازیں اس شخص کو نہ امان حاصل ہے نہ امان کا شبہ، اس لیے اس کا محض دار الاسلام میں داخل ہونا بالاتفاق شبہ نہیں ہے، بلکہ

یہ نقضِ عہد کی جسارت اور اس کو اہمیت نہ دینے کے مترادف ہے، اُسے معلوم ہے کہ مسلمانوں نے ان کے ساتھ مصالحت اس لیے نہیں کی تھی، اب اس کے لیے کیا عذر باقی ہے کہ اُسے بحفاظت اس کے دارالامن میں پہنچا دیا جائے، البتہ اگر اس قسم کے نواقض عہد کا مرتکب ہو جس کے بارے میں اُسے معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کا تذکرہ اس انداز میں کرے یا بدیں خواہ کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ روا ہے تو اسے معذور تصور کیا جائے گا اور اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا، جب تک کہ دانستہ اس کی جسارت نہ کرے، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسطنطین نصرانی کے ساتھ کیا تھا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ذمی ہمارے قبضہ میں آ جائے تو وہ حربی قیدی کی طرح ہے، وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ کافر ہمارے قبضہ میں ہے، اس لیے مباح الدم ہے اور جو شخص بھی ایسا ہو وہ قیدی ہوتا ہے، اس لیے ہم اسے قتل کر سکتے ہیں، جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کروایا تھا۔

نیز ہم اُسے ممنون بھی کر سکتے ہیں، جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اُثال الحنفی اور ابو عزہ جمحی پر احسان کیا تھا، اور اگر چاہیں تو فدیہ بھی لے سکتے ہیں جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیل وغیرہ سے لیا تھا، ہم اُسے غلام بھی بنا سکتے ہیں، جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے قیدیوں کو غلام بنا لیا تھا، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولؤلؤ اور عباسیہ کے ممالیک وغیرہ۔ باقی رہا قیدی کو قتل کرنا اور اسے غلام بنانا تو میرے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، البتہ اس کو بلا معاوضہ رہا کرنے اور فدیہ لینے کے بارے میں علماء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ باقی ہے یا منسوخ ہو گیا، جیسا کہ اپنی جگہ مذکور ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نقضِ عہد کے بعد وہ ایسے ہو گیا جس طرح پہلے تھا اور وہ حربی کافر جس نے عہد کیا ہو جب وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے اُسے قتل کرنا بھی جائز ہے اور غلام بنانا بھی، چونکہ اس نے عہد توڑا ہے اس لیے اسے قتل بھی کر سکتے ہیں اور غلام بھی بنا سکتے ہیں، یہی سلوک اس کافر کے ساتھ کیا جاتا ہے جو دارالحرب کو چلا جائے یا قیدی ہونے کے بعد کافروں کے طاقت ور گروہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو، بلکہ یہ اولیٰ ہے، اس لیے کہ عہد کا ٹوٹ جانا اس کے ساتھ متفق علیہ ہے، لہٰذا یہ شدید تر ہے، جب اس میں قیدی والا حکم لگایا جاتا ہے تو اس میں بالاولیٰ یہ حکم صادر کیا

جائے گا، البتہ جب نقض عہد ایک ایسے فعل کی وجہ سے ہو جس کی مخصوص سزا ہوتی ہے مثلاً یہ کہ کسی مسلم کو قتل کرے یا رہزنی کا مرتکب ہو تو اُسے یہی سزا دی جائے گی، خواہ قتل کرنے کی صورت میں ہو یا کوڑوں کی شکل میں۔ اگر اس جرم کی سزا دینے کے بعد زندہ رہا تو وہ اس حربی کافر کی طرح ہوگا جس پر کوئی شرعی حد نہیں لگائی جاتی۔

جو لوگ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے اور دیگر عہد شکن اُمور میں فرق کرتے ہیں اُن کا موقف یہ ہے کہ (گالی) رسول کریم ﷺ کا حق ہے جو آپ ﷺ نے معاف نہیں کیا، اس لیے گالی دینے والے کو غلام بنا کر یا اس کی توبہ قبول کر کے اس سزا کو ساقط نہیں کیا جا سکتا، البتہ رسول کریم ﷺ کے علاوہ دوسروں کو گالی دینا ایک جداگانہ نوعیت کا حامل ہے، رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کے مسئلہ کے دلائل کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب ذمی مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر عہد شکنی کرے تو وہ واجب القتل ہے اس کو کوئی دوسری سزا نہیں دی جا سکتی، لیکن اگر اس سے صرف دارالحرب کو چلے جانے اور اسلامی احکام سے سرتابی کا جرم سرزد ہو تو اس کو کوئی اور سزا بھی دی جا سکتی ہے، اس کی دلیل سورۃ التوبہ کی آیات (۱۲، ۱۳) ہیں۔ (جن کا ترجمہ قبل ازیں تحریر کیا گیا ہے) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا ہے جو عہد شکنی کے مرتکب ہوں اور دین اسلام کو ہدفِ طعن و تنقید بنائیں۔

ظاہر ہے کہ نقضِ عہد اس جنگ کا موجب ہے جو عہد سے قبل بھی واجب تھا اور اب وہ مزید ضروری ہو گیا، یہ امر ناگزیر ہے کہ اب اس حکم میں مزید تاکید پیدا ہو گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کافر معاہد نہ ہو اس کے ساتھ جنگ سے باز رہنا جائز ہے، بشرطیکہ مصلحتِ وقت اس کی مقتضی ہو، اسے غلام بنانا بھی جائز ہے، برخلاف اس شخص کے جو عہد توڑتا اور دین اسلام کو ہدفِ طعن بھی بناتا ہے، لہٰذا توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اس سے لڑنا واجب ہے، ہر گروہ جس سے لڑنا ایسے فعل کو دہرائے بغیر واجب ہو جس سے افراد کا خون مباح ہو جاتا ہے تو اُن میں سے ایک کو قتل کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ ہمارے قبضے میں ہوتے ہوئے ایسا کام کرے، مثلاً ارتداد، قتل فی المحاربہ، زنا اور ایسے اُمور، برخلاف بغاوت کے کہ اس سے کسی گروہ کا خون اس وقت مباح ہوتا ہے جب وہ دینی احکام سے منکر ہو، اور برخلاف اس کفر کے جس کے ساتھ عہد نہ کیا گیا ہو تو ایسے لوگوں کو فی الجملہ قتل کیا جا سکتا ہے۔

آیت کریمہ:

﴿ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ ﴾ [التوبة: ١٤]

''اللہ اُن کو تمھارے ہاتھوں سے سزا دے اور اُن کو رسوا کرے۔''

اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینا چاہتا ہے اور یہ ایک آدمی سے اسی صورت میں ممکن ہے جب اُسے قتل کیا جائے اور اگر اسے معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے یا غلام بنا لیا جائے تب بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، البتہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ عہد شکنی کرنے والوں میں سے کسی کو سزا دے کر جس کی توبہ چاہے اُن میں سے قبول کرے اور مغلوب کر کے اُسے رسوا کرے۔ اس لیے کہ جس سزا اور ذلت سے اللہ نے ان کو دوچار کیا ہے ان کو عہد شکنی اور طعن سے روکنے کے لیے کافی ہے، مگر مرد واحد کی صورت میں اگر اُسے قتل نہ کیا گیا بلکہ اس پر احسان کیا گیا تو اس فعل قبیح سے روکنے کے لیے یہ بڑی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

مزید برآں رسول کریم ﷺ نے جب بنو قریظہ کو قید کیا تو لڑنے والے مردوں کو قتل کیا اور بچوں کو قیدی بنایا، ماسوا ایک عورت کے جس نے چکی کا ایک پاٹ قلعہ کے اوپر سے ایک مسلمان پر گرا دیا تھا، جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس عورت کا واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ معروف ہے۔[1] اس طرح رسول کریم ﷺ نے صرف نقضِ عہد کرنے والوں اور نقض کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ستانے والوں کے ساتھ الگ الگ سلوک کیا تھا، آپ ﷺ کو جب بھی کسی معاہد کے بارے میں پتہ چلتا کہ اس نے مسلمانوں کو ستایا ہے تو آپ ﷺ اس کو قتل کرنے کا حکم دیتے۔ جن اہل ذمہ نے صرف عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا اُن میں بہت سے لوگوں کو آپ ﷺ نے جلا وطن کیا اور بہت سے افراد کو بلا معاوضہ رہا کر دیا۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شام کے کفار سے معاہدہ کیا، انھوں نے عہد توڑ دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے جنگ کی اور اس کے بعد دو دفعہ یا تین دفعہ پھر معاہدہ کیا، اہل مصر کے ساتھ بھی اسی طرح ہوا، بایں ہمہ جس معاہد نے بھی دین اسلام کو ہدفِ طعن بنا کر مسلمانوں کو ستایا یا کسی مسلم عورت کے ساتھ زنا کیا یا کوئی اور کام کیا تو مسلمانوں نے اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس قسم کے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس ضمن میں کوئی دوسری سزا کا اختیار نہ دیا، اس سے معلوم

[1] المغازي للواقدي (٢/ ٥١٦)

ہوتا ہے کہ انھوں نے دونوں قسم کے اہل ذمہ سے جداگانہ سلوک کیا۔

نیز رسول اکرم ﷺ نے مقیس بن صبابہ، عبداللہ بن خطل اور اس قسم کے لوگوں کے بارے میں، جنھوں نے مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ کسی مسلم کو قتل کیا یا مسلمانوں کو کوئی اور ضرر پہنچایا تھا، قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس کے باوصف خلافت صدیقی کے عہد میں بہت سے لوگ مرتد ہو گئے اور قوت حاصل کرنے کے بعد متعدد مسلمانوں کو قتل کر دیا، مثلاً طلیحہ اسدی نے عکاشہ بن محصن اور چند مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا، اس کے بعد اُن سے قصاص نہیں لیا گیا، جب مرتد سے ان جرائم کا مواخذہ کیا جا سکتا ہے جو اس نے قوت حاصل کرنے سے قبل انجام دیے ہوں اور قوت سے بہرہ ور ہونے کے بعد والے جرائم پر گرفت نہیں کی جاتی تو عہد شکنی کرنے والے کا بھی یہی حال ہے، اس لیے کہ یہ دونوں اس (دائرہ) سے نکل گئے جس کی وجہ سے ان کا خون محفوظ ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نے تو اپنا عہد توڑ دیا اور دوسرے نے امان کی خلاف ورزی کی، اگرچہ یہ مسئلہ فقہاء کے مابین مختلف فیہ رہا ہے، ہم نے تو اصل و اساس پر قیاس کیا ہے جو سنت اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔

البتہ مرتد جب اسلام کی طرف لوٹ آئے گا تو اس کا خون محفوظ ہو جائے گا۔ الا یہ کہ اس نے ایسی حد شرعی کا ارتکاب کیا ہو جس کی وجہ سے ایک مسلم کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے، معاہد اگر ایسے جرائم کا مرتکب ہو جو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہوں تو اُسے قتل کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ عہد توڑنے سے اس کا خون مباح ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے وہ معصوم الدم ہو جاتا، تو گویا وہ اس حربی کافر کی مانند ہے جو واجب القتل ہو۔ اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ عہدِ رسالت میں اگر حربی کافر مسلمانوں کو دکھ دیتا تو سزا کے طور پر اُسے قتل کر دیا جاتا اور قابو پانے کے بعد اسے بلاعوض رہا نہ کیا جاتا، تو اب یہ شخص، جس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر اپنے عہد کو توڑا، اس سزا کا بالاولی مستحق ہے۔

آپ دیکھتے نہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے ابوعزہ جمحی پر احسان کر کے فدیہ لیے بغیر اُسے رہا کر دیا تو اس سے عہد لیا کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف کفار کی مدد نہیں کرے گا مگر اس نے اس عہد کو توڑ دیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس پر قابو پایا اور اس نے احسان کرنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ایسا نہ ہو کہ تم مکہ میں اپنی مونچھیں مروڑ کر یوں کہتے پھرو کہ میں نے دو دفعہ محمد (ﷺ) کا مذاق اڑایا۔"[1]

---

[1] السير و المغازي لابن إسحاق (ص: ٣٢٣)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''مومن ایک بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔''[1]

جب اس نے اپنا عہد توڑ دیا تو یہ چیز اُس پر دوبارہ احسان کرنے سے مانع ہوئی، اس لیے کہ اس نے ضرر نہ پہنچانے کا عہد کر کے پھر آپ ﷺ کو نقصان پہنچایا، اسی لیے اہلِ ذمہ میں سے جو کوئی مسلمانوں کو ایذا نہ دینے کا عہد کرے اور پھر بھی ایذا پہنچائے اور اُسے چھوڑ دیا جائے تو گویا مسلمانوں کو ایک بل سے دو مرتبہ ڈسا گیا، اندریں صورت ایک مشرک مونچھوں کو تاؤ دے کر کہے گا کہ میں نے دو مرتبہ مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔

اسی طرح اگر وہ دارالحرب میں جا کر محفوظ ہو جائے تو مسلمانوں کو ضرر نہیں پہنچائے گا، البتہ ان کے مابین جو عہد تھا اسے توڑ کر اصل حربی کافر کی طرح ہو جائے گا، اور اگر وہ مسلمانوں کو ضرر پہنچائے مثلاً جنگ کرے یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرے یا رہزنی کرے یا کسی مسلم کو قید کر لے یا اس قسم کا کوئی اور جرم کرے تو پھر اسے وجوباً قتل کیا جائے گا، اگر اسے قتل نہ کیا جائے تو یہ مفاسد بلا سزا رہ جائیں گے اور جرائم کی حدود معطل ہو کر رہ جائیں گی اور ایسے جرائم کی سزا جب ایک مسلم کو معاف کرنا روا نہیں تو ذمی کو معاف نہ کرنا زیادہ مناسب ہے، ایسی حد شرعی کو تنہا اس پر قائم کرنا جائز نہیں جس طرح اس پر قائم کی جاتی ہے جس کے ذمے حد باقی رہی ہو، کیونکہ اس کا مرتکب حربی کافر بن گیا ہے اور حربی کو صرف قتل کی سزا دی جاتی ہے، اس لیے اس کا قتل متعین ہوا اور وہ اس اسیر کی طرح ہو گیا مصلحتِ وقت جس کے قتل کی مقتضی ہو، اس لیے کہ ہمیں معلوم ہے کہ جب بھی وہ رہا ہوا تو مسلمانوں کو نقصان پہنچائے گا اور اگر اس کو قتل کر دیا جائے تو اس میں اتنا نقصان نہیں ہے، اُس پر احسان کرنا اور اسے فدیہ لے کر رہا کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

نیز اس لیے کہ اس قسم کے معاملات میں مجرم کو یا تو قتل کیا جاتا ہے، یا بلا معاوضہ رہا کیا جاتا ہے یا غلام بنا لیا جاتا ہے اور یا فدیہ وصول کیا جاتا ہے، باقی رہا غلام بنانا تو اس کی بنا پر وہ اپنے ذمہ پر حسبِ سابق قائم رہے گا، اس لیے کہ پہلے وہ ذمی تھا اور ہم اس سے ایک غلام کی طرح جزیہ وصول کرتے تھے۔ اسی لیے بعض صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس مسلم کے بارے میں کہا تھا جو کسی ذمی کو قتل کر دے کہ ''آپ اپنے بھائی سے اپنے غلام (ذمی) کا قصاص لیتے ہیں''[2] بلکہ اکثر دفعہ اس کو غلام بنانا

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٣٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٩٨)

[2] مصنف عبد الرزاق (١٠/ ١٠٠) رقم الحديث (١٨٥٠٩)

اس کے ذمی بنانے سے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے اور ایسے آدمی کو غلام بنانے کے نتائج قبیحہ کا خطرہ ہمیشہ دامن گیر رہتا ہے، اور دور نہیں ہوتا۔ باقی رہا اس کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ احسان کر کے رہا کرنا تو اس کے نقصانات اور بھی زیادہ ہیں اور اس کو دوبارہ ذمی بنانے کے معنی یہ ہیں کہ اُس کو بالکل ہی معاف کر دیا جائے اور سزا بالکل نہ دی جائے، پس اس کو قتل کرنا ایک طے شدہ بات ہے۔

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ دوبارہ ذمی بننے کی صورت میں ہم اسے وہی سزا دیں گے جو مسلم کو یا اس شخص کو دی جاتی ہے جو ہنوز اپنے ذمہ پر قائم ہو، درحقیقت اس کا نتیجہ گھوم پھر کر وہی نکلتا ہے جو ان لوگوں کا زاویۂ نگاہ ہے جو کہتے ہیں کہ ان اُمور سے عہد نہیں ٹوٹتا، لہٰذا اُن کو ناقض عہد بنانے، ان کے اصحاب کو دوبارہ معاہد بنانے اور اعادۂ جرم کی صورت میں وہی سزا دینے، جو کہ ایک مسلم کو دی جاتی ہے، کا کچھ مطلب نہیں۔

اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ یہ جرائم جب عہد کو فسخ کر دیتے ہیں تو عہد کے انعقاد کو بالاولیٰ روک دیتے ہیں، اس لیے کسی چیز کا دوام و بقا اس کی ابتدا سے قوی تر ہوتا ہے، مثلاً عدت اور ارتداد کی وجہ سے عقد نکاح وجود پذیر ہی نہیں ہوتا اور اگر ہو چکا ہو تو وہ باقی رہتا ہے (پس ثابت ہوا کہ کسی چیز کا دوام و بقا اس کے آغاز سے قوی تر ہوتا ہے۔)

بنا بریں اگر ان مضرات کا وجود دوام عقد سے مانع ہے تو عقد کو آغاز ہی میں نہ ہونے دینا ان کی بنا پر اولیٰ و احریٰ ہے، اور جب عقد ذمہ کا آغاز ہی جائز نہ ہو تو احسان کرنے کا عدم جواز بالاولیٰ ہوگا، نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مشرکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، البتہ محاربین میں سے جو بیڑیوں میں جکڑا ہوا اس کے بارے میں اللہ نے ہمیں اختیار دیا ہے کہ جو معاملہ اُس سے چاہیں کریں اور جو شخص عہد سے نکل جاتا ہے وہ اس شخص کی طرح نہیں جو سرے سے اس میں داخل ہی نہ ہوا ہو، جس طرح دین سے نکل جانے والا اس شخص کی مانند نہیں جو اس میں داخل ہی نہ ہوا ہو، اس لیے کہ جو شخص دین میں داخل نہیں ہوا وہ اپنی حالت پر قائم ہے۔ بخلاف ازیں جو شخص ایمان و امان سے نکل گیا اس نے فساد کو ایجاد کیا، لہٰذا سر دست موجود اور بحال فساد کو برداشت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوخیز اور جدید وجود پذیر فساد کو بھی برداشت کیا جائے، اس لیے کہ کسی چیز کا بقا و دوام اس کے آغاز سے قوی تر ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ جو اسیر اپنے کفر کے باوجود مسلمانوں کو ستاتا ہو رسول اکرم ﷺ اس کو قتل کر دیا کرتے تھے، مثلاً نضر بن حارث اور عقبہ ابی معیط کو آپ ﷺ نے قتل کروایا تھا

اور ابوعزہ جمحی جب دوسری مرتبہ مرتد ہوا تو اسے بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

مزید برآں جب ذمی کافر کسی گروہ کے ساتھ مل جانے یا دارالحرب پہنچ جانے کی وجہ سے قوت حاصل کر لے تو جو ضرر اس کی طرف سے متوقع ہے وہ حربی کافر کی طرح اس کی قوت وشوکت سے وابستہ ہوگا، جب اُس کے قیدی بن جانے کی وجہ سے یہ قوت باقی نہ رہے تو اس کی جانب سے جو خطرہ بھی دامن گیر ہوگا صرف اس کے کافر ہونے کی وجہ سے ہوگا، اب اُس کے اور دیگر کفار کے درمیان کچھ فرق باقی نہ رہے گا۔

جب کوئی کافر مسلمانوں کے درمیان رہ کر ستائے یا سرکشی اختیار کر کے ذمی ہونے کے تقاضوں کو پورا نہ کرے تو اس ضرر کی ذمہ داری اس کی ذات پر عائد ہوگی، کسی دوسرے گروہ پر نہیں جو اس کی مدد یا حفاظت کر رہا ہو۔ اندریں صورت اس کے غیر معصوم نفس کو معدوم کرنا واجب ہوگا، اس لیے کہ وہی مسلمانوں کے لیے شر وفساد کا سرچشمہ اور اُن کی ایذا کا موجب ومتحرک ہے، اس لیے کہ قوت وشوکت سے بہرہ ور شخص نے جو کچھ بھی (مسلمانوں کے خلاف) کیا ہے اس سے صرف اُن افراد کو شہ ملتی ہے جو طاقت ور ہیں، مگر اکیلا آدمی ایسا کام کر کے شرّ وفساد کا باب وا کر دیتا ہے، لہٰذا اگر اسے سزا نہ دی جائے تو دوسرے لوگ بھی وہی کچھ کرنے لگیں گے جو وہ کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معاہد کفار کو صرف تلوار سے سزا دی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں جو ذمی مسلمانوں کی اطاعت سے انحراف کرتا ہے ہمیں اس سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے تا آنکہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرے، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں سے برسرِ پیکار ہوں اور جب خوب خون بہا چکیں تو ان کو قیدی بنا لیں، لہٰذا ہر آیت جس میں جنگ کا ذکر کیا گیا ہے اس میں داخل ہے، پس اس کے حکم میں سرتابی کرنے والے دیگر کفار بھی شامل ہیں، ان سے دوبارہ معاہدہ کرنا اور ان کو غلام بنانا بھی جائز ہے، ان میں سے جو جرم کا مرتکب ہوگا اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، چونکہ وہ ہمارے قبضہ میں ہے اس لیے وہ ان عمومات میں شامل نہیں، اس سے لڑا نہیں جائے گا، بلکہ اسے قتل کیا جائے گا اس لیے کہ لڑائی سرتابی کرنے والے کے ساتھ کی جاتی ہے، چونکہ جزیہ کی وصولی، احسان اور فدیہ اس شخص کے لیے ہے جس سے لڑائی کی گئی ہو اور اس کے ساتھ جنگ نہیں لڑی گئی، لہٰذا وہ اس آیت ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''مشرکوں سے لڑو'' کے عموم میں داخل ہے اور جزیہ اور فدیہ والی آیت میں داخل نہیں ہے۔

مزید برآں اسلامی احکام سے سرتابی کرنے والا حربی کافر کی مانند ہے اور حربی کافر کو جملہ امور میں حربی تصور کیا جاتا ہے، بایں طور کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو کسی چیز کی ضمانت میں اس پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا برخلاف اس کافر کے جو ہمارے قبضہ میں ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ ہمارے تحویل میں ہے تو اس کے لیے مسلمان کو ستانے اور نقصان پہنچانے کی کوئی وجہ جواز موجود نہیں، مگر دارالحرب کو بھاگ جانے والے کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اپنے مذہب پر عامل ہوتے ہوئے اس کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ جب بھی وہ بھاگنے پر قادر ہوگا بھاگ جائے گا، خصوصاً جبکہ ہمارے بعض فقہاء کے نزدیک یہ اس کے لیے مباح بھی ہے، لہٰذا اگر وہ کسی تاویل کی بنا پر ایسا کرے گا تو یہ اسی طرح ہوگا جس طرح باقی لوگ لڑتے ہیں، بعض چیزوں کو تلف کر دیتے ہیں تو اس کی ضمانت ان پر واجب نہیں ہوتی اور جس چیز کو زمانۂ امن میں تلف کرتے ہیں تو ایک گروہ دوسرے فریق کو اس کا تاوان ادا کرتا ہے، پس جو شخص تاویل کی بنا پر نقض عہد کا کوئی کام کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح نہیں جو تاویل سے کام نہیں لیتا۔

نیز یہ کہ جو شخص مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچاتا ہے جس سے اس کا عہد ٹوٹ جائے تو اس کو سزا ملنا ضروری ہے، اس لیے کہ طبائع انسانیہ جن جرائم کو دعوت دیتی ہیں اُن کا عقوبت زاجرہ سے خالی ہونا جائز نہیں، اور سزاؤں کی شریعت اس کی شاہد ہے، پھر اس کی سزا یا تو اس سزا جیسی ہوگی جو اس مسلم یا ذمی کو دی جاتی ہے جو ذمی عورت کے ساتھ ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے یا اس سے کم وبیش اور پہلی بات باطل ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ معصوم اور مباح کی سزا یکساں ہو، نیز اس لیے کہ عہد شکنی کرنے والا اپنے کفر کی وجہ سے سزا کا مستحق ہے اور اُس ضرر رسانی کی وجہ سے بھی جس کی بنا پر اس نے اپنے عہد کو توڑا ہے، البتہ اس کے معاہد ہونے کی وجہ سے کفر کی سزا کو مؤخر کیا گیا، جب عہد باقی نہ رہا تو وہ دونوں سزاؤں کا مستحق ہوگا۔

اسی سے دونوں کا فرق وامتیاز واضح ہوتا ہے، ایک تو وہ شخص جس نے معصوم ہونے کی حالت میں یہ کام انجام دیا اور دوسرا وہ شخص جو مباح الدم ہے اور اس نے یہ کام نہیں کیا، اس لیے کہ ایک مسلم جب ان معاصی کا ارتکاب کرتا ہے تو مسلمانوں کی نصرت وموالات انجام دے کر وہ ان کی تلافی کر دیتا ہے اور اس طرح وہ مسلمانوں کے لیے محض ضرر رساں نہیں رہتا بلکہ اس میں نفع وضرر اور خیر وشر کے دونوں پہلو پائے جاتے ہیں، برخلاف ذمی کے کہ جب وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے تو خالص ضرر رسانی کی وجہ سے اس کا وہ عہد زائل ہوجاتا ہے جس سے نفع کی امید بھی ہوتی ہے، اور ضرر رسانی کی

بھی، اور اگر اُسے ایک مسلم کی طرح سزا دینا روا نہ ہو تو اس سے کمتر درجہ کے جرائم کی سزا نہ دینا اولیٰ و احری ہے، لہٰذا واجب ٹھہرا کہ اُسے ایک مسلم کے مقابلے میں زیادہ سزا دی جائے۔ علاوہ ازیں جب ایسے افعال کے ارتکاب پر ایک مسلم کو حتمی طور پر قتل کی سزا دی جاتی ہے تو عہد شکنی کرنے والے کو حتماً اس کی سزا دی جائے گی، البتہ سزا کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے، مسلم کے لیے تو قتل کی سزا قطعی ہو گی مگر ذمی کی سزا کبھی قتل ہو گی، گاہے قطع ید، گاہے رجم اور گاہے کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

شاتمِ رسول ﷺ کی سزا کا خلاصہ

جب ناقضِ عہد علی العموم کی سزا کا خلاصہ بیان کیا جا چکا تو شاتمِ رسول ﷺ کی سزا بصورتِ قتل متعین ہوئی جیسا کہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

پہلا قول:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عہد شکنی کرنے والا جب ہمارے قبضے میں ہو تو اس کو قتل کرنا ایک طے شدہ بات ہے یا کہتے ہیں کہ جو شخص اس طرح عہد شکنی کرے جس سے مسلمانوں کی ایذا رسانی ہوتی ہو یا ان کو نقصان پہنچتا ہو اس کو قتل کرنا ایک مسلمہ حقیقت ہے، جیسا کہ ہم نے امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں تحریر کیا ہے اور جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے اس کلام سے عیاں ہوتا ہے جس کو ہم نے نقل کیا ہے یا ہم یوں کہیں کہ جو شخص صرف رسول کریم ﷺ کو گالی دے کر عہد شکنی کا مرتکب ہو اُس کو قتل کرنا ایک متعین موقف ہے، جیسا کہ ہمارے اصحاب میں سے قاضی ابو یعلی اور دیگر علماء، نیز اصحابِ شافعی میں سے ایک گروہ نے کہا ہے اور جس طرح اس کی تصریح ان عام لوگوں نے کی ہے جنھوں نے اس کو نواقض عہد میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے ذکر کیا ہے کہ حاکم وقت کو ناقض عہد کے بارے میں اختیار ہے (کہ اپنی صوابدید کے مطابق سزا دے) انھوں نے بطریق اجمال اس کا تذکرہ متعدد مقامات پر کر کے یہ بھی کہا ہے کہ (حاکمِ وقت) اُسے قتل کرے، اس کے سوا اُسے دوسرا کوئی اختیار نہیں۔

دوسرا قول:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر ناقضِ عہد کے بارے میں حاکمِ وقت کو اختیار ہے کہ جو سزا چاہے اُسے دے، جیسا کہ قیدی کے بارے میں اختیار ہے۔ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ اُس سے پورے حقوق وصول کیے جائیں، مثلاً: قتل، حد اور تعزیر۔ اس لیے کہ اُن کو ذمی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلامی احکام کی تعمیل کریں گے اور اسلامی احکام یہی ہیں، جب ہم اُن سے احکام کی تعمیل کروا لیں تو حاکمِ وقت کو اس کے بارے میں اختیار ہے کہ جو سزا چاہے دے، جس طرح یہ اختیار حاکم کو اسیر

کے بارے میں ہے، اس قول کی بنا پر وہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے پر حد شرعی واجب ہو جاتی ہے جو کہ قتل ہے، مثلاً کوئی شخص زنا کر کے اپنا عہد توڑے یا رہزنی کرے تو حد شرعی کے پیش نظر اُسے قتل کیا جائے گا، اگر اُسے قتل کرنا واجب ہو، بعض اوقات حد شرعی لگا کر بھی ذمی کو قتل کیا جاتا ہے، اگرچہ اس کا عہد نہ ٹوٹا ہو، مثلاً: وہ کسی اور ذمی کو قتل کرے یا ذمی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس سے قصاص لیا جائے، اندریں صورت زنا کی حد شرعی اور اس کا عہد باقی رہے گا۔ مالکی مذہب کے مطابق بھی یہ توجیہ اسی طرح کی جائے گی بشرطیکہ ان میں سے کچھ لوگ اس بات کے قائل ہوں کہ اس کا عہد نہیں ٹوٹا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یوں کہنا کہ حاکمِ وقت کو اس میں اختیار ہے۔ اس پر بعض فقہاء کا کلام یا اُس کا اطلاق دلالت کرتا ہے۔ یہ قول بھی اسی طرح ہے کہ ذمی کو اس کے محفوظ ٹھکانے میں پہنچا دیا جائے اور فقہاء کے اطلاقات سے اُن کے مذاہب کا اخذ کرنا، بغیر اس کے کہ ان کی توضیحات اور ان کے اصول کے تقاضوں کو ملاحظہ کیا جائے، صحیح مذاہب کا موجب بنتا ہے۔ اگر اس میں اختلاف و نزاع کا ظہور ہو تو وہ نہایت ضعیف ہے، جیسا کہ ہم نقل کر چکے ہیں، اس کی توجیہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

تعینِ قتل کی دلیل:

اس بات کی دلیل کہ اس کا قتل متعین ہے اور اُسے غلام بنانا، اس پر احسان کرنا اور فدیہ قبول کرنا جائز نہیں، اس کے دو طریقے ہیں:

۱۔ وہ دلائل جو قبل ازیں گزر چکے ہیں کہ ناقضِ عہد کا قتل واجب ہے، جبکہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر عہد شکنی کرے۔

۲۔ وہ دلائل جو اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس کے کئی وجوہ ہیں:

پہلی وجہ:

وہ آیات جو طاعن فی الدین کے وجوبِ قتل پر دلالت کرتی ہیں۔

دوسری وجہ:

اس شخص کا واقعہ جس نے عہدِ رسالت میں ایک یہودی عورت کو قتل کیا تھا اور اس عورت کے

خون کو رسول کریم ﷺ نے ھدر (رائیگاں) قرار دیا تھا۔ یہ حدیث بروایتِ حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہما پیچھے گزر چکی ہے۔ اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے صرف عہد ٹوٹتا اور اس کا قتل واجب نہ ہوتا تو یہ عورت بمنزلہ ایک کافر اور قیدی عورت کے ہوتی۔ نیز یہ اس کافر عورت کی طرح ہوتی جو دارالاسلام میں داخل ہوا اور اس نے عہد نہ کیا ہو، ظاہر ہے کہ ایسی عورت کا قتل جائز نہیں اور قید کرنے سے وہ مسلمانوں کی لونڈی بن جائے گی اور یہ مقتولہ عورت پہلے لونڈی تھی۔

اور مسلمان کی جب کوئی کافرہ حربیہ لونڈی ہو تو محض حربیہ ہونے کی وجہ سے نہ وہ اسے قتل کرسکتا ہے نہ کوئی اور، بلکہ وہ اپنے آقا کی مملوکہ ہوگی جب مسلمان اُسے پکڑ لیں گے تو اُسے اس کے مالک کی طرف لوٹایا جائے گا، اس ضمن میں مسلمانوں کے یہاں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ عورت اگر معاہدہ نہ ہو تو اُسے محض کافر ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاسکتا، جس طرح اس جرم میں مرد کو قتل کیا جاتا ہے۔

ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب عورت کے حق میں صرف نقضِ عہد ثابت ہوجائے، مثلاً وہ ان لوگوں میں سے ہو جو مصالحت کر کے اپنے عہد کو توڑ دیں تو ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کو غلام بنا لیا جائے گا، اسی طرح ذمی اگر عہد توڑ کر دارالحرب چلا جائے تو نقضِ عہد کے بعد اس کے یہاں جو اولاد پیدا ہو تو اُن میں سے لڑکے اور لڑکیوں کو قتل کرنا جائز نہیں، بخلاف ازیں وہ مسلمانوں کے غلام ہوں گے، اگر اہل ذمہ دارالحرب میں قوت و شوکت حاصل کر لیں تو اُن سے بھی یہی سلوک کیا جائے گا۔

فقہاء میں سے بعض کہتے ہیں کہ اُن کے بچوں اور عورتوں میں عہد باقی ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ اکثر فقہاء کا قول ہے کہ عورتوں اور بچوں کے بارے میں بھی عہد ٹوٹ جائے گا، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ خواتین کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی اصل و اساس یہ ہے کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ [البقرة: ۱۹۰]

''اور اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔''

اس آیت میں اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جو (مسلمانوں سے) لڑتے ہیں، اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنگ کرنے کی شرط یہ ہے کہ حریف مقابل جنگجو ہو۔

خواتین کو قتل کرنے کی ممانعت:

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ کو بعض غزوات میں ایک عورت کی لاش ملی تو رسول اکرم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔[1] حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ ایک جنگ میں گئے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مقدمۃ الجیش کے افسر تھے، حضرت رباح اور اصحاب رسول ﷺ کا گزر ایک عورت کی لاش پر ہوا، جس کو مقدمۃ الجیش والوں نے قتل کیا تھا، وہ کھڑے ہو کر دیکھنے اور اس پر اظہارِ حیرت کرنے لگے، اندریں اثنا رسول کریم ﷺ بھی تشریف لے آئے جو اپنی ناقہ پر سوار تھے، لوگ راستہ چھوڑ کر الگ ہو گئے، رسول کریم ﷺ اُس کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''یہ عورت لڑتی تو نہ تھی''، پھر ایک صحابی سے کہا: ''خالد کے پاس جاؤ اور کہو: بچوں اور خادموں کو قتل نہ کرو۔'' اس کو امام احمد، ابو داود اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔[2]

ابن کعب بن مالک اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب اپنا لشکر خیبر میں ابن ابی الحقیق کے پاس بھیجا تو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[3] اس مسئلہ میں احادیث مشہورہ منقول ہیں۔

اور یہ اُن مسائل میں سے ہے جس کو امت خلفاً عن سلفٍ نقل کرتی چلی آئی ہے۔ اس لیے کہ جنگ کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور یہ کہ پورا دین اللہ کے لیے ہو جائے اور کوئی فتنہ باقی نہ رہے، یعنی کوئی شخص دوسرے کو اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کر سکے، ہم صرف اس شخص سے لڑتے ہیں جو اس میں رکاوٹ ڈالتا ہو اور وہ جنگجو آدمی ہو سکتا ہے، مگر جو شخص جنگ نہ کرتا ہو تو اس کو قتل کرنے کی کوئی وجہ نہیں، مثلاً عورت، نہایت بوڑھا شخص اور راہب (تارک الدنیا) اور اس قسم کے دیگر اشخاص۔ نیز اس لیے کہ عورت لونڈی بن کر مسلمانوں کے مال کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اگر اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بلاضرورت اُسے ضائع کیا گیا اور غیر ضروری طور پر مال کو تلف کیا گیا، البتہ عورت اگر لڑتی ہو تو بالاتفاق اُسے قتل کرنا جائز ہے، کیونکہ اس میں وہ وصف موجود ہے جس کے نہ ہونے کی وجہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠١٤، ٣٠١٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٤٤)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٦٦٩) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٨٤٢) اسے امام حاکم، ذہبی، ابن حبان اور بوصیری رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[3] مسند أحمد (٣٩/ ٥٠٦)

سے شارع نے اس کو قتل کرنے سے منع کیا تھا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا: ''یہ لڑتی تو نہ تھی۔''

مگر سوال یہ ہے کہ آیا عورت کو مرد کی طرح قصداً قتل کیا جا سکتا ہے یا نہیں یا اُسے روکنا اور ہٹانا مقصود ہے، جس طرح قصداً حملہ آور کو دور ہٹایا جاتا ہے؟ یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں متنازع فیہ ہے۔ جب عورت کے بارے میں ایسا حکم دیا گیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے ایک ذمی عورت کے خون کو اس لیے ھدر ٹھہرایا تھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتی تھی، حالانکہ اگر اس کو قتل کرنا حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کا بُرا مناتے جس طرح آپ ﷺ نے اس عورت کے قتل پر اعتراض کیا تھا، جس کو آپ ﷺ نے بعض غزوات میں مقتول پایا تھا اگرچہ اس کی دیت یا کفارہ ادا نہیں کیا گیا تھا، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ ایک بُرے فعل کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کا خاموش رہنا اُس فعل کے جواز اور اباحت کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ دشنام دہندہ عورت قیدی اور کافر عورت کی مانند نہیں ہے کیونکہ ان کو قتل کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ گالی دینا بذات خود اس کو قتل کرنے کا موجب ہوا، جس طرح رہزنی کر کے کسی کو قتل کرنے کی صورت میں اس کو قتل کرنا اجماعاً واجب ہے، زنا کرنے کی صورت میں بھی اُسے قتل کرنا واجب ہے، نیز مرتد ہونے کی صورت میں بھی اس کو قتل کرنا جمہور علماء کے نزدیک واجب ہے۔

ایک سوال:

اگر معترض کہے کہ ممکن ہے اس عورت کا نبی کریم ﷺ کو گالی دینا اس کے جنگ کرنے کے مساوی ہو، ایک معاہدہ عورت اگر جنگ کرے تو اس کا عہد اُسی طرح ٹوٹ جاتا ہے جیسے جنگجو مرد کا عہد لڑنے سے قائم نہیں رہتا۔ اندریں صورت وہ اس عورت کی مانند ہوگی جو جنگ میں عملی حصہ لیتی ہو اور اُسے قیدی بنا لیا جائے تو حاکم کو اس کے بارے میں چار باتوں کا اختیار ہوتا ہے، جس طرح یہ اختیار حاکم کو اس آدمی کے بارے میں ہوتا ہے جو لڑتا ہے اور اسے قیدی بنا لیا جائے۔

گالی دہندہ عورت کو قتل کرنا عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت کے منافی نہیں:

اس سوال کا جواب کئی طرح سے دیا جاتا ہے:

پہلا جواب: اس عورت سے صرف یہ قصور سرزد ہوا کہ اس نے اپنے مسلم آقا کی موجودگی میں رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیں، جبکہ مشرکین میں سے کوئی بھی جنگ کرنے کے لیے موجود نہ تھا، نہ

ہی اس عورت نے کسی طرح مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا، ظاہر ہے کہ جو شخص نہ اپنے ہاتھ سے جنگ کرے نہ زبان سے اُس میں حصہ لے اس کو مقاتل نہیں کہا جا سکتا، ہمیں اس سے انکار نہیں کہ جس کو قتل کرنا جائز نہیں، مثلاً: راہب، اندھا، شیخ فانی، اپاہج، اور اُس قسم کے لوگ جو لڑائی کے بارے میں رائے دے سکتے ہوں اور زبان سے مسلمانوں کے خلاف مدد دے سکتے ہوں تو اُن کو مقاتل تصور کیا جائے گا مگر مسلمانوں کی ایک جماعت کے نزدیک ایک عورت کا صرف رسول کریم ﷺ کو گالی دینا اس ذیل میں نہیں آتا بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا رسانی ہے، جو بعض وجوہ سے بھی بلیغ تر ہے، اگر یہ قتل کی سزاوار نہیں تو کافرہ عورت کو مقاتلہ ہونے کی وجہ سے قتل کیا جاتا، حالانکہ اس نے جنگ نہیں کی، اور یہ ناروا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینا اگرچہ قتال نہیں تاہم قتل کا موجب ضرور ہے، جب کوئی شخص کفار کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر اُن سے لڑائی کرنے پر آمادہ کر رہا ہو تو یہ بھی ایک طرح کا قتال ہے، اگرچہ اس کو قتال معروف شمار نہیں کیا جاتا۔

دوسرا جواب: ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا بعض وجوہ کے پیش نظر مسلمانوں کے خلاف جنگ پیمائی کے مترادف ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ انبیاء کی حد شرعی عام حدود کی طرح نہیں ہے، اگر کوئی مسلم انبیاء کرام کو گالی دے تو وہ مرتد ہے اور اگر معاہد گالی نکالے تو وہ محارب اور عہد شکنی کرنے والا ہے، بلکہ یہ حرب وضرب کی شدید ترین قسم ہے، جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے لیکن اس کے جواب کی دو قسمیں ہیں:

نوعِ اول:

پہلی قسم وہ ہے جس کی خرابی گاہے قتل سے ختم ہوتی ہے اور گاہے غلام بنانے سے، بعض اوقات اس کا انقطاع بلامعاوضہ قیدی کو رہا کرنے سے ہوتا ہے اور کبھی فدیہ لے کر چھوڑ دینے سے، اور وہ یہ ہے کہ کافر کے ساتھ ہاتھ یا زبان سے جنگ لڑی جائے، اس لیے کہ حربی مرد و عورت، جو مسلمانوں کے خلاف جنگ آزما ہوں، اگر اُن کو قید کر لیا جائے اور وہ غلام بن جائیں تو ان کا ضرر مسلمانوں سے اسی طرح دور ہو جائے گا جیسے ان کو قتل کرنے سے، اگر ان دونوں پر احسان کر کے اُن کو بلامعاوضہ چھوڑ دیا جائے بدیں امید کہ مسلمان ہو جائیں گے اور اُن پر اسلامی علامات بھی نمایاں ہوں یا اس امید پر کہ اسلام کو ان کے اخلاف کے شر سے بچایا جا سکے یا ان سے فدیہ لیا جائے تو یہاں لڑائی کا فساد ان امور سے زائل ہو جائے گا۔

نوع ثانی:

دوسری قسم وہ ہے جس کا فساد حد شرعی قائم کیے بغیر زائل نہ ہوتا ہو، مثلاً دارالسلام میں مسلم یا معاہد پر ڈاکہ ڈالا جائے، ایسی صورت میں حد شرعی قائم کرنا ازبس ناگزیر ہے اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ جو لونڈی رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی، گویا اس نے دارالسلام میں جنگ کی، اگر کہا جائے کہ اُسے غلام بنا کر سزا دی جائے تو یہ لونڈی ہے جس کا حال تبدیل نہیں ہوتا اور اگر کہا جائے کہ اُسے فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کیا جائے تو یہ دو وجہ سے جائز نہیں:

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ لونڈی ایک مسلم کی مملوکہ ہے، اس لیے اُسے اس کی زندگی میں مسلم کی ملکیت سے نہیں نکالا جا سکتا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اس لونڈی کے ساتھ احسان اور اس سے غلامی کا ازالہ ہے، لہٰذا یہ اس کی زبان درازی اور جنگ آزمائی کا صلہ نہیں ہے، اس لیے اس کو قتل کرنا ایک طے شدہ بات ہے۔

تیسرا جواب: گالی دینے کے فساد کا ازالہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ اگر اُسے زندہ رہنے دیا گیا تو وہ اور اس جیسی دیگر عورتیں گالی دینے میں دلچسپی لینے لگیں گی جو عظیم ترین فساد فی الارض اور رہزنی کرنے والے کے برابر ہے، برخلاف جنگجو عورت کے جسے قید کر لیا جائے کہ اس کی جنگ آزمائی کا فساد اس کو قید کرنے سے زائل ہو گیا، غلامی کی حالت میں لڑنا اس کے لیے ممکن نہیں، البتہ وہ سب وشتم کا اظہار کر سکتی ہے، بدیں وجہ اس کا گالی دینا ایسے جرائم میں سے ہے جو سزا کے موجب ہیں اور اس کی خرابی اسی صورت میں دور ہو سکتی ہے کہ اس کو شرعی سزا دی جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ذمی عورت رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتی ہے وہ اس حربی عورت کی مانند نہیں جو قید کیے جانے کی صورت میں لڑتی ہو بلکہ یہ اس ذمی عورت کی طرح ہے جو راہزنی اور بدکاری کا ارتکاب کرتی ہو۔

چوتھا جواب: اس حدیث میں ایک حکم کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ قتل ہے جس کا سبب گالی دینا ہے، لہٰذا حکم کی نسبت سبب کی طرف واجب ہے، اور اصل چیز حکم کو ایجاد کرتا ہے، جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ سبب کوئی اور حکم ہے وہ دلیل کا محتاج ہے اور اس کو قیدی عورت پر قیاس کرنا درست نہیں، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

پانچواں جواب: اگر وہ قیدی عورت کی مانند ہوتی تو اس کا اختیار حاکم وقت کو دیا جاتا اور امت کے کسی فرد کو امور چہارگانہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار نہ ہوتا اور جو بھی اس عورت کو

قتل کرتا تو اس کی قیمت ضمانت کے طور پر مسلمانوں کو ادا کرتا۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس عورت کی حیثیت "فے" (وہ مال جو لڑے بغیر کفار سے حاصل ہو) کی ہو، اور اگر اس کی حیثیت مالِ غنیمت کی ہو تو اس کی قیمت مجاہدین کو ادا کی جائے گی، اس سے مستفاد ہوا کہ اس کو قتل کرنا ایک طے شدہ بات ہے۔

حاکمِ وقت کا حد لگانا:

اب یہ مسئلہ باقی رہا کہ کیا حدود شرعیہ صرف حاکم یا اس کا نائب قائم کر سکتا ہے؟

اس کے کئی جواب ہیں:

وجہ اول: اول جواب یہ ہے کہ آقا اپنے غلام پر حد قائم کر سکتا ہے۔ اس کی دلیل رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اپنے غلاموں پر حدود شرعیہ قائم کیا کرو۔[1] نیز یہ کہ "جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے تو وہ اس پر حد قائم کرے۔[2]

فقہائے حدیث کے یہاں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، مثلاً زنا کی حد، حدِ قذف اور شراب نوشی کی حد۔

اہل اسلام کے یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ آقا اپنے غلام کی تعزیر (تادیب، حد شرعی سے کم درجہ کی سزا) کر سکتا ہے، البتہ اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا آقا غلام پر قتل یا قطع ید کی حد قائم کر سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً ارتداد کی وجہ سے یا رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کے باعث اُسے قتل کرنا یا سرقہ کی وجہ سے ہاتھ کاٹنا۔ اس کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں منقول ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ یہ جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

۲۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ بھی اسی طرح فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بروایت صحیحہ منقول ہے کہ انھوں نے اپنے غلام کا ہاتھ چوری کرنے کی

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٤٧٣) اسے علامہ احمد شاکر المصری اور علامہ البانی رحمہما اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ مسند أحمد بتحقيق أحمد شاكر (١/ ١٠٣، رقم الحديث: ٧٣٦، إرواء الغليل: ٧/ ٣٥٩، رقم الحديث: ٢٣٢٥) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جو صحیح مسلم میں ہے۔ (تلخيص الحبير: ٤/ ٦٦) دیکھیے: صحيح مسلم (٤٥٤٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٢٣٢، ٢٢٣٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٠٤)

وجہ سے کاٹا تھا۔[1] اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بسند صحیح منقول ہے کہ انھوں نے اپنی ایک لونڈی کو قتل کیا تھا جس نے جادو کرنے کا اعتراف کیا تھا۔ انھوں نے یہ سزا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے دی تھی۔[2] اس طرح یہ حدیث اس شخص کے حق میں حجت ہے، جس کے نزدیک آقا مطلقاً اپنے غلام پر حد لگا سکتا ہے۔ بنا بریں آقا اپنے غلام پر حد قائم کر سکتا ہے، جیسا کہ بصراحت امام احمد سے منقول ہے اور امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کے آقا سے اس بات کا ثبوت نہیں مانگا تھا کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے بلکہ آقا کے اس قول کی تصدیق کی تھی کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی ہے۔ حدیث اس قول کے لیے بھی حجت ہے۔

وجہ دوم: اس میں زیادہ سے زیادہ بات یہ ہے کہ حاکم وقت کی اطاعت کی جاتی ہے، حاکم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جو شخص اس کی اجازت کے بغیر کسی پر حد واجب لگائے وہ اس کو معاف کر سکتا ہے۔

وجہ سوم: یہ اگرچہ حد شرعی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ حربی کافر کو قتل کرنے والی بات بھی ہے، تو گویا یہ ایک حربی کافر کو قتل کرنا ہے، جس کا قتل ضروری تھا اور ایسے شخص کو قتل کرنا ہر ایک لیے جائز ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا جو انھوں نے ایک راہب کے بارے میں کہا تھا، جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اگر میں اس کو (گالیاں دیتے) سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا۔''

وجہ چہارم: ایسا واقعہ عہدِ رسالت میں بھی پیش آیا تھا، ایک منافق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر اس لیے قتل کیا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ تھا، پھر قرآن مجید اترا اور اس واقعہ کی تصدیق کی۔ اسی طرح بنت مروان کو ایک آدمی نے قتل کیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے والا'' رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اس لیے واجب القتل ہو کہ وہ دین کو بگاڑتا اور اس میں فریب دہی کا ارتکاب کرتا ہے وہ اس آدمی کی طرح نہیں جس کو گناہ کا کام، مثلاً زنا کاری کی وجہ سے قتل کیا جائے۔

چھٹا جواب: فقہاء نے جنگجو عورت کے بارے میں اختلاف کیا ہے جب اُسے قیدی بنا لیا جائے کہ آیا اُسے قتل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اُسے قتل نہ کیا جائے، اگر اس کو

---

[1] موطأ إمام مالك (٢/ ٨٣٣) رقم الحديث (٢٦)

[2] مصنف عبد الرزاق (١٠/ ١٨٠) رقم الحديث (١٨٧٤٧)

اس لیے قتل کیا گیا کہ اس نے جنگ کی ہے تو پھر قید کرنے کے بعد اُسے قتل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اُن کے اصولوں کے مطابق یہ سوال وارد نہیں ہوتا۔

دلیل سوم:

اگر گالی دہندہ محض حربی کافر کی طرح ہوتا تو امان دینے یا ذمی بننے یا مصالحت کرنے کی وجہ سے اس کا خون محفوظ ہوتا، ظاہر ہے کہ امان کا شبہ خون کے تحفظ کے سلسلہ میں اصلی امان کی طرح ہوتا ہے اور وہ اشخاص جن کو رسول اکرم ﷺ نے کعب بن اشرف کی طرف بھیجا تھا بایں طور اُس کے یہاں آئے کہ اُس سے اظہارِ محبت کریں، اس سے بات چیت کریں اور اس کے ہمراہ چلیں، وہ اپنے خون و مال کو مامون و محفوظ سمجھتا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم اور کعب بن اشرف کے مابین قبل ازیں معاہدہ تھا جس کو وہ ہنوز قائم تصور کرتا تھا۔

پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کعب سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ اس کے سر کو لگی ہوئی خوشبو سونگھ لیں، کعب نے کئی دفعہ خوشبو سونگھنے کی اجازت دی۔ ان تمام باتوں سے امان کا ثبوت ملتا ہے، اگر گالی دینے کے معاملہ میں صرف یہ بات ہوتی کہ وہ حربی کافر ہے تو امان دینے کے بعد اس کو قتل کرنا جائز نہ تھا، خصوصاً جبکہ صحابہ نے کہا کہ وہ اُس پر اعتماد کرتے ہیں اور اس سے اس بات کی درخواست کی کہ وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینا قتل کا موجب ہے اور کوئی امان وعہد قتل سے بچا نہیں سکتا اور یہ اپنی حدود میں ہوتا ہے جو بطور خاص قتل کو واجب کرتی ہوں، مثلاً زنا کی حد، رہزنی اور مرتد کی حد وغیرہ، اس لیے کہ ان جرائم میں عقدِ امان درست نہیں اور اس کی وجہ سے وہ مامون نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو دھوکہ سے اچانک قتل کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ ان کو قتل کرنا ایک طے شدہ بات ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو دشنام دہندہ بھی انھی لوگوں میں شامل ہے۔

اس کی تائید علمائے مغازی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

> ”اگر وہ اسی طرح بھاگ جاتا جس طرح دوسرے لوگ بھاگ گئے تھے تو اُسے دھوکے سے قتل نہ کیا جاتا مگر اس نے ہمیں اذیت دی اور اشعار میں ہماری ہجو کہی تھی، اور تم میں سے جو بھی اس طرح کرے گا اس کو تلوار سے سزا دی جائے گی۔“[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کے سوا اُس کی کوئی اور سزا نہیں۔

---

[1] كتاب المغازي للواقدي (١/ ١٩٢)

دلیل چہارم:

اس کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے، بشرطیکہ صحیح ہو۔ وہ حدیث یہ ہے:

''جو کسی نبی کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے اور جو آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دے اُسے کوڑے مارے جائیں۔''[1]

اس حدیث میں ہر دشنام دہندہ کے لیے قتل کو متعین کیا گیا ہے اور کسی دوسری سزا کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اس حدیث کی دلالت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ یہ حدیث صحیح اور محفوظ ہو۔

دلیل پنجم:

رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی اس لیے دعوت دی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ستایا کرتا تھا۔ اسی طرح جو شخص بھی آپ ﷺ کو گالی دیتا یا آپ ﷺ کی ہجو کہتا آپ ﷺ اس کو قتل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے، ماسوا اُس شخص کے جس پر قابو پانے کے بعد آپ ﷺ اُسے معاف کر دیں، اور رسول کریم ﷺ جس بات کا حکم دیں اس کی تعمیل واجب ہوتی ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ دشنام دہندہ کو قتل کرنا واجب ہے اگرچہ دیگر محاربین کا قتل واجب نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت و حیات سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے کسی گالی دینے والے کو قابو پا کر معاف کر دیا ہو، ماسوا اُس کے جو توبہ کر لے یا منافقین میں سے ہو، امر بالجہاد اور اقامت حدود کی تعمیل کے لیے یہ بات ہی مناسب ہے، اس لیے یہ واجب ہے۔ نیز اس کی مؤید یہ بات ہے کہ اس کو قتل نہ کرنے سے اللہ اور رسول ﷺ کی نصرت کا ترک لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔

دلیل ششم:

چھٹی دلیل اقاویلِ صحابہ ہیں کہ تعینِ قتل کے سلسلہ میں وہ نص کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۔ مثلاً جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول:

''جس نے اللہ کو یا اس کے کسی نبی کو گالی دی اُسے قتل کر دو۔''[2]

---

[1] المعجم الصغیر للطبراني (۱/ ۳۹۳، رقم الحدیث: ٦٥٩) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اسے طبرانی نے اپنے شیخ عبیداللہ بن محمد عمری سے روایت کیا ہے جسے امام نسائی نے متہم بالکذب کہا ہے۔'' اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ٦/ ٢٦٣، الضعیفة، برقم: ٢٠٦)

[2] الجلیس الصالح للحریري (۳/ ۳۰٦)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور خاص اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''جو معاہد عناد رکھتا ہو اور اللہ یا اس کے کسی نبی کو گالیاں دے یا علانیہ ایسا کرے تو اس نے عہد توڑ دیا، اُسے قتل کر دو۔''

تو گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے گالی دینے کی صورت میں معاہد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے المہاجر کو اس عورت کے بارے میں لکھا تھا جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی تھیں۔ فرماتے ہیں:

''اگر وہ بات نہ ہوتی جو پہلے تم اس عورت کے بارے میں کر چکے ہو تو میں تجھے اس کے قتل کا حکم دیتا، اس لیے کہ انبیاء کی وجہ سے جو حد لگائی جاتی ہے وہ عام حدود کی طرح نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مسلم ایسا کرے تو وہ مرتد ہوگا اور اگر معاہد اس کا مرتکب ہو تو وہ محارب اور عہد شکن ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس عورت کو قتل کرنا بطور خاص واجب تھا، بشرطیکہ یہ موقع چلا نہ گیا ہوتا، اس میں حاکم وقت کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا، خصوصاً جبکہ دشنام دہندہ عورت ہو۔

یہ واقعہ تنہا اس کی دلیل بن سکتا ہے، جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا۔

۴۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس راہب کے بارے میں کہا تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا:

''اگر میں اس کی بات سن لیتا تو اُسے قتل کر دیتا۔''

اور اگر وہ راہب اس قیدی کی طرح ہوتا جس کے بارے میں حاکم کو اختیار ہوتا ہے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے اس کو قتل کرنا جائز نہ ہوتا اور یہ دلیل واضح ہے۔

دلیل ہفتم:

جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر عہد شکنی کرتا ہے تو اس کا حال اصل حربی کافر سے شدید تر ہے اور جو شخص دین کو ہدف طعن بنا کر اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دے کر ہمارے عہد سے نکل جائے اسے عبرت خیز سزا دینا واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ [الأنفال: ٥٥]

"اللہ کے نزدیک جو لوگ کافر ہو گئے چوپایوں کی مانند ہیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔"

اس قسم کی آیات میں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اگر تم جنگ میں ان لوگوں کو پاؤ تو (اتنی عبرتناک سزا دیجیے کہ) ان کے پچھلے بھی بھاگ جائیں، ممکن ہے کہ وہ نصیحت حاصل کریں، یعنی ایسا سلوک کیا جائے کہ دوسرے لوگوں کا شیرازہ بھی اس کو معلوم کر کے بکھر جائے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ [التوبة: ۱۳]

"تم اس قوم سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول ﷺ کو نکال دینے کا ارادہ کیا اور انھوں نے ہی پہلی مرتبہ اس کا آغاز کیا تھا۔"

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا جو اپنی قسموں کو توڑتے اور رسول کریم ﷺ کو یہاں سے نکال دینے کا ارادہ کرتے ہیں اور انھوں نے ہی نقضِ عہد کا ارادہ کیا، اور ظاہر ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہے وہ رسول ﷺ کو نکالنے کا ارادہ کرنے اور پہلی مرتبہ اس کا آغاز کرنے سے بھی عظیم تر جرم ہے۔ قرآن میں مزید فرمایا:

﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ [التوبة: ۱۴، ۱۵]

"ان سے لڑائی کیجیے، اللہ تعالیٰ ان کو تمھارے ہاتھ سے سزا دے گا، انھیں رسوا کرے گا اور تمھیں ان پر غلبہ عطا کرے گا اور مومن قوم کے سینوں کو شفا دے گا اور تمھارے دلوں کے غصے کو دور کرے گا۔"

اور یہی حال ہے ان کفار کو عبرتناک سزا دینے کا جو گالی دینے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ یہ مقصد اسی صورت میں پوری طرح حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص ایک طاقتور گروہ کے اندر رہ کر عہد شکنی کرے اور ہم اُن میں سے کسی ایک کو گرفتار کر لیں تو وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ ان کے خلاف لڑنے اور ان پر غلبہ پانے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ناقضِ عہد کے خلاف قتل و قتال از بس ناگزیر ہے، اس لیے کہ مقصد اسی

طرح حاصل ہوتا ہے، اس طریقے میں اگرچہ ہر ناقضِ عہد شامل ہے جو ایذا دے کر اپنا عہد توڑتا ہے مگر یہاں اس کا ذکر خصوصی دلالت کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ دلالت عام بھی ہے اور خاص بھی۔

دلیل ہشتم:

کوئی ذمی جب نبی کریم ﷺ کو گالی دے گا تو اس سے ایسا فعل صادر ہوگا جو دو امور کو متضمن ہوگا:

۱۔ ہمارے اور اس کے درمیان جو عہد ہے وہ ٹوٹ جائے گا۔

۲۔ وہ رسول کریم ﷺ کی بے حرمتی کی جسارت کر کے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کو ایذا دیتا اور دین کو ہدفِ طعن بناتا ہے، اور یہ بات اس کے کافر ہونے اور محض عہد توڑنے سے بڑھ کر ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ وہ مسلم عورت کے ساتھ زنا کر کے، رہزنی اور قتل کر کے، مسلمانوں کا مال لے کر اور ان کو قتل کر کے عہد شکنی کا مرتکب ہو۔ اندریں صورت اس کا فعل عہد شکنی کے علاوہ ایک اور جرم پر بھی متضمن ہے، اس لیے کہ زنا، رہزنی اور قتل بذاتِ خود ایک جرم ہے مگر نقضِ عہد ایک جداگانہ جرم بھی ہے۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کی دشنام طرازی بذات خود، نقضِ عہد سے ایک الگ جرم ہے جس کی ایک جداگانہ سزا ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں دی جاتی ہے۔ یہ سزا رسول کریم ﷺ کی نبوت کی تکذیب کی سزا سے ایک الگ سزا ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیات ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ [الأحزاب: ٥٧]

”بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں، اللہ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔“

اس آیت میں دنیا اور آخرت کی لعنت اور رسوا کن عذاب کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ایذا رسانی ہی اس کی موجب ہے۔

قرآن میں مزید فرمایا:

﴿ وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ﴾ [التوبة: ١٢]

”اگر عہد باندھنے کے بعد اس کو توڑ ڈالیں اور دین پر طعنہ زن ہوں تو بڑے بڑے کافروں کو قتل کر دو، ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں ہوسکتا کہ وہ باز آئیں۔“

مندرجہ صدر آیات کی توضیح پیچھے گزر چکی ہے۔

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ رسول کریم ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو اُن لوگوں کو امان دی جو قبل ازیں آپ ﷺ سے برسر پیکار رہا کرتے تھے اور جنھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑ کر خیانت کا ارتکاب کیا تھا، ماسوا چند لوگوں کے جن کو آپ ﷺ نے امان نہیں دی تھی، ان میں سے دو لونڈیاں تھیں جو آپ ﷺ کی ہجو پر مشتمل گیت گایا کرتی تھیں، ایک عورت سارہ تھی جو بنی عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی اور مکہ میں آپ ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھی، اندریں اثنا آپ ﷺ نے ہجو گوئی کرنے والی عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، حالانکہ عورت کو قتل کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ مصروف حرب و پیکار رہی ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے سب اہل مکہ کو امان دی، حتیٰ کہ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے جنگ لڑی اور عہد شکنی کا ارتکاب کیا، ایسا کرنے والے مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجو گوئی ایک ایسا جرم ہے جو تنہا حرب و قتال سے بھی بڑھ کر ہے، اس لیے کہ دو متماثل امور میں تفریق رسول کریم ﷺ کا شیوہ نہیں ہوسکتا، جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس نے ایک مسلم کو قتل کیا تھا۔ علاوہ بریں وہ مرتد تھا اور آپ ﷺ کی ہجو گوئی کیا کرتا تھا، اور قتل، ارتداد اور ہجو گوئی میں سے ہر جرم ایسا ہے کہ یہ کفر اور جنگ لڑنے سے بھی غلیظ تر جرم ہے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ان آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا جو فتح مکہ کے بعد بھی آپ ﷺ کو ستایا کرتے تھے، مثلاً ابن الزبعریٰ کعب بن زہیر، حویرث بن نقید، ابن خطل و دیگر اشخاص، حالانکہ آپ ﷺ نے سب شہر والوں کو امان دے دی تھی، رسول اکرم ﷺ نے ابوسفیان بن حارث کے خون کو ھدر قرار دیا تھا اور ابوسفیان اور عبداللہ بن امیہ کو شرف باریابی حاصل کرنے سے اس لیے منع کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی توہین کیا کرتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ نے قیدیوں میں سے صرف ابن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، دوسرے قیدیوں کے بارے میں یہ حکم نہیں دیا تھا اور جو شخص ایسے اشخاص کو قتل کرنے میں اپنی جان دے دے اُسے آپ ﷺ اللہ اور اس کے رسول کا حامی و ناصر قرار دیتے تھے، اپنے ایذا دینے والے کو آپ ﷺ قتل کروادیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے:

''کون ہے جو مجھے میرے دشمن سے بچائے؟''

آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ایسے موذی کو قتل کرنے میں تیزی سے کام لیا کرتے تھے خواہ وہ

اُن کا باپ یا کوئی اور (قرابت دار) ہی کیوں نہ ہو، وہ اس قسم کے لوگوں پر جب قابو پاتے تو ان کو قتل کرنے کی منتیں مانتے، اس ضمن میں جو کچھ پہلے ہدیۂ قلم کیا جا چکا ہے وہ عبرت پذیری کے لیے کافی ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے لوگ اگر عام غیر معاہد کفار کی طرح ہوتے تو آپ ﷺ انھیں قتل نہ کرتے اور نہ ہی اُن کو قتل کرنے کا حکم دیتے، خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ آپ نے سب لوگوں کو امان دے دی تھی اور اُن جیسے لوگوں سے اپنا ہاتھ روک لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینا کفر سے بڑھ کر جرم ہے۔ قبل ازیں اس پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ایک دانا آدمی مطمئن ہو جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ایک ایسا جرم ہے جو تمام جرائم کی نسبت زیادہ گھناؤنا اور قبیح ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والا ایسی سزا کا مستحق ہوتا ہے کہ دیگر جرائم پیشہ لوگ اس کا استحقاق نہیں رکھتے، وہ ایسا حربی کافر ہی کیوں نہ ہو جو مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزمائی میں مبالغہ کی حد تک منہمک ہو، نیز ایسے شخص سے انتقام گیری کی دین میں سخت تاکید کی گئی ہے، اس کا خون بہانا افضل الاعمال میں سے ہے اور اس لائق ہے کہ اس میں ممکنہ سرعت و عجلت کر کے رضائے خداوندی حاصل کی جائے، یہ بلیغ ترین جہاد ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں پر لکھ رکھا اور اُسے فرض قرار دیا ہے۔

جو شخص ایسے لوگوں کے حالات پر غور و فکر کرے گا جن کے خون کو رسول کریم ﷺ نے فتحِ مکہ کے دن رائیگاں قرار دیا، ان پر آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے حتیٰ کہ ان میں سے بعض کو حدودِ حرم کے اندر قتل کر دیا گیا، ان میں سے بعض سے اعراض فرمایا اور دوسروں کے قتل کے منتظر رہے تو اس کو ایسے جرائم نظر آئیں گے جو کفر، قتال، ارتداد اور قتل سے بھی قبیح تر ہوں گے، ان میں اکثر و بیشتر کا جرم رسول کریم ﷺ کو گالی دینا اور اپنی زبان کے ساتھ آپ ﷺ کو ایذا دینا تھا، پس اس مسئلہ کی اس سے واضح تر دلیل اور کیا ہوگی؟ آپ ﷺ کی ہجوگوئی، کفر و قتال سے بھی غلیظ تر جرم ہے، اور دیگر معاصی کی طرح یہ کفر کے ضمن میں داخل نہیں ہوتا، نیز یہ کہ معاہدین جب اپنے عہد کو توڑ دیں اور ان میں رسول کریم ﷺ کے دشنام دہندگان بھی ہوں تو گالی کی سزا محض نقضِ عہد سے بڑھ کر ہوگی۔

اور جس بات سے یہ ثابت ہے کہ گالی دینا ایک ایسا جرم ہے جو کفر و قتال سے بھی بڑھ کر ہے، اگرچہ گالی کفر و قتال پر بھی متضمن ہے، وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنے آپ کو ایذا دینے والے منافقین کو معاف کر دیا کرتے تھے، جیسا کہ پیچھے گزرا ہے، اگرچہ آپ ﷺ ان کو قتل کرنے کے مجاز تھے، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے اور اگر دشنام طرازی محض ارتداد کی ہم معنی ہوتی

تو مرتد کی طرح اس کو قتل کرنا واجب ہوتا، پس معلوم ہوا کہ گالی دینے میں رسول کریم ﷺ کا حق فائق ہے اور اس لیے آپ ﷺ ایسے مجرم کو معاف کر سکتے ہیں۔

اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گالی دینا ایک جداگانہ جرم ہے وہ یہ ہے کہ اگر ذمی اہل اسلام یا معاہدین میں سے کسی کو گالی دے اور عہد کو توڑ ڈالے تو گالی دینے کی وجہ سے وہ اس سزا کا مستحق ہوگا جس کا مستحق وہ محض نقضِ عہد کی وجہ سے نہیں ہوگا، پس رسول کریم ﷺ کو گالی دینا عام آدمی کو گالی دینے سے مختلف فعل ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ دشنام دہندہ کی گالی اور ہجو سے رسول کریم ﷺ کو اسی طرح الم و رنج ہوتا ہے جس طرح اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ آپ ﷺ کے خون اور مال میں تصرف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ﴾ [الحجرات: ۱۲]

''کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے جبکہ وہ مر چکا ہو، پس تم اُسے ناپسند کرو گے۔''

اس آیت کریمہ میں غیبت کو، جو کہ صحیح معنی میں ایک کلام ہے، اس شخص کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا گیا ہے جس کی چغلی کھائی گئی جبکہ وہ مرا پڑا ہو۔

جب غیبت کا یہ حال ہے تو پھر بہتان طرازی کی کیا کیفیت ہوگی، ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا بہتان طرازی کے سوا اور کیا ہے؟

صحیح بخاری و مسلم میں رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے۔''[1]

گالی دینے سے دوسرے لوگوں کو بھی دکھ پہنچتا ہے اور جس طرح اس سے تمام مومنوں کو الم و رنج پہنچتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کو بھی دکھ پہنچتا ہے۔ کفر و محاربہ سے کسی انسان کو اتنی اذیت نہیں پہنچتی جتنی اس صورت میں پہنچتی ہے جبکہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے عزتی بھی کی جائے۔

اگر معترض کہے کہ جو شخص عہد شکنی کر کے رسول کریم ﷺ کی بے عزتی کرے وہ اس شخص کی مانند ہے جو عہد شکنی کا مرتکب ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول کریم ﷺ کی بے عزتی کرنا اور آپ ﷺ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٠٤٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٠)

کو ایذا دینا ایک ایسا جرم ہے جس کا رسول کریم ﷺ کی خصوصیت اور آپ ﷺ کی ایذا رسانی کی خصوصیت کے اعتبار سے کوئی بدلہ موجود ہی نہیں۔ گویا یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص کسی نبی کو قتل کر دے تو اس کے قتل کی سزا اتنی شدید ہے کہ وہ کفر و محاربہ سے بھی شدید تر ہے، یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں، اس لیے کہ انبیاء کا خون اور ان کی ناموس مومنین کے خون اور ناموس سے اولیٰ و افضل ہے، جب دوسرے لوگوں کی ناموس اور خون کی سزا محض نقضِ عہد کی سزا کے تحت مشتمل نہیں تو انبیاء کی ناموس اور خون کی سزا نقضِ عہد کی ذیل میں بالاولیٰ شامل نہیں ہوگی۔

جملہ حقوق رسول کریم ﷺ کی دشنام طرازی کے ساتھ وابستہ ہیں:

اس کی توضیح یہ ہے کہ متعدد حقوق رسول کریم ﷺ کی دشنام طرازی کے ساتھ وابستہ ہیں:

۱۔ ایک تو اللہ کا حق اس سے وابستہ ہے، اس لیے گالی دینے والے نے رسول کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اور اس کے افضل ترین دوست سے اظہارِ عداوت کیا، نیز اس نے رسول کریم ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔

۲۔ اس نے اللہ کی کتاب اور اس کے دین پر طعن کیا، اس لیے کہ دین اسلام اور کتاب اللہ کی صحت کا انحصار رسالت کی صحت پر ہے۔

۳۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کو ہدفِ طعن بنایا، اس لیے کہ رسول کو ہدفِ طعن بنانا اس کو بھیجنے والے کی تکذیب اور انکار ہے، یہ انکار کلام الٰہی، اس کے اوامر و اخبار اور اس کی صفات سب کے انکار پر مشتمل ہے۔

۴۔ اس کے ساتھ اس امت اور دیگر امم کے ساتھ مومنین کا حق شامل ہے، اس لیے کہ تمام اہل ایمان اس پر ایمان رکھتے ہیں، خصوصاً اس کی امت کے مومنین کیونکہ ان کے دین و دنیا اور آخرت کے جملہ امور اُس سے وابستہ ہیں، بلکہ یوں کہیے کہ دنیا اور آخرت میں ان تک جو بھلائی پہنچتی ہے اس کی وساطت اور شفاعت کی وجہ سے پہنچتی ہے، پس اس کو گالی دینا ان کے نزدیک ان کی اپنی ذات کو گالی دینے، ان کے آباء و ابناء اور جمیع الناس کو گالی دینے سے شدید تر جرم ہے، جس طرح وہ نبی اُن کے نزدیک اُن کے نفوس، اُن کی اولاد، اُن کے آباء اور سب لوگوں کی نسبت محبوب تر ہے۔

۵۔ نیز اس کے ساتھ رسول کریم ﷺ کا حق آپ ﷺ کی ذات کے اعتبار سے بھی متعلق ہے، اس لیے کہ کسی شخص کو جتنا دکھ اپنی بے عزتی سے ہوتا ہے کسی کے اُس کا مال لینے یا مار پیٹ سے اتنا الم

ورنج اُسے نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات کسی کے زخمی کرنے سے بھی اتنا دکھ نہیں ہوتا، خصوصاً اس شخص کے لیے جس پر اپنے نبی کے کمالِ عزّ وشرف اور علوِ مرتبت کا اظہار وجوب کا درجہ رکھتا ہو اور یہ وجوب اس لیے ہے تا کہ لوگ دنیا و آخرت میں اس سے مستفید ہوں۔ نبی کی بے آبروئی بعض اوقات اس کے نزدیک اس کو قتل کرنے سے بھی عظیم تر (جرم) ہوتا ہے، کیونکہ کسی نبی کو قتل کرنے سے اس کی نبوت و رسالت اور اس کی علوِ مرتبت میں کچھ فرق نہیں آتا، بالکل اسی طرح جس طرح نبی کی وفات سے اس کے درجات میں کمی واقع نہیں ہوتی، برخلاف بے آبروئی کے کہ اس سے بعض لوگوں کے نفوس میں اس کے خلاف نفرت اور بدگمانی کے احساسات کروٹ لیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے ایمان میں فساد رُونما ہو کر ان کے لیے دنیا و آخرت کے خسارے کا موجب ہوتا ہے، پھر یہ کیونکر درست ہے کہ ایک دانش مند آدمی یہ سمجھے کہ یہ جرم اسی نوعیت کا ہے جیسے کوئی ذمی دارالاسلام میں سکونت گزیں ہو اور پھر وہ دارالحرب کو وطن بنا لے، حالانکہ دارالحرب میں چلے جانا بطور خاص نہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق ہے اور نہ کسی مسلم کا، زیادہ سے زیادہ (اس سے جو جرم سرزد ہوا وہ یہ ہے کہ) وہ شخص ہماری پناہ میں تھا اور اُس نے اس تحفظ کو کھو دیا، ظاہر ہے کہ ایسا کر کے اس نے خود اپنی ذات کو نقصان پہنچایا ہے، کسی اور کو نہیں، اس سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ گالی دینے سے جو اذیت اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے مومن بندوں کو ہوئی ہے وہ کفر و محاربہ سے نہیں ہوتی، اور یہ بات محتاجِ بیان نہیں ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ گالی کا جرم ہے جس کی سزا قتل ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''کعب بن اشرف کا کون ذمہ دار ہے کیونکہ اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو ایذا دی ہے؟''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی اس کا حق یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، نیز جیسا کہ پہلے گزرا کہ آپ ﷺ نے اس عورت کے خون کو ھدر قرار دیا تھا جو گالیاں دیا کرتی تھی، حالانکہ نقضِ عہد کی وجہ سے کسی کو قتل نہیں کیا جاتا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے گالیاں دینے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا اور جو شخص اسی طرح کا بے دین تھا اس سے کچھ تعرض نہ کیا، لوگوں کو اس کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥١٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٠١)

دعوت دی اور اس میں عجلت سے کام لینے والوں کی تعریف کی۔

مزید برآں یہ حدیث مرفوع اور اقوالِ صحابہ پہلے گزر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو کسی نبی کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے اور جو غیر نبی کو سب و شتم کرے اُسے کوڑے مارے جائیں۔''

جو بات یہاں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہم کہیں کہ اس جرم کی سزا بطور خاص قتل ہے، یا کوڑے مارنا یا اس کی کچھ سزا نہیں، بلکہ اس کی سزا کفر وقتال کے ضمن میں داخل ہے۔ ہم تیسری قسم کا ابطال ثابت کر چکے ہیں اور دوسری قسم بوجوہ باطل ہے:

پہلی وجہ:

اگر معاملہ یوں ہوتا تو ذمی جب رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر عہد توڑتا تو چاہیے تھا کہ اُسے کوڑے مارے جاتے، اس لیے کہ یہ ایک انسان کا حق ہے، پھر کافر حربی کی طرح اُسے کفر کی وجہ سے قتل کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات سنت اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے، اس لیے کہ وہ سب اس کو قتل کرنے پر متفق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر دو جرائم کی سزا قتل ہے اور قتل میں تعدد ممکن نہیں ہے، اس طرح چاہیے تھا کہ مرتد کو رسول کریم ﷺ کے حق کی وجہ سے کوڑے مارے جاتے، پھر ارتداد کی وجہ سے اُسے قتل کیا جاتا، جس طرح وہ مرتد جو کسی مسلمان کو گالی دے تو اس سے آدمی کا حق وصول کیا جاتا ہے، پھر اُسے قتل کر دیا جاتا ہے، تم دیکھتے نہیں کہ سرقہ کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، جو اللہ کا حق ہے اور چرایا ہوا مال جو اس کے پاس ہوتا ہے اُسے بالاتفاق واپس کر دیا جاتا ہے اور اگر تلف ہو گیا ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس کا تاوان ادا کیا جاتا ہے اور انسانوں کے حقوق حقوق اللہ میں داخل نہیں ہوتے بشرطیکہ سبب ایک ہو۔

دوسری وجہ:

اگر اس کی سزا قتل نہ ہو بلکہ اُس کو مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہو تو رسول کریم ﷺ کے لیے اُسے معاف کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ مرتد پر حد لگانا بالاتفاق واجب ہے، اُسے معاف کرنا جائز نہیں۔ جب ایک جرم میں رسول کریم ﷺ نے اُسے معاف کر دیا تو معلوم ہوا کہ گالی رسول کریم ﷺ کا حق ہونے کی وجہ سے قتل کی موجب ہے اور اس میں اللہ کا حق بھی داخل ہے۔ رسول کریم ﷺ کو

گالی دینے والا اور آپ ﷺ پر بہتان لگانے والا کسی اور کو گالی دینے والے اور بہتان لگانے والے کی مانند ہوگا۔ آپ ﷺ کو گالی دینے میں دو حق جمع ہو گئے:

۱۔ ایک اللہ کا حق۔ ۲۔ آدمی کا حق۔

جس کو گالی دی گئی اور جس پر بہتان لگایا گیا اگر اپنا حق معاف بھی کر دے تو گالی دہندہ اور قاذف کو اللہ کے حق کی وجہ سے سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ بھی معافی میں داخل ہے، اسی طرح رسول کریم ﷺ اگر اپنی گالی کو معاف کر دیں تو اللہ کا حق بھی معاف ہو جائے گا اور کفر کی وجہ سے اُسے قتل نہیں کیا جائے گا، جس طرح کسی اور کو گالی دینے والے کو معصیت کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے، حالانکہ جو معصیت حقوق العباد سے خالی ہو وہ تعزیر کی موجب ہے۔

اس کی توضیح اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ گالی دینے والے کو قتل کرنے کے مجاز تھے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، اور جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ پر جھوٹ باندھا تھا اور آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا، نیز جیسا کہ شعبی کی روایت میں خارجی کو قتل کرنے کا ذکر ہے اور جیسا کہ سابق الذکر روایات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ایسے شخص کو معاف کر سکتے ہیں۔

مزید برآں حضرت ابن مسعود، ابوسعید، جابر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے بھی اسی طرح ثابت ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا قتل کا موجب ہے، جس طرح کسی اور کو گالی دینے سے کوڑوں کا مارنا واجب آتا ہے اگرچہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا کفر باللہ کا موجب ہے، جس طرح دوسروں کو گالی دینا اللہ کی نافرمانی کا موجب ہے۔

بدیں طور کفر اور قتال کی دو قسمیں ہوں گی:

۱۔ ایک تو وہ جو خالص اللہ کا حق ہے۔

۲۔ دوسرا وہ جس میں حق اللہ اور حق الانسان دونوں شامل ہیں۔

اسی طرح معصیت کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک قسم کی معصیت وہ ہے جو خالص اللہ کا حق ہے۔

۲۔ دوسری وہ جو اللہ کا حق بھی ہے اور انسان کا بھی۔

کفر و قتال کی یہ نوع اس ضمن میں ان انواع کی مانند ہے کہ اُن کا فاعل قتل کا مستحق ہے، مگر

وصولی کے اعتبار سے ان سے مختلف ہے، اس لیے کہ اُن میں سزا آدمی دیتا ہے، جس طرح وہ معصیت جو غیر نبی کی وجہ سے ہوتی ہے اس امر میں دیگر معاصی کی مانند ہے کہ اس کے فاعل کو کوڑے مارے جاتے ہیں اور دیگر معاصی سے اس طرح مختلف ہے کہ اس کو وصول کرنا آدمی کے ذمے ہے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ انسان پر جو حق واجب ہوتا ہے کبھی تو وہ محض اللہ کا حق ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں جبکہ کفر و معصیت کا ارتکاب اس انداز سے کرے کہ مخلوق میں سے کسی کو دُکھ نہ پہنچے تو اس صورت میں جو حد واجب ہوتی ہے اُسے کسی صورت میں معاف نہیں کیا جا سکتا اور گاہے یہ حق محض کسی انسان کا ہوتا ہے، جیسے کسی کا قرض دوسرے انسان کے ذمے واجب الادا ہوتا ہے، مثلاً کسی خرید کردہ کتاب کی قیمت یا قرض کا بدل اور اس قسم کا قرض جو مباح طریقے سے کسی پر واجب ہوتا ہے، اس صورت میں کسی قسم کی کوئی سزا نہیں، البتہ اگر قرض ادا کرنے سے منکر ہو تو اس کی سزا دی جائے گی، اس لیے قرض ادا کرنے سے انکار معصیت پر مبنی ہے۔ بعض اوقات یہ بات حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر مشتمل ہوتی ہے، مثلاً حدِ قذف و قصاص، گالی کی سزا وغیرہ، ان امور میں حد و تعزیر دونوں قسم کی سزا دی جاتی ہے۔ یہ سزا دینے کا اختیار آدمی کو تفویض کیا گیا ہے، اگر چاہے تو قصاص لے لے اور حدِ قذف اس پر عائد کرے اور اگر چاہے معاف کر دے۔

پس رسول کریم ﷺ کو گالی دینا اگر قسم ثانی میں شامل ہے تو اس میں کسی صورت میں بھی کوئی سزا نہیں، لہٰذا یہ طے ہوا کہ یہ تیسری قسم میں شامل ہے، اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس کی سزا قتل ہے۔ اس سے مستفاد ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ایک انسان کا حق ہے جس کی سزا قتل ہے، جس طرح کسی اور کو گالی دینا ایک انسان کا حق ہے جس کی سزا کوڑے مارنا ہے اور یہ سزا اُسے بطور حد شرعی کے دی جاتی ہے یا بطور تعزیر کے، اور یہ بات نہایت صحیح اور واضح ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ جب دو حق جمع ہو جائیں تو اس میں سزا کا دینا از بس ناگزیر ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی نافرمانی دُنیا یا آخرت میں سزا کی موجب ہے، جب اس کی وصولی کا حق تعالیٰ نے مستحق انسان کو دیا ہے، اس لیے کہ اللہ تمام شرکاء کی نسبتِ اشتراک سے بے نیاز ہے، لہٰذا جس نے کوئی کام کیا اور اس میں کسی اور کو شریک کر لیا تو وہ سب اُسی کا ہے جس کو شریک کیا، اسی طرح جس نے کوئی ایسا کام کیا جس میں غیر اللہ کو سزا دینے کا حق ہے تو اس کی تمام سزا غیر اللہ کے ہاتھ میں ہو گی، اور معصیت خداوندی پر جو سزا اُسے دی جائے گی اس کا مقصد یہ ہو گا کہ یہ شخص سزا دینے پر قادر ہو سکے۔ اس کے مفہوم کی تکمیل یہ

ہے کہ یوں کہا جائے کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد اس کی سزا صرف قتل ہے، اس لیے کہ جس کی وجہ سے یہ سزا دی جاتی تھی (وفات کے بعد) اس سے معافی کی درخواست نہیں کی جا سکتی، مثلاً اگر کوئی شخص کسی فوت شدہ مسلم کو گالی دے تو اُس پر تعزیر واجب ہے، اس لیے کہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا اور اگر گالی کسی زندہ کو دی جائے تو معافی طلب کیے بغیر اس کے مرتکب کو سزا نہیں دی جائے گی۔

تیسری وجہ:

رسول کریم ﷺ کو گالی دینا عام لوگوں کو گالی دینے کے مانند نہیں: اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ عام حقوق اور فرائض و محرمات میں عام مومنین کی طرح نہیں ہیں، مثلاً یہ کہ آپ ﷺ کی اطاعت و محبت واجب ہے اور آپ ﷺ کی محبت تمام لوگوں کی محبت سے مقدم ہے، نیز یہ کہ اکرام و احترام میں کوئی شخص آپ ﷺ کا سہیم و شریک نہیں ہے، آپ ﷺ پر صلاۃ و سلام بھیجنا واجب ہے، اور اس قسم کے اَن گنت خصوصیات و ممیزات، آپ ﷺ کو گالی دینا اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے مومن بندوں کے لیے ایذا کا موجب ہے، اس سلسلہ میں جو بات کم از کم کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو گالی دینا کفر و قتال کا موجب ہے، جبکہ دوسروں کو گالی دینا صرف گناہ اور معصیت کا آئینہ دار ہے۔

ظاہر ہے کہ سزا بقدر جرم دی جاتی ہے، اگر آپ ﷺ کو گالی دینا اور دوسروں کو گالی دینا دونوں کی نوعیت یکساں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ گالی کی دو متباین انواع کو برابر کر دیا گیا جو کہ ناروا ہے۔ اگر کسی اور کو گالی دینا معصیت ہونے کے علاوہ کوڑے مارنے کا موجب بھی ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ آپ ﷺ کو گالی دینا کفر کے ساتھ ساتھ قتل کا بھی موجب ہے اور من وجہ کفر کے انواع میں سے ایک نوع ہونے کے علاوہ من وجہ گالی کے انواع میں سے بھی ایک نوع ہوتی، کفر کی جنس ہونے کے اعتبار سے یہ قتل کی موجب ہوتی اور گالی کی ایک نوع ہونے کے لحاظ سے آدمی کا حق ہوتا۔

وجہ چہارم:

رسول اکرم ﷺ نے اُن میں سے کسی کو بھی قتل کے سوا دوسری کوئی سزا نہ دی، اور اگر گالی تنہا قتل کی موجب نہ ہوتی بلکہ اس کی سزا قتل سے کم درجہ کی ہوتی، اور رسول کریم ﷺ قتل سے کم درجہ کی سزا معاف کر دیا کرتے تھے اور اس کے مرتکب کو امان دیتے تھے، تو اس کے فاعل کو قتل نہ کیا جاتا، اس لیے کہ جس دین سے آپ ﷺ وابستہ تھے وہ اس کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

ایک سوال:

اگر معترض کہے کہ پھر دشنام دہندہ کو قتل کرنا دو (جرموں) کے مجموعے کا نتیجہ ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہی ہمارا مقصود ہے، اس لیے کہ گالی جب کفر کو مستلزم ہے تو اس کے مرتکب کو معاہد نہیں بنا سکتے ہیں۔

دلیل نہم:

رسول ﷺ کی دشنام طرازی ارتداد سے بڑا جرم ہے۔ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا، کفر و قتال کی جنس میں سے ہونے کے باوصف، تنہا ارتداد سے بھی عظیم تر جرم ہے، اس لیے کہ ایک مسلم کا رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ارتداد بھی ہے اور اس سے بڑھ کر جرم بھی، جب دین میں داخل ہو کر اُس سے نکل جانے کی وجہ سے مرتد کا کفر دوبالا ہو گیا ہے تو اس کا قتل کرنا عین واجب ہے۔ بنا بریں دشنام دہندہ جس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے تمام مومن بندوں کو اذیت دی اُس کے کفر کا شدید تر ہونا اولیٰ ہے اور اس لیے متعین طور پر قتل کا مستحق ہے، اس لیے کہ کفر کے انواع میں گالی کا فساد ارتداد سے بھی عظیم تر ہے۔

مرتد عورت کے قتل کرنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، مگر مذہب مختار یہ ہے کہ اُسے جہنم رسید کیا جائے۔

قبل ازیں ہم گالی دہندہ ذمی و غیر ذمی عورت کو قتل کرنے کے بارے میں رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و ارشادات نقل کر چکے ہیں، اور جس مرتد آدمی سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اس کا حکم بھی یہی ہے، رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم دشنام دہندہ کو قتل کر دیا کرتے تھے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ دشنام دہندہ کا کفر شدید تر ہے، اس لیے اس کو متعین طور پر قتل کرنا اولیٰ ہے۔

دلیل دہم:

کرۂ ارضی کو رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے پاک کرنا بقدر امکان واجب ہے۔ روئے زمین کو سبّ رسول کے اظہار سے پاک کرنا بقدر امکان واجب اس لیے ہے کہ یہ بات غلبۂ دین کی تکمیل، اعلائے کلمۃ اللہ اور دین کے اللہ کے لیے خالص ہونے کا لازمی عنصر ہے، اگر علانیہ رسول

کریم ﷺ کو گالی دی جائے اور اس کے مرتکب سے انتقام نہ لیا جائے تو دین کا غلبہ باقی نہیں رہے گا اور اللہ کا کلمہ بلند نہیں ہوگا۔ یہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح کرۂ ارضی کو زانیوں، چوروں اور رہزنوں سے بقدر امکان پاک کرنا ضروری ہے، اگرچہ روئے زمین کو اصل کفر سے پاک کرنا واجب نہیں، اور دونوں قسم کے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو ذمی کی حیثیت سے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے یہاں رہنے کی اجازت دینا جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کرتے ہوں، اظہار دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے منافی نہیں، کافر سے مصالحت کرنا اور عاجزی کی صورت میں یا متوقع مصلحت کے پیش نظر اس کو امان دینا جائز ہے، اور جس جرم سے زمین کو پاک کرنا بقدر امکان واجب ہے اس کے فاعل کو شریعت میں مقرر کردہ سزا دینا، جبکہ دوسرا کوئی حاکم اس پر متعین نہ ہو، ضروری ہے۔ پس اس آدمی کو قتل کرنا ہی ایک طے شدہ امر ہے، کیونکہ اس جرم کی باز پرس کرنے والا دوسرا کوئی نہیں، اس لیے کہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور تمام مومنین کا حق اس سے وابستہ ہے، بایں طور دشنام دہندہ اور کافر کا فرق اس سے واضح ہوتا ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کافر پوشیدہ طور پر اپنے کفر پر قائم رہے، جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا پابند بھی ہو، برخلاف اس شخص کے جو علانیہ گالی دینے کا مرتکب ہوتا ہو۔

گیارھویں دلیل:

رسول کریم ﷺ کے دشنام دہندہ کو قتل کرنا حدود شرعیہ میں سے ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے گالی دہندہ کو قتل کرنا اگرچہ ایک کافر کا قتل ہے تاہم وہ حدود شرعیہ میں سے ہے اور محض کفر و قتال کی وجہ سے قتل کرنا نہیں ہے، جیسا کہ سابق الذکر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا جرم ہے جو کفر و قتال سے بھی بڑھ کر ہے، نیز یہ کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا، جبکہ کفر و قتال کی یہ سزا نہیں ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس عورت کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"انبیاء علیہم السلام کی حد دیگر حدود کی طرح نہیں ہے۔"

ظاہر ہے کہ حربی قیدی اور اس قسم کے کفار اور محاربین کے قتل کرنے کو حد نہیں کہا جاتا، نیز اس لیے کہ دارالاسلام میں رسول کریم ﷺ کو علانیہ گالی دینا عظیم فساد اور بہت سے جرائم سے عظیم تر ہے، لہٰذا اس کے لیے ایک ایسی سزا کا مقرر کرنا جو اس کے ارتکاب سے باز رکھنے والی ہو، از بس

ناگزیر ہے، اس لیے کہ شارع ایسے مفاسد کی کھلی اجازت نہیں دیتا اور اس کو موانع وعوائق سے خالی نہیں رکھتا۔ اور اجماع وسنت کی روشنی میں ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی سزا قتل ہے اور یہ کسی معین زندہ آدمی کے ساتھ زیادتی کرنے کی سزا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور ہر مومن کا حق ہے جو اس وقت سامنے موجود نہیں اور جو حد ایسی ہو اُس کو قائم کرنا بالاتفاق ضروری ہے۔

بارھویں دلیل:

رسول کریم ﷺ کا اکرام واحترام واجب ہے۔ رسول کریم ﷺ کی نصرت واعانت اور اکرام واحترام واجب اور آپ ﷺ کے دشنام دہندہ کو قتل کرنا واجب ہے، اگر ایسے آدمی کو قتل نہ کیا جائے تو یہ آپ ﷺ کی تائید ونصرت اور توقیر نہیں بلکہ یہ آپ ﷺ کی قلیل ترین نصرت ہے، اس لیے کہ گالی دینے والا ہمارے قبضے میں ہے اور ہمیں اس پر قدرت حاصل ہے، اگر ہم اُسے قتل نہ کریں، حالانکہ اس کو قتل کرنا جائز ہے، تو یہ حد درجہ کی رسوائی اور تحقیر وتذلیل ہے، اور یہ بات بڑی واضح ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ کی توضیح کے کچھ اور طریقے بھی ہیں جو ہمارے بیان کردہ طرق سے مختلف ہیں۔ ہم نے یہاں طوالت سے اس لیے کام نہیں لیا کہ پہلے مسئلہ میں ذکر کردہ دلائل غور کرنے والے کے لیے اس کے وجوبِ قتل پر دلالت کرتے ہیں۔ بنا بریں ہم نے وہاں جو دلائل ذکر کیے تھے اس پر اکتفا کیا۔ اگرچہ پہلے مسئلہ میں ہمارا مقصد اس کے قتل کا مطلق جواز تھا جبکہ یہاں اس کے وجوبِ قتل علی الاطلاق کا بیان پیش نظر ہے۔ وہاں ہم نے اُن لوگوں کے بارے میں لکھا تھا کہ آپ ﷺ نے جن گالی دینے والے اہل کتاب اور مشرکین کو قتل نہیں کیا تھا، ہم نے بیان کیا تھا کہ یہ آغازِ اسلام میں تھا جبکہ آپ ﷺ کو عفو و درگزر کا حکم دیا گیا تھا، اس وقت تک آپ ﷺ کو اہل کتاب سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اُن سے جزیہ قبول کریں اور کفار ومنافقین کے خلاف جہاد کریں۔ اس وقت آپ ﷺ گالی دینے والے کو معاف کرنے کے مجاز تھے، اس لیے کہ یہ جرم زیادہ تر آپ ﷺ کے حق سے متعلق تھا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس کو کوئی معاف نہیں کرسکتا۔ واللہ اعلم

مسئلہ سوم

گالی دہندہ مسلم ہو یا کافر اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے:

امام حنبل رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جو شخص بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کرے، وہ مسلم ہو یا کافر، اُسے قتل کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔''

فرماتے ہیں کہ جو شخص عہد توڑے اور اسلام میں نئی بات ایجاد کرے میں سمجھتا ہوں کہ اُسے قتل کیا جائے، اُن سے عہد و پیمان اس لیے نہیں کیا گیا تھا کہ وہ ایسے کام کریں۔

عبداللہ (بن امام احمد رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے آیا اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے؟ انھوں نے فرمایا: ''قتل اُس پر واجب ہو چکا ہے، لہٰذا توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قتل کیا جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تھی اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ اگر ایسا شخص مسلم ہو تو مرتد ہو گیا اور اگر ذمی تھا تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا، انھوں نے اپنے تمام جوابات میں علی الاطلاق فرمایا کہ اُسے قتل کیا جائے اور توبہ طلب کرنے کا حکم نہیں دیا۔ دوسری جگہ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ محض مرتد سے تین مرتبہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے، الا یہ کہ اس کی ولادت فطرت اسلام پر ہوئی ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے مشہور روایت یہ منقول ہے کہ تمام مرتدین سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، توبہ کا مطالبہ کرنے میں انھوں نے حضرت عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابو موسیٰ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات صحیحہ کی پیروی کی ہے کہ انھوں نے متعدد مقدمات میں مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا۔

مرتد سے توبہ کا مطالبہ کرنے کا حکم:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اندازہ ہے کہ تین مرتبہ ایسا ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے رسول کریم ﷺ کے ارشاد گرامی ''جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اُسے قتل کر دو۔''[1] کی یہ تشریح کی ہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو دین کو تبدیل کر کے اس پر قائم ہو جائے، اگر توبہ کرے تو وہ دین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہوگا، یعنی وہ یوں کہے کہ میں اسلام لایا، رہا یہ سوال کہ آیا مرتد سے توبہ کا مطالبہ کرنا واجب ہے یا مستحب؟ اس کے بارے میں امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں، اس میں الخرقی کا قول بلا قید و شرط یہ ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کی والدہ پر بہتان لگائے اُسے قتل کیا جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علی الاطلاق کہا کہ رسول کریم ﷺ کے گالی دینے والے کو قتل کیا جائے، دیگر علماء کا قول بھی یہی ہے، حالانکہ مرتد کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب تک اُس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔

اگر گالی دینے سے توبہ کرلے یعنی اسلام لے آئے یا کافر ہو اور دوبارہ ذمی بن جائے یا مسلم ہو جائے اور دوبارہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور دشنام طرازی سے باز رہے تو ہمارے اصحاب میں سے قاضی کہتے ہیں کہ ارتداد کا مطلب شہادتین سے انکار کرنا ہے یا اشارۃً اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کو گالی دینا، البتہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کی توبہ قبول نہ کی جائے، اس لیے کہ اس سے رسول کریم ﷺ کو عار لاحق ہوتی ہے۔ ابن عقیل کا قول بھی یہی ہے۔ ہمارے اصحاب سبّ رسول کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہ کی جائے، کیونکہ گالی دینے سے رسول کریم ﷺ کی زندگی داغدار ہوتی ہے، نیز دشنام طرازی ایک آدمی کا حق ہے جس کے بارے معلوم نہیں کہ اس نے اُسے معاف کیا ہے یا نہیں۔

دشنام دہندہ کو توبہ طلب کیے بغیر قتل کرنے کے دلائل:

قاضی اور ان کے بیٹے ابو الحسین کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، احمد نے تصریح کی ہے کہ ایسا شخص ناقضِ عہد ہے، پھر سابق الذکر قاضی صاحب نے امام احمد رحمہ اللہ کی تصریحات نقل کی ہیں کہ اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، اس لیے کہ وہ واجب القتل ہے، قاضی فرماتے ہیں کہ نبی

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۰۱۷)

کریم ﷺ کے حق کے ساتھ دو حق وابستہ ہوتے ہیں، ایک اللہ کا حق۔ اور دوسرا انسان کا حق۔ اور سزا کے ساتھ جب اللہ اور بندوں کا حق وابستہ ہو تو وہ توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، مثلاً محاربہ کی حد کہ اگر وہ قابو میں آنے سے پہلے توبہ کرلے تو بندوں کا حق، جو کہ قصاص ہے، ساقط نہیں ہوگا، البتہ اللہ کا حق ساقط ہو جائے گا۔ ابو المواہب العکبری فرماتے ہیں:

"رسول کریم ﷺ پر بہتان لگانے سے حد مغلظ واجب ہوتی ہے جو کہ قتل ہے، خواہ توبہ کرے یا نہ کرے اور خواہ وہ ذمی ہو یا مسلم۔"

ہمارے اصحاب کی دیگر جماعتوں نے کہا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے دشنام دہندہ کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر۔ عدمِ قبولِ توبہ سے ان کی مراد یہ ہے کہ توبہ کرنے سے قتل ساقط نہ ہوگا۔

اور توبہ ایک جامع اسم ہے، جس کا مطلب اسلام لاکر گالی سے رجوع کرنا ہے، یا اسلام لائے بغیر۔ اسی لیے انھوں نے یہ لفظ استعمال کیا اور یہ مراد لی ہے کہ اگر اسلام لاکر گالی سے رجوع کرلے یا گالی سے باز رہے اور پھر ذمی بن جائے، اگر وہ پہلے ذمی ہو تو قتل اس سے ساقط نہیں ہوگا اس لیے کہ ان میں سے عام لوگوں نے جب یہ مسئلہ ذکر کیا تو کہا ہے کہ امام شافعی اور ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مسلم ہو تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اُسے مرتد کی طرح قتل کیا جائے اور اگر ذمی ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا عہد نہیں ٹوٹتا۔ اصحاب الشافعی اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک توبہ سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ مرتد ہو تو اسلام قبول کرلے، نیز اس لیے کہ انھوں نے اس پر مرتد کا حکم لگایا ہے اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ مرتد کی توبہ یہ ہے کہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور یہ اس کے بارے میں واضح ہے، اس لیے کہ جو شخص بھی اسلام سے پھر جائے، اس کی توبہ یہ ہے کہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور اپنے قول سے توبہ کرلے۔ باقی رہا ذمی تو اس کی توبہ کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ گالی دینے سے باز رہے اور کہے کہ آئندہ میں ایسا نہیں کروں گا اور میں دوبارہ ذمی بنتا ہوں اور عہد کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں گا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام قبول کرلے، اس لیے کہ اس کا اسلام لانا ہی گالی سے توبہ کرنا ہے۔

اور یہ دونوں صورتیں ان لوگوں کے کلام میں شامل ہیں جو کہتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول کی جائے

یا نہ کی جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، اگرچہ دوسری صورت پہلی کی نسبت ان کے کلام سے زیادہ مناسب رکھتی ہے۔ جب اسلام لانے کی صورت میں اس سے قتل ساقط نہیں ہوتا تو دوبارہ ذمی بننے سے قتل کا ساقط نہ ہونا اولیٰ ہے۔ مناسب تر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ مسلم کی توبہ یہ ہے کہ اسلام لائے، اسی طرح کافر کی توبہ بھی یہی ہے، اس لیے کہ انھوں نے دونوں کی توبہ کا ذکر بہ لفظ واحد کیا ہے، نیز اس لیے کہ ان کا آدمی کے حق کو علت قرار دینا اور پھر اُسے محارب پر قیاس کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اسلام لانے کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا اور اس لیے بھی کہ انھوں نے متعدد مقامات پر اس امر کی تصریح کی ہے، جن میں سے بعض کا تذکرہ ابھی آ رہا ہے کہ کافر کی توبہ سے یہاں اسلام مراد ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور جماعت نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ قاضی شریف ابو علی بن ابی موسیٰ اپنی کتاب ''الارشاد'' میں لکھتے ہیں اور ان کی تحریر پر اعتماد کیا جاتا ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اور اگر اہل ذمہ میں سے کوئی آپ کو گالی دے تو اُسے قتل کیا جائے، اگرچہ وہ اسلام قبول کر لے۔

ابو علی بن البناء اپنی کتاب "الخصال والأقسام" میں رقمطراز ہیں:

''اور جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے وہ واجب القتل ہے، اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اگرچہ وہ کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائے، اس ضمن میں صحیح موقف یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، وہ کہتے ہیں کہ امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے۔''

ان میں سے عام لوگوں نے مسلم و کافر کے قتل کے وجوب میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا، نیز یہ کہ توبہ کرنے اور اسلام لانے سے اس کا قتل ساقط نہیں ہوگا، اپنی آخری تصانیف مثلاً "التعليق الجديد" میں قاضی مذکور اور اُن کے ہم خیال اہل علم کا یہی طرز و انداز ہے۔

قاضی مذکور اپنی کتاب "التعليق القديم" اور "الجامع الصغير" میں لکھتے ہیں:

''مسلم کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور اگر کافر مسلمان ہو جائے تو اس کے بارے میں دو روایات ہیں۔''

قاضی "الجامع الصغير" میں، جو مسائل "التعليق القديم" میں شامل ہیں، لکھتے ہیں:

''جو شخص رسول کریم ﷺ کی والدہ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی

جائے، اگر کافر ہو اور اسلام لے آئے تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ اُسے قتل کیا جائے اور دوسری یہ کہ اُسے قتل نہ کیا جائے، بلکہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ انھوں نے ساحر پر قیاس کیا ہے کہ اگر وہ کافر ہو تو اسے قتل نہ کیا جائے اور اگر مسلم ہو تو اُسے قتل کیا جائے۔''

جن لوگوں نے ''التعلیق القدیم'' سے نقل کیا ہے، مثلاً شریف ابی جعفر، انھوں نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''اگر نبی اکرم ﷺ کی والدہ کو گالی دے تو اُسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور اگر ذمی رسول کریم ﷺ کی والدہ کو گالی دے تو اُس کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اُسے قتل کیا جائے اور دوسری یہ کہ اُسے قتل نہ کیا جائے۔''

امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہی تفصیل ذکر کی ہے مگر اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اس کی توبہ قبول کی جائے، ہماری دلیل یہ ہے کہ کسی کو بہتان لگانے کی طرح یہ حد واجب ہے اس لیے توبہ سے ساقط نہ ہوگی، جس طرح نبی کریم ﷺ کی والدہ کے علاوہ کسی پر بہتان لگایا جائے تو وہ معاف نہیں ہوتا۔

ابوالخطاب ''رؤوس المسائل'' میں رقمطراز ہیں:

''اگر کوئی شخص رسول کریم ﷺ کی والدہ پر بہتان لگائے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اگر کافر رسول کریم ﷺ کی والدہ کو گالی دے اور پھر مسلمان ہو جائے تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔''

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ حد واجب ہے، مثلاً کسی شخص پر بہتان طرازی، لہٰذا یہ توبہ کرنے سے ساقط نہ ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر نبی کے سوا کسی اور کی والدہ پر بہتان باندھا جائے تو وہ معاف نہ ہوگا (اسی طرح یہ بھی معاف نہیں ہوگا)۔

میں نے ان لوگوں کی عبارت اس لیے ذکر کی ہے تاکہ ظاہر ہو کہ یہاں توبہ سے مراد کفر کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنا ہے۔ ایسے معلوم دیتا ہے کہ ان کا طرزِ فکر بالکل وہی ہے جو اس ضمن میں ابن البناء کا ہے کہ کوئی مسلم جب رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، نیز ذمی جب (رسول کریم ﷺ کو) گالی دے، پھر اسلام لائے تو مذہب صحیح کے مطابق اُسے بھی قتل کیا جائے گا۔

اگر معترض کہے کہ قاضی نے اپنی کتاب ''الخلاف'' میں کہا ہے کہ اگر کہا جائے کہ آیا تم نے یہ بات نہیں کہی کہ اگر کوئی شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دیے بغیر اپنا عہد توڑ ڈالے، مثلاً جزیہ دینے سے انکار کرے یا مسلمانوں سے جنگ لڑے یا اُن کو ایذا دے پھر توبہ کرے تو تم اس کی توبہ کو قبول کر لو گے؟ اور حاکم کو اس کے بارے میں چار باتوں کا اختیار ہوگا، جس طرح حربی کے بارے میں اختیار ہے جبکہ وہ ہمارے یہاں قیدی ہو، پھر تم نے یہ بات اس شخص کے بارے میں کیوں نہ کہی جو رسول کریم ﷺ کو گالی دے کر اس سے توبہ کر لے؟

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا گویا ایک مرحوم شخص پر بہتان لگانا ہے، اس لیے توبہ کرنے سے اس کی سزا ساقط نہیں ہوگی۔ جس طرح فوت شدہ شخص پر اگر بہتان لگایا جائے تو وہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتا، قاضی کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ سے اسلام مراد نہیں، اس لیے کہ اگر کوئی شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دیے بغیر عہد توڑے اور پھر اسلام لائے تو حاکم کو اس میں اختیار نہیں ہوگا، ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ توبہ، یعنی گناہ سے باز رہنے سے پہلے چار امور میں حاکم کو جو اختیار حاصل ہوتا ہے اور توبہ کے بعد جو اختیار ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں اور وہ بھی اس کے نزدیک جو اختیار کو تسلیم کرتا ہے، مخالف کا مقصد صرف اس صورت پر قیاس کرنا ہے جو نزاع و خلاف کی صورتوں سے ملتی جلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں توبہ کے بعد فیصلہ کیا جائے جبکہ وہ اس توبہ سے پہلے ہو جس کے قتل کا جواز ثابت ہو چکا ہے۔

علاوہ ازیں عہد شکنی کرنے والے ذمی کی توبہ کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ ایک یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے، کیونکہ اس کا اسلام لانا کفر اور اس کے متعلقات سے توبہ کرنے کا نام ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ پھر ذمی ہو جائے اور جس گناہ کا اس نے ارتکاب کیا اور اس کی وجہ سے اس کا عہد ٹوٹا اس سے توبہ کر لے۔

یہ نقضِ عہد سے توبہ ہے، جب اس قسم کی توبہ ہے اور وہ اس پر قادر بھی ہے تو حاکم کے لیے جائز ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لے، کیونکہ وہ ایک قیدی کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح قیدی اگر اس بات کا متمنی ہو کہ اُسے ذمی بنا لیا جائے تو اس کی آرزو کی تکمیل کرنا چاہیے۔

مگر مخالف نے قاضی کے طرز فکر کے پیش نظر یہ اعتراض وارد کیا کہ تمھارے نزدیک عہد شکنی

کرنے والا جب نقضِ عہد سے توبہ کر لے تو امام کو اس کے بارے میں اختیار ہوتا ہے، تو پھر تم حاکم کو اُس صورت میں کیوں اختیار نہیں دیتے جب گالی دہندہ اس سے توبہ کر لے اور اس کے بعد اختیار کا امکان بھی ہو اور وہ یوں کہ وہ گالی دینے سے باز رہے اور دوبارہ ذمی بننا چاہے، اسی لیے اس صورت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ پھر امام کو توبہ کے بعد کیوں اختیار نہیں دیا جاتا اگرچہ دوسری صورت میں توبہ کے بعد، جو کہ اسلام ہے، اختیار کا امکان باقی نہیں رہتا۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ صحیح بات یہ ہے کہ عہد شکنی کرنے والا اگر اس طرح عہد توڑے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو تو اس صورت میں امام کو اختیار حاصل نہیں ہوتا، یہ بھی ظاہر ہوا کہ دوسری روایت جو انھوں نے مسلم و کافر کے فرق و امتیاز کے بارے میں نقل کی دراصل اس کا تعلق کافر ساحر اور مسلم ساحر کے مابین فرق و امتیاز کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ ذمی ساحر کے بارے میں فرمایا کہ اسے قتل نہ کیا جائے، اس لیے کہ جس کفر پر وہ قائم ہے وہ سحر سے عظیم تر ہے۔ اس کی دلیل یہ دی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جادو کرنے کی وجہ سے لبید بن اعصم کو قتل نہیں کیا تھا، البتہ ان کے نزدیک مسلم ساحر کو قتل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ رسول کریم ﷺ، عمر، عثمان، ابن عمر اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم سے احادیث میں منقول ہے۔[1]

وجہ ترجیح یہ ہے کہ کافر جس شرک کا ارتکاب کرتا ہے وہ گالی دینے اور جادو کرنے کی نسبت بڑا جرم ہے، اس لیے کافر کی جانب گالی اور سحر کی نسبت کرنا یکساں ہے، برخلاف مسلم کے، جب ساحر مسلم کو قتل کیا جاتا ہے اور ذمی کو نہیں، اسی طرح دشنام دہندہ ذمی کو قتل کیا جائے گا مگر مسلم کو قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ گالی دینے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے اس کو نقضِ عہد کی وجہ سے قتل کرنا جائز ہے، جب اسلام قبول کرے گا تو نقضِ عہد کی وجہ سے اُسے قتل نہیں کیا جا سکے گا اور اُسے محض گالی دینے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا، جس طرح محض سحر کی وجہ سے قتل نہیں کیا جا سکتا، اس طرح اس کا خون محفوظ رہے گا۔

خطابی نے بذات خود اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''یہود و نصاریٰ میں سے جو رسول کریم ﷺ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے، الّا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسی طرح کہا ہے، ہمارے اصحاب نے امام احمد رحمہ اللہ سے ایک اور

---

[1] أحكام أهل الملل للخلال : كتاب الردة، باب أحكام السحرة.

روایت نقل کی ہے کہ اگر مسلم گالی دے کر توبہ کر لے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی اور وہ یوں کہ اسلام لائے اور گالی سے رجوع کر لے، ابو الخطاب نے ''الھدایۃ'' میں اور ہمارے متاخرین اصحاب نے، جو اُن کے نقش قدم پر چلتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دینے والے مسلم کے بارے میں اسی طرح کہا ہے، اب سوال یہ ہے کہ آیا اس کی توبہ قبول کی جائے یا ہر حال میں اُسے قتل کیا جائے، اس کے بارے میں دو روایات منقول ہیں۔

دشنام دہندہ اگر توبہ کر لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ صدر بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ گالی دہندہ اگر توبہ کر لے تو اس کے بارے میں تین روایات ہیں:

۱۔ اسے ہر حال میں قتل کیا جائے، سب اہل علم نے اس روایت کی تائید کی ہے، امام احمد کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور ان (حنابلہ) کے اکثر محققین نے صرف اسی روایت کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ اس کی توبہ مطلقاً قبول کی جائے۔

۳۔ کافر کی توبہ قبول کی جائے اور مسلم کی توبہ قبول نہ کی جائے اور ذمی کی توبہ اس صورت میں قبول کی جائے گی جبکہ وہ اسلام لائے لیکن اگر گالی دینے سے باز آ جائے اور دوبارہ ذمی بننا چاہے تو اندریں صورت اس کا خون محفوظ نہیں ہوگا، اس ضمن میں صرف ایک ہی روایت موجود ہے۔

ابو عبداللہ سامری نے ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو آیا اس کی توبہ مقبول ہوگی یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو روایتیں پائی جاتی ہیں اور اہل ذمہ میں سے جو شخص آپ ﷺ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے، اگرچہ وہ اسلام قبول کر لے، ابن ابی موسیٰ نے اس کا ذکر کیا ہے، ان کے ظاہری کلام کے مطابق اختلاف صرف مسلم کے بارے میں ہے، ذمی کے متعلق نہیں، یہ اس روایت کا عکس ہے جس کو ایک جماعت نے اصحاب سے نقل کیا ہے، مگر معاملہ یوں نہیں، اس لیے کہ ابن ابی موسیٰ کہتے ہیں:

''جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اور اگر کوئی ذمی آپ ﷺ کو گالی دے تو اُسے قتل کیا جائے اگرچہ وہ اسلام لے آئے۔''

انھوں نے اس مسئلہ میں کسی اختلاف کا ذکر نہیں کیا، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے منقول روایت میں ہے، ابو عبداللہ سامری کی کتاب ابو الخطاب اور ابن ابی موسیٰ دونوں کی روایات پر مشتمل ہے، نیز انھوں نے اس کا متعدد چھوٹی کتابوں میں بھی ذکر کیا ہے۔

جب انھوں نے مسلم کے بارے میں مذکور ابو الخطاب کی دونوں روایات کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام قبول کرنے والے ذمی سے متعلق روایت کا تذکرہ بھی کیا کہ اس میں ایک طرح کا خلل رونما ہوا، ورنہ بلاشبہ جب ہم مسلم کی توبہ اس کے اسلام کی وجہ سے قبول کرتے ہیں تو ذمی کی توبہ اس کے اسلام لانے کی وجہ سے بالاولیٰ قابل قبول ہوگی، اس لیے کہ کافر میں گالی کی جو غلاظت پائی جاتی ہے مسلم میں وہ اس سے کچھ زیادہ ہی موجود ہے، یہ اس لیے کہ رسول ﷺ کو ایذا دینے میں وہ دونوں شریک ہیں، اور مسلم کے گالی دینے میں ایک زائد وجہ یہ پائی جاتی ہے کہ وہ اس کے زندیق ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اگر کوئی منافق آپ ﷺ کو گالی دے تو اس کا نفاق ظاہر ہو جائے گا، برخلاف ذمی کے کہ اُس نے اپنے اعتقاد کے مطابق گالی دی اور اسلام لانے سے اس اعتقاد کا ازالہ ہوگیا۔

البتہ سامری کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ مسلم بعض اوقات غلطی سے گالی دیتا ہے، جو اس کے اعتقاد پر مبنی نہیں ہوتی اور جب وہ اس سے تائب ہوتا ہے تو اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، اس لیے کہ وہ گالی زبان کی لغزش، سوءِ ادب یا قلتِ علم پر مبنی ہوتی ہے، بخلاف ازیں ذمی کی گالی بلاشبہ محض ایذا رسانی پر مبنی ہے، جب ایک دفعہ اس پر حد واجب ہوگئی تو دیگر حدود کی طرح اس کے اسلام لانے سے ساقط نہ ہوگی، بعض لوگ اس شخص کا قول ہی پیش کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ گالی دینا باطنی کفر کا موجب اس وقت ہوتا ہے جب اُسے حلال تصور کیا جائے مگر یہ قول قابل قبول نہیں ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ

ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں، اس لیے کہ امام احمد فرماتے ہیں: ''اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔'' امام احمد رحمہ اللہ کا ضابطہ یہ ہے کہ جس کی توبہ مقبول ہو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، مثلاً مرتد۔ یہی وجہ ہے کہ جب زندیق، ساحر، کاہن، عراف (کھوج لگانے والا، کھوجی) اور جو شخص مسلم ہو اور پھر مرتد ہو جائے ان کے بارے میں امام احمد سے مختلف روایات منقول ہیں تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یا نہیں؟ اس کے بارے میں اُن سے دو روایات منقول ہیں، اگر کہیں کہ ان سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے تو پھر انھیں ہر حال میں قتل کیا جائے گا اگرچہ وہ توبہ بھی کر لیں۔

عبداللہ کی روایت میں اس امر کی تصریح پائی جاتی ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے وہ واجب القتل ہے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ اُسے قتل کرنا

واجب ہے اور جو قتل واجب ہو جائے وہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتا، اس کی مؤید یہ بات ہے کہ انھوں نے کہا کہ جو ذمی کسی مسلم عورت کے ساتھ بدکاری کرے اُسے قتل کیا جائے، اُن سے دریافت کیا گیا کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو کیا پھر بھی اُسے قتل کیا جائے گا؟ فرمایا: ہاں، اُسے قتل کیا جائے کیونکہ قتل اُس پر واجب ہو چکا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام واجب شدہ قتل کو ساقط نہیں کر سکتا۔ دشنام دہندہ کے بارے میں ان کا قول یہ ہے کہ وہ واجب القتل ہے۔

مزید برآں ان کے نزدیک اگر کوئی شخص اسلام لانے کے بعد مسلم عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے، یہ مسلمان عورت کے ساتھ بدکاری کرنے کی سزا ہے، اُسے بہر کیف قتل کیا جائے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، جیسا کہ متعدد مقامات پر انھوں نے اس کی تصریح کی ہے اور یہ قتل اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوا، اس پر صرف زنا کی حد واجب ہوگی، اس لیے کہ اس نے مسلمانوں کو ایسا ضرر پہنچایا اور ان پر ایسا داغ لگایا ہے جس نے اس کے قتل کو واجب ٹھہرایا اور اس کا عہد بھی ٹوٹ گیا، جب وہ اسلام لائے گا تو اُس سے اس ضرر کی تلافی نہیں ہوگی، جس طرح اسلام لانے سے رہزنی کی سزا اُسے معاف نہیں کی جائے گی، یوں کہنا درست نہیں کہ اسلام لانے کے بعد وہ ایک مسلم کی طرح ہے، لہٰذا اُس سے ایک مسلم جیسا سلوک کیا جائے جس نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہو، اس لیے کہ اسلام سزا کے آغاز کو روکتا ہے اس کے دوام کو نہیں، اس لیے کہ سزا کا دوام و بقا قوی تر ہے، جس طرح ایک ذمی دوسرے ذمی کو قتل کرے اور پھر اسلام لائے تو اسے قتل کیا جائے اور اگر مسلمان ہوتے ہوئے اُسے قتل کرے تو اُسے قتل نہ کیا جائے۔

اسی لیے ذمی کا عہد چند اُمور سے ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً:

۱۔ مسلم عورت کے ساتھ زنا کرنا اگرچہ ذمی غیر شادی شدہ ہو۔

۲۔ کسی مسلم کو قتل کرنا۔

۳۔ کفار کے لیے جاسوسی کرنا۔

۴۔ مسلمانوں کے ساتھ حرب و پیکار۔

۵۔ دار الحرب کو بھاگ جانا۔

کسی مسلم کو علی الاطلاق ان امور کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا۔ جب ان جرائم کی بنا پر ذمی کو قتل کرنا واجب ہو جائے اور پھر وہ اسلام قبول کرے تو اس طرح ہوگا جیسے کسی ذمی کو قتل کرنے کی وجہ سے

اس کو قتل کرنا واجب ہو اور اس کے بعد وہ اسلام لے آئے کیونکہ اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ اس پر کوئی حد واجب ہو جو مسلم پر واجب نہ ہو اور پھر وہ اسلام قبول کر لے، اس لیے کہ قصاص اسلام کے باعث زائل ہونے میں حدود کی طرح ہے اور وہ شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتا ہے، تو جس طرح اسلام قصاص کے آغاز کو روکتا ہے اس کے دوام کو نہیں، تو معاہد پر جو سزائیں واجب ہوتی ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔

یہ ہمارے اس قول پر مبنی ہے کہ ان امور کا ارتکاب کرنے سے ذمی کو قتل کرنا ایک متعین امر ہے، نیز بطور خاص یہ جرائم اس کے قتل پر اثر انداز ہوتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ ایک غیر معاہد کافر ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو قتل کرنا ان حدود میں سے ہے جو دارالاسلام کے مکینوں پر بھی واجب ہیں، خواہ وہ مسلم ہوں یا معاہد، یہ دارالحرب کے اس آدمی کی طرح نہیں جسے پکڑ کر قیدی بنا لیا جائے، اس لیے کہ اس کے قتل کا مقصد دارالاسلام کو ان جرائم سے پاک کرنا اور معاہدین کے جرائم کا قلع قمع کرنا ہے اور جب یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ مسلمان عورت کے ساتھ زنا کر کے اس نے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کی سزا اِس سے زائل نہیں ہوسکتی تو رسول کریم ﷺ کو گالی دے کر اس نے جو نقصان پہنچایا ہے اس کی سزا کا زائل نہ ہونا بالاولیٰ ہے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے مسلمانوں کو جو دینی ضرر لاحق ہوتا ہے وہ اس ضرر سے کہیں زیادہ ہے جو مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرنے سے ہوتا ہے، جبکہ زانی پر حد لگائی جائے۔

ان کی تصریح اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ذمی جب رسول کریم ﷺ پر بہتان لگائے یا گالی دے، پھر اسلام قبول کرے تو اس کی وجہ سے اُسے قتل کیا جائے گا، اس پر حدِ قذف نہیں لگائی جائے گی جو کہ اسی کوڑے ہے، اور نہ ہی کسی شخص کو گالی دینے کی سزا دی جائے گی جو کہ تعزیر ہے، جس طرح مسلمان عورت کے ساتھ زنا کر کے اسلام لانے والے پر زنا کی حد نہیں لگائی جائے گی، بلکہ قتل کی سزا دی جائے گی جو کہ واجب ہے اور دوسری روایت کے مطابق جس کی تخریج قاضی اور متبعین نے اپنی کتب قدیمہ میں کی ہے ذمی سے گالی نکالنے کی توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر وہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اُسے قتل کیا جائے گا۔

ابوالخطاب اور دیگر علماء کی ذکر کردہ روایت کے مطابق مسلم سے بھی توبہ کا مطالبہ کیا جائے جیسا کہ زندیق اور ساحر سے، مگر امام احمد رحمہ اللہ کے کلام میں مجھے توبہ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ جہاں تک مسلم سے توبہ کا مطالبہ کرنے کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہے، یہ تو اسی طرح ہے جیسے اس شخص سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے جو کفریہ کلمات کہہ کر مرتد ہو جائے، باقی رہا ذمی تو اس سے توبہ کا مطالبہ یہ ہے کہ اُسے

اسلام کی دعوت دی جائے مگر دوبارہ ذمی بن جانے کی صورت میں توبہ کا مطالبہ (حنبلی فقہ) کے مطابق کافی نہیں اس لیے کہ اس کا قتل ایک طے شدہ بات ہے۔

مگر اس مشکوک طریقے کے مطابق جس میں کہا جاتا ہے کہ حاکم وقت کو اس کے بارے میں اختیار ہے، اس سے توبہ کا مطالبہ اس طرح مشروع ہے کہ اُسے دوبارہ ذمی بننے کے لیے کہا جائے کیونکہ اس کے بعد وہ اس کا اقرار کرسکتا ہے لیکن ایک روایت کے مطابق اس سے توبہ کا مطالبہ درست نہیں، اگرچہ دونوں میں سے ایک روایت کے مطابق ہم اس سے اسلام لانے کی صورت میں بطریق وجوب توبہ کا مطالبہ کریں، البتہ ایک روایت کے مطابق، جس کو خطابی نے ذکر کیا ہے، ذمی جب اسلام قبول کرے گا تو قتل اس سے ساقط ہوجائے گا مگر اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، جس طرح حربی قیدی اور دیگر کفار کو طلب توبہ سے قبل قتل کیا جاتا ہے، اور اگر وہ اسلام قبول کریں تو قتل اُن سے ساقط ہوجائے گا اور یہ بات ان لوگوں کی نسبت زیادہ موزوں ہے جو توبہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اس لیے کہ ذمی جب عہد توڑ دے تو اُسے قتل کرنا جائز ہے کیونکہ وہ حربی کافر ہے اور اس سے توبہ کا مطالبہ کرنا بالاتفاق جائز نہیں، ماسوا اُن لوگوں کے جو کہتے ہیں کہ کافر کے ساتھ جنگ کرنے سے پیشتر اُسے دعوتِ اسلام دینا واجب ہے، جب وہ اسلام قبول کرلے تو اس کے بارے میں یوں کہنا جائز ہے کہ اس نے حربی کافر کی طرح اپنا خون بچالیا، برخلاف مسلم کے کہ جب اس کی توبہ مقبول ہو تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، بایں ہمہ جس کی توبہ مقبول ہو تو اس سے توبہ کا مطالبہ کرنا جائز ہے، جس طرح قیدی سے توبہ کا مطالبہ کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ ایک طرح کی دعوتِ اسلام ہے جو اس کو قتل کرنے سے پہلے دی جاتی ہے اگرچہ یہ واجب نہیں ہے مگر اس قول کے قائلین سے منصوص بات یہ سنی گئی ہے کہ اُسے یوں نہیں کہا جائے گا کہ اسلام قبول کر یا اسلام قبول نہ کر، تاہم جب وہ اسلام لائے گا تو قتل اس سے ساقط ہوجائے گا۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ مشہور مذہب کے مطابق ان دونوں سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اگر وہ دونوں توبہ کرلیں تو مشہور مذہب کے مطابق ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

(امام احمد) سے ذمی کے بارے میں منقول ہے کہ اگر وہ اسلام لائے تو قتل اس سے ساقط ہوجائے گا، اگرچہ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔ اُن سے یہ بھی منقول ہے کہ مسلم سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور اس کی توبہ قبول کی جائے، اور ذمی کے بارے میں اُن سے منقول ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے مگر یہ بات بعید (از قیاس) ہے۔

بہتان لگا کر گالی دینے اور دوسری قسم کی گالی میں کچھ فرق نہیں:

جان لیجیے کہ بہتان لگا کر گالی دینے اور بطریق دیگر گالی دینے میں کچھ فرق نہیں، جیسا کہ امام احمد، آپ کے عام اصحاب اور عام علماء نے تصریح کی ہے۔

الشیخ ابو محمد المقدسی رحمہ اللہ نے قذف اور سبّ (گالی دینا) میں فرق کیا ہے، انھوں نے قذف کے ضمن میں مسلم اور کافر کے بارے میں دونوں روایتوں کو ذکر کیا ہے، پھر یہ کہا کہ گالی بلا بہتان بھی اسی کی مانند ہے، البتہ بہتان طرازی کے بغیر جو گالی ہو وہ اسلام لانے سے ساقط ہوجاتی ہے تو نبی کریم ﷺ کو دی گئی گالی بالاولیٰ ساقط ہوگی۔ اس کا مفصل بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا، جب ہم گالیوں کے اقسام پر روشنی ڈالیں گے، یہ امام احمد رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا موقف:

ابن القاسم اور مطرف کی روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جو رسول کریم ﷺ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ ابن القاسم کہتے ہیں جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی نکالے اور بُرا بھلا کہے تو زندیق کی طرح اُسے قتل کیا جائے۔ ابو مصعب اور ابن ابی اویس کہتے ہیں: ہم نے سنا کہ امام مالک کہتے تھے: ''جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کو بُرا بھلا کہے یا آپ ﷺ پر عیب لگائے اور تنقیصِ شان کرے اُسے قتل کیا جائے، وہ مسلم ہو یا کافر اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔'' محمد بن عبدالحکم کا قول بھی یہی ہے۔ ہمیں اصحابِ امام مالک نے بتایا کہ انھوں نے فرمایا: ''جو شخص رسول کریم ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے، وہ مسلم ہو یا کافر، اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔'' امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ بجز اس صورت کے جبکہ کافر اسلام قبول کر لے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا زاویۂ نگاہ:

اشہب امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں: جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، امام مالک رحمہ اللہ کی یہ تصریحات امام احمد کے اقوال و آثار سے ملتی جلتی ہیں۔ ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مسلم اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے، اُن کے نزدیک اس کا حکم زندیق کا سا ہے،

مگر ان کے نزدیک اُسے حداً قتل کیا جائے، کفراً نہیں، جبکہ گالی سے علانیہ توبہ کر لے۔ ولید بن مسلم نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کو ارتداد قرار دیا ہے۔ ان کے اصحاب نے کہا: بنا بریں اس سے توبہ کا مطالبہ کرنا چاہیے، اگر توبہ کرے تو اُسے عبرت انگیز سزا دی جائے اور اگر انکار کرے تو اُسے قتل کیا جائے اور اس پر مرتد کا حکم لگایا جائے گا۔

ذمی جب رسول کریم ﷺ کو گالی دے، پھر اسلام لائے تو کیا اسلام اُس سے قتل کو دور ہٹائے گا؟ اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں جن کو قاضی عبدالوہاب وغیرہ نے ذکر کیا ہے:

پہلی روایت: ایک روایت یہ ہے کہ قتل اس سے ساقط ہو جائے گا، امام مالک رحمہ اللہ سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے، جن میں ابن القاسم بھی شامل ہیں کہ جو شخص اہل ذمہ میں سے ہمارے نبی ﷺ کو گالی دے یا کسی اور نبی کو بُرا بھلا کہے تو اُسے قتل کیا جائے، الّا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ ایک روایت میں ہے کہ اُسے اسلام لانے یا نہ لانے کے لیے کچھ نہ کہا جائے، البتہ اگر اسلام لے آئے تو یہ اس کی توبہ ہوگی۔ مطرف نے ان سے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی مسلم نبی ﷺ کو گالی دے یا کسی نبی کو یا اُن کی تحقیر کرے تو اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، بجز اس صورت کہ وہ قتل سے پہلے اسلام قبول کرے۔ ابن حبیب کہتے ہیں کہ میں نے ابن الماجشون سے سنا، فرماتے تھے کہ مجھ سے ابن عبدالحکم نے کہا اور مجھے ابن اصبغ نے ابن قاسم سے سُن کر بتایا۔ اس روایت کے مطابق ابن قاسم نے کہا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر نصرانی شخص رسول کریم ﷺ کو معروف گالی دے تو اُسے قتل کیا جائے، الا یہ کہ وہ اسلام لائے، امام مالک رحمہ اللہ نے یہ بات کئی دفعہ دہرائی، مگر یہ نہیں کہا کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔

ابن قاسم اور محمد کہتے ہیں کہ ان کے قول کا مفہوم میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر بخوشی خاطر اسلام قبول کرے، بنا بریں اگر وہ پکڑے جانے کے بعد اسلام لائے اور گالی نکالنے کا جرم اس پر ثابت ہو جائے اور اُسے معلوم بھی ہو کہ اسلام نہ لانے کی صورت میں اُسے قتل کر دیا جائے گا تو قتل اس سے ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ اندریں حال وہ مجبور ہے۔

دوسری روایت: دوسری روایت یہ ہے کہ اسلام لانے سے قتل اس سے ساقط نہیں ہوگا، محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ حدِ قذف اور اس قسم کے دیگر حقوق العباد اسلام لانے کے باوجود ذمی سے ساقط

نہیں ہوں گے، البتہ اسلام لانے سے حدود اللہ اس سے ساقط ہوجاتی ہیں، حدِ قذف کا جہاں تک تعلق ہے وہ بندوں کا حق ہے، خواہ کسی نبی سے صادر ہو یا کسی اور سے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا زاویہ نگاہ:

باقی رہا امام شافعی کا مذہب تو نبی ﷺ کے دشنام دہندہ کے بارے میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: ان کا پہلا قول یہ ہے کہ وہ مرتد کی طرح ہے، اگر وہ توبہ کرلے تو قتل اس سے ساقط ہوجائے گا، یہ شافعیہ کی ایک جماعت کا قول ہے، یہی وہ قول ہے جس کو اصحاب الخلاف امام شافعی سے نقل کرتے ہیں۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ رسول ﷺ کے گالی دینے والے کی سزا قتل ہے تو جس طرح حدِ قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اسی طرح نبی کریم ﷺ کو گالی دینے سے جو قتل واجب ہوا وہ توبہ کے ساتھ ساقط نہ ہوگا، کہتے ہیں کہ ابوبکر فارسی نے اس کا ذکر کیا اور اس کے بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے، شیخ ابوبکر قفال اس ضمن میں اُن کے ہم نوا ہیں۔

تیسرا قول: صیدلانی نے اس کے بارے میں ایک تیسرا قول کہا ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کسی پر بہتان لگا کر اُسے گالی دے وہ ارتداد کی وجہ سے موجب قتل ہے، گالی دینے کی وجہ سے نہیں، اگر توبہ کرلے تو قتل کی سزا ساقط ہوجائے گی جو ارتداد کی وجہ سے عائد ہوئی تھی، قذف کی وجہ سے اُسے اَسّی کوڑے لگیں گے، اسی طرح اگر گالی قذف سے الگ ہو تو اس کے مطابق اُس پر تعزیر لگائی جائے گی، ان میں سے بعض نے اس اختلاف کو مسلم کے بارے میں ذکر کیا ہے، جب گالی دے پھر اسلام قبول کرلے تو قتل اس سے ساقط ہوجائے گا، مذہب شافعی کے اصحاب اختلاف نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ "کتاب الام" میں ایک جگہ امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام میں یہی ثابت ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے نواقضِ عہد کا ذکر کرنے کے بعد جو کچھ لکھا ہے اس میں نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کا ذکر بھی کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں جو شخص ایسا کام کرے یا ایسی بات کہے جس کو میں نے نقضِ عہد قرار دیا ہے اور اسلام لائے تو اُسے قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ یہ قول ہو اور اگر فعل ہو تب بھی اُسے قتل نہیں کیا جائے گا، اِلّا یہ کہ دین اسلام میں یہ بات مذکور ہو کہ جو شخص حداً یا قصاصاً قتل کرے تو اُسے بھی حد و قصاص کے طور پر قتل کیا جائے نہ کہ نقضِ عہد کی بنا پر۔

اور اگر وہ ایسے کام کرے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ شرط عائد کرے کہ اُس نے عقد ذمہ توڑ دیا مگر وہ اسلام نہ لائے بلکہ کہے میں توبہ کرتا ہوں اور حسب سابق جزیہ ادا کرتا ہوں یا میں صلح کی تجدید کروں گا، تو اُسے سزا دی جائے اور اُسے قتل نہ کیا جائے، اِلّا یہ کہ کوئی ایسا کام کرے جو قصاص کا موجب ہو مگر اس سے کم درجے کا قول و فعل ہو تو ہر قول کی سزا دی جائے اور اُسے قتل نہ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں: اگر اس نے کوئی ایسا فعل کیا یا کوئی بات کہی اور یہ شرط عائد کی کہ اس کا خون حلال ہے اور ہم نے اُس پر قابو پا لیا اور وہ یہ بات کہنے سے باز رہا کہ کہے: میں اسلام لایا یا جزیہ ادا کروں گا، تو اُسے قتل کیا جائے یا اس کے مال کو لڑے بغیر لے لیا جائے۔[1] تو گویا انھوں نے ذکر کیا کہ جو عہد توڑے تو اس کی توبہ قبول کی جائے یا تو یوں کہ اسلام قبول کرے یا پھر ذمی بن جائے۔

خطابی رقمطراز ہیں:

"امام مالک بن انس نے فرمایا: جو شخص یہود و نصاریٰ میں سے رسول کریم ﷺ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے، اِلّا یہ کہ وہ اسلام لائے۔"

امام احمد بن حنبل نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

"ذمی اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اُسے قتل کیا جائے اور اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔"

وہ اس ضمن میں کعب بن اشرف کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، استدلال کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ توبہ کرے تو بھی اُس سے رک نہ جائے کیونکہ اس نے کچھ اس سے نقل نہیں کیا، نیز اس لیے کہ کعب ذمی ہونے کا اظہار کرتا اور توبہ کرنے کا اقرار کرتا تھا، بشرطیکہ اس سے قبول کی جائے۔

دشنام دہندہ کی توبہ اور اس کے قبول ہونے میں علماء کے اقوال:

یہاں دو موضوع زیر بحث ہیں:

۱۔ ایک مسلم سے توبہ طلب کرنے کے بارے میں اور گالی دہندہ کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں۔

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام مالک اور احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اور اُس کی توبہ اس کے قتل کو ساقط نہیں کر سکتی، لیث بن سعد کا قول بھی یہی ہے، قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے کہ سلف اور جمہور علماء سے یہی قول منقول اور مشہور ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک

[1] الأم للشافعي (٤/ ٢١٠)

قول یہی ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ مقبول نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول بھی یہی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ ان کے نزدیک یہ اس امر پر مبنی ہے کہ مرتد کی توبہ مقبول ہے۔ چنانچہ پہلے اُنھوں نے اس کی توبہ کی مقبولیت پر گفتگو کی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ میں سے عام اہل علم کا قول یہ ہے کہ مرتد کی توبہ فی الجملہ مقبول ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ اسلام لے آئے تب بھی اُسے قتل کیا جائے۔ ان کے نزدیک وہ سارق اور زانی کی طرح ہے۔ اہل الظاہر سے بھی یہی منقول ہے کہ اس کی توبہ اُسے عند اللہ فائدہ دے گی مگر اس کی وجہ سے قتل اس سے دور نہیں ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جو شخص عصرِ اسلام میں پیدا ہوا ہو اُسے قتل کیا جائے، جو مشرک ہو اور اسلام قبول کرے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ عطاء اور اسحاق بن راہویہ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا ہے، امام احمد اور عطاء کا مشہور قول یہ ہے کہ اس سے مطلقاً توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اور درست بھی یہی ہے، عدمِ قبولِ توبہ کی وجہ یہ حدیث نبوی ہے:

"جو اپنا دین تبدیل کرے اُسے قتل کر دیا کرو۔" [1] (بخاری)

اس صورت کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جب وہ توبہ کر لے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کسی مسلمان کا خون حلال نہیں جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں مگر تینوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے: (۱) شادی شدہ زانی، (۲) جان کے بدلے جان، (۳) اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جانے والا۔" [2]

جب قاتل اور زانی کے توبہ کرنے سے قتل ساقط نہیں ہوتا تو تارکِ دین اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونے والے سے بھی قتل معاف نہیں ہوگا۔ حکیم بن جماعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس کافر شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے۔" [3]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠١٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٧٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٧٦)

[3] مسند أحمد (٥/ ٢) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس (کی سند) کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد (٦/ ٢٦١)

نیز اس لیے کہ اُسے محض لڑائی سے باز رہنے اور جنگ آزمائی کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا، اگر ایسا ہوتا تو راہب، بوڑھے، اندھے، اپاہج، عورت اور اس قسم کے لوگوں کو قتل نہ کیا جاتا، جب ان لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ارتداد حدود شرعیہ میں سے ایک حد ہے اور حدود توبہ سے ساقط نہیں ہوتیں۔

اور صحیح مذہب وہ ہے جو جماعتِ علماء نے اختیار کیا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [آل عمران: ۸۶]

''اللہ تعالیٰ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور اس بات کی شہادت دی کہ رسول حق ہے، ان کے پاس (ہدایت کی) نشانیاں آئیں اور اللہ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [آل عمران: ۸۹]

''ماسوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اپنے اعمال کو درست کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص مرتد ہونے کے بعد توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اُسے بخش دے گا۔ اس کا مقتضی یہ ہے کہ دنیا و آخرت دونوں میں اس کو معاف کر دے گا اور جس کا یہ حال ہو اس کو قتل کی سزا نہیں دی جاتی۔

امام احمد نے جو روایت نقل کی ہے وہ اس کی توضیح کرتی ہے، چنانچہ امام احمد بطریق علی بن عاصم از داود بن ابی ہند از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری دین اسلام سے مرتد ہو کر مشرکین کے یہاں چلا گیا، سورۂ آل عمران کی آیت نمبر (۸۶) نازل ہوئی، اس کی قوم نے یہ آیت اُسے لکھ کر بھیجی تو وہ توبہ کرنے کے لیے لوٹ آیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توبہ کو قبول کر لیا اور اُسے معاف کر دیا۔ نسائی نے اس کو بروایت داود اسی طرح نقل کیا ہے۔[1]

[1] سنن النسائي (۷/ ۱۰۷) مسند أحمد (٤/ ٤٨) رقم الحديث (٢٢١٨) امام حاکم اور ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

امام احمد نے بطریق علی از خالد از عکرمہ بدیں معنی اس کو روایت کیا ہے اور کہا: بخدا! میری قوم نے رسول کریم ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھا اور نہ ہی رسول کریم ﷺ نے خدا پر افترا پردازی سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ تینوں سے زیادہ سچا ہے، چنانچہ وہ توبہ کرنے کے لیے لوٹ آیا، رسول کریم ﷺ نے اس کی توبہ کر لی اور اُسے آزاد کر دیا۔[1] نیز امام احمد نے بطریق حجاج از ابن جریج از عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت ابو عامر بن نعمان اور وحوح بن الاسلت اور حارث بن سوید بن الصامت کے بارے میں اُتری، وہ بارہ اشخاص کے ساتھ اسلام سے منحرف ہو گئے تھے اور قریش میں آ ملے تھے۔[2]

نیز وہ بطریقِ عبدالرزاق از جعفر از حمید از مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حارث بن سوید رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے، پھر حارث مرتد ہو کر اپنی قوم کی طرف چلا گیا تو اس کے بارے میں یہ آیت اتری، اس کی قوم کے ایک آدمی نے یہ آیت اُسے پڑھ کر سنائی، حارث نے کہا بخدا! جہاں تک مجھے معلوم ہے تم سچے ہو، اور رسول کریم ﷺ تم سے زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ تینوں سے بڑھ کر سچا ہے، چنانچہ حارث (رسول کریم ﷺ کی طرف لوٹ آیا) اس نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔[3]

اسی طرح متعدد اہل اسلام نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حارث بن سوید اور چند مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو گئے تھے، یہ لوگ آغازِ اسلام کی طرح مدینے سے نکلے اور بحالتِ کفر مکہ جا کر کفار کے ساتھ مل گئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی۔

چنانچہ حارث نادم ہوا اور اس نے اپنی قوم کو پیغام بھیجا کہ میرے لیے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیجیے کہ آیا میں توبہ کر سکتا ہوں؟ انھوں نے ایسا ہی کیا تو مذکورہ صدر آیت نازل ہوئی، اس کی

---

[1] السنن الکبریٰ للبیھقي (۸/ ۱۹۸) اس کے سب رواۃ ثقہ ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بطریق علی عن خالد یہ روایت نہیں ملی، البتہ واحدی نے اسباب النزول میں بطریق علی عن داود بن ابی ہند و خالد کی سند کے ساتھ اس روایت کو ذکر کیا ہے لیکن اس میں امام احمد رحمہ اللہ کا واسطہ نہیں ہے۔ دیکھیے: أسباب النزول للواحدي (ص: ۷٤، ۷۵)

[2] تفسیر الطبري (٦/ ٥٧٤) رقم الحدیث (۷۳٦۷) امام احمد کے حوالے سے یہ روایت نہیں ملی۔

[3] تفسیر الطبري (٦/ ٥٧٣) رقم الحدیث (۷۳٦۳) اس کی سند حسن ہے۔ اس روایت اور مذکورہ بالا روایت کے الفاظ میں معمولی فرق ہے۔

قوم کا ایک آدمی یہ آیت اس کے پاس لے گیا اور اُسے پڑھ کر سنائی۔ حارث نے کہا: جہاں تک مجھے علم ہے، بخدا! آپ سچے ہیں، رسول کریم ﷺ تم سے بھی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ تم تینوں سے زیادہ سچا ہے، تب حارث مدینہ لوٹ آیا، مشرف بہ اسلام ہوا اور بہت اچھا مسلمان قرار پایا۔ دیکھیے یہ آدمی اسلام سے برگشتہ ہوگیا اور اسلام میں واپس آنے کے بعد رسول کریم ﷺ نے اس کو قتل نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَبِاللَّهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ إِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً﴾

[التوبة: ٦٥، ٦٦]

''کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول (ﷺ) کا مذاق اڑاتے تھے، اب معذرت مت کیجیے، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا، اگر ہم تمھارے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو دوسرے گروہ کو ضرور عذاب دیں گے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر ایمان لے آئے تو اُسے معاف کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات اُسے سزا بھی دی جاتی ہے، اور معاف اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ توبہ کر لے، اس لیے معلوم ہوا کہ اس کی توبہ مقبول ہے۔

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کی ایک جماعت تھی، ان میں سے صرف ایک آدمی نے توبہ کی تھی، جس کا نام مخشی بن حمیر تھا۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس نے جو کچھ سنا تھا اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور ان سے الگ ہوکر چلنا شروع کر دیا، جب یہ آیات اتریں وہ اپنے نفاق سے بیزار ہوگیا اور کہا: اے اللہ! میں ہمیشہ ایک آیت سنا کرتا ہوں جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، میرا جسم کانپنے لگ جاتا اور میرا دل ڈوبنے لگتا، اے اللہ! میری وفات کو شہادت فی سبیل اللہ بنا دے، اور اس طرح تفصیلی واقعہ بیان کیا، مگر اس آیت سے استدلال محل نظر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ [التوبة: ٧٣]

”اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے، وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے کفر کا کلمہ نہیں کہا، حالانکہ انھوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے۔“

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ کافر جب اسلام لے آئے تو اس کی توبہ مقبول ہے، نیز یہ کہ انھیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار نہیں کیا جائے گا، یہ بات شرط کے مفہوم بلحاظِ تعلیل اور سیاقِ کلام سے ثابت ہوئی اور قتل عذاب الیم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن میں سے جو تائب ہو جائے گا وہ قتل کے عذاب سے دوچار نہیں ہوگا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [النحل: ١٠٦ تا ١١٠]

”جو خدا پر ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے، وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، بلکہ وہ جو (دل سے اور) دل کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا، اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا اور اس لیے کہ خدا کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر خدا نے مہر لگا رکھی ہے اور یہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، کچھ شک نہیں کہ یہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے، پھر جن لوگوں نے تکلیفیں اٹھانے کے بعد ترکِ وطن کیا، پھر جہاد کیے اور ثابت قدم رہے، تمھارا پروردگار ان کو بے شک ان آزمائشوں کے بعد بخشنے

والا اور (ان پر رحمت کرنے والا ہے۔''

ان آیات میں واضح فرمایا کہ جن لوگوں نے دارالاسلام کی طرف ہجرت کی، اس کے بعد کہ وہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کر کے اپنے دین سے برگشتہ ہوگئے تھے، انھوں نے جہاد کیا اور صبر سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا اور جس کے گناہ وہ مطلقاً معاف کر دے تو اُسے نہ تو دنیا میں سزا دے گا اور نہ آخرت میں۔

سفیان بن عیینہ از عمرو بن دینار روایت کرتے ہیں اور وہ عکرمہ سے کہ کچھ لوگ مہاجرین میں سے نکلے اور مشرکوں نے انھیں پکڑ کر فتنے میں مبتلا کر دیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ﴾ [العنکبوت: ۱۰]

''لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جب انھیں (اللہ کی راہ میں) ایذا دی گئی تو انھوں نے لوگوں کے فتنہ کو اللہ کا عذاب سمجھ لیا۔''

پھر ان ہی کے بارے میں یہ آیت اتری:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ﴾ [النحل: ۱۰۶]

پھر ایک دفعہ اور نکلے اور لوٹ کر مدینہ آ گئے تو ان کے بارے میں فرمایا:

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا﴾ [النحل: ۱۱۰]

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ﴾ [البقرۃ: ۲۱۷]

''اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے اور پھر اس کی موت کفر پر واقع ہو جائے تو یہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہوں گے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرتدین میں سے جس کی موت کفر پر واقع نہ ہو وہ ابدی جہنمی نہیں ہوگا، یہ بات قبولِ توبہ اور صحتِ اسلام کی دلیل ہے، چونکہ ایسا شخص دین کا تارک نہیں ہوگا لہٰذا اُسے قتل نہیں کیا جائے۔ نیز مندرجہ ذیل آیت میں عموم پایا جاتا ہے:

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [التوبۃ: ۵]

''جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو۔''

عام مشرکین سے نبرد آزما ہونے کے بارے میں یہ خطاب عام ہے۔ جب مشرک توبہ کر لے، نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کرے تو اُنھیں چھوڑ دو، خواہ وہ اصلی مشرک ہو یا وہ شخص جو شرک کو اختیار کر کے مرتد ہو گیا ہو۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا واقعہ:

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عہدِ رسالت میں مرتد ہو کر مکہ چلا گیا تھا اور اس نے اللہ اور اس کے رسول پر افترا پردازی کی، اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اس سے بیعت کر لی اور اس کے خون کو معصوم قرار دیا، اسی طرح حارث بن سوید اور اہل مکہ کی ایک جماعت اسلام لا کر مرتد ہو گئی اور پھر اسلام کی طرف لوٹ آئی تو ان کا خون محفوظ رہا، ان لوگوں اور دوسروں کے واقعات علمائے حدیث و سیرت کے نزدیک مشہور ہیں، مزید برآں اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔

جب سرورِ کائنات ﷺ نے وفات پائی اور اہل مکہ، مدینہ اور طائف کے سوا اکثر عرب مرتد ہو گئے بعض لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کرنے والوں مسیلمہ، اسود عنسی اور طلیحہ اسدی کی پیروی اختیار کر لی، حضرت ابو بکر صدیق اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اُن کے خلاف نبرد آزما ہوئے یہاں تک کہ اُن میں سے اکثر اسلام کی طرف لوٹ آئے، تو انھوں نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا اور ان میں سے کسی کو بھی قتل نہ کیا، مرتد ہو کر لوٹنے والوں کے بڑوں میں طلیحہ اسدی، اشعث بن قیس اور بے شمار لوگ تھے، یہ واقعہ عام طور سے مشہور ہے اور کسی سے پوشیدہ نہیں مگر حسن سے منقول یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ ایسا واقعہ ان پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا، غالباً ان کے نزدیک ارتداد سے اس کی ایک نوع مراد ہے، مثلاً زندقہ وغیرہ یا انھوں نے یہ بات اس مرتد کے بارے میں کہی ہے جو مسلمان پیدا ہوا یا اس قسم کے دیگر امور جن میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ باقی رہا رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی:

''جو اپنا دین تبدیل کرے اُسے قتل کر دو۔''[1]

ہمارے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ دین کو تبدیل کرنے والا تب کہلائے گا جب ہمیشہ وہ اس پر قائم رہے، ہمارا زاویۂ نگاہ یہی ہے۔ اگر وہ دین حق کی طرف لوٹ آئے تو اُسے تبدیل کرنے والا نہیں کہیں گے، اس طرح اگر وہ مسلمانوں (کے وطن) کی طرف لوٹ آئے تو وہ تارکِ دین اور

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠١٧)

جماعت سے الگ ہونے والا نہیں ہے، بخلاف ازیں وہ اپنے دین کے ساتھ وابستہ رہنے والا اور جماعت کا دامن تھامے رکھنے والا ہے مگر قتل اور زنا کا معاملہ اس سے مختلف ہے، وہ ایک ایسا فعل ہے جو اس سے صادر ہوا مگر وہ ہمیشہ اس پر قائم رہنے والا نہیں ہے کہ وہ اُسے چھوڑ دے تو کہا جائے کہ وہ زانی اور قاتل نہیں ہے، لہٰذا جب بھی یہ فعل اس سے صادر ہوگا اُس کی حد اس پر مرتب ہوگی، اگرچہ وہ عزم باندھے کہ دوبارہ اس کا ارتکاب نہیں کرے گا، اس لیے کہ کسی فعل کو ترک کرنے کا عزم گزشتہ فعل کے فساد کا ازالہ نہیں کر سکتا۔

علاوہ بریں ''دین کو ترک کر کے جماعت سے الگ ہونے والے'' کا اطلاق گاہے محارب اور رہزن پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ ابو داود نے سنن میں اس کو بالتفصیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کسی مسلم کا خون حلال نہیں جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، مگر اس صورت میں جبکہ وہ تین باتوں میں سے کسی ایک بات کا مرتکب ہو، ایک تو وہ آدمی جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے تو اُسے سنگسار کیا جائے، دوسرا وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلے تو اسے قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے یا جلا وطن کیا جائے، تیسرا یہ کہ وہ کسی کو قتل کرے تو اس کے عوض اُسے قتل کیا جائے۔''[1]

اس حدیث میں اسی مستثنیٰ کا ذکر (التارك لدينه المفارق للجماعة) کے الفاظ میں کیا گیا ہے، اسی بنا پر اُسے جماعت سے الگ ہونے کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور یہ صورت محاربہ میں پیش آتی ہے۔

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ ہر دو احادیث اس بات کو سموئے ہوئے ہیں کہ کلمہ طیبہ کی شہادت دینے والے کا خون حلال نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے عموم میں مرتد شامل نہیں ہے، لہٰذا اس کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت نہیں، بنا بریں ترکِ دین کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ دین کے واجبات و فرائض کو ترک کر دے۔ واضح رہے کہ دین کو ترک کرنے اور اس کو تبدیل کرنے میں فرق ہے، یا اس سے مراد یہ ہوگا کہ مرتد ہو جائے اور جنگ کرے، جس طرح قبیلہ عرینہ والوں، مقیس بن صبابہ اور ان لوگوں نے کیا تھا، جو مرتد ہوگئے، قتل کا ارتکاب کیا اور انھوں نے (مسلمانوں کا) مال لیا تھا، ایسے آدمی کو ہر حال میں قتل کیا جائے،

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٥٢) نیز دیکھیے: صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٧٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٧٦)

اگرچہ قبضے میں آنے کے بعد توبہ کر لے، اسی لیے ان تین اشخاص کو مستثنیٰ کیا کہ ان کو ہر حال میں قتل کیا جائے، اگرچہ قابو میں آنے کے بعد توبہ کر لیں۔ واللہ اعلم

اور اگر اس سے محض مرتد مراد ہوتا تو "المفارق للجماعة" کے الفاظ کی ضرورت نہ تھی، اس لیے کہ محض دین سے نکل جانا قتل کا موجب ہے اگرچہ اس نے جماعت کو نہ بھی چھوڑا ہو۔ یہ حدیث اسی توجیہ کی متحمل ہے اور اس حدیث کا مقصد یہی ہے۔ واللہ اعلم

باقی رہی یہ حدیث کہ اللہ اس بندے کی توبہ قبول نہیں کرتا جو اسلام لانے کے بعد شرک کا مرتکب ہو۔ ابن ماجہ نے اس کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

"اللہ تعالیٰ اس مشرک کے کسی عمل کو قبول نہیں کرتا جو اسلام لانے کے بعد شرک کا مرتکب ہو، جب تک کہ وہ مشرکین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی طرف نہ آ جائے۔"[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی طرف لوٹ آنے سے اس کا اسلام مقبول ہوگا اور جب تک وہ مشرکوں کے درمیان مقیم رہ کر ان کی جماعت میں اضافے کا موجب ہوگا اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، جس طرح وہ لوگ تھے جن کو بدر میں قتل کیا گیا تھا۔ حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ جو شخص اسلام کا اظہار کرے اور پھر مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ اور اعمال اُس وقت تک قبولیت کے قابل نہیں ہوتے جب تک مسلمانوں کی طرف ہجرت نہ کرے۔ انھی لوگوں کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾ [النساء: ۹۷]

"بے شک وہ لوگ جن کو فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔"

مزید برآں دین کو ترک کرنا، تبدیل کرنا اور جماعت سے الگ ہونا ایک جاری رہنے والی چیز ہے، اس لیے کہ وہ عقیدے کے تابع ہے اور عقیدہ ایک دائمی چیز ہے، کوئی شخص جب اسے ترک کرے گا تو حسبِ سابق ہو جائے گا اور ماضی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور نہ ہی اس میں کوئی خرابی رہے گی۔ اب اس کے بارے میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ یہ دین کو تبدیل کرنے والا یا اس کو ترک کرنے والا ہے، جس طرح زانی اور قاتل کو زانی اور قاتل کہا جاتا ہے، بخلاف ازیں جو شخص کفر کو ترک کر کے اسلام قبول

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۲۵۳۶) سنن النسائي مع شرح السيوطي (۵/ ۸۳) اسے امام حاکم اور ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ الصحيحة (۱/ ۹۹، برقم: ۳۶۹)

کر لے اس کو علی الاطلاق کافر کہنا جائز نہیں، نیز اس لیے کہ دین کو تبدیل یا ترک کرنا اسی طرح قتل کا موجب ہے، جس طرح اصلی کفر اور جنگ وقتال، تو جس طرح کفر کو ترک کر کے اسلام لانے یا معاہدہ کر کے جنگ کو ترک کرنے سے کفر کا حکم باقی نہیں رہتا اسی طرح دین اسلام کی طرف رجوع کرنے سے تبدیلِ دین وترکِ دین کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔

مرتد سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے بارے میں علماء کے مذاہب

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا موقف:

جمہور اہل علم کا موقف یہ ہے کہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ امام مالک اور امام احمد کا بھی زاویۂ نگاہ یہی ہے کہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور پھر مطالبہ کرنے کے بعد اُسے تین دن کی مہلت دی جائے۔ کیا یہ بات واجب ہے یا مستحب؟ اس بارے میں دونوں سے دو روایتیں منقول ہیں۔ مشہور تر روایت یہ ہے کہ توبہ کا مطالبہ واجب ہے، یہ اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔ مطالبۂ توبہ کے وجوب وعدمِ وجوب کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ سے دو قول منقول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اگر فی الفور توبہ کرے تو فبہا ورنہ اُسے قتل کیا جائے۔ ابن المنذر اور مزنی کا قول بھی یہی ہے اور دوسرا قول وہی ہے جو امام مالک اور امام احمد کا ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، زہری اور ابن قاسم نے ایک روایت کے مطابق کہا کہ اُس سے تین مرتبہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا زاویۂ نگاہ:

امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی یہی کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اُسے قتل کیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ توبہ کا مطالبہ کرنا مستحب ہے۔ حنفیہ میں سے امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ توبہ طلب کرنے سے پہلے مرتد کو قتل نہ کیا جائے، البتہ اگر وہ مہلت مانگے تو اُسے تین دن کی مہلت دی جائے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول:

اس کو اتنی مہلت دی جائے جب تک اس سے توبہ کی امید کی جاتی ہو۔ نخعی کے قول کا مطلب بھی یہی ہے۔ عبید بن عمیر اور طاؤس نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ

نہ کیا جائے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے دین کو تبدیل کرنے والے اور دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جانے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سے توبہ کے مطالبے کا حکم نہیں دیا، جیسا کہ اللہ نے توبہ طلب کیے بغیر مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ اگر وہ توبہ کر لیتے تو ہم ان سے نہ لڑتے۔ اس کی مؤید یہ بات ہے کہ مرتد کا کفر اصلی کفر ہے، غلیظ تر ہے، جب حربی قیدی کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جا سکتا ہے تو مرتد کو بالاولیٰ قتل کیا جا سکے گا۔

اس کا راز یہ ہے کہ ہم کافر کے قتل کرنے کو جائز نہیں سمجھتے جب تک اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کریں۔ بایں طور کہ اس تک دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہو، اس لیے کہ جس تک دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو اس کو قتل کرنا جائز نہیں اور مرتد تک دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہے، لہٰذا اس کو قتل کرنا اس اصلی کافر کی طرح جائز ہے جس کو دعوت پہنچ چکی ہو۔ ان لوگوں کی یہی دلیل ہے جو توبہ کا مطالبہ کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں، یہ بات مستحب ہے کہ ہر لڑائی کے وقت ہم کفار کو دعوتِ اسلام دیں اگرچہ قبل ازیں انھیں دعوت پہنچ چکی ہو، مرتد کے بارے میں بھی یہی بات ہے مگر دونوں کے قتل میں یہ واجب نہیں ہے، البتہ اگر مرتد کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ اسلام کی طرف لوٹ آنا بھی جائز ہے تو اس سے توبہ کا مطالبہ ازبس ناگزیر ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ فتحِ مکہ کے روز رسول کریم ﷺ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن خطل کے خون کو ھدر قرار دیا تھا، اس لیے کہ وہ مرتد تھے اور اُن سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا بلکہ ان دونوں کو قتل کیا گیا، اور ابن ابی سرح کو بیعت کرنے میں توقف کیا کہ شاید کوئی مسلم اُسے قتل کر دے۔ پس معلوم ہوا کہ مرتد اگر اسلام قبول نہ کرے تو اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

مزید برآں رسول اکرم ﷺ نے قبیلہ عرینہ کے ان لوگوں کو سزا دی تھی جو اونٹوں کی حفاظت پر مامور تھے اور اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے، اس وجہ سے ان کو قتل کیا گیا اور اُن سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا، چونکہ انھوں نے ایسے افعال کا ارتکاب کیا تھا جس سے آدمی کا خون مباح ہو جاتا ہے، اسی لیے ان کو اصلی کافر، زانی اور رہزن وغیرہ کی طرح توبہ کا مطالبہ کرنے سے پیشتر قتل کیا گیا، اس لیے کہ یہ تمام لوگ، جن کی توبہ مقبول ہے اور جن کی توبہ مقبول نہیں، ان کو توبہ کا مطالبہ کرنے سے پیشتر قتل کیا جاتا ہے، نیز اس لیے کہ مرتد اگر دارالحرب کو چلا جائے یا مرتدین قوت و شوکت سے بہرہ ور ہوں اور اس وجہ سے اسلامی احکام پر عمل پیرا نہ ہوں تو ان کو بلاشبہ توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے، اگر ہمارے قابو میں

ہوں تب بھی صورت حال یہی ہے۔

جو لوگ توبہ کے مطالبے کو واجب یا مستحب کہتے ہیں ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ [الأنفال: ۳۸]

''جن لوگوں نے کفر کیا، اُن سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آ جائیں تو اُن کے سابقہ (گناہ) معاف کر دیے جائیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ تمام کفار کو بتا دیں کہ اگر وہ بُرے کاموں سے باز آ جائیں تو ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ توبہ کا مطالبہ کرنے کا مطلب بھی یہی ہے اور مرتد کفار میں شامل ہے۔ نیز یہ کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، اس لیے معلوم ہوا کہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ کرنا واجب ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام کی عمومی دعوت اُنھیں پہنچ چکی ہے، اس لیے کہ یہ کفر اس کفر کی نسبت اخص ہے اور جو شخص بھی اس کا مرتکب ہو وہ واجب القتل ہوتا ہے اور اُسے زندہ چھوڑنا جائز نہیں، حالانکہ اس سے کفر کی توبہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔

مزید برآں رسول اکرم ﷺ نے حارث بن سوید اور اس کے رفقاء میں سے مرتد ہونے والوں کو توبہ کا پیغام بھیجا تھا اور قبل ازیں توبہ کے حکم پر مشتمل آیت نازل ہو چکی تھی۔ بنا بریں اس سے صرف توبہ کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ سے یہ کام دعوتِ اسلام کے حکم کی تعمیل اور تبلیغِ دین کے لیے صادر ہوا تھا اس لیے یہ واجب ہوگا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ام مروان نامی عورت مرتد ہوگئی تو رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اُسے اسلام کی دعوت دی جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو بہتر ورنہ اُسے قتل کیا جائے۔[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جنگ احد میں ایک عورت اسلام سے برگشتہ ہوگئی، رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ اُسے قتل کیا جائے۔[2] ہر دو احادیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

---

[1] سنن الدارقطني (۳/ ۱۱۸) اس کی سند عبداللہ بن اذینہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ (تلخیص الحبیر (٤/ ٩٤)

[2] سنن الدارقطني (۳/ ۱۱۸) اس کی سند محمد بن عبدالملک کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ اس حدیث کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ضعیف کہا ہے۔ (تلخیص الحبیر: ٤/ ٩٤)

ان احادیث میں، بشرطیکہ ان کی صحت ثابت ہو، توبہ کا حکم دیا گیا ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، اس کی سب سے بڑی دلیل صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالقاری سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف ایک آدمی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جانب سے آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی حالت پوچھی تو اس نے اس کے بارے میں بتایا، پھر پوچھا کوئی عجیب واقعہ تو پیش نہیں آیا؟ اس نے کہا کہ پیش آیا ہے اور وہ یہ کہ ایک آدمی اسلام لانے کے بعد کافر ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا پھر تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا ہم نے اُس کی گردن اُڑا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے اُسے تین روز کے لیے قید و بند میں کیوں نہ رکھا کہ ہر روز اسے روٹی کھلاتے اور توبہ کا مطالبہ کرتے، ممکن ہے وہ توبہ کر لیتا اور اللہ کے دین کی طرف لوٹ آتا۔

پھر فرمایا: اے اللہ! میں اس وقت حاضر نہ تھا، نہ مَیں نے اس بات کا حکم دیا اور نہ اُسے سن کر راضی ہوا۔[1] اس کو امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میرا موقف وہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کا مطالبہ کرنا واجب ہے، ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ نہ فرماتے کہ میں اُسے سن کر راضی نہیں ہوا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم نے تُستر شہر کو فتح کیا تو ابوموسیٰ اشعری نے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا، جب میں آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنھوں نے دریافت کیا کہ قبیلہ بنو بکر والوں نے کیا کیا؟ اس نے کہا، جب میں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس پر مُصر ہیں تو میں نے کہا، اے امیر المومنین! انھوں نے کیا کیا؟ انھوں نے (بہت سے لوگوں) کو قتل کیا اور دین سے برگشتہ ہو کر مشرکوں کے ساتھ جا ملے، پھر انھوں نے مشرکین کے ساتھ مل کر (مسلمانوں سے جنگ کی) حتی کہ وہ سب مارے گئے، پھر فرمایا: اگر میں انھیں زندہ پکڑ لیتا تو یہ بات مجھے سطحِ زمین پر موجود ہر زرد چیز (سونا) اور سفید (چاندی) سے عزیز تر ہوتی۔ میں نے کہا: اگر میں انھیں زندہ پکڑ لیتا تو پھر ان سے کیا سلوک روا رکھا جاتا؟ فرمایا "میں ان کے سامنے وہ دروازہ پیش کرتا جس سے وہ نکلے تھے اور اگر وہ انکار کرتے تو میں انھیں زندان میں ڈال دیتا۔"[2]

---

[1] موطأ إمام مالك (٢/ ٧٧٣) اس کی سند میں محمد بن عبداللہ مجہول ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: إرواء الغليل (٨/ ١٣٠، ١٣١، برقم: ٢٤٧٤)

[2] أحكام أهل الملل: كتاب الردة، باب الاستتابة، مصنف عبد الرزاق (١٠/ ١٦٥) رقم الحديث (١٨٦٩٦) اس کی سند صحیح اور تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے چند اہل عراق کو پکڑا جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے اور ان کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا کہ ان پر دین حق اور شہادت توحید کو پیش کیجیے، اگر قبول کریں تو انھیں چھوڑ دو اور اگر قبول نہ کریں تو انھیں قتل کر دو، چنانچہ ان میں سے بعض نے اُسے قبول کیا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انھیں رہا کر دیا اور بعض نے انھیں قبول نہ کیا تو انھیں قتل کر دیا۔[1] ہر دو احادیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔[2]

ابو محمد العلاء سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو بکر بن وائل کے ایک آدمی کو پکڑا جو عیسائی ہو گیا تھا، مہینہ بھر اس سے توبہ کا مطالبہ کرتے رہے، مگر وہ نہ مانا، پھر اُسے قتل کرنے کے لیے آگے لائے تو اس نے اپنے قبیلہ کو مدد کے لیے پکارا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (تیرا قبیلہ) اب آگے چل کر تجھے جہنم میں ملے گا اس کو خلال اور اس کے ساتھ ابو بکر نے روایت کیا ہے۔[3]

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جو اسلام سے منحرف ہو گیا تھا، پھر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اُسے بیس راتوں تک یا اُس کے قریب دعوتِ اسلام دیتے رہے، پھر معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور اسے دعوت دی مگر اس نے انکار کیا، چنانچہ آپ نے اس کی گردن اُڑا دی۔[4] (ابو داود)

ایک اور سند سے مروی ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ایک مہینہ تک اس سے توبہ کا مطالبہ کرتے رہے، اس کو امام احمد نے نقل کیا ہے۔[5]

اسی طرح ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مرتد سے تین شب و روز تک توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔[6] (مسند احمد)

ابو وائل ابو معین السعدی سے روایت کرتا ہے کہ میں صبح کے وقت مسجد بنی حنیفہ کے پاس سے

---

[1] أحكام أهل الملل: كتاب الردة، باب الاستتابة،

[2] أحكام أهل الملل للخلال: كتاب الردة، باب الاستتابة.

[3] أحكام أهل الملل: كتاب الردة، باب الاستتابة. ابو محمد علاء کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہوتی ہے، جیسا کہ امام مزی نے تصریح کی ہے۔ تهذيب الكمال (۲۲/ ۵۱۰)

[4] سنن أبي داود مع بذل المجهود (۱۷/ ۲۹٤)

[5] مسائل الإمام أحمد برواية صالح (۲/ ٤۷٤)

[6] مصنف ابن أبي شيبة (۱۰/ ۱۳۸) رقم الحديث (۹۰۳٦) اس کی سند میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا مبہم ہے، باقی رواۃ ثقہ ہیں۔

گزرا تو وہ کہہ رہے تھے کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے، چنانچہ میں عبداللہ کے پاس آیا اور انھیں اطلاع دی، اس نے سپاہی بھیجے جو اُسے پکڑ کر لے آئے، اس نے اُن سے توبہ کا مطالبہ کیا تو اُنھوں نے توبہ کر لی، انھوں نے اُسے رہا کر دیا اور عبداللہ بن النواحہ کی گردن اُڑا دی، انھوں نے کہا: چند لوگوں نے ایک بدعت ایجاد کی، آپ نے ان میں سے بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو رہا کر دیا، اُنھوں نے کہا کہ یہ شخص اور ابن اُثال رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ دونوں نے کہا: کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا اور اگر میں کسی سفیر کو قتل کرنے والا ہوتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔" عبداللہ نے کہا: میں نے اسی لیے اس کو قتل کیا ہے۔

اس کو عبداللہ بن احمد نے بہ سند صحیح روایت کیا ہے۔[1] یہ متعدد واقعات کے بارے میں صحابہ کے اقوال ہیں جن کا کسی نے انکار نہیں کیا، گویا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

اصلی کافر اور مرتد کے مابین فرق و امتیاز:

وجہ اول: مرتد کی توبہ آسان تر ہے، اس لیے کہ اس سے مطلوب اسلام کا اعادہ ہے اور کسی چیز کا اعادہ ابتدا سے سہل تر ہے اور جب اصلی کافر سے توبہ کا مطالبہ اس نے اس کی دشواری کی وجہ سے ساقط کر دیا تو اس سے مرتد سے طلبِ توبہ کا ساقط ہونا لازم نہیں آتا۔

وجہ دوم: دوسری وجہ یہ ہے کہ مرتد واجب القتل ہے اگرچہ اہل قتال میں سے نہ ہو، بخلاف ازیں اصلی کافر کو صرف اس صورت میں قتل کیا جاتا ہے جب وہ جنگ میں عملی حصہ لیتا ہو، علاوہ ازیں اصلی کافر کو امان دے کر، نیز عارضی صلح، ذمی ہونے، غلام بنا کر، فدیہ لے کر اور بلا فدیہ رہا کر کے زندہ بھی رہنے دیا جا سکتا ہے جب اس کی حد شرعی شدید تر ہو تو وہ اس پر تب قائم کی جائے گی جب توبہ کا مطالبہ کر کے اس سے معذرت طلب کی جائے، برخلاف اس شخص کے جس کی سزا اُس سے کم درجہ کی ہو۔

وجہ سوم: تیسری وجہ یہ ہے کہ اصلی کافر تک دعوت پہنچ چکی ہے اور وہ ہر قسم کے کفر سے عام توبہ

---

[1] مسند أحمد (٥/ ٣٢٠) رقم الحديث (٣٨٣٧) المعجم الكبير للطبراني (٩/ ٢١٨) رقم الحديث (٨٩٥٦) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال "صحیح" کے رجال ہیں۔" (مجمع الزوائد: ٦/ ٢٦١)

کا مطالبہ ہے، باقی رہا مرتد تو ہم اُس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اسلام کو چھوڑ کر جس مذہب کو اس نے اختیار کیا ہے اُس کو چھوڑ دے اور اس سے تائب ہو جائے مگر ہم نے صراحتاً اس سے توبہ کرنے اور اس کی طرف لوٹ آنے کی دعوت نہیں دی۔

جہاں تک ابن ابی سرح، ابن خطل اور مقیس بن صبابہ کا تعلق ہے انھوں نے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا تھا جو ارتداد پر مبنی تھے۔ قبیلہ عرینہ والوں کا بھی یہی حال تھا، ان میں سے اکثر نے مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قتل کیا اور لوگوں کا مال لیا، اس طرح یہ لوگ رہزن اور اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والے تھے، اُن میں وہ لوگ بھی تھے جو اپنی زبان سے ایذا دے کر محاربین میں شامل ہو گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا گیا، علاوہ بریں دارالحرب کو چلے جانے والے سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، بخلاف ازیں توبہ کا مطالبہ اُس کافر سے کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں آجائے، یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے بعض لوگوں سے توبہ کا مطالبہ کیا گیا ہو مگر انھوں نے انکار کر دیا ہو۔

دشنام دہندہ اور مرتد سے متعلقہ مسائل:

ہم نے مرتد کے احکام تبعاً وضمناً ذکر کیے ہیں، اسی لیے موضوع زیر بحث دشنام دہندہ اور اس سے شدید تعلق رکھنے والے مسائل ہیں۔ جن لوگوں کا موقف یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جو رسول کریم ﷺ کو گالی دے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کفر کی ایک قسم ہے، اس لیے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کرے یا کتاب اللہ کی کسی آیت کو جھٹلائے یا یہودی اور نصرانی ہو جائے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے دین کو تبدیل کر لیا اور ترک کر دیا اور جماعت سے الگ ہو گیا، پس اُن سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور دوسروں کی طرح ان کی توبہ بھی قبول کی جائے۔

اس کا مؤید وہ خط ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے المہاجر کے نام دشنام دہندہ عورت کے بارے میں لکھا تھا کہ انبیاء علیہم السلام (کی توہین کی وجہ سے لگائی جانے والی) حد عام حدود کے مماثل نہیں، اگر مسلم سے اس کا صدور ہو تو وہ مرتد ہے اور معاہد اس کا مرتکب ہو تو وہ محارب اور عہد توڑنے والا ہے۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''جو مسلم بھی اللہ یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دے تو گویا اس نے رسول کریم ﷺ کو

جھٹلایا، یہ ارتداد ہے، اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو فبہا ورنہ اُسے قتل کیا جائے۔"[1]

ایک اندھا آدمی تھا، اس کی ایک اُم ولد تھی جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی وہ اُسے روکتا مگر وہ باز نہ آتی تھی، وہ اُسے ڈانٹتا مگر وہ رکتی نہ تھی، اندھے نے اُسے قتل کر دیا۔[2] اگر وہ مسلم تھی تو توبہ طلب کرنے کے بعد اُسے قتل کیا ہوگا، اور اگر وہ ذمی تھی اور اس سے توبہ کا مطالبہ کیا تو مسلمان سے توبہ کا مطالبہ کرنا اولیٰ ہے۔

مزید برآں یا تو دشنام دہندہ کو اس لیے قتل کیا جائے کہ اس نے اسلام لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا یا محض گالی دینے کی وجہ سے، اور یہ دوسری بات اس لیے جائز نہیں کہ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں جو شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، مگر اس صورت میں جبکہ وہ تین باتوں میں سے ایک کا مرتکب ہو: ایک تو یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے، دوسری یہ کہ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے، تیسری یہ کہ کسی کو قتل کرے اور اس کے عوض اس کو قتل کیا جائے۔"[3]

یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے اور وہ سب صحیح ہیں۔ اس آدمی نے نہ تو زنا کیا اور نہ کسی کو قتل کیا۔ اگر اس کو محض اس لیے قتل نہیں کیا گیا کہ اسلام کے بعد اس نے کفر کا ارتکاب کیا تو اس کا قتل کرنا جائز نہیں، پس ثابت ہوا کہ اس کو اسلام کے بعد کفر کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے قتل کیا گیا اور جس کو بھی اسلام لانے کے بعد قتل کیا جائے اس کی توبہ مقبول ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ

[1] اسے حرب الکرمانی رحمہ اللہ نے اپنے "مسائل" میں لیث بن ابی سلیم سے روایت کیا ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے الصارم المسلول عربی (۲/ ۳۸۱) لکھا ہے، اور لیث مذکور ضعیف و مختلط راوی ہے۔ لہٰذا اِس کا ثبوت محل نظر ہے بلکہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں: "وفي إسناد الحديث عنه (عن أبي ابن عباس) مقال" (الصارم المسلول، عربي: ۳/ ٦٤٥)

[2] سنن أبي داود مع بذل المجهود (۱۷/ ۲۹۸) سنن النسائي مع شرح السيوطي (۷/ ۱۰۷) امام حاکم اور ذہبی رحمہما اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٧٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٧٦)

جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾
[آل عمران: ۸۶ تا ۸۹]

''اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور (اس کے بعد کہ) انھوں نے شہادت دی کہ یقیناً یہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس واضح دلیلیں آ چکی اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ لوگ! ان کی جزا یہ ہے کہ بے شک ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کر لی تو یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

نیز سابق الذکر دلائل کی بنا پر جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کی توبہ مقبول ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل آیت کا عموم بھی اس پر دلالت کرتا ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ [الأنفال: ۳۸]

''جو لوگ کافر ہیں ان سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آ جائیں تو پہلے جو کچھ ہو چکا اُن کو معاف کر دیا جائے گا۔''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اسلام پہلے گناہوں کو ساقط یا منہدم کر دیتا ہے۔''[1] (صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام لانے والے کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ منافقین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ﴾ [التوبة: ٦١]

''اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیغمبر ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے، (ان سے) کہہ دو کہ وہ کان ہے، جو تمھاری بھلائی کے لیے ہے۔''

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۱)

پہلے انھی لوگوں کے بارے میں کہا گیا تھا:

﴿ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ﴾ [التوبة: ٦٦]

''اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں تو وہ دوسری جماعت کو سزا بھی دیں گے۔''

حالانکہ ان لوگوں نے اپنی زبانوں اور ہاتھوں سے آپ ﷺ کو ایذا دی تھی، تاہم ان کو معاف کرنے کی امید کی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ معافی توبہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی توبہ مقبول ہے اور جس کو معاف کر دیا جائے اُسے دنیا اور آخرت میں سزا نہیں دی جاتی۔

قرآن میں ارشاد فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ [التوبة: ٧٣، ٧٤]

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری لوٹ کر جانے کی جگہ ہے۔ وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے بات نہیں کہی، حالانکہ بلاشبہ یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی اور اپنے اسلام کے بعد کفر کیا اور اس چیز کا ارادہ کیا جو انھوں نے نہیں پائی اور انھوں نے انتقام نہیں لیا مگر اس کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر منہ پھیر لیں تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔''

ہر دو آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق اگر اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے اور پھر توبہ کر لے تو دنیا اور آخرت میں اُسے دردناک عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ قتل دردناک عذاب ہے لہٰذا اُسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی، اُن میں سے ایک نے رسول کریم ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اور تمھارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟ وہ شخص جا کر اپنے ساتھیوں کو لے آیا، اُنھوں نے حلف اُٹھا کر

کہا، انھوں نے کچھ نہیں کہا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

ضحاک سے مروی ہے کہ منافقین رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تبوک گئے جب وہ ایک دوسرے سے ملتے تو رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے اور دین اسلام کو ہدف طعن بناتے، حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کو وہ باتیں بتا دیا کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ارے منافقین! یہ کیا بات ہے جو مجھے تمھارے جانب سے پہنچی ہے؟ انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم نے کچھ نہیں کہا۔''

تب یہ آیت کریمہ ان کی تردید کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔[2]

رسول کریم ﷺ کو گالی دینے اور دوسروں کو گالی دینے میں فرق:

اس میں شبہ نہیں کہ وہ توبہ جو ان کے اور اللہ کے درمیان ہے اس میں بوجوہ حقوق العباد بھی شامل ہیں:

پہلی وجہ: غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اُس کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرے۔[3] اکثر علماء نے اس موقف کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا کسی سے اگر تنقیص رسول ﷺ کا فعل سرزد ہوا ہو تو اُسے چاہیے کہ رسول کریم ﷺ پر ایسا جامع ایمان لائے جو مدح و ثنا کی مختلف انواع پر مشتمل ہو۔

دوسری وجہ: انبیاء علیہم السلام کا حق حقوق اللہ کے تابع ہے، انبیاء علیہم السلام کی شان میں بدگوئی عظیم گناہ اس لیے ہے کہ اس سے کفر، نیز اللہ کے دین، اس کی کتاب اور اس کی رسالت کی تحقیر و توہین لازم آتی ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کا حق وجوب میں حقوق اللہ کے تابع ہے تو سقوط میں بھی اس کے تابع ہوگا تاکہ حق رسول ﷺ حقوق اللہ کی نسبت عظیم تر نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جب کافر حقوق اللہ سے توبہ کر سکتا ہے تو

---

[1] تفسير الطبري (١٤/ ٣٦٣) امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

[2] أسباب النزول للواحدي (ص: ١٦٩)

[3] یہ اس روایت کی طرف اشارہ ہے (جیسا کہ کتاب ہذا کے دوسرے مقام پر وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، دیکھیے الصارم المسلول، عربی: (۳/ ۹۱۸) جو بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی تو نے غیبت کی ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ تُو اس کے لیے استغفار کرے۔'' الصمت لابن أبي الدنيا (ص: ١٧١)، رقم الحديث ٢٩١) اس کی سند میں عنبسہ بن عبدالرحمٰن القرشی متہم بالکذب ہے، اس روایت کو حافظ عراقی، ابن الجوزی، طاہر پٹنی اور عجلونی رحمہم اللہ نے ضعیف و موضوع قرار دیا ہے۔ (المغني عن حمل الأسفار: ٣/ ١٩١، الموضوعات لابن الجوزي: ٣/ ١١٨، تذكرة الموضوعات، ص: ١٦٩، كشف الخفاء: ٢/ ١٦٣)

وہ انبیاء کے اُن حقوق سے بھی توبہ کرسکتا ہے جو اُن کی نبوت سے متعلق ہیں، برخلاف ان حقوق سے توبہ کرنے کے جو لوگوں کے ایک دوسرے کے لیے واجب ہیں۔

تیسری وجہ: رسول کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی پیروی کی دعوت دیتا اور انھیں بتاتا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا تو حالت کفر میں کیے ہوئے اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس سے لازم آتا ہے کہ اگر کسی مسلم نے اس کا ارتکاب کیا ہوگا تو رسول اس کی لغزش کو بھی معاف کر دے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کو گالی دینے اور کسی عام آدمی کو گالی دینے میں کیا فرق ہے؟ اس لیے کہ جب وہ کسی عام آدمی کو گالی دے گا تو گالی دینے کے بعد وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا جو گالی کے موجبات کے خلاف ہو، عام آدمی کو گالی دینا ایک آدمی کا حق ہے، جو اس نے معاف نہیں کیا اور گالی کا موجب توبہ اور اسلام لانے کے بعد اُسی طرح موجود ہے جیسے پہلے تھا، بشرطیکہ اُس پر حد لگا کر اُسے روکا نہ گیا ہو، ظاہر ہے کہ گالی کا موجب یہاں کفر تھا جو ایمان لانے کے ساتھ زائل ہو چکا ہے، جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ عند اللہ اس کی توبہ اور ایمان مقبول ہے، جب وہ اُسے ظاہر کرے گا تو اس کو قبول کرنا بھی اس پر واجب ہوگا۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو سعید نے ذوالخویصرہ تمیمی کے واقعہ سے متعلق روایت میں نقل کیا ہے، یہ وہی شخص ہے جس نے مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں رسول کریم ﷺ پر اعتراض کیا تھا۔ (یہ سن کر) خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اس کی گردن نہ اُڑا دوں؟ فرمایا: ”نہیں، ممکن ہے یہ نمازی ہو۔“ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا:

”کتنے ہی نمازی ایسے ہیں جو زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دل اور پیٹ چیر کر (اندر جھانک) لیا کروں۔“[1]

(صحیح مسلم)

ایک شخص نے کلمہ طیبہ پڑھا مگر اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کر دیا تھا، رسول کریم ﷺ نے اُن سے پوچھا ”تم نے کلمہ طیبہ سن کر کس طرح اُسے قتل کر دیا؟“ اُسامہ نے کہا: اس نے پناہ لینے کے لیے اس

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٣٥١) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٠٦٤)

طرح کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا؟''[1] حضرت مقداد کی روایت میں بھی اسی طرح ہے۔[2] پھر اس ضمن میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ﴾ [النساء: ٩٤]

''جو شخص تمھیں سلام کہے اُسے یوں نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔''

اس ضمن میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ حربی کافر اگر تلوار دیکھ کر اسلام لائے اور وہ محبوس یا آزاد ہو تو اس کا اسلام لانا صحیح ہے اور کفر سے اس کی توبہ مقبول ہوگی، اگرچہ آثار و علائم سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا باطن ظاہر سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول کریم ﷺ منافقین سے ظاہری اسلام قبول کر لیا کرتے تھے اور اِن کے باطن اللہ کو سونپ دیتے، حالانکہ اللہ نے آپ ﷺ کو بتا دیا تھا کہ انھوں نے اپنے ایمان کو (جان بچانے کی) ڈھال بنا لیا ہے اور وہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے کلمۂ کفر نہیں کہا، حالانکہ انھوں نے یہ کلمہ کہا تھا اور اسلام لانے کے بعد وہ کافر ہو گئے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ﴾ [التوبة: ٧٤]

''اور انھوں نے اس بات کا ارادہ کیا جسے وہ حاصل نہ کر سکے۔''

معلوم ہوا کہ جو شخص اسلام اور توبہ کا اظہار کرے تو اس سے یہ (پیشکش) قبول کر لی جائے گی، یہ ان لوگوں کا قول ہے۔ آگے اس امر کی تفصیل آ رہی ہے کہ توبہ طلب کیے بغیر اُسے قتل کرنا واجب ہے، نیز اس موقف کے قائلین نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان کا جواب بھی دیا جائے گا۔

ذمی اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دے کر توبہ کر لے تو اُس کا شرعی حکم کیا ہے؟

مسئلہ زیرِ قلم میں ہم نے تین اقوال ذکر کیے ہیں:

قول اول: اُسے ہر حال میں قتل کیا جائے، امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، الا یہ کہ پکڑے جانے کے بعد وہ توبہ کر لے، امام شافعی کے اصحاب کا بھی ایک قول یہی ہے۔

قول دوم: اُسے قتل کیا جائے، الا یہ کہ اسلام لا کر توبہ کر لے، امام مالک اور احمد رحمہما اللہ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٥٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٦٥)

قول سوم: اُسے قتل کیا جائے بجز اس صورت کے جبکہ وہ اسلام لا کر توبہ کر لے یا حسبِ سابق ذمی بن جائے، امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام کا عموم بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، اِلّا یہ کہ اس کی تاویل کی جائے، بنا بریں اگر دوبارہ ذمی بن جائے تو اُسے سزا دی جائے، مگر قتل نہ کیا جائے۔

جن لوگوں کا موقف یہ ہے کہ اسلام لانے سے اس سے قتل ساقط ہو جاتا ہے وہ اس قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں جو ہم نے مسلم کے بارے میں ذکر کیے ہیں۔ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر اگر اسلام لائے تو گالی کی سزا اُس سے ساقط ہو جائے گی۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ذکر کیا ہے کہ جب بھی وہ ایسا کرے گا تو وہ عہد شکنی کرنے والا محارب ہوگا اور ظاہر ہے کہ جو شخص جنگ کرے اور عہد توڑے پھر مسلمان ہو جائے تو اس کا خون اور مال محفوظ ہو جاتا ہے، بکثرت مشرکین ایسے تھے جو مختلف طریقوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے، پھر اسلام لا کر اپنا خون اور مال بچا لیا کرتے تھے، مثلاً ابن الزبعریٰ، کعب بن زہیر، ابوسفیان بن حارث وغیرہم، اگرچہ یہ لوگ محارب تھے مگر معاہد نہ تھے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حقوق العباد، جن کو کافر حلال سمجھ کر انجام دیتا ہے، جب وہ اسلام لے آئے تو حقوق اللہ کی طرح اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

اسی لیے تمام مسلمان کتاب وسنت کے پیش نظر اس امر پر متفق چلے آتے ہیں کہ حربی کافر جب مسلمان ہو جائے تو ماضی میں مسلمانوں کا خون بہانے، ان کا مال لینے اور اُن کی عزت کو بٹہ لگانے کی وجہ سے اس پر گرفت نہیں کی جائے گی، اور ذمی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے تو وہ اُسے حلال سمجھتا ہے اور ذمی ہونے سے اس پر لازم نہیں کہ وہ اُسے حرام تصور کرے، چنانچہ جب وہ اسلام لائے گا تو اس کی وجہ سے اُسے پکڑا نہیں جائے گا، بخلاف ازیں مسلمانوں کی جو خونریزی وہ کرتا ہے یا ان کا مال لیتا ہے یا ان کو بے آبرو کرتا ہے، عقدِ ذمہ ان سب کو اس پر حرام ٹھہراتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ذمی کا خون و مال اور آبرو مسلمانوں پر حرام ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ ہم پر واجب ٹھہراتا ہے کہ ہم ان کے مذہب کو گالی نہ دیں اور نہ اس پر طعن کریں، ان لوگوں کے واقعات سے استدلال کرنا اقرب الی القیاس ہے اگرچہ یہ استدلال درست نہیں۔

دشنام دہندہ ذمی کو کس جرم میں قتل کیا جائے؟

مزید برآں گالی دینے کی صورت میں ذمی کو یا تو اس کے کفر اور جنگ آزمائی کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے، جس طرح گالی دینے والے حربی کو قتل کیا جاتا ہے، یا اس کو حد لگانے کی وجہ سے قتل کیا جاتا

ہے، مثلاً یہ کہ وہ ذمی عورت کے ساتھ زنا کرے، یا کسی ذمی پر ڈاکہ ڈالے، ظاہر ہے کہ دوسری صورت باطل ہے، پس پہلی صورت متعین ہوئی اور وہ اس لیے کہ گالی اس حیثیت سے گالی ہے، بے آبروئی کے سوا کچھ نہیں اور اتنے سے جرم کی سزا صرف کوڑے مارنا ہے، بلکہ یوں کہنا اقرب الی القیاس ہے کہ اس کی وجہ سے ذمی پر کوئی سزا بھی عائد نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ اُسے حلال سمجھتا ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہم نے اس سے صلح کی ہے کہ وہ ان باتوں سے باز رہے گا، لہٰذا جب وہ علانیہ گالی دے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور وہ حربی بن جائے گا، نیز اس لیے کہ گالی کا موجب (قتل ہونا) ایک شرعی حکم ہے جو دلیل کا محتاج ہے اور اس کی کوئی دلیل موجود نہیں، کیونکہ اکثر دلائل سے مستفاد ہوتا ہے کہ اُسے قتل کیا جائے اور قتل یا تو کفر و قتال کی وجہ سے کیا جاتا ہے یا بطور خاص گالی دینے کے باعث اور ظاہر ہے کہ احکام کا اثبات محض استحسان و استصلاح کی بنا پر نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ تو اپنی رائے سے شریعت کو گھڑنے والی بات ہے جو کہ حرام ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾

[الشوریٰ: ۲۱]

”کیا ان کے وہ شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا خدا نے حکم نہیں دیا؟“

اور قیاس اس مسئلہ میں دو وجہ سے دشوار ہے۔

علماء کی رائے قیاس فی الاسباب کے بارے میں:

پہلی وجہ: اکثر علماء کے نزدیک قیاس اسباب، شروط اور موانع میں جاری نہیں ہوتا کیونکہ اس کے لیے حکمت کی نوع اور مقدار کو جاننے کی ضرورت ہے اور یہ بڑا دشوار کام ہے، اس لیے کہ اس طرح گالی گالی نہیں رہتی۔

قیاس کی شرط یہ ہے کہ اصل کا حکم باقی رہے، نیز اس لیے کہ جو جرائم قتل کے موجب ہیں ان کی کوئی ایسی حد نہیں جس کے ساتھ گالی کو ملحق کیا جا سکے، کیونکہ ان دونوں میں نوع اور مقدار کے لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے اور عمومِ فساد کے اعتبار سے دونوں کا اشتراک الحاق بالاتفاق کا موجب نہیں بن سکتا، نیز دونوں فسادوں کا ایک جیسا ہونا دلیل کا محتاج ہے، ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شریعت رائے کی تابع ہے اور دین کو عقل کی مدد سے گھڑ لیا گیا ہے، اس سے دین کی گرہ کا کھل جانا، شرعی روابط سے دوری اور

اسلام کی رسی سے آزاد ہوجانا لازم آتا ہے۔ مزید برآں یہ لوگوں کو شاہی آراء اور عقلی ڈھکوسلوں کے مطابق لوگوں کو چلانا بھی ہے جو بلاشبہ حرام ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اس کے کفر اور جنگ وقتال کی وجہ سے اُسے قتل کیا جائے، ظاہر ہے کہ اسلام اس قتل کو بالاتفاق ساقط کر دیتا ہے جو کفر وقتال کی وجہ سے ثابت ہو۔

مزید برآں اگر ذمی اپنے دل میں رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہو اور کہتا ہو کہ یہ کوئی بُری بات نہیں، پھر اسلام لائے اور آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا معتقد ہوجائے تو اس سے اس کی تمام برائیاں مٹ جائیں گی، اور یوں کہنا جائز نہیں کہ رسول کریم ﷺ اس کی گالیوں کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں اس پر گرفت کریں گے۔ جو شخص یہ بات کہتا ہے اُسے معلوم ہے کہ وہ غلط بات کہتا ہے، اس لیے کہ اُسے معلوم ہے کہ کفار رسول کریم ﷺ کے بارے میں مغلظات کہتے ہیں اور ان میں بعض مغلظات کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے، مثلاً وہ آپ ﷺ کو ساحر، کاہن، مجنون اور مفتری کہتے ہیں۔ اسی طرح یہودی حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم باندھتے ہیں اور اُن کی طرف بے حیائی کی نسبت کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نعوذ باللہ ولد الزنا تھے، ظاہر ہے کہ یہ صریح بہتان ہے، اگر اس کے بعد یہودی اسلام قبول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کا قرار کر لے اور اس بات کو تسلیم کر لے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے اور وہ یہود کی تہمت سے بری تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف سے اس پر کوئی عتاب نہ ہوگا۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کفار میں سے بعض وہ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی امی لوگوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے اور بعض مطلقاً آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں مگر اپنے مذہب کے ساتھ مانوس ہونے اور دیگر اغراض کی وجہ سے حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوتے، بعض کافر اسلام سے اعراض کرتے ہیں، نہ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور نہ اس کے بارے میں گھٹیا عقائد رکھتے ہیں مگر اُسے بُرا بھلا نہیں کہتے، یا اپنے عقیدہ کے مطابق اسلام کو ایسی گالی دیتے ہیں جس سے آدمی کافر ہوجاتا ہے مگر اس کا اظہار نہیں کرتے۔ بعض کفار مسلمانوں کی موجودگی میں ایسی باتوں کا اظہار کرتے ہیں، بعض لوگ ایسی گالی دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تکفیر تو نہیں کی جاسکتی اور وہ گالی ایسی ہوتی ہے کہ نبی اور غیر نبی سب کے لیے اُسے گالی قرار دے سکتے ہیں، مثلاً بہتان وغیرہ، اور کافر جب اسلام کو قبول کر لے تو یہ سب باتیں اُسے معاف کر دی جاتی ہیں، کتاب وسنت میں یہ بات کہیں مذکور نہیں کہ کافر کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بھی یہ لغزش اس پر قائم رہتی ہے، بلکہ کتاب وسنت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اسلام لانے سے سابقہ گناہ مطلقاً معاف ہوجاتے ہیں اور جب گالی کا گناہ اُسے معاف کر دیا گیا تو اسلام لانے کے بعد اُسے سزا دینا جائز نہیں۔

حدیث قدسی:

مزید برآں اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو گالی دے اور پھر اسلام لائے تو اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ رسول اکرم ﷺ اپنے رب تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں:

''ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے، حالانکہ یہ اس کے لائق نہیں، وہ گالی یوں دیتا ہے کہ میری اولاد ہے، حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں۔''[1]

نیز اگر نصرانی یا کوئی دوسرا اللہ کو گالی دینے سے تائب ہو جائے تو اُسے گالی کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں بالاتفاق سزا نہیں دی جائے گی۔ قرآن میں فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [المائدة: ٧٣، ٧٤]

''بے شک وہ لوگ کافر ہوگئے جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں، جو بات وہ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو اُن میں سے کفر کرنے والوں کو دردناک عذاب دیا جائے گا، کیا وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اس سے معافی طلب نہیں کرتے، جبکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینا اللہ کو گالی دینے سے عظیم تر نہیں ہے۔ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا اس لیے بڑا جرم اور موجبِ قتل ہے کہ رسول کریم ﷺ کا حق حقوق اللہ کے تابع ہے، جب اسلام لانے کی وجہ سے متبوع (اللہ کو گالی دینا) ساقط ہو جاتا ہے تو تابع کو (رسول کریم ﷺ کو گالی دینا) بالاولیٰ ساقط ہو جانا چاہیے، اس سے انبیاء علیہم السلام کو گالی دینے اور مومنین کو گالی دینے میں فرق واضح ہو جاتا ہے، اس لیے کہ لوگوں میں سے کسی کو گالی دینا خواہ قبل از اسلام ہو یا بعد از اسلام، یکساں ہوتا ہے، اُسی طرح جو ایذا اور تحقیر گالی دیے گئے شخص کو لاحق ہوتی ہے، خواہ دشنام دہندہ کے اسلام لانے سے پہلے ہو یا بعد، یکساں ہے، برخلاف اس گالی کے جو رسول کریم ﷺ کو دی گئی ہو کہ اس کی وجہ سے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٧٥)

جو سزا واجب تھی اسلام لانے کی وجہ سے زائل ہو کر رسول کریم ﷺ کے اعزاز و احترام اور مدح و ستائش میں تبدیل ہوگئی، جس طرح اللہ تعالیٰ کو دی گئی گالی توحید و تحمید اور تقدیس و عبادت میں بدل گئی۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ میں ایک تو بشریت کی صفت پائی جاتی ہے اور ایک رسالت کی۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ [الاسراء: ۹۳]

''میرا رب پاک ہے اور میں تو صرف بشر رسول ہوں۔''

اس حیثیت سے کہ آپ ﷺ بشر ہیں، آپ ﷺ پر بشریت کے احکام کا اطلاق ہوگا اور اس لحاظ سے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے آپ ﷺ کو فضائل و خصوصیات سے نوازا ہے، اس لیے آپ ﷺ کو گالی دینا اسی طرح سزا کا موجب ہے جس طرح دیگر مومنین کو، اس لیے کہ آپ ﷺ بشر ہیں، اور اس لیے بھی گالی سزا کی موجب ہے کہ آپ ﷺ صاحب فضائل و خصوصیات رسول ﷺ ہیں، مگر دشنام دہندہ واجب القتل صرف اس لیے ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، کیونکہ گالی جو بشریت سے متعلق ہے قتل کی موجب نہیں ہوسکتی اور رسول کی حیثیت سے آپ ﷺ کو گالی دینا صرف اللہ کا حق ہے، جب دشنام دہندہ اسلام لائے گا تو جو گالی رسالت سے متعلق ہے اس کا حکم اسی طرح ختم ہوجائے گا جس طرح اس گالی کا حکم ختم ہوجاتا ہے جو مرسل یعنی اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، اس طرح وہ قتل اس سے ساقط ہوجائے گا جو اس گالی کی سزا ہے، اب اس گالی میں جو بشریت کا حق ہے وہ باقی رہا اور حق بشریت کی وجہ سے جو سزا واجب ہوتی ہے، وہ اسّی کوڑے ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اُسے کوڑوں کی سزا اِس لیے دی جائے کہ اس نے اسلام لانے کے بعد بہتان طرازی کا ارتکاب کیا اور اس پر تعزیر لگائی جائے کیونکہ اس نے بہتان طرازی نہیں کی صرف گالی دی ہے۔ اس نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ اسلام اللہ اور اس کے رسول کے حق کو ساقط کر دیتا ہے اور خالص انسانی حقوق کو باقی رہنے دیتا ہے، جس طرح عام انسانوں کے حقوق، لہٰذا جو شخص آپ ﷺ کو گالی دے اُس کی اسی طرح تادیب کی جائے جس طرح اسلام لانے کے بعد تمام مومنین کو گالی دینے والے کی۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اُسے کوئی سزا نہ دی جائے، وہ اس کی دلیل یہ دیتا ہے کہ یہ حق حقِ نبوت و رسالت میں مدغم ہوگیا ہے، اس لیے کہ ایک جرم جب قتل کو واجب کر دے تو اکثر فقہاء کے نزدیک کسی دوسری سزا کو واجب نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ اللہ کا حق جو قتل و قذف سے متعلق تھا آدمی کے حق میں

مدغم ہوگیا، جب مجرم کو قصاص اور حدِ قذف معاف کر دی جائے تو جو حرمت شکنی اس نے کی ہے اُسے اس کی سزا نہیں دی جائے گی۔ علی ہذا القیاس یہاں بھی حقِ بشریت حقِ رسالت میں مدغم ہوگیا، مگر یہ دو اصل جن پر قیاس کیا گیا ہے فقہاء کے مابین متنازع ہیں، اس لیے کہ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر مقتول کا وارث قاتل کو معاف کر دے تو حاکم وقت اس کو تعزیر کی سزا دے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا زاویہ نگاہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حدِ قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی، جو شخص کہتا ہے کہ اسلام لانے سے قتل ساقط ہو جاتا ہے وہ اس مسئلہ میں متردد ہے کہ آیا بہتان طرازی اور دشنام دہی کے جرم میں بطورِ حد یا تعزیر کے طور پر کسی کی تادیب کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس قول کے قائلین کہتے ہیں کہ ہمارے خلاف یہ دلیل نہیں دی جا سکتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشنام دہندہ کو قتل کر دیا کرتے تھے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشنام دہندہ کو قتل کرنے کا حکم دیتے یا توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے تھے، اس لیے کہ ذمی اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو بلاشبہ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ اُسے حربی قیدی کی طرح اس کے اصلی کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا، اور اسی طرح اجماعاً اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، جیسے مرتد سے کیا جاتا ہے، البتہ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کا خون محفوظ ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ذمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو اُس سے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے گا، گویا وہ ایک حربی ہے، جس نے مسلمانوں کو ایذا دی اور جب ہم نے اسے قید کر لیا تو ہم اُسے قتل کر دیں گے، البتہ اسلام لانے کی صورت میں قتل اس سے ساقط ہو جائے گا، امام مالک، احمد اور دیگر اہل علم کی تصریحات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے، اگر گالی دینے والا ذمی ہو تو اس کو بلاشبہ قتل کیا جا سکتا ہے۔

جو (اہل علم) ذمی سے طلبِ توبہ کے قائل ہیں اُن کا کہنا یہ ہے کہ بعض اوقات اُسے معلوم نہیں ہوگا کہ اسلام لانے کی صورت میں قتل اس سے ساقط ہو جائے گا۔ بنا بریں اس سے مرتد کی طرح توبہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، بلکہ یہ مطالبہ مرتد کے مطالبے سے بھی اولیٰ و افضل ہے، اس لیے کہ دعوت اسلام دینے اور ازالۂ عذر کے بغیر کفار کو قتل کرنا جائز نہیں۔

توبہ کا مطالبہ نہ کرنے والوں کے دلائل:

جو اہل علم دشنام دہندہ سے توبہ کا مطالبہ نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ اقرب الی القیاس یہی بات ہے، اس لیے کہ کتب میں مذکور ہے کہ ہر اصلی کافر کو، جو قیدی ہو، قتل کیا جائے۔ ناقابل تردید دلائل سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اکثر قیدیوں کو دعوتِ اسلام دیے بغیر قتل کر دیا کرتے تھے، اگرچہ وہ عہد شکنی کرنے والے کیوں نہ ہوں، جیسا کہ بنو قریظہ اور اہل خیبر کے واقعہ سے عیاں ہے اور جس میں سیرت جاننے والے دو شخص بھی مختلف الرائے نہیں ہوسکتے، جب انھوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو رسول کریم ﷺ نے اُن کو قید کر لیا اور دعوتِ اسلام دیے بغیر اُن کی گردن اُڑا دی۔

اسی طرح رسول کریم ﷺ نے دعوتِ اسلام دیے بغیر کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے عہد شکنی کی تھی اور مسلمانوں کو ایذا بھی دیا کرتا تھا۔

جن علماء کا موقف یہ ہے کہ جب دوبارہ ذمی بن کر تائب ہو تو اس کی توبہ قبول کی جائے یا اس کے بارے میں حاکم کو اختیار دیا جائے کہ (اپنی صوابدید کے مطابق جو سزا چاہے دے) وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اندریں صورت وہ اس حربی کافر کی مانند ہے، جس نے ذلت کو قبول کر کے اپنے ہاتھ سے جزیہ کی رقم ادا کی ہو، لہٰذا اُس کے قتل سے باز رہنا واجب ہے۔

اگر حربی کافر قیدی بننے کے بعد اسلام لائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

واضح رہے کہ یہاں ایک بات سے آگاہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اصلی حربی کافر جو مسلمانوں کی قید میں ہو اگر مسلمان ہوجائے تو اس سے قید کا حکم زائل نہیں ہوگا بلکہ یا تو وہ عورتوں اور بچوں کی طرح غلام بن جائے گا، جیسا کہ امام احمد اور شافعی رحمہما اللہ کے دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے۔ ہر دو ائمہ کے نزدیک دوسرا قول یہ ہے کہ حاکم وقت کو اس کے بارے میں تین باتوں کا اختیار رہو گا مگر اُسے قتل نہیں کر سکتا۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ ثقیف کے لوگ بنی عقیل کے حلیف تھے، ثقیف والوں نے رسول کریم ﷺ کے دو صحابہ رضی اللہ عنہما کو قید کر لیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنی عقیل کے ایک آدمی کو قید کر لیا اور ساتھ ہی ''عضباء'' نامی ناقہ کو بھی پکڑ لیا، بنو عقیل کا آدمی بیڑیاں پہنے تھا کہ رسول کریم ﷺ اس کے پاس آئے، اس نے یا محمد! (ﷺ)

کہہ کر آواز دی، آپ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: آپ ﷺ نے مجھے اور تیز رَو ناقہ عضباء کو کیوں پکڑا؟ فرمایا: ''میں نے تجھے تیرے حلفاء بنوثقیف کے جرم میں پکڑا، پھر آپ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا تو اس نے یا محمد! یا محمد! ﷺ کہہ کر پکارنا شروع کر دیا، رسول کریم ﷺ بڑے رقیق القلب تھے، اس کی طرف لوٹے اور فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں مسلم ہوں، فرمایا: ''اگر تُو یہ بات اس وقت کہتا جبکہ تو آزاد تھا تو پوری کامیابی حاصل کرتا، آپ ﷺ لوٹے تو پھر وہ پکارنے لگا، یا محمد! یا محمد! ﷺ آپ تشریف لائے اور پوچھا کیا ماجرا ہے؟ اُس نے کہا: میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلایئے، میں پیاسا ہوں مجھے پانی پلایئے، فرمایا: یہ تمھاری (جائز) ضرورت ہے (اسے پورا کیا جائے گا)، چنانچہ دو آدمیوں کے فدیہ میں اُسے چھڑا لیا گیا۔[1] جب وہ قیدی بننے کے بعد اسلام لایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر قید ہونے سے پہلے مسلمان ہوتا تو پوری کامیابی حاصل کرتا، اب اس نے پوری فلاح نہیں پائی، اب اسلام لانے کی وجہ سے اُسے رہا نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی قید ہونے کے بعد اسلام کا اظہار کیا بلکہ اطلاع دی کہ وہ قبل ازیں اسلام لا چکے ہیں، رسول کریم ﷺ نے فدیہ ادا کرنے سے قبل ان کو رہا نہ کیا۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی قیدی جو کافر ہو مسلمان ہو جائے تو تب بھی قیدی ہی رہے گا، اس لیے کہ یہ بھی غلامی کی ایک قسم ہے اور قید غلامی کو حق جواز بخشتی ہے، جس طرح قیدی کے اسلام لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام لانے سے پیشتر جو مال اس سے لیا گیا وہ اُسے واپس کیا جائے، جب یہ اس شخص کا حال ہے جو قید ہونے کے بعد اسلام لایا اور حقیقت میں وہ حربی الاصل تھا تو جو عہد شکنی کرنے والا ہے بلاشبہ اس کا حال اس سے شدید تر ہے، بنا بریں جب وہ اس صورت میں عہد شکنی کرے کہ وہ ہمارے قابو میں ہو اور مسلمان بھی ہو جائے تو اس کے حق میں یوں کہنا جائز نہیں کہ اُسے رہا کیا جائے۔

ہم بتا چکے ہیں کہ (اسلام لانے سے) اس نے اپنا خون محفوظ کر لیا، اب یا تو وہ غلام بن جائے اور حاکمِ وقت کو اس امر کا اختیار ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں جمع کر دے یا اپنی صوابدید کے مطابق جس طرح چاہے کرے۔ یہ اس شخص کا قیاس ہے جو عہد شکنی کرنے والے کو غلام بنانے کا قائل ہے اور جس کے نزدیک اُن کو غلام بنانا جائز نہیں اس کے نزدیک وہ مرتد کی طرح ہے، وہ کہتا ہے کہ جب وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اُسے نہ غلام بنایا جائے اور نہ ہی قتل کیا جائے۔ رسول

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱٦٤١)

کریم ﷺ کے ارشاد گرامی: ''اگر تو آزادی کی حالت میں اسلام لاتا تو پوری طرح فلاح پاتا۔'' کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس حالت میں اسلام لائے جبکہ وہ بااختیار نہ ہو اس کا حال اس شخص کی طرح نہیں جو ایسے وقت میں مشرف بہ اسلام ہو جبکہ وہ بااختیار اور آزاد ہو، دونوں کو برابر قرار دینا کسی حال میں بھی جائز نہیں، اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ جب اس نے جزیہ ادا کیا تو اُسے رہا کرنا واجب نہیں، اس لیے کہ جب اسلام لانے کی وجہ سے اُسے رہا کرنا واجب نہیں تو جزیہ ادا کرنے کی وجہ سے بالاولیٰ جائز نہیں، مگر مذکورہ صدر حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جس سے اس کو غلام بنانے کی نفی ہوتی ہو۔

رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے مسلم کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے:

اس امر کی دلیل کہ مسلم کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے، اگرچہ وہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کا اظہار کرے، مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ [الأحزاب: ۵۷]

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور اُن کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ اس کے قتل کا مقتضی ہے اور اس کا قتل حتمی اور قطعی ہے اگرچہ پکڑے جانے کے بعد وہ توبہ بھی کر چکا ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں، پھر ان لوگوں کا ذکر کیا جو مومن مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں، جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینے والوں کی سزا پکڑے جانے کے بعد توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی تو اہل ایمان کو ایذا دینے والوں کی سزا بالاولیٰ معاف نہیں ہوگی، اس لیے کہ فریقین کی سزا ایذائے لسانی پر مبنی ہے نہ کہ اس کفر پر جس پر وہ قائم ہے۔

مزید برآں فرمان ربانی ہے:

﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴾ [الأحزاب: ۶۰، ۶۱]

"یقیناً اگر یہ منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے لوگ باز نہ آئے تو ہم تجھے ضرور ہی ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ اس میں تیرے پڑوس میں نہیں رہیں گے مگر کم۔ اس حال میں کہ لعنت کیے ہوئے ہوں گے، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں گے، بری طرح ٹکڑے کیا جانا۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص باز نہ آئے اُسے پکڑ کر قتل کر دیا جائے، لہٰذا معلوم ہوا کہ باز آنا خون کا محافظ ہے جو پکڑے جانے سے پہلے ہو، مزید برآں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کو قتل کرنا لعنت کی تفسیر ہے، پس یہ ثابت ہوا کہ ملعون کو جب بھی پکڑا جائے اُسے قتل کیا جائے بشرطیکہ وہ پکڑے جانے سے قبل باز نہ آیا ہو اور یہی شخص ملعون ہے، اس لیے وہ آیت میں داخل ہے۔ اس کا مؤید ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سابق الذکر قول ہے جو مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں اُن سے منقول ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ [النور: ۲۳]

"بے شک جو لوگ پاک دامن غافل مومن عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں اُن پر دُنیا و آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عائشہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے بارے میں بطور خاص نازل ہوئی، اس میں توبہ کا ذکر کیا گیا۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ [النور: ۴، ۵]

"اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انھیں اسّی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی نافرمان لوگ ہیں۔ تو جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں۔"

ان لوگوں کی توبہ کا ذکر کیا مگر سابق الذکر لوگوں کی توبہ کا ذکر نہیں کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک

آدمی نے اُٹھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حسن تفسیر کی وجہ سے ان کا سر چوم لینے کا ارادہ کیا۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جس شخص پر ایسی لعنت کی جا چکی ہے اس کے لیے کوئی توبہ نہیں اور دوسری لعنت تو اس سے بھی بلیغ تر ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امہات المؤمنین پر بہتان لگانے والا اس لعنت کا مستحق اس لیے ہوا کہ بہتان ان کی ازواج مطہرات پر لگایا گیا ہے تو اس سے مستفاد ہوا کہ آپ کو ایذا دینے والے کے لیے کوئی توبہ نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ﴾ [المائدة: ۳۳]

''بدلہ اُن لوگوں کا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور زمین پر فساد مچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور یہ دشنام دہندہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ لڑنے والا اور دونوں کی مخالفت کرنے والا ہے اور بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا، اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والا اور ان کے خلاف جنگ بپائی کرنے والا ہے، نیز اس لیے کہ محارب، صلح جوئی کرنے والے کی ضد ہے، مسالم وہ شخص ہے جس سے تم سلامت رہو اور دوسرا شخص تم سے سلامت رہے، اور جو شخص کسی کو تکلیف دے وہ اس سے سلامت نہیں رہتا، اس لیے وہ مسالم نہیں بلکہ محارب ہے۔ قبل ازیں ہم نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنا دشمن قرار دیا ہے جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتا ہو وہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرتا ہے، ایسا شخص روئے زمین پر سب سے بڑا مفسد ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴾ [البقرة: ۱۱، ۱۲]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی زمین پر فساد برپا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں، خبردار وہی ہیں فساد برپا کرنے والے مگر وہ سمجھتے نہیں۔''

قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی فساد کا ذکر آیا ہے، مثلاً:

۱۔ ﴿لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ [الأعراف: ۵۶]

---

[1] تفسیر الطبري (۱۸/ ۱۰۴) اس کی سند میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا شاگرد مجہول ہے۔

۲۔ ﴿سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا﴾ [البقرۃ: ۲۰۵] اور دیگر آیات۔

ان تمام مقامات میں گالی فساد میں شامل ہے، اس لیے کہ گالی روئے زمین پر اصل فساد کی موجب ہے کیونکہ گالی کی وجہ سے نبوت میں فساد پیدا ہوتا ہے اور نبوت دنیا اور آخرت میں دین کی صلاح و فلاح کا ستون ہے، چونکہ گالی دینے والا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والا اور (خدا کی زمین میں) فساد کی کوشش کرنے والا ہے، لہٰذا واجب ہے کہ آیت میں مذکور سزاؤں میں سے اُسے ایک سزا دی جائے، الّا یہ کہ قابو پانے سے پہلے توبہ کر لے، قبل ازیں ہم ایسے دلائل پیش کر چکے ہیں کہ اس کی سزا بصورت قتل ایک مسلّمہ بات ہے، جس طرح رہزنی کے دوران قتل کرنے والے کی سزا قتل ہے، پس واجب ہے کہ یہ سزا اُسے دی جائے، بجز اس صورت کے جبکہ وہ قابو آنے سے قبل تائب ہو جائے، وہ دشنام دہندہ جس کے خلاف شہادت قائم ہو جائے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے تو اس نے قابو میں آنے کے بعد توبہ کی، اس لیے سزا اُس سے ساقط نہیں ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ حربی کافر جب پکڑے جانے کے بعد اسلام لائے تو مطلقاً اس سے توبہ ساقط نہیں ہوگی، جس طرح رسول اکرم ﷺ نے عقیلی سے کہا تھا:

"اگر تُو یہی بات اس وقت کہتا جب تُو با اختیار تھا تو پوری طرح فلاح پا جاتا۔"

بخلاف ازیں اُسے غلام بنانے کی سزا دی جائے گی یا یہ کہ اُسے غلام بنانا بھی جائز ہے اور کوئی دوسری سزا بھی دی جا سکتی ہے، مگر یہ مرتد محارب ہے، لہٰذا اُسے اس طرح غلام نہیں بنایا جا سکتا ہے جس طرح عرینہ والوں کو بنایا گیا، اس لیے کہ محاربہ باللسان اور محاربہ بالید دونوں یکساں ہیں، لہٰذا اُس کی سزا بصورتِ قتال ایک مسلّمہ امر ہے۔

مزید برآں متعدد طرق سے مروی احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ دشنام دہندہ کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے۔ جو شخص رسول کریم ﷺ پر جھوٹ باندھے آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اُسے قتل کیا جائے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی مقتضی ہے کہ دشنام دہندہ کو قتل کیا جائے، خواہ ہم حدیث سے ظاہر مفہوم مراد لیں یا اس کو اس شخص پر محمول کریں جو رسول کریم ﷺ پر ایسا جھوٹ باندھے جس سے آپ ﷺ کی زندگی داغدار ہوتی ہو۔ شعبی کی روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کرنے کا حکم دیا تھا جس نے عزیٰ نامی بت کا مال تقسیم کرنے کے بارے میں آپ ﷺ کو موردِ طعن بنایا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ جب ابو برزہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس شخص کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کرنے کی اجازت مانگی تھی جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو اس کی اجازت نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشنام دہندہ کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کر سکتے تھے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کر دیا تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ تھا، پھر اس کی تائید میں قرآن کریم نازل ہوا۔ حالانکہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ قسم کی تحقیر تھی، پھر اس سے بڑھ کر تحقیر کی کیا سزا ہوگی؟

مزید برآں جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اسلام لانے کے بعد طعن کیا اور ایسا بہتان باندھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی داغدار ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو ہدر قرار دیا اور اس کو بیعت کرنے سے انکار کر دیا، ہم نے قبل ازیں اس سے استدلال کیا ہے کہ دشنام دہندہ اسلام لائے تو بھی اُسے قتل کیا جائے، ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے پہلے اسلام لا چکا تھا اور توبہ کرنے کے لیے حاضر ہوا تھا، جیسا کہ ہم نے متعدد راویوں سے اس کو نقل کیا ہے یا وہ اسلام لانے کے ارادے سے حاضر ہوا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ وہ اسلام لانے کے ارادے سے حاضر ہوا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرنے سے توقف کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انتظار تھا کہ کوئی آدمی اُٹھ کر اُسے قتل کر دے گا۔

یہ حدیث اس ضمن میں نص کا درجہ رکھتی ہے کہ اس قسم کے طعن کنندہ مرتد کی توبہ قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اُسے قتل کرنا جائز ہے، اگرچہ توبہ کرنے آیا ہو یا توبہ کر چکا ہو۔ قبل ازیں ہم اس پر روشنی ڈال چکے ہیں اور یہاں دیگر وجوہ سے اس مسئلہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس چیز نے اس کے خون کو محفوظ کیا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاف کرنا تھا نہ کہ محض اسلام لانا، نیز یہ کہ اسلام لانے اور توبہ کرنے سے گناہ کا ازالہ ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف کرنے سے اس کا خون محفوظ ہوگیا، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معافی دی تھی وہ باقی نہ رہی، اور امت کو یہ حق حاصل نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کو معاف کرے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیعت سے اس کے توقف کرنا تاکہ کوئی آدمی اٹھ کر اسے قتل کر دے، اس کے جوازِ قتل پر نص کا درجہ رکھتا ہے اگرچہ وہ توبہ کرنے کے لیے آیا ہو۔

باقی رہا اس کے بعد اس شخص کے خون کا محفوظ ہونا جس نے گالی دے کر توبہ کر لی ہو تو وہ اس

بات کی دلیل نہیں کہ ہم اس شخص کے خون کو اُس پر قابو پانے کے بعد بھی محفوظ تصور کریں، اس لیے کہ ہم نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ بعض اوقات ایسے شخص کو معاف فرما دیا کرتے تھے جو آپ ﷺ کو گالی دیتا اور جس کے واجب القتل ہونے کے بارے میں اُمت میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، بظاہر رسول کریم ﷺ کا اس کو معاف کرنا دشوار بھی ہوتا، ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ عبداللہ بن خطل کے واقعہ پر مشتمل حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دشنام دہندہ کو قتل کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ وہ پہلے مسلمان تھا، پھر مرتد ہو کر آپ ﷺ کی ہجو کہا کرتا تھا، لہٰذا اُسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا گیا۔

قبل ازیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول گزر چکا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور لونڈیوں پر (بہتان لگا کر) آپ ﷺ کو ایذا دیتا ہو اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، اور یہ اس لیے کہ یہ بھی ایک طرح کی ایذا رسانی ہے اور اسی وجہ سے اللہ نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے۔ ظاہر ہے کہ گالی دینا ایذا رسانی کے اعتبار سے اس سے شدید تر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح رسول کریم ﷺ کو گالی دینا حرام ہے اسی طرح کسی اور کو گالی دینا بھی ممنوع ہے، جبکہ نکاح صرف امہات المومنین کے ساتھ ناروا ہے (اور دیگر عورتوں کے ساتھ حلال ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی ایذا رسانی حرام ہے اور آپ ﷺ کو کسی بھی قسم کی ایذا دینے والا واجب القتل ہے اور اُس سے توبہ کا مطالبہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

نیز رسول اکرم ﷺ نے اُن عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جو ہجو کہہ کر اپنی زبان سے آپ ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھیں، حالانکہ شہر (مکہ) کے عام لوگوں کو آپ ﷺ نے امان دے دی تھی، اور عورت کو صرف اسی صورت میں قتل کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ ایسا کام کرے جس سے اس کو قتل کرنا واجب ہو جاتا ہو، آپ ﷺ نے جب اُن عورتوں کو قتل کیا تو کسی سے بھی توبہ کا مطالبہ نہ کیا، اور حربی عورت، جو کافر ہو، جب تک عملی طور پر جنگ میں شریک نہ ہو اُسے قتل نہیں کیا جاتا، اسی طرح مرتد عورت سے جب تک توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اُسے قتل نہیں کیا جاتا مگر ان عورتوں کو قتل کیا گیا جبکہ وہ نہ تو جنگ میں شرکت کرتی تھیں اور نہ ہی اُن سے توبہ کا مطالبہ کیا گیا۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ جو شخص ان عورتوں کا سا فعل انجام دے اُسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کرنا روا ہے، کیونکہ ایسے فعل کا صدور ایک مسلم یا معاہد عورت سے عظیم تر جرم ہے، بہ نسبت اس کے کہ ایک حربی عورت ایسے فعل کی مرتکب ہو۔

قبل ازیں ہم اس ضمن میں ایسے دلائل ذکر کر چکے ہیں کہ اب ان کے اعادہ کی حاجت نہیں، ہم

نے ذکر کیا تھا کہ حدیث نبوی ﷺ سے مستفاد ہوتا ہے کہ گالی ایک گناہ ہے جو عام کفر سے الگ ہے بلکہ یہ محاربہ کی جنس سے ہے، اور وہ توبہ جس کی وجہ سے مرتد کا خون محفوظ ہو جاتا ہے وہ کفر سے توبہ ہے، اگر کوئی شخص جنگ کر کے، مثلاً کسی کو قتل کر کے یا مسلمان کا مال لے کر مرتد ہوا ہو، جیسا کہ قبیلہ عرینہ والوں نے، نیز مقیس بن صبابہ نے کیا تھا کہ اس نے ایک انصاری کو قتل کیا اور اس کا مال لے کر مرتد ہو کر لوٹ گیا تھا تو ایسے آدمی کو قتل کرنا ایک مسلمہ بات ہے، جس طرح رسول کریم ﷺ نے مقیس بن صبابہ کو قتل کیا تھا اور جیسا کہ عرینہ والوں کے بارے میں آپ ﷺ کو کہا گیا تھا کہ اُن کا بدلہ یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے۔'' (قرآنی آیت) اس لیے جو شخص عداوت اور محاربہ پر مبنی کلام کرے گا وہ اُس کی طرح نہ ہوگا جو صرف مرتد ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ نے جن صحابہ رضی اللہ عنہم پر اعتماد کیا ہے، وہ دشنام دہندہ اور مرتد محض میں فرق کرتے ہیں، چنانچہ وہ دشنام دہندہ کو تو توبہ طلب کیے بغیر قتل کرتے ہیں اور دوسرے سے توبہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور مطالبہ کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہ اس لیے کہ دشنام دہندہ کو قتل کرنا ان سے ثابت ہو چکا ہے، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، حالانکہ ان کے بارے میں پہلے کہا جا چکا ہے کہ وہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ کرتے تھے اور اس سے توبہ طلب کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ کوئی مسلمان اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو وہ اس کی توبہ قبول نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ اگر اس کی توبہ قبول کی جائے تو اس سے توبہ کا مطالبہ مشروع ہوگا، جیسے مرتد سے کیا جاتا ہے، کیونکہ اس قول کے مطابق وہ مرتدین کی ایک قسم ہے اور جو اس کے ساتھ مسلم کی تخصیص کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دشنام دہندہ کافر اگر اسلام لے آئے تو اس سے قتل ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ حربی کو تو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جاتا ہے، حالانکہ اس کے اسلام لانے سے اس کا قتل اجماعاً ساقط ہو جاتا ہے، ہمیں کسی صحابی کے بارے میں یہ خبر نہیں پہنچی کہ اُس نے دشنام دہندہ سے توبہ کا مطالبہ کرنے کا حکم دیا ہو، ماسوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مگر اُس میں ضعف پایا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

''جو مسلمان اللہ یا کسی نبی علیہ السلام کو گالی دے تو اس نے رسول کریم ﷺ کی تکذیب کی، اسی کا نام ارتداد ہے، جس میں توبہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو فبہا

ورنہ اُسے قتل کیا جائے۔"[1]

یہ اس شخص کے بارے میں ہے، واللہ اعلم، جو کسی نبی کی نبوت کی تکذیب کرے اور اُسے اس بنا پر گالی دے کہ وہ نبی نہیں۔ آپ ﷺ کے ان الفاظ کو دیکھیے کہ اس نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی اور اس میں شبہ نہیں کہ جو شخص کسی نبی کی نبوت کی تکذیب کرے اور اسی بنا پر اُسے گالی دے اور پھر توبہ کر لے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی، جس طرح کوئی شخص بعض قرآنی آیات کی تکذیب کرے، یہ اس کے معاملات کا نمایاں پہلو ہے، اس لیے وہ مرتد کی مانند ہے، باقی رہا وہ شخص جو کسی نبی کی نبوت کا اقرار کرتا ہو پھر علانیہ اُسے گالی دینے لگے تو ہمارا مسئلہ یہی ہے۔

اس کی مؤید یہ روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

"جو شخص ازواج النبی ﷺ پر بہتان باندھے اس کی توبہ مقبول نہیں، البتہ اگر کسی اور عورت پر بہتان لگائے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔"

ظاہر ہے کہ حق رسول کی رعایت کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے، پس معلوم ہوا کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے اور آپ ﷺ پر بہتان لگانے والے کی توبہ مقبول نہیں، نیز یہ کہ دوسری روایت (اگر اس کی صحت ثابت ہو) کی توجیہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کی یا اسی کی مثل ہے۔

علاوہ ازیں ایک نبی کی نبوت کا اقرار کرنے والے کا اسی نبی کو گالی گلوچ دینا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا عقیدہ فاسد ہے اور وہ اس کو نبی نہیں مانتا بلکہ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس نبی کی تحقیر و تضحیک کا مرتکب ہوتا ہے، جس شخص کے دل میں کسی نبی پر ایمان گھر کر چکا ہو اور ایمان اس نبی کے اکرام و احترام کا موجب ہوتا ہے تو اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس کی مذمت کرے گا یا اُسے گالی دے گا اور اس کی تحقیر کرے گا۔ جو لوگ گالیاں دے کر رسول کریم ﷺ کی تحقیر کیا کرتے تھے، بدترین قسم کے منافق تھے۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز رسول کریم ﷺ اپنی بیویوں میں سے کسی بیوی کے حجرے کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ چند مسلمان بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، جن سے سایہ سمٹ کر پیچھے ہٹ گیا تھا، فرمایا: "تمھارے یہاں ایک شیطان صفت انسان آئے گا، اس

---

[1] اسے حرب نے اپنے "مسائل" میں روایت کیا ہے، اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ضعیف و مختلط ہے، لہٰذا اس قول کا ثبوت محل نظر ہے۔ واللہ اعلم

سے بات نہ کرنا۔'' اندریں اثنا ایک نیلی آنکھوں والا آدمی آیا، رسول کریم ﷺ نے اُسے پکار کر کہا: ''تم فلاں فلاں اشخاص مجھے گالی کیوں دیتے ہو؟'' آپ ﷺ نے اُن کا نام لے کر بتایا، وہ جا کر انھیں اپنے ساتھ لایا، انھوں نے قسم کھائی اور معذرت کی۔[1]

تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ﴾ [التوبة: ٩٦]

''تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ ان سے راضی ہو جاؤ۔''

اس کو ابو مسعود بن الفرات نے روایت کیا ہے، حاکم نے بھی اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ ﴾ [المجادلة: ١٨]

''جب اللہ اُن سب کو اٹھائے گا تو قسمیں کھائیں گے۔''

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ذلیل کافر ہے تو اس کے بعد اس کا اقرارِ رسالت کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ کفر اور استہانت اس سے دور ہو گئی ہے، اس لیے کہ ''ظاہر'' ایک صحیح اور قابل اعتماد دلیل ہوتا ہے، جب یہ ثابت نہ ہو کہ باطن اس کے خلاف ہے، جب باطن کا اثبات کسی دلیل سے ہوتا ہو تو ظاہر کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی، جس کے بارے میں معلوم ہے کہ باطن اس کے خلاف ہے۔

حاکم اپنے علم کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کر سکتا:

علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حاکم کو اپنے علم کے خلاف فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، اگرچہ ثقہ اور عدول لوگ اس کے نزدیک اس کی شہادت دیتے ہوں، حاکم کے لیے جائز ہے کہ ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ کرے جبکہ اس کے خلاف اُسے معلوم نہ ہو، اگر وہ کوئی ایسا اقرار کرے جس کے بارے میں اُسے معلوم ہو کہ وہ اس میں جھوٹا ہے، تب بھی یہی صورت ہو گی، مثلاً اپنے سے بڑی عمر کے آدمی سے کہے: یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب اور میراث ثابت نہیں ہو گی، اس پر علماء کا اتفاق ہے، شرعی دلائل کی بھی یہی صورت ہے، مثلاً ایک ثقہ آدمی کی خبر واحد، نیز امر و نہی اور عموم و قیاس کہ اُن کی پیروی واجب ہے، الّا یہ کہ قوی تر دلیل سے ثابت ہو کہ ان کا باطن ظاہر کے مخالف ہے، اور اس کے نظائر و امثال بکثرت ہیں۔

[1] مسند أحمد (٤/ ١٧) برقم (٢١٤٧) اسے امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اسے طبرانی، احمد اور بزار نے روایت کیا ہے اور تمام کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ مجمع الزوائد (٧/ ١٢٢)

جب تم یہ جان چکے تو ہم کہتے ہیں کہ اس شخص کے فاسد عقیدے، اس کی تکذیب اور استہانت پر دلیل قائم ہو چکی ہے، پس اب اس کا اقرارِ رسالت اسی جیسا ہے جس کا اظہار وہ پہلے کیا کرتا تھا۔

اور اس کی دلالت باطل ہو چکی ہے، لہٰذا اُس پر بھروسہ کرنا جائز نہیں، یہ نکتہ ان لوگوں کی ایجاد ہے جو زندیق کی توبہ قبول نہیں کرتے، اہل مدینہ، امام مالک اور ان کے اصحاب اور لیث بن سعد کا یہی مذہب ہے، امام ابوحنیفہ سے منقول دو روایتوں میں سے ترجیح اسی روایت کو ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے، جس کی تائید آپ رحمہ اللہ کے بہت سے اصحاب رحمہم اللہ نے کی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور احمد سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی یہی روایت مشہور ہے، امام ابو یوسف کا آخری قول یہی ہے کہ میں توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اُسے قتل کرتا ہوں، لیکن اگر قتل کرنے سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی، امام احمد سے تیسری روایت یہی منقول ہے۔

ان دلائل کے پیش نظر جب دشنام دہندہ مکرر گالی دے جو اس کے کفر پر دلالت کرتا ہے تو دیگر علامات کے شامل ہونے سے گالی کو مزید تقویت حاصل ہوگی، مثلاً اللہ کے محرمات کی تخفیف، فرائض خداوندی کی اہانت اور اس قسم کے امور جو زندیق اور منافق پر دلالت کرتے ہیں، اس کے زندقہ اور کفر کے اثبات کے لیے یہ چیز بڑی مؤثر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے ان امور کی موجودگی میں اس کے اظہارِ اسلام کو قبول نہ کیا جائے۔ ایسے آدمی کو قتل کرنے میں توقف سے کام لینا چاہیے اور نہ ہی اسلام لانے کی وجہ سے اس سے قتل کو ساقط کیا جائے، کیونکہ پکڑے جانے کے بعد اس کی حالت میں کوئی نئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ جو قبل ازیں نہ تھی، پھر حدود شرعیہ کو بلاوجہ کیسے معطل رکھا جا سکتا ہے، البتہ اگر اس کا مقدمہ عدالت میں لے جانے سے پیشتر اس سے ایسے اقوال و اعمال کا ظہور ہو جو اس کے حسن اسلام پر دلالت کرے اور وہ ان باتوں سے رک جائے تو اُسے فی الحال قتل نہیں کیا جائے گا، تاہم اس قول کے قائلین میں اختلاف پایا جاتا جاتا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

جن آیات میں نفاق سے توبہ کا ذکر ہے ان کو اسی قسم کے آدمی پر، بلکہ جو اس سے خفیف تر درجے کا ہو اور اس کا نفاق ظاہر نہ ہو، محمول کیا جائے گا اور جن آیات میں اقامت حدود کا تذکرہ ہے ان کو پہلی حالت پر محمول کیا جائے گا، جو اسلام قبول کرنے والے ذمی سے قتل کو ساقط کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسی کے ساتھ ذمی اور کافر کا فرق واضح ہو جاتا ہے جبکہ وہ اسلام لائے، اس لیے کہ وہ ایسے دین کا اظہار کرتا تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کو مباح کرتا تھا یا گالی دینے سے منع کرتا تھا، پھر اس

نے دین اسلام کا اظہار کیا جو آپ ﷺ کے اکرام و احترام کو واجب قرار دیتا ہے، پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا دوسرے مذہب کی طرف انتقال صحیح ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ اس سے متصادم نہیں، پس اس پر عمل واجب ہے۔

اور یہ طرز و انداز اس بات پر مبنی ہے کہ زندیق کی توبہ مقبول نہیں، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہاں کفر کی علامت تو ظاہر ہے مگر اسلام کا کوئی نشان ظاہر نہیں اور یہ بھی قیاس جلی کی ایک قسم ہے۔

زندیق و منافق کے قتل کے جواز کی دلیل:

زندیق و منافق سے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کرنے کے جواز کی دلیل یہ آیات ہیں:

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌ بِالْكٰفِرِیْنَ ۝ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِیْبَةٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ یَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَیَیْنِ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ یُّصِیْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَیْدِیْنَا فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ [التوبة: ۴۹، ۵۲]

''اور ان میں سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجیے اور فتنے میں نہ ڈالیے۔ سن لو! وہ فتنے ہی میں تو پڑے ہوئے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور گھیرنے والی ہے۔ اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچے تو انھیں بری لگتی ہے اور اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا اور اس حال میں پھرتے ہیں کہ وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ کہہ دے ہمیں ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا، وہی ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی پر پس لازم ہے کہ ایمان والے بھروسا کریں۔ کہہ دے تم ہمارے بارے میں دو بہترین چیزوں میں سے ایک کے سوا کس کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمھارے بارے میں انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تمھیں اپنے پاس سے کوئی عذاب پہنچائے، یا ہمارے ہاتھوں سے۔ سو انتظار کرو، بے شک ہم (بھی) تمھارے ساتھ منتظر ہیں۔''

مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿اَوْ بِاَيْدِيْنَا﴾ سے قتل مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم دل کی باتوں کو ظاہر کرو گے تو ہم تمھیں قتل کر دیں گے اور وہ اسی طرح ہے جیسے انھوں نے کہا، اس لیے کہ وہ سزا جو نفاق کے چھپانے پر ہمارے ہاتھوں انھیں دی جاتی ہے، وہ قتل ہے، جس کی وجہ ان کا کفر ہے، اور اگر نفاق اور زندقہ کے ظہور کے بعد منافق اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جس توبہ کو وہ ظاہر کرتا ہے اُسے قبول کرے تو اس بات کا انتظار ممکن نہ تھا کہ اللہ اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں انھیں عذاب میں مبتلا کرتا، اس لیے کہ ہم جب بھی چاہتے ہیں کہ اُن کے ظاہر کردہ (کفر ونفاق) پر انھیں سزا دیں تو وہ توبہ کا اظہار کر دیتے ہیں۔

قتادہ اور دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ آیت کریمہ:

﴿وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ [التوبة: ۱۰۱]

''اور تمھارے ارد گرد بدو رہتے ہیں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں سے بھی جو نفاق پر اڑ گئے ہیں، تو انھیں نہیں جانتا، ہم ہی انھیں جانتے ہیں۔ عنقریب ہم انھیں دو بار عذاب دیں گے۔''

وہ کہتے ہیں کہ دنیا کے عذاب سے قتل مراد اور دوسرے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے۔ مندرجہ ذیل آیات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں:

۱۔ ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ [التوبة: ٦٢]

''تمھارے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمھیں راضی کر دیں اور اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُسے راضی کریں۔''

۲۔ ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ [التوبة: ٧٤]

''اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اُنھوں نے نہیں کہا، حالانکہ انھوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے۔''

۳۔ ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ [المنافقون: ۱]

''اور جب منافق آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ جانتا ہے کہ تُو اللہ کا رسول ہے اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔''

٤۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ [المجادلة: ١٤ تا ١٦]

''کیا آپ ﷺ نے ان کو نہیں دیکھا جو ایسوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر خدا کا غضب ہوا، وہ نہ تم میں ہیں نہ ان میں اور جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں، خدا نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، یہ جو کچھ کرتے ہیں، یقیناً بُرا ہے۔ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روک دیا ہے، سو اُن کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔''

مذکورہ صدر تمام آیات اسی امر پر دلالت کرتی ہیں کہ منافق جھوٹی قسمیں کھا کر مومنوں کو راضی کرتے ہیں اور اپنے کفر کا انکار کرتے ہیں اور قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے کفر کا کلمہ نہیں کہا، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ جب شہادت کی روشنی میں یہ بات ان پر ثابت ہو جائے تو ان کو قتل کیا جائے۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: اگر قبل ازیں وہ توبہ کا اظہار کر چکے ہیں تو قسمیں کھانے اور انکار کی ضرورت نہ تھی، وہ کہہ سکتے تھے کہ ہم نے ایسا کہا تھا مگر توبہ کر لی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اُن باتوں کے ظاہر ہونے سے ڈرتے تھے کہ اس کی وجہ سے انھیں توبہ کا مطالبہ کیے بغیر سزا دی جائے گی۔

دوسری وجہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے ''انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے۔'' [المنافقون: ٢] اور قسم ڈھال اس وقت بنتی ہے جب اس کی تردید میں ہم کوئی سچی شہادت پیش نہ کریں، جب سچی شہادت اس کی تردید کر دے تو ڈھال ٹوٹ جاتی ہے اور ان کو قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے اور اس صورت میں ڈھال صرف پہلی قسم کی ہی بن سکتی ہے، حالانکہ وہ ڈھال اب شکستہ ہو چکی ہے۔

تیسری وجہ: یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جھوٹ اور انکار نے اُن کے خون کو محفوظ کیا، ظاہر ہے کہ جھوٹ اسی صورت میں خون کو بچا سکتا ہے جب اس کے خلاف کوئی شہادت موجود نہ ہو،

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو قتل نہ کیا۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا﴾ [التوبة: ۷۳، ۷٤]

''اے نبی ﷺ! کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے، اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے کفر کا کلمہ نہیں کہا، حالانکہ اُنھوں نے کہا ہے۔'' [التوبة: ۷۳، ۷٤]

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ [التحريم: ۹] ''کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے۔''

حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ جہاد کیجیے اور وہ یوں کہ ان پر حدودِ شرعیہ قائم کیجیے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہاتھ سے جہاد کیجیے، اگر نہ ہو سکے تو زبان سے، ورنہ دل سے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جریج کہتے ہیں کہ زبان سے جہاد کیجیے اور سخت لہجہ اختیار کیجیے اور نرمی کو چھوڑ دیجیے۔[2]

اندازِ استدلال یوں ہے کہ اللہ نے اپنے رسول علیہ السلام کو منافقین و کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ان کے ساتھ جہاد اُسی صورت میں ممکن ہے جب اُن سے ایسا قول و فعل صادر ہو جو سزا کا موجب ہو، جب اُن سے کسی ایسی چیز کا صدور نہ ہو تو ہمارے لیے اُن پر گرفت کی کوئی راہ نہیں جب اس سے کلمہ کفر ظاہر ہو تو اس کے خلاف جہاد اُسے قتل کرنا ہے، یہ اس امر کا مقتضی ہے کہ بظاہر اسلام کی تجدید سے قتل ساقط نہ ہو، اس لیے کہ اگر اُن کے اظہار اسلام سے ہم قتل کو اُن سے ساقط کر دیں تو وہ کفار کی طرح ہوئے اور ان کے خلاف جہاد ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ہوا نہ کہ منافق ہونے کی وجہ سے۔

یہ آیت اس امر کی مقتضی ہے کہ اُن سے جہاد کیا جائے، اس لیے کہ یہ کفار سے ایک الگ حقیقت ہے، خصوصاً آیت کریمہ:

﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ [التحريم: ۹] ''کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے۔''

کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے منافق ہونے کی وجہ سے جہاد کیا جائے، اس لیے کہ اگر کسی حکم کو

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم (۳/ ۱۰۳۷)

[2] تفسير ابن أبي حاتم (۳/ ۱۰٤۲)

ایسے اسم کے ساتھ معلق کیا جائے جو مشتق اور اس کے مناسب ہو تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس سے اشتقاق کیا گیا وہ اس کی علت ہے، پس یہ واجب ٹھہرا کہ نفاق کی وجہ سے جہاد کیا جائے، جس طرح کافر سے اس کے کفر کی وجہ سے جہاد کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ کافر جب کفر سے توبہ کا اظہار کرتا ہے تو بظاہر اسے چھوڑ دیتا ہے اور کوئی چیز ایسی معلوم نہیں ہوتی جو اس کے خلاف ہو، بخلاف ازیں منافق جب اسلام کا اظہار کرتا ہے تو وہ نفاق کو نہیں چھوڑتا کیونکہ اس سے اس حالت کا ظہور نفاق کے منافی نہیں، نیز اس لیے کہ جب منافق پر حد لگا کر اس سے جہاد کیا جائے تو یہ اس آدمی کے خلاف جہاد کرنے کی مانند ہے جس کے دل میں کھوٹ ہو اور وہ زانی ہے، جبکہ زنا کرے تو پکڑے جانے کے بعد اظہارِ توبہ کرنے سے اس سے حد ساقط نہ ہوگی، جیسا کہ معروف ہے، اس لیے کہ اگر ہمیشہ اس کی ظاہری حالت کو اُس کی ضد کے ثبوت کے باوجود تسلیم کر لیا جائے تو نفاق کے خلاف جہاد کرنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے گا، کیونکہ منافق کے بارے میں جب ظاہر ہو جائے کہ اس نے کفر کا اظہار کیا ہے، اگر اس وقت اسلام کا اظہار اس کے لیے سود مند ہو تو اس کے خلاف جہاد کرنا ممکن نہ ہوگا۔

اس پر مندرجہ ذیل آیت دلالت کرتی ہے:

﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۞ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۞ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ [الأحزاب: ٦٠ تا ٦٢]

''اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو (مدینے کے شہر میں) بڑی بُری خبریں اڑایا کرتے تھے (اپنے کردار) سے باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے، پھر وہاں تمھارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے، مگر تھوڑے دن، (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے، جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مار ڈالے گئے، جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی خدا کی یہی عادت رہی ہے اور تم خدا کی عادت میں کوئی تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔''

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ منافقین اگر باز نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اُن

کے پیچھے لگا دے گا اور اس کے بعد وہ آپ ﷺ کے پڑوس میں زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکیں گے اور وہ بھی اس حال میں کہ اُن پر لعنت پڑی ہوگی، جہاں پائے گئے، پکڑے گئے، ان کو قیدی بنالیا گیا اور قتل کر دیا جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ نفاق کا اظہار کریں گے، اس لیے کہ جب تک وہ چھپا رہے گا انھیں قتل کرنا ممکن نہ ہوگا۔

حسن (بصری) رحمہ اللہ نے کہا کہ منافقین اپنے نفاق کا اظہار کرنا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُن کو ڈرایا تو انھوں نے نفاق کو چھپا لیا۔

قتادہ فرماتے ہیں:

''ہمیں بتایا گیا ہے کہ منافقین اپنے دل کے نفاق کا اظہار کرنا چاہتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو ڈرایا تو انھوں نے اپنے نفاق کو چھپا لیا۔''

اگر توبہ کا اظہار نفاق کے اظہار کے بعد مقبول ہوتا تو منافق کو پکڑنا اور اسے قتل کرنا ممکن نہ ہوتا، اس لیے کہ وہ توبہ کے اظہار پر (بروقت) قادر ہے، خصوصاً جبکہ اُسے یہ قدرت حاصل ہو کہ جب چاہے نفاق کا اظہار کر کے پھر توبہ کرے تو وہ مقبول ہوگی۔

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ یہ مقرر کیا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے، نہ یہ کہ ان کے ساتھ جنگ لڑی جائے، پھر یہ کہ توبہ کی حالت کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا، جس طرح محاربین اور مشرکین کو قتل کرنے کے بارے میں مستثنیٰ کیا ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [التوبة: ٥]

''جب عزت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ پر اُن کی تاک میں بیٹھے رہو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے لگیں تو اُن کی راہ چھوڑ دو، بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔''

محاربین کے بارے میں فرمایا:

﴿ إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [المائدۃ: ۳۳]

''جو لوگ خدا اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں گے اُن کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں، یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں یہ تو دنیا میں اُن کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب تیار ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کا مطالبہ کیے بغیر انھیں قتل کیا جائے اور جس توبہ کا وہ اظہار کرتے ہیں اُن سے قبول نہ کی جائے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ اُن کا باز رہنا سود مند اس صورت میں ہے جبکہ یہ ان پر مشتعل ہونے، ان کے پکڑے جانے اور قتل کیے جانے سے پہلے ہو، اسی لیے توبہ کو قید ہونے، پکڑے جانے اور قتل ہونے کے بعد ذکر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان پر حملہ آور ہونے کے بعد (شرک وغیرہ) سے باز رہنا اُن کے لیے نفع بخش نہیں، جس طرح محارب اگر قابو آنے کے بعد توبہ کر لے تو یہ اس کے لیے سود مند نہیں ہے، اگرچہ قابو پانے کے بعد توبہ مشرک کو، خواہ مرتد ہو، اصلی فائدہ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو شخص نفاق سے توبہ نہ کرے یہاں تک کہ اُسے پکڑ لیا جائے کہ اُسے قتل کر دیا جائے اور سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی اور باز رہنے سے اس آیت میں توبہ صحیحہ کر کے نفاق سے باز رہنا مراد ہے، یا یہ معنی کہ اپنے شیاطین اور بعض مومنین کے سامنے اس کے اظہار سے باز رہنا۔

اور دوسرا معنی ظاہر تر ہے، اس لیے کہ بعض منافقین نفاق کو چھپانے سے باز نہ رہے حتی کہ رسول کریم ﷺ کی وفات ہوگئی اور وہ اس کو چھپانے سے باز رہے، حتی کہ آخری وقت میں کوئی شخص بھی تھوڑے بہت نفاق کے اظہار کی بھی جسارت نہ کر سکتا تھا، البتہ باز آنے کی دو قسمیں ہیں۔ جو شخص صرف اس کے اظہار سے باز رہا اس کو چھپانے اور ظاہر کرنے سے باز رہا تو وہ اس آیت کی وعید سے نکل گیا اور جس نے ظاہر کیا اس کی وعید اس پر چسپاں ہوگی۔ اس سے ملتی جلتی قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴾ [التوبة: ٧٤]

’’قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا، حالانکہ انھوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کفر کیا اور اس چیز کا ارادہ کیا جو انھوں نے نہیں پائی اور انھوں نے انتقام نہیں لیا مگر اس کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر منہ پھیر لیں تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور ان کے لیے زمین میں نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔‘‘

یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ منافق اگر توبہ نہ کرے تو اللہ اُسے دنیا و آخرت میں عذاب چکھائے گا۔

اسی طرح یہ آیت کریمہ:

﴿ وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ﴾ [التوبة: ١٠١]

’’اور وہ تمھارے آس پاس جو بدو ہیں وہ منافق ہیں۔‘‘

ابو رزین نے کہا یہ ایک ہی چیز ہے، وہ سب منافق ہیں۔ مجاہد کا قول بھی یہی ہے کہ یہ سب منافق تھے، اس لیے یہ از قبیل عطف الخاص علی العام ہے، مثلاً ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ﴾ [البقرة: ٩٨] ’’اور جبرئیل اور مکائیل۔‘‘

سلمہ بن کہیل اور عکرمہ کہتے ہیں کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ بے حیائی والے اور زانی ہیں، ظاہر ہے کہ جو شخص بے حیائی کا اظہار کرے اس پر حد قائم کرنا ضروری ہے، جو شخص نفاق کا اظہار کرے وہ بھی ایسا ہی ہے۔

زندیق منافق کو قتل کرنے کی دلیل:

زندیق منافق کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کرنے کے جواز کی دلیل جس کو بخاری و مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں روایت کیا ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "یہ بدر میں شرکت کر چکا ہے اور تجھے کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف جھانکا اور فرمایا: جو عمل تم چاہو کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا۔"[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ توبہ طلب کیے بغیر منافق کی گردن اُڑانا جائز ہے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ منافق کی گردن اُڑانے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر معترض نہ ہوئے، مگر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ یہ منافق نہیں، بلکہ بدر والوں میں سے ہے جو بخشے ہوئے ہیں، جب وہ ایسے نفاق کا اظہار کرے گا جس کے نفاق ہونے میں شبہ نہیں تو وہ مباح الدم ہوگا۔

واقعۂ افک:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واقعۂ افک کے بارے میں روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بارے میں طلبِ معذرت کی، آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

"کون ہے جو مجھے اُس آدمی سے چھڑائے گا جس کی نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ وہ میرے اہل خانہ کے بارے میں مجھے ایذا دیتا ہے؟ بخدا! میں نے اپنے گھر والوں میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ (منافقین) ایک آدمی کا ذکر کرتے ہیں جس میں میں نے بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا، وہ جب بھی میرے گھر آیا تو میرے ساتھ آیا۔"

اسی اثنا میں قبیلہ بنی عبدالاشہل کے سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو اس سے رہائی دلاؤں گا، اگر وہ قبیلہ اَوس سے ہوا تو میں اس کی گردن اُڑا دوں گا اور اگر وہ ہمارے بھائیوں خزرج سے ہوا تو آپ ﷺ جو حکم دیں اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے، چنانچہ رئیس خزرج سعد بن عبادہ اُٹھ کھڑے ہوئے، اس کی چچازاد ام حسان اس کے قبیلہ سے تھی، سعد نیک آدمی تھا مگر اُسے غیرت نے آ لیا، اس نے سعد بن معاذ سے کہا: تم نے جھوٹ بولا، بخدا! تم اُسے قتل نہیں کر سکتے اور نہ تم اس پر قادر ہو۔ اتنے میں اُسید بن حضیر اٹھ کھڑا ہوا اور وہ سعد بن معاذ کا چچا زاد تھا، اس نے سعد بن عبادہ سے کہا: تُو نے جھوٹ کہا، بخدا! ہم اُسے قتل کر دیں گے، تم منافق ہو اور

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٤٩٤)

منافقین کے حق میں لڑ رہے ہو۔

دونوں قبیلے اَوس اور خزرج اُٹھ کھڑے ہوئے حتی کہ لڑنے مارنے کا ارادہ کر لیا، رسول اکرم ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے، رسول اکرم ﷺ ان کو نرم کرتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی خاموش ہوگئے اور آپ ﷺ بھی خاموش ہوگئے۔" [1] (بخاری ومسلم)

عبداللہ بن اُبی کا واقعہ:

عمرو اور جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ ایک جنگ میں گئے۔ کچھ مہاجرین بھی آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوگئے تھے اور پھر ان کی تعداد بڑھ گئی، مہاجرین میں ایک احمق آدمی تھا، اس نے ایک انصاری کو تھپڑ دے مارا، انصاری سخت ناراض ہوا یہاں تک کہ دونوں نے اپنی اپنی قوم کو دہائی دی، رسول اکرم ﷺ گھر سے نکلے اور کہا: "یہ جاہلیت کی پکار کیا ہے؟" پھر فرمایا: "کیا بات ہے؟" آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا ہے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو، یہ خبیث ہے"، عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا: کیا ہم پر چڑھ آئے ہیں؟ اگر ہم مدینہ لوٹ گئے تو جو معزز ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس خبیث کو قتل کیوں نہیں کر دیتے، یعنی عبداللہ کو، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "تاکہ لوگ یہ باتیں نہ کریں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے۔" [2] (بخاری ومسلم)

مفسرین اور اصحاب السیر نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنو المصطلق میں پیش آیا۔ ایک مہاجر اور انصاری باہم لڑ پڑے (یہ سن کر) عبداللہ بن اُبی کو بہت غصہ تھا، اس کے پاس اس کی قوم کے چند آدمی تھے، جن میں کم سن نوجوان زید بن ارقم بھی تھے، عبداللہ نے کہا: کیا (مہاجرین) اس طرح کرنے لگے ہیں؟ ہمارے ہی علاقہ میں رہ کر ہم سے لڑتے بھڑتے ہیں؟ بخدا! ہماری اور ان کی مثال اسی طرح ہے جیسے کسی نے کہا: اپنے کتے کو موٹا کرو تاکہ تجھے کھا لے، بخدا! اگر ہم مدینہ لوٹ گئے تو جو معزز ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔ معزز سے اس کی اپنی ذات مراد تھی اور ذلیل سے رسول اکرم ﷺ (نعوذ باللہ من ذلک،) پھر اس کی قوم کے جو لوگ اس کے یہاں حاضر تھے ان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: یہ سلوک تم نے خود اپنے آپ سے کیا ہے، تم نے ان کو اپنے شہروں میں ٹھہرایا، اپنے

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲٦۳۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۷۰)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۵۱۸) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۸٤)

مال دیے، بخدا! اگر تم ان کو اپنی بچی ہوئی روٹی نہ دو گے تو وہ تمھاری گردنوں پر سوار نہ ہوں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمھارے شہروں سے نقل مکانی کر کے اپنے احباب و اقارب کے پاس جا کر بس جائیں، ان پر مت خرچ کیجیے تاکہ وہ محمد ﷺ کے اردگرد سے بکھر جائیں۔

زید بن ارقم نے کہا: بخدا! تم ہی ذلیل اور اپنی قوم کے ناپسندیدہ آدمی ہو، اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی عزت کرتے ہیں اور مسلمان اُن سے پیار کرتے ہیں، بخدا! میں تمھاری اس گفتگو کے بعد تم سے پیار نہیں کروں گا، عبداللہ نے کہا: چپ رہو، تم بھی تو کھیلا کرتے تھے، زید بن ارقم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ ﷺ جنگ سے فارغ ہوچکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے پاس تھے، کہا: مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مدینہ میں بہت سے ناکیں کانپنے لگیں گی''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ مہاجرین میں سے کوئی اُسے قتل کرے تو سعد بن معاذ یا محمد بن مسلمہ یا عباد بن بشر کو حکم دیجیے کہ وہ اُسے قتل کر دیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر لوگ باتیں بنانے لگیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں، یوں نہیں، البتہ تم کوچ کا اعلان کرو، یہ وقت وہ تھا جبکہ آپ ﷺ اس وقت عموماً سفر نہیں کرتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے عبداللہ کو بلوا کر پوچھا: کیا تم نے یہ الفاظ کہے ہیں؟ عبداللہ نے کہا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے تجھ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی، میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی''، زید رضی اللہ عنہ (بن ارقم) جھوٹا ہے۔ جو انصار موجود تھے انھوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہمارے بزرگ اور رئیس ہیں، اس کے مقابلہ میں ایک انصاری لڑکے کی بات نہ مانیے، ممکن ہے اس لڑکے (زید رضی اللہ عنہ) کو وہم ہوا ہو، انھوں نے (زید) کو جھٹلایا، عبداللہ بن اُبی کے بیٹے عبداللہ کو یہ خبر پہنچی، وہ فاضل صحابہ میں سے تھے کہ اس کے باپ کے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا ہے، اس نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ ﷺ میرے باپ کو اس کی باتوں کی وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ ﷺ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجیے میں اس کا سر کاٹ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ خزرج کا قبیلہ جانتا ہے کہ اس میں کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر اپنے والدین کا اطاعت گزار نہ تھا، مجھے اندیشہ ہے کہ آپ ﷺ کسی اور کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیں تو میں گوارا نہ کرسکوں گا، کہ عبداللہ بن اُبی کا قاتل لوگوں میں چلتا پھرتا نظر آئے اور میں اُسے قتل کر دوں، اس طرح

میں ایک کافر کے بدلے ایک مومن کو قتل کرنے والا ہوں گا اور جہنم میں داخل ہو جاؤں گا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

”بلکہ ہم اس سے حسن سلوک سے پیش آئیں گے اور جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے گا ہم اس سے خوش اسلوبی سے پیش آئیں گے۔“

رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

”لوگ یہ باتیں نہ بنائیں کہ محمد ﷺ اپنے رفقاء کو تہہ تیغ کر دیتے ہیں۔ تم اپنے باپ کی اطاعت کرو اور اس سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔“ [1]

راویوں نے کہا یہ واقعہ اسی طرح پیش آیا اور اسی واقعہ کے ضمن میں سورۃ المنافقین نازل ہوئی۔

صحیح بخاری و مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ ایک سفر پر روانہ ہوئے جس میں لوگوں کو بہت تکلیف پہنچی، عبداللہ بن اُبی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جو لوگ ہیں ان پر خرچ نہ کیجیے تاکہ یہ آپ کے پاس (نہ رہیں اور اِدھر اُدھر) بکھر جائیں، عبداللہ نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم مدینہ گئے تو جو صاحب عزت ہے وہ ذلیل آدمی کو وہاں سے نکال دے گا، میں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا کہہ سنایا۔ رسول کریم ﷺ نے عبداللہ کو بلوا کر اس سے دریافت کیا، اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے کچھ نہیں کہا، لوگوں نے کہا: زید نے جھوٹ بولا ہے، لوگوں کی باتیں سن کر مجھے غصہ آ گیا یہاں تک کہ میری تصدیق میں سورۃ المنافقون نازل ہوئی، پھر رسول کریم ﷺ نے دعا کرنے کے لیے اُن کو بلایا تو وہ منہ موڑ کر چل دیے۔ [2]

منافق کو قتل کرنا جائز ہے:

یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ منافق کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کرنا جائز ہے اگرچہ وہ اپنی بات کا منکر ہو، اس سے اظہارِ براءت کرتا اور اسلام کا اعتراف کرتا ہو، آپ ﷺ نے عبداللہ کو قتل کرنے سے اس لیے روکا کہ لوگ باتیں بنائیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں، اس لیے کہ کسی شہادت سے نفاق اس پر ثابت نہیں ہوا تھا، عبداللہ نے قسم کھائی تھی کہ اس نے یہ بات نہیں کہی، بلکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اس کا علم ہوا اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بھی یہ واقعہ آپ ﷺ کو بتایا، نیز

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٦٧، ٣٣٦٨، ٣٣٦٩، ٣٣٧٠) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٠٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٧٢)

آپ ﷺ کو یہ اندیشہ بھی دامن گیر تھا کہ اس کے قتل سے فتنے کا ظہور ہوگا اور وہ لوگ غضب آلود ہوں گے جو عبداللہ کے قتل کی وجہ سے فتنہ بپا کرنا چاہتے تھے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اُن منافقین کو شمار کیا تھا جو غزوۂ تبوک کے موقع پر گھاٹی پر کھڑے تھے تاکہ رسول کریم ﷺ کو اچانک قتل کر دیں، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ ﷺ چند آدمیوں کو نہ بھیجیں گے جو ان کو قتل کر دیں؟ فرمایا: ''میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ عرب کہیں گے: **جب محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں پر قابو پایا تو انھیں موت کے گھاٹ اُتار دیا، بلکہ ہمارے لیے اللہ کی دی ہوئی رسالت کافی ہے۔**''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک منافق کو قتل کرنا:

بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی اپنا جھگڑا رسول کریم ﷺ کے پاس لے گئے، رسول کریم ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں صادر کر دیا، جب دونوں وہاں سے باہر نکلے تو منافق اس سے چمٹ گیا اور کہا: آؤ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں، چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا۔ یہودی نے کہا: میں اور یہ شخص اپنا مقدمہ محمد ﷺ کی طرف لے گئے اور آپ ﷺ نے میرے حق میں اور اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا مگر یہ شخص آپ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں اور اس لیے مقدمہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا ہے اور مجھ سے جھگڑتا ہے، اس لیے میں اس کے ساتھ آیا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے کہا: ''کیا یہ بات درست ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں!'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: ''ذرا ٹھہرو! میں ابھی واپس آتا ہوں''، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر گئے، تلوار لی اور چادر اُوڑھ لی، پھر ان کی طرف آئے اور منافق کو قتل کر دیا، یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں، میں اس کا فیصلہ اس طرح کرتا ہوں۔''

پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾ [النساء: ٦٠]

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي (٥/ ٢٦١)

’’کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں جو تیری طرف نازل کیا گیا اور جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا۔ چاہتے یہ ہیں کہ آپس کے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر دے، بہت دور گمراہ کرنا۔‘‘

جبریئل علیہ السلام نے کہا:

’’عمر رضی اللہ عنہ نے حق و باطل میں تفریق کی تھی، اس لیے فاروق کہلائے۔‘‘

یہ واقعہ دو اسناد سے مروی ہے اور پیچھے گزر چکا ہے۔[1]

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ منافق کو قتل کرنا جائز تھا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو رسول کریم ﷺ اس شخص پر اعتراض کرتے جس نے منافق کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تھی اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافقین کو قتل کیا اس وقت انھیں باز رکھتے، نیز آپ ﷺ بتا دیتے کہ اسلام لانے کی وجہ سے خون محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ نہ بیان کرتے کہ قتل کرنے سے منافقین کے قبیلہ والے ناراض ہو جائیں گے اور یہ کہ لوگ باتیں بنائیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں، آپ ﷺ یوں بھی نہ فرماتے کہ لوگ کہیں گے کہ جب اپنے ساتھیوں پر محمد ﷺ کا بس چلا ہے تو اُن کو قتل کرنا شروع کر دیا اور اس لیے کہ خون جب معصوم ہو تو یہ وصف دمِ معصوم کو بچانے میں مؤثر نہیں ہوتا اور حکم کو کسی ایسے وصف کے ساتھ معلل کرنا جائز نہیں جس کی کوئی تاثیر نہ ہو اور اس کی تعلیل ایسے وصف کے ساتھ اُتری ہو جس پر حکم کا دارومدار ہو۔ یہ حدیث جس طرح جوازِ قتل کی دلیل ہے اسی طرح اس سے جوازِ قتل بلاطلبِ توبہ بھی ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

ایک سوال: اگر معترض کہے کہ جب رسول کریم ﷺ کو بعض لوگوں کے نفاق کا علم تھا تو اس کے اظہار سے قبل آپ ﷺ نے ان کو قتل کیوں نہ کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دو وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: ایک یہ کہ ان میں سے عام لوگ کفریہ کلمات نہیں بولتے تھے جو بنا بر شہادت ان کے خلاف ثابت ہوں، بخلاف ازیں وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے، ان کا نفاق کبھی تو کسی کلمے سے ہوتا جس کو ایک مومن ان سے سنتا اور رسول کریم ﷺ تک پہنچا دیتا اور وہ قسم کھا کر یا بلاقسم کہتے کہ ہم نے یہ

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم (٤/ ٦٥) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ١/ ٥٠٤)

بات نہیں کہی اور بعض اوقات ان کا نفاق اس طرح ظاہر ہوتا کہ وہ نماز و جہاد سے پیچھے رہتے، زکوۃ ادا کرنا اُن پر دشوار ہوتا اور بکثرت احکام خداوندی کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے، ان میں سے عام لوگوں کی پہچان ان کے لہجہ اور اندازِ گفتگو سے ہو جاتی، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ﴾ [محمد: ۲۹، ۳۰]

’’جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہے کیا انھوں نے گمان کر لیا ہے کہ اللہ اُن کے کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا اور اگر ہم چاہتے تو آپ ﷺ کو دکھا دیتے اور آپ ﷺ اُن کو ان کی پیشانیوں سے پہچان لیتے اور آپ ﷺ ان کو ان کے اندازِ کلام سے ضرور پہچان لیتے۔‘‘

ان آیات میں فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو رسول کریم ﷺ میں یہ قدرت پیدا کر دیتا کہ آپ ﷺ ان کے چہرے دیکھ کر پہچان لیتے، پھر فرمایا کہ آپ ﷺ اُن کو اُن کے طرزِ کلام سے پہچان لیں گے۔ آپ ﷺ کو قسم دی کہ آپ ﷺ انھیں بالضرور بات کے لہجے سے پہچان لیں گے، ان میں سے بعض ایسے تھے کہ وہ کوئی بات کرتے یا کام کرتے اور قرآن نازل ہو کر آپ ﷺ کو آگاہ کر دیتا یہ کام یا یہ بات فلاں شخص نے کی ہے، جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے، ان میں سے بکثرت ایسے تھے جن کو مسلمان قرائن و علامات سے پہچان لیا کرتے تھے اور ان میں سے کچھ ایسے تھے جو پہچانے نہیں جاتے تھے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ [التوبة: ۱۰۱]

’’تمھارے گردو نواح میں جو بدو ہیں اُن میں منافق بھی ہیں، اور اہل مدینہ میں سے بعض ایسے ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، تم اُن کو نہیں جانتے ہم اُنھیں جانتے ہیں۔‘‘

حد شرعی یا تو شہادت سے ثابت ہوتی ہے یا اقرار کرنے سے:

یہ تمام منافق اسلام کا اظہار کرتے اور قسمیں کھاتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، انھوں نے اپنے ایمان کو ڈھال بنا رکھا تھا، جب ان کی یہ حالت تھی تو رسول کریم ﷺ محض اپنے علم، خبر واحد، محض وحی کے آنے اور صرف دلائل و شواہد کی بنا پر اُن پر حدود شرعیہ قائم نہیں کرتے تھے، جب تک کہ حد کا اثبات

شہادت یا اقرار سے نہ ہو جاتا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ نے کس طرح لعان کرنے والی عورت کے بارے میں بتا دیا تھا کہ اگر اس کے یہاں اس رنگ ڈھنگ کے بچے نے جنم لیا تو وہ اُسی کا ہوگا جس کے ساتھ وہ عورت متہم ہے۔ بچہ جب پیدا ہوا تو اسی ناپسندیدہ شکل وصورت کا حامل تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر (لعان کی) قسمیں نہ دی گئی ہوتیں تو میں اس کے ساتھ بُری طرح پیش آتا۔''[1]

مدینہ طیبہ میں ایک عورت تھی جو علانیہ برائی کا ارتکاب کرتی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:

''اگر میں کسی کو بلا شہادت سنگسار کرنے والا ہوتا تو اس عورت کو سنگسار کرا دیتا۔''[2]

جو لوگ اپنا مقدمہ لے کر آپ ﷺ کے یہاں حاضر ہوتے تھے اُن سے فرمایا:

''تم اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو، عین ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے شخص کی نسبت اپنے کیس کو زیادہ واضح کر سکتا ہو اور میں اس کی بات سن کر فیصلہ کر دوں تو یاد رکھیے کہ جس کو میں نے فیصلہ کرتے وقت اس کے بھائی کا حق دے دیا تو وہ اُسے نہ لے کیونکہ میں نے اُسے دوزخ کا ایک ٹکڑا دیا ہے۔''[3]

تو ان کو قتل نہ کرنے کی وجہ، حالانکہ وہ کافر تھے، یہ تھی کہ حجت شرعیہ کے مطابق ان کا کفر ظاہر نہیں ہوا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اُن سے بالتعیین توبہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا، ظاہر ہے کہ جس شخص کا نفاق و زندقہ ثابت ہو چکا ہو اس سے بہتر سلوک یہ ہے کہ مرتد کی طرح اُس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اگر توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اُسے قتل کیا جائے، ہمیں کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے اُن میں سے کسی خاص شخص سے توبہ کا مطالبہ کیا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اُن میں سے کسی پر بھی کفر و ارتداد اس طرح ثابت نہیں ہوا جو مرتد کی طرح اس کے قتل کا موجب ہو، اسی لیے اُن کی ظاہری حالت کو قبول کیا جاتا ہے اور ان کے باطن اللہ کو تفویض کرتے ہیں، جب یہ اس شخص کا حال ہے جس کا نفاق شرعی شہادت کے بغیر ثابت ہو، پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کا نفاق ظاہر نہ ہو؟ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٤٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٢٣٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٩٧)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٨٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧١٣)

"مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگا کر دیکھ لیا کروں اور نہ یہ کہ ان کے پیٹ چیر کر دیکھوں۔"[1]

یہ بات آپ ﷺ نے اس وقت فرمائی جب آپ ﷺ سے ذوالخویصرہ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی گئی، نیز جب آپ ﷺ سے ایک منافق کو قتل کرنے کی اجازت مانگی گئی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا وہ اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟" اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ شہادت دیتا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا وہ نماز ادا کرتا ہے؟" اس کے جواب میں کہا گیا: ادا کرتا ہے، تب آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسے لوگوں کو قتل کرنے سے اللہ نے مجھے منع فرمایا ہے۔"[2] رسول کریم ﷺ نے آگاہ فرمایا کہ جو شخص دو شہادتوں کا اقرار کرے اور نماز ادا کرے تو ایسے لوگوں کو قتل کرنے سے مجھے روکا گیا ہے۔

اگر اُسے منافق کے نام سے پکارا جاتا ہو اور اس پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہو، اس کے آثار بھی اس پر نمایاں ہوں تاہم اُسے قتل نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ حجت شرعیہ سے ثابت نہیں ہوا کہ اس نے کفر کا اظہار کیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جب اُنھوں نے یہ بات کہہ دی تو اُنھوں نے اپنے اموال اور خون بچا لیے، بجز اس صورت کے کہ اسلام کے کسی حق کی وجہ سے ان کا خون اور مال لیا جائے، باقی رہا ان کا حساب تو وہ اللہ کے ذمے ہے۔"[3]

اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے لوگوں کے ظاہری اسلام کو قبول کرنے اور اُن کے باطن کو اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، زندیق اور منافق کو اس وقت قتل کیا جاتا ہے جب وہ کفر کا کلمہ کہتا ہے اور شہادت سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہو، یہ فیصلہ ظاہری حالت کے مطابق کیا گیا ہے، باطنی حالت کو نہیں دیکھا گیا۔ اسی جواب سے اس مسئلے کی حکمت وعلت ظاہر ہوتی ہے۔

دوسری وجہ: رسول اکرم ﷺ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کو قتل کرنے سے ایسا فساد

---

1. صحیح البخاري، رقم الحديث (٤٣٥١) صحیح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)
2. مسند أحمد (٥/ ٤٣٢) اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔
3. صحیح البخاري، رقم الحديث (٥) صحیح مسلم، رقم الحديث (٢١)

جنم نہ لے جوان کو زندہ چھوڑنے سے زیادہ ہو۔ آپ ﷺ نے یہ کہہ کر اُسے واضح فرمایا:

''لوگ ایسی باتیں نہ کریں کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔''[1] آپ نے یہ بھی فرمایا: ''تب تو یثرب (مدینہ منورہ) میں بہت سی ناکیں کانپنے لگیں گی۔''[2]

اگر آپ ﷺ ان کو اس کفر کی وجہ سے قتل کر دیتے جس کا آپ ﷺ کو علم تھا تو کچھ بعید نہ تھا کہ کسی کو یہ گمان گزرتا کہ آپ ﷺ نے ان کو ذاتی غرض اور عداوت کی وجہ سے قتل کیا ہے اور بادشاہ بننے کے لیے آپ ﷺ اُن سے مدد لینا چاہتے ہیں، جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ عرب کہیں گے کہ (محمد ﷺ نے) جب اپنے اصحاب پر قابو پالیا تو ان کو قتل کرنا شروع کر دیا۔''[3]

نیز جو لوگ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں وہ ڈریں گے کہ اگر انھوں نے اسلام کا اظہار کیا تو ان کو اسی طرح قتل کیا جائے گا جس طرح دوسروں کو کیا گیا۔

ایسا بھی ہوتا کہ بعض لوگوں کو قتل کرنے سے ان کا قبیلہ اور دوسرے لوگ ناراض ہوتے اور اس سے فتنہ وفساد جنم لیتا ہے، چنانچہ عبداللہ بن اُبی کے واقعہ میں اسی طرح ہوا، جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنا چاہا تو کچھ نیک لوگ جھگڑنے لگ گئے اور ان کو غیرت نے آلیا، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ان کو خاموش کیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اُبی کو قتل کرنے کی اجازت مانگی تو رسول کریم ﷺ نے یہی بات فرمائی تھی۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں جب ہم ایسی بات سے ڈریں تو ہم قتل کرنے سے رُک جاتے ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک خاص شخص پر حد اس لیے قائم نہیں کی گئی کہ اس کا ظہور کسی شرعی حجت سے نہیں ہوا، جس کی وجہ سے عوام وخواص اُسے جانتے ہوں یا اس لیے کہ اگر اس پر حد شرعی قائم کی جاتی تو بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہونے سے نفرت کرنے لگتے اور کچھ لوگ اسلام سے برگشتہ ہو جاتے، یہ بھی ممکن تھا کہ کچھ لوگ حرب و پیکار اختیار کرتے، جس سے اتنا بڑا فتنہ جنم لیتا۔ جس کا فساد ایک منافق کو قتل نہ کرنے کے فتنہ سے بڑھ کر ہوتا۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٥١٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨٤)

[2] المغازي للواقدي (٢/ ٤١٨) نیز دیکھیے: سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٦٧، ٣٣٦٨، ٣٣٦٩، ٣٣٧٠) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

[3] دلائل النبوة للبيهقي (٥/ ٢٦١)

یہ دونوں امور ایسے ہیں کہ ان کا حکم تاہنوز باقی ہے، بجز ایک صورت کے اور وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ کو یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ کوئی شخص اس بدگمانی میں مبتلا ہوجاتا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کو کسی اور مقصد کے لیے بھی قتل کرڈالتے ہیں، جس طرح ملوک وسلاطین کا وطیرہ ہے مگر یہ غرض آج کل مفقود ہے۔

جواب ثانی کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ چونکہ مکہ میں آپ ﷺ اور صحابہ قوت وشوکت سے بہرہ ور نہ تھے اور اس لیے جہاد سے قاصر تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو حکم دیا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھیں اور مشرکوں کی ایذا رسانی پر صبر سے کام لیں، جب ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ قوت وشوکت سے بہرہ مند ہوئے تو اللہ نے آپ کو اُن سے جہاد کرنے کا حکم دیا، البتہ جو شخص صلح کا ہاتھ بڑھائے اس سے اپنے ہاتھ کو روک لیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس وقت آپ ﷺ کو ہر منافق پر حد لگانے کا حکم دیتا تو اکثر عربی لوگ اسلام سے بدک جاتے، جب دیکھتے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے اس کو تہہ تیغ کیا جاتا ہے۔ اسی ضمن میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ [الأحزاب: ٤٨]

''کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کیجیے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے اور کافی ہے اللہ بطور کارساز کے۔''

یہ سورت مدینے میں غزوۂ خندق کے بعد نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اندریں اثنا آپ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ کفار اور منافقین کی ایذا رسانی پر صبر کریں اور ان سے انتقام نہ لیں کیونکہ انتقام گیری سے بہت سے فتنے جنم لیتے ہیں، فتحِ مکہ تک یہی حال رہا اور سب عرب اللہ کے دین میں داخل ہوگئے، پھر رسول کریم ﷺ نے غزوۂ روم کا آغاز کیا اور سورۃ التوبہ نازل ہوئی، اب دین کے احکام وشرائع، مثلاً جہاد، حج اور امر بالمعروف تکمیل پذیر ہوئے۔ مندرجہ ذیل آیت رسول کریم ﷺ کی وفات سے تین ماہ سے بھی کم عرصہ پہلے نازل ہوئی اور اس کے ذریعے دین کی تکمیل ہوگئی:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ [المائدة: ٣]

''آج کے دن میں نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔''

سورۃ التوبہ کے نزول کے بعد اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ مشرکین کے عہد و پیمان ان کے منہ پر دے ماریں۔ اُسی سورت میں فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ [التوبة: ٧٣]

''اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے۔''

مذکورہ بالا آیت مندرجہ ذیل آیت کی ناسخ ہے:

﴿ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ ﴾ [الأحزاب: ٤٨]

''کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجیے اور ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کیجیے۔''

اس کی وجہ یہ تھی کہ اب اگر کسی منافق پر حد لگائی جاتی تو اس کی مدد کرنے والا کوئی باقی نہ رہا تھا اور نہ ہی مدینے کے اردگرد ایسے کفار باقی رہے تھے جو باتیں بناتے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن سے جہاد کرنے اور اُن پر سختی کرنے کا حکم دیا۔ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت اِس آیت اور اس کی ہم معنی آیات سے منسوخ ہو چکی ہے۔

سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۞ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴾ [الأحزاب: ٦٠، ٦١]

''اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کھوٹ ہے اور مدینہ میں افواہیں اُڑانے والے اس سے باز نہ آئے تو ہم تم کو اُن کے پیچھے لگا دیں گے، پھر وہاں تمھارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن، وہ بھی پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مار ڈالے گئے۔'' [الأحزاب: ٦٠، ٦١]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو حرکتیں وہ کرتے ہیں اگر ان سے باز نہ آئے تو آنے والے زمانے میں ان کو سزا دی جائے گی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عزت بخشی ہے اور اپنے رسول ﷺ کی مدد کی ہے، پس جبکہ منافقت غالب ہو اور منافق پر حد لگانے سے ایسا فتنہ بپا ہونے کا اندیشہ ہو جو اس کو ترک کرنے سے ظہور میں نہ آ سکتا ہو تو ہم ﴿دَعْ اَذٰىهُمْ﴾ [الأحزاب: ٤٨] (ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز کیجیے) پر عمل کریں گے اور جب ہم کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے عاجز آ جائیں تو ہم ان آیات پر عمل کریں گے جن میں صلح و درگزر کا حکم دیا گیا ہے اور جب ہم قوت و شوکت سے بہرہ ور ہوں گے تو ان آیات پر عمل کریں گے جن میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً مندرجہ ذیل آیت:

﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ [التوبة: ۷۳] ''کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے۔''

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نفاق کا اظہار کرنے والے کے قتل سے باز رہنا عہد رسالت میں کتاب اللہ سے ثابت ہے، اس لیے رسول کریم ﷺ کے بعد تو نسخ کا وجود ہی باقی نہ رہا، ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد حکم میں تبدیلی اس لیے پیدا ہوئی کہ اس کی مصلحت بدل گئی تھی اور اس ضمن میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے کہ یہ بات شریعت میں تصرف کرنے اور اس کو اپنی رائے میں تبدیل کرنے کا ہم معنی ہے اور یہ دعویٰ کرنا کہ حکم مطلق ایک مصلحت پر مبنی تھا اور اب وہ باقی نہیں رہی، ناروا ہے، جس طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ (زکوۃ کے مصارف میں) مؤلفة القلوب کی مد باقی نہیں رہی، اس کے اثبات میں وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ اب وہ مصلحت پیدا ہوگئی ہے، کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔

اس مسئلہ پر اُس روایت سے روشنی پڑتی ہے جس کو ابو ادریس نے نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند زندیقوں کو لایا گیا جو اسلام سے برگشتہ ہوگئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو انھوں نے انکار کیا، ان کے خلاف چند ثقہ آدمیوں نے شہادت دی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کر دیا اور اُن سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا، ان کے پاس ایک عیسائی کو لایا گیا جو اسلام کو قبول کر کے اس سے پھر گیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا تو وہ ارتداد سے باز آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے عیسائی سے توبہ کا مطالبہ کیا اور اُن (زنادقہ) سے نہیں کیا، فرمایا: اس نے اپنے (جرم) کا اعتراف کیا تھا، مگر انھوں نے انکار کیا، یہاں تک کہ ان کے خلاف شہادت سے ان کا (جرم) ثابت ہوگیا، اس لیے میں نے ان سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا۔ اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[1]

ابو ادریس سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جو عیسائی ہوگیا تھا، آپ نے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا تو اس نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کر دیا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک گروہ کو لایا گیا جو زندیق تھے مگر قبلہ رخ (نماز ادا کیا) کرتے تھے، ثقہ لوگوں نے ان کے خلاف شہادت دی، مگر انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اسلام کے سوا

---

[1] أحكام أهل الملل: كتاب الردة، باب أحكام الزنادقة. اس کے رواۃ ثقہ ہیں، نیز اسے دارمی نے بھی بسند صحیح روایت کیا ہے۔ (ص: ۱۱۳، الطبعة الأولى)

ہمارا کوئی مذہب نہیں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کر دیا اور ان سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا، پھر فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے نصرانی سے توبہ کا مطالبہ کیوں کیا؟ میں نے توبہ کا مطالبہ اس لیے کیا کہ اس نے اپنے مذہب کا اظہار کر دیا، مگر زنادقہ کے خلاف شہادت قائم ہوگئی اور خود انھوں نے اس سے انکار کیا، میں نے ان کو اس لیے قتل کیا کہ انھوں نے انکار کیا اور ان کے خلاف شہادت قائم ہوئی۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ جو زندیق اپنا مذہب چھپائے اور اس سے انکار کرے یہاں تک کہ اس کے خلاف شہادت قائم ہوجائے اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن منافقین کو قتل نہیں کیا تھا جو زندیق ہونے سے انکار کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پر شہادت قائم نہیں ہوئی تھی۔

اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیات ہیں:

۱۔ ﴿وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ [التوبة: ۱۰۱]

''اور تمھارے آس پاس کچھ بدّو منافق ہیں اور کچھ منافق اہل مدینہ میں سے ہیں۔''

۲۔ ﴿وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا﴾ [التوبة: ۱۰۲]

''کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنے جرائم کا اعتراف کیا ہے، انھوں نے ملے جلے کام کیے ہیں، کچھ کام تو اچھے ہیں اور کچھ بُرے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جو اپنے جرم کا اعتراف نہ کرے وہ منافقوں میں سے ہے۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام احمد رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کے بدعتی ہونے پر شہادت قائم ہو اور وہ انکار کردے، فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ مقبول نہیں، توبہ اس کی مقبول ہے جو اپنے جرم کا اعتراف کرے، البتہ جو انکار کرے تو اس کی توبہ مقبول نہیں۔

قاضی ابو یعلی اور دیگر اہل علم کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص زندیق ہونے کا اعتراف کر کے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، اس لیے کہ اپنے جرم کا اعتراف کرنے سے وہ زندقہ کی تعریف سے

---

[1] اثرم رحمہ اللہ نے اسے باسناد خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، جیسا کہ ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے۔ المغني (۱۰/ ۹۳)

نکل جائے گا کیونکہ زندیق وہ ہوتا ہے جو کفر کو پوشیدہ رکھتا ہو اور اُسے ظاہر نہ کرتا ہو، جب اس نے زندقہ کا اعتراف کر کے توبہ کر لی تو زندقہ کی تعریف سے نکل گیا، اسی لیے ہم نے اس کی توبہ قبول کر لی۔ چونکہ زنادقہ نے اپنے جرم کا اعتراف نہیں کیا تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی توبہ قبول نہ کی۔

اس مسئلہ کے اثبات میں مندرجہ ذیل آیت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

﴿ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ [النساء: ۱۸]

''اور ان لوگوں کی توبہ مقبول نہیں جو بُرے کام کرتے ہیں۔''

امام احمد نے باسناد خود ابو العالیہ سے مندرجہ ذیل قرآنی آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ﴾ [النساء: ۱۷]

''توبہ تو اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے بُرے کام کرتے ہیں، پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔''

یہ بات اہل ایمان کے بارے میں فرمائی، اور منافقین کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ [النساء: ۱۸]

''اور توبہ اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لیے نہیں جو بُرے کام کرتے ہیں اور جب اُن میں سے کسی پر موت کا وقت آتا ہے تو کہتا ہے: اب میں نے توبہ کی۔''

مشرکین کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ﴾ [النساء: ۱۸]

''اور نہ ہی ان لوگوں کے لیے جو حالتِ کفر میں مر جائیں۔''

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا:

''جو شخص بھی گناہ کا ارتکاب کرے تو وہ اللہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور جس نے موت سے پہلے توبہ کر لی اس نے جلدی توبہ کر لی۔''

جس شخص کا قول ہے کہ منافق کو جب قتل کرنے کے لیے پکڑ لیا جائے اور وہ تلوار دیکھ لے تو گویا اس کی موت حاضر ہو گئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایسی باتیں مندرجہ ذیل آیت کے عموم میں داخل ہیں:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ [البقرة: ١٨٠]

''تم پر لکھا گیا جبکہ تم میں سے کسی پر موت کا وقت آئے۔''

نیز یہ آیت کریمہ:

﴿شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ [المائدة: ١٠٦]

''تمھاری باہمی شہادت جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے۔''

اور وہ مرتے وقت کہے:

﴿إِنِّي تُبْتُ الْئٰنَ﴾ [النساء: ١٨] ''اب میں نے توبہ کی۔''

تو حسبِ ارشاد خداوندی اس کی توبہ مقبول نہیں، البتہ اگر اپنے اور اللہ کے درمیان صحیح توبہ کر لے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو کہتے ہیں کہ میں نے اب توبہ کی بلکہ وہ ان لوگوں میں شامل ہے جس نے جلدی توبہ کر لی، اس لیے کہ اللہ نے ان لوگوں سے توبہ کی نفی کی ہے جس پر موت کا وقت آ چکا ہو اور وہ صرف اپنی زبان سے توبہ کر لے۔ اسی لیے پہلی دفعہ کہا:

﴿ثُمَّ يَتُوبُونَ﴾ [النساء: ١٧] ''پھر توبہ کرتے ہیں۔''

اور یہاں ﴿إِنِّي تُبْتُ الْئٰنَ﴾ [النساء: ١٨] کہا، پس جس نے موت کے آنے سے پہلے کہا: ﴿إِنِّي تُبْتُ﴾ ''میں نے توبہ کی'' یا موت کے اسباب ظاہر ہونے کے بعد خالص توبہ کر لی تو اس کی توبہ صحیح ہے۔

بعض اہل علم مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ ﴿فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ [الغافر: ٨٤]

''جب انھوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہا ہم صرف ایک خدا پر ایمان لائے۔''

۲۔ ﴿حَتّٰىٓ إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ﴾ [یونس: ٩٠] ''جب وہ ڈوبنے لگا۔''

۳۔ ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ إِيمَانُهَآ﴾ [یونس: ٩٨]

''تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اُسے نفع دیتا۔''

مذکورہ صدر آیات سے طرزِ استدلال یوں ہے کہ اقوام گزشتہ کا عذاب منافقین کے لیے بمنزلۂ تلوار کے ہے، جس طرح یہ لوگ اگر عذاب دیکھ کر ایمان لائیں تو انھیں فائدہ نہیں دے گا، تو یہی حال منافق کا ہے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ فرق اس کے اور حربی کے درمیان ہے اور وہ یوں ہے کہ ہم

اُسے اس کے کفر کی سزا دینے کے لیے نہیں لڑتے بلکہ اس لیے کہ وہ اسلام قبول کرے، جب وہ اسلام لایا تو مقصد پورا ہوگا، اور منافق سے جنگ اس لیے لڑی جاتی ہے کہ اُسے سزا دی جائے، اسلام لانے کے لیے نہیں، کیونکہ وہ تو مسلمان ہی رہا ہے اور سزائیں عذاب کے آنے کے بعد توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتیں اور یہ اسی طرح ہے جیسے دیگر نافرمانیوں کی سزائیں، یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جو دشنام دہندہ کو منافق ہونے کی وجہ سے قتل کرتے ہیں۔

اس میں ایک اور اندازِ استدلال بھی ہے، اور وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ کو بذات خود گالی دینا موجبِ قتل ہے اور یہ صرف ارتداد ہی نہیں ہے، ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ یہ موجبِ قتل ہے، نیز یہ کہ یہ کفر کے علاوہ ایک اور جرم ہے، اس لیے کہ اگر یہ صرف ارتداد، تبدیلِ دین اور ترکِ دین ہوتا تو رسول کریم ﷺ کے لیے ایذا دہندہ کو معاف کرنا جائز نہ ہوتا، جس طرح مرتد کو معاف کرنا جائز نہیں، اور آپ ﷺ ان لوگوں کو قتل نہ کرتے جنھوں نے آپ ﷺ کو گالیاں دی تھیں، جبکہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا تھا جو آپ ﷺ کے خلاف برسر حرب و پیکار تھے۔

ہم اس کے دلائل قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ نیز اس لیے کہ تحقیر و تذلیل اور گالی کا صدور کبھی ان لوگوں سے بھی ہوتا ہے جو نبوت و رسالت کو تسلیم کرتے ہیں، چونکہ رسول کریم ﷺ کا احترام اور اکرام ہر ممکن طریقے سے واجب ہے اس لیے آپ ﷺ کی بے حرمتی کی شدید سزا قتل کی صورت میں مقرر کی گئی ہے، اس لیے ایسے مجرم کو قتل کرنا شرعی حدود میں سے ایک حد ہے، کیونکہ آپ ﷺ کو گالی دینا محاربہ بالید کی طرح ایک قسم کا فساد فی الارض ہے، محض اس لیے نہیں کہ اس نے دین کو تبدیل کیا، اسے ترک کیا اور جماعت سے الگ ہوگیا۔ جب صورت حال یہ ہے تو دیگر حدود کی طرح یہ توبہ سے ساقط نہ ہوگی، ماسوا کفر اور تبدیلِ دین کی سزا کے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ [المائدة: ۳۳، ۳۴]

”جو لوگ خدا اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کرائے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب تیار ہے، ہاں، جن لوگوں نے، اس سے پیشتر کہ تمھارے قابو آ جائیں، توبہ کر لی تو جان رکھو کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت سے ثابت ہوا کہ قابو پائے جانے کے بعد توبہ کر لے تو اس کی توبہ ساقط نہیں ہوتی۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [المائدۃ: ۳۸، ۳۹]

”اور جو چوری کرے، مرد ہو یا عورت، اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کے فعلوں کی سزا ہے اور خدا کی طرف سے عبرت ہے اور خدا زبردست اور صاحب حکمت ہے اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو خدا اُس کو معاف کر دے گا، کچھ شک نہیں کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت میں سابقہ گناہوں کے بدلے میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے اور مستقبل میں سرقہ سے عبرت حاصل کرنے کے لیے، خواہ چوری اُن سے کی جائے یا دوسروں سے، اس آیت میں یہ بھی بتایا کہ جو توبہ کرتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے مگر قطعِ ید کو اس سے دور نہ کیا، اس لیے کہ قطع میں دو حکمتیں پائی جاتی ہیں: ایک تو بدلہ، دوسری عبرت پذیری۔ اور توبہ جزا کو ساقط کر دیتی ہے مگر عبرت پذیری کو ساقط نہیں کرتی، اس لیے کہ مجرم کو اگر معلوم ہو کہ اگر وہ توبہ کر لے تو اُسے سزا نہیں دی جائے گی تو فُساق اس بُرائی سے باز نہیں آئیں گے، اور بُرے کاموں کے ارتکاب سے رُکیں گے نہیں، اور تحفظ جان و مال کے لیے اصلاح بہت آسان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیں کسی قابلِ اعتماد ذریعے سے اس مسئلے میں اختلاف کا وجود نظر نہیں آیا کہ چور یا زانی سلطان کے پاس حد کے ثابت ہونے کے بعد اگر توبہ کا اظہار کرے تو حد اس سے ساقط نہیں

ہوگی، رسول اکرم ﷺ نے ماعز بن (مالک) اور غامدیہ کو سنگسار کیا اور اُن کی حسن توبہ اور حسن عاقبت کی اطلاع دی، اگر کہا جائے کہ رسول کریم ﷺ کو دی گئی گالی توبہ کرنے اور از سرِ نو اسلام لانے سے ساقط ہوجاتی ہے تو اس سے توہینِ رسول ﷺ کا ارتکاب کرنے والوں کی زبانیں بند نہیں ہوں گے اور نفوس انسانیہ آپ ﷺ کی حرمت کو حلال اور (پامال) کرنے سے باز نہیں آئیں گے، بلکہ جو بھی چاہے گا اور جس طرح چاہے گا آپ ﷺ کو گالیاں اور ایذا دیتا رہے گا اور اس کے بعد اپنے اسلام کی تجدید اور ایمان کا اظہار کرے گا۔ بعض اوقات ایک انسان آپ ﷺ کی توہین اور تنقیصِ شان کرتا ہے یا آپ ﷺ کے بعض اقوال و اعمال کا مذاق اُڑاتا ہے مگر وہ اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار نہیں کرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس انسان کا وطیرہ اور طرز و انداز ایسا ہو اس کے لیے کچھ دشوار نہیں کہ آپ ﷺ کی بے حرمتی اور آپ ﷺ کا تقدس پامال کرنے کے بعد اپنے اسلام کی تجدید کر لے۔

برخلاف دین سے برگشتہ ہونے کے، کہ اسلام کی طرف لوٹ آنے سے ان کے قتل کے سقوط سے یہ لازم نہیں آتا کہ لوگ ارتداد کی جسارت کریں یا ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کریں، اس لیے ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جبکہ کسی کے دل میں اس دین کے بارے میں شکوک و شبہات جنم لیں یا ایسی حرص و ہوئی کا غلبہ ہو جو عقل و فکر سے روک دے، لہٰذا مرتد کی توبہ نفوس انسانیہ کو ارتداد پر برانگیختہ نہیں کرتی اور قتل کا خوف اُسے ارتداد سے روکے رکھتا ہے۔ جب وہ اس کا اظہار کرے گا تو اس کا مقصد پورا نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات اُسے معلوم ہے کہ اُسے دوبارہ اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا اور اس میں وہ رکاکت، جسارت اور حماقت پائی جاتی ہے جس سے رسول کریم ﷺ کی تنقید اور آپ ﷺ کا ہدفِ عیب و طعن بننا لازم آتا ہے۔ وہ جب بھی رسول کریم ﷺ کو گالی دے گا تو اپنے اسلام کی تجدید کرے گا اور توبہ کا اظہار کرے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے فساد فی الارض رونما ہوتا ہے، پھر اس سے وہ حد شرعی لازم آتی ہے جو زنا، ڈاکہ زنی، چوری اور شراب نوشی کی وجہ سے لگائی جاتی ہے کیونکہ ان معاصی کا ارادہ کرنے والوں کو جب علم ہے کہ توبہ کرنے سے ان کی سزا ساقط ہوجائے گی تو جب چاہیں گے اس کا ارتکاب کرلیں گے۔

علی ہذا القیاس جس شخص کو اس کی کم عقلی یا بے دینی تحقیر رسول ﷺ پر مجبور کرے گی اور اُسے علم ہوگا کہ میری توبہ، جب بھی چاہوں، قبول ہوجائے گی تو وہ ایسی جسارت کرنے سے گریز نہیں کرے گا،

اس کے یہ بات کہنے سے اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا جس طرح اُن کا مقصد ان کے فعل سے حاصل ہو گیا، برخلاف اس شخص کے جو ارتداد کا ارادہ کرتا ہے کہ اس کا مقصد تب حاصل ہوتا ہے جب وہ اس پر قائم رہے اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب اسلام کی طرف رجوع نہ کرنے کی صورت میں اُسے قتل کیا جائے، پس یہ چیز اُسے اس کام سے باز رکھنے والی ہوگی اور یہ وجہ گالی کو ارتداد سے خارج نہیں کرتی، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ارتداد کی ایک غلیظ و شدید قسم ہے، کیونکہ رسول کریم ﷺ کی تنقیصِ شان کی وجہ سے اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، جس طرح بعض اشخاص کا ارتداد اس طرح شدید ہو جاتا ہے کہ وہ ارتداد کے ساتھ قتل کا ارتکاب بھی کرتا ہے تو اس صورت میں اس کو قتل کرنا حتمی ہو جاتا ہے اور وہ ارتداد محض نہیں ہوتا، یا جس طرح رہزنی کرنے والے کو قتل کرنا جرم کی شدت کی وجہ سے قطعی ہو جاتا ہے، اگرچہ دوسرے جرائم پیشہ کو قتل کرنا حتمی و قطعی نہیں ہوتا، لہٰذا اِسلام کی طرف رجوع کرنے سے اس کے ارتداد محض کا جرم ساقط ہو جاتا ہے اور صرف گالی کا جرم باقی رہتا ہے۔

اندریں صورت اس پر حد شرعی قائم کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے، جس طرح رہزنی کرنے والا قابو میں آنے سے پہلے اگر توبہ کر لے تو اس کا حتمی قتل ساقط ہو جاتا ہے اور صرف مقتول کے ورثاء کا حق باقی رہتا ہے، خواہ وہ قتل ہو یا دیت یا معافی، یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے، اس کی توضیح کے بارے میں شارع کی نصوص اور تنبیہات پہلے گزر چکی ہیں۔

ایک سوال:

اگر معترض کہے کہ (بعض اوقات) یہ گناہ طمع کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں حالانکہ اعتقاد صحیح ہوتا ہے، اگر شارع کی طرف سے کوئی چیز اس کو روکنے والی نہ ہو تو نفوس انسانیہ جلد از جلد ان کا ارتکاب کرنے لگیں گے، برخلاف رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کے، اس لیے کہ طبیعت اس کی طرف جبھی مائل ہوتی ہے کہ عقیدے میں ایسی خرابی ہو جو کفر سے بھی بڑھ کر ہو، پس معلوم ہوا کہ گالی کا موجب و محرک زیادہ تر کفر ہوتا ہے، اس لیے کفر کی سزا اُس پر لازم ہے اور کافر کو سزا دینا عدمِ توبہ کے ساتھ مشروط ہے، اور جب گالی کا محرک صرف طبعی نہ ہو تو اس سے روکنے والی چیز مشروع نہیں ہے، اگرچہ وہ حرام ہی کیوں نہ ہو، مثلاً کتاب اللہ اور دین اسلام یا دیگر (شرعی امور) کی تنقیص و تذلیل۔

جواب:

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بعض اوقات عقیدے کی خرابی کے علاوہ طبعی محرکات بھی اس

کے موجب ہوتے ہیں، مثلاً پیرانہ سالی جو آپ ﷺ کے بعض احوال و افعال پر تنقید کی موجب بنتی ہے، اور غیظ و غضب جو رسول کریم ﷺ کی عیب جوئی کا موجب بنتا ہے جبکہ معترض رسول کریم ﷺ کے بعض احکام کو ناپسند کرتا ہو، نیز حرص ناپسندیدہ امور کی مذمت پر مجبور کرتی ہے، یہ امور بعض اوقات انسان کو ایک قسم کی گالی، ایذا رسانی اور تنقیص شان پر اُکساتے ہیں، اگرچہ ان امور کا صدور اسی وقت ہوتا ہے جب ایمان کمزور ہو، جس طرح یہ گناہ بھی اسی صورت میں صادر ہوتے ہیں جب ایمان ضعیف ہو۔ جب صورتحال یہ ہے تو ایسے لوگوں کی توبہ کا قبول کرنا اس بات کا موجب ہے کہ ایسے لوگ اس قسم کے کلمات ادا کرنے کی جرأت کریں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کی ناموس و آبرو شکستہ و مجروح اور آپ ﷺ کا تقدس پامال رہے گا۔

برخلاف اس شخص کی توبہ قبول کرنے کی جو یا تو ایک مذہب سے دوسرے کی طرف پھر جانا چاہتا ہو یا اُسے مطلقاً ترک کر دینا چاہتا ہو کیونکہ اُسے بخوبی معلوم ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اُسے قتل کیا جائے گا تو وہ اپنے مذہب سے منحرف نہیں ہوگا، اس صورت کے عین برعکس جب گالی کافر سے سرزد ہو اور پھر وہ ایمان لائے، اگر اُسے یہ بات معلوم ہو کہ گالی دینے کی صورت میں اس سے یا تو اسلام قبول کیا جائے گا یا تلوار اُسے اس گالی سے باز رکھ سکے گی، الّا یہ کہ وہ اسلام لانے کا ارادہ رکھتا ہو اور جب وہ اسلام کا ارادہ کرے گا تو اس کے پہلے گناہ ساقط ہو جائیں گے، پس کافر کے اسلام لانے سے قتل کے ساقط ہونے سے اس امر کی راہ نہیں کھلتی کہ رسول کریم ﷺ کی توہین و تنقیص کی جائے، وہ راستہ اس طرح کھلتا ہے کہ اسلام کا اظہار کرنے والا اسلام کی تجدید کر لے۔

مزید برآں رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ایک انسان کا حق ہے (حقوق العباد میں سے ہے) اس لیے وہ توبہ سے ساقط نہ ہوگا، جس طرح حد قذف اور رسول کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور کو گالی دینا قابلِ معافی جرم نہیں ہے۔

مسلم اور ذمی میں تفریق:

جو اہل علم مسلم اور ذمی میں تفریق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلم نے (آپ ﷺ کو) گالی نہ دینے اور گالی کا عقیدہ نہ رکھنے کا التزام کیا ہے، لہٰذا جب وہ اس کا مرتکب ہوگا تو اس پر حد لگائی جائے گی جس طرح شراب نوشی کی حد لگائی جاتی ہے، نیز جس طرح مُردار اور خنزیر کا گوشت کھانے والے پر تعزیر لگائی جاتی ہے، اس کے عین برعکس کافر نے اس کی تحریم کا التزام نہیں کیا اور نہ ہی اس کا عقیدہ

رکھا، اس لیے اس پر حد کا قائم کرنا واجب نہیں، جس طرح اس پر شراب نوشی کی حد لگائی نہیں جاتی اور نہ ہی مُردار اور خنزیر کا گوشت کھانے پر تعزیر لگائی جاتی ہے۔

البتہ جب وہ اس کا اظہار کرے گا تو ہمارا باہمی عہد ٹوٹ جائے گا، اب وہ حربی کافر کی طرح ہو جائے گا اور ہم اُسے اس کی بنا پر قتل کر دیں گے، اس لیے نہیں کہ اس نے حد شرعی کا ارتکاب کیا ہے، جس کی حرمت کا وہ معتقد ہے، اس کے اسلام لانے سے کفر کی سزا ساقط ہو جائے گی اور بطور خاص گالی دینے سے بھی اُسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی، اس لیے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اس موقف کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو گالی دینے میں چونکہ تحقیر کا پہلو پایا جاتا ہے اس لیے اس کی سزا دشنام دہندہ کو قتل کرنا ہے تاکہ آپ ﷺ کی عزت و حرمت اور اکرام و احترام کی اہمیت واضح ہو سکے اور ایسا کرنے والا اس سے عبرت آموزی کا سبق سیکھ سکے۔ اور حد کافر پر اُن اُمور کے ارتکاب پر لگائی جاتی ہے جس کی حرمت کا وہ قائل ہو لیکن جب وہ اُن چیزوں کی حلت کا برملا اظہار کرے جو ہمارے نزدیک حرام ہیں تو اُسے ڈانٹا جائے گا اور اس کی سزا دی جائے گی، مثلاً وہ خمر و خنزیر کی حلت کا اظہار کرے، ان باتوں کا اظہار بھی بعض لوگوں کے نزدیک گالی دینے کے مترادف ہے اور نقضِ عہد بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑنے کا ہم معنی ہے، ان دونوں صورتوں میں اسلام اس سزا کو ساقط کر دیتا ہے، برخلاف اس صورت کے جب مسلم ایسے فعل کا مرتکب ہو جس سے حد واجب ہو جاتی ہے۔

ارتداد کی دو قسمیں:

علاوہ ازیں ارتداد دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ ارتداد مجرد۔ ۲۔ ارتداد مغلظ، جس میں بطور خاص قتل کی سزا دی جاتی ہے۔

ارتداد کی ہر دو اقسام کے بارے میں دلائل سے ثابت ہے کہ قتل کی سزا دی جائے، وہ دلائل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کرنے سے قتل ساقط ہو جاتا ہے، دونوں قسموں پر مشتمل نہیں بلکہ صرف پہلی قسم پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ اس شخص پر واضح ہے جو کہ مرتد کی توبہ کی قبولیت کے دلائل پر غور و فکر کرتا ہے، اب دوسری قسم باقی رہی اور اس کے مرتکب کے لیے قتل کا وجوب دلائل سے ثابت ہو چکا ہے، اور کسی نص اور اجماع سے قتل کا ساقط ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت ہے کہ فرق جلی کی موجودگی میں قیاس دشوار ہے، اس لیے دونوں قسم کا باہمی الحاق خارج از بحث ہے۔

اس موقف کا اثبات اس سے ہوتا ہے کہ کتاب و سنت اور اجماع سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی

کہ جو شخص اپنے کسی قول یا فعل کی وجہ سے مرتد ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے، اور پھر توبہ کر لے تو قتل اس سے ساقط ہو جاتا ہے، بخلاف ازیں کتاب و سنت اور اجماع نے مرتد ہونے والے کی دونوں قسموں میں تفریق کر دی ہے، جیسا کہ ہم ذکر کریں گے مگر بعض لوگ محض اپنی رائے پر بھروسہ کرتے ہوئے ارتداد کی دونوں قسموں کو بیّن تفاوت کے باوجود ایک ہی قسم قرار دیتے ہیں اور پھر ایک قسم کو دوسری پر قیاس کرتے ہیں، جب یہاں کوئی ایسا قولی عموم نہیں پایا جاتا جو مرتد کے جملہ انواع پر مشتمل ہو تو صرف قیاس باقی رہا اور وہ قیاس فاسد ہے، اس لیے کہ فرع اور اصل دونوں اس وصف کی وجہ سے باہم الگ الگ ہیں جو مؤثر فی الحکم ہے اور اس وصف کے مؤثر فی الحکم ہونے پر شارع کی نص، تنبیہ اور وہ مناسبت دلالت کرتی ہے جو مصلحت معتبرہ پر مشتمل ہے۔

مرتد کی توبہ کب قبول کی جاتی ہے؟

اس کی توضیح تین وجوہ سے ممکن ہے:

وجہ اول: مرتد کی توبہ کے مقبول ہونے کی دلیل اس قسم کی آیات ہیں:

﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ [آل عمران: ٨٦]

''اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی۔''

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ ﴾ [النحل: ١٠٦]

''جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے۔''

اور اس قسم کی آیات جن میں صرف ایمان لانے کے بعد کفر سے توبہ کا ذکر کیا گیا ہے، ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا گیا جن کے کفر کے ساتھ ایذا و ضرر رسانی بھی شامل ہو گئی ہو۔ علاوہ ازیں حدیث نبوی میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے مگر اس میں ان لوگوں کی توبہ کا ذکر کیا گیا ہے جن سے صرف ارتداد کے فعل کا صدور ہوا ہو۔ علی ہذا القیاس خلفائے راشدین کی سنت میں بھی صرف ان لوگوں کی توبہ کا ذکر کیا گیا ہے جن سے ارتداد کے فعل کا صدور ہوا ہو اور اس کے بعد اس نے مسلمانوں سے اس طرح جنگ لڑی ہو جس طرح وہ اصلی کافر لڑتا ہے جو اپنے کفر پر قائم ہو، جو لوگ اس زعم فاسد میں مبتلا ہیں کہ اصول (کتاب و سنت) میں ایسے دلائل مذکور ہیں جو ہر مرتد کی توبہ پر مشتمل ہیں، خواہ اس کا ارتداد مجرد ہو یا کسی وجہ سے مغلظ ہو گیا ہو، وہ غلطی پر ہیں۔ اندریں صورت دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ دشنام

دہندہ کا قتل واجب ہے اور وہ مرتد ہے، دلائل سے یہ بات ثابت نہیں کہ ایسے آدمی سے قتل ساقط ہو جاتا ہے، بنا بریں اس کا قتل ایسے دلائل سے ثابت ہے جن کی معارض دوسری کوئی دلیل نہیں۔

وجہ ثانی: قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴾ [آل عمران: ٨٦ تا ٩٠]

”اللہ ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور اس بات کی شہادت دی کہ رسول ﷺ حق ہے اور ان کے پاس دلائل آئے اور اللہ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ لوگ ان کی جزا یہ ہے کہ بے شک ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کر لی تو یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا، پھر کفر میں بڑھ گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔“

ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد اپنے کفر میں اضافہ کر لے اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، ان آیات میں کفر مجرد اور کفر مغلّظ میں فرق کیا گیا ہے کہ پہلی قسم کے کفر سے توبہ مقبول ہے مگر دوسرے سے توبہ مقبول نہیں۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایمان کے بعد جو کفر بھی ہوا اس سے اگر توبہ کی جائے تو مقبول ہے، وہ نص قرآنی کی مخالفت کرتا ہے۔

اگرچہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جس کفر پر کوئی شخص قائم ہو تو موت تک اس میں اضافہ

ہوتا رہتا ہے (اور اس سے توبہ مقبول ہے) اور غیر مقبول توبہ وہ ہے جو نزع کے وقت یا قیامت کے روز کی جائے، مگر آیت میں اس سے زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حدیث نبوی ﷺ نے ہر دو انواع میں تفریق کر دی ہے، چنانچہ مرتدین کی ایک جماعت کی توبہ قبول کر لی مگر فتح مکہ کے روز توبہ کا مطالبہ کیے بغیر مقیس بن صبابہ کو قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ اُس نے مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مسلم کو قتل کیا اور اس کا مال ہتھیایا اور پکڑے جانے سے قبل اس نے توبہ نہ کی۔ قبیلہ عرینہ والوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، کیونکہ انھوں نے اپنے کفر پر دیگر جرائم کا اضافہ کیا تھا، اسی طرح آپ ﷺ نے ابن ابی سرح کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا، کیونکہ اس نے اپنے ارتداد پر رسول کریم ﷺ کو ہدف طعن و افترا بھی بنایا تھا۔

جب کتاب وسنت نے مرتدین کے بارے میں دو جداگانہ احکام دیے ہیں اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ جو شخص مرتد ہونے کے علاوہ ایذا اور ضرر رسانی کا ارتکاب کرتا ہے وہ واجب القتل ہے، اگر مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد توبہ بھی کر لے تو قتل اس سے ساقط نہیں ہوتا، اگرچہ وہ علی الاطلاق توبہ کر لے، مگر جو شخص صرف اپنا دین تبدیل کر لے اس کا یہ حکم نہیں ہے، بنا بریں یہ قول صحیح نہیں کہ ہر قسم کے مرتد کی توبہ مقبول ہے، اور دشنام دہندہ مرتدین کی اس قسم سے تعلق رکھتا ہے جس کی توبہ کا مقبول ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ ابن ابی سرح کے واقعہ پر مشتمل حدیث سے ثابت ہوتا ہے، نیز اس لیے کہ گالی دینا مسلمانوں کے لیے بہت بڑی ایذا ہے، حتی کہ حرب وقتال سے بھی عظیم تر ایذا ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا ہے، اس لیے کہ اس کے فاعل کی سزا بھی حتمی وقطعی ہے، نیز اس لیے کہ ہم مرتد مجرد کو اس لیے قتل کرتے ہیں کہ وہ اس انحراف پر قائم ہو گیا ہے، جب وہ دین حق کی طرف لوٹ آئے گا تو جو چیز اس کے خون کو مباح کرنے والی ہے وہ زائل ہو جائے گی، جس طرح اصلی کافر اگر مسلمان ہو جائے تو اس کے خون کو مباح کرنے والی صفت زائل ہو جاتی ہے۔

اس دشنام دہندہ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو سخت ایذا دی ہے (حالانکہ اس نے ترکِ ایذا کا معاہدہ کیا تھا) اور اس پر قائم ہونے کی وجہ سے اُسے قتل نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ممنوع ہے، لہٰذا اُس کو قتل کرنا اس کافر کے قتل کی طرح ہے جو مسلمانوں کے خلاف دستی جنگ لڑ رہا ہو، خلاصۂ کلام یہ کہ جو شخص اللہ اور اس کے خلاف زبان یا ہاتھ سے جنگ کرنے کے لیے دین اسلام سے منحرف ہو جائے تو حدیث نبوی، جو کہ کتاب اللہ کی شارح و ترجمان ہے، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کیا جائے گی۔

ارتداد بعض اوقات دشنام سے مجرد ہوتا ہے:

وجہ ثالث: بعض اوقات ارتداد سب وشتم سے عاری ہوتا ہے، لہٰذا ارتداد نہ تو اس پر مشتمل ہوتا ہے اور نہ ہی مستلزم۔ جس طرح وہ بعض اوقات مسلمانوں کو قتل کرنے اور ان کا مال لینے سے خالی ہوتا ہے، اس لیے کہ سبّ وشتم بغض وعداوت میں افراط کا نتیجہ ہوتا ہے، اس کا موجب ومحرک کافر کی حماقت، فساد فی الدین کی حرص اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے، بعض اوقات اس کا صدور نبوت و رسالت کا عقیدہ رکھنے والوں سے بھی ہوتا ہے مگر اس اعتقاد کے مطابق وہ رسول کریم ﷺ کی توقیر و اطاعت نہیں کرتا، اس طرح وہ ابلیس کی مانند ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت کا معتقد تھا (اس نے کہا تھا: ''ربّ'') اُسے یقین تھا کہ اللہ نے سجدے کا حکم دیا ہے مگر اس عقیدے کے باوجود سر عجز و نیاز جھکانے سے قاصر رہا بلکہ اس نے ازرہِ فخر وغرور ضد وعناد کا مظاہرہ کیا اور خداوند تعالیٰ کی حکمت پر طعنہ زن ہوا۔

جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ اُس کا ربّ ہے اور اللہ نے اُسے یہ حکم دیا ہے، پھر کہے کہ وہ اس کی اطاعت اس لیے نہیں کرتا کہ اس کا حکم درست اور بجا نہیں، اور وہ شخص جو عقیدہ رکھتا ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے اور اخبار و اوامر میں واجب الاطاعت رسول ﷺ ہیں، پھر آپ ﷺ کو گالیاں دے، آپ ﷺ کے دیے ہوئے احکام یا آپ ﷺ کے احوال میں سے کسی میں عیب نکالے یا آپ ﷺ کی ایسی تحقیر کرے جو رسول ﷺ کی شان کے لائق نہیں، تو ایسے دونوں اشخاص برابر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان عبارت ہے قول وعمل سے، تو جو شخص اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو اور محمد ﷺ کو اس کا بندہ اور رسول سمجھتا ہو مگر اس عقیدے کے مطابق آپ ﷺ کا اکرام و احترام بجا نہ لاتا ہو جو کہ ایک قلبی کیفیت کا نام ہے جس کا اثر جوارح پر بھی ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس عقیدے کی موجودگی میں اپنے قول و فعل سے آپ ﷺ کی توہین وتحقیر کا ارتکاب کرتا ہو تو یہ عقیدہ نہ ہونے کے برابر ہے اور اس کا یہ طرز عمل اس عقیدے کے فساد و بطلان کا موجب ہوگا اور اس میں جو صلاح وفلاح پائی جاتی ہے اُسے زائل کر دے گا، اس لیے کہ ایمانی عقائد نفوس کا تزکیہ اور اصلاح کرتے ہیں اور جب ان سے مطلوبہ نتائج رونما نہ ہوں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ عقائد دل میں جاگزیں نہیں ہوتے اور نہ ہی نفس انسانی کی صفت وصلاح کا موجب بنتے ہیں اور جب تک ایمان کا علم، جو کہ فرض ہے، انسان کے دل کی صفت لازمہ نہ بنے تو وہ انسان کے لیے نفع بخش نہیں ہوتا، بلکہ ان کی حیثیت ''حدیثِ نفس'' اور قلبی تصورات کی طرح ہوتی ہے (جو یونہی آتے جاتے رہتے ہیں) اور جہاں تک نجات کا تعلق ہے تو وہ قلبی یقین

سے حاصل ہوتی ہے، وہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو، بندے اور اللہ کے درمیان جو تعلقات ہیں یہ ان کی حالت ہے، باقی رہے دنیوی احکام اور اقوال و افعال تو وہ ظاہری حالت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اس تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ دل سے مذاق اُڑانا اور تحقیر کرنا اس ایمان کے منافی ہوتا ہے جو دل میں جاگزیں ہوتا ہے، اور یہ منافات اس قسم کی ہے جس طرح ضدین میں پائی جاتی ہے اور زبان کے ساتھ مذاق اُڑانا اس ایمان کے منافی ہے جس کا اظہار زبان کے ساتھ کیا جاتا ہے، الغرض جو گالی دل سے صادر ہوتی ہے، وہ ظاہراً و باطناً کفر کی موجب ہے۔ فقہاء اور علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہی ہے مگر جہمیہ اور مرجیہ فرقہ والے کہتے ہیں کہ ایمان عبارت ہے علم و معرفت سے اور قول بلا عمل اعمال قلب میں سے ہے، اس لیے کہ یہ بظاہر اس کے منافی ہے مگر باطن میں یہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں، ہم بار دیگر اس پر اظہار خیال کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مَرامِ تحریر یہ ہے کہ جس طرح ارتداد بعض اوقات گالی سے عاری ہوتا ہے اسی طرح بعض دفعہ اس سے دین سے انحراف اور تکذیبِ رسالت کا قصد نہیں کیا جاتا، جیسا کہ ابلیس کا کفر تکذیبِ ربوبیت کے قصد سے خالی تھا، اگرچہ اس عدم قصد کا اُسے کوئی فائدہ نہیں جس طرح یوں کہنے والوں کو ان کا قول فائدہ نہیں دیتا کہ کفر یہ ہوتا ہے کہ کافر ہونے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ جب صورت حال یہ ہے تو شارع جب حکم دے کہ جو شخص اپنے دین حق اور عقیدے کو تبدیل کرنا چاہے تو اس کی توبہ کو قبول کیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل کا موجب وہ عقیدہ ہے جو نیا نیا اختیار کیا جائے اور سابقہ عقیدے کو معدوم کر دیا جائے، جب یہ ایمانی عقیدہ لوٹ کر آ جائے اور عارضی و ہنگامی عقیدہ زائل ہو جائے تو یہ پانی اور بھگوئے ہوئے شیرے کی مانند ہے، اگر شیرے میں تبدیلی واقع ہو جائے تو پانی نجس ہو جاتا ہے اور اگر یہ تبدیلی زائل ہو جائے تو دوبارہ حلال ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی حکم کسی علت کی وجہ سے ثابت ہوا ہو تو علت کے زائل ہونے سے وہ حکم بھی زائل ہو جاتا ہے اور اس آدمی نے صرف عقیدے کی تبدیلی کا اظہار نہیں کیا تاکہ پھر اس کی طرف لوٹ آنے کی وجہ سے وہ معصوم ہو سکے، نیز یہ قول تغیرِ اعتقاد کے لوازم میں سے نہیں ہے تاکہ دونوں کا حکم یکساں ہو، اس لیے بعض اوقات عقیدہ بڑی حد تک تبدیل ہو جاتا ہے مگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا رسانی کا موجب نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کی ضرر رسانی عقیدے کے تغیر سے بھی قبیح تر ہے:

مسلمانوں کو ضرر پہنچانا عقیدے کو تبدیل کرنے سے بھی زیادہ برا ہے، اس کا ارتکاب وہ شخص

کرتا ہے جو اپنے عقیدے کو درست تصور کرتا ہو مگر اللہ، رسول اور مومنین کے نزدیک وہ اس دعوے اور ظن میں کاذب ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں جو فساد پایا جاتا ہے وہ اس فساد سے کہیں زیادہ ہے جو محض عقیدے کے تغیر میں ان دو وجوہ سے پایا جاتا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اس میں زیادہ ضرر رسانی ہے، دوسرے یہ کہ بعض اوقات عقیدہ اس کے ساتھ سلامت رہتا ہے اور ایسے شخص سے بھی صادر ہوتا ہے جو ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل نہیں ہونا چاہتا، اور اس کا فساد انتقال کے فساد سے عظیم تر ہوتا ہے، اس لیے کہ انتقال کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ وہ کفر ہے اور اس کا نتیجہ وہی ہے جو کفر کا ہے مگر اس کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ کفر صرف اس صورت میں ہے جبکہ اس کو حلال سمجھ کر اختیار کیا جائے، البتہ یہ معصیت ضرور ہے جو کفر کی انواع میں سے عظیم تر ہے۔ جب اس کا داعی اور محرک مجرد ارتداد کے داعی سے جداگانہ نوعیت کا ہو اور اس میں جو فساد ہے وہ ارتداد کے فساد سے مختلف ہو، حالانکہ یہ اس سے شدید تر ہے تو یہ جائز نہیں کہ اس سے توبہ کرنے والے کو ارتداد سے توبہ کرنے والے کے ساتھ ملحق کیا جائے۔

اس لیے کہ معنی کے قیاس کی شرط یہ ہے کہ فرع اور اصل دونوں کا حکم مساوی ہو اور دلیل الحکمت اگر پوشیدہ ہو تو اس میں بھی دونوں مساوی ہوں۔ جب اصل میں معانی مؤثرہ پائے جاتے ہوں تو جائز ہے کہ توبہ اس کی وجہ سے قبول کی گئی ہو اور یہ فرع میں معدوم ہوں تو یہ جائز نہیں، اس لیے کہ اگر کسی جرم میں کم خرابی پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو تو اس کی توبہ کے قبول ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس جرم کی توبہ مقبول ہو جس میں زیادہ یا دائمی فساد پایا جاتا ہو۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس (ایذا دہندہ) کے خون کی عصمت بنا بر توبۂ مرتد پر قیاس کرتے ہوئے دشوار ہے کیونکہ دونوں (ضرر رساں اور مرتد) کے مابین مؤثر فرق پایا جاتا ہے، پس مرتد جو دوسرے دین کو قبول کر لے اور اپنی زبان سے مسلمانوں کو ضرر پہنچانے والا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا ہو، دو جداگانہ قسم کے کافر ہیں اگرچہ اسلام کے بعد کفر اختیار کرنے کے لحاظ سے دونوں کی جنس ایک ہے اور پہلی قسم (صرف مرتد) کے حق میں توبہ کے مشروع ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری قسم کے کافر (ایذا رساں) کے حق میں بھی توبہ مشروع ہو، اس لیے کہ دونوں کے مابین ضرر رسانی کا فارق موجود ہے، نیز اس لیے کہ (موذی) کی توبہ کے مقبول ہونے سے اس کا فساد زائل نہیں ہوتا۔

سنت رسول ﷺ

سے ثابت ہوتا ہے کہ دشنام دہندہ کو توبہ کے باوجود قتل کیا جائے

دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلم (رسول کریم ﷺ کو) گالی دیتا ہو تو اس کو قتل کرنا واجب ہے اگرچہ وہ تائب ہو کر (از سرِ نو) اسلام قبول کر لے۔ جو اہل علم مسلم اور اسلام قبول کرنے والے ذمی میں تفریق کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ قتل واجب ہے۔ یہ دلالت اس امر پر بھی مشتمل ہے کہ ذمّی اگر دوبارہ ذمہ کو اختیار کر لے تو اس سے یہ قتل بطریق اولیٰ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ ایک مسلم کا اسلام کی طرف عود کرنا اس کے خون کو زیادہ محفوظ رکھتا ہے، بہ نسبت اس کے کہ ایک ذمی دوبارہ ذمہ کی طرف لوٹ آئے، یہی وجہ ہے کہ عام علماء اس قسم کے لوگوں کے اسلام کی طرف لوٹنے کو اس کے خون کی زیادہ حفاظت کرنے والا قرار دیتے ہیں، ذمّی کے بارے میں اس کے قائل نہیں جبکہ وہ ذمہ کی طرف لوٹ آئے۔

جو شخص سنت نبوی کا بنظر غائر مطالعہ کرتا ہے اُسے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بعض لوگوں کو قتل کر دیا تھا، علاوہ ازیں بنو نضیر اور بنو قینقاع کے کچھ لوگوں کو جلا وطن کر دیا تھا، یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ان لوگوں نے عہد کو توڑ دیا اور اس بات کے حریص تھے کہ آپ ﷺ دوبارہ ان کو ذمی بنا لیں مگر آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا۔ اس قسم کے موذی لوگوں کے بارے میں رسول کریم ﷺ کے خلفاء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی اسی قسم کا تھا، یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اس بات کے سخت حریص تھے کہ یہ لوگ دوبارہ ذمی بن جائیں مگر یہ بات کسی شک وشبہ کے بغیر اُنھیں معلوم تھی کہ ان لوگوں کو دوبارہ ذمی بنانے کا قول خلافِ سنت اور خیر القرون کے اجماع کے خلاف ہے، قبل ازیں علی الاطلاق عہد توڑنے والے کے بارے میں ہم اس پر متنبہ کر چکے ہیں۔

اور اگر یہ بات ''عیاں راچہ بیان'' کی مصداق نہ ہوتی تو ہم اس پر کھل کر گفتگو کرتے۔ جو لوگ

حضور ﷺ کی سیرت وسنت سے آگاہ ہیں ہم نے ان کو ان دونوں کا حوالہ اس لیے دیا کہ بلاشک وشبہ وہ اس حقیقت سے بہرہ ور ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور یہود کے مابین کوئی ہنگامی عہد نہیں ہوا تھا بلکہ یہ ایک ابدی معاہدہ تھا کہ وہ دارالاسلام میں اقامت گزیں رہیں گے، نیز چونکہ ان کے باہم اختلافی مسائل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام جاری رہیں گے، تاہم ان پر جزیہ عائد نہ کیا گیا اور انھیں اس ذلت کا پابند نہ کیا گیا جس کے پابند وہ سورۃ التوبہ کے بعد ہوئے تھے، اس لیے کہ یہ ہنوز مشروع نہیں ہوا تھا۔

جن لوگوں کا قول یہ ہے کہ دشنام دہندہ کو قتل کیا جائے اگرچہ وہ تائب ہو کر اسلام لے آئے اور خواہ وہ مسلم ہو یا کافر تو ان کی دلیل پیچھے گزر چکی ہے کہ مسلم کو توبہ کے بعد بھی قتل کیا جائے، نیز ذمی کو قتل کیا جائے اگرچہ وہ دوبارہ ذمی بننے کا خواہاں ہو۔

اس امر کے حتمی دلائل کہ دشنام دہندہ ذمی اور مسلم کو حتمی طور پر قتل کیا جائے:

باقی رہی یہ بات کہ گالی دینے کی وجہ سے جب ذمی واجب القتل ہو چکا ہے ہو تو اُسے قتل کیا جائے اگرچہ وہ اس کے بعد اسلام لا چکا ہو مگر اس میں اُن کے کئی طُرق و مذاہب ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مسلم ہو یا ذمی دونوں کو حتماً قتل کیا جائے۔

طریق اول:

اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ ﴾ [المائدة: ۳۳]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور خدا کی زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں الٹی ترتیب سے کاٹے جائیں یا ان کو جلا وطن کیا جائے۔''

وجہِ استدلال یہ ہے کہ سابق الذکر دشنام دہندہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والوں اور زمین میں فساد کی کوشش کرنے والوں میں سے ہے جو اس آیت میں داخل ہیں، خواہ وہ مسلم ہو یا معاہد اور محاربین میں سے جو بھی اس آیت میں داخل ہو، جب توبہ سے قبل اس پر قابو پا لیا جائے تو اس پر حد قائم کی جائے، خواہ اس کے بعد توبہ کرے یا نہ کرے، پس ذمی ہو یا مسلم جب گالی دے اور پھر اسلام

لائے اور ان میں سے ہر ایک پر توبہ سے قبل قابو پالیا گیا ہو تو اس پر حد کا قائم کرنا واجب ہے اور اس کی حد اُسے قتل کرنا ہے، لہٰذا اُس کو قتل کرنا واجب ہے، خواہ توبہ کرے یا نہ کرے۔

یہ دلیل دو مقدمات پر مبنی ہے:

۱۔ ایک یہ کہ وہ اس آیت میں داخل ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اُسے قتل کرنا اس صورت میں واجب ہے جب اُسے توبہ سے قبل پکڑ لیا جائے۔ دوسرا مقدمہ تو واضح ہے، اس لیے کہ ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں جو اس بات کی مخالفت کرتا ہو کہ محاربین کو اگر توبہ سے قبل پکڑ لیا جائے تو اُن پر حد لگانا واجب ہے اگرچہ وہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کرلیں۔ آیت میں اس کا واضح بیان موجود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا بدلہ ان چار حدود میں سے ایک ہے، ماسوا اُن لوگوں کے جو قابو پانے سے قبل پکڑ لیے جائیں، جو شخص قابو آنے سے قبل توبہ کرلے تو ان امور میں سے کوئی بھی اس کا بدلہ نہیں اور دوسرے لوگوں کا بدلہ ان میں سے ایک ہے، اصحاب حدود کو سزا دینا اس آیت کے مطابق ضروری ہے، اس لیے کہ جرم کی سزا جب وہ کسی زندہ آدمی کا حق ہو، بلکہ وہ حدود اللہ میں سے ایک حد ہو تو سب مسلمانوں کے نزدیک اس کی تکمیل ضروری ہے، جیسا کہ آیتِ سرقہ میں فرمایا:

﴿فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ [المائدۃ: ۳۸]

''ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کیے کا بدلہ ہے۔''

اس آیت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جو ان کے کیے کی سزا ہے، اگر یہ شرعی سزا، جو ایک حد کی صورت میں عائد کی گئی ہے، واجب نہ ہوتی تو وجوبِ قطع کو اس کے ساتھ معلل نہ کیا جاتا، اس لیے کہ علتِ مطلوبہ کا حکم سے بلیغ تر اور قوی تر ہونا ضروری ہے، اور جزا فعل کا نام بھی ہے اور جس چیز کے ساتھ سزا دی جاتی ہے اس کو بھی جزا کہا جاتا ہے، اسی لیے آیت کریمہ:

﴿فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ﴾ [المائدۃ: ۹۸] کو تنوین ﴿فَجَزَآءٌ﴾ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور ﴿مِّثْلُ﴾ کی طرف مضاف کرکے ﴿مِّثْلِ مَا﴾ بھی۔ یہی حال ''الثواب والعقاب'' اور دیگر الفاظ کا ہے، پس ''قَتْلٌ'' اور ''قَطْعٌ'' کا اطلاق بعض اوقات ''سزا اور عبرت آموز'' پر بھی کیا جاتا ہے اور گاہے سزا اور بدلہ لینے کے فعل کو بھی جزا کہتے ہیں، اسی لیے اکثر علماء کہتے ہیں کہ ''جزاء'' مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم اس لیے دیا ہے

تاکہ ان سے بدلہ لے اور اس فعل سے اُنھیں باز رکھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "جزاء" مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس لیے کہ "فاقطعوا" کے معنی یہ ہیں کہ ان سے بدلہ لو اور انھیں عبرت سکھاؤ، یعنی علماء کے نزدیک یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس طرح آیت کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ہاتھ کاٹ دو ان سے بدلہ لیتے ہوئے اور ان کو اور دوسروں کو عبرت سکھلاتے ہوئے یا یہ معنی کہ ان سے بدلہ لیتے ہوئے اور ان کو عبرت سکھلاتے ہوئے، بہر کیف "جزاء" کا لفظ یا تو ماامور بہ ہے (اگر اس کو مفعول مطلق قرار دیا جائے) یا مأمور لأ جلہ ہے (بشرطیکہ "جزاء" کو مفعول لہ تسلیم کیا جائے) پس ثابت ہوا کہ جزا شرعاً واجب الحصول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جنگ لڑنے والوں کی سزا چار حدود شرعیہ میں سے ایک حد ہے، لہٰذا اِس کو حاصل کرنا واجب ہے، اس لیے کہ جزا میں فعل اور مجزی بہ (سزا) کا مفہوم متحد ہو جاتا ہے، کیونکہ قتل، قطع اور صلب (سولی دینا) کے الفاظ فعل بھی ہیں اور جس چیز کے ساتھ سزا دی جاتی ہے (مجزی بہ) وہ بھی، اور یہ ﴿مِنَ النَّعَمِ﴾ کی طرح جسمانی اشیاء نہیں ہیں۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ اس آیت میں ان احکام خداوندی سے مطلع کیا گیا ہے جن کو انجام دینے کے لیے حاکمِ وقت مامور ہے، یہ ان احکام میں سے نہیں جن کو حاکم اپنی صوابدید کے مطابق انجام دے سکتا ہے اور ترک بھی کر سکتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے گناہگاروں کے بارے میں ایسے احکام نہیں دیے جن کو حاکم وقت انجام بھی دے سکتا ہو اور ترک بھی کر سکتا ہو۔ مزید برآں ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَهُمْ خِزْيٌ﴾ (ان کے لیے رسوائی کے موجب ہیں)

اور رسوائی سزا دینے سے ہوتی ہے نہ کہ اس کو ترک کرنے سے۔ مزید برآں اگر یہ سزا حاکم کی صوابدید پر منحصر ہوتی تو معاف کرنا زیادہ بہتر ہوتا۔ قرآن میں فرمایا:

۱۔ ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴾ [النحل: ۱۲۶]

"اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔"

۲۔ ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ [المائدۃ: ۴۵]

"جو اُسے معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔"

۳۔ ﴿وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا﴾ [النساء: ۹۲]

"اور دیت ہے جو اس کے اہل کو سپرد کی جائے گی۔"

مزید برآں حدیث نبوی اور اجماعِ امت میں ایسے بے شمار دلائل پائے جاتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حدود شرعیہ کا قائم کرنا سلطان پر واجب ہے، ہمارے علم کی حد تک کوئی شخص بھی ایسا موجود نہیں جو بعض قرآنی آیات کی بنا پر محاربین کی سزا کے وجوب کی مخالفت کرتا ہو، البتہ حدود شرعیہ کے معاملے میں اس نوع کا اختلاف ضرور پایا جاتا ہے کہ آیا ہر جرم کی سزا شرعاً متعین ہے، جیسا کہ مشہور ہے یا اس کا مدار و انحصار حاکم کی صوابدید اور مصلحت بینی پر ہے؟ پس وجوبِ جزا کے مسئلے میں طوالت سے کام لینے کی ضرورت نہیں، البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ دشنام دہندہ کی طے شدہ سزا قتل ہے، جس طرح ہم نے قبل ازیں بکثرت دلائل کی روشنی میں اسے ثابت کیا ہے۔ اس ضمن میں سلطان کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اگر چاہے اس کا ہاتھ کاٹ دے اور اگر چاہے جلاوطن کر دے، اور جب ان حدود شرعیہ میں سے اس کی سزا قتل ہے اور توبہ کرنے سے قبل وہ پکڑا بھی جا چکا ہے تو محارب ہونے کی صورت میں اُسے لازماً یہ سزا دی جائے گی۔

اب ہم پہلے مقدمے کی مزید توضیح کرتے ہیں، وہ مقدمہ یہ ہے کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے والوں اور خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے والوں میں سے ہے۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں:

دشنام دہندہ اللہ اور اُس کے رسول کے خلاف جنگ لڑنے والا ہے:

پہلی وجہ: اس کی پہلی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے بطریق عبداللہ بن صالح کاتبِ لیث از معاویہ بن صالح از علی بن ابی طلحہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اہل کتاب کی ایک قوم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین عہد و پیمان تھا۔ انھوں نے عہد کو توڑ ڈالا اور زمین میں فساد بپا کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اختیار دیا کہ اگر چاہیں انھیں قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو انھیں سولی دیں اور اگر چاہیں تو ان کے ہاتھ اور پاؤں طرف مخالف سے کاٹ ڈالیں۔

باقی رہا جلاوطن کرنا تو وہ یہ ہے کہ زمین میں دور بھاگ جائے، اگر توبہ کرنے کے لیے آئے اور اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور سابقہ جرم کی بنا پر اس کا مواخذہ نہ کیا جائے۔

اس آیت کا ذکر کرنے کے بعد دوسری جگہ فرمایا: جس نے مسلمانوں کے مرکز میں ہتھیار بلند کیے اور ڈاکہ ڈالا اور پھر اُسے پکڑ لیا گیا تو مسلمانوں کے حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر چاہے اُسے قتل کرے، اگر چاہے سولی دے اور اگر چاہے اس کا ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالے، پھر فرمایا: ﴿اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ یعنی انھیں دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف نکال دیا جائے، اگر تمھارے قابو پانے سے قبل

وہ توبہ کرلیں تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اسی طرح محمد بن یزید واسطی نے بطریق جویبر از ضحاک مذکورہ صدر آیات کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اہل کتاب کی ایک جماعت اور رسول کریم ﷺ کے مابین عہد و پیمان تھا، انھوں نے عہد توڑ کر زمین میں فساد مچایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اختیار دیا کہ اگر چاہیں انھیں قتل کریں یا سولی دیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دیں۔ ''نفی'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھاگ جائیں اور اُن پر قابو نہ پایا جا سکے۔ اگر توبہ کرنے کے لیے آئے اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور سابقہ جرائم کی بنا پر انھیں پکڑا نہ جائے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جو مسلم شخص کسی کو قتل کرے یا حد شرعی کا مرتکب ہو یا مسلمانوں کا مال لے اور مشرکوں کے پاس چلا جائے تو اس کی توبہ مقبول نہیں، حتیٰ کہ وہ لوٹ کر آئے، اپنا ہاتھ مسلمانوں کے ہاتھ میں دے اور بھاگنے سے قبل جو خون ریزی کی تھی یا کسی کا مال لیا تھا اس کا اعتراف کرے، خواہ اس کے پاس موجود ہو یا اس سے لے لیا گیا ہو۔

مذکورہ صدر ہر دو احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب معاہدین کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے عہد شکنی کر کے زمین میں فساد برپا کیا تھا۔ کلبی کی تفسیر میں بھی بطریق ابی صالح از ابن عباس اسی طرح منقول ہے، اگرچہ کلبی اگر روایت کرنے میں منفرد ہو تو اُسے تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اور وہ یہ کہ یہ آیت ایک قوم کے بارے میں اتری جس نے مسلمانوں سے صلح کر رکھی تھی۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ابو بردہ اسلمی، یعنی ہلال بن عویمر سے مصالحت کر رکھی تھی کہ نہ وہ آپ ﷺ کی مدد کرے گا اور نہ آپ کے دشمنوں کو مدد دے گا، نیز یہ کہ جو مسلم اس کے یہاں آئے گا وہ امن میں رہے گا اور کوئی اس پر حملہ نہیں کرے گا اور ان میں سے جو شخص مسلمانوں کے پاس جائے گا اس پر بھی حملہ نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی شخص ہلال بن عویمر کو رسول اکرم ﷺ کے پاس لے جائے گا تو بھی وہ مامون رہے گا۔

راوی کا بیان ہے کہ قبیلہ بنو کنانہ کے کچھ لوگ اسلام لانے کے ارادے سے قبیلہ اسلم کے یہاں آئے جو ہلال بن عویمر کی قوم کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، اس روز ہلال موجود نہ تھا۔ قبیلہ اسلم کے لوگوں نے حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال بھی لے لیا۔ رسول کریم ﷺ کو پتہ چلا تو جبرئیل نے آ کر واقعہ کی تفصیل بیان کی۔ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت ان معاہدین کے بارے میں اُتری جو اہل کتاب میں سے نہ تھے۔

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے (حسن کا قول بھی یہی ہے) کہ یہ آیت مشرکین کے

بارے میں نازل ہوئی، غالباً اس سے عہد شکنی کرنے والے لوگ مراد ہیں، جیسا کہ انھوں نے کہا، اس لیے کہ اصلی کافر پر یہ آیت منطبق نہیں ہوتی۔

جس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عہد شکنی کرنے والا مسلمانوں کو ایذا دینے کی وجہ سے اس آیت میں داخل ہے، وہ ہے جس کو ہم قبل ازیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کر چکے ہیں، اور وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ذمی کو لایا گیا جس نے ایک مسلمان عورت کو دھکا دیا اور وہ گر گئی تو وہ اس پر چڑھ گیا، چنانچہ حضرت عمر کے حکم سے اُسے سولی دے کر قتل کیا گیا، یہ اسلام میں پہلا مصلوب تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے لوگو! ذمیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان پر ظلم نہ کرو، جس نے ایسا کیا اس کے لیے کوئی ذمہ نہیں۔ اس روایت کو حضرت عمر سے عوف بن مالک اشجعی وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔

عبدالملک بن حبیب نے بسند خود عیاض بن عبداللہ اشعری سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت خچر پر سوار چلی جا رہی تھی کہ ایک کافر نے اُسے ٹھوکہ دیا، عورت خچر سے گر گئی تھی جس کی وجہ سے اس کا ستر کھل گیا۔ یہ واقعہ حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کافر کو اُسی جگہ سولی دے دو، ہم نے ان سے معاہدہ اس لیے نہیں کیا تھا، ہم نے ان سے معاہدہ اس لیے کیا تھا کہ ذلت قبول کر کے اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک مجوسی کے بارے میں، جس نے ایک مسلم عورت سے زنا کیا تھا، فرمایا کہ اُسے قتل کیا جائے، یہ نقضِ عہد ہے، اگر ایسا آدمی اہل کتاب میں سے ہو تو اُسے بھی قتل کیا جائے، ایک یہودی نے ایک مسلم عورت کے ساتھ زنا کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے سولی دے دیا اور کہا: یہ عہد شکنی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا: کیا آپ کے نزدیک اُسے سولی دے کر قتل کیا جائے؟ فرمایا: ''اگر کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پر عمل کرے تو اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔ اس طرح امام احمد نے اس حدیث پر کوئی تنقید نہ کی۔

دیکھیے حضرت عمر، ابو عبیدہ، عوف بن مالک اور ان کے معاصر سابقین اولین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ایسے آدمی کو قتل کرنے اور سولی دینے کو حلال سمجھتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ہم نے ان سے اس لیے معاہدہ نہیں کیا تھا کہ ایسا فساد بپا کریں، بے شک ان کا عہد ٹوٹ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ عہد شکنی کرنے والے کے بارے میں انھوں نے یہی تاویل کی تھی کہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف

جنگ اور فساد بپا کرنے کی کوشش ہے، بنا بریں ان کے قتل کرنے اور سولی دینے کو اُنھوں نے حلال ٹھہرایا ہے ورنہ ایسے آدمی کو سولی دینا جائز نہیں، ماسوا اُن لوگوں کے جن کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

دیگر (اکابر) نے کہا، جن میں ابن عمر، انس بن مالک رضی اللہ عنہم، مجاہد، سعید بن جبیر، عبدالرحمن بن جبیر، مکحول، قتادہ وغیرہم رحمہم اللہ شامل ہیں کہ یہ آیت قبیلہ عرینہ والوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام سے برگشتہ ہوگئے تھے۔ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ ہانک کر لے گئے، قبیلہ عرینہ والوں کا واقعہ مشہور ہے، دونوں احادیث کے درمیان کوئی منافات نہیں پائی جاتی، اس لیے کہ اسباب نزول بعض دفعہ متعدد ہوتے ہیں اور الفاظ کے مفہوم میں عموم پایا جاتا ہے (اس لیے وہ الفاظ جملہ اسباب نزول پر مشتمل ہوتے ہیں۔) عام علماء کا موقف بھی یہی ہے کہ یہ آیت مسلم، مرتد اور عہد شکنی کرنے والوں پر مشتمل ہے، جیسا کہ امام اوزاعی نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:

"یہ حکم اللہ نے اس امت کے بارے میں اور اس آدمی کے متعلق نازل فرمایا جو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہو یا ذمیوں میں سے ہو، خواہ اسلام پر قائم ہو یا اس سے برگشتہ ہو گیا ہو۔"[1]

کچھ احادیث صحیحہ حضرت علی، ابو موسیٰ، ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، جو اس امر کی مقتضی ہیں کہ اس آیت کا حکم ان لوگوں کے بارے میں ہے جو رہزنی یا اس قسم کے کام کر کے مسلمانوں سے جنگ آزما ہوں اور دین اسلام پر قائم ہوں، اسی لیے جمہور فقہائے صحابہ و تابعین اور اُن کے بعد آنے والے علماء اس آیت سے رہزنوں کی حد شرعی پر استدلال کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ عہد شکنی کرنے والا اور اسلام سے برگشتہ ہونے والا اپنی ضرر رسانی کی وجہ سے اس آیت میں داخل ہے، جیسا کہ ہم نے اس کے دلائل صحابہ و تابعین سے نقل کیے ہیں، اگرچہ اس میں بعض وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اسلام پر قائم ہیں۔ اور یہ دشنام دہندہ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کی وجہ سے عہد کو توڑنے والا ہے، لہٰذا وہ اس آیت میں شامل ہوگا۔

جو چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے ناقضینِ عہد فی الجملہ مراد ہیں یہ ہے کہ بنوقینقاع اور بنونضیر جب عہد توڑ کر دار الحرب چلے گئے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا اور جب بنوقریظہ اور بعض اہل خیبر نے عہد توڑا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کر دیا تھا، جب بعض لوگوں نے عہد توڑ کر مسلمان کو نقصان پہنچایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسے لوگوں کو قتل کیا اور سولی دیا تھا، پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] تفسير الطبري (١/ ٢٧٩، ٢٨٤)

اور آپ کے خلفاء کا حکم عہد شکنی کرنے والوں کے بارے میں وہی تھا جو اس آیت میں مذکور ہے، یہ حکم اس لائق ہے کہ یہ اطاعت خداوندی پر مبنی ہو، اس آیت میں دلیل موجود ہے کہ اس سے وہی لوگ مراد ہیں۔

عہد شکنی کرنے والا مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کے خلاف نبرد آزما ہے:

وجہ دوم: اس میں شبہ نہیں کہ ناقض عہد، مرتد اور موذی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والے ہیں۔ نقضِ عہد کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور مسلمانوں سے جنگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ حرب و پیکار ہے۔ بنا بریں جو شخص مسلمانوں سے ان کے دین کی وجہ سے لڑتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بالاولیٰ جنگ کرنے والا ہے، پھر یا تو اس وقت تک ان کے خلاف جنگ کرنے والا نہ ہوگا جب تک ان سے لڑے نہیں اور ان کی مدد سے باز نہ رہے یا اس وقت محارب کہلائے گا جب وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائے اور اپنا عہد توڑ ڈالے اگرچہ اُن سے جنگ آزما بھی ہو، پہلی بات تو صحیح نہیں، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ وہ عہد توڑ کر محاربین میں شامل ہوگیا، نیز اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ جو معاہد انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دے وہ محارب اور عہد شکنی کرنے والا ہے۔[1]

جس ذمی نے ایک مسلمہ سے بدکاری کا ارتکاب کیا تھا جبکہ اس کی سواری نے اُسے گرا دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُسے بدیں وجہ محارب قرار دیا تھا اور اُسے قتل کرنے اور سولی دینے کا حکم دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ محارب ہونے کے لیے مقاتلہ شرط نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو ضرر رساں افعال و اعمال کی وجہ سے عہد شکنی کرے وہ محارب ہے اور ان کے نزدیک اس آیت میں داخل ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ پھر تو اس سے لازم آتا ہے کہ جو شخص بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر عہد شکنی کا ارتکاب کرے اور قابو پانے پر وہ اسلام بھی لے آئے تو اُسے قتل کیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا قول یہی ہے اور آیت کا جو سببِ نزول ہم نے ذکر کیا ہے وہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ جب یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے فساد برپا کر کے عہد شکنی کی تھی اور ان ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''مگر وہ لوگ جو تمھارے قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں۔'' [المائدۃ: ٣٤] (اس آیت سے معلوم ہوا کہ قدرت کے بعد توبہ کرنے والے کو آیت کے حکم پر باقی چھوڑا گیا ہے۔)

---

[1] تاریخ طبري (١/ ٣٤١)

عہد شکنی کرنے والا کبھی اس پر محدود رہتا ہے اور گاہے اس سے بڑھ جاتا ہے:

وجہ سوم: ہر عہد شکنی کرنے والا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرتا ہے، اگر ایسا ہوتا تو اس کو قتل کرنا جائز نہ ہوتا، پھر اس کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ نقض عہد پر اکتفا کرے گا، بایں طور کہ دارالحرب کو چلا جائے گا یا اس پر مزید فساد کا اضافہ کرے گا۔ اگر پہلی صورت ہے تو اس نے صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کی تو یہ آیت میں داخل نہیں اور اگر دوسری صورت ہو تو اس نے جنگ کی اور خدا کی زمین میں فساد کی کوشش کی، مثلاً یہ کہ وہ کسی مسلم کو قتل کرے یا رہزنی کرے یا کسی مسلمان عورت کو چھین لے یا اللہ کی کتاب، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کو ہدف طعن وتنقید بنائے یا کسی مسلم کو دین سے برگشتہ کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص نے اپنا عہد توڑ کر اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کی اور مسلمانوں میں فساد پیدا کر کے خدا کی زمین میں فساد برپا کیا اور ان کے دین یا دنیا کو بگاڑا۔ یہ آیت میں داخل ہے، لہٰذا اِس کو قتل کرنا واجب ہے یا اسے قتل کرنے کے ساتھ ساتھ سولی بھی دی جائے، یا اسے جلا وطن کیا جائے، یا دارالحرب کو چلا جائے جبکہ اسے پکڑا نہ جا سکے اور اگر اُس نے رہزنی کی اور کسی کا مال لیا ہو تو اس کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے، یہ سزا اُس سے ساقط نہ ہوگی، الا یہ کہ پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لے اور مطلوب بھی یہی چیز ہے۔

دشنام دہندہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا دشمن ہے:

وجہ چہارم: دشنام دہندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والا اور خدا کی زمین میں فساد بپا کرنے والا ہے، اس لیے وہ اس آیت میں داخل ہے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عداوت رکھتا ہے وہ ان کے خلاف نبرد آزما ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی تھی اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''کون ہے جو مجھے میرے دشمن سے بچائے؟''[1] کئی طریقوں سے ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں اور جب یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن ہے تو یہ اُن کے خلاف برسر پیکا ہے۔

---

[1] المصنف لعبد الرزاق (٥/ ٢٣٧) رقم الحديث (٩٤٧٧) ابن حزم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (المحلی: ١١/ ٤١٣)

حدیث قدسی:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی رکھی تو اس نے مجھے جنگ کی دعوت دی۔''[1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

''تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے اور جس نے اللہ کے دوستوں سے دشمنی رکھی اس نے اللہ کو جنگ کی دعوت دی۔''[2]

جب اللہ کے کسی ایک دوست سے عداوت رکھنا اللہ کے خلاف اعلانِ جنگ کے مترادف ہے تو پھر اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو اس کے چیدہ و برگزیدہ احباب سے عداوت رکھتا ہو، وہ تو بلاشبہ سخت اعلانِ جنگ کرنے والا ہوگا اور جب وہ اللہ کے خلاف اس لیے جنگ کرتا ہے کہ وہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتا ہے تو وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بالاولیٰ اعلانِ جنگ کرنے والا ہے، پس ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے والا ہے۔

غیر نبی سے جنگ کرنے والا محارب نہیں ہے:

اگر سائل کہے کہ جو شخص غیر نبی کو گالی دے تو اُس نے اللہ کو جنگ کی دعوت دی، اس لیے کہ جب اس نے گالی دی تو گویا اس نے اس کے ساتھ عداوت رکھی، جیسا کہ تم نے ذکر کیا اور جب اس سے دشمنی رکھی تو اس نے اللہ کو جنگ کی دعوت دی، جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے مگر بایں ہمہ وہ محاربہ مذکورہ میں داخل نہیں، اس طرح دلیل ٹوٹ گئی، اس سے لازم آتا ہے کہ یہ محاربہ محاربہ بالید میں تبدیل ہوگیا۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ کئی وجوہ سے باطل ہے:

وجہ اول: اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بھی غیر انبیاء کو گالی دے وہ اُن سے دشمنی رکھتا ہو، کیونکہ یہ بات کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٥٠٢)

[2] سنن ابن ماجه (٣٩٨٩) یہ ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (الصحیحة للألباني، رقم الحدیث: ٢٩٧٥)

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب: ٥٨]

''وہ لوگ جو مومن مردوں اور عورتوں کو دکھ دیتے ہیں، بغیر اس کے کہ انھوں نے کوئی (جرم) کیا ہو، انھوں نے بہتان لگایا اور بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔''

اس سے قبل یہ فرمایا کہ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے اس پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مومن کو بعض اوقات اس کے کسی جرم کی وجہ سے بھی ایذا دی جاتی ہے اور وہ ایذا حق بجانب ہوتی ہے، مثلاً اس پر حد لگانا یا گالی کا بدلہ لینا وغیرہ مثل ایں، حالانکہ وہ اللہ کا دوست ہے اور جبکہ یہ بات بعض اوقات واجب اور بعض دفعہ جائز ہوتی ہے تو اس کو ایذا دینے والا اندریں حالت اس کا دشمن نہیں ہوگا کیونکہ مومن پر واجب ہے کہ مومن سے دوستی رکھے اور عداوت نہ رکھے، اگرچہ وہ اس کو اس بات کی شرعی سزا دے، جس طرح قرآن میں فرمایا:

﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ [المائدة: ٥٥]

''بے شک تمھارا دوست اللہ، اس کا رسول ﷺ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [المائدة: ٥٦]

''اور جو شخص اللہ، اُس کے رسول اور اہل ایمان سے دوستی لگائے۔''

وجہ دوم: جو شخص رسول کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور کو گالی دے تو گالی دینے کے باوجود کسی اور طریقے سے اس کے ساتھ دوستی بھی ہو سکتی ہے، اس لیے کہ اگر مسلم کو ناحق گالی دی گئی ہو تو یہ فسق ہے اور فاسق اہل ایمان سے دشمنی نہیں بلکہ دوستی رکھتا ہے، مومن کو گالی دینے کے ساتھ ساتھ اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ کسی اور طرح سے اس کے ساتھ دوستی لگانا بھی ضروری ہے، باقی رہا رسول کریم ﷺ کو گالی دینا تو آپ ﷺ کی نبوت کے عقیدے کے منافی ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ گالی دینے والا آپ ﷺ سے بیزار ہے اور آپ ﷺ سے دشمنی رکھتا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی عدمِ نبوت کا عقیدہ (حالانکہ وہ آپ ﷺ کو نبی کہتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ سے نبیوں جیسا سلوک کیا جائے) اس امر کا موجب ہے کہ آپ ﷺ سے حد درجہ کی عداوت رکھی جائے۔

وجہ سوم: اگر فرض کیا جائے کہ غیر نبی کو گالی دینا اس کے ساتھ عداوت رکھنا ہے مگر کوئی معین

شخص اس کے حق میں اس امر کی شہادت نہیں دیتا کہ وہ اللہ کا ولی ہے، ایسی شہادت جس سے یہ واجب ہو کہ اس پر ایسے احکام مرتب ہوں جو خون کو مباح کرنے والے ہوں۔ برخلاف اس کے کہ نبی کے لیے ولایت کی شہادت دی جائے (کہ وہ شہادت ہر حال میں صحیح اور درست ہے) چونکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ شہادت دی جاتی تھی کہ وہ ولایت کے مرتبے پر فائز ہیں، اس لیے ان کو گالی دینے والے کے بارے میں اختلاف رونما ہوا، جس پر ہم آگے چل کر روشنی ڈالیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

وجہ چہارم: اگر فرض کیا جائے کہ اس نے خدا کے ولی سے عداوت رکھی جس کا ولی ہونا معلوم ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے خلاف اعلانِ جنگ کیا مگر اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محاربہ کا ذکر نہیں ہے، آیت میں جس جزا کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے لیے ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلانِ جنگ کرے اور جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت رکھی اور جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھی اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلانِ جنگ کیا مگر اُس نے اللہ کے خلاف بھی اعلانِ جنگ کیا، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ بنا بریں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے والا ہوگا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلانِ جنگ صرف اللہ کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے سے خاص تر ہے اور جو حکم اخص کے ساتھ معلق ہو وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اعم کے ساتھ بھی معلق ہے، اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محاربہ اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی رسالت کا بھی مخالف ہے مگر کسی خاص ولی کی مخالفت کرنے سے رسالت کی مخالفت لازم نہیں آتی، برخلاف رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے کے (کہ اس سے رسالت پر طعن لازم آتا ہے)۔

وجہ پنجم: آیت میں جس جزا کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس شخص کے لیے ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرے اور خدا کی زمین میں فساد کی کوشش کرے اور جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرتا ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔ اس نے خدا کی زمین میں فساد کی کوشش بھی کی ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، مگر ولی کو گالی دینے والا اگرچہ اللہ سے جنگ کرتا ہے مگر اس نے فساد کی کوشش نہیں کی، اس لیے کہ زمین میں فساد کی کوشش یہ ہے کہ لوگوں کے دین و دنیا کو بگاڑا جائے، اس کا تحقق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کی صورت میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ولی کی ولایت پر ایمان لانا لوگوں پر واجب نہیں، البتہ نبی کی نبوت پر ایمان لانا ان پر واجب ہے۔

وجہ ششم: ولی کو گالی دینے والے کے بارے میں اگر فرض کیا جائے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرتا ہے تو اس کا ایک عام لفظ سے ایک دلیل کی وجہ سے نکلنا جو اسے واجب کرتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا اس سے نکل جائے، اس لیے کہ دونوں عداوتوں کا فرق ظاہر ہے اور جب قول عام سے ایک صورت کو خاص کر دیا جائے تو اس سے ایسی دوسری صورت مخصوص نہیں کی جا سکتی جو کسی اور دلیل کے بغیر اس کے مساوی نہ ہو۔

وجہ ہفتم: اس کو محاربہ بالید پر محمول کرنا دشوار ہے بجز حقِ ولی کے، اس لیے کہ جو شخص اپنے ہاتھ کے ساتھ عداوت کا اظہار کرتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ علی الاطلاق آپ کے حکم میں داخل ہو، مثلاً یہ کہ اُسے پیٹے وغیرہ، اس لیے کہ اس کے حق میں عداوت بالید اور عداوت باللسان دونوں یکساں ہیں۔ برخلاف نبی اکرم ﷺ کے کہ آپ ﷺ کے ساتھ عداوت بالید یا عداوت باللسان رکھنا برابر ہے، کیونکہ اس کا آیت میں داخل ہونا ممکن ہے، اور یہ دلیل سے ثابت ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ دشنام دہندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والا ہے تو وہ فساد کی سعی کرنے والا بھی ہے کیونکہ فساد کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ دنیوی فساد جو خون، مال اور شرمگاہوں سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۔ دینی فساد، جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہے اور آپ ﷺ کی توہین کرتا ہے وہ لوگوں کے دین کو بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے واسطے سے اُن کی دنیا کو برباد کرتا ہے، خواہ ہم فرض کریں کہ اس نے کسی کے دین کو بگاڑا بھی ہے یا نہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ [المائدۃ: ۳۳]

''اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''فساداً'' مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، آیت کے معنی یہ ہیں کہ زمین میں فساد کے لیے کوشاں ہیں۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ إِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ [البقرۃ: ۲۰۵]

''اور جب پھر جاتا ہے تو زمین میں فساد کی کوشش کرتا ہے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

سعی کے معنی عمل اور فعل کے ہیں، جس نے دین کو بگاڑنے کی کوشش کی تو اس نے خدا کی زمین میں فساد کی کوشش کی اگرچہ اس کی سعی ناکام ہو، بعض اہل علم کے نزدیک ''فسادًا'' مفعول مطلق یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، گویا عبارت یوں ہے: ''سعی في الأرض مفسداً'' جس طرح قرآن میں فرمایا:

﴿ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ [البقرة: ٦٠]

''زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔''

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ''جلس قعوداً'' کی طرح ہے (یعنی دوسرے فعل سے مفعول مطلق ہے۔) یہ بات ہر اُس شخص سے کہی جاتی ہے جو ایسا کام کرے جو فساد کا موجب ہو، اگرچہ اس کی سعی کارگر نہ ہو، اس لیے کہ لوگ اُسے قبول نہیں کرتے، جس طرح ڈاکو جبکہ کسی کو قتل نہ کرے اور نہ کسی کا مال لے، حالانکہ اگر اُس پر حد نہ لگائی جائے تو یہ عمل فساد فی النفوس سے خالی نہیں ہوتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ دین کو ہدفِ طعن بنانا اور لوگوں کی نگاہ میں رسول کریم ﷺ کی وقعت کو کم کرنا بہت بڑا فساد ہے، بالکل اسی طرح جیسے لوگوں کو آپ ﷺ کے اکرام و احترام کی دعوت دینا عظیم ترین صلاح و فلاح ہے، ظاہر ہے کہ فساد صلاح کی ضد ہے اور ہر قول یا عمل جس کو اللہ پسند کرتا ہو وہ صلاح ہے اور وہ قول یا عمل جس کو اللہ ناپسند کرتا ہو وہ فساد ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ [الأعراف: ٥٦]

''خدا کی زمین میں اصلاح کے بعد فساد بپا نہ کرو۔''

یعنی ایمان و طاعت کے بعد کفر و معصیت اختیار نہ کرو۔

فساد دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ فساد لازم جس کا فعل فَسَدَ يَفْسُدُ فَسَادًا آتا ہے۔

۲۔ فساد متعدی، اس کا مصدر بابِ افعال سے ''إِفْسَادًا'' آتا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا﴾ [البقرة: ٢٠٥]

''زمین میں فساد بپا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔''

یہاں فساد سے یہی (متعدی فساد) مراد ہے، اس لیے کہ یہاں فرمایا:

﴿وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ [المائدۃ: ۳۳]

''زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں۔''

یہ الفاظ اس شخص کے حق میں کہے جاتے ہیں جو دوسرے کو بگاڑے، اس لیے کہ اگر فساد بذات خود رونما ہوتا تو یہ الفاظ استعمال نہ کیے جاتے یہ الفاظ زمین کے بارے میں استعمال کیے جاتے ہیں جب انسان سے الگ ہو۔ قرآن میں فرمایا:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ﴾
[الحدید: ۲۲]

''کوئی مصیبت زمین پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔''

قرآن میں فرمایا:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ [حمٓ السجدہ: ۵۳]

''ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان کی جانوں میں دکھائیں گے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ [الذاریات: ۲۰، ۲۱]

''اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمھاری ذات میں۔''

مزید برآں دشنام دہندہ اور اس قسم کے لوگ رسول ﷺ کے تقدس کو پامال کرتے ہیں، آپ کی تنقیص کرتے، اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے مومن بندوں کو ایذا دیتے ہیں۔ دین اسلام کو مٹانے کے سلسلے میں دشنام دہندہ سب کفار و منافقین سے زیادہ جری ہوتا ہے۔ یہ اہل ایمان کو ذلیل کرنے، دین کی عزت کو زائل کرنے اور کلمۃ اللہ کو پست کرنے کا خواہاں اور متمنی ہوتا ہے اور فساد بپا کرنے کی یہ زبردست ترین کوشش ہے، اس کی مؤید یہ بات ہے کہ قرآن میں زیادہ تر جس فساد فی الارض کی سعی اور إفساد في الأرض کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے دین میں بگاڑ پیدا کرنا مراد ہے، پس اس سے ثابت ہوا کہ دشنام دہندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ لڑنے والا اور خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے والا ہے، لہٰذا وہ اس آیت میں داخل ہوگا۔

محاربہ کی دو قسمیں:

وجہ ہشتم: محاربہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ محاربہ بالید۔ ۲۔ محاربہ باللسان۔

اور محاربہ باللسان دین کے معاملہ میں بعض اوقات محاربہ بالید سے زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے، جس کی وضاحت پہلے مسئلے میں ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ محاربہ باللسان کرنے والوں کو بعض اوقات قتل کر دیا کرتے تھے اور محاربہ بالید کرنے والے کو زندہ رہنے دیتے، خصوصاً وہ محاربہ جو رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد بپا کیا جائے کہ وہ صرف زبان ہی سے ممکن ہے، اسی طرح اِفساد بعض دفعہ کبھی ہاتھ کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی زبان کے ساتھ، زبان کی وجہ سے ادیان و مذاہب میں جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ ہاتھ کے پیدا کردہ فساد سے کئی گناہ زائد ہے اور زبان ادیان و مذاہب کی جو اصلاح کرتی ہے وہ ہاتھ کی اصلاح سے کہیں زیادہ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف محاربہ باللسان شدید تر ہوتا ہے اور دین کی خرابی کے لیے جو کوشش زبان کے ساتھ کی جاتی ہے وہ پختہ تر ہوتی ہے، بنا بریں اللہ اور اس کے رسول کے دشنام دہندہ کو محارب اور مفسد کے نام سے پکارنا رہزن کو محارب کہنے سے اولیٰ تر ہے۔

محاربہ مسالمہ کی ضد ہے:

وجہ نہم: محاربہ مسالمہ کی ضد ہے، مسالمہ یہ ہے کہ فریقین ایک دوسرے کی ایذا سے سالم رہیں۔ جس کے ہاتھ اور زبان سے تم سلامت نہ رہو وہ تمھارے لیے مسالم نہیں ہے بلکہ محارب ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محاربہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو حکم دیا ہو اس کی مخالفت کی جائے، اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات سے مقابلہ محال ہے، پس جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دی اُس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے صلح نہیں کی، کیونکہ رسول کریم ﷺ اس سے سلامت نہیں رہے بلکہ اس کا رسول کریم ﷺ کو ہدفِ طعن بنانا اس حکم کی خلاف ورزی ہے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے دیا تھا، اس طرح اس نے زمین میں فساد برپا کیا، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

ہم پہلے مسئلے میں بیان کر چکے ہیں کہ گالی دہندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے

والا اور اُن کو دکھ دینے والا ہے اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والا ہے گویا وہ ان کے خلاف جنگ کرنے والا ہے، اس لیے کہ جنگ اور مخالفت برابر ہے۔ محاربہ کا لفظ حرب سے نکلا ہے، جس کے معنی چیرنے پھاڑنے کے ہیں، محراب کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ محراب دیوار چیر کر بنائی جاتی ہے، باقی رہا اس کا مفسد فی الارض ہونا تو بالکل وہ ظاہر ہے۔

واضح رہے کہ ہر وہ چیز جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گالی دینے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے وہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ ہے، اس لیے کہ نقضِ عہد کی حقیقت یہ ہے کہ ذمی محارب بن جائے تو اگر وہ گالی دینے سے محارب نہ بنتا ہو تو وہ ناقضِ عہد نہیں بن سکتا، قبل ازیں ہم اس پر گفتگو کر چکے ہیں جس کا اعادہ موجبِ طوالت ہونے کی وجہ سے یہاں موزوں نہیں ہے، اس لیے اس مقام کو دوبارہ دیکھ لیا جائے، اب صرف یہ بات باقی رہی کہ اس نے زمین میں فساد کی کوشش کی ہے، تو ''یہ عیاں راچہ بیان'' کی مصداق ہے۔

اس لیے کہ انبیاء و مرسلین کے بارے میں کلمۂ کفر وطعن کہنا اور اللہ کی کتاب، اس کے کے رسول ﷺ اور دین پر جرح وقدح کرنا اس قدر بڑا جرم ہے کہ کوئی گالی اس سے بڑھ کر فساد کی موجب نہیں ہوسکتی، قرآن کریم کی اکثر آیات إفساد في الأرض سے روکتی ہیں، اور اس سے انبیاء کو ہدف طعن بنانا مقصود ہے۔ جس طرح منافقین کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ [البقرة: ۱۱]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۲]

''خبردار! وہی ہیں فساد برپا کرنے والے۔''

یہاں فساد سے نفاق وکفر مراد ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ [الأعراف: ۵۶]

''زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ مچاؤ۔''

چونکہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والا اور زمین میں فساد کی کوشش کرنے والا ہے اس لیے وہ اس آیت میں شامل ہے۔ آیت کے الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ

اس میں دو طرح کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے:

ا۔ بعض لوگ اس آیت کو کفر، یعنی مرتدین اور عہد شکنی کرنے والوں کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔

۲۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت کا مفہوم عام ہے اور اس میں وہ مسلم شامل ہے جو اپنے اسلام پر قائم ہو یا کسی اور دین پر۔

ہمارے علم کی حد تک کسی نے بھی اس آیت کو اُس مسلم کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جو اپنے اسلام پر قائم ہو، پس اس کو اسلام کے ساتھ مختص کرنا خلاف اجماع ہے۔ جو لوگ اس آیت کو عام قرار دیتے ہیں، اور قتادہ وغیرہ بھی ان ہی میں سے ہے، کہتے ہیں:

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ﴾ [المائدة: ٣٤]

بطور خاص مشرکین کے بارے میں ہے۔ مشرکین میں سے جو کوئی مسلمانوں کی کوئی چیز لے اور فریقین اُن دنوں برسر پیکار ہوں، مشرک مسلمانوں کا مال لے یا خون بہائے اور پھر پکڑے جانے سے قبل فوت ہو جائے تو جو کام اس نے کیا وہ ہدر رہو گا، مگر وہ مسلم جو اپنے اسلام پر قائم ہے اس کے ساتھ محاربہ بالید کیا جائے گا، کیونکہ اس کی زبان مسلمانوں کے موافق ہے محارب نہیں۔ باقی رہا مرتد اور عہد شکنی کرنے والا تو اس کے ساتھ محاربہ کبھی بالید ہوگا اور کبھی زبان سے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ زبان سے محاربہ نہیں کیا جاتا تو وہ دلائل جو پہلے مسئلے میں گزرے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ محاربہ ہے، حالانکہ گفتگو یہاں یہ بات طے کرنے کے بعد ہوگی کہ گالی دینا محاربہ اور نقض عہد ہے۔

واضح رہے کہ اس آیت جامعہ میں مفسدین کی کئی انواع کا ذکر کیا گیا ہے، غور کرنے والے کے لیے اس آیت کی دلالت اپنے مفہوم پر واضح ہے اور کوئی چیز اس کے خلاف نہیں۔

اگر معترض کہے کہ محاربہ سے یہاں محاربہ بالید مراد ہے، اس کی دلیل آیت کریمہ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ ﴾ [المائدة: ٣٤] ہے کیونکہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جہاں مستثنیٰ ممتنع ہو اور دشنام دہندہ ممتنع نہیں ہے۔

کہا جائے گا کہ اس کا جواب کئی وجوہ سے ممکن ہے:

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ مستثنیٰ جب ممتنع ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی رہنے والا ممتنع ہو کیونکہ یہ جائز ہے کہ آیت ہر محارب کو شامل ہو، خواہ وہ محارب بالید ہو یا باللسان، پھر اس سے ممتنع کو مستثنیٰ کیا گیا جبکہ وہ قابو پائے جانے سے قبل توبہ کرے، پس جس پر مطلقاً قابو پایا گیا ہو اور ممتنع جبکہ قابو

پائے جانے سے قبل توبہ کرلے، دونوں باقی رہیں گے۔

دوسری وجہ: جو شخص بھی پکڑے جانے سے قبل توبہ کرلے تو اس نے قدرت پانے سے قبل توبہ کر لی۔ امام عطا رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو چوری کا مال لے کر آئے اور توبہ کرلے (تو کیا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟) عطاء نے کہا کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، پھر اس نے یہ آیت پڑھی:

﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ﴾ [المائدة: ٣٤]

''مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں قبل اس کے کہ تم اُن پر قابو پاؤ۔''

اور جو بھی پکڑا نہ جائے وہ ''ممتنع'' ہے، خصوصاً جبکہ پایا نہ جائے اور اس پر حجت قائم نہ ہو، اس لیے کہ وہ شخص اگرچہ مقیم ہے مگر اس امر کا امکان ہے کہ وہ چھپ جائے یا بھاگ جائے جس طرح صحرا میں رہنے والے کے لیے ممکن ہے، پس یہ ضروری نہیں کہ ہر مجرم کو پکڑا جا سکے۔ بعض اوقات صحرا میں رہنے والے کو تلاش کرنا مقیم کو تلاش کرنے سے آسان تر ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ اس کو چھپانے والا کوئی جھنڈ اور جنگل صحرا میں موجود نہ ہو، برخلاف اس کے جو شہر میں رہتا ہو اور بعض اوقات اُسے ٹھہرانے والا اس پر حد لگانے سے مانع ہوتا ہے، اور جو شخص بھی پکڑے جانے اور مقدمہ سلطان کی عدالت میں جانے سے قبل توبہ کرلے تو اس نے قابو پائے جانے سے قبل توبہ کرلی۔

مزید برآں جب پتہ چل جانے سے قبل توبہ کرلے اور حد اس پر ثابت ہوجائے تو اگر وہ بذات خود آجائے تو اس نے قدرت پانے سے قبل توبہ کرلی، اس لیے کہ شہادت کا اس پر قائم ہونا اس پر قدرت پانا ہے، اگر اس نے ان دونوں باتوں سے پہلے توبہ کرلی تو اس نے قطعاً قدرت پانے سے قبل توبہ کرلی۔

تیسری وجہ: زبان کے ساتھ جنگ کرنے والا ہاتھ کے ساتھ جنگ کرنے والے کی طرح کبھی تو طاقتور ہوتا ہے اور بعض اوقات ہاتھ کے ساتھ جنگ کرنے والا بہت سے لوگوں میں کمزور ہوتا ہے، جس طرح وہ شخص جو بہت سے لوگوں سے جنگ کرنے کے لیے اپنے آپ کو جنگ میں جھونک دے، قلیل ہوتا ہے، اسی طرح وہ شخص جو بہت سے لوگوں کے درمیان رہ کر کھلم کھلا گالیاں دے اور دوسروں کو نقصان پہنچائے، قلیل ہے۔ اکثر و بیشتر یوں ہوتا ہے کہ جو شخص کسی کو کمزور سمجھتا ہے وہ شمشیر بدست ہو کر اس پر حملہ آور ہوتا ہے، اسی طرح علانیہ دوسروں کو گالی دینے والا چھپ کر ایسے شخص سے یہ معاملہ کرتا ہے جس کو وہ پکڑ نہیں سکتا اور نہ ہی اس کا مقدمہ سلطان کی عدالت میں پیش کرکے اس کے خلاف شہادت قائم کرسکتا ہے۔

مذکورہ صدر آیت سے استدلال کرنے کے دو اور طریقے بھی ہیں:

پہلا استدلال:

یہ آیت ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو کر مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہوئے، ہمارے علم کی حد تک اس پر سب لوگوں کا اتفاق ہے، اگرچہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں بھی نازل ہوئی جو اسلام پر مقیم رہ کر مسلمانوں سے لڑتے تھے، اس لیے کہ ذمی جب آمادۂ پیکار ہو یا تو اس طرح کہ وہ مسلمانوں پر ڈاکہ ڈالے یا مسلم عورت کے ساتھ جبراً زیادتی کرے یا کوئی ایسا کام کرے تو وہ محارب ہو جائے گا۔ بنابریں اگر قابو پانے کے بعد توبہ کر لے تو جو قتل اُس پر واجب ہے وہ ساقط نہیں ہوگا، اگرچہ یہ مسئلہ متنازع فیہ ہے مگر اعتماد دلیل پر کیا جاتا ہے، پس رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا بالاولیٰ اس کا مستحق ہے اور یہ جائز نہیں کہ اس کا مال لینے کے لیے لڑنے والے کے ساتھ مخصوص کیا جائے، اس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے بغیر بھی اس کو محارب قرار دیا ہے، اسی طرح اس آیت کا جو سببِ نزول ہم نے بیان کیا ہے اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ انھوں نے کسی کو مال لینے کے لیے قتل کیا تھا اور اگر کسی کو قتل کیا بھی ہو تو اس کے قاتل سے قصاص ساقط نہیں ہوگا، جبکہ پکڑے جانے سے قبل وہ توبہ کر لے، اُس نے اس حال میں اس کو قتل کیا، جبکہ اس نے عہد کر رکھا تھا، یہ اسی طرح ہے جیسے اس نے مسلم ہوتے ہوئے قتل کیا ہو۔

علاوہ ازیں رہزنی یا تو نقضِ عہد کے لیے ہوتی ہے یا اُسے وہی سزا دی جائے جو مسلم کو بقائے عہد کے باوجود دی جاتی ہے، اگر پہلی صورت ہو تو رہزنی اور دیگر امور میں کچھ فرق نہیں جو مسلمانوں کی ضرر رسانی کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔ اندریں صورت جو اس طرح عہد شکنی کرے گا تو اس کی سزا، جو کہ قتل ہے، ساقط نہیں ہوگی، بشرطیکہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کر لے۔ اگر دوسری صورت ہو تو ذمی کا عہد رہزنی سے نہیں ٹوٹے گا، اس کے فاسد ہونے کی دلیل پیچھے گزر چکی ہے، علاوہ ازیں یہاں اس پر جو گفتگو کی گئی ہے وہ اسی پر متفرع ہے، لہٰذا اُس کو تسلیم کرنے کے بعد اس سے انکار کرنا درست نہیں ہے۔

دوسرا استدلال:

خداوند کریم نے توبہ قبل از قدرت و بعد از قدرت میں فرق کیا ہے، اس لیے کہ شرعی حدود کا معاملہ جب سلطان کی عدالت میں پہنچ جائے تو ان کا (نفاذ) واجب ہوتا ہے اور اس کو معاف کرنے اور سفارش کا امکان باقی نہیں رہتا، برخلاف اس صورت کے جبکہ یہ معاملہ اس کی عدالت میں پہنچا نہ ہو، نیز

اس لیے کہ قدرت سے پہلے جو توبہ کی جاتی ہے اختیاری ہوتی ہے، اور جو توبہ قدرت کے بعد کی جائے وہ جبر و اکراہ کے زیرِ اثر ہوتی ہے، مثلاً فرعون کی توبہ جب وہ ڈوبنے لگا اور اقوام مکذبہ کی توبہ جب ان کے یہاں عذاب آیا اور اس شخص کی توبہ جس پر نزع کا عالم طاری ہو اور کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور اُسے توبہ کا صحیح ہونا معلوم نہ ہوتا۔ کہ حد واجب ساقط ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قدرت پانے کے بعد کی توبہ اگر حد کو ساقط کر سکتی ہو تو حدود شرعیہ معطل ہو کر رہ جائیں اور فساد کے راستے وا شگاف ہو جائیں، اس لیے کہ ہر مفسد جب پکڑا جاتا ہے تو توبہ کی طرف مائل ہوتا ہے، برخلاف اس توبہ کے جو قدرت سے قبل انجام دی جاتی ہے کیونکہ وہ فساد کے بغیر شر کی بیخ و بُن کو کاٹ دیتی ہے۔

یہ معانی مناسبہ ہیں جن کے معتبر ہونے کی شہادت شارع نے اس اصل کے علاوہ دیگر اصول میں دی ہے، اس لیے وہ موافق و ملائم اور مؤثر اوصاف ہیں جن کے ساتھ احکام کو معلل کیا جا سکتا ہے، اور یہ اوصاف بذات خود دشنام دہندہ میں موجود ہیں، لہٰذا اگر پکڑے جانے کے بعد وہ توبہ کرے گا تو قتل اس سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کا اسلام لانا ہی اس گناہ سے توبہ کا مترادف ہے، چنانچہ ہر کافر کی توبہ کا یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ [التوبة: ٥]

''اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں۔''

اسی طرح دو جگہ فرمایا۔ اور مقدمہ عدالت میں لے جانے سے حد واجب ہوگئی، یہ جبر و اکراہ کی توبہ ہے اور اس کو قبول کرنے سے حدود شرعیہ کا معطل ہونا لازم آتا ہے، یہ حد اصلی حربی کافر کی توبہ سے ہمارے نزدیک نہیں ٹوٹتی کیونکہ وہ آیت میں داخل نہیں۔

نیز اس لیے کہ جب وہ قید ہونے کے بعد توبہ کرے گا تو اُسے رہا نہیں کیا جائے گا بلکہ غلام بنا لیا جائے گا، اور یہ اُن دو سزاؤں میں سے ایک ہے جو اُسے اسلام لانے سے قبل دی جاتی تھی، بخلاف ازیں دشنام دہندہ پر ایک ہی سزا تھی جو ساقط نہیں ہوئی، جیسے راہزن اور مجرد مرتد کی سزا جس نے فساد برپا کرنے کی کوشش نہیں کی، اس لیے وہ اس آیت میں شامل نہیں ہے۔

اور معنی و مفہوم کے لحاظ سے بھی اس پر نقض وارد نہیں ہوتا کیونکہ ہم اُسے تلوار کے سامنے اس لیے پیش نہیں کرتے ہیں تاکہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے بلکہ اس لیے قتل کرتے ہیں کہ وہ دین سے منحرف ہو کر اُس پر رُک گیا ہے، جب اس کی طرف لوٹنے کا ارادہ کرے گا تو وہ مقصود حاصل ہو جائے

گا جو ہم اس سے حاصل کرنا چاہتے تھے، اس سے وہ اعتراض بھی زائل ہوجائے گا جس کا ازالہ ہمارے لیے ممکن تھا، اس حد شرعی کا معطل کرنا یہ ہے کہ اس کو ارتداد پر رہنے دیا جائے اور سلطان کی عدالت میں اس کا مقدمہ نہ پہنچایا جائے، اس کے مجبور ہونے سے ہمارے مقصد میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی، اس لیے کہ ہم نے اس سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ طوعاً یا کرہاً اسلام کی طرف لوٹ آئے، مثلاً صلاۃ یا زکوۃ کی ادائیگی کے لیے ہم اس سے لڑیں اور وہ ان کو بخوشی یا ناخوشی ادا کرنے لگے تو ہمارا مقصد پورا ہوجائے گا مگر دشنام دہندہ اور اس قسم کے ایذا دہندگان کو ہم اس لیے قتل کرتے ہیں کہ انھوں نے تکلیف دی ہے، محض کفر کی وجہ سے نہیں، کیونکہ ان کے کفر کے باوجود ہم نے ان سے عہد لیا ہے، جب پکڑے جانے کے بعد اسلام لائے گا تو وہ کفر زائل ہوجائے گا، جس کے تنہا ہونے کی وجہ سے ہم نے اُسے سزا نہیں دی۔

باقی رہی ضرر رسانی اور ایذا رسانی تو وہ إفساد في الأرض ہے جس کا صدور اس سے ہوا، مثلاً رہزنی کر کے فساد برپا کرنا کہ اس کا ازالہ اس جبری توبہ سے ہوگا جو اس سے طلب نہیں کی گئی، اور آسے اس لیے قتل نہیں کیا گیا کہ وہ یہ کام کرے، بلکہ اس سے اس لیے لڑا گیا کہ وہ یا تو اسلام لائے یا بخوشی یا ناخوشی جزیہ ادا کرے مگر اس نے ناخوش دلی سے جزیہ اس لیے ادا کیا کہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچائے گا، اس کے باوجود اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور اس وجہ سے قتل کا مستحق ٹھہرا جب قابو پانے کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اسلام لایا تو وہ ایک محارب اور مفسد کی توبہ ہے، جو اس نے پکڑے جانے کے بعد کی ہے۔

ناقضِ عہد اور طعن کنندہ کفر کا امام ہے:

طریقِ دوم: قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴾ [التوبة: ۱۲]

''اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمھارے دین پر طعنے کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو (یہ بے ایمان لوگ ہیں) اور ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں ہے، عجب نہیں کہ اپنی حرکات سے باز آجائیں۔''

ابن عامر، حسن، عطا، ضحاک، اصمعی اور دیگر علماء نے ابوعمرو سے ''لا إیمان'' بکسرِ ہمزہ روایت کیا ہے جو کہ مشہور روایت ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طعن کنندہ کے خون کو

ایمان اور قسم کی کوئی چیز بھی نہیں بچا سکتی۔

اکثر قراء کی قراءت "لا أیمان لھم" ہے یعنی وہ اپنی قسموں کو پورا نہیں کرتے۔

ظاہر ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مستقبل میں وہ اپنی قسموں کو پورا نہیں کریں گے، اس لیے کہ ماضی میں قسم کا پورا نہ کرنا ثابت ہو چکا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ﴾ "اگر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں۔"

اس آیت سے مستفاد ہوا کہ قسم کو توڑنے والا اور طاعن امام فی الکفر ہے، اس کے ساتھ آئندہ معاہدہ نہیں کیا جائے گا۔

ابن عامر کی روایت کے مطابق معلوم ہوا کہ امام فی الکفر میں کوئی ایمان نہیں ہوتا، یہ ان کے ساتھ جنگ کرنے کی علت نہیں ہے، اس لیے کہ آیت کریمہ:

﴿فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ﴾ [التوبة: ١٢] "کفر کے اماموں کو قتل کرو۔"

اُن سے ایمان کی نفی کرنے میں "لا إیمان لھم" سے بلیغ تر ہے اور علتِ حکم پر زیادہ دلالت کرنے والی ہے تاہم عین ممکن ہے، واللہ اعلم، کہ آیت کا مطلب یہ ہو کہ ناقض عہد اور طاعن امام فی الکفر ہے، اور جس ایمان کا وہ اظہار کرتا ہے وہ قابلِ اعتماد نہیں، جس طرح اس کی وہ قسمیں بھروسہ کے لائق نہیں جو اس نے ماضی میں کھائی تھیں، اس لیے کہ "لا إیمان" لانفیِ جنس کے ساتھ نکرہ منفیہ ہے، یہ اس امر کا متقضی ہے کہ ان سے مطلقاً ایمان کی نفی کی جائے۔ اس سے واضح ہوا کہ عہد توڑنے والا اور دین پر طعن کنندہ امام فی الکفر ہے اور اظہارِ ایمان کے باوجود وہ واجب القتل ہے، اس کی مؤید یہ بات ہے کہ جب حالتِ کفر میں کوئی کافر بھی ایمان کا حامل نہیں ہوتا تو پھر کفر کے اماموں کی کیا حالت ہوگی؟ لہٰذا اُن لوگوں کی سلبِ ایمان کے ساتھ تخصیص کے لیے بھی کوئی موجب ہونا چاہیے اور دوسرا موجب تو کوئی ہے نہیں بجز اس کے کہ اُن سے مطلقاً ایمان کی نفی کی جائے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں سے ایمان کی توقع نہیں کی جاتی، لہٰذا اُن کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔

علاوہ ازیں اگر وہ ایمان کا اظہار بھی کریں تو صحیح نہ ہوگا، یہ اسی طرح ہے جیسے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"بوڑھے مشرکین کو قتل کر دو اور ان کے نوجوانوں کو باقی رہنے دو، اس لیے کہ بوڑھے کفر میں بہت پختہ کار ہو چکے ہیں۔"[1]

---

[1] سنن أبي داود مع بذل المجهود (١٢/ ٢٠١) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٦٣٢) علامہ ←

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اَجناد کے اُمراء، یعنی شرحبیل بن حسنہ، یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

''تم ایسے لوگوں سے ملو گے جن کے دماغ (عقل سے) خالی ہیں، ان کی گردنیں کاٹ دو، ان میں سے ایک آدمی کو قتل کرنا میرے نزدیک دوسرے ستر آدمیوں کو قتل کرنے سے بہتر ہے، اس لیے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: کفر کے اماموں کو قتل کر دو ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں تا کہ وہ باز آ جائیں اور اللہ تعالیٰ سب بولنے والوں سے زیادہ سچا ہے۔''[1]

اس لیے کہ عہد شکنی کرنے والوں اور دین پر طعن کرنے والے ائمہ کفر میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو سچے دل سے ایمان لایا ہو، برخلاف اس کے جس نے عہد نہ توڑا ہو یا عہد توڑا ہو مگر دین کو ہدفِ طعن نہ بنایا ہو یا طعن کیا ہو مگر عہد نہ توڑا ہو کہ بعض اوقات یہ لوگ ایمان کے حامل ہو سکتے ہیں۔ اس کی مزید توضیح ''لعلھم ینتھون'' سے ہو سکتی ہے، مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ لوگ عہد شکنی اور طعنہ زنی سے باز آ جائیں، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے، اس لیے کہ ''باز آنے'' کا پتہ تب چل سکتا ہے جب ایسے گروہ سے جنگ کر کے اُسے مغلوب کیا جائے یا ایسے آدمی کو پکڑا جائے جو باز آنے والا نہ ہو اور اُسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ اگر قابو پانے کے بعد اُسے زندہ چھوڑ دیا جائے تو اس قسم کے لوگ زندہ رہنے کی امید رکھیں گے اور باز نہیں آئیں گے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ اس آیت کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دھوکہ کر کے آپ کے ساتھ باندھے ہوئے عہد کو توڑ ڈالا تھا۔ انھوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو مدد نہیں دیں گے مگر اس کے عین برعکس کفار اور منافقین کی مدد سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے سے نکال دینا چاہا تھا۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ انھوں نے فریب دہی اور عہد شکنی کا آغاز کیا تھا، اس لیے ان سے لڑنے کا حکم دیا گیا۔ قاضی ابویعلی کہتے ہیں کہ اس طرح آیت کا سبب نزول زیر قلم مسئلہ سے ہم آہنگ ہوگا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، علماء کی ایک جماعت نے اس پر روشنی ڈالی ہے علماء

← البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن بصری رحمہ اللہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ضعيف أبي داود، رقم الحديث (٤٥٩)

[1] موطأ إمام مالك (٢/ ٤٤٧) تفسير ابن أبي حاتم (٢/ ٦٥٠) اس کی سند صحیح ہے۔

کی ایک جماعت کے نزدیک سورۃ التوبہ فتحِ مکہ اور تبوک کے بعد نازل ہوئی، اس وقت مکہ میں کوئی لڑنے والا کافر موجود نہ تھا، لہٰذا اس سے وہ نو مسلم مراد ہوں گے جنھوں نے اظہارِ اسلام کیا تھا، جب انھوں نے نفاق کا اظہار کیا تو اس وقت کفر کی قلت نہ رہی۔

اس کی تائید مجاہد اور ضحاک کی قراءت سے ہوتی ہے، کیونکہ وہ ﴿نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ﴾ بکسر الہمزۃ پڑھتے ہیں۔ بایں طور آیت اس مفہوم پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اپنا عہد توڑ ڈالا جو اس نے باندھا تھا اور دین پر طعنہ زن ہوا تو اس سے لڑا جائے۔

نیز فرمایا:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ [التوبة: ۱۱]

''اگر وہ توبہ کریں، نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔''

پھر فرمایا:

﴿وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ﴾ [التوبة: ۱۲]

''اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ عہد توڑنا توبہ کے بعد ہے، اس لیے کہ پہلی مرتبہ نقضِ عہد کی خبر پہلے دی جا چکی ہے، اور وہ مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾ [التوبة: ۱۰]

''یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں اور نہ عہد کا۔''

پیچھے گزر چکا ہے کہ ایمان سے عہود (عہد کی جمع) مراد ہیں۔ بنا بریں اس آیت میں عہد شکنی کرنے والے اور ایمان سے پھر جانے والے سب مراد ہیں، نیز یہ کہ جب کوئی شخص دین پر طعنہ زن ہو تو اس سے لڑا جائے کیونکہ اس میں ایمان باقی نہیں ہے، بایں طور آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ، اہل ایمان اور اہل ذمہ کو گالی دے کر دین پر طعن کرتا ہے نہ تو اس میں ایمان ہے اور نہ اس کے عہد کا کوئی اعتبار ہے، لہٰذا اُس کا خون اس کے بعد کسی طرح بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اگر سائل کہے کہ "لا إيمان لهم" کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اُن کے لیے امن نہیں ہے، یہ "آمن يؤمن إيمانا" سے مصدر ہے، جو "أخفته" (میں نے اُسے ڈرایا) کی ضد ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ [القريش: ٤] (اور ان کو خوف سے امن دلایا۔)

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اگر یہ قول صحیح ہو تو یہ بھی حجت ہے، اس سے یہاں یہ معنی مقصود نہیں کہ اُن کے لیے فی الحال امن نہیں ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ انھوں نے عہد کو توڑ دیا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کے لیے کسی حال میں بھی امن نہیں ہے، خواہ وہ حال کا زمانہ ہو یا مستقبل کا، لہٰذا اُس کو کسی وقت بھی امان نہیں دی جا سکتی بلکہ ہر حال میں قتل کیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ آیت میں قتال کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ قتل کا، اس کے بعد فرمایا:

﴿وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ [التوبة: ١٥]

''اور اللہ جس کی توبہ چاہے قبول کرے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اس کی توبہ پہلے ہی مقبول ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک طاقتور گروہ کا ذکر کیا گیا ہے جس سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ اللہ اہل ایمان کے ہاتھوں سے اُنھیں سزا دے گا اور مومنوں کو ان پر غلبہ عطا کرے گا، اس کے بعد اللہ جس کی توبہ چاہے گا قبول کرے گا، اس لیے کہ عہد شکنی کرنے والے جب طاقتور ہوں تو جو شخص اُن میں سے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لے تو حدود اس سے ساقط ہو جائیں گی، اسی لیے فرمایا کہ ﴿عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور یہ ان لوگوں کے بارے میں ہوتا ہے جن کی توبہ کے ساتھ اس کی مشیت وابستہ ہو۔

اس کی توضیح ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ ﴿وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ﴾ (باء کے ضمہ کے ساتھ) یہ جملہ مستانفہ ہے اور جوابِ اَمر کے دائرے میں داخل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جنگ کرنے سے توبہ مقصود نہیں اور نہ ہی یہ ان کے ساتھ جنگ کا حاصل ہے، ان کے خلاف نبرد آزما ہونے کا مقصد یہ ہے کہ وہ نقضِ عہد اور طعن سے باز آ جائیں، نیز یہ کہ اُن کو سزا دی جائے، ان کو رسوا کیا جائے اور ان پر غلبہ حاصل کیا جائے، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ عہد شکنی کرنے والے سے حد شرعی توبہ کا اظہار کرنے سے ساقط نہیں ہوتی کیونکہ اس نے توبہ کی وجہ سے قتل و قتال نہیں کیا۔

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ٧]

''اللہ کے نزدیک مشرکین کا کیسے عہد ہوگا۔''

اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَ اِنۡ نَّکَثُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَ طَعَنُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡکُفۡرِ ﴾ [التوبۃ: ۱۲]

''اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنا عہد توڑ ڈالیں اور تمھارے دین پر طعنہ زن ہوں تو کفر کے اماموں کو قتل کر دو۔''

اس آیت میں نقضِ عہد اور طعن فی الدین سے قبل اس توبہ کا ذکر کیا جو اُخوت کی موجب ہے۔

معاہد کے تین احوال:

۱۔ ہمارے ساتھ صحیح تعلقات استوار کرے تو ہم بھی اس کے ساتھ صحیح تعلقات استوار کریں گے، اس طرح وہ آزاد رہے گا مگر وہ ہمارا دینی بھائی نہیں ہوگا۔

۲۔ دوسری حالت یہ ہے کہ کفر سے توبہ کرے، نماز پڑھے اور زکوۃ ادا کرے، اس طرح وہ ہمارا دینی بھائی بن جائے گا۔

اسی طرح قرآن میں یوں نہیں فرمایا کہ اُن کا راستہ چھوڑ دو جس طرح اس سے پہلی آیت میں فرمایا، اس لیے کہ وہاں گفتگو محارب کی توبہ کے بارے میں ہو رہی ہے اور اس کی توبہ اس کی رہائی کی موجب ہے اور یہاں موضوعِ گفتگو معاہد کی توبہ ہے اور اس کا راستہ پہلے آزاد تھا اس کی توبہ دینی اخوت کی موجب ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴾ [التوبۃ: ۱۱]

''ہم اس قوم کے لیے آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو جانتی ہے۔''

اور وہ یہ کہ محارب جب توبہ کرتا ہے تو اس کو آزاد کرنا واجب ہے کیونکہ اس کی ضرورت صرف یہی ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تلوار سے ڈر گیا ہو، اس لیے وہ مسلم ہوگا نہ کہ مومن، لہٰذا اُس کی ایمانی اخوت ایمانی دلائل کے ظہور پر موقوف ہے۔

جس طرح قرآن میں فرمایا:

﴿ قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ لٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا ﴾

[الحجرات: ١٤]

"بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے۔"

اور معاہد جب توبہ کر لے تو ظاہری توبہ کے سوا کوئی چیز اُسے پناہ نہیں دے سکتی کیونکہ ہم نے اُسے توبہ پر مجبور نہیں کیا اور مجبور کرنا جائز بھی نہیں، پس اس کی توبہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے خوشی سے توبہ کی، اس لیے وہ مسلم اور مومن ہے، اور چونکہ سب مومن بھائی ہوتے ہیں لہٰذا وہ ہمارا بھائی ہے۔

۳۔ تیسری حالت یہ ہے کہ عہد کر کے اپنا عہد توڑ ڈالے اور ہمارے دین پر طعنہ زن ہو، لہٰذا اُس کے ساتھ نبرد آزما ہونے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے ایمان اور عہد کا کچھ اعتبار نہیں، اس سے جنگ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عہد شکنی اور طعن سے باز آ جائے نہ کہ صرف کفر سے، کیونکہ اس نے کفر کے باوجود ہمارے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور اس سے لڑنا جائز نہ تھا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ ایسے آدمی کا صرف کفر سے باز آنا اس کے ساتھ جنگ کرنے کا مقصود نہیں ہے، بخلاف ازیں اس کے ساتھ حرب و پیکار کا مقصد یہ ہے کہ نقضِ عہد اور طعن فی الدین کے ذریعے جو نقصان وہ مسلمانوں کو پہنچا رہا ہے اس سے رک جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان میں سے ایک کو، جو قابو آ جائے، قتل کر دیا اور ان کے نافرمان گروہ سے لڑ کر اُن کو سزا دی جائے، ذلیل کیا جائے اور اہل ایمان کو ان پر غالب کر دیا جائے، اس لیے کہ توبہ کو ایک حال کے ساتھ مخصوص کرنے کے معنی یہ ہے کہ وہ دوسری حالت میں جائز نہیں۔

ان کی سزا، رسوائی اور ان سے سینے کو شفا بخشنے کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا توبہ کو ایک مستقل جملے میں ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کی توبہ کے باوجود ان کے قبیح افعال کا انتقام لینا از بس ناگزیر ہے، برخلاف ان لوگوں کی توبہ کے جو اپنے عہد پر قائم ہیں، جو شخص پکڑا جائے اگر اس کی توبہ اس کے قتل کو ساقط کر دیتی تو وہ توبہ انتقام سے عاری ہوتی، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو نہ تو سزا دی جاتی ہے، نہ رسوا کیا جاتا ہے اور نہ ہی اُن سے سینے کو شفا ملتی ہے اور آیت میں جس بات کا حکم دیا گیا ہے یہ اس کے منافی ہے اور عہد توڑنے والے اور دین کو ہدفِ طعن بنانے والے ان لوگوں کی طرح ہو گئے جو دین سے برگشتہ ہو گئے تھے اور انھوں نے خون ریزی کی تھی، اگر وہ ایک شخص ہو تو اس کو قتل کرنا از بس ناگزیر ہے اگرچہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور اگر وہ قوت و شوکت سے بہرہ ور ہوں تو اُن سے لڑا جائے، اس کے بعد جو اُن میں سے توبہ کر لے اُسے قتل نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

طریقہ ثالثہ: قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ [النساء: ۱۸]

''اور توبہ اُن لوگوں کے لیے نہیں جو بُرے کام کرتے ہیں اور جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝ اٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ [یونس: ۹۰، ۹۱]

''جب وہ ڈوبنے لگا تو کہا: میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ جس پر کہ بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں، کیا اب! حالانکہ پہلے تو نے نافرمانی کی تھی اور تُو فساد بپا کرنے والوں میں سے تھا۔''

ان آیات سے استدلال کی تقریر قتلِ منافق کے تذکرے میں گزر چکی ہے، وہاں ہم نے حربی کافر، مرتد مجرد، منافق اور معاہدین میں سے مفسد کی توبہ کا فرق بیان کیا ہے، نیز ہم نے اس توبہ کا بھی ذکر کیا ہے جو عذاب کو دور کرتی ہے اور وہ توبہ جو انجام کار سودمند ہوتی ہے۔

طریقہ رابعہ: مندرجہ ذیل آیت ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ [الأحزاب: ۵۷]

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اور ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔''

قبل ازیں ہم نے ذکر کیا تھا کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں میں سے جو بھی ایذا دینے والا ہو اس کو علی الاطلاق قتل کیا جائے، نیز یہ کہ اہل ذمہ میں سے جو بھی ایذا دے اُسے موت کے گھاٹ اُتارا جائے، اس لیے کہ مذکورہ لعنت قتل کی موجب ہے، جیسا کہ کلام کے آخر میں فرمایا گیا ہے، اس کی وضاحت پیچھے گزر چکی ہے۔

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ آیت کریمہ:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا﴾ [النساء: ۵۲]

''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے تو کسی کو اس کا مددگار نہیں پائے گا۔''

کعب بن اشرف (یہودی) کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اس نے دین کو تنقید کی آماجگاہ بنایا، اس نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ عہد کیا مگر اُسے توڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اطلاع دی کہ کوئی اس کا مددگار نہیں، یہ بیان کرنے کے لیے کہ وہ ذمی نہیں کیونکہ ذمی کے مدد کرنے والے ہوتے ہیں۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ مسلم جو کفر کو چھپائے رکھتا ہو۔

۲۔ منافق ذمی جو محاربہ کو چھپاتا ہو۔

اور مسلمان کا کفر کی بات کرنا اسی طرح ہے جس طرح ذمی کا محاربہ کی بات کرنا، جو ہم سے عہد کرے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا نہیں دے گا، پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دے کر منافق ہو گیا تو وہ معاہدین کے اہل نفاق میں سے ہے، پس جو ان منافقین میں سے باز نہ آیا تو اللہ اپنے نبی ﷺ کو ان کے پیچھے لگا دیتا ہے اور وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے مگر تھوڑا، وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے ان پر لعنت برسے گی اور انھیں قتل کیا جائے گا، یہ آیت دونوں پر دلالت کرتی ہے۔

پہلی دلالت:

ایک یہ کہ ایسا شخص ملعون ہے، ملعون وہ ہوتا ہے کہ جہاں کہیں بھی ہو اُسے پکڑ کر قتل کر دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ اُسے حتمی طور پر قتل کیا جائے، اس لیے کہ انھیں کسی حالت میں مستثنیٰ نہیں کیا گیا جس طرح باقی صورتوں میں مستثنیٰ کیا گیا ہے، نیز اس لیے کہ آیت میں فرمایا: ﴿قُتِّلُوا﴾ آیت کے اس ٹکڑے سے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی امداد کا وعدہ کیا ہے اور اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ پکڑے جانے کی صورت میں اُن کو قتل کرنا ضروری ہے اور اگر اسلام لانے کی صورت میں قتل اُن سے ساقط ہو جاتا تو اس وعدے کا تحقق کبھی نہ ہوتا۔

دوسری دلالت:

دوسری دلالت یہ ہے کہ ان کا باز آنا اس حال میں مفید ہے جبکہ وہ پکڑے جانے اور قتل کیے جانے سے پہلے ہو، جس طرح محاربین کی صرف وہ توبہ مفید ہے جو ان پر قابو پانے سے پہلے کی ہو، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ ایذا رسانی کے نفاق، نفاق فی العہد اور نفاق فی الدین سے باز آ جائیں تو خیر ورنہ اللہ اپنے نبی ﷺ کو ان کے خلاف آمادہ کرے گا، پھر وہ (اس شہر میں) آپ ﷺ کے ساتھ نہ رہ سکیں گے، ان پر لعنت برسے گی اور انھیں پکڑ کر قتل کیا جائے گا، اور یہ طعنہ زن اور دشنام دہندہ باز نہ آیا یہاں تک کہ اُسے پکڑ لیا گیا، لہٰذا یہ واجب القتل ہے۔

تیسری دلالت:

آیت میں تیسری دلالت یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلم یا معاہد کو ایذا دیتا ہو جب وہ پکڑا جائے تو اُس پر اس ایذا کی حد لگائی جائے اور اب اس نے جو توبہ کی ہے اس کی وجہ سے وہ حد ساقط نہیں ہوگی، پس جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا ہے اس سے بطریق اولی یہ حد ساقط نہیں ہوگی، یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی حالت دنیا و آخرت میں بدتر ہوگی۔

دشنام دہندۂ رسول ﷺ کو حد شرعی لگا کر قتل کیا جائے:

طریقہ خامسہ: جو شخص رسول کریم کو گالیاں دیتا ہو اُسے حد لگا کر قتل کیا جائے نہ کہ محض کفر کی وجہ سے، اور جو قتل حد کی وجہ سے واجب ہوا ہو، نہ کہ محض کفر کی وجہ سے، وہ اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتا۔

یہ دلیل دو مقدموں پر مبنی ہے:

1۔ ایک یہ کہ محض رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے، جو کہ ارتداد اور نقض عہد کو مستلزم ہے، اُسے قتل کیا جائے، اگرچہ گالی دینا بھی اس کے قتل کو متضمن ہے کیونکہ بعض جگہ یہ صرف ارتداد اور صرف نقض عہد پر مشتمل ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس ذمی عورت کے خون کو ھدر قرار دیا تھا جو رسول کریم ﷺ کو اس اندھے کے یہاں گالیاں دیا کرتی تھی جو اس کے پاس قیام گزیں تھا۔[1] یہ نہیں ہوسکتا کہ اس عورت کو صرف نقض عہد کی وجہ سے قتل کیا گیا ہو، کیونکہ ذمی عورت کا عہد جب ٹوٹ جائے تو اسے لونڈی بنا لیا جاتا ہے

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٦٢)

اور اُسے قتل کرنا جائز نہیں، نیز عورت کو کفر اصلی کی وجہ سے بھی قتل کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ وہ مسلمانوں سے لڑتی ہو مگر یہ عورت مقاتلہ نہ تھی اور نہ ہی لڑنے والوں کی مدد کرتی تھی، جیسا کہ پیچھے گزرا، نیز یہ کہ اگر وہ لڑی ہوتی اور پھر اُسے قید کر لیا جاتا تو لونڈی بن جاتی اور بہت سے فقہاء کے نزدیک اُسے قتل نہ کیا جاتا، امام شافعی بھی ان ہی میں سے ہیں۔

خصوصاً جبکہ وہ لونڈی ہو تو اُسے قتل کرنا عورت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، نیز اس لیے کہ وہ ایک مسلم کی لونڈی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اس عورت کو قتل کرنا محض رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے ہے، یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ اُن جرائم میں سے ایک جرم ہے جو قتل کا موجب ہے، جس طرح کہ ایک ذمی عورت زنا کرے یا مسلمانوں پر رہزنی کرے یا کسی مسلم کو قتل کرے بلکہ یہ شدید تر ہے کیونکہ مرتد عورت کو قتل کرنے کے بارے میں ہماری مشہور کتب حدیث میں ایسی کوئی حدیث نہیں جیسی کہ گالی دینے والی ذمیہ عورت کے بارے میں موجود ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ بنو قریظہ والوں نے اپنا عہد توڑ دیا تھا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق (وہ اپنے قلعہ سے) اتر آئے تھے، حضرت سعد نے فیصلہ کیا تھا کہ ان کے لڑنے والوں کو قتل کیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے، یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"آپ رضی اللہ عنہ نے حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ کیا جو اُس نے سات آسمانوں سے نازل کیا۔"[1]

پھر رسول کریم ﷺ نے اُن کے مردوں کو قتل کیا اور بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا۔ عورتوں میں سے صرف ایک کو قتل کیا تھا جس نے قلعہ کے اوپر سے ایک مسلمان پر چکی کا ایک پاٹ گرا دیا تھا۔

اس طرح رسول کریم ﷺ نے ان بچوں میں جن سے صرف نقض عہد کا جرم سرزد ہوا تھا اور ان میں جنھوں نے عہد توڑنے کے ساتھ مسلمانوں کو نقصان بھی پہنچایا تھا، تفریق کی، اس ذمی عورت کا عہد صرف اس لیے نہیں ٹوٹا تھا کہ دار الحرب کو چلے جانے کی وجہ سے یہ مسلمانوں سے محفوظ ہوگئی بلکہ اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دے کر نقضِ عہد کیا تھا، علاوہ

[1] كتاب المغازي للواقدي (۲/ ۵۱۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرسل ہے۔ (فتح الباري: ۷/ ۴۲۱) الفاظ میں کمی وبیشی کے ساتھ بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ صحیحین میں اور حدیث مروی ہے، دیکھیے: صحیح البخاري (۳۰۴۳) صحیح مسلم (۱۷۶۸)

ازیں اس نے خدا کی راہ سے لوگوں کو روک کر اور دین کو طعن کی آماجگاہ بنا کر خدا کی زمین فساد برپا کرنے کی سعی کی تھی، جس طرح چکی کا پاٹ گرانے والی عورت نے کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اُس کو محض نقض عہد کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا تھا اور یہ مسلمان بھی نہ تھی تا کہ یہ کہا جاتا کہ ارتداد کی وجہ سے اس کو قتل کیا گیا اور نہ ہی یہ اس عورت کی مانند تھی جس نے جنگ لڑی ہو اور پھر اُسے قیدی بنا لیا گیا، تا کہ یہ کہا جا سکتا کہ صرف قیدی بننے سے یہ لونڈی بن گئی، لہٰذا اُسے قتل نہیں کیا جائے گا، یا کہا جائے کہ اُسے آدمیوں کی طرح قتل کیا جا سکتا ہے، جب اسلام لائے گی تو اسلام اس کے خون کو بچا لے گا، اور دو وجہ سے لونڈی بن کر رہے گی:

۱۔ ایک یہ کہ جو گالیاں یہ دیا کرتی تھی وہ مشرکوں یا عام مسلمانوں کو نہیں دیا کرتی تھی تا کہ یہ کہا جا سکے کہ ایک لحاظ سے جنگ میں یہ بھی کفار کی اعانت ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ گالیاں دیتے وقت یہ محفوظ نہ تھی بلکہ اس وقت اس پر قابو پایا جا سکتا تھا اور اس کا حال اس سے پہلے اور اس کے بعد یکساں تھا۔

پس گالی دینا اگرچہ جنگ کے مترادف ہے مگر یہ حرکت ایک محفوظ عورت سے صادر نہیں ہوئی جسے بعد میں قیدی بنا لیا گیا، بلکہ یہ حرکت ایسی عورت سے صادر ہوئی جو حکم کی پابند تھی اور ہمارے اور اس کے درمیان ذمے کا عہد تھا، ظاہر ہے کہ گالی دینا ان امور میں سے ہے جو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہیں اور یہ عظیم تر فساد فی الارض ہے کیونکہ اس میں ایمان کی ذلت اور کفر کی عزت پائی جاتی ہے، اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس عورت کو کفر اور نقض عہد کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا اور نہ اس لیے کہ قابو پانے سے پہلے اس نے مسلمانوں سے جنگ لڑی تھی، لہٰذا ثابت ہوا کہ اُسے حدود شرعیہ میں سے ایک حد کی وجہ سے قتل کیا گیا اور جو قتل حد کی وجہ سے واجب ہو محض کفر کی وجہ سے نہیں وہ اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتا۔ مثلاً زانی یا رہزن اور قاتل وغیرہ اہل فساد کی حد۔

اور جس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ گالی دینا یا تو جنگ کے مترادف ہے یا ایک پُر فساد جرم ہے اور جنگ نہیں، اگر یہ جنگ یا فساد فی الارض کی سعی ہے تو اس کا صدور ایک ذمی سے ہوا ہے یا مسلم سے، اور ذمی جب جنگ کرتا ہے اور خدا کی زمین میں فساد کی کوشش کرتا ہے تو واجب القتل ہو جاتا ہے اگرچہ وہ قابو پائے جانے کے بعد مسلمان کیوں نہ ہو جائے، اس کی یہ جنگ اس کے قتل کی موجب ہے، اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس عورت کی جنگ اس کے قتل کی موجب ہے اور اگر یہ

مفسدانہ جرم ہے اور قتال نہیں ہے اور یہ بھی قتل کا موجب ہے تو بھی پکڑے جانے کے بعد بالا ولیٰ اُسے قتل کیا جائے گا، جس طرح دیگر جرائم میں، جو قتل کے موجب ہیں، مجرم کو قتل کیا جاتا ہے، یہ مسلمہ حقیقت ہے اور اس کا مدار و انحصار ایک حرف پر ہے، اور وہ یہ کہ گالی دینا اگرچہ زبان کا فعل ہے مگر حدیث سے ثابت ہے کہ یہ ایک طرح کا فساد اور قتال بالاعضاء والجوارح بلکہ اس سے بھی شدید تر ہے، اور اسی بنا پر اس عورت کو قتل کیا گیا۔ اس کی تکمیل یوں ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ گالی دینے والے کو نقض عہد کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے ان کا قول اس امر کا مقتضی ہے کہ اس عورت کا قتل جائز نہ ہو بلکہ اگر اس نے ہاتھ یا زبان سے جنگ لڑی بھی ہو اور پھر اُسے پکڑ لیا گیا ہو تو اس عورت کو ان لوگوں کے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا۔

جب حدیث نبوی ﷺ نے اس قول کے فساد و بُطلان پر دلالت کی تو دوسرے قول کی صحت معلوم ہوگئی کیونکہ دونوں کے مابین تیسرا قول کوئی نہیں، اس میں کسی کے نزدیک کوئی شبہ نہیں کہ جس شخص کو کسی جرم کی وجہ سے پکڑ کر قتل کیا جائے تو اس کا عہد ٹوٹنا اس سے واجب ہو جاتا ہے مگر اُسے محض نقضِ عہد کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کا قتل اسلام لانے سے ساقط نہ ہوگا، اسی لیے کہ اس جرم کا فساد اسلام لانے سے زائل نہ ہوگا۔

آپ دیکھتے نہیں کہ وہ جرائم جو عہد کو توڑنے والے ہیں، مثلاً رہزنی، قتلِ مسلم، کفار کے لیے جاسوسی، مسلم عورت کے ساتھ بدکاری، مسلم عورت کو گناہ کی زندگی گزارنے پر مجبور کرنا وغیرہ جب ذمی سے صادر ہوں تو جو (اہل علم) اس کو نقضِ عہد کی وجہ سے قتل کرنے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب وہ اسلام لائے گا تو میں اس کو اسی جرم میں پکڑوں گا، جس سے اس کو قتل کرنا اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے جبکہ ایک مسلم اسلام پر قائم رہتے ہوئے اس کا مرتکب ہو، مثلاً یہ کہ رہزنی کرتے ہوئے اس نے کسی کو قتل کیا ہو تو میں اُسے قتل کروں گا، اگر زنا کیا ہے تو اس پر حد لگاؤں گا یا کسی مسلم کو قتل کیا ہے تو میں اس سے قصاص لوں گا، اس لیے کہ اسلام لانے کی وجہ سے وہ مسلمانوں جیسا ہوگیا، لہٰذا اُسے کفر کی بنا پر قتل نہیں کیا جا سکتا۔

اور جو کہتا ہے کہ میں اُسے اس لیے قتل کروں گا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی اور خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کی ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر وہ پکڑے جانے کے بعد اسلام لائے اور توبہ کرلے تاہم میں اُسے قتل کروں گا، جس طرح ایک مسلم کو اس صورت میں قتل کرتا ہوں جبکہ وہ جنگ کرے اور پھر پکڑے جانے کے بعد توبہ کرلے، کیونکہ اپنا اسلام کسی حال میں بھی ان

حدود کو ساقط نہیں کرتا جو اس سے قبل واجب ہو چکی ہوں اگر چہ وہ ان حدود کے آغاز وجوب کو روکتا ہے۔

مثلاً ایک ذمی دوسرے ذمی کو قتل کر دے یا اُس پر بہتان لگا کر مسلمان ہو جائے تو اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور اگر وہ اُسے ابتداءً قتل کرے یا بہتان لگائے تو اس پر نہ حد واجب ہوگی نہ قصاص۔ اگر پکڑے جانے کے بعد توبہ کر لے تو حقوق اللہ اس سے ساقط نہیں ہوں گے، مثلاً رہزنی کرتے ہوئے قتل کر لے تو اسلام لانے کے بعد یہ جرم میرے علم کی حد تک اس سے ساقط نہیں ہوگا، اسی طرح اگر زنا کرنے کے بعد اسلام لائے تو اس کی حد قتل ہے جو اسلام سے پہلے اس پر واجب تھی، یہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی حد وہی ہے جو ایک مسلم کی ہوتی ہے، پس گالی کی حد، اگر یہ کسی انسان کا حق ہے، اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوگی اور اگر یہ اللہ کا حق ہے تو یہ نئے کفر اور اصلی محاربہ کی حد نہیں، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

اور نہ ہی بالاتفاق کفر اصلی کی حد ہے، لہٰذا یہ محاربہ موجبہ پر اللہ کی حد ہے، مثلاً عورت کو قتل کرنا، ہر قتل جو لڑنے والی ذمی عورت پر ازروئے حد شرعی واجب ہو اور قابو پائے جانے کے بعد وہ اسلام لے آئے تو بالاتفاق وہ ساقط نہیں ہوگی، اس لیے کہ ذمی عورت کو جب جنگ میں قتل نہیں کیا گیا تو وہ شخص بھی اُسے قتل نہیں کرے گا جو کہتا ہے کہ لڑنے والے ذمی کو صرف نقض عہد کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے۔

اور جو شخص حدیث نبوی کے مطابق اُسے قتل کرتا ہے تو اس کے نزدیک اس میں کچھ فرق نہیں کہ پکڑے جانے کے بعد اسلام لائے یا نہ لائے۔

واضح رہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ اس ذمی عورت کو قتل کیا جائے، اگر اسلام لے آئے تو قتل اس سے ساقط ہو جائے گا تو وہ اصول دین میں اس کی نظیر نہیں پائے گا کہ ایک ذمی صرف ہمارے قبضے میں ہے اور اُسے قتل کیا جا رہا ہے اور پکڑے جانے کے بعد اگر اسلام لائے تو قتل اس سے ساقط ہو جائے گا، دین کا کوئی اصول اس مسئلے پر دلالت نہیں کرتا اور کوئی حکم جب کسی اصلی کسی نظیر سے ثابت نہ ہو تو اُسے سینہ زوری پر محمول کیا جائے گا اور جو شخص کہتا ہے کہ اُسے بہر حال قتل کیا جائے، اس کی نظیر موجود ہے، جس پر ہم اُسے قیاس کرتے ہیں اور وہ ہاتھ سے لڑنے والی عورت، نیز زانیہ اور اس جیسی عورت ہے۔

طریقہ سادسہ: چھٹا طریقہ بنتِ مروان کے قتل سے استدلال ہے اور وہ اسی طرح ہے جیسے اس واقعہ سے استدلال ہے، کیونکہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ وہ صلح کرنے والوں سے تھی اور اُسے صرف گالی دینے کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ اس مسئلہ کی تقریر حسبِ سابق ہے۔

دشنام دہندۂ رسول ﷺ کو امان نہیں دی جا سکتی:

طریقہ سابعہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کعب بن اشرف کی خبر کون لے گا کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے؟''[1]

قبل ازیں وہ معاہد تھا، پھر رسول کریم ﷺ کی ہجو کہا کرتا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول کریم ﷺ کے حکم سے اس کو اچانک قتل کیا تھا، حالانکہ رسول کریم ﷺ نے (یہود) کے خون اور مال کو یہ سمجھتے ہوئے امان دی تھی کہ ان کے ساتھ کیا گیا عہد ابھی باقی ہے، نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کعب کے پاس اس طرح گئے تھے جس طرح کہ اُسے امان دی گئی ہو اور اگر کعب صرف محارب کافر کی طرح ہوتا تو اس کو قتل کرنا جائز نہ تھا، اس لیے کہ اُسے امان دی گئی تھی، اس لیے کہ اگر تم حربی سے ایسی بات کہو یا ایسا کام کرو جس کو وہ امان سمجھے تو وہ اس کے لیے امان ہوتی ہے، اسی طرح ہر وہ شخص جس کو امان دینا جائز ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کی ہجو کہنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینے کی صورت میں کسی امان اور عہد کا انعقاد نہیں ہوتا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا قتل حدود شرعیہ میں سے ایک حد تھی، جس طرح رہزن کو قتل کیا جاتا ہے، کیونکہ ایسے آدمی کو امان دینے کے باوجود قتل کیا جاتا ہے، جس طرح زانی اور مرتد کو امان دینے کے باوجود قتل کیا جاتا ہے، الغرض ذمی پر جو حد بھی واجب ہو وہ اسلام لانے کے ساتھ بالاتفاق ساقط نہیں ہوتی۔

رسول کو ایذا دینا وجوبِ قتل کی علت ہے:

طریقہ ثامنہ: یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینا وجوبِ قتل کی علت ہے، بایں طور کفر و ارتداد محض کے علاوہ یہ قتل کی ایک اور علت ہے، اس لیے کہ حکم کے بعد وصف کا بحرف الفاظ ذکر کرنا اس کے علت ہونے کی دلیل ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا رسانی قتل، نقض عہد اور ارتداد کی موجب ہے۔

اس کی مزید توضیح یوں ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا رسانی اس کے قتل کی موجب اس لیے ہے کہ وہ غیر معاہد کافر ہے تو حکم کو وصف اعم کے ساتھ معلّل کرنا واجب ہے کیونکہ اعم جب مستقل بالحکم ہو تو اخص غیر مؤثر ہوتا ہے، جب اس کے قتل کو وصف اخص کے ساتھ معلّل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اس کو قتل کا حکم دینے میں مؤثر ہے، خصوصاً رسول اکرم ﷺ کی گفتگو میں جن کو جوامع

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥١٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٠١)

الکلم سے نوازا گیا تھا اور جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا رسانی اس کے قتل میں مؤثر ہے تو توبہ کرنے کے باوجود اس کو قتل کرنا واجب ہے، جیسا کہ ہم نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے مسلم کے بارے میں ذکر کر چکے ہیں۔

بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا رسانی اس کے متعلق قتل کی موجب ہے، مسلمانوں کے نزدیک یہ مسلمہ بات ہے کہ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تو اگر اس موذی کی سزا توبہ سے ساقط ہوجاتی تو ان دونوں سے بھی ساقط ہوجاتی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ [الأحزاب: ۵۷]

”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے، ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

بطور خاص اس موذی کے بارے میں فرمایا:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا﴾ [النساء: ۵۲]

”یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ کی لعنت ہو تو اس کے لیے کوئی مددگار نہ پائے گا۔“

قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایسا ملعون اگر پکڑا جائے تو یہ لعنت اس کے قتل کی موجب ہوگی، نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایذا دینے والوں کا ذکر کر کے فرمایا:

﴿ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا﴾ [الأحزاب: ۵۸]

”اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں اس کام کی جو انھوں نے نہیں کیا تو انھوں نے اٹھایا بہتان اور گناہ ظاہر۔“

ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں اُن کی سزا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینے

والوں کی سزا بالاولیٰ ساقط نہیں ہوگی، اس لیے کہ قرآن نے اس پر روشنی ڈالی ہے کہ یہ لوگ دنیا و آخرت میں بدترین حال والے ہیں تو اگر ہم توبہ کی وجہ سے ان کی سزا کو ساقط کر دیں تو پھر تو وہ اچھے حال والے ہو جائیں گے۔

ہمارا مخالف صرف ایک بات کہہ سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس کی سزا قتل کی وجہ سے مغلظ ہو چکی ہے، اس لیے کہ یہ لوگ مرتدین کی ایک نوع میں شامل ہیں اور ناقضِ عہد اور کافر کی توبہ کفر سے قبول کی جاتی ہے اور سزا اُس سے ساقط ہو جاتی ہے، برخلاف اس شخص کے جو اپنے فسق کی وجہ سے ایذا دیتا ہو۔

اس کے جواب میں اُسے کہا جائے گا کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کے قتل کا موجب صرف کفر ہو مگر یہ حدیث نبوی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے قتل کا موجب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینا ہے اور یہ کفر کے عموم سے اخص ہے، جس طرح زنا، سرقہ، شراب نوشی اور رہزنی عمومِ معصیت سے اخص ہے اور شارع نے قتل کے حکم کو اس وصف اخص پر مرتب کیا ہے، جس کی نسبت کفر کی باقی انواع کی طرف وہی ہے جو ایذائے مومنین کی معاصی کی دیگر انواع کی طرف ہے، پس اس نوع کا الحاق باقی انواع کے ساتھ اس چیز کو جمع کرنا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے الگ الگ کیا ہے، اور یہ قیاس فاسد ہے، جس طرح ان لوگوں نے قیاس کیا تھا کہ بیع بھی تو ربا کی مانند ہے، ضروری بات یہ ہے کہ ہر نوع کو حکم میں اس کا جو حصہ ہے وہ دیا جائے، جس طرح کی شارع نے اس کی ان اسماء و صفات مؤثرہ کے ساتھ معلق کیا ہے جن کو معتبر سمجھنے پر اس کا حکیمانہ کلام دلالت کرتا ہے، اس کی سزا کے آغاز میں شدید ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آخر میں بھی وہ سختی باقی رہے، بلکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سزا مطلقاً سخت ہو، جبکہ جرم عظیم ہو اور تمام کفار کی سزا اِبتداءً سخت نہیں ہے اور انتہا کا بھی یہی حال ہے، اس لیے کہ وہ جزیہ اور غلامی کا اقرار بھی کر سکتے ہیں اور سزا کی قدرت رکھنے کے باوجود کسی مصلحت کی بنا پر ان کو معاف بھی کیا جا سکتا ہے، مگر یہ اس کے خلاف ہے۔

مزید برآں جبکہ اس کے قتل کی موجب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اذیت رسانی ہے، لہٰذا وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف لڑنے والا اور خدا کی زمین پر فساد کی کوشش کرنے والا ہوگا۔ اور کعب بن اشرف والی روایت میں رسول اکرم ﷺ نے اس طرف اشارہ کیا ہے اور اس وصف پر وہ سزا مرتب کی گئی ہے، اور اس کا ارتکاب کرنے والے کی سزا حتمی ہے، الّا یہ کہ پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لے۔

ہجو گوئی کرنے والی عورتوں کے خون کو رسول کریم ﷺ نے ھدر قرار دیا تھا:

طریقہ تاسعہ: ہم رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث نقل کر چکے ہیں کہ فتح مکہ والے سال آپ ﷺ نے چند خواتین کے خون کو اس لیے ھدر قرار دیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کو اپنی زبان سے ایذا دیتی تھیں، ان میں دو تو ابن خطل کی دو لونڈیاں تھیں، جو آپ ﷺ کو ہجو پر مشتمل اشعار گایا کرتی تھیں، ایک بنی عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی جو رسول کریم ﷺ کو ستایا کرتی تھی، ہم نے کھل کر بیان کیا ہے کہ ان کو حرب وقتال کے جرم میں قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ محض گالی دینے کے جرم میں ان کو قتل کیا گیا تھا، ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ ان کی دشنام طرازی ان کے قتال کے قائم مقام نہ تھی بلکہ اس سے غلیظ تر جرم تھا، اس لیے کہ فتح مکہ والے سال آپ ﷺ نے تمام لڑنے والے کفار کو امان دے دی تھی، ماسوا اُن لوگوں کے جن سے ایسا جرم سرزد ہوا ہو جو اُن کے قتل کا موجب ہو، نیز اس لیے کہ دشنام طرازی کا فعل اُن سے فتح مکہ سے پہلے سرزد ہوا تھا اور کسی غزوے میں عورت کو اس لیے قتل کرنا جائز نہیں کہ اس نے کچھ عرصہ پہلے لڑائی کی تھی، اب وہ اس سے رک گئی ہے اور اس جنگ میں پکڑی گئی ہے، ہم نے کھل کر بیان کیا تھا کہ ان عورتوں کو قتل کرنا اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ گالی دینے والی عورت کو قتل کیا جا سکتا ہے، خواہ وہ مسلمہ ہو یا معاہدہ، یہ امر کی قوی دلیل ہے کہ دشنام دہندہ عورت کو قتل کرنا جائز ہے اگرچہ وہ توبہ کر چکی ہو۔

اس حدیث کی دلالت چند وجوہ پر مبنی ہے:

پہلی وجہ: اس کافرہ کو اس لیے قتل نہیں کیا گیا کہ یہ مرتدہ تھی اور نہ مقاتلہ ہونے کی بنا پر، اس کے قتل کا موجب صرف یہ ہے کہ یہ خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے والی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والی تھی اور ایسی عورت کو توبہ کرنے کے بعد بھی قتل کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اس کو قتل کرنا کتاب وسنت اور اجماع کی رُو سے توبہ سے پہلے بھی جائز تھا۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ ان عورتوں کو یا تو حرب وقتال کی وجہ سے قتل کیا گیا یا کسی اور جرم کی وجہ سے جو قتل کا موجب تھا مگر وہ قتال کے سوا کوئی اور جرم تھا، اس لیے کہ محض کفر کے جرم میں قتل کرنا جائز نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔ اس کا جرم قتال ہے تو ذمی جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑے اور خدا کی زمین میں فساد کی کوشش کرے تو اس کو قتل کرنا ہر حال میں واجب ہے، جیسا

کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے، اور اگر کوئی اور جرم ہے جو خون کو مباح کرنے والا ہو تو وہ اولیٰ وافضل ہے۔ قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان عورتوں کو اس لیے قتل نہیں کیا گیا کہ انھوں نے فتحِ مکہ کے موقع پر جنگ میں حصہ لیا تھا بلکہ اس لیے قتل کیا گیا کہ انھوں نے گزشتہ زمانے میں قتال کا ارتکاب کیا تھا، اس لیے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان کو اصحابِ حُدود مسلمانوں یا معاہدوں کی طرح قتل کیا گیا۔

تیسری وجہ: ان میں سے دو لونڈیوں کو قتل کیا گیا اور تیسری چھپ گئی تھی، پھر نبی اکرم ﷺ سے اس کے لیے امان طلب کی گئی جو آپ ﷺ نے اُسے دے دی، اس لیے کہ آپ ﷺ اپنے دشنام دہندہ کو معاف کر سکتے تھے اور اُسے قتل بھی کر سکتے تھے، اور جن کے خون کو آپ ﷺ نے فتحِ مکہ والے سال ھدر قرار دیا تھا ان میں سے کسی کے خون کو معصوم نہیں ٹھہرایا گیا، ماسوا اُن کے جن کو آپ ﷺ نے امان دی، اس سے معلوم ہوا کہ صرف اسلام نے اس عورت کے خون کو نہیں بچایا، بخلاف ازیں آپ ﷺ کے معاف کرنے سے یہ معصوم الدم قرار پائی۔

الغرض، رسول کریم ﷺ کا ان عورتوں کو قتل کرنا اس امر کی قوی ترین دلیل ہے کہ گالی دہندہ کو ہر حال میں قتل کرنا جائز ہے، اس لیے کہ حربی عورت کے قتل کو مباح کرنے والا صرف قتال ہے، جب کوئی عورت جنگ میں شریک ہو اور دوسرے غزوے میں قتال کو ترک کر دے اور اطاعت شعار ہو جائے تو دوسری جنگ میں اُسے قتل کرنا جائز نہیں مگر بایں ہمہ رسول اکرم ﷺ نے ان عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

یہ حدیث دو وجوہ پر مبنی ہے:

وجہ اول: رسول اکرم ﷺ نے اہل مکہ سے معاہدہ کیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ زبانی ایذا دینے سے باز رہنے پر مشتمل تھا، بکثرت احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، اندریں صورت یہ وہ عورتیں تھیں جنھوں نے ہجو گوئی کر کے نقضِ عہد کیا تھا، یہ نقض عہد ان کی ہجو گوئی کے ساتھ مخصوص تھا، اس لیے رسول کریم ﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ ہجو گوئی کے باعث انھیں قتل کر دیں اگرچہ وہ توبہ کر لیں، اور یہ اس مسئلے کا سرِ عنوان ہے۔

وجہ دوم: رسول کریم ﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کی ہجو کہے اُسے قتل کر دیں، جبکہ وہ توبہ نہ کرے اور اُسے پکڑ لیا جائے اگرچہ وہ حربی کافر ہو، ہوسکتا ہے کہ گالی دینے والے کے بارے میں مطلقاً آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہو اس لیے کہ آپ ﷺ مصلحت سے بخوبی آگاہ و

آشنا تھے۔ جب رسول کریم ﷺ نے وفات پائی تو اس شخص کو قتل کرنا بھی حتمی ٹھہرا جس نے آپ ﷺ کو گالی نہ دینے کو اپنے اوپر واجب ٹھہرایا تھا، اور دشنام دہندہ حربی کافر بھی توبہ کرنے کے بعد دیگر حربی کافروں کی مانند تھا مگر یہ انداز استدلال ضعیف ہے کیونکہ اس میں حکم (شرعی) کو قیاس و احتمال سے ثابت کیا گیا ہے مگر پہلا قول قیاس سے ہم آہنگ ہے اور جو شخص ان لوگوں کے واقعہ پر غور کرتا ہے جن کے خونوں کو فتح مکہ کے موقع پر ھدر قرار دیا گیا تھا، اُسے معلوم ہے کہ وہ سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف لڑنے والے اور خدا کی زمین میں فساد کی کوشش کرنے والے تھے۔

رسول کریم ﷺ کا حکم دینا کہ دشنام دہندگان کو قتل کیا جائے اور دوسروں کو معاف کر دیا جائے:

طریقہ عاشرہ: رسول کریم ﷺ نے بیک وقت گالی دینے اور ہجو لکھنے والوں کی ایک جماعت کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ان لوگوں کو معاف کر دیا جو اُن سے کفر، قتال بالنفس والمال میں شدید تر ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس لیے کہ وہ دونوں آپ ﷺ کو ایذا دیتے، افترا پردازی کرتے اور طعن دیتے تھے، ان کے علاوہ عام قیدیوں کو زندہ رہنے دیا تھا۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ اس نے کہا تھا: اے گروہ قریش! یہ کیا بات ہے کہ تم میں مجھے باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''تمھاری افترا پردازی اور کفر کی وجہ سے تم سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔'' [1] ظاہر ہے کہ محض کفر سے قتل مباح ہو جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ پر دروغ بافی ایک اور قسم کی گالی ہے جو عموم کفر سے اخص اور قتل کی موجب ہے۔ افترا پردازی جہاں بھی ہوگی اس کے ساتھ وجوب قتل بھی پایا جائے گا۔

فتحِ مکہ والے سال رسول کریم ﷺ نے حویرث بن نقید، ابوسفیان بن حارث اور ابن زبعریٰ کے خون کو ھدر قرار دیا تھا، پھر اس کے بعد کعب بن زہیر وغیرہم کے خون کو ھدر قرار دیا، اس لیے کہ وہ رسول کریم ﷺ کو ستایا کرتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ نے اس شخص کے خون کو بھی ھدر ٹھہرایا جو مرتد ہوا اور جنگ کی، اور اس کا خون جس نے دین سے منحرف ہو کر افترا پردازی کی، اس کا خون جس نے مرتد ہو کر جنگ کی اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ستایا مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان تمام لوگوں کو امان دی جنھوں نے جنگ کر کے اپنا عہد توڑ دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو

---

[1] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یحییٰ بن سلمہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد: ٦/ ٩٢)

ایذا دینا بذات خود کفر، قتال بالنفس، رہزنی اور قتل نفس کے علاوہ اباحت قتل کا مستقل سبب ہے۔

آپ ﷺ کو جب ایسی بات کا پتہ چلتا تو جو حکم آپ ﷺ دیتے اور جس موقف پر آپ ﷺ قائم رہتے اور جس طرح مسلمانوں کو دیگر کفار کو چھوڑ کر صرف گالی دہندگان کے قتل پر اُبھارتے تھے اس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں حتی کہ گالی دہندہ کے خون کو آپ ﷺ کی معافی کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں بچا سکتی تھی۔ یہ طرز عمل اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ آپ ﷺ گالی دہندہ کو ان لوگوں میں شامل کرتے تھے جو قتل کے موجب افعال انجام دے چکے ہوں، مثلاً: رہزنی اور اس قسم کے دیگر امور و افعال۔ جو شخص سابق الذکر اور دیگر احادیث میں غور کرتا ہے یہ بات اس پر واضح ہو جاتی ہے، ایسا فعل اس کے فاعل کے قتل کو واجب کر دیتا ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا معاہد، اگر چہ اس نے پکڑے جانے کے بعد توبہ کر لی ہو، اور جب اس وجہ کو سابقہ وجہ کے ساتھ ملایا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ ایذا رسانی تنہا بھی قتل کا موجب ہو سکتی ہے، اس لیے نہیں کہ یہ قتال کی جنس سے ہے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ نے ان اشخاص کو بھی امان دے دی تھی جو جان و مال کے ساتھ آپ ﷺ کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔

پس اس عورت کو امان دینا جس نے ایک جنگ نما حرکت کی تھی اولیٰ ہے بشرطیکہ اس کا جرم قتال کی جنس سے ہو، نیز اس لیے کہ عورت کسی جنگ میں لڑ چکی ہو، پھر مسلمان کسی جنگ میں حصہ لیں اور انھیں معلوم ہو کہ اُس عورت نے موجودہ جنگ میں اپنے ہاتھ یا زبان سے حصہ نہیں لیا تو مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک اُسے قتل کرنا جائز نہیں۔

جہاں تک ان عورتوں کا تعلق ہے، انھوں نے فتحِ مکہ سے پہلے آپ ﷺ کو ایذا دی تھی، فتحِ مکہ کے موقع پر اُن پر لڑائی کا کوئی داغ (خواہ ہاتھ سے ہو یا زبان سے) نہیں لگا، بخلاف ازیں وہ فرماں بردار اور اطاعت شعار رہیں اگر انھیں معلوم ہوتا کہ اسلام کے اظہار و اعلان سے ان کی جان بچ جائے گی تو وہ اس کے اظہار میں امکانی عجلت سے کام لیتیں۔

تو کیا کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس عورت کو محاربہ ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے؟ خصوصاً امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کہ انھوں نے تصریح کی ہے کہ عورت اور بچے کو قتل کرنا جبکہ وہ جنگ میں حصہ لیں مسلمان حملہ آور کے قتل کی طرح ہے، اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ ان (عورت اور بچے) کو دور ہٹایا جائے گا اگر چہ اس کی نوبت ان کے قتل تک پہنچے، اگر ان کا دفاع قتل کے بغیر ممکن ہو، مثلاً قید کرنے

سے یا ترک قتال سے وغیرہ تو ان کو قتل کرنا جائز نہیں، جس طرح حملہ آور کو قتل کرنا جائز نہیں۔

جبکہ نبی اکرم ﷺ ان عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں جو آپ ﷺ کو ایذا دیتیں اور آپ ﷺ کی ہجوگوئی کرتی تھیں، حالانکہ اب انھوں نے یہ طرز عمل چھوڑ دیا تھا اور اطاعت شعار بن گئی تھیں بلکہ ان کی یہ دلی آرزو تھی کہ اگر اسلام ان کی جان بچا سکے تو وہ اس کا اظہار کر دیں، علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ نے تمام مقاتلین کو امان دے دی تھی تو اس سے معلوم ہوا کہ دشنام دہندگی تنہا ایک ایسا جرم ہے جو ہر ایک کے خون کو مباح کر دیتا ہے اور اس کے مرتکب کو چھوڑنا ذلت اور عاجزی کا آئینہ دار ہے، اس کی مؤید یہ بات ہے کہ رسول کریم ﷺ نے لڑنے والوں کے سوا سب اہل مکہ کو امان دے دی تھی، البتہ آپ ﷺ نے اس گروہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، خواہ انھوں نے لڑائی کی ہو یا نہ کی ہو، پس معلوم ہوا کہ ان عورتوں کو گالی دینے کی وجہ سے قتل کیا گیا، لڑنے کی وجہ سے نہیں۔

ابن ابی سرح کا واقعہ:

گیارہواں طریقہ: عبداللہ بن ابی سرح مرتد ہوگیا تھا اور اس نے جھوٹ باندھا تھا کہ رسول کریم ﷺ اس کو وحی کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ جو چاہتا ہے لکھ کر آپ ﷺ کو دے دیتا ہے، اس کے نتیجے میں رسول کریم ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا تھا، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اس کو قتل کرنے کی نذر مانی، پھر حضرت عثمان نے اُسے چند روز محبوس رکھا، یہاں تک کہ اہل مکہ مطمئن ہوگئے، پھر توبہ کرنے کے لیے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ ﷺ کی بیعت کرے اور آپ ﷺ سے امان طلب کرے، رسول اکرم ﷺ دیر تک خاموش رہے، بدیں امید کہ نذر ماننے والا یا کوئی اور شخص اُسے قتل کر کے اپنی نذر پوری کرے۔

یہ واقعہ اس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنے آپ ﷺ پر افترا کرنے والے اور طعن کرنے والے کو قتل کر سکتے ہیں کیونکہ وہ مباح الدم ہو جاتا ہے اگرچہ وہ آپ ﷺ کے پاس اپنے کفر اور افترا پردازی سے توبہ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہو، اگر اس کو قتل کرنا ناروا ہوتا تو آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ نہ فرماتے اور نہ ہی اس آدمی (نذر ماننے والے صحابی) سے کہتے کہ تُو نے اُسے قتل کر کے اپنی نذر پوری کیوں نہ کی؟

ہمارے علم کی حد تک اس ضمن مین کچھ اختلاف نہیں پایا جاتا کہ کافر اگر توبہ کا ارادہ کر کے اسلام

لانے کے لیے آیا ہو تو اُسے قتل کرنا جائز نہیں۔ اس مسئلے میں اصلی کافر اور مرتد کے مابین کچھ فرق نہیں، ماسوا اُس شاذ اختلاف کے جو مرتد کے بارے میں ہم نے ذکر کیا ہے، حالانکہ یہ حدیث اس اختلاف کا ابطال کرتی ہے بلکہ اگر کافر اس لیے آئے کہ اس پر اسلام پیش کیا جائے اور اُسے قرآن پڑھ کر سنایا جائے تو اس کو امان دینا واجب ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ﴾ [التوبة: ٦]

''اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اُسے پناہ دیجیے تاکہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اُسے اس کے جائے امن تک پہنچا دیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ﴾ [التوبة: ٥]

''اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دیجیے۔''

عبداللہ بن سعد توبہ کرنے کے لیے آیا تھا اور وہ نماز روزے کا پابند تھا، بلکہ اسلام لانے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، پھر رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ آپ ﷺ اس کو قتل کرنا چاہتے تھے، آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تم میں سے کوئی اُسے قتل کرنے کے لیے کھڑا کیوں نہ ہوگیا؟''[1]

نیز فرمایا:

''اور تُو نے اُسے قتل کر کے اپنی نذر کیوں نہ پوری کی؟''[2]

اس سے معلوم ہوا کہ موذی اور مفتری کو قتل کرنا آپ ﷺ کے لیے جائز تھا اگرچہ بظاہر وہ اسلام اور توبہ کا اظہار کرنے آیا ہو۔ اس میں ظاہر دلالت پائی جاتی ہے کہ آپ ﷺ پر افترا باندھنے والے اور ایذا

---

1. سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٥٩) سنن النسائي (٧/ ١٠٦) اس کی سند حسن ہے۔
2. طبقات ابن سعد (٢/ ١٤١) یہ ابن ابی سرح کے واقعہ کے متعلق الفاظ ہیں اور ان الفاظ کے ساتھ یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ضعف کی دو علتیں ہیں: (۱) علی بن زید کا ضعف جو ابن جدعان ہے۔ (۲) یہ روایت مرسل ہے۔ (الضعيفة، رقم الحديث: ٢٢٦٧)

دینے والے کو قتل کرنا آپ ﷺ کے لیے جائز تھا اگر چہ وہ اسلام اور توبہ کا اظہار کرتا ہو۔

اس سے ملتا جلتا یہ واقعہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے سفیان بن حارث اور ابن ابی امیہ سے بھی درگزر فرمایا، جبکہ وہ اسلام لانے کے لیے ہجرت کر کے آئے تھے یا اسلام لا چکے تھے۔ اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ دونوں رسول کریم ﷺ کو ایذا دیتے اور آپ ﷺ کی توہین کیا کرتے تھے، حالانکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ حربی کافر اگر اسلام لانے کے ارادے سے آئے تو اس کو قبول کرنے میں امکانی عجلت سے کام لینا چاہیے، اس میں تاخیر کرنا حرام ہے بلکہ بعض لوگوں نے اس ضمن میں تاخیر کو کفر قرار دیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ یہ تھی کہ جو بھی اسلام کا اظہار کرتا اس کو قبول کرنے میں عجلت سے کام لیتے اور لوگوں کو مال وغیرہ دے کر اسلام کی ترغیب دلاتے، یہ بات ''عیاں راچہ بیان'' کی مصداق ہے، جب (ان کا اسلام قبول کرنے میں) آپ ﷺ نے دیر لگائی اور ان کی طرف توجہ نہ دینے کا ارادہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ ایذا اور گالی دینے والے کو سزا دیں اگر چہ وہ اسلام لایا ہو اور ہجرت کر چکا ہو، آپ ﷺ کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ ایذا دہندہ سے اسلام اور توبہ بھی قبول نہ کریں، جو ایسے کافر سے قبول کی جاتی ہے جو ایذا نہ دیتا ہو، اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ گالی تنہا بھی سزا کی موجب ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے جس کو اہل مغازی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث سے کہا کہ رسول کریم ﷺ کے پاس منہ کی طرف سے آیئے اور وہ بات کہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہی تھی:

﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴾ [یوسف: ۹۱]

''اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی ہے، اگر چہ ہم خطا کار تھے۔''

کیونکہ آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص آپ سے زیادہ اچھی بات کرنے والا ہو، ابوسفیان نے اسی طرح کیا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾

[یوسف: ۹۲]

''آج کے دن تم پر کوئی عتاب نہیں، اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ سب رحم کرنے والوں

سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"[1]

یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی توہین کا مرتکب ہو آپ اُسے سزا بھی دے سکتے ہیں اور معاف بھی کر سکتے ہیں، جس طرح یوسف علیہ السلام کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے بھائیوں کو اُن اعمال کی سزا دیں جو انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیے تھے، مثلاً کنویں میں پھینکنا اور قافلہ والوں کے پاس فروخت کر دینا مگر اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے ان کو معاف کر دیا اور اگر اسلام لانے سے آپ ﷺ کے تمام حقوق ساقط ہو جاتے جس طرح اللہ کے حقوق ساقط ہوتے ہیں تو ایسی کوئی چیز بھی پیش نہ آتی اور اس وجہ کی تقریر آغاز کتاب میں گزر چکی ہے، وہاں ہم نے بیان کیا تھا کہ یہ اس بارے میں نص ہے کہ جو شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے اور رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے اس کو قتل کرنا جائز ہے، اسی وجہ سے گالی دینے والے معاہد کو قتل کیا گیا کیونکہ جرم کی نوعیت ایک ہی ہے۔

اس مسئلے کی مزید وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ طے شدہ بات تھی کہ حربی کافر جب اسلام کا اظہار کرے تو اس کو قتل کرنا ان پر حرام ہے، خصوصاً سابقین اولین صحابہ، مثلاً حضرت عثمان بن عفان یہی عقیدہ رکھتے تھے، اُنھیں یہ آیت معلوم تھی:

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ﴾ [النساء: ٩٤]

"اور جو شخص تمھیں سلام کہے اُسے یوں نہ کہو کہ تُو مومن نہیں ہے۔"

حضرت اُسامہ بن زید اور مقداد کا واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے، پھر جن لوگوں کے خون کو رسول کریم ﷺ نے ھدر قرار دیا تھا ان میں سے بعض کو قتل کیا گیا، بعض چھپ گئے یہاں تک کہ اہل مکہ مطمئن ہو گئے، اس نے رسول کریم ﷺ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ اُسے بیعت کر لیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل اسلام نے جان لیا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وغیرہ کا اسلام کا اظہار کرنے سے ان کی جان بچ نہیں سکتی جب تک رسول کریم ﷺ ان کو امان نہ دیں ورنہ ان کے لیے ممکن تھا کہ ان کو اسلام کے اظہار کا حکم دیتے اور پہلے دن ہی لوگوں کے سامنے آ جاتے۔

اور ظاہر بات یہ ہے، واللہ اعلم، وہ اسلام لے آئے تھے مگر بیعت میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ رسول کریم ﷺ ان کو امان دیں تو پھر بیعت کریں گے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ رسول کریم ﷺ ان کی گالیوں کی وجہ سے اظہارِ توبہ کے باوجود ان کو قتل کر سکتے تھے۔

---

[1] كتاب الفنون لابن عقيل (٢/ ٥٩٨)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ابن ابی سرح فتحِ مکہ سے پہلے مسلمان ہوگیا تھا، دیگر اہل علم نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، ابن ابی سرح اس وقت مشرف بہ اسلام ہوا تھا جب رسول کریم ﷺ ''مرّ ظہران'' کے مقام پر تھے۔

یہ جو کچھ انھوں نے ذکر کیا ہے وہ اس مسئلے میں نص کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی اقرب الی الحق ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ جب ''مرّ ظہران'' میں نزول فرمائے اجلال ہوئے تو قریش کو پتہ چل گیا، ابن ابی سرح کو اپنے گناہ کا علم تھا، اس لیے ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت اسلام لایا ہو جب اُسے پتہ چلا کہ رسول کریم ﷺ نے اس کے خون کے ہدر قرار دیا ہے تو وہ چھپ گیا حتی کہ اس کے لیے امان طلب کی گئی۔ اس حدیث میں غور وفکر کرنے والے کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ اس کو قتل بھی کر سکتے تھے اور اُسے امان بھی دے سکتے تھے اور صرف اسلام لانے سے اس کا خون محفوظ نہیں رہ سکتا، یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔

اس واقعہ میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے پاس اس کی سفارش کے لیے حاضر ہوئے تھے، رسول کریم ﷺ کافی دیر تک خاموش رہے اور کئی دفعہ اس سے اعراض بھی فرمایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر جہت سے آتے مگر اُن سے اعراض کرتے، بدیں امید کہ کوئی صحابی آ کر اسے قتل کر دے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندریں اثنا رسول کریم ﷺ پر جھکے ہوئے آپ ﷺ کا سر چوم رہے تھے اور آپ ﷺ سے یہ درخواست کرتے تھے کہ عبداللہ بن ابی سرح کو بیعت کر لیں اور یاد دلاتے تھے کہ آپ ﷺ کی امت کے بھی آپ ﷺ پر حقوق ہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شرم آنے لگی، اس لیے آپ ﷺ نے بیعت کا وعدہ کر کے ان کی مقصد برآری فرمائی، حالانکہ آپ ﷺ یہ بات کرنا نہیں چاہتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کو قتل کرنا آپ ﷺ کا حق تھا مگر آپ ﷺ اُسے معاف بھی کر سکتے تھے اور کسی سفارشی کی سفارش کو بھی قبول کر سکتے تھے اور اگر چاہیں تو ایسا نہیں بھی کر سکتے تھے اور اگر اسلام لانے سے عبداللہ کی جان بچ سکتی تو اُسے سفارشی کی ضرورت بھی نہ تھی اور سفارش کو رد کرنا بھی جائز نہیں۔

اس واقعہ میں یہ بات بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ عبداللہ آپ ﷺ سے بھاگ جائے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نے اُسے بیعت کر کے اُسے امان نہیں دی؟'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں مگر اُسے اپنا عظیم جرم یاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''دین

اسلام پہلے گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے۔“[1]

اس میں اس واقعہ کا واضح بیان ہے کہ عبداللہ کا یہ خوف کہ رسول کریم اُسے قتل کروا دیں گے، رسول کریم ﷺ کی امان اور بیعت سے زائل ہوگیا، صرف اسلام لانے کی وجہ سے نہیں، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ نے ان کے قتل کا خوف امان دے کر زائل کر دیا تھا اور گناہ کا خوف اسلام لانے سے دور ہوگیا۔

قارون کا موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دینا اور اُس کا انجام:

جو حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے ایذا دینے والے کو موت کی سزا بھی دے سکتے ہیں، اگرچہ موذی توبہ اور ندامت کا اظہار بھی کرتا ہو، وہ ہے جس کو حماد بن مسلمہ نے بروایت علی بن زید بن جدعان از عبداللہ بن حارث بن نوفل روایت کیا ہے کہ قارون موسیٰ علیہ السلام کو ستایا کرتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، اس کی ایذا رسانی اس حد تک پہنچی کہ اس نے ایک زانیہ عورت سے کہا کہ کل کو جب لوگ میرے پاس جمع ہوں تو تم نے آ کر کہنا ہے کہ موسیٰ مجھے چاہتے ہیں۔ جب اگلا روز آیا اور لوگ جمع ہوگئے تو وہ آئی اور اس نے راز کے طور پر قارون سے ایک بات کہی، پھر لوگوں سے کہا کہ قارون مجھے اس طرح کہتا ہے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے کچھ نہیں کہا، موسیٰ علیہ السلام کو جب اس بات کا پتہ چلا تو وہ محراب میں نماز ادا کر رہے تھے، وہ سجدے میں گر پڑے اور کہا: ”اے میرے رب! قارون نے مجھے بہت ستایا ہے اور میرے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا ہے اور اس کی ایذا رسانی کی حد یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اس نے کہا جو کہا۔“

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی: ”اے موسیٰ! میں نے زمین کو حکم دیا ہے کہ تیری اطاعت کرے۔“ اور قارون کا ایک بالا خانہ تھا جس پر اس نے سونے کی سلیں نصب کر رکھی تھیں، موسیٰ علیہ السلام قارون کے پاس آئے اور اس کے خدم و حشم بھی موجود تھے۔ اس نے قارون سے کہا کہ تمھاری ایذا رسانی کی حد یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ تُو نے مجھے اس طرح سے کہا ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی: اے زمین! ان کو پکڑ لے، چنانچہ زمین نے اُن کو ٹخنوں تک پکڑ لیا، انھوں نے آواز دی، اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب سے دعا کر کہ ہمیں اس عذاب سے نجات دے، ہم تجھ پر ایمان لائیں گے اور تمھاری اطاعت کریں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا: اے زمین! انھیں پکڑ لو، چنانچہ زمین نے اُن کو پنڈلیوں کے نصف تک پکڑ لیا، وہ پھر بولے اور کہا: اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کرو

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۱)

کہ ہمیں اس عذاب سے نجات دے ہم تجھ پر ایمان لائیں گے اور تمھاری پیروی اور اطاعت کریں گے۔ (پھر تیسری دفعہ) موسیٰ نے کہا: اے زمین! ان کو پکڑ لو، چنانچہ زمین نے ان کو زانوؤں تک پکڑ لیا، موسیٰ علیہ السلام بدستور کہتے رہے: اے زمین! ان کو پکڑ لے یہاں تک کہ وہ اوپر سے مل گئی اور وہ پکارتے رہے، پھر اللہ نے وحی فرمائی: ''اے موسیٰ علیہ السلام! تم کس قدر سنگدل ہو، اگر وہ مجھے پکارتے تو میں انھیں خلاصی دے دیتا۔''[1]

عبدالرزاق نے اس کو بطریق جعفر بن سلیمان از علی بن زید بن جدعان روایت کیا ہے۔ اس روایت میں زیادہ تفصیل ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ عورت نے کہا کہ قارون نے بلا بھیجا اور پھر مذکورہ بالا بیان سے زیادہ تفصیل ذکر کی۔ قارون نے کہا: کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے مال دار بنا دوں، بہت کچھ دوں اور اپنے حرم سرا میں داخل کر لوں، بدیں شرط کہ تُو میرے پاس ایسے وقت میں آئے جبکہ سرداران بنی اسرائیل میرے یہاں موجود ہوں تُو نے مجھ سے کہنا ہوگا کہ اے قارون! کیا تُو موسیٰ کو مجھے ستانے سے روک نہیں سکتا؟

آج کے دن میں نے اس سے بڑی توبہ نہیں پائی کہ اللہ کے دشمن (قارون) کو جھٹلاؤں اور اللہ کے رسول کو بری ٹھہراؤں، راوی نے کہا کہ قارون نے پھر اپنا سر جھکا لیا اور اُسے پتہ چل گیا کہ وہ ہلاک ہونے والا ہے، یہ بات لوگوں میں پھیل گئی، حتی کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی پہنچی، موسیٰ علیہ السلام ذرا سخت طبیعت آدمی تھے، جب یہ بات ان کو پہنچی تو وضو کیا اور سر بہ سجود ہو کر رونے لگے اور کہا: ''اے میرے رب! تیرا دشمن قارون مجھے ایذا دیا کرتا ہے، پھر انھوں نے چند باتوں کا ذکر کیا، وہ پھر بھی باز نہ آیا اور مجھے رسوا کرنا چاہا، اے میرے رب! مجھے اس پر مسلط کر دے۔'' اللہ نے انھیں وحی کی کہ زمین کو جو حکم چاہو دو، وہ تمھاری اطاعت کرے گی۔ موسیٰ علیہ السلام چل کر قارون کے پاس گئے، جب قارون نے آپ کو دیکھا تو ان کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں تھے، قارون نے کہا، اے موسیٰ علیہ السلام! مجھ پر رحم فرمائیے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''اے زمین! اس کو پکڑ لے، اس کا گھر ہلا'' اور قارون کو اس کے رفقاء سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا اور اس کا گھر بھی اسی قدر زمین میں دھنس گیا۔ قارون کہے جا رہا تھا: اے موسیٰ! مجھ پر رحم کر، اے موسیٰ! مجھ پر رحم کر، اور موسیٰ علیہ السلام فرماتے: اے زمین! ان کو پکڑ لے اور یہ واقعہ تا آخر ذکر کیا، تو یہ ہے اصل واقعہ۔[2]

---

[1] تفسیر مجاھد (ص: ٤٩١) اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

[2] تفسیر الطبري (٢٠/ ١١٨)، تفسیر ابن أبي حاتم (٢/ ٤١٩) امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس کی سند میں بھی ابن جدعان ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا جب اُن کو کسی شخص کا یہ قول پہنچا کہ اس تقسیم میں رضائے الٰہی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا:

''معاف کیجیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بڑھ کر ستایا گیا مگر انھوں نے صبر سے کام لیا۔''[1]

پس یہ واقعہ، اس کے باوجود ہم نے رسول کریم ﷺ کے جو حالات ذکر کیے ہیں، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایذا دینے والے کو جیسی سزا چاہیں دے سکتے ہیں اگر چہ وہ توبہ بھی کر لے، اور وہ معاف بھی کر سکتے ہیں جس طرح دوسرے انسانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے مگر انبیاء علیہم السلام ایذا دہندہ کو قتل اور ہلاکت کی سزا بھی دے سکتے ہیں مگر دوسرا کوئی شخص اپنے دشمن کو یہ سزا نہیں دے سکتا۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء کے موذی کی سزا شرعی حدود میں سے ایک حد ہے نہ کہ محض کفر کی وجہ سے، اس لیے کہ کافر کی سزا بلاشبہ توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے قارون نے ایسے وقت میں توبہ کی تھی جبکہ توبہ اس کے لیے نفع بخش تھی، اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا: ''اگر وہ مجھے پکارتے تو میں انھیں خلاصی دے دیتا۔'' اور ایک جگہ یہ الفاظ ہیں کہ میں ان پر رحم فرماتا۔ اور اللہ اس لیے رحم فرماتا، واللہ اعلم، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل ان کی ایذا سے راضی ہو جاتا، جس طرح اللہ کسی بندے پر رحم کرنا چاہے گا تو جن بندوں پر حقوق ہیں اُن سے بندے کے حقوق معاف کروائے گا اور پھر صاحب الحقوق کے حق اپنی طرف سے ادا کر دے گا۔

بارہواں طریقہ: قبل ازیں انس بن زنیم کی روایت پہلے گزر چکی ہے، اس کے بارے میں ذکر کیا گیا تھا کہ اس نے رسول کریم ﷺ کی ہجو کہی، پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام لانے پر اور بری الذمہ ہونے پر ایک قصیدہ پڑھا، جس میں اس نے ذکر کیا تھا کہ وہ ان جرائم سے پاک ہے جو اس کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ اس نے مسلمانوں سے عہد بھی کیا ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں قدرے توقف فرمایا، وہ آپ ﷺ سے معافی کا خواست گار رہا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اُسے معافی دے دی، اگر اسلام لانے کے بعد بھی معاہد کو گالی کی سزا دینا جائز نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کی جان بخشی میں توقف نہ فرماتے اور نہ اس سے معافی منگوانے کی ضرورت محسوس کرتے۔

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کے اسلام لانے کے بعد بھی مجرم سے آپ ﷺ اپنا حق وصول کر سکتے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٢)

ہیں تو آپ ﷺ اُسے معاف نہ فرماتے، جس طرح آپ ﷺ اُس شخص کو معاف نہیں فرمایا کرتے تھے جو اسلام لاتا اور اس کے ذمے کوئی جرم نہ ہو۔

اس کی روایت پر غور کرنے والے کے لیے اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اگر کوئی معاہد رسول کریم ﷺ کی ہجو کہے اور پھر اسلام لائے تو اس کو قتل کرنا جائز ہے، بالکل اُسی طرح جیسے ابن ابی سرح کی روایت اس امر کی دلیل ہے کہ جو شخص مرتد ہو کر رسول کریم ﷺ کو گالی نکالے اور پھر اسلام لائے تو اُسے قتل کرنا جائز ہے، رسول کریم ﷺ کو جب پتہ چلا کہ اس نے آپ ﷺ کی ہجو کہی ہے اور اس نے اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ صلح کی ہوئی تھی اور فریقین کے مابین جو معاہدہ تھا اس میں یہ بات شامل تھی کہ رسول کریم ﷺ کو ایذا نہ دی جائے۔ اس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ جب قبیلہ بنو بکر والوں نے نقضِ عہد سے پہلے بنو خزاعہ کے آدمیوں کو قتل کیا تھا تو اس نے رسول کریم ﷺ کی ہجو گوئی پر مشتمل ایک قصیدہ کہا تھا اس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے اس کے خون کو ساقط کر دیا تھا، اس کے بعد اس نے ایک اور قصیدہ کہا جس میں اس نے اپنے آپ کو مسلم کہا تھا، اس قصیدہ میں اس نے "تعلم رسول اللّٰہ" اور "نبیء رسول اللّٰہ" کے الفاظ کہے۔

اس قصیدے میں اس نے ہجو گوئی پر مشتمل قصیدہ لکھنے سے انکار کیا تھا۔ اس نے اس قصیدے میں بد دعا کی کہ اگر میں نے آپ ﷺ کی ہجو کہی ہو تو میرے ہاتھ برباد ہو جائیں، جن لوگوں نے اس امر کی شہادت دی تھی وہ ان کو کاذب کہتا ہے، رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے آپ ﷺ کو اس قصیدے کا پتہ چل گیا اور یہ بھی کہ اس نے ہجو گوئی والے قصیدے سے معذرت کی ہے، قبیلے کے سردار نوفل بن معاویہ نے اس کی سفارش کی۔

نوفل وہی شخص تھا جس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ سب لوگوں سے زیادہ معاف کرنے والے ہیں اور ہم میں سے کون ہے جس نے آپ ﷺ کے ساتھ عداوت نہ رکھی ہو اور آپ ﷺ کو ستایا نہ ہو! دورِ جاہلیت میں ہمیں کچھ خبر نہ تھی کہ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں، حتی کہ آپ ﷺ کے ذریعے اللہ نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں ہلاکت سے چھڑایا۔ قافلے والوں نے آپ ﷺ پر جھوٹ باندھا اور بہت زیادہ تعداد میں آپ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"قافلے کا ذکر چھوڑیے، ہم نے تہامہ میں کسی قریب یا دور کے رشتہ دار کو نہیں دیکھا جو خزاعہ سے زیادہ اطاعت شعار ہو۔"

آپ ﷺ نے نوفل بن معاویہ کو خاموش کرا دیا، جب وہ خاموش ہوگیا تو فرمایا: ''میں نے اُسے معاف کیا''، نوفل نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔''[1]

اگر سابقہ اسلام اس کی جان کو بچا سکتا تو اُسے معافی کی ضرورت تھی نہ حد کی جس طرح ان لوگوں کو اس کی ضرورت نہ تھی جو اسلام لائے تھے، البتہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اسلام پہلے گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے۔'' صاحب شریعت نے بتایا کہ جس چیز کو عقل نے ساقط کیا وہ آپ ﷺ کا معاف کرنا ہے اور وہ اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد "عفوت عنه" (میں نے اُسے معاف کیا) یا تو اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اس کے خون کو جو ھدر کیا تھا اس سے اُسے بچا لیا یا اس کے یہ معنی نہیں ہیں، اور اگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں تو پھر "عفوت عنه" کا کچھ مطلب نہیں اور اگر اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے خون کو جو ھدر کیا تھا اس کو ساقط کر دیا تو اس سے قبل اگر کوئی مسلم اُسے اسلام لانے کے بعد اور رسول کریم ﷺ کے معاف کرنے سے پہلے قتل کر دیتا تو جائز ہوتا، اس لیے کہ قاتل نے رسول کریم ﷺ کے حکم کی پیروی میں معاف کرنے سے قبل اُسے قتل کر دیا، گویا کہ ابن ابی سرح کو قتل کرنے کا حکم آپ ﷺ کے معاف کرنے تک باقی تھا۔

رسول اکرم ﷺ نے اس بات پر ان کو ڈانٹا تھا کہ معاف کرنے سے قبل اُس کو قتل کیوں نہ کیا؟ یہ بات ان احادیث سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔ اگر مسلمانوں کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہوتی کہ جو معاہد آپ ﷺ کی ہجو کہے، پھر اسلام لائے تو اس کا خون محفوظ ہو جائے گا تو نوفل اور دوسرے اہل اسلام اس بات سے آگاہ ہوتے اور آپ ﷺ سے اسی طرح کہتے جس طرح کعب بن زہیر اور اس قسم کے لوگوں سے کہا تھا جنھوں نے حربی ہونے کی حالت میں آپ ﷺ کی ہجو کہی تھی کہ جو شخص مسلمان ہو کر آپ ﷺ کے پاس آئے اُسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ اس بات کا اظہار انھوں نے رسول کریم ﷺ سے نہیں کیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اُسے معاف کر دیا، جیسا کہ معافی سے پہلے ابن ابی سرح کے معاملے کو ظاہر نہیں کیا، برخلاف کعب بن زہیر اور ابن الزبعریٰ کے کہ وہ بذات خود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کیونکہ انھیں اعتماد تھا کہ حربی کافر کو قتل کرنا ممکن نہیں، جبکہ وہ مسلمان ہو کر آئے، نیز اس امکان کی بنا پر کہ گالی دینے والے ذمی اور مرتد کو قتل کرنا ممکن ہے، اگرچہ وہ مسلمان ہو کر آئیں اور وہ اسلام لا چکے ہوں۔

---

[1] مغازي للواقدي (۲/ ۷۹۰)

اس نے اپنے قصیدے میں کہا تھا:

فإني لا عرضاً خرقت ولا دما
هرقت ففكر عالم الحق واقصد

''میں نے نہ تو کسی کی عزت کو بٹہ لگایا ہے اور نہ کسی کا خون بہایا ہے، اے حق پرست عالم! اس میں غور کیجیے اور میانہ روی اختیار کیجیے۔''

اس شعر میں شاعر نے ہتکِ عزت اور خون ریزی کو جمع کر دیا ہے، معلوم ہوا کہ اس جرم میں اسلام لانے کے بعد بھی اُسے پکڑا جا سکتا ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اسلام لانے کے بعد بھی اس کو قتل کرنا ممکن تھا تو اسے انکار اور اعتذار کی حاجت نہ تھی۔

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ نقضِ عہد کرنے والے بنوبکر میں سے رسول کریم ﷺ نے اس کے سوا کسی کا خون نہیں گرایا تھا، حالانکہ انھوں نے (لا تعداد) افعال شنیعہ انجام دیے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کی اہانت مقاتلہ اور دست بدست جنگ کر کے عہد توڑنے سے بھی عظیم تر جرم ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے، یہاں ہم نے یاد دہانی کے طور پر اس کا اعادہ کیا ہے۔

گالی کی ایک حد قصاص کے مماثل ہے:

تیرہواں طریقہ: پیچھے گزر چکا ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ سے بُرا سلوک کرتا یا آپ ﷺ کو ایذا دیتا آپ ﷺ اُسے قتل بھی کر سکتے تھے اور معاف بھی کر سکتے تھے، اگر ایذا دہندہ کو صرف ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جاتا تو توبہ کرنے سے پہلے اس کو معاف کرنا جائز نہ ہوتا اور جب یہ آپ ﷺ کا حق ہے تو پھر مسلم اور ذمی میں کچھ فرق نہیں، آخر آپ ﷺ کے ایذا دینے والے اہل ذمہ کے خون کو بھی ھدر قرار دیا ہی تھا، پیچھے گزر چکا ہے کہ اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ انھوں نے نقضِ عہد کا ارتکاب کیا تھا، پس معلوم ہوا کہ یہ آپ ﷺ کو ایذا دینے کی وجہ سے تھا۔ اور جب آپ ﷺ ایذا دینے والے اور دشنام دہندہ کو قتل بھی کر سکتے ہیں اور اُسے معاف بھی کر سکتے ہیں، خواہ وہ مسلم ہو یا معاہد، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح غیر انبیاء کو قصاص یا حدِ قذف یا گالی کی تعزیر کی بنا پر سزا دی جاتی ہے اور جب صورتِ حال یہ ہے تو یہ مسلم یا معاہد کے توبہ کرنے سے ساقط نہ ہوگی جس طرح یہ حدود توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتیں۔ یہ بڑا قوی استدلال ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ نے یہ سزا معاف کرنے کو آپ ﷺ کے لیے مباح کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں غالب پہلو آپ ﷺ کے حق کا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح دوسرے آدمیوں کو گالی دی جاتی ہے تو (اس میں اُن کا حق فائق ہوتا ہے،) البتہ فرق یہ ہے کہ آپ ﷺ کو گالی دینے کی سزا قتل ہے، جبکہ دوسروں کو گالی دینے کی سزا کوڑے مارنا ہے، جب آپ ﷺ کے حق کا پہلو غالب ہے اور آپ ﷺ کی زندگی میں یہ اختیار آپ ﷺ کو دیا گیا ہے تا کہ معاف کر کے آپ ﷺ بلند درجات حاصل کر سکیں اور گاہے شرعی حد لگا کر بلند مقام حاصل کریں، اس لیے کہ آپ ﷺ جس طرح "رحمة للعالمین" ہیں اسی طرح "نبي الملحمة" (جنگ کرنے والے نبی) بھی ہیں،[1] آپ ہنسانے والے بھی ہیں، جنگجو بھی۔ ذمی نے آپ ﷺ سے عہد کیا تھا کہ آپ ﷺ کی بے حرمتی نہیں کرے گا اگر وہ کسی مسلم یا معاہد کا خون یا مال یا ناموس ضائع کرے اور پھر مسلمان ہو جائے تو (اس کا جرم) اس سے ساقط نہیں ہوگا تو یہ بالاولیٰ اس سے ساقط نہیں ہوگا۔

قبل ازیں ہم تحریر کر چکے ہیں کہ اُس کو محض نقض عہد کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا بلکہ گالی دینے کی وجہ سے جب رسول کریم ﷺ اس گالی دینے والے کو اسلام لانے کے باوجود قتل کر سکتے ہیں اور اُسے معاف بھی کر سکتے ہیں، مگر آپ ﷺ کی وفات کے بعد معاف کرنا تو باقی نہ رہا اور صرف سزا باقی رہی جو خالص اللہ کا حق ہے، لہٰذا اِس کو وصول کرنا ضروری ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ یوں کہنا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد بھی آپ ﷺ کی طرف سے کسی کو معاف کرنے کا حق ہے اس بات پر منتج ہوتا ہے کہ حاکمِ وقت کو اس کے قتل کرنے اور زندہ چھوڑنے کا اختیار ہو، اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی شخص بھی قائل نہیں ہے، علاوہ ازیں یہ بات شریعت کے اصول وقواعد کے خلاف ہے۔ قبل ازیں آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ ﷺ کی وفات کا فرق واضح ہو چکا ہے۔

چودھواں طریقہ: یہ حدیث مرفوع پہلے گزر چکی ہے، بشرطیکہ سنداً اِس کی صحت ثابت ہو کہ "جو شخص کسی نبی کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے اور جو صحابہ کو گالی دے اُسے کوڑے مارے جائیں۔"[2] اس

---

[1] الشمائل للترمذي (ص: ۱۹۷، رقم الحديث: ۳۶۰)

[2] المعجم الصغير للطبراني (۱/ ۳۹۳، رقم الحديث: ۶۵۹) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس کی سند میں شیخ طبرانی عبیداللہ بن محمد عمری کو امام نسائی نے متہم بالکذب کہا ہے۔" اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۶/ ۲۶۳، الضعيفة، رقم الحديث: ۲۰۶)

حدیث میں قتل اور کوڑے مارنے کا حکم علی الاطلاق (بلا قید و شرط) دیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا بذات خود قتل کا موجب ہے، جس طرح دوسروں کو گالی دینا کوڑے مارنے کا موجب ہے، یہ گالی دینے کی شرعی سزا ہے اور جس طرح کوڑے مارنے کا حکم بعد از قدرت توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، اسی طرح یہ قتل بھی ساقط نہیں ہوتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال:

پندرھواں طریقہ: ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہاجر بن ابی ربیعہ کو اس عورت کے بارے میں لکھا تھا جو رسول کریم ﷺ کی ہجو پر مشتمل گیت گایا کرتی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اگر میں پہلے فیصلہ کر چکا ہوتا تو تجھے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیتا، اس لیے کہ انبیاء کی حد دیگر حدود کے مشابہ نہیں ہوتی، جس مسلم یا معاہد نے اس کا ارتکاب کیا تو وہ مرتد، محارب اور عہد شکنی کرنے والا ہے۔[1] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُسے بتایا کہ اگر وہ عورت ہمارے ہاتھ سے جا نہ چکی ہوتی تو میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا، پھر نہ تو اُس سے توبہ کا مطالبہ کرتا اور نہ توبہ طلب کرنے کی وجہ سے تاخیر کرتا، حالانکہ قبل ازیں جن لوگوں کو قتل کے لیے پیش کیا جاتا تھا تو وہ جلدی سے توبہ کر لیتے یا اسلام قبول کرنے میں عجلت سے کام لیتے جبکہ اُسے معلوم ہوتا کہ اس طرح قتل اس سے ٹل جائے گا، دشنام دہندہ عورت کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ آیا وہ مسلمہ ہے یا ذمیہ؟ آپ نے صرف یہ ذکر کیا کہ کسی نبی کو گالی دینے کی سزا قتل ہے اور ان کی وجہ سے جو حد لگائی جاتی ہے وہ عام لوگوں کی حد کی طرح نہیں ہوتی، حالانکہ ہجو گوئی کرنے والی عورت کے بارے میں آپ ﷺ نے تفصیل طلب کی تھی کہ آیا وہ مسلمہ ہے یا ذمیہ؟

اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ نبی کو گالی دینے کی سزا واجب ہے نبی کو یہ حق حاصل ہے کہ اُسے بعض حالات میں معاف کر دے اور بعض حالات میں سزا دے، جس طرح غیر انبیاء کو گالی دینے کی سزا ایک حد شرعی ہے جو دشنام دہندہ پر واجب ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ جو مسلم اس کا مرتکب ہو وہ مرتد ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی توبہ قبول کی جائے، اس لیے کہ ارتداد ایک جنس ہے، جس کے تحت بہت سی انواع ہیں، اُن میں سے

---

[1] تاريخ طبري (١/ ٣٤١)

بعض میں توبہ قبول کی جاتی ہے اور بعض میں نہیں، جیسا کہ قبل ازیں ہم اس پر متنبہ کر چکے ہیں، ممکن ہے کہ پھر اس کا اعادہ کریں۔ دراصل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ اس کے خون کو مباح کرنے والی چیز کیا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ وہ محارب اور عہد شکن ہے تو محارب اور ناقضِ عہد ایک جنس ہے، جس میں اس کا خون مباح ہو جاتا ہے، نیز یہ کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اسلام لانے کے باوجود ان کو قتل کیا جاتا ہے، مثلاً محارب ہونے کے ساتھ ساتھ رہزنی کرے یا کسی مسلمہ کو زنا پر مجبور کرے وغیرہ۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا ﴾ [المائدۃ: ۳۳]

''بدلہ اُن لوگوں کا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور خدا کی زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں کہ انھیں قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے۔''

پھر اس نے سزا کو اس صورت میں نہیں اُٹھایا مگر جب کہ قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں۔ قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ محارب اور مفسد ہے، لہٰذا اِس آیت میں داخل ہوگا۔

مجاہد کا قول:

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کر دیا، پھر فرمایا:

''جو اللہ اور اس کے رسول کو گالی دے اُسے قتل کر دیا کرو۔''

حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رویہ مرتد کے بارے میں یہ تھا کہ اس سے تین دفعہ توبہ طلب کی جائے اور ہر روز اُسے ایک روٹی کھلائی جائے، ممکن ہے کہ وہ توبہ کر لے، جب اس کی توبہ طلب کیے بغیر آپ رضی اللہ عنہ نے قتل کرنے کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا جرم محض مرتد کے جرم سے شدید تر ہے، بنابریں اگر کوئی معاہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو اس کا جرم اس شخص کے جرم سے شدید تر ہے جو محض نقض عہد کا مجرم ہو، خصوصاً جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا حکم علی الاطلاق بلا استثنا دیا۔

اسی طرح وہ عورت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا تھا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض مرتد کی طرح نہ تھی۔

محمد بن مسلمہ کا واقعہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے، اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ ابن یامین کو قتل کرے گا، اس لیے کہ اس نے کہا تھا کہ کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کیا گیا تھا، پھر طویل مدت کے بعد اس کو قتل کرنے کے لیے طلب کیا تھا اور مسلمانوں نے اس پر کچھ اعتراض نہیں کیا تھا، حالانکہ اگر اس کو محض ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جاتا تو وہ اسلام کی طرف لوٹ آیا ہوتا کیونکہ اس کے بعد وہ شہادتین کا اقرار کرتا رہا تھا اور نمازیں ادا کیا کرتا تھا اور اُسے توبہ طلب کیے بغیر قتل نہیں کیا گیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو امہات المومنین پر بہتان لگایا کرتا تھا کہ اس کی توبہ مقبول نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ اقوال اس مسئلے میں نص کا درجہ رکھتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ فیصلہ جات اس قدر مشہور ہیں کہ کسی کو مجالِ انکار نہیں۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرتد کے قتل پر اعتراض کیا تھا، جس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا اور جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زنادقہ کو جلانے پر اعتراض کیا اور کہا تھا کہ ان کی سزا قتل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے مابین یہ بات مشہور تھی کہ گالی دہندہ کی سزا یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، ماسوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جن سے یہ قول منقول ہے:

> ''جس نے کسی نبی کو گالی دی اس نے رسول کریم ﷺ کی تکذیب کی، یہ ایک قسم کا ارتداد ہے، جس سے توبہ کی جا سکتی ہے، اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ اُسے قتل کیا جائے۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول اُس گالی کے بارے میں ہے جس سے کسی نبی کی نبوت کا انکار لازم آتا ہو کیونکہ یہ بات رسول کریم ﷺ کی تکذیب کو مستلزم ہے، اس میں شبہ نہیں کہ جو شخص کسی نبی کے بارے میں کہے کہ وہ نبی نہیں اور نبی نہ ماننے کی وجہ سے اس کو گالی دے تو یہ خالص ارتداد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو صرف اسی پر محمول کرنا چاہیے یا اس جیسی کسی اور بات پر بشرطیکہ وہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہو، اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو شخص امہات المومنین پر بہتان لگاتا ہے اس کی

---

[1] اسے حرب الکرمانی رحمہ اللہ نے اپنے مسائل ہی لیث بن ابی سلیم سے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے صفحہ (۳۸۱) پر لکھا ہے اور لیث مذکور ضعیف و مختلط راوی ہے۔ لہٰذا اس کا ثبوت مشکوک ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے: "وفي إسناد الحديث عنه مقال" (ص: ٦٤٥)

تو یہ مقبول نہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ امہات المومنین کی عزت و حرمت رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے کسی معروف نبی کی حرمت، جس کا ذکر قرآن میں بھی کیا گیا ہو، عظیم تر ہو۔

تصدیقِ نبوت کے علاوہ بھی رسول ﷺ کے حقوق ہیں:

سولھواں طریقہ: خداوند کریم نے ہمارے نبی ﷺ کے لیے ہمارے قلب ولسان اور اعضاء پر نبوت کی تصدیق کے علاوہ بھی کچھ حقوق عائد کیے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر قلبی، لسانی اور جسمانی عبادات کو واجب ٹھہرایا ہے، اسی طرح اس نے اپنی تصدیق کے علاوہ بھی کچھ امور کو واجب قرار دیا ہے، نیز اپنے رسول ﷺ کی عزت و حرمت کی وجہ سے بعض ایسے امور کو حرام ٹھہرایا ہے جن کو دوسروں کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے، یہ حرام کردہ امور محض آپ ﷺ کی نبوت کی تکذیب کے علاوہ ہیں۔

پہلا حق:

ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ پہلے اس امر کی اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسول کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں، صلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی مدح وتوصیف کرتا، آپ ﷺ کے لیے بھلائی اور قربت چاہتا اور آپ ﷺ پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے، سلام کا لفظ جملہ آفات سے سلامتی کا متضمن ہے، اس طرح صلوٰۃ وسلام کے الفاظ تمام بھلائیوں کو شامل ہیں۔ جو شخص رسول کریم ﷺ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔[1] (یہ فرما کر رسول کریم ﷺ نے) لوگوں کو آپ ﷺ پر درود بھیجنے کی ترغیب دلائی ہے تاکہ وہ اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوں اور اس کے رحم وکرم کا مورد ومحور قرار پائیں۔

دوسرا حق:

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا رسول ﷺ مومنین کی اپنی جانوں سے بھی قریب تر ہے۔ رسول کریم ﷺ کا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی اُسے اس سے زیادہ عزیز ہو جتنا کہ پانی پیاسے کو اور کھانا بھوکے شخص کو عزیز اور محبوب ہوتا ہے۔

قرآن میں فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۸۴)

﴿ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ [التوبة: ١٢٠]

''اہل مدینہ کو اور جو دیہاتی ان کے آس پاس رہتے ہیں، ان کے لیے موزوں نہ تھا کہ پیغمبرِ خدا سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو اُن کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کی یہ خواہش کہ رسول کریم ﷺ کی رفاقت میں جو تکلیفیں اُسے پہنچی ہیں نہ پہنچیں، حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے جہاد کی مشقتوں کے بارے میں فرمایا جن سے وہ دوچار ہوئے تھے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ [الأحزاب: ٢١]

''تم کو پیغمبرِ خدا کی پیروی کرنا بہتر ہے، (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ خدا کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔''

تیسرا حق:

رسول کریم ﷺ کا (تیسرا) حق یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی ذات ایک مومن کے نزدیک اس کی جان اس کی اولاد، اور تمام مخلوقات سے محبوب تر ہو، قرآن میں فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ ﴾
[التوبة: ٢٤]

''کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، خدا اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تمھیں زیادہ عزیز ہوں۔''

اور جیسا کہ احادیث صحیحہ مشہورہ میں آیا ہے، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحیح قول ہے:

یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے ہر چیز سے عزیز تر ہیں، ماسوا میری جان کے، آپ ﷺ نے

فرمایا: ''نہیں اے عمر! جب تک میں تجھے تیری جان سے بھی محبوب تر نہ ہوں۔''

حضرت عمر نے کہا: بخدا! یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے اپنی جان سے بھی عزیز تر ہیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! اب تم یہ بات کہہ رہے ہو!''[1]

رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ میری ذات اُسے اس کی اولاد، اس کے والدین اور سب لوگوں سے محبوب تر نہ ہو۔''[2] (بخاری و مسلم)

چوتھا حق:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اکرام و احترام کا حکم دیا ہے، قرآن میں فرمایا:

﴿ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ﴾ [الفتح: ۹] ''اس کی مدد کرو اور اس کی عزت کرو۔''

اس آیت میں تعزیر ایک جامع لفظ ہے جو ہر قسم کی تائید و نصرت اور ہر موذی سے بچانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح توقیر بھی ایک جامع لفظ ہے جو ہر ایسی چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں سکون و اطمینان اور اجلال و اکرام پایا جاتا ہو۔ اس میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اس کے ساتھ تکریم و تعظیم کا معاملہ کیا جائے اور اُسے ہر چیز سے بچایا جائے جو اُسے عز و وقار سے محروم کرتی ہو۔

پانچواں حق:

آپ ﷺ کا پانچوں حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کو شایانِ شان انداز سے مخاطب کیا جائے، قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ ﴾

[النور: ٦٢]

''مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''

اس آیت کی رو سے یوں کہنے سے منع فرمایا کہ یا محمد! یا احمد! یا ابا القاسم! البتہ یوں کہو کہ یا رسول اللہ! یا نبی اللہ! اور یوں کیونکر آپ کو مخاطب نہ کیا جائے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اکرام و

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٦٣٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٤)

تکریم سے مخاطب کیا ہے کہ کسی نبی کو اس طرح مخاطب نہیں فرمایا، چنانچہ قرآن میں آپ کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ اکثر و بیشتر آیات میں "یا أیھا النبي" کے الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا گیا، دیکھیے مندرجہ ذیل آیات:

[الأحزاب: ۱، ۲۸، ٤٥، ٥٠، ٥٩] ٦۔ [الطلاق: ۱]، ۷۔ [التحریم: ۱]،

۸۔ ایک جگہ فرمایا: "یا أیھا الرسول" [المائدة: ٦٧]، ۹۔ ایک جگہ "یا أیھا المزمّل" فرمایا [المزمّل: ۱]، ۱۰۔ ایک جگہ "یا أیھا المدثر" فرمایا [المدثر: ۱]، ۱۱۔ ایک جگہ "یاأیھا النبي" فرمایا [الأنفال: ٦٤]۔

جبکہ دیگر انبیاء کو اس طرح مخاطب کیا:

۱۲۔ "یا آدم اسکن" [البقرة: ۳٥]، ۱۳۔ "یا آدم انبئھم" [البقرة: ۳۳]، ۱۴۔ "یا نوح" [ھود: ٤٦]، ۱۵۔ "یا إبراھیم" [ھود: ٧٦]، ۱۶۔ "یا موسیٰ" [الأعراف: ١٤٤]، ۱۷۔ "یا داوٗد" [صٓ: ٢٦]، ۱۸۔ "یا عیسی ابن مریم" [المائدة: ١١٠]

چھٹا حق:

آپ ﷺ کا حق یہ بھی ہے کہ جب تک آپ ﷺ اجازت نہ دیں آپ ﷺ کے سامنے گفتگو کرنا ممنوع ہے، آپ ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنے کی اجازت نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ دوسروں کی طرح آپ ﷺ کو بلند آواز سے پکارا جائے اور قرآن میں فرمایا کہ اس سے اعمال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر کفر کا مقتضی ہے، اس لیے کہ اعمال کفر سے ضائع ہوتے ہیں، نیز فرمایا کہ جو لوگ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں ان کے دلوں کو اللہ نے تقوے کے لیے آزما لیا ہے، لہٰذا اللہ ان کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا، یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ آپ ﷺ کو پکارتے ہیں، جبکہ آپ ﷺ اپنے گھر میں ہوتے ہیں، اُن میں سے اکثر بیوقوف ہیں، اس لیے کہ انھوں نے بلند آواز سے آپ ﷺ کو پکارا اور آپ ﷺ کے باہر نکلنے کا انتظار نہ کیا، اس طرح انھوں نے آپ ﷺ کو گھر سے نکلنے پر مجبور کیا۔

ساتواں حق:

آپ ﷺ کا حق یہ ہے کہ بعض معاملات امت کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کر سکتے ہیں

مگر آپ ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ کرنا آپ ﷺ کے لیے باعث ایذا ہے اور اس لیے حرام ہے، مثلاً آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنا۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾ [الأحزاب: ۵۳]

''یہ بات تمھارے لائق نہیں کہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ کبھی بھی آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بیویوں سے نکاح کرو، اس لیے کہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔''

آپ ﷺ کی وجہ سے امت پر آپ ﷺ کی بیویوں کا احترام واجب ٹھہرایا اور اُن کو تحریم و احترام میں ماؤں کی طرح قرار دیا۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾ [الأحزاب: ٦]

''نبی (ﷺ) اہل ایمان کی جانوں سے بھی قریب تر ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے احکام کی اطاعت اور افعال کی پیروی کا جو حکم دیا ہے وہ ایک وسیع باب ہے، مگر بعض اوقات یوں کہا جاتا ہے فلاں بات رسالت کے لوازم میں سے ہے، اس کا مقصد اس اَمر سے آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کچھ حقوق واجبہ مقرر کیے ہیں اور بعض امور کو حرام ٹھہرایا ہے اور یہ بات رسالت کے لوازم سے زائد ہے، بایں طور کہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو رسول مبعوث کرے اور اس کے لیے ان حقوق کو واجب نہ ٹھہرائے۔

آپ ﷺ کی یہ خصوصیت قول سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ایذا اور اہل ایمان کی ایذا میں تفریق کی ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ [الأحزاب: ۵۷، ۵۸]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں

لعنت کی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ستاتے ہیں جبکہ انھوں نے وہ کام نہیں کیا ہوتا، وہ بہتان اور ظاہر گناہ اٹھاتے ہیں۔"

جیسا کہ پیچھے گزرا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے، جبکہ دوسروں کو گالی دینے کی سزا کوڑے مارنا ہے۔

آٹھواں حق:

اُن امور میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا، چنانچہ جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ساتھ ہی رسول کریم ﷺ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے، کوئی خطبہ اور تشہد اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک اس میں یہ شہادت شامل نہ ہو کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، آپ ﷺ کے ذکر کو ہر خطبہ میں واجب ٹھہرایا اور ان شہادتین میں بھی جو کہ اسلام کی اصل و اساس ہیں، اسی طرح اذان میں جو کہ اسلام کا شعار ہے اور نماز میں جو کہ دین کا ستون ہے۔ اسی طرح دیگر مواقع اور مقامات میں اور رسول کریم ﷺ کی دیگر خصوصیات جن کا ذکر موجب طوالت ہے۔

اندریں صورت یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ ﷺ کی توہین کرنے والا آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم بجا لانے کی مخالفت کرتا ہے، وہ آپ ﷺ کے رفع ذکر کی خلاف ورزی کرتا آپ ﷺ پر صلوۃ و سلام بھیجنے اور دعاء و خطاب میں آپ ﷺ کی عزت افزائی کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے بڑھ کر یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ افضل المخلوقات کا مقابلہ اس سے کرتا ہے جو ساری مخلوقات میں بدترین ہے۔

اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ اس کے محض آپ ﷺ پر ایمان لانے سے اعراض کرنے کی وجہ سے، جبکہ وہ معاہد نہ ہو، اس کا خون مباح ہو جاتا ہے اور ان حقوق واجبہ سے روگردانی کرنے کی بنا پر اس کو سزا دینا روا ہو جاتا ہے۔ یہ صورتحال اُسے محض اس لیے پیش آتی ہے کہ اُس کے عین برعکس وہ آپ ﷺ کی مذمت کرتا، گالی دیتا اور آپ ﷺ کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کی سزا اُن کی اباحت سے بھی بڑھ جاتی ہے، اس لیے کہ سزا کی تعیین جرم کی نوعیت کے اعتبار سے کی جاتی ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا قصاص ہے اور وہ یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے وارث کی تحویل میں دے دیا جائے اور اگر اس نے مال لینے کے لیے علانیہ اُسے قتل کیا ہو تو اس صورت میں قاتل کو حتماً قتل کیا جاتا ہے، اور اگر قاتل نے مال لیا بھی ہو تو اُسے مصلوب کیا جاتا ہے اور بعض علماء

کے نزدیک حتمی طور پر اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں، حالانکہ چوری کی سزا صرف ہاتھ کاٹنا ہے، علی ہذا القیاس، اگر اس نے کسی غلام یا ذمی یا فاسق فاجر پر بہتان باندھا تو اس پر صرف تعزیر واجب ہے لیکن اگر اس نے کسی آزاد مسلم اور متقی پر بہتان باندھا تو اس پر کامل حد واجب ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس پر وہی سزا واجب ہوگی جو اُس شخص پر واجب ہوتی ہے جو آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے یا ہمارے اور اس کے درمیان جو عہد ہے، اُسے نظر انداز کر دے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس نے اس شخص کو جو آپ ﷺ کی توہین کا ارتکاب نہیں کرتا، اس شخص کے ساتھ مساوی قرار دیا جو مبالغہ کی حد تک آپ ﷺ کی اہانت کرتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات اسی طرح ناروا ہے جس طرح یہ بات جائز نہیں کہ صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے کو باہم ہم پلہ قرار دے دیا جائے، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ کو گالی دینے، آپ ﷺ کی مذمت کرنے اور ستانے کی کوئی سزا ہی نہیں، حالانکہ یہ سب جرائم سے عظیم تر جرم ہے اور یہ بات قطعاً باطل ہے۔

یہ بات ''عیاں راچہ بیان'' کی مصداق ہے کہ قتل سے بھی بڑھ کر کوئی سزا نہیں، اس پر اضافہ کی صورت یہ ہے کہ قتل کا تعین کیا جائے اور اُسے حتمی ٹھہرایا جائے، قطع نظر اس سے کہ توبہ کرے یا نہ کرے، جس طرح کہ رہزن کی حد ہوتی ہے، اس لیے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ کوڑے مارنے اس پر گالی دینے کی وجہ سے واجب ہوئے اور پھر اُسے کفر کی بنا پر قتل کیا جائے گا، جب یہ سزا بطور خاص گالی دینے کی وجہ سے دی گئی تو یہ حدود شرعیہ میں سے ایک حد ہوگی اور یہ ایک صحیح موقف ہے، جس کی صحت پر نصوص سابقہ کی دلالت روشنی ڈالتی ہے، اور وہ یہ کہ اس کے قتل کا موجب ومحرک صرف گالی ہے۔

اور کوئی علت جب (صرف) نص یا اشارۃ النص سے ثابت ہو تو کسی اصل کی ضرورت نہیں ہوتی جس پر فرع کو قیاس کیا جا سکے، اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ہم نے گالی کو بطور خاص قتل کا موجب اس لیے بنایا ہے کہ کتاب وسنت اور آثار واقوال اس پر دلالت کرتے ہیں، محض استحسان اور استصلاح کی بنا پر نہیں، جس طرح وہ شخص گمان کرتا ہے، جو شرعی احکام کے مصادر ومآخذ سے آگاہ نہیں، علاوہ ازیں وہ اصل جس پر اس فرع کو قیاس کیا جاتا ہے، ثابت ہے۔

سترھواں طریقہ: سترھواں طریقہ یہ ہے کہ ہم نے ان اصول کو، جن پر کتاب وسنت یا اجماع امت دلالت کرتا ہے، کچھ اس طرح پایا ہے کہ ان کی وجہ سے مرتد اور ناقضِ عہد کے بارے میں دو حکم ثابت ہوتے ہیں، جس شخص سے صرف ارتداد یا صرف نقضِ عہد کا جرم سرزد ہو اور پھر اسلام کی

طرف لوٹ آئے تو اس کا خون محفوظ ہو جاتا ہے جس طرح کہ کتاب وسنت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کا ذکر قبل ازیں مرتد کے بیان میں کیا گیا ہے اور وہ ناقضِ عہد میں بھی موجود ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [التوبة: ٢٧]

''پھر اس کے بعد اللہ جس کی توبہ چاہے قبول کرے۔''

نیز اس لیے کہ رسول کریم ﷺ نے بنوبکر کے ان لوگوں کا اسلام قبول کیا تھا جو اسلام لائے تھے، حالانکہ انھوں نے عہد توڑا تھا اور بنوخزاعہ پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے قبیلہ قریش والوں کا اسلام بھی قبول کیا تھا جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہونے میں بنوبکر کا ساتھ دیا تھا یہاں تک کہ اس وجہ سے ان کا عہد ٹوٹ گیا، حالانکہ آپ ﷺ کا دائمی طرزِ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صرف اسلام لانے سے ان کی جان بچ سکتی تھی، نیز رسول کریم ﷺ نے بنوقریظہ اور بنو نضیر کا جو محاصرہ کیا تھا اس میں مذکور ہے کہ اگر وہ اسلام لے آتے تو ان کی جان بچ جاتی، علاوہ ازیں ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تھے تو ان کے خون اور مال محفوظ رہے تھے، ان میں سے ثعلبہ بن سعیۃ، اسد بن سعیۃ اور اسد بن عبید بھی تھے۔ یہ لوگ اس رات مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جس میں بنوقریظہ رسول کریم ﷺ کے فیصلے کے مطابق (اپنے قلعہ سے) اُتر آئے تھے۔ یہ (تاریخِ اسلام کا) مشہور واقعہ ہے۔

جس شخص کے ارتداد میں شدت پیدا ہو جائے یا مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر وہ اپنا عہد توڑ لے اور پھر اسلام قبول کر لے تو توبہ اس سے مطلقاً ساقط نہیں ہوگی، بخلاف ازیں اسے قتل کیا جائے گا جبکہ وہ ایسا کام کرے جو قتل کا موجب ہو اور اگر ایسا فعل نہ کرے تو اُسے قتل سے کم درجہ کی سزا دی جائے گی، جیسا کہ قرآن میں فرمایا:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ﴾ [المائدة: ٣٣]

''بدلہ ان لوگوں کا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور خدا کی زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں۔''

اور جیسا کہ رسول کریم ﷺ کا طرزِ عمل جو آپ ﷺ نے ابن ابی سرح، ابن زُنیم، ابن خطل، مقیس بن صُبابہ اور قبیلہ عرینہ والوں کے واقعہ میں اختیار کیا تھا، نیز دین کے مقررہ اصول اس پر روشنی ڈالتے ہیں، اس لیے کہ کوئی شخص مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ رہزنی یا قتل مسلم یا زنا وغیرہ کا بھی مرتکب

ہو اور پھر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس کو شرعی سزائیں دی جاتی ہیں اور اگر نقضِ عہد کے ساتھ ساتھ رہزنی، قتل مسلم یا مسلمہ کے ساتھ زنا کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچائے تو اسلام لانے کے بعد اس پر شرعی حدود عائد کی جائیں گی۔

البتہ ایک مسلم کے ایسا کرنے سے جو حد واجب ہوتی ہے یا وہ حد جو اسلام لانے سے قبل واجب ہو، ہر حال میں اس پر لگائی جاتی ہے، جہاں تک اس دشنام دہندہ کا تعلق ہے، اس نے نقضِ عہد سے ایک زائد جرم انجام دیا ہے، جس طرح ہم نے اس مسلم کو ایذا دینے کے بارے میں تحریر کیا ہے جس کا جرم اس وجہ سے ناقضِ عہد سے بڑھ جاتا ہے یا ایسا کام کرے جو اکثر ضرر رساں امور سے بڑھ کر ہو تو وہ ایسے شخص کی مانند ہے جو نقضِ عہد کے علاوہ خون بہا کر یا مال لے کر یا کسی کو بے آبرو کر کے مسلمانوں کو ایذا دے اور جب صورتحال یہ ہے تو اس کے اسلام لانے سے اس ضرر رسانی کی سزا کا ازالہ نہیں ہوگا، جیسا کہ اصولِ شرعیہ اس جیسے مسئلے کے بارے میں دلالت کرتے ہیں، اور اس ضرر رسانی کی سزا جو نص سے ثابت ہوئی ہے وہ قتل ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جرم کے بعد اسلام لانے سے جو سزا شروع ہو چکی ہے وہ نہیں رکے گی کیونکہ جو مسلم شروع ہی میں ایسی حرکت کرے اس کا قتل توبہ سے ساقط نہیں ہوگا، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

اور جب اسلام سزا کے آغاز کو نہیں روک سکتا تو اس کے دوام اور بقا کو بالاولیٰ روک نہیں سکے گا، اس لیے کہ امور حسیہ، عقلیہ اور حکمیہ میں کسی چیز کا دوام و بقا اس کے آغاز سے قوی تر ہوتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ عدت، یا احرام اور ارتداد نکاح کو روک دیتے ہیں مگر اس کے دوام و بقا کو نہیں روکتے۔ اسی طرح اسلام غلامی کے آغاز کو روکتا ہے مگر اس کے دوام کو نہیں روک سکتا، نیز اسلام وجوبِ قصاص کے آغاز اور مسلم پر حدِ قذف کے آغاز کو روکتا ہے، اس صورت میں جبکہ وہ قتل کرتا ہے یا کسی ذمی پر بہتان لگاتا ہے مگر جب قتل کرنے اور بہتان لگانے کے بعد اسلام لاتا ہے تو اس کے دوام کو نہیں روک سکتا۔

اگر فرض کیا جائے کہ اسلام اس کے قتل کے آغاز کو روکتا ہے، لہٰذا اُس کے اسلام لانے سے قتل کا ساقط ہونا واجب نہیں، اس لیے کہ کسی چیز کا دوام اُس کے آغاز سے قوی تر ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ قصاص اور حدِ قذف کی طرح ہو، اس لیے کہ اسلام اس کے آغاز کو روکتا ہے، دوام کو نہیں، خصوصاً جبکہ گالی میں فوت شدہ آدمی کا بھی حق ہوتا ہے اور اس جرم کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے، گویا یہ اسی طرح ہے جیسے جنگ میں کسی کو قتل کیا جائے تو وہ کسی خاص آدمی کا حق نہیں ہوتا اور

جب صورت حال یہ ہے تو اس کو وصول کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح دیگر محاربین مفسدین سے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ ذمی اگر رہزنی کرے اور کسی مسلم کو قتل کرے تو وہ اپنے مذہب کی رُو سے ان باتوں کو جائز سمجھتا ہے، البتہ اُس نے ہمارے ساتھ جو عہد کیا ہے اس نے ان افعال کو اس پر حرام ٹھہرایا ہے، اسی طرح وہ اپنے مذہبی عقائد کے مطابق گالی دینے کو جائز تصور کرتا ہے، البتہ ہمارے ساتھ عہد کرنے سے گالی دینے کو اس پر حرام ٹھہرایا ہے، باقی رہا رہزنی کا فعل تو بعض اوقات اُسے حلال سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے اور بعض دفعہ کسی کی ناموس کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اس طرح کیا جاتا ہے جس طرح رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کا فعل بعض اوقات کسی خاص مقصد کی بنا پر آپ ﷺ کی توہین کے نقطۂ خیال سے انجام دیا جاتا ہے تو یہ فعل ہر لحاظ سے اس کی مانند ہے، البتہ رہزنی کا نقصان دنیا میں پہنچتا ہے اور گالی دینے کا دین میں۔ اور دین کا فساد و نقصان دنیا کے فساد سے ان لوگوں کے نزدیک عظیم تر ہوتا ہے جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کو اور اس کے اوامر کو جانتے ہیں۔

جب کوئی رہزن اسلام لاتا ہے تو از خود اس عقیدے کا اظہار ہو جاتا ہے کہ مسلم کا خون اور مال اس پر حرام ہے مگر اس بات کا جواز باقی رہتا ہے کہ وہ اس عقیدے پر عمل نہ کر سکے، اسی طرح جب گالی دینے والا اسلام لاتا ہے تو ناموس رسول ﷺ کی حرمت کے عقیدے کے اظہار کا تجدد ہو جاتا ہے مگر اس بات کا امکان باقی رہتا ہے کہ وہ اس عقیدے پر عمل نہ کر سکے۔ جب وہاں اسلام لانے کے بعد اس کا قتل واجب ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی اسلام لانے کے بعد اس کا قتل واجب ہو جاتا ہے۔ یوں کہنا واجب ہے کہ جب قدرت کے بعد توبہ کرنے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوتی تو اسی طرح قابو میں آنے کے بعد توبہ کرنے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی۔

جو شخص اس پر غور کرتا ہے اُسے اس کے محارب و مفسد ہونے میں کچھ شک باقی نہیں رہتا جس طرح کہ رہزن محارب و مفسد ہوتا ہے۔

اللہ کو گالی دینے سے اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا، اس لیے کہ بنی نوعِ انسان میں سے جو شخص بھی اللہ کو گالی دیتا ہے تو اس کے عقیدے کے مطابق وہ اللہ کی تعظیم و تکریم ہوتی ہے، جس طرح تثلیث کے قائلین یہ گمان رکھتے ہیں کہ اللہ کی بیوی اور بچے ہیں، ان کے عقیدے کے مطابق یہ اللہ کی تعظیم ہے اور اس سے اس کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور جو شخص اس کو کسی اور وجہ سے گالی دیتا ہے تو اس کے بارے میں وہی قول ہے جو اس شخص کے بارے میں جو رسول ﷺ کو دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق گالی

دیتا ہے اور یہی بات مستحسن ہے، جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔

جو لوگ دونوں میں تفریق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی شان میں اس سے کچھ کمی واقع نہیں ہوتی اور جو شخص بھی اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ غصے کی حالت میں کرتا ہے، برخلاف رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کے کہ اس سے آپ ﷺ کی تنقیصِ شان لازم آتی ہے، نیز یہ کہ وہ شخص اپنے عقیدے کے مطابق آپ ﷺ کی توہین کرنے کے لیے گالی دیتا ہے، رسول کریم ﷺ کا تعلق جنس بشر کے ساتھ ہے اور اس جنس کو تحقیر لاحق ہوتی ہے اور اس کے فاعل کا ارادہ بھی یہی ہوتا ہے۔ بعض اوقات غصے کی پیاس بجھانے کے لیے بھی گالی دی جاتی ہے اور بعض دفعہ اس کی وجہ سے نفوس انسانی میں فسادات پیدا ہوتے ہیں اور اس وجہ سے لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور یہ نفرت توبہ کے اظہار سے بھی دور نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح کہ اگر قاذف توبہ کا اظہار بھی کرے تو مقذوف کی عار زائل نہیں ہوتی یا یہ کہ توبہ کا اظہار کرنے سے زنا اور رہزنی کی خرابی دور نہیں ہوتی۔ الغرض، اللہ کو گالی دینے کی سزا فاعل کے کفر کے اندر منضم ہو جاتی ہے، برخلاف رسول ﷺ کو گالی دینے کے۔

اگر معترض کہے کہ بعض اوقات سزا کی زیادتی کی وجہ سے محض عہد توڑنے والا کافر بھی واجب القتل ہو جاتا ہے، برخلاف دیگر کفار کے، اس لیے کہ عقدِ امان، مصالحت، ذمی ہونا، غلامی، بلا فدیہ رہا کرنا اور فدیہ لے کر چھوڑنا فی الجملہ یہ امور بھی جائز ہیں۔ جب نقضِ عہد یا کسی اور وجہ سے مباح الدم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گالی بھی دے تو وہ واجب القتل ہو جاتا ہے جیسا کہ تم بھی اسے تسلیم کرتے ہو، ان مواضع کا جواب بھی یہی ہے جہاں گالی دینے والے کو رسول کریم ﷺ نے قتل کا حکم دیا تھا یا آپ ﷺ کے اصحاب نے اس کا حکم دیا یہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دشنام دہندہ کو قتل کیا جائے اگرچہ اس جیسے دیگر کفار کو قتل نہیں کیا جاتا۔

اس طرح رسول اکرم ﷺ نے کعب بن اشرف کے واقعہ میں یہود سے کہا تھا:

> ''اگر کعب بن اشرف اپنے جیسے لوگوں کے موقف پر قائم رہتا تو اُسے اچانک قتل نہ کیا جاتا مگر اس نے ہمیں نقصان پہنچایا اور شعر کہہ کر ہماری ہجو کہی اور تم میں سے جو بھی ایسا کرے گا اُسے تلوار کے حوالے کیا جائے گا۔''[1]

جب صورتِ حال یہ ہے تو قتل دو اُمور کی وجہ سے واجب ہوا:

---

[1] مغازي للواقدي (۱/ ۱۹۲) إمتاع الأسماع للمقريزي (۱/ ۱۱۰)

۱۔ ایک تو کفر کی وجہ سے۔

۲۔ دوسرے گالی دینے کی وجہ سے اس کے کفر میں شدت پیدا ہوگئی۔

جس طرح مرتد کا قتل ایک تو کفر کی وجہ سے واجب ہوا اور دوسرے دین حق کو چھوڑنے اور اس سے نکل جانے کی وجہ سے اس میں شدت پیدا ہوگئی، جونہی کفر زائل ہوجائے گا مذمت کا موجب زوال پذیر ہوگا اور اس طرح گالی کا اثر، جو اباحتِ دم کی صورت میں نمودار ہوا تھا، باقی نہیں رہے گا اور جس طرح وہ حصول میں کفر کے تابع تھا اب زوال میں اس کے زیرِ اثر ہوگا، پس اصل کے ضائع ہونے سے اس کے جملہ انواع وفروع زائل ہوجائیں گے۔

اس سوال کی تقریر اس شخص کے گالی دینے میں بھی ممکن ہے جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے، اس لیے کہ گالی ارتداد کی فرع اور اس کی ایک نوع ہے، اور گاہے اس کا امکان باقی نہیں رہتا کیونکہ گالی دینے کے بعد اس سے وہ بات ظہور میں آتی ہے جو گالی دینے کے وقت موجود نہ تھی، برخلاف کافر کے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ دشنام دہندہ کو قتل کرنا حدود شرعیہ میں سے ایک حد ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ معاہد ہونے کی صورت میں وہ واجب القتل ہے اور گالی دینے کے بعد اُسے امان دے کر یا غلام بنا کر زندہ رکھنا جائز نہیں۔ اگر حربی کافر ہونے کی وجہ سے اُسے قتل کیا جا رہا ہوتا تو اُسے امان دینا، غلام بنانا اور اس کو فدیہ دے کر رہا کروانا جائز ہوتا، جب اس کا بدلہ قتل ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قتل حدود میں سے ایک حد ہے اور یہ باقی کفار کے قتل کی مانند نہیں ہے۔

جو شخص دلائل شرعیہ، ان کے نصوص اور قیاسات، جو ہم نے ذکر کیے ہیں اور جو نہیں کیے، پر غور و فکر کرتا ہے، پھر اس کے بعد اس کا گمان ہے کہ دشنام دہندہ کو اس کے محض غیر معاہد ہونے کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے، مثلاً قیدی کو قتل کرنا تو وہ راہِ بصیرت کا سالک نہیں ہے اور نہ اُسے اپنی رائے پر اعتماد ہے۔

یہ ان مسالک میں سے نہیں ہے جس کا فقط امکان و احتمال ہو بلکہ قطعی و حتمی ہے، اس لیے کہ جو شخص کتاب و سنت کے دلائل، اسلاف امت کے موقف اور اصول شرعیہ کے موجبات پر غور کرتا ہے قطعی طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ خون بہانے کے لیے گالی کے اندر جو تاثیر پائی جاتی ہے وہ غیر معاہد کے کفر محض سے بڑھ کر ہے۔

ہاں، یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُسے دو کاموں کے مجموعے کی وجہ سے قتل کیا جا رہا ہے، اس لیے کہ دشنام دہندہ کا کفر ایک سخت قسم کا کفر ہے، جس کے مرتکب کو زندہ چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں، جس

طرح مرتد کا کفر ہوتا ہے، لہٰذا اُسے کفر اور گالی دونوں وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ اس صورت میں قتل حد ہو گا جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اقامت واجب ہے، پھر اس کا موجب توبہ کے ساتھ زائل ہو جاتا ہے، جیسے مرتد کا قتل، یہ جائز نہیں ہے مگر قبل ازیں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اس وجہ کی تضعیف ہوتی ہے مگر بایں ہمہ اس سے اس معاملے میں کوئی قدح وارد نہیں ہوتی کہ دشنام دہندہ کو ایک حد شرعی لگا کر قتل کیا جاتا ہے۔ یہ حد اس لیے واجب ہو گی کہ رسول کریم ﷺ کو کھلم کھلا گالی دینے میں حد درجہ فساد پایا جاتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اب صرف یہ سوال باقی رہا کہ آیا یہ حد اسلام لانے سے ساقط ہوتی ہے یا نہیں؟

ہم اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ذکر کردہ تمام دلائل اگرچہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اظہارِ قتل کے بعد بھی اس کا قتل واجب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قتل شرعی حدود میں سے ایک حد ہے، اور محض کفر نہیں ہے اور یہ دلائل اس پر قطعی و حتمی طور پر دلالت کرتے ہیں، اس کی وجہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ کتاب و سنت اور اجماع نے اس شخص کے درمیان جس میں صرف کفر اصلی یا عبوری یا نقض عہد پایا جاتا ہو اور یہ اس کے درمیان جو ان میں سے رسول کریم ﷺ کو گالی دیتا تھا، تفریق کی ہے، اور جب قتل محض کفر کی وجہ سے نہ ہو تو صرف یہ امر باقی ہے کہ وہ حد شرعی ہو گا اور جب یہ بات طے پائی کہ اُسے بطور خاص گالی کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ حدود شرعیہ میں سے ایک حد ہے نہ کہ صرف غیر معاہد کافر یا عمومی طور پر مرتد ہونے کی وجہ سے۔ واجب ہے کہ قتل توبہ اور اسلام کی وجہ سے ساقط نہ ہو کیونکہ اسلام ہو یا توبہ ان حدود کو ساقط نہیں کرتے جو قبل ازیں واجب ہو چکی ہوں جبکہ توبہ ساقط ہو چکی ہو اور بالاتفاق اس معاملہ کو حاکم کی عدالت میں پہنچا دیا گیا ہو۔

قرآن اس بات پر دلالت کرتا کہ رہزن، زانی، سارق اور قاذف کی حد اس پر قدرت پانے کے بعد محض توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور زانی وغیرہ کے بارے میں سنت نے بھی اس پر دلالت کی ہے، ہمارے علم کی حد تک مسلمانوں کے یہاں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ مسلم جب زنا یا چوری کرے یا ڈاکہ ڈالے یا شراب پیے اور شہادت کی بنا پر اس پر جرم ثابت ہو جائے اور معاملہ حاکم کی عدالت میں پہنچ جائے، اس کے بعد توبہ کر لے تو اس پر حد قائم کرنا واجب ہے، الا یہ کہ کوئی اس کے بارے میں اختلاف کا گمان کرے جس کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو، یہ حدود اللہ ہیں۔

علی ہذا القیاس اگر کسی پر قصاص یا حدِ قذف یا مسلم و معاہد کو گالی دینے کی سزا واجب ہو، پھر اس سے توبہ کر لے تو توبہ اس سے ساقط نہیں ہوگی۔ اسی طرح ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر ذمی پر رہزنی یا سرقہ یا قصاص یا قذف وتعزیر کی حد واجب ہو اور پھر اسلام لا کر توبہ کر لے تو اس کی سزا اُس سے ساقط نہ ہوگی بلکہ اس پر زنا کی حد قائم کی جائے گی، یہ اس شخص کے نزدیک ہے جو کہتا ہے کہ یہ حد قبل از اسلام اس پر واجب تھی۔

یہ اس کے باوصف ہے کہ اسلام اور توبہ پہلے گناہوں کو ساقط کر دیتے ہیں، پس توبہ کرنے والے کا گناہ حد قائم کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، اس طرح اس کی تطہیر ہو جاتی ہے اور ایسے جرائم سے لوگوں کو عبرت دلانے کے لیے یہ سزا عبرت پذیری کی موجب بنتی ہے، بدیں طور اقامت حد سے مصلحت عامہ حاصل ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ بحیثیتِ مسلمان اسلام کی پابندی کرتے ہیں (یا ذمی ہونے کے لحاظ سے) ذلت کو قبول کیے ہوں، ایسے فساد سے باز رہیں، اگر اظہارِ توبہ کے وقت حد نہ قائم کی جائے تو اقامتِ حد کا موقع کبھی نہیں آئے گا، اس لیے کہ زمین میں فساد بپا کرنے والے کو جب پکڑا جائے گا اور وہ توبہ کا اظہار کرنا چاہتا ہوگا تو وہ اس کا اظہار کرے گا اور کچھ بعید نہیں کہ جو شخص بہت بڑے قول یا فعل کا ارتکاب کرنا چاہے گا اور پھر اس کو گھیر لیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ میں توبہ کر رہا ہوں۔

ظاہر ہے کہ اگر ایسا شخص حد واجب کو ساقط کر دے تو حدود معطل ہو کر رہ جائیں اور بحر و برّ میں فساد برپا ہو جائے اور عقوبات و حدود کو نافذ کرنے میں کوئی مصلحت باقی نہ رہے، یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

خالص توبہ کا اثر:

مجرم اگر خالص توبہ کرے تو یہ اس کے اور اللہ کے درمیان نفع بخش ہے اور اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے، یہ حد اس کے گناہوں کے لیے تطہیر و تکفیر کی موجب اور یہی توبہ کی تکمیل ہے، جس طرح ماعز بن مالک نے رسول اکرم سے عرض کیا تھا کہ مجھے پاک کیجیے، [1] حالانکہ وہ توبہ کرنے آیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قتلِ خطا کے کفارے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ كَانَ اللّٰهُ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨١٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٩٤)

عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ [النساء: ۹۲]

''پس جو شخص نہ پائے تو اللہ سے توبہ کرنے کے لیے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

کفارۂ ظہار کے بارے میں فرمایا:

﴿ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ﴾ [المجادلة: ۳]

''اس کے ساتھ تمھیں نصیحت کی جاتی ہے۔''

پس حد شرعی سمیت توبہ دو عظیم مصلحتوں پر مبنی ہے:

۱۔ پہلی مصلحت یہ ہے کہ نفوس انسانیہ ایسے جرم سے باز رہیں، دونوں مصلحتوں میں سے یہ بڑی مصلحت ہے، اس لیے کہ دنیا حقیقت میں مکمل دارالجزا نہیں ہے، دراصل کامل دارالجزا آخرت ہے، شرعی سزاؤں کا مقصد زیادہ تر زجر و عتاب اور عبرت پذیری ہے، اگرچہ ان میں دوسرے مقاصد بھی پائے جاتے ہیں، جس طرح عدت کا مقصد زیادہ تر رحم کا پاک ہونا ہے اگرچہ اس میں اور مقاصد بھی پائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ مصلحت ہر شرعی سزا میں مقصود ہے۔

۲۔ دوسرا مقصد مجرم کو پاک کرنا اور اس کے گناہ کو دور کرنا ہے، بشرطیکہ عنداللہ مجرم میں نیکی کا جذبہ پایا جاتا ہو، ورنہ سزا اور انتقام، بعض اوقات اس کا مقصد ثواب میں اضافہ اور رفع درجات ہے، اس کی نظیر وہ مصائب ہیں، جو نفس، اہل اور مال کے لیے مقدر ہوتے ہیں، گاہے وہ کفارے اور گناہوں سے پاک کرنے کے سبب بنتے ہیں اور گاہے ثواب میں اضافے اور رفع درجات کا موجب بنتے ہیں، اور گاہے سزا اور انتقام کے لیے ہوتے ہیں۔

جب انسان سِرّاً توبہ کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی توبہ سِرّاً قبول کرتا ہے، اللہ اُسے بخش دیتا ہے اور اس کے گناہوں کو ظاہر نہیں کرتا تاکہ اس پر حد قائم کی جائے، جب کوئی شخص علانیہ فساد کرتا ہے کہ لوگ اُسے دیکھتے اور اس کا نام لیتے ہیں حتی کہ حاکم وقت کے یہاں حاضر ہو کر اس کے بارے میں شہادت دیتے ہیں یا شاہ کے یہاں وہ خود حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے تو اندریں صورت پکڑے جانے کی حالت میں اس کی توبہ اُسے پاک نہیں کر سکتی جب تک اس پر حد قائم کی جائے۔ جب حد حکمِ خداوندی کی تعمیل کے لیے لگائی جائے اور اس نے اپنے جرم کا خود اعتراف بھی کیا ہو تو توبہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کا تذکرہ ہم آگے چل کر کریں گے، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''شرعی حدود باہم معاف کر دیا کرو۔ جو حد میرے پاس پہنچ جائے تو وہ واجب ہو گئی۔''[1]

جب رسول کریم ﷺ کے پاس ایک چور کی سفارش کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تو اُسے پاک کر دے تو اس کے لیے بہتر ہے۔''[2]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس کی سفارش اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں خلل انداز ہوئی اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی۔''[3]

رسول کریم ﷺ نے مزید فرمایا:

''جو ان بیہودہ کاموں میں سے کسی کام میں مشغول ہوا تو وہ اس پر اللہ کا عطا کردہ پردہ ڈال دے، جس کی گردن کا گناہ ہمارے سامنے ننگا ہوگا، ہم اس پر کتاب اللہ کے مطابق (شرعی حد) لگائیں گے۔''[4]

جب یہ بات تم پر واضح ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ جس شخص نے علانیہ رسول کریم ﷺ کو گالی دی، خواہ وہ مسلم ہو یا معاہد تو اس سے ایسی خرابی کا ظہور ہوا جو کفر کے علاوہ نقضِ عہد، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا رسانی، آپ ﷺ کی ہتکِ عزت جو تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہے اور ایسی عزت میں رخنہ اندازی کا مرتکب ہوا جس کے مساوی دنیا والوں میں سے کسی کی ناموس نہیں ہوسکتی، یہ سب باتیں اس میں شامل ہیں۔

اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال، اللہ کے دین، اس کی کتاب جملہ انبیاء اور اس کے مومن بندوں کو ہدفِ طعن و تنقید بنایا، اس لیے کہ کسی ایک نبی کو طعن کی آماجگاہ بنانا اسی طرح ہے جیسے اس نے سب کو مطعون بنایا، قرآن میں فرمایا:

---

1. سنن أبي داود (۱۷/ ۳۱۷) سنن النسائي (۸/ ۷۰) امام حاکم اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔
2. سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۲۰۴۸) امام حاکم و ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔
3. سنن أبي داود (۱۵/ ۲۷۶) اسے امام حاکم، علامہ ذہبی اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۱/ ۱۷۹، رقم الحديث: ۴۳۹)
4. مستدرك حاكم (۴/ ۲۷۲) رقم الحديث (۷۶۱۵) امام حاکم اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے اور علامہ عراقی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ﴾ [النساء: ١٥١]

''وہ صحیح معنی میں کافر ہیں۔''

علاوہ بریں اس نے ان تمام لوگوں کو طعن کی آماجگاہ بنایا جو انبیاء علیہم السلام اور مومنین متقدمین میں سے ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لائے تھے، پھر یہ کہ یہ جرم اس آدمی سے صادر ہوا جو آپ ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی امان کے دائرے میں داخل ہو گیا تھا اور اس نے ایسا جرم نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔ جب اس جرم کی وجہ سے بطور خاص اس کو سزا دینا واجب ٹھہرا تو وہ اس کی ظاہر کردہ توبہ سے ساقط نہ ہوگی، جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

علماء کے اس مسئلے میں دو موقف ہیں:

پہلا مسلک: یہ ہمارے اصحاب اور دیگر اہل علم کا مسلک ہے کہ اُسے حد لگا کر اسی طرح قتل کیا جائے جس طرح رہزن، مرتد اور کافر کو، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کو جو گالی دی گئی ہے اس کے ساتھ اللہ کا حق اور ہر مومن کا حق وابستہ ہے، آپ ﷺ کو جو ایذا دی گئی وہ آپ ﷺ کی ذات تک محدود نہیں، جس طرح کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو گالی دے رہا ہو جو لوگوں کی ایک جانب بیٹھا ہو۔ بخلاف ازیں یہ ایذا ہر اُس مومن کے لیے ہے جو کبھی تھا یا کبھی معرضِ وجود میں آئے گا بلکہ ان کے نزدیک یہ ایذا کی بدترین قسم ہے اور ان میں سے ہر مومن کی یہ آرزو ہے کہ اپنی جان، اہل، اپنا مال اور آبرو آپ ﷺ پر قربان کر دے اور آپ ﷺ کو اس بے آبروئی سے بچا لے، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں پیچھے گزرا کہ وہ اپنا خون بہا کر آپ ﷺ کی عزت بچایا کرتے تھے اور رسول کریم ﷺ ایسا کرنے والے کی مدح و ستائش فرماتے خواہ ایسا کرنے میں وہ مارا جاتا یا غالب آ جاتا، آپ ﷺ اس کا نام ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مددگار'' رکھتے۔ اگر گالی دینے کا فعل بعض مسلمانوں کو قتل کرنے سے قبیح تر نہ ہوتا تو اس کے دفاع میں خون بہانا جائز نہ ہوتا، جس طرح کسی عام آدمی کی ناموس بچانے کے لیے خون بہانا جائز نہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

هجوت محمداً فأجبت عنه   وعند الله في ذاك الجزاء

''تو نے محمد ﷺ کی ہجو کہی اور میں نے جواب دیا، اس کی جزا اللہ کے پاس ہے۔''

فإن أبي ووالدتي وعرضي   لعرض محمد منكم وقاء

''بے شک میرا باپ اور میری والدہ اور میری آبرو، تم سے محمد ﷺ کی آبرو کو بچانے والے ہیں۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اہل حرمت کے تقدس کو پامال کیا جس کی وجہ سے اُن کو دنیا و آخرت کی سعادت ملی تھی اور دوسرے لوگ بھی اسی کی وجہ سے اس سعادت کو پاتے ہیں، اسی کے ساتھ اللہ کا دین قائم ہوتا ہے، اسی کے ساتھ اللہ اپنے بندوں سے راضی ہوتا ہے، اپنی محبوب چیز کو پالیتا ہے اور اپنی ناپسندیدہ چیز کو دور کرتا ہے، جس طرح رہزن اگرچہ ایک آدمی کو قتل کرتا ہے مگر رہزنی کا فساد سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں معاملہ مقتول کے ولی کو تفویض نہیں کیا جاتا۔

البتہ رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں گالی دینے والے کا معاملہ آپ ﷺ کو تفویض کیا جاتا تھا، اگر چاہیں اُسے معاف کر دیں اور اگر چاہیں اُسے سزا دیں، اگرچہ آپ ﷺ کو گالی دینے میں اللہ اور تمام مومنین کا بھی حق تھا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سزا کے بارے میں اپنے حق کو بندے کے حق کے تابع کر دیتا ہے، جیسا کہ ہم نے قصاص کے تذکرے میں بیان کیا ہے، ظاہر ہے کہ انسان کے حقوق رسول ﷺ کے حق کے تابع ہیں کیونکہ آپ ﷺ اُن کی جانوں سے بھی قریب تر ہیں، نیز اس لیے کہ اس طرح آپ ﷺ کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ معاف کر دیں، بھلائی کا حکم دیں اور ان جاہلوں سے درگزر کریں جن کے بارے میں اللہ نے اپنی کتاب میں اُن سے اعراض کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ نے آپ ﷺ کو عفو و درگزر کی قدرت ارزانی فرمائی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو اللہ سے اجر حاصل کرنے کا استحقاق حاصل ہوتا ہے اور آپ ﷺ برائی کو بطریق احسن بھلائی کے ساتھ ٹال سکتے ہیں۔

اللہ نے آپ ﷺ کو لوگوں پر شفقت و عنایت کی قدرت عطا کی، ایمانداروں کے ساتھ تالیفِ قلب کرنے کا جذبہ ارزانی فرمایا۔ اس طرح مخلوقِ خدا آپ ﷺ کے زیرِ سایہ جمع ہوگئی اور آپ ﷺ کو یہ قدرت ودیعت ہوئی کہ ایمان کے بارے میں لوگوں کی نفرت کا ازالہ کر سکیں، اس طرح سے جو مصلحت حاصل ہوتی ہے وہ ان فوائد سے بڑھ کر ہوتی ہے جو دشنام دہندہ کو گالی سے روکنے کے فساد سے وجود پذیر ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے:

﴿ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

''اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمھارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے (خدا سے) مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو۔''

رسول اکرم ﷺ نے یہ کہہ کر اس حکمت پر روشنی ڈالی:

''میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ باتیں بنائیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے۔''❶

آپ ﷺ نے (رئیس المنافقین) عبداللہ بن اُبی کے ساتھ جو شریفانہ سلوک کیا اس کے بارے میں فرمایا:

''مجھے امید ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لائیں گے۔''❷

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی آرزو کو بار آور فرمایا اور اگر ہر ایذا دہندہ کو قتل کی سزا دیتے تو لوگوں کے دلوں پر آپ ﷺ کی عداوت چھا جاتی یا آپ کے بارے میں طرح طرح کے وساوس دلوں میں پیدا ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرافت کی محبت لوگوں کے (رگ و ریشے) میں سمائی ہوئی ہے، نیز یہ کہ یہ طرزِ عمل بادشاہوں کے غیظ و غضب اور اس کی وجہ سے لوگوں کو قتل کرنے کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے اور اگر (ظالم) کو سزا دینا آپ ﷺ کے لیے مباح نہ ہوتا تو ناموس و آبرو قائم نہ رہتی، حرمت کا تقدس پامال ہو جاتا، دین کا شیرازہ بکھر جاتا اور نبوت کی عظمت و تقدس کا عقیدہ کمزور پڑ جاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دونوں باتوں کا اختیار دیا تھا۔

جب آپ ﷺ عازمِ فردوس بریں ہوئے اور لوگوں میں کوئی شخص باقی نہ رہا جو اس سزا کا آپ ﷺ کی طرف سے انتقام لیتا یا معاف کر دیتا اور یہ حق اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے مومن بندوں کے لیے ثابت ہے اور ہر صاحب عقل و خرد اس حقیقت سے بہرہ ور ہے کہ اہل اسلام اگر کسی کو قتل کرتے ہیں تو محض دین کی حفاظت کے لیے، رسول ﷺ کے حرم اور ناموس و آبرو کو بچانے کے لیے کرتے ہیں، بالکل اُسی طرح جس طرح وہ رہزن کو اس لیے قتل کرتے ہیں تاکہ راستے فسادیوں سے محفوظ رہیں، چور کا ہاتھ اس لیے کاٹتے ہیں تاکہ مال محفوظ رہے، مرتد کو اس لیے موت کے گھاٹ اُتارتے ہیں تاکہ دین میں آنے والے اس سے نکلنے کی جسارت نہ کریں۔

اب یہاں کسی جزوی مقصود کا توہم باقی نہ رہا، جس طرح عہد رسالت میں وہم کیا جاتا تھا کہ ایسے دشنام دہندہ کو تہہ تیغ کرنا اور اگر گالی دہندہ مسلم ہو تو اُسے زندہ چھوڑنا (آخر کس بنا پر ہے؟) تو

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٥١٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨٤)

❷ تفسير الطبري (١٤/ ٤٠١) یہ قتادہ رحمہ اللہ کے مراسیل میں سے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اُسے معاف کرنے کا حق رکھتے تھے مگر اُمت کے لیے اس کا خون بہانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں اس جرم کے سلسلے میں رسول کریم ﷺ کا حق فائق تھا تا کہ اگر چاہیں اپنا حق لے لیں اور اگر چاہیں معاف کر دیں مگر آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس جرم کا تعلق دین کے ساتھ ہے۔ کوئی شخص آپ ﷺ کی طرف سے اسے معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، لہٰذا اِس حق کا وصول کرنا واجب ہے۔ غور وفکر کرنے والے کے لیے بھی یہی مسلک وموقف اقرب الی الصواب ہے۔

جو چیز بھی خون کو مباح کر دے وہ فساد فی الارض ہے:

مسئلہ زیر قلم میں فکر ونظر کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ دشنام دہندہ محارب ومفسد کی جنس میں سے ہے اور قبل ازیں اس پر گفتگو ہو چکی ہے، اس کی مؤید مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ [المائدة: ۳۲]

''جس نے کسی ایک جان کو بلا وجہ اور کسی فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز بھی قتل کو اللہ کے حق کے طور پر واجب کر دے وہ فساد فی الارض ہے ورنہ وہ خون ریزی کو مباح نہ کرتی، چونکہ گالی خون ریزی کو مباح کرتی ہے اس لیے وہ فساد فی الارض ہے۔ علاوہ ازیں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف محاربہ بھی ہے، جیسا کہ کسی پر پوشیدہ نہیں، اس لیے کہ محاربہ سے مراد، واللہ اعلم، محاربہ بعد از مسالمہ ہے، اس لیے کہ محاربہ اصلیہ کا حکم اس آیت میں مذکور نہیں۔

اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ ایک مرتد اور ایک ناقضِ عہد کے فعل کی وجہ سے یہ آیت اُتری، لہٰذا معلوم ہوا کہ مرتد اور ناقضِ عہد دونوں اس آیت میں شامل ہیں۔ ان میں سے ایک نے صلح کرنے کے بعد جنگ کر کے فساد برپا کیا، اس لیے اس پر حد لگانا ایک طے شدہ بات ہے۔

دوسرا طریقہ:

دوسرا انداز استدلال یہ ہے کہ گالی اُن جرائم میں سے ایک جرم ہے جو قتل کے موجب ہوتے ہیں، مثلاً زنا، اگرچہ یہ اس طرح جنگ نہیں جس طرح ایک رہزن کرتا ہے، اس لیے کہ بعض فسادات قتل کے موجب ہوتے ہیں اگرچہ ان میں حرب وضرب کی نوبت نہیں آتی اور یہ فساد قتل کا موجب ہے، لہٰذا توبہ سے ساقط نہ ہوگا، جس طرح دیگر قسم کے فسادات ساقط ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ اس میں صرف کفر اصلی یا غیر اصلی ہی کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ قتل دیگر کفار کو قتل کرنے کی مانند نہیں ہے۔

کیا اسلام کفر کی ہر فرع کو ساقط کر دیتا ہے؟

اگر معترض کہے کہ جب گالی دینا حدود اللہ میں سے ہے تو اسلام لانے سے اس کو ساقط ہوجانا چاہیے، جس طرح مرتد کی حد اسلام لانے سے اور کافر کا قتل اسلام قبول کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے، اس لیے کہ اس کا نام حد رکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ توبہ کرنا یا اسلام لانے سے یہ ٹوٹ نہ سکے کیونکہ مرتد کو قتل کرنا حد ہے، جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں: "باب حد المرتد" تاہم اسلام لانے سے وہ حد ساقط ہوجاتی ہے مگر یہ ایک لفظی نزاع ہے اور احکام کو اس کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ احکام معانی کے ساتھ مربوط و متعلق ہوتے ہیں۔

ہر سزا جو مجرم کو دی جاتی ہے وہ اس اعتبار سے حد ہے کہ اس کو اس جرم سے باز رکھتی ہے، اگرچہ اس کا نام حد نہ رکھا گیا ہو، مگر اس میں شبہ نہیں کہ قتل صرف کفر اور گالی کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور گالی کو کفر اور محاربہ سے جدا نہیں کیا جا سکتا، حتیٰ کہ دشنام دہندہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے جو واجب القتل ہے، حالانکہ وہ مومن ہے یا معاہد ہے اور اپنے عہد پر قائم ہے، جیسا کہ اس قسم کی فرضیت زانی، سارق اور قاذف کے بارے میں بھی ممکن ہے، اس لیے کہ ان لوگوں کی سزائیں ان جرائم کی وجہ سے واجب ہوئی ہیں اور یہ اسلام سے قبل ہوں یا بعد، برابر ہیں۔ یہ سزا ایسے جرم کی وجہ سے واجب ہوئی ہے جو کفر کے فروع وانواع میں سے ہے، جب اصل باقی نہیں رہتی تو اس کے پیچھے فروع بھی زائل ہوجاتی ہیں، اس طرح قتل کی موجب یہ بات بنتی ہے کہ وہ شخص کافر، محارب اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینے والا ہے، جس طرح رسول کریم ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط سے اُس وقت یہ بات کہی جب عقبہ بولا تھا:

"کیا وجہ ہے کہ مجھے باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے۔"

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"تمھارے کفر اور تمھاری افترا پردازی کی وجہ سے۔"[1]

اور علت جب دو وصفوں کی حامل ہو تو ایک وصف کے زائل ہونے سے حکم زائل ہو جاتا ہے اور ہم اس بات کو تسلیم بھی کر سکتے ہیں کہ ذمی ہونے کی صورت میں اس کا قتل حتمی بھی ہو جاتا ہے، جس طرح مرتد کا قتل اس وقت قطعی ہو جاتا ہے، جب وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دے کر یا دین کو ترک کر کے اپنے کفر کو مغلّظ بنا لیتا ہے مگر اسلام ہر اُس حد کو ساقط کر دیتا ہے جس کا تعلق کفر کے ساتھ ہو، جس طرح کہ مرتد کی حد کو ساقط کر دیتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ تم نے اس حد کو رہزن، زانی اور چور کے ساتھ ملحق کر دیا مگر مرتد کے ساتھ وابستہ نہیں کیا۔ یہاں یہ نکتہ قابل فہم ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ کوئی حد بھی اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتی، اس لیے مرتد ہو یا کوئی اور ان میں کچھ فرق نہیں، بلکہ ہر سزا جو کسی سابقہ یا حالیہ سبب کی وجہ سے واجب ہوئی ہو، وہ اپنے سبب کے وجود کی وجہ سے واجب ہوتی ہے اور سبب کے منعدم ہونے سے معدوم ہو جاتی ہے اور اصلی کافر اور مرتد کو صرف اس کے سابقہ کفر کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کفر کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے جو سرِ دست موجود ہے، کیونکہ اصل بات اس کا بقا ہے اس چیز پر جس پر کہ وہ پہلے قائم تھا، جب وہ توبہ کرے گا تو کفر زائل ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی جو چیز خون کو مباح کرنے والی تھی وہ بھی زائل ہو جائے گی، اس لیے کہ خون کفر کی وجہ سے مباح نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ کفر موجود ہو کیونکہ اس کو قتل کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے، جب وہ کلمۃ اللہ کے سامنے سرنگوں ہو گیا اور اللہ کے دین کو اپنا لیا تو قتال و جہاد کا مقصد پورا ہو گیا، مرتد کو بھی اسی لیے قتل کیا جاتا ہے کہ وہ دین کا تارک اور اس کو بدل لینے والا ہے، جب وہ اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اب وہ تارک رہا نہ مبدّل، اس طرح دین کی حفاظت بھی ہو گئی، اس لیے کہ اسلام اپنے بدلنے والے کو زندہ نہیں چھوڑتا۔

مرتد کے قتل اور دشنام دہندہ کے قتل میں فرق:

جہاں تک زانی، سارق اور رہزن کا تعلق ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا معاہد، اُسے قتل نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ وہ برابر اِن جرائم کا ارتکاب کر رہا ہے، یہ غیر ممکن ہے۔ اُسے محض اس وجہ سے بھی قتل نہیں کیا

[1] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یحییٰ بن سلمہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد: ٦/ ٩٢)

جا سکتا کہ وہ ان امور کو حلال تصور کرتا ہے، اس لیے کہ ذمی اگر یہ اعتقاد رکھتا ہو تو وہ اس عقیدے کی وجہ سے مباح الدم نہیں ہوگا، اور نہ ہی مسلم یا ذمی کا خون ان چیزوں کا ارادہ کرنے سے مباح ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کی یہ سزا ماضی کی وجہ سے واجب ہوئی، نیز اس لیے تا کہ مستقبل میں وہ خود اس سے اجتناب کرے اور دوسروں کو بھی اس سے روکے۔

اگر اہل ذمہ یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص علانیہ آپ ﷺ کو گالی دے، پھر اس سے باز آجائے تو اُسے ہمیشہ گالی دینے والا نہیں کہا جائے گا، جس طرح کافر مرتد اپنے کفر پر قائم رہتا ہے بلکہ زمین میں فساد برپا کرتا ہے، جس طرح زانی اور رہزن فساد برپا کرتے ہیں، یہ اندیشہ ہمیں دامن گیر ہے کہ یہ فساد اُس سے اور دوسروں سے سرزد ہوتا رہے، اور اسی قسم کا اندیشہ ہمیں زانی اور رہزن کے بارے میں بھی ہے، اس لیے کہ جو شخص خود افعال شنیعہ انجام دیتا ہے وہ دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت دے سکتا ہے، لہٰذا اُسے کیے کی سزا دینا واجب ہے تا کہ دوسروں کے لیے عبرت پذیری کا سامان ہو، اور یہی نمایاں فرق و امتیاز ہے جو مرتد اور کافر اصلی کے قتل اور دشنام دہندہ، رہزن اور زانی کے قتل میں پایا جاتا ہے۔

اس کی توضیح یوں ہے کہ گالی دینا ماضی کے جرائم کی جنس میں سے ہے، دائمی جرائم کی جنس میں سے نہیں مگر اس کی بنا اِس بات پر رکھی گئی ہے کہ بذات خود حد کی موجب ہو، کفر ہونے کی وجہ سے نہیں، اس کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے، اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ مرتد اور اصلی کافر کو قتل کرنے سے، الا یہ کہ وہ توبہ کر لے، کفر کا فساد زائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ارتداد کا ارادہ کرنے والے کو جب معلوم ہوتا ہے کہ اُسے قتل کیے بغیر یا توبہ کیے بغیر نہیں چھوڑا جائے گا تو وہ مرتد ہونے سے احتراز کرے گا کیونکہ اس سے اُسے کوئی سروکار نہیں کہ مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جائے، اس کا اعلیٰ مقصد تو یہ ہے کہ ہمیشہ کفر پر قائم رہے۔

باقی رہا وہ شخص جو مسلمین یا معاہدین میں سے گالی دیتا ہو تو اس کا مقصد گالی دینے سے بھی پورا ہو جاتا ہے، دراصل وہ مسلمانوں کو ستا کر مغلوب کرنا چاہتا ہے، جس طرح رہزن کا مقصد قتل کرنے اور زانی کا مقصد زنا کرنے سے پورا ہو جاتا ہے، اس سے رسول ﷺ اور دین کا تقدس اسی طرح مجروح ہوتا ہے جس طرح زانی اور سرقہ سے نفوس و اموال کی حرمت پامال ہوتی ہے وہ عام مسلمانوں کو ایسی ایذا دیتا ہے جس کو ضرر رسانی کا اندیشہ ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے رہزن چور اور اس قسم کے لوگ اُن کو ستاتے ہیں اور جب اُسے پکڑ لیا جاتا ہے تو بعض اوقات وہ اسلام اور اکرام و احترام کا اظہار کرتا ہے، حالانکہ اس کے دل میں یہ بات چھپی ہوتی ہے کہ جب بھی اس کا بس چلے گا پھر کفر کی طرف لوٹ

جائے گا، جس طرح رہزن، چور اور زانی بار دیگر ایسے جرائم کی جانب لوٹنے کے آرزو مند ہوتے ہیں، بشرطیکہ انھیں اس کا موقع فراہم ہو۔

بلکہ بعض اوقات اظہارِ اسلام کے بعد جب وہ اپنے شیطان دوستوں کے پاس ہوتا ہے تو اُسے اس بات کا ایسا موقع ملتا ہے جو پہلے نہ ملا تھا، وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوتا ہے اور اپنے ہی فعل میں کیڑے نکالنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ اس قدر مجبور و مقہور ہوا کہ اسلام کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا، برخلاف اس شخص کے جس نے ایسی کسی بات کا اظہار نہ کیا ہو اور اسلام لے آیا ہو کہ اس کی کوئی خرابی ہمارے سامنے نہیں آئی، اور برعکس اصلی محارب کے جبکہ وہ قتل کرتا اور انواع و اقسام کے افعال شنیعہ انجام دیتا ہے، درحقیقت اس نے یہ پابندی سرے سے قبول ہی نہ کی تھی کہ وہ اس قسم کا کوئی کام نہیں کرے گا۔

مگر اس شخص نے ذمی بن کر اس بات کا عہد باندھا تھا کہ وہ ہمیں ایسی ایذا نہیں دے گا مگر اس نے اپنے عہد کو پورا نہ کیا، لہٰذا اُس پر یہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کہ ایذا نہ دینے کی پابندی نبھائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے مذہب کے لحاظ سے وہ اس امر کا پابند ہے کہ وہ اپنا عہد پورا کرے اور ہمارے دین کو ہدفِ تنقید نہ بنائے کیونکہ اُسے بخوبی معلوم ہے کہ اس کی پابندی اس کے لیے اس عہد میں شامل ہے جو اس نے ہمارے ساتھ باندھا ہے کہ وہ ہمیں ایذا نہیں دے گا، جبکہ خلاف ورزی کی صورت میں اسلام کی شمشیر آبدار سے ہراساں بھی ہے، جس طرح دین اسلام کی رُو سے اس پر واجب ہے کہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ سوءِ ادبی سے پیش نہ آئے، جبکہ وہ اسلام کی سیف قاطع سے خائف ہے کہ اگر اس نے خلاف ورزی کی تو کوئی چیز اُسے بچانے اور حفاظت کرنے والی نہ ہوگی، برخلاف حربی کافر کے ان جملہ امور میں۔

اگرچہ اس کے ضمن میں یہ مصلحت بھی موجود ہے کہ دوسرے لوگ ارتداد سے باز رہیں گے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ مرتد کے فعل کو چھپانا جائز نہیں، اور جو لوگ اس کے ارتداد کی شہادت دیتے ہوں ان کو اشارہ کر کے شہادت دینے سے روکنا بھی پسندیدہ فعل نہیں بلکہ حاکم کے پاس اس کے ارتداد کی شہادت دینا واجب ہے، حاکم کی عدالت میں اس کا مقدمہ دائر کرنے سے پہلے اُسے معاف کرنا بھی اچھا فعل نہیں اگرچہ وہ خفیہ طور پر مرتد ہوا ہو، اس لیے کہ حاکم کی عدالت میں جب اس کا مقدمہ دائر ہوگا تو حاکم اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کرے گا اور اس طرح وہ نارِ جہنم سے بچ جائے گا اور اگر اس نے پہلے توبہ نہیں کی تو حاکم اس کفر کی مدت کو محدود کر دے گا، اس طرح حاکم کی عدالت میں اس کا کیس دائر کرنا اس کے لیے سراسر سود مند ہے۔ برخلاف اس شخص کے جو پوشیدہ طور پر کوئی بُرا فعل انجام دے تو اس سے

تعرض نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ اگر اس کا مقدمہ عدالت میں دائر کیا گیا تو لامحالہ اُسے قتل کیا جائے گا مگر مقدمہ نہ دائر کرنے کی صورت میں وہ توبہ بھی کر سکتا ہے، لہٰذا اُس کے معاملہ کو عدالت میں لے جانا سراسر نفع رساں نہیں ہے، البتہ اس میں لوگوں کو فائدہ ہے کہ جب بُرائی کو ظاہر نہیں کیا جائے گا تو اُنھیں کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔

جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے گا تو رسول اُسے اس لیے قتل کرے گا کہ اُس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو ایذا پہنچائی اور ان کے دین کو طعن کی آماجگاہ بنایا، تو یہ اسی طرح ہے جیسے کسی نے علانیہ ڈاکہ مارا اور زنا کیا، یعنی ایسے امور انجام دیے جن کی سزا دینے میں لوگوں کو زجر و عتاب کا پہلو غالب ہے، اگرچہ اس میں مجرم کی مصلحت مضمر ہے، اس کو اس لیے قتل کیا جائے گا کہ اِس نے علانیہ فساد فی الارض کا ارتکاب کیا اور اگر ذمی سراً گالی دے تو اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس پر پردہ ڈالا جائے گا، اس لیے کہ جو شخص علانیہ فساد برپا کرتا ہے کسی حال میں بھی اس پر پردہ نہیں ڈالا جاتا۔

کیا گالی دینا کفر کو مستلزم ہے؟

(ہمارے مخالف) کا یوں کہنا کہ گالی کفر و قتال کو مستلزم ہے جبکہ دیگر جرائم ایسے نہیں ہیں۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ کوئی گالی کفر سے خالی نہیں تاکہ اس کو الگ سزا دی جائے بلکہ سزا دونوں امور کے مجموعے پر دی جاتی ہے، علاوہ ازیں گالی اور کفر میں لزوم ثابت کرنے سے گالی کی اہمیت کم نہیں ہوتی، اس لیے کہ گالی اور کفر کو لازم و ملزوم قرار دینے سے اس کی سزا میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے، اگر بعد ازاں کفر گالی سے الگ ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گالی کی سزا نہ دی جائے، اس لیے کہ گالی بذات خود اس فساد کو متضمن ہے جس پر سزا اور زجر و عتاب واجب ہوتا ہے، جیسا کہ کتاب و سنت اور اثر و قیاس سے ثابت ہوتا ہے۔

پھر ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کفر مغلّظ کی حد ہے جس میں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہو، خواہ وہ مسلم سے صادر ہوئی یا معاہد سے، پھر اُنھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ قدرت پانے کے بعد ایسے آدمی کی توبہ قبول کی جاتی ہے؟ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ توبہ اس شخص کے حق میں مشروع ہوئی ہے جو صرف مرتد ہوا ہو یا اس نے صرف عہد توڑا ہو، مگر جس کا ارتداد یا نقضِ عہد مسلمانوں کو نقصان دے کر مغلّظ ہو چکا ہو اس کو توبہ کے بعد سزا دینا از بس ناگزیر ہے۔

کیا گالی کفر کی ایک فرع ہے؟

ان کا یہ کہنا کہ دشنام طرازی کفر کے فروع اور انواع میں سے ہے۔ اگر ان کی مراد اِس سے یہ ہے کہ کفر اس کا موجب ہے تو یہ بات صحیح نہیں، اور اگر ان کا عندیہ یہ ہے کہ کفر اس کو مباح کرتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے علی الرغم عقد ذمہ نے اس کے دین میں اس کے اظہار کو حرام قرار دیا ہے، جس طرح اس نے مسلمانوں کے قتل، ان کے سرقہ، رہزنی اور ان کی خواتین کے ساتھ گناہ کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح عہد نے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کو بھی حرام قرار دیا، اگرچہ اُن کا مذہب ان سب باتوں کو ان کے لیے مباح ٹھہراتا ہے جب وہ اپنے کفر مجرد از عہد کی بنا پر مسلمانوں کو ایذا دے گا تو لا محالہ اُسے اس کی سزا دی جائے گی، اگرچہ وہ کفر زائل ہو چکا ہے جو اس کا موجب تھا، لہٰذا اُسے قتل کیا جائے گا، اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور اُسے سزا دی جائے گی، مگر یہاں اُسے اس لیے سزا دی جائے گی کہ اُس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو ایذا دی جو اس کے عہد کے خلاف ہے اگرچہ اس کا دین اُسے مباح قرار دیتا ہے۔

اُن کا یہ قول کہ زانی یا چور اور رہزن اسلام کے قبل اور بعد یکساں ہیں، ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ دشنام دہندہ کی طرح ہیں، اس لیے کہ قبل از اسلام وہ مسلمانوں کے خون، ناموس اور مال کو حلال تصور کرتا تھا، بشرطیکہ ہمارے اور ان کے درمیان وہ عہد نہ ہوتا مگر اسلام لانے کے بعد دین کی وجہ سے وہ ان کی حرمت کا قائل ہے، اسی طرح وہ رسول کریم ﷺ کی عظمت وتقدس کے پامال کرنے کو وہ حلال سمجھتا ہے، بشرطیکہ ہمارے اور اُن کے درمیان عہد نہ ہوتا، اور دین کو قبول کرنے کے بعد دین اس کو اس کام سے باز رکھتا ہے اور اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مسلمانوں کو ضرر اُن کے دین میں لاحق ہوتا ہو یا دنیا میں۔

باقی رہا ان کا یہ قول کہ اس کا قتل دو وجہ سے واجب ہے، لہٰذا ایک وجہ کے زائل ہونے سے قتل ساقط ہو جائے گا مگر ہم کہتے ہیں کہ اس میں دو سبب جمع ہو گئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک قتل کی ایک نوع کو واجب کرتا اور دوسری نوع کا مخالف ہے، اگرچہ قتل کی ایک وجہ دوسری کو مستلزم ہے، چنانچہ کفر اصلی اور کفر ارتدادی دونوں قتل کو واجب کرتے ہیں، اور اس کے معروف احکام ہیں، مگر گالی بطور خاص قتل کو واجب کرتی ہے، یہاں تک کہ یہ کفر کی بنا پر قتل کرنا اور ارتداد کی وجہ سے قتل کرنا دونوں اس میں شامل ہیں اور اس قسم کے حقوق میں اسی قسم کے قتل کا رواج غالب ہے، حتیٰ کہ رسول کریم ﷺ کو قتل اور

عفو دونوں کا اختیار تھا اور آپ ﷺ کو قتل کا حق اس صورت میں بھی حاصل تھا جب کفر وارتداد کی بنا پر قتل کرنا ممکن نہ ہو، اور آپ ﷺ اس وقت بھی قتل کر سکتے ہیں جب قتل کفر اور ارتداد کی وجہ سے ساقط ہو چکا ہو، جیسا کہ ہم قبل ازیں اس پر عقلی ونقلی دلائل پیش کر چکے ہیں، ہم نے یہاں بیان کیا تھا کہ گالی میں بطور خاص وہ چیز موجود ہے جو قتل کی مقتضی ہے، اگر فرض کر لیا جائے کہ گالی کفر اور ارتداد سے خالی ہے، اگر کسی صورت میں وہ کفر و ارتداد سے خالی ہو اور ان کے مقتضیات ساقط بھی ہو جائیں تو گالی کی سزا ساقط نہیں ہوگی، ہم نے دوسرے مسئلے میں اس کے دلائل بیان کیے ہیں۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر قتل دو امور کی وجہ سے واجب ہوا تو وہ قتل جو کفر مغلّظ بالاضرار کی وجہ سے واجب ہوا اُس کے ساقط ہونے کی صورت میں اس کے فاعل کی سزا بھی ساقط نہ ہوگی اور سزا، جس کا وہ مستحق ہے، قتل ہے۔

مزید برآں ہنگامی اور بعد میں آنے والا اسلام واجب شدہ سزا کو روک نہیں سکتا اگرچہ اسلام ابتداءً اس کے وجوب کو روک دیتا ہے، مثلاً قصاص میں قتل کرنا اور حدِ قذف کہ یہ دونوں فاعل کے ذمی ہونے کی صورت میں واجب ہوتے ہیں، اس کے بعد اگر وہ اسلام لے آئے تو سزا ساقط نہ ہوگی جبکہ مقتول اور مقذوف دونوں ذمی ہیں، علاوہ بریں اسلام دشنام دہندہ کے قتل کو ابتداءً نہیں روکتا، تو اس کے قتل کو دائماً نہ روکنا بالاولیٰ تھا۔

پس اس کا قول ''دو سبب جمع ہوئے اور دونوں میں سے ایک زائل ہو گیا'' قابلِ تسلیم نہیں بلکہ اس کے قتل کا موجب موجود ہے۔

دشنام دہندہ کا قتل ناموسِ رسالت ﷺ کی حفاظت کے لیے ایک حد شرعی ہے:

مسلک ثانی: یہ ہے کہ دشنام دہندہ کو حد لگا کر قتل کیا جائے جس طرح قصاص میں قتل کیا جاتا ہے۔ اور جس طرح بہتان لگانے والے اور دشنام دہندہ مومنین کو کوڑے مارے جاتے ہیں۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے اور غیر انبیاء کو جو گالی دے اُسے کوڑے مارے جائیں۔ ہمارے بکثرت اصحاب اور دیگر علماء کا یہی مسلک ہے۔

یہ بات ''کالشمس في نصف النهار'' روشن ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مومن کو گالی دے یا اکابر اُمت میں سے کسی کو بُرا بھلا کہے اور وہ مر چکا ہو یا غائب ہو تو جو اہل اسلام موجود ہیں ان پر واجب ہے کہ اس سے انتقام لیں اور جب مقدمہ سلطان کی عدالت میں پہنچ جائے تو وہ اس گستاخ کو

سزا دے کہ جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو ستانے سے رک جائے۔ جس کو گالی دی گئی ہو اگر وہ زندہ ہو اور اُسے معلوم بھی ہو تو وہ گالی دینے والے کو معاف کر سکتا ہے اور اگر موت یا عدم موجودگی کی وجہ سے اس کا جاننا دشوار ہو تو مسلمانوں کو اُسے سزا دینے سے رک نہیں جانا چاہیے۔ جب اس کا مقدمہ عدالت میں پہنچے تو حاکم اُسے سزا دے، اگرچہ وہ توبہ کا اظہار کرے، اس لیے کہ اس قسم کے معاصی و ذنوب جو کسی آدمی کے حق سے متعلق ہوں انھیں صرف حد شرعی کے مطالبہ پر رُک نہیں جانا چاہیے، اور جو جرائم بھی اس نوع کے ہوں ان کی سزا دینے کے لیے کسی کو طلب کرنے کی ضرورت نہیں اور حاکمِ وقت کی عدالت میں پیش ہو کر بھی وہ توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتے۔

اسی لیے ہمارا موقف یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کی لازماً تعزیر و تادیب کرنا چاہیے یا اُسے قتل کیا جائے، اگرچہ کوئی معیّن آدمی ان کا حق نہ بھی طلب کرتا ہو، اس لیے کہ مسلمین کی تائید و نصرت جب ہاتھ یا زبان کے ساتھ ہر مسلم پر واجب ہے تو حکام و سلاطین پر بالاولیٰ واجب ہے، بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں گالی دہندہ کے قتل کا موجب تھا، جیسا کہ پیچھے گزرا۔ جب اُسے اس بات کا پتہ چل جاتا تو وہ اس حق کا متولی ہوتا، اگر چاہتا تو اپنا حق وصول کرتا اور اگر چاہتا معاف کر دیتا، جب اس کی موت یا غیوبت کی وجہ سے اس کا پتہ چلتا تو مسلمانوں پر واجب ہو جاتا کہ اس کا حق طلب کریں اور مخلوقات میں سے کوئی بھی اُسے معاف نہ کر سکتا، جس طرح اس آدمی کو معاف کرنا روا نہیں جو فوت شدگان اور غائب شدہ لوگوں کو گالیاں دیتا ہو۔ قبل ازیں ہم اس بات پر دلائل پیش کر چکے ہیں کہ بطور خاص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے، نیز یہ کہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق فائق ہے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشنام دہندہ کو قتل بھی کر سکتے تھے اور اُسے معاف بھی کر سکتے تھے، جس طرح ایک شخص کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ اپنے دشنام دہندہ کو سزا دے یا اُسے معاف کر دے۔

کیا فوت شدہ پر بہتان لگانے والے پر حد شرعی ہے؟

مسئلہ زیر قلم دو مقدموں پر مبنی ہے:

پہلا مقدمہ: ایک یہ کہ میت پر بہتان طرازی حد کی موجب ہے، مگر ابوبکر بن جعفر صاحب الخلال اس طرف گئے ہیں کہ اس پر حد نہیں، اس لیے کہ زندہ جو اس کا وارث ہے بہتان اس پر نہیں لگایا گیا بلکہ میت پر لگایا گیا ہے، اور حدِ قذف کی وصولی اس وقت کی جاتی ہے جب اس کا مطالبہ کیا جائے

اور اندریں صورت یہ دشوار ہے، اور حد شرعی کسی وارث کی طرف منتقل نہیں ہوتی مگر جب اس کا مطالبہ کیا جائے اور یہ ممکن نہیں، اکثر علماء کہتے ہیں کہ میت پر بہتان لگانے سے حد لازم آتی ہے مگر بعض فقہاء کہتے ہیں کہ قذف کا اثبات اس وقت ہوتا ہے جبکہ زندہ آدمی کے نسب پر جرح وقدح کی جائے۔ حنفیہ اور ہمارے بعض اصحاب کا قول یہی ہے۔ حنفیہ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ حد صرف میت کا والد یا بیٹا لگا سکتا ہے۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اس کا اثبات مطلقاً ہوتا ہے، اس میں سوال یہ ہے کہ آیا تمام وارث اس سے اپنے حصہ وصول کریں گے یا خاوند بیوی کے علاوہ دوسرے لوگ اس لیے کہ وراثت کا سبب موجود ہے یا اس کے وارث صرف عصبہ ہوں گے کیونکہ یہ لوگ میت کے عمودِ نسب میں اس کے شریک ہیں، امام شافعی اور احمد کے نزدیک اس مسئلے میں تین اقوال ہیں۔

دوسرا مقدمہ: فوت شدہ پر حدِ قذف لگانے کا مطالبہ تب کیا جاتا ہے اگر وارث اس کے طالب ہوں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اس کا مطالبہ اس صورت میں کیا جاتا ہے جب تمام وارث یا وارثوں میں سے کوئی اس کا طالب ہو اور اگر معاف کر دیں تو اکثر علماء کے نزدیک یہ حد ساقط ہو جاتی ہے، بنا بریں اگر رسول کریم ﷺ پر بہتان لگایا جائے تو اس کی حد ساقط ہو جانی چاہیے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا کوئی وارث نہیں یہ اس طرح ہوگا جیسے اس شخص پر بہتان لگایا جائے جس کا کوئی وارث نہ ہو، اکثر فقہاء کے نزدیک اس میں حد قذف نہیں ہے، یا یوں کہا جائے گا کہ اس حد کا مطالبہ تب کیا جائے گا جبکہ کوئی ہاشمی یا قریشی اس کا مطالبہ کرے۔

رسول ﷺ کو گالی دینے اور دوسروں پر بہتان لگانے میں فرق و امتیاز:

اس کا جواب تین طرح سے دیا جاتا ہے:

پہلی وجہ: اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کو گالی دینے اور آپ ﷺ پر بہتان لگانے کو اِس حدِ قذف میں شامل نہیں کرتے جس کا مطالبہ اس وقت تک نہیں کیا جاتا جب تک کوئی حقدار اس کا مطالبہ نہ کرے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی اطلاع ملے، بخلاف ازیں یہ سب دشنام کی وہ قسم ہے کہ جس کا حرام اور باطل ہونا ظاہر ہے، اور جس کو گالی دی گئی اس کا علم دشوار ہے، مثلاً کوئی شخص اعیانِ امت میں سے کسی پر کفر یا کذب یا جھوٹی شہادت کا بہتان باندھے یا اُسے صریح طور پر گالی نکالے، ہم کسی مخالف کو نہیں جانتے جو اس بات کی مخالفت کرتا ہو، اس کی وجہ سے اُس آدمی کو اسی طرح سزا دی جائے جس طرح محرمات کی خلاف ورزی کرنے پر دی جاتی ہے، یہ امت کی معزز ترین

ہستی کا انتقام ہے اور اس کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے، جس طرح کوئی شخص صحابہ یا علماء یا صالحین کو بُرا بھلا کہتا ہو۔

دوسری وجہ: رسول کریم ﷺ کو گالی دینا گویا تمام اُمت کو گالی دینا اور ان کے دین کو ہدف طعن بنانا ہے، اس گالی کی وجہ سے ان کو ننگ و عار لاحق ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ پوری جماعت کو زنا سے متہم کیا جائے کہ اس صورت میں اس کے فاعل کا کذب پہچانا جاتا ہے، اس سے بعض نفوس میں شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں، چونکہ اس نے تمام اہل ایمان کو ایسی ایذا دی ہے جو اُن کے قتل کی موجب ہے اور یہ ایسا حق ہے جس کا مطالبہ اُن پر واجب ہے، اس لیے کہ اقامتِ دین اُن پر واجب ہے تو یہ اُسی طرح ہوگا جس طرح ایسے فوت شدہ پر بہتان لگانا کہ زندہ ہونے کی حالت میں اس کا نسب مشکوک ہو اور اُس کا مطالبہ بھی کیا جائے، ظاہر ہے کہ ایسی حد کی اقامت ایک طے شدہ بات ہے۔

اس طرح رسول کریم ﷺ اور دیگر فوت شدگان کے مابین فرق، بقول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نمایاں ہو جاتا ہے، اس طرح کے دیگر فوت شدگان کے قذف کا ضرر ان کی ذات سے آگے نہیں بڑھتا، اگر اس سے مطالبہ کرنا مشکل ہو تو یوں کہنا ممکن ہے کہ اس پر قذف کی حد نہیں لگائی جاسکتی مگر رسول کریم ﷺ کے معاملے میں دراصل گالی کا ضرر امت کی طرف لوٹے گا اور وہ یوں کہ اس دین میں فساد بپا ہوگا، اس کی عصمت محفوظ نہیں رہے گی اور اس کا مرکز و محور رسوائی سے ہمکنار ہوگا ورنہ رسول اکرم ﷺ بذات خود اس کے نقصان سے متاثر نہیں ہوتے۔

ایک اور طریقے سے بھی رسول کریم ﷺ اور دیگر فوت شدگان کا باہمی فرق واضح ہوگا اور وہ یوں کہ دوسروں پر جو حدِ قذف لگائی جاتی ہے وہ تمام وارثوں یا ان میں سے بعض کے لیے ثابت ہوتی ہے، اس لیے کہ ننگ و عار وہاں میت کو لاحق ہوتی ہے یا اس کے وارثوں کو، مگر رسول کریم ﷺ کے معاملے میں یہ عار پوری امت کو لاحق ہوتی ہے، اس میں بنی ہاشم اور دوسروں میں کچھ فرق نہیں بلکہ جو امت اپنے نبی اور اللہ کے ساتھ شدید تر محبت رکھتی ہو، اس کی پیروی اور اکرام و توقیر میں بہت سخت ہو وہ اسی قدر زیادہ اس ایذا اور ضرر سے متاثر ہوتی ہے، یہ کھلی ہوئی بات ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں، چونکہ یہ ضرر پوری امت کو لاحق ہوتا ہے اس لیے اُمت کو اس پر قائم رہنا واجب ہے اور ان کے لیے کسی طرح بھی اس کو معاف کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ بات اُن پر دینی حق کی وجہ سے واجب ہوئی ہے، دنیوی حق کے باعث نہیں، برخلاف اس حد قذف کے جو ان کے کسی قریبی رشتہ دار پر لگائی جاتی ہے کہ

وہ اُن کے ذاتی اور دنیوی حق کی وجہ سے عائد کی جاتی ہے، لہٰذا وہ اُسے نظر انداز کر سکتے ہیں مگر اس کا تعلق ان کے دین کے ساتھ ہے، لہٰذا اِس کو معاف کرنا حدود اللہ کو معاف کرنا اور اس کی حرمتوں کے تقدس کو پامال کرنا ہے، پس مذکورہ صدر ہر دو مقدمات کا جواب ہو گیا۔

تیسری وجہ: رسول کریم ﷺ کا کوئی وارث نہیں،[1] لہٰذا یوں کہنا صحیح نہیں کہ آپ ﷺ کا حق عزت آپ ﷺ کے اہل بیت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لیے مخصوص ہونا اولیٰ ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی امت کا حق آپ ﷺ کے مال کی بجائے آپ ﷺ کی ناموس و آبرو کے ساتھ زیادہ وابستہ ہے، لہٰذا آپ ﷺ کا حق وصول کرنے کا مطالبہ ہر مسلم پر فرض ہے، اس لیے کہ یہی آپ ﷺ کی تائید وتقویت ہے جو کہ ہر مسلم پر فرض ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی مسلم یا معاہد کسی نبی کو قتل کر دے تو اس آدمی کو قتل کرنا اُمت پر فرض ہے، آپ ﷺ کے حقِ خون کو آپ ﷺ کے کسی وارث کی تحویل میں دینا روا نہیں، بشرطیکہ آپ ﷺ کا کوئی وارث ہو کہ وہ وارث اگر چاہے اُسے قتل کر دے اور اگر چاہے دیت لے کر یا بلا معاوضہ معاف کر دے، نبی کے قاتل کو قتل نہ کرنا اور بے کار بیٹھے رہنا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ فساد کے جملہ انواع سے عظیم تر ہے، یہ بھی جائز نہیں کہ قاتل کے توبہ کرنے یا اسلام لانے سے نبی کا حق ساقط ہو جائے، اس لیے کہ مسلم یا معاہد اگر مرتد ہو جائے یا عہد شکنی کر کے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو قصاص اس پر واجب ہے، قتل کے ساتھ ارتداد اور نقض عہد کو ملانے سے اس کی سزا میں کمی نہیں ہوگی اور مجھے یہ گمان نہیں کہ کوئی شخص اس کا مخالف ہو، حالانکہ باتفاق علماء محض نبی کو قتل کرنا اور نقض عہد بھی ارتداد ہے آپ ﷺ کی ناموس و آبرو آپ ﷺ کے خون کی مانند ہے کہ اس کی سزا بھی قتل ہے، جس طرح آپ ﷺ کے خون اور آبرو کی سزا مسلم کے اسلام لانے اور معاہد کے عہد کرنے سے رُک جاتی ہے، جب دونوں آپ ﷺ کی حرمت کو پامال کریں تو اس کی سزا بدیں وجہ ان پر واجب ہے۔

رسول ﷺ کو گالی دینے کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق متعلق ہے:

اٹھارہواں طریقہ: یہ قاضی ابو یعلیٰ کا طرزِ عمل ہے اور وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کے ساتھ دو حق متعلق ہیں:

۱۔ اللہ کا حق۔ ۲۔ آدمی کا حق۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٩٢٦)

اللہ کا حق تو ظاہر ہے اور وہ یہ کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے اس کی رسالت یا اس کی کتاب اور اس کے دین میں قدح وارد ہوتی ہے، باقی رہا آدمی کا حق تو وہ بھی ظاہر ہے، اس نے گالی دے کر رسول کریم ﷺ پر عیب لگایا اور آپ ﷺ کی عظمتِ شان کو بٹہ لگایا اور کسی سزا کے ساتھ جب اللہ اور آدمی کا حق دونوں متعلق ہوں تو وہ توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، مثلاً جنگ میں حد لگانا کہ اس کا قتل ناگزیر ہے، اگر اس پر قدرت پانے سے قبل توبہ کر لے تو اللہ کا حق قتل و صلب کے قطعی ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا اور آدمی کا حق، جو کہ قصاص ہے، ساقط نہ ہوگا اور یہاں بھی وہی صورت ہے۔

اگر معترض کہے کہ یہاں اللہ کا حق فائق ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر رسول کریم ﷺ اس کو معاف کر دیں تو آپ ﷺ کے معاف کرنے سے وہ حق ساقط نہ ہوگا۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ قاضی ابو یعلیٰ کے نزدیک یہ بات محلِ نظر ہے، علاوہ بریں آپ ﷺ کے معاف کرنے سے یہ حق اس لیے ساقط نہیں ہوتا کہ اس سے اللہ کا حق متعلق ہے، گویا یہ عدت کی طرح ہے کہ اگر خاوند اپنا حق عدت سے ساقط بھی کر دے تو وہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ اللہ کا حق اس سے وابستہ ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کا اس میں کچھ حق ہی نہیں، یہاں بھی اسی طرح ہے۔ قاضی ابو یعلیٰ کو شبہ ہوا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو اس کے معاف کرنے کا حق بھی ہے یا نہیں، دوسری جگہ قاضی مذکور نے صراحتاً کہا ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنے آپ کو دی گئی گالی کا حق ساقط کر سکتے ہیں، اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کا حق ہے۔ انصاری کا یہ قول پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ یہ فیصلہ آپ ﷺ نے اس لیے کیا (کہ میرا مدّ مقابل) آپ ﷺ کا پھوپھی زاد تھا، اس نے ایسی بات کہی تھی جس کی وجہ سے وہ سزا کا مستحق ہو سکتا تھا، مگر اس کو اس لیے سزا نہ دی کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو بات کہی تھی اس نے اس سے یہ مطلب سمجھا کہ آپ ﷺ نے انصاری کے خلاف فیصلہ اس لیے دیا کہ زبیر رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے رشتہ دار تھے۔

نیز اس آدمی کے بارے میں جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سخت سست کہا، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو سزا نہ دی، قاضی ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ تعزیر یہاں اس لیے واجب ہوئی کہ یہ آدمی کا حق تھا اور وہ یہ کہ اس نے رسول کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھا اور ان کو اس کے معاف کرنے کا بھی حق تھا۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنا حق لے بھی سکتے تھے اور اُسے معاف بھی کر سکتے تھے۔

ابن عقیل کہتے ہیں کہ اس آدمی نے رسول کریم ﷺ کے سامنے ایسا کام کیا جو سزا کا مقتضی تھا

اور اس نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ گستاخی کا ارتکاب بھی کیا، پس شرعی حق کی وجہ سے اس کی تعزیر واجب تھی، بجز اس کے کہ اس تعزیر کو اپنی ذات کے ساتھ مخصوص فرماتے، ابن عقیل یہ بھی کہتے ہیں کہ پانی کو اس کے کھیت سے روک کر آپ ﷺ نے اس پر تعزیر بھی لگائی، اس کے حق میں یہ ایک طرح کا ضرر، آبرو کا نقصان اور اس کے حق کی وصولی میں تاخیر کا موجب تھا، (یعنی اس کے کھیت کو دیر سے پانی لگے گا) ہمارا موقف یہ ہے کہ مالی سزائیں اب بھی باقی ہیں اور منسوخ نہیں ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو جسمانی سزا ہی دی جائے۔

ابن عقیل کا یہ قول تین امور کو متضمن ہے:

۱۔ ایک یہ کہ یہ قول تعزیر کا موجب ہے نہ کہ قتل کا۔

۲۔ دوسرے یہ تعزیر شرعی حق کی وجہ سے واجب ہے اور آپ ﷺ کو معاف کرنے کا اختیار نہ تھا۔

۳۔ تیسرے یہ کہ آپ ﷺ نے پانی روک کر اس کو سزا دی۔

مگر یہ تینوں وجوہ نہایت ضعیف ہیں اور قطعی درست بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کو معاف کرنے کا حق حاصل تھا، جیسا کہ احادیث ذکر کر کے ہم ان میں مضمر حکمت و مصلحت بیان کر چکے ہیں، اسی طرح یہ امر بھی اس طریقے کا مؤید ہوگا۔ علاوہ ازیں جو بات ہم نے ذکر کی ہے وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ گالی دینے والے کو سزا دیتے اور اس موقع پر ایذا دیتے تھے جہاں حقوق اللہ ساقط ہو جائیں، البتہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا فوت شدہ کو گالی دینے کے ہم معنی ہے اور یہ (جرم) توبہ سے بالکل ساقط نہیں ہوتا۔

بنا بریں اللہ کو گالی دینے اور رسول ﷺ کو گالی دینے کا فرق ظاہر ہے، اس لیے کہ اللہ کو گالی دینا بطور خاص اللہ کا حق ہے، مثلاً زنا، سرقہ اور شراب نوشی وغیرہ، مگر نبی کو گالی دینا دونوں کا حق ہے، اس لیے آدمی کا حق توبہ سے ساقط نہیں ہوتا، مثلاً جنگ میں قتل کرنا۔

اسلام صرف اسی کے خون کو محفوظ کرتا ہے جس سے قبول کرنا واجب ہو:

انیسواں طریقہ: قبل ازیں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ابن ابی سرح کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا حالانکہ وہ اسلام قبول کر کے توبہ کرنے آیا تھا، انس بن زنیم کے خون کو ساقط کر دیا تھا اور سفارش کے بعد اُسے معاف کر دیا، ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ اسلام لا کر ہجرت کرنے آئے تھے، جن خواتین نے بغیر جنگ کے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دی تھیں آپ ﷺ نے

ان کو قتل کر دیا تھا حالانکہ وہ اطاعت شعار تھیں، مزید برآں یہ لوگ حربی تھے اور گالی نہ دینے کے پابند نہ تھے اور نہ ہمارے ساتھ انھوں نے عہد باندھا تھا۔

جو شخص ہمارے ساتھ عہد باندھے اور امان طلب کر کے گالی نہ دینے کا عہد کرے اور پھر اسلام لانے کے ارادے سے توبہ کرنے کے لیے آئے اور اسلام سے رغبت بھی رکھتا ہو یا تو اس سے وجوباً اسلام کو قبول کر لیا جائے اور اس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے، اور یا اس سے اسلام کو قبول کرنا واجب نہ ہو، اگر اس کو واجب قرار دیا جائے تو یہ خلاف سنت ہے، اور اگر کہا جائے کہ واجب نہیں ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ جب توبہ کرنے اور اسلام لانے کے لیے آئے تو اس کو قتل کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ توبہ اور اسلام کا اظہار کرتا ہو، فقہاء میں سے کوئی بھی اس کے جوازِ قتل کا منکر نہیں ہے۔

اس لیے کہ اسلام لانے کے ارادے کا اظہار گویا اس میں داخل ہونے کے مترادف ہے، جس طرح شہادتین کا زبانی اظہار ان کی پابندی کرنا اور ان کو تسلیم کرنا ہے اور اسلام صرف اسی کے خون کو بچا سکتا ہے جس سے قبول کرنا واجب ہو، جب وہ ظاہر کرے کہ وہ اسلام لانے کا خواہاں ہے تو اس نے وہ چیز ظاہر کر دی جس کو قبول کرنا واجب ہے، لہٰذا اس کو قبول کرنا واجب ہے، گویا اس نے اُسے ایذا دی۔

یہاں ایک بہت اچھا نکتہ ہے اور وہ یہ کہ ابن ابی امیہ اور ابوسفیان دونوں کافر رہے تھے۔ اس واقعہ میں یہ بات مذکور نہیں کہ ان دونوں کے آنے کے بعد آپ ﷺ نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس میں جو بات مذکور ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں سے اعراض کیا تھا، گویا یہ رسول کریم ﷺ کی طرف سے سزا تھی، باقی رہی ابن ابی سرح کی روایت تو وہ اس بارے میں نص کا درجہ رکھتی ہے کہ جب وہ بیعت کرنے کے لیے آیا تھا تو اس کا خون مباح تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن ابی سرح مسلم تھا، وہ مرتد ہو گیا اور اس نے رسول کریم ﷺ پر افترا پردازی کی اور وہ یہ کہ وہ رسول کریم ﷺ کے لیے قرآن کریم کی کتابت کیا کرتا تھا اور جو وحی وہ لکھا کرتا تھا رسول کریم ﷺ کو اس کی تلقین (لقمہ دیتا اور خود الفاظ گھڑ لیا کرتا تھا) کیا کرتا تھا، وہ ان لوگوں میں شمار ہوتا تھا جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر مرتد ہو گیا تھا اور جو شخص آپ ﷺ کو گالیاں دے کر مرتد ہوا ہو رسول کریم ﷺ توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اس کو قتل کر سکتے تھے اور آپ ﷺ اُسے معاف بھی کر سکتے تھے، البتہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس کو قتل کرنا ایک طے شدہ بات ہے۔

جہاں تک ابن زُنیم کے واقعہ کا تعلق ہے وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے

قبل مسلمان ہوگیا تھا، تاہم اس کا خون مباح تھا، یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے تحقیق کرنے کے بعد اس کو معاف کر دیا، اسی طرح وہ عورتیں رسول کریم ﷺ نے جن کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، اس کی وجہ، واللہ اعلم، یہ تھی کہ انھوں نے معاہدہ کرنے کے بعد آپ ﷺ کو گالیاں دیں تھیں جس سے اُن کا عہد ٹوٹ گیا، چنانچہ ان میں سے دو کو قتل کیا گیا اور تیسری کا خون بھی محفوظ نہ تھا یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد اس کے لیے امان طلب کی گئی، اور اگر اسلام لانے کی وجہ سے اس کا خون محفوظ ہوتا تو امان کی ضرورت نہ تھی۔ اس طریقے کی بنا اس بات پر رکھی گئی ہے کہ جو شخص اس امر کا اظہار کرے کہ وہ اسلام لانے کے لیے آیا ہے تو اسلام لانے کے بعد بھی اُسے قتل کرنا جائز ہے، اس لیے کہ جس کے خون کو صرف معافی اور امان ہی بچا سکتی ہو اسلام اس کے خون کو تحفظ نہیں دے سکتا، اگرچہ اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے مگر ہم نے اس ماخذ کی خصوصیت کی وجہ سے اس کا اعادہ کیا۔

نصوص سے ایک حالت اور دوسری حالت کا فرق ظاہر نہیں ہوتا:

بیسواں طریقہ: احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے اُسے قتل کیا جائے، ان میں اس سے توبہ کا مطالبہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اور اسلام لانے والے کو مستثنیٰ بھی نہیں کیا گیا۔ زانی کو قتل کرنے کے بارے میں شادی شدہ کی قید بھی نہیں لگائی گئی، اگر کوئی حالت مستثنیٰ ہوتی تو اس کی وضاحت ضرور کی جاتی، کیونکہ اس سے رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کا صدور ہوا ہے اور اس کا قتل بھی اُسی سے متعلق ہے، ہمیں کوئی حدیث اور اثر ایسا نہیں ملا جو اِس کے معارض ہو، یہ رسول کریم ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث کے خلاف ہے:

''جو شخص اپنا دین تبدیل کر لے اُسے قتل کر دو۔''[1]

اس لیے کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرتا ہے وہ تبدیلی پر قائم رہتا ہے، ماسوا اُس شخص کے جو اُسے چھوڑ کر پھر پہلے دین کی طرف لوٹ آئے، اسی طرح رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''اپنے دین کو ترک کرنے والا اور جماعت سے الگ ہونے والا۔''[2]

کیونکہ جو شخص پہلے دین کی طرف لوٹ آئے اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنے دین کو چھوڑنے والا اور جماعت سے الگ ہونے والا ہے اور یہ مسلم یا معاہد جب رسول کریم ﷺ کو

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠١٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٨٧٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٧٦)

گالی دے کر توبہ کر لے اس کے بارے میں یوں کہنا ممکن نہیں کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا نہیں یا اس نے رسول کریم ﷺ کو گالی نہیں دی، اس لیے کہ وہ اس وصف کے ساتھ موصوف ہے، خواہ توبہ کرے یا نہ کرے، جس طرح زانی، سارق اور بہتان لگانے والے کو اسی وصف کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے۔

کیا مسلم اور ذمی میں فرق ہے؟

اکیسواں طریقہ: ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کوئی مسلم اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اُسے قتل کیا جائے، اگرچہ وہ توبہ کر لے، اس کی نص اور نظیر ہم ذکر کر چکے ہیں اور ذمی کا بھی یہی حال ہے، اس لیے کہ جو فرق بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلم کے بارے میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ منافق ہے یا مرتد، اور اس پر حدود شرعیہ میں سے ایک حد واجب ہو چکی ہے جو اس پر لگائی جا سکتی ہے اور یہی بات ذمی میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس کا اظہارِ اسلام ذمہ کے اظہار کی مانند ہے، جب وہ اپنے عہد اور امان میں سچا نہ ہو تو اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے اسلام و ایمان میں سچا ہے، جبکہ وہ معاہد ہے اور اس پر حدود شرعیہ میں سے ایک حد واجب ہو چکی ہے، جو دیگر حدود کی طرح اس پر لگائی جائے گی۔

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ مسلم کو قتل کرنا اولیٰ ہے، اس کے مخالف اس شخص کا قول ہے جو کہتا ہے کہ ذمی کا قتل اولیٰ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی کے خون میں تقدس کی کمی ہوتی ہے اور جب ذمی ہونے کی حالت میں کسی وجہ سے اس پر قتل واجب ہو تو اس کے اسلام لانے سے وہ ساقط نہیں ہوگا۔ اس کی مزید توضیح یوں ہے کہ اس کا خون علانیہ گالی دینے سے مباح ٹھہرتا ہے، برخلاف مسلم کے کہ اس کا خون محفوظ ہے۔ اس امر کا بھی امکان ہے کہ اس نے غلطی سے گالی دی ہو، جب وہ گالی سے توبہ کر لے اور اسلام کا اظہار کرے تو اس صورت میں خون کی حفاظت کرنے والا موجود ہوگا اور اس کو مباح کرنے والا کمزور پڑ جائے گا، اور ذمی جو خون کو مباح کرنے والا موجود ہے اور خون کو بچانے والا واجب شدہ کو زائل نہیں کر سکتا، اس وجہ سے وہ قوی تر ہوگا۔

آپ دیکھتے نہیں کہ مسلم اگر منافق ہوتا تو محض گالی پر اکتفا نہ کرتا بلکہ اس سے کفریہ کلمات کا ظہور و صدور از بس ناگزیر ہے، برخلاف ذمی کے کہ اس سے کفر کی دلیل طلب نہیں کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ گالی دینا اس کی سب سے نمایاں تر دلیل ہے۔

گالی کی سزا اسلام لانے سے زائل نہیں ہوتی:

بائیسواں طریقہ: یہ گالی ایسی مخلوق کو دی گئی ہے جس کے معاف کرنے کا کچھ علم نہیں، اس لیے (اس کا جرم) اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوگا، جس طرح دیگر مومنین کو گالی دی جائے تو وہ معاف نہیں ہوتی بلکہ یہ گالی اُن سے قبیح تر ہے، اس لیے کہ ذمی اگر مسلم یا معاہد کو گالی دے اور پھر اسلام قبول کر لے تو اُسے سزا دی جائے گی جس طرح اسلام لانے سے قبل اُسے سزا دینا ضروری تھا۔ یہی بات اس صورت میں ہوگی جبکہ وہ رسول کریم ﷺ کو گالی دے بلکہ رسول ﷺ کو گالی دینے کا جرم اس سے زیادہ ہے، اسی طرح مسلم کے بارے میں کہا جائے گا جبکہ وہ رسول کریم ﷺ کو گالی دے۔

اس کی مزید توضیح یوں ہے کہ بہتان طراز اور دشنام دہندہ جب کسی آدمی پر بہتان لگائے اور حاکمِ وقت کی عدالت میں اس کے خلاف نالش کی جائے، پھر وہ توبہ کرلے تو اس پر حد لگائی جائے گی۔ یہ حد اس پر اس لیے واجب ہوئی ہے کہ ننگ و عار کی وجہ سے اس کی عزت میں کمی واقع ہوئی ہے کیونکہ زنا ایک ایسا معاملہ ہے جسے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔

کسی آدمی کے بہتان لگانے سے یہ لازم آتا ہے کہ بہت سے لوگ اس کی تصدیق کریں گے، یہ گناہ ایسے کبائر میں سے ہے کہ ننگ وعار کے لحاظ سے کوئی بھی اس کے مساوی نہیں ہے، بشرطیکہ یہ صحیح اور درست ہو، اور اگر غلط بھی ہو تو طوقِ عار میں کوئی چیز اس کے مماثل نہیں، اس لیے کہ اگر کسی کو قتل سے متہم کرے تو یہ مقتول کے اولیاء کا حق ہے۔

(یہ دو حال سے خالی نہیں) یا تو بہتان لگانے والا جھوٹا ہوگا یا جس پر بہتان لگایا گیا وہ اس حق سے بری ہوگا۔ اس کو یا تو حق والوں نے بَری ٹھہرایا یا صلح کی بنا پر بَری ہوا یا کسی اور وجہ سے، بایں طور کہ اس پر عار باقی نہ رہے۔ کفر کا بہتان لگانا بھی اسی طرح ہے کیونکہ جس اسلام کا اظہار وہ کرتا ہے وہ بہتان لگانے والے کو جھٹلاتا ہے، لہٰذا اُس کا ضرر بہتان لگانے والے کو پہنچتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ پر بہتان عظیم لگانے سے آپ کو ننگ و عار اور رسوائی لاحق ہوتی ہے، گالی خواہ کسی قسم کی بھی دی جائے اس سے آپ ﷺ کی نبوت میں طعن لازم آتا ہے جو کہ ایک پوشیدہ وصف ہے۔ اس کا کلام بعض نفوس پر اثر انداز ہوتا ہے، اگر وہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کرے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کلام خوف اور تقیہ کی وجہ سے صادر ہوا ہے، لہٰذا اُس کو جو عار و ننگ لاحق ہوئی ہے اس کا ازالہ نہیں ہوگا، جس طرح وہ عار زائل نہیں ہوتی جو بہتان زدہ شخص کو قاذف کے توبہ کا اعلان کرنے سے

لاحق ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی توبہ بالاتفاق اس سے زوالِ فسق کی موجب نہیں ہوتی، اور اکثر فقہاء کے نزدیک اس کی شہادت قبول کرنا واجب ہے اور مقذوف کی وجہ سے جو حد لگنا ضروری تھا وہ ساقط نہیں ہوگا، یہی حال شاتم رسول کا ہے۔

اگر معترض کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جو ظاہر معجزات اور براہین آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لیے عطا کیے تھے وہ گالی کی عار کا ازالہ کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی براءت و معصومیت کو ظاہر کرتے ہیں، برخلاف اس شخص کے جس پر زنا کا بہتان لگایا گیا ہو۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس بنا پر لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول کریم ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو زنا سے متہم کرے تو بہتان لگانے والے پر حدِ قذف واجب نہیں ہوگی مگر یہ بات ساقط الاعتبار ہے، اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی ہجو گوئی کرے تو اس کی پرواہ نہ کی جائے، بلکہ اس جرم یا کسی اور جرم کی بنا پر دین اسلام یا عہد سے نکلنے والے دونوں یکساں ہوں گے، ظاہر ہے کہ یہ بات کتاب وسنت اور علمائے سلف کے نظریات کے خلاف ہے، اندریں صورت لازم لائے گا کہ اگر کوئی پرلے درجے کا احمق اور جھوٹا آدمی، جو اس وصف میں عوام وخواص کے نزدیک مشہور ہو، ایک ایسے آدمی پر بہتان لگائے جو عفت وتقوے کے لحاظ سے عوام میں مشہور ہو تو اُس پر حد نہ لگائی جائے، مگر یہ سب باتیں فاسد ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی گالی اور بہتان کے بارے میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ عقلاء کے دلوں پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے؟ بلکہ اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ کمزور عقل اور مریض دلوں والے لوگوں پر اس کے کیا اثرات مترتب ہوں گے؟ پھر اس شخص نے یہ بات سنی جسے اس کا کاذب ہونا معلوم ہے اور جس نے اس بات پر اعتراض نہیں کیا کہ اس شخص کی عزت وحرمت اُس کے نزدیک کم ہے اور بسا اوقات اس کے (دل میں) مختلف قسم کے شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں، اس لیے کہ دل بہت جلد بدل جانے والے ہوتے ہیں۔

جس طرح حدِ قذف اس لیے مشروع ہوئی ہے کہ ناموس وآبرو کو آلودگیوں اور خباثتوں سے بچایا جائے اور خواہش کی ستر پوشی کی جائے اسی طرح رسول کریم ﷺ کی ناموس کو ایسی آلودگی سے بچانا، جس سے آپ ﷺ کا بری ہونا ثابت ہو چکا ہے، اولیٰ ہے۔ نیز اُن کلمات کی پردہ پوشی جن کے ذریعے آپ ﷺ کو ایذا دی گئی بھی افضل ہے کیونکہ ان کا ذکر کرنے سے آپ ﷺ کی گستاخی کی جسارت آسان ہو جاتی ہے، البتہ اس گالی اور بہتان کی سزا قتل ہے، اس لیے کہ یہ عظیم جسارت ہے اور

اس کا اثر حد درجہ قبیح ہے اگرچہ اس کی تاثیر اس کے سوا کچھ اور نہ ہو کہ اس سے آپ ﷺ کی حرمت پامال ہوتی ہے یا کسی کے دل میں فساد واقع ہوتا ہے، یا کسی کے دل میں ایسا شبہ پیدا ہوتا ہے جس کا کچھ حصہ بھی قتل کو واجب کرتا ہے، کسی اور کی آبرو کے عین برخلاف کہ اس سے ایسا نتیجہ برآمد ہونے کا خدشہ نہیں، اس وہم کا جواب آگے آ رہا ہے کہ نبی کو گالی دینے اور غیر نبی کو گالی دینے میں یہ فرق ہے کہ غیر نبی کو گالی دینے سے جو حد لازم آتی ہے وہ توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور نبی کو دی گئی گالی کی حد توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتی۔

کفر سے بڑھ کر جو سزا ذمی پر واجب ہو اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتی:

تیئیسواں طریقہ: ذمی اگر گالی دے تو اُسے قتل کرنا یا تو جائز غیر واجب ہے یا واجب ہے، پہلی بات باطل ہے، اس کی وجہ ہمارے پیش کردہ دلائل ہیں جو مسئلہ نمبر ۲ کے سلسلے میں ہم نے دیے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ قتل واجب ہے اور جب واجب ہے تو ہر قتل یا سزا جو ذمی پر واجب ہو اور جرم کی مقدار کفر سے زیادہ ہو تو وہ ہرگز ساقط نہ ہوگی، یہ بات اجماع اور قیاس جلی سے ثابت ہو چکی ہے، اس کو زنا، ڈاکہ زنی کرتے ہوئے کسی کو قتل کرنے اور مسلم یا ذمی کو قتل کرنے کی وجہ سے قتل کرنا واجب ہے اور اسلام قتل واجب کو ساقط نہیں کر سکتا۔ اسی سے ذمی کو قتل کرنے نیز حربی کافر اور محض ناقضِ عہد کو قتل کرنے کا فرق ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کہ قتل وہاں فرض عین نہیں ہے، نیز اس سے اس کے اسلام لانے سے جزیہ کے سقوط کے مابین فرق واضح ہوتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے سوا اکثر فقہاء سقوط کے قائل ہیں، اس لیے کہ جزیہ بعض علماء کے نزدیک اقامت علی الکفر کی سزا ہے، جبکہ بعض علماء کے نزدیک جزیہ خون کی حفاظت کا بدل ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جزیہ دارالاسلام میں رہنے کا کرایہ ہے اور یہ اس شخص کے حق میں ہے جس کا دارالاسلام میں اپنا گھر نہ ہو، پس ثابت ہوا کہ کوئی سزا بھی ایسی نہیں جو مقدار زائد علی الکفر کی بنا پر واجب ہوئی ہو۔

سابقہ سبب کی وجہ سے جو سزا واجب ہوتی ہے وہ توبہ کے بعد بھی باقی رہتی ہے:

چوبیسواں طریقہ: چوبیسواں طریقہ یہ ہے کہ یہ قتل سابق سبب کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا ہے، لہٰذا توبہ اور اسلام کی بنا پر ساقط نہیں ہوگا، مثلاً زنا یا رہزنی کی وجہ سے قتل کرنا، اس کا عکس یہ ہے کہ سبب حاضر کی وجہ سے قتل کیا جائے اور وہ ایسا قتل ہے جو قدیم کفر کی وجہ سے جو ہنوز باقی ہو یا نوپید، جدید اور

موجود کفر کی وجہ سے عمل میں آئے، یعنی اصلی کفر یا ہنگامی اور نیا ظہور پذیر ہونے والا کفر، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کعب بن اشرف کو کون ٹھکانے لگائے گا کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی ہے؟''[1]

چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس کو سابقہ ایذا رسانی کی وجہ سے قتل کیا، آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا ہے، اسی طرح سابق الذکر دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ گالی قتل کی موجب ہوئی اور گالی کلام کی ایک قسم ہے جس کو دوام و بقا نہیں ہے بلکہ وہ ان افعال میں سے ہے جو ختم ہو جاتے ہیں، مثلاً قتل اور زنا وغیرہ، ادر جو فعل ایسا ہو اس کے بارے میں شرعی فیصلہ یہ ہے کہ اس کے فاعل کو مطلقاً سزا دی جائے، برخلاف قتل کے جو ارتداد یا کفر اصلی کی وجہ سے عمل میں لایا جائے۔ کافر کو اس لیے قتل کیا جاتا ہے کہ اس کو قتل کرتے وقت کفر موجود ہوتا ہے، اس لیے کہ کفر ایک عقیدے کا نام ہے اور عقیدہ دل میں موجود ہوتا ہے، اس کا عقیدہ ہونا اس وقت ظاہر ہوتا ہے جو وہ کچھ بولتا ہے، جب اس کا ظہور ہوتا ہے تو اصل بات یہ ہے کہ وہ باقی رہے، بایں طور یہ عقیدہ قتل کرتے وقت دل میں موجود ہوتا ہے اور یہ مسلّمہ حقیقت ہے، اس کی اساس اس بات پر رکھی گئی ہے کہ گالی دینے والے کو محض اس لیے قتل نہیں کیا جاتا کہ وہ مرتد ہوگیا ہے یا اس نے عہد توڑ دیا ہے، جس طرح دوسرے لوگ صرف مرتد ہوتے یا صرف عہد شکنی کا ارتکاب کرتے ہیں، بلکہ اس کو اس سے زائد جرم کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے اور وہ ایذا اور ضرر رسانی ہے جس کا وہ مرتکب ہوا اور یہ ایک ایسا ضابطہ ہے جس کی تمہید اس طرح رکھی گئی ہے کہ کسی دانا آدمی کے لیے اس میں شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ایک ایذا ہے جو قتل کی موجب ہے اس لیے توبہ سے ساقط نہیں ہوتی:

پچیسواں طریقہ: یہ وہ قتل ہے جس کا تعلق رسول اکرم ﷺ کی ذات کے ساتھ ہے، اس لیے دشنام دہندہ کے اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوتی، جیسے اس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مسلم یا معاہد اگر کسی نبی کو قتل کر دے، پھر اس کے بعد اسلام لائے تو قتل اس سے ساقط نہیں

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۲۵۱۰) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۸۰۱)

ہوگا، اگر وہ اُمت کے کسی فرد کو قتل کر دے تو اسلام لانے کے ساتھ قتل کا جرم اس سے ساقط نہیں ہوگا، پھر نبی کا قتل کیونکر ساقط ہوسکتا ہے؟ یہ بھی جائز نہیں کہ قاتل کے مسلمان ہونے کی صورت میں حاکم وقت کو اختیار ہو کہ اُسے قتل کرے یا دیت کو بھی معاف کر دے یا اس سے بڑا کام کرے، جس طرح حاکم کو اختیار ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو قتل کرے جس کا کوئی وارث نہ ہو تو جو سزا چاہے اس کو دے، اس لیے کہ کسی نبی کا قتل محاربہ کے جملہ انواع میں سے عظیم تر ہے اور خدا کی زمین میں فساد پھیلانے کی ایک کوشش ہے کیونکہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کی اور بلاشبہ زمین میں فساد برپا کرنے کی سعی کی۔

اور جب رسول کریم ﷺ کے حکم کے خلاف لڑنے والا آپ ﷺ کے خلاف محارب اور (خدا کی) زمین میں فساد برپا کرنے والا ہے تو جو شخص اس سے لڑے یا اُسے قتل کر دے تو وہ اس سے بھی زیادہ جنگ خو اور زمین میں فساد برپا کرنے والا ہے، اور یہ کفر اور نقضِ عہد کی ایک عظیم تر نوع ہے، اگرچہ اس کا خیال یہ ہو کہ اس نے اُسے حلال سمجھ کر قتل نہیں کیا، جیسا کہ اسحاق بن راہویہ نے ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع منعقد ہوا ہے اور یہ ظاہر بات ہے، جب ذاتی طور پر اس کا قتل واجب ہے، اگرچہ وہ مسلمان ہو چکا ہو تو اس کو گالی دینے والے کو قتل کرنا بھی واجب ہے، اگرچہ وہ مسلمان بھی ہو چکا ہو اس لیے کہ یہ دونوں ایذا رسانی کی قسمیں ہیں اور قتل کی موجب ہیں، صرف اس لیے نہیں کہ یہ ارتداد یا نقض عہد ہے اور نہ اس لیے کہ یہ دوسرے کو قتل کرنے اور گالی دینے کے مماثل ہے، اس لیے کہ غیر (نبی) کو گالی دینا قتل کا موجب نہیں بلکہ غیر نبی کو قتل کرنے کی سزا قصاص ہے جس میں مقتول کے وارث یا حاکم کو اختیار ہوتا ہے کہ قاتل کو قتل کرے یا دیت وصول کرے، مقتول کے وارث کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ قاتل کو بالکل معاف کر دے۔

بلکہ اس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ ہے اور خدا کی زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش ہے، اور ہمیں کوئی ایسی چیز معلوم نہیں جو اس سے بڑھ کر ہو کیونکہ سب سے عظیم ترین گناہ کفر ہے اور اس کے بعد کسی کی جان لینا، اور یہ بدترین کفر ہے، اس لیے کہ اس میں اس شخص کی جان لی جاتی ہے جس کی قدر و منزلت سب سے بڑھ کر ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کو (رسول کریم ﷺ) کو گالی دینے کی سزا اِسلام لانے سے ساقط ہو جاتی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ یہ بھی کہے کہ اس کا قاتل جب اسلام قبول کرتا ہے تو اس شخص کے قاتل کی طرح ہو جاتا ہے، جو ایسے آدمی کو قتل

کرے جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس لیے کہ ارتداد اور نقضِ عہد کی وجہ سے قتل تو ساقط ہوا، اب صرف قصاص باقی رہا، جیسا کہ بعض (فقہاء) نے کہا ہے کہ بہتان لگانے والا اگر اسلام لائے تو اُسے اَسّی کوڑے مارے جائیں یا یوں کہے کہ قصاص اس سے بالکل ہی ساقط ہوجاتا ہے، جس طرح اس کی حدِ قذف اور گالی کی سزا مطلقاً ساقط ہوجاتی ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ گالی کی سزا کفر کی سزا میں مدغم ہوگئی، بطور خاص اس کی رائے کے مطابق اگر گالی دینے والا ایسا کافر ذمی ہے جس کو قتل کرنا اور اس کے ساتھ عداوت رکھنا حلال ہے، پھر وہ اسلام لائے۔

یہ قول حد درجہ قبیح اور قابل نفرت ہے جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی جگہ میں انبیاء کے خون تو رائیگاں جائیں اور دوسروں کے خونوں کا قصاص لیا جائے، بنو اسرائیل جن عام حوادث و آلام سے دوچار ہوئے، مثلاً ذلت، افلاس و غربت، خون ریزی، اموال کا چھینا جانا، بادشاہت کا زوال، بچوں کا قیدی بنایا جانا، روز قیامت تک اغیار کی غلامی، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ آیات خداوندی کا انکار کرتے اور ناحق انبیاء کو قتل کرتے تھے، جس کسی نے بھی کسی نبی کو قتل کیا اس کا یہی حال ہوا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ﴾

[التوبۃ: ۱۲]

”اور اگر وہ اپنی قسمیں توڑ ڈالیں عہد باندھنے کے بعد اور تمھارے دین پر طعنہ زن ہوں۔“

اس میں خاص کا عطف عام پر ہے، اگر یہ باطل ہے تو اس کی نظیر بھی اسی کی طرح باطل ہے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایذا دینا یا تو عموم کفر و نقض میں داخل ہے یا رسول کریم ﷺ کو ایذا دینا دوسروں کو ایذا دینے کے مساوی ہے، یا بطور خاص آپ کو گالی دینا قتل کا موجب ہے، جب پہلی دونوں قسمیں باطل ہوئیں تو صرف تیسری قسم باقی رہی اور جب صرف آپ ﷺ کو گالی دینے سے بطور خاص اس کا قتل واجب ہوتا ہے تو بلاشبہ مطلقاً بھی قتل کو واجب کرتا ہے۔

واضح رہے کہ مسئلہ زیرِ قلم میں شبہ کا منبع و مصدر قیاس فاسد ہے اور وہ یہ کہ دو متباین چیزیں جو کسی طرح بھی جمع نہ ہوسکتی ہوں ان کو جنس کے لحاظ سے مساوی قرار دیا جائے، یعنی نبی ﷺ کی آبرو اور خون کو غیر نبی کی آبرو اور خون کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا جائے اور ایک کی پامالی کو دوسرے کی پامالی کے ساتھ یکساں بنا دیا جائے، حالانکہ یہ بات بداہتاً باطل ہے جس کو زبان پر لانے سے رونگٹے کھڑے

ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ جو شخص اُسے محض ارتداد یا نقضِ عہد کی وجہ سے قتل کرتا ہے اور نبی کی ایذا رسانی کو بالخصوص کوئی اہمیت نہیں دیتا اس کے نزدیک مؤثر صرف وصفِ کفر کا عموم ہے، یا تو وہ خصوصی اذیت کو رائیگاں قرار دیتا ہے یا نبی اور غیر نبی کی ایذا رسانی کو یہ خیال کرتے ہوئے مساوی قرار دیتا ہے کہ اس کو کفر یا نقضِ عہد قرار دینا انتہائی تعظیم کی وجہ سے ہے، یہ اس شخص کا اندازِ استدلال ہے جو سمجھتا ہے کہ رسول ﷺ کا اس کے سوا کوئی حق نہیں کہ اس کی رسالت کی تصدیق کی جائے، اس کے سوا دیگر حقوق میں ایک نبی اور دیگر تمام مومنین مساوی ہیں۔

یہ خبیث کلام ہے اور اس کا مصدر و منبع کم عقلی اور نادانی ہے، پھر یہ عقیدہ نفاق کی جانب کھینچ لے جاتا ہے، اور یہ خدشہ دامن گیر ہوتا ہے کہ یہ نفاق اکبر تک نہ پہنچ جائے اور دراصل یہ اس کے لائق بھی ہے، فقہاء میں سے جس نے یہ بات کہی ہے کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس سے ایسا اعتراض لازم آئے کہ وہ اُسے زبان پر نہ لا سکے، کیونکہ رسول کریم ﷺ کی ذات اس سے کہیں بلند ہے کہ ان کے بارے میں ایسی بات کہی جائے مگر ان کے نقطۂ نظر سے اس بات کا لازم آنا از بس ناگزیر ہے، اور کسی قول کے فساد و بطلان کے لیے یہ بات کافی ہے کہ تحریر کے بعد اس کی یہ حقیقت ہو۔

ورنہ جو شخص تصور کرتا ہے کہ نبی کے حقوق کثیر بھی ہوتے ہیں اور عظیم بھی اور وہ آپ ﷺ کے ساتھ ایمان لانے کی طرف منسوب ہیں اور وہ حقوق آپ ﷺ پر ایمان لانے کے علاوہ اُن پر مستزاد ہیں، اس کے لیے کیونکر جائز ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ایذا رسانی کو رائیگاں قرار دے، جب اس کے بارے میں فرض کیا گیا ہے کہ وہ کافر نہیں ہے یا آپ ﷺ کی ایذا کو دوسروں کی ایذا کے ہم پلہ قرار دیتا ہو، بتایئے اگر کوئی شخص اپنے باپ کو گالی اور ایذا دے تو کیا اس کے لیے وہی سزا مشروع ہوگی جو اس کے باپ کے علاوہ کسی اور کو گالی دینے کی صورت میں ہوگی یا اس سے شدید تر ہوگی، جبکہ حقوق کا تقابل عقوق (نافرمانی) کے ساتھ کیا جائے گا؟

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ [الإسراء: ۲۳]

"ان دونوں کو اُف تک نہ کہو اور کہو ان سے اچھی بات۔"

مراسیل ابی داود میں ابن المسیب سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو اپنے باپ کو مارے اُسے قتل کر دو۔''[1]

الغرض دانشمند آدمی سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ والدین کے حقوق چونکہ عظیم تر ہیں اس لیے ان کی زبانی ایذا رسانی کی سزا بھی شدید تر ہے، اگرچہ وہ کفر نہیں ہے، جب کسی انسان پر نبی کے حقوق محض تصدیق تک محدود نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں، نیز نبی ﷺ پر ایذا کے تمام اقسام وانواع کو حرام ٹھہرایا جو تکذیب کو مستلزم نہیں، لہٰذا لازم ٹھہرا کہ ان خصوصیات کے ترک اور محل پر سزائیں بھی دی جائیں۔ اس بات پر ایک طرح سے محققین کا اجماع ہو چکا ہے کہ اگر آپ ﷺ کو ایذا دی جائے اس کی سزا دوسروں کو دی جانے والی سزا کے مساوی نہیں ہونی چاہیے، اور یہ ظاہر بات ہے۔ اب صرف یہ بات باقی رہی جبکہ قتل نافرمانی کے حقوق کی جو سزا ہے، اس کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہو، اگرچہ اس کے حق میں یہ قلیل ہے اور آخرت کا عذاب اس کے مقابلے میں بہت سخت ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے والے پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجی اور اس کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

رسول کریم ﷺ کو گالی دینا آپ ﷺ کی ازواج کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی زیادہ گھناؤنا جرم ہے:

چھبیسواں طریقہ: ہم قبل ازیں سنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ جو شخص حضور کی ازواج مطہرات سے نکاح کر کے آپ ﷺ کو ایذا پہنچائے اس کو قتل کیا جائے، اس باب سے تعرض اس لیے کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی حیات و ممات دونوں صورتوں میں آپ ﷺ کا اکرام واحترام ملحوظ رہے، ایسے آدمی کو زنا کی حد لگا کر قتل نہیں کیا جاتا اور نہ اس لیے کہ اُس نے ذوات محارم اور دیگر حرام عورتوں سے جماع کیا بلکہ قتل کی وجہ رسول کریم ﷺ کی ایذا رسانی ہے، خواہ اس فعل کو کفر قرار دیا جائے یا نہ دیا جائے، اگر یہ کفر نہیں تاہم آپ ﷺ کو ایذا دینے والے کا قتل ثابت ہو چکا

---

[1] مراسیل أبي داود، رقم الحدیث (۵۱) یہ ابن المسیب کے ارسال کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ نے اسے متصل سند کے ساتھ بھی بیان کیا ہے لیکن اس میں ابوبکر الغسانی الشامی ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: (الکامل: ۲/ ۴۶۹۔ ۴۷۱) اسی طرح خرائطی نے ابن المسیب عن أبیہ کی سند ذکر کی ہے۔ جس سے ارسال کی علت مندفع ہو جاتی ہے لیکن اس میں عبداللہ بن مصعب الزبیری ضعیف ہے۔ (مساوئ الأخلاق، ص: ۵۰) رقم الحدیث (۸۰) ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ (العلل المتناهیة: ۲/ ۳۲)

ہے، اگر چہ وہ کافر نہ بھی ہو اور مقصود بھی یہی ہے، اس لیے کہ گالی دے کر آپ ﷺ کو ایذا پہنچانا شدید تر جرم ہے۔ اور اگر اس کو کفر قرار دیا جائے اور فرض کر لیا جائے کہ وہ توبہ کر چکا ہے تو یوں کہنا صحیح نہیں کہ قتل اس سے ساقط ہو جائے گا، کیونکہ یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ بعض افعال قتل کے موجب ہوں، اگر اس پر قابو پالیا جائے، امام کے نزدیک اس کا جرم ثابت بھی ہو جائے اور وہ توبہ کر لے تو اس کا قتل ساقط ہو جائے گا مگر شریعت میں یہ بات موجود نہیں اور جس مسئلہ کی کوئی نظیر نہ ہو اس کو صرف نص کے ذریعے ہی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ بخدا! یہ بات بڑی آسان ہے، اس لیے کہ ایسے فعل سے زبان کے ساتھ زبان کا اظہار، جس کو نفوس پسند کرتے ہوں، اصحاب غرض پر آسان ہے، جبکہ اُس پر قابو پالیا جائے تو اس قسم کی حد بایں طور ساقط ہو جاتی ہے اور اس ایذا رسانی نے جب اس قتل کو ساقط نہ کیا جو اس کے فاعل پر واجب ہوا تھا تو وہ قتل، جس کو لسانی ایذا نے واجب کیا تھا، بالاولیٰ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ قرآن نے لسانی ایذا کو اس ایذا کے مقابلے میں غلیظ تر کہا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی کفر ہیں، جب ادنی کام کرنے والے سے قتل ساقط نہیں ہوتا تو بڑا جرم کرنے والے کا قتل کیسے ساقط ہو گیا؟

رسول اللہ ﷺ کا دشنام دہندہ اس کا دشمن ہے، اس لیے وہ خیر و برکت سے محروم رہے گا:

ستائیسواں طریقہ: قرآن میں فرمایا:

﴿ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ [الکوثر: ۳]

''بے شک تیرا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔''

اس آیت میں فرمایا کہ تیرا دشمن ہی ''اَبتر'' ہے، اس کا مادہ ''بتر'' ہے، جس کے معنی کاٹنے کے ہیں، عربی میں یہ باب ''بَتَرَ يَبْتُرُ بَتْرًا'' (کاٹنا) آتا ہے، ''سَيْفٌ بَتَّارٌ'' کے معنی تیز تلوار کے ہیں، اس سے اشتقاق اکبر ''تَبَّرَهٗ تَتْبِيْرًا'' (ہلاک کرنا) آتا ہے، التَّبار کے معنی ہلاکت اور خسارے کے آتے ہیں۔ اس آیت میں حصر اور تاکید کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، عرب کے مشرک کہتے تھے کہ محمد ﷺ کا ذکر ختم ہو جائے گا، اس لیے کہ آپ ﷺ لا ولد ہیں۔[1] اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص آپ ﷺ سے دشمنی رکھتا ہے وہی بے نشان ہے، نہ کہ آپ ﷺ۔ عداوت دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو وہ جو ظاہر نہیں ہوتی اور دوسری وہ جو زبان کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے، یہ عداوت کی شدید ترین قسم ہے۔

[1] البعث والنشور للبیهقي (ص: ۱۱۵) رقم الحدیث (۱۲٦)

ہر جرم جس کا مرتکب اللہ کی طرف سے سزا کا مستحق ہو، جب وہ یہ جرم علانیہ ہمارے سامنے کرے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اُسے سزا دیں اور اس پر اللہ کی حد قائم کریں، جو شخص بھی آپ ﷺ کے خلاف خفیہ یا علانیہ عداوت کرے تو ہم اُسے تہس نہس کر دیں، بایں طور اس کا قتل واجب ہے، اگرچہ قابو میں آنے کے بعد توبہ کا اظہار کرے، ورنہ اکثر اوقات ہمارے ہاتھوں آپ کا کوئی دشمن بھی ہلاک نہیں ہوگا، اس لیے کہ اظہارِ عداوت کے بعد وہ جب تلوار دیکھے گا تو تائب ہوجائے گا، تلوار سے ڈرنے والے کے لیے یہ بات بڑی آسان ہے۔

اس کی توضیح و تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن رسول ﷺ کی ہلاکت کو آپ ﷺ کی عداوت پر مرتب کیا ہے، اور جب کسی حکم کو مشتق مناسب کے ساتھ وابستہ کیا جائے تو یہ اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ مشتق منہ اس حکم کے لیے علت ہے، اس لیے رسول کریم ﷺ کی عداوت ہی اس کی بربادی کو مستلزم ہے، عداوت جس کفرِ محض یا نقضِ عہد پر مشتمل ہے یہ اس سے اخص ہے اور اس کو قطع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اُسے جہنم رسید کیا جائے بلکہ اس سے بڑھ کر اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا نام ونشان مٹا دیا جائے، اگر اظہارِ عداوت کے بعد بھی اُسے زندہ رہنے دیا جائے تو اس طرح اس کا نام ونشان باقی رہے گا اور جب بھی عداوت کرنا چاہے گا تو اس کے نام ونشان کو محو کر دیا جائے گا، گویا یہ بھی ایک ان اسباب میں سے ہے جو کسی شخص کے قتل کے موجب ہوتے ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو ذمی کے قتل کی موجب ہو مگر وہ اسلام لانے کے بعد اپنے قتل کا خود موجب بنتا ہے، اس لیے کہ کفر محض قتل کا جواز پیدا کرتا ہے، علی الاطلاق اس کو واجب نہیں ٹھہراتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے ذکر کو بلند کیا ہے، لہٰذا جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ساتھ ہی آپ ﷺ کا ذکر خیر بھی کیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کے متبعین کا ذکر تا قیامت بلند کیا جاتا ہے، حتی کہ اس شخص کا ذکر بھی کیا جاتا ہے جس نے آپ ﷺ کی ایک حدیث بھی دوسروں تک پہنچائی ہو اگرچہ وہ فقیہ نہ بھی ہو، ایسے شخص نے رسول کریم ﷺ کے دشمن منافقین اور اُن کے برادران اہل کتاب اور دوسروں کا قلع قمع کر دیا، لہٰذا اُس کا ذکر حمید باقی نہیں رہے گا، اگرچہ ایک خاص وقت تک ان کے اجسام باقی رہیں گے، بشرطیکہ وہ بغض و عداوت کا اظہار نہ کریں، جونہی وہ کینہ توزی کا اظہار کریں گے اُن کے اجسام واعیان کا وجود نہ فرضاً باقی رہے گا نہ تشریعاً۔ اگر کسی طرح سے اظہارِ عداوت کرنے والے کو زندہ رہنے دیا جائے تو وہ "مبتور" (ہلاک و برباد) نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ

"بتر" کے معنی یہ ہیں کہ جمیع اطراف و جہات سے اس کو محو کر دیا جائے، اگر کسی وجہ سے بھی وہ باقی رہتا تو اُسے "مبتور" نہ کہا جاتا۔

یہ بات اس امر کی آئینہ داری کرتی ہے کہ جن سزاؤں کو اللہ نے عبرت پذیری کے لیے مشروع کیا ہے، مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا وغیرہ وہ توبہ کے اظہار سے ساقط نہیں ہوتیں، کیونکہ اس طرح عبرت آموزی باقی نہیں رہتی، پس جو سزا اِس لیے مشروع ہوئی ہے کہ اس کا مرتکب ملیامیٹ اور نیست و نابود ہو جائے، پکڑے جانے کے بعد وہ کیسے ساقط ہو سکتی ہے؟ کیونکہ یہ الفاظ اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مقصود اِن کے مرتکب کا استیصال، قلع قمع اور ان کی عداوت کو مٹا دیتا ہے، ظاہر ہے کہ جو چیز ایسی ہو اس کی سزا کا ساقط ہونا ہر چیز سے بعید تر ہے، غور و فکر کرنے والے کے لیے یہ چیز اظہر من الشمس ہے۔ واللہ اعلم

مخالفین کے دلائل کا جواب:

پہلی دلیل: مخالفین کی پہلی دلیل یہ ہے کہ دشنام دہندہ چونکہ مرتد ہے، اس لیے دیگر مرتدین کی طرح اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کے معنی یہ ہیں کہ اس نے ایسا کلمہ کہا جس کی وجہ سے وہ مباح الدم کافر ہو گیا مگر اس کے ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ رسول کریم ﷺ کی تصدیق کرنے والا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرنے والا ہو مگر آپ ﷺ کی تصدیق کا تقاضا یہ بھی ہے کہ گفتگو کرتے وقت رسول کریم ﷺ کے احترام و اکرام کو ملحوظ رکھا جائے، جب اپنی گفتگو میں وہ آپ ﷺ کی تنقیص کرے گا تو تصدیق باقی نہیں رہے گی، اور یہ اسی طرح ہوگا جس طرح ابلیس نے اللہ کی ربوبیت کا اعتراف کیا تھا، اس اعتراف کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ کے سامنے جھکتا جب تکبر کی بنا پر اس نے اللہ کے حکم کو نہ مانا تو اس اعتراف کا حکم جاتا رہا۔

ہر مرتد سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا:

اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے میں قول و عمل دونوں شامل ہیں، یعنی قول سے جو حکم مستفاد ہوتا ہے اُس پر عمل کیا جائے اور دل سے اس کی عظمت و جلالت کو تسلیم کیا جائے، جب اس کے برعکس تکبر کا اظہار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی توہین و تخفیف کا مرتکب ہوگا تو وہ کافر ٹھہرے گا، اسی طرح نبی کا قتل کفر ہے اور اُس پر سب علماء کا اتفاق ہے، بنا بریں مرتد ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو اسلام لانے کے

بعد ایسے قول وعمل کا اظہار کرے جو اسلام سے متصادم ہو اور اس سے میل نہ کھاتا ہو۔

جب صورتحال یہ ہے تو ہر وہ شخص جس کو مرتد کہا جاتا ہے اسلام لانے سے اُس کا خون محفوظ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بعموم الفاظ رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہوا، رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے چند مخصوص اشخاص کے بارے میں جو کچھ منقول ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُن سے توبہ کا مطالبہ کیا یا انھیں توبہ کے مطالبے کا حکم دیا گیا، پھر انھیں مامور کیا گیا کہ گالی دینے والے کو قتل کر دیں، چنانچہ انھوں نے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر انھیں تہہ تیغ کر دیا۔

رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے قبیلہ عرینہ والوں کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کر دیا، علاوہ ازیں آپ ﷺ نے ابن خطل، مقیس بن صبابہ اور ابن ابی سرح سے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر ان کے خون کو رائیگاں قرار دیا، چنانچہ ان میں سے دو کو قتل کیا گیا اور تیسرے کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ وہ اُسے قتل کر دیں، حالانکہ وہ توبہ کرنے کے لیے آیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل یہی تھا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بعض مرتد ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں قتل کیا جاتا ہے اور اُن سے نہ تو توبہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی اُن کی توبہ مقبول ہوتی ہے۔ بعض مرتد ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور ان کی توبہ مقبول بھی ہوتی ہے، چنانچہ جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ اس نے اپنے مذہب کو ترک کر دیا ہے اور علانیہ وہ اس کا اظہار بھی کرتا ہے تو ایسا شخص اگر توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، مثلاً حارث بن سوید اور اس کے رفقاء جو خلافت صدیقی میں مرتد ہو گئے تھے اور انھوں نے ارتداد کے ساتھ ساتھ اہل اسلام کو قتل کرنے، رہزنی اور رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے اور آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کا ارتکاب بھی کیا تھا، اگر ایسا شخص دارالاسلام میں سکونت گزیں ہو اور قوت وشوکت سے بھی بہرہ ور نہ ہو، پھر وہ اسلام لائے تو اُسے پکڑ کر قتل کر دیا جائے، اس لیے کہ اسلام قبول کرنے کے باوجود وہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتا اور رہزنی کا ارتکاب کرتا رہا ہے۔

یہ ان لوگوں کا اندازِ استدلال ہے جو اُسے اس لیے قتل کرتے ہیں کہ وہ گالیاں دیتا ہے اور اس نے حدود شرعیہ میں سے ایک حد کو توڑا اور رسول کریم ﷺ کے حق کی خلاف ورزی کی ہے۔

دوسری دلیل: ان لوگوں کا قول ہے کہ ارتداد کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ارتدادِ مجرد، یعنی صرف ارتداد۔

۲۔ ارتداد مغلظ۔

اور توبہ صرف پہلی قسم میں مشروع ہے، دوسری میں نہیں، ظاہر ہے کہ یہ ارتداد مغلّظ ہے اور قبل ازیں اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

جواب: اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ارتداد کی صرف ایک ہی قسم ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کی توبہ مقبول ہے، لہٰذا اس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اور ایسی کوئی نص موجود نہیں، اور قیاس اس لیے دشوار ہے کہ دونوں قسموں میں فرق پایا جاتا ہے۔

تیسری دلیل: بعض لوگ گالی دینے والے کو اس لیے قتل کرتے ہیں کہ وہ زندیق ہے، ان کے مخالفین کہتے ہیں کہ اس کا زندیق ہونا ثابت نہیں کیونکہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس کی توبہ صحیح ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔

جواب: انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول سے جو احتجاج کیا تھا اس کا جواب یہی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے، باقی رہی یہ بات کہ نابینے (صحابی رضی اللہ عنہ) نے اپنی اُم ولد لونڈی سے توبہ کا مطالبہ کیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نہ تو حاکمِ وقت تھا اور نہ ہی اقامت حدود اس پر واجب تھی۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ حد قائم کر سکتا تھا یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے بارے میں یہ درست ہے کہ وہ گالی دینے والے کو منع کرے یا اس سے توبہ کا مطالبہ کرے، اس لیے کہ وہ از خود نہ تو حد لگا سکتا ہے اور نہ تنہا سلطان کے سامنے شہادت دے سکتا ہے کیونکہ اس کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ بعض مسلمان منافقوں سے ایسے جملے سنتے جو کفر کے موجب ہوتے، بعض اوقات وہ ایسے جملوں کو رسول کریم ﷺ تک پہنچا دیتے اور بعض اوقات وہ ایسا کرنے والے کو روکتے، ڈراتے اور توبہ کا مطالبہ کرتے، یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص زنا، چوری یا ڈاکے کا مرتکب ہوتا تو مسلمان اُسے منع کرتے تاکہ حاکم کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے سے پہلے وہ توبہ کر لے اور اگر توبہ کرنے سے قبل اس کا مقدمہ عدالت میں دائر کر دیا جاتا تو اس کے بعد توبہ کرنے سے اس کی حد ساقط نہ ہوتی۔

دوسری دلیل کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے:

وجہ اول: پہلی وجہ یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرنے کی بنا پر اُسے قتل کیا جائے گا اور ان کا یہ قول کہ جو شخص بھی اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ ہمارے لیے قابل تسلیم نہیں ہے، باقی رہی آیت تو وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص ایمان لانے

کے بعد کافر ہو جائے اور وہ اپنے کفر میں اضافہ نہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی مگر جو شخص کافر ہو جانے کے بعد اپنے کفر میں اضافہ کر لے تو آیت اس کی توبہ کے مقبول ہونے پر دلالت نہیں کرتی بلکہ آیت کریمہ:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا ﴾ [آل عمران: ۹۰]

"بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے۔"

سے بعض لوگ اس کے خلاف استدلال کرتے ہیں، البتہ وہ توبہ کرنے والے اور اپنی اصلاح کرنے والے کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، مگر یہ اس شخص کے بارے میں ممکن نہیں جو پکڑے جانے کے بعد توبہ کر لے، مگر سنت نبوی سے ہم نے استفادہ کیا ہے کہ محض توبہ کرنے سے ہی قتل اس سے ساقط ہو جاتا ہے، سنت صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو محض ارتداد کا ارتکاب کرتا ہے، جیسے حارث بن سوید۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ارتداد کو مغلظ بنا لے جیسے ابن ابی سرح تو اُسے توبہ کرنے اور اسلام لانے کے بعد قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔

وجہ ثانی: دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرنے کی بنا پر اُسے قتل کیا جائے گا، نیز اس لیے کہ وہ گالی دینے کا مرتکب ہوا ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، اس طرح یہ حدیث کے عموم میں داخل ہو گیا۔ مزید برآں گالی دینے سے اس کا جرم مغلظ اور اس کا قتل مؤکد ہو گیا۔

وجہ ثالث: تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ دلیل عام ہے، اور نماز اور دیگر فرائض کے ترک کرنے والے کو ان لوگوں کے نزدیک اس سے مستثنیٰ کیا گیا جو اُسے قتل تو کرتے ہیں مگر اس کی تکفیر نہیں کرتے۔ نیز سنت اور اجماع کی بنا پر اس سے باغی اور حملہ کنندہ کے قتل کو مخصوص کر دیا گیا، اگر معترض کہے کہ سابق الذکر دلائل کی بنا پر گالی قتل کی موجب ہے، حالانکہ وہ اس حدیث سے اخص ہے تو یہ صحیح بات ہو گی۔

باقی رہے وہ (اہل علم) جو اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ذمی اگر گالیاں دے کر پھر اسلام لے آئے (تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا) اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ذمی کا قتل اسلام لانے سے پہلے واجب تھا، رسول اکرم ﷺ کا مطلب اس حدیث سے یہ ہے کہ کسی کا خون اسلام لانے سے محفوظ ہو جاتا ہے (اور اگر پھر غلطی کرے) تو وہ مباح الدم ہو جاتا ہے، مگر اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ جو شخص پہلے واجب القتل ہو اور پھر اسلام قبول کرے تو اس کا حکم کیا ہے؟ مذکورہ حدیث کو اس پر محمول نہیں کیا جا سکتا، اگر اس حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ جو اسباب اسلام

لانے سے قبل و بعد موجود تھے ان کی وجہ سے وہ مباح الدم ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ حربی کافر جب قتل یا زنا کرے، پھر شہادتین کا اقرار کر لے تو اس کے باوجود اُسے قتل اور زنا کے جرم میں قتل کیا جائے، کیونکہ اندریں صورت حدیث کا مفہوم اس پر بھی مشتمل ہے، حالانکہ یہ بات قطعاً باطل ہے، حدیث مذکور کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جو شخص بھی اسلام کو قبول کر لے اُس کو صرف تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں قتل کیا جا سکتا ہے، جبکہ یہ صورت اسلام لانے کے بعد صادر ہو، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کسی ذمی کو اس قتل یا زنا کی بنا پر قتل نہ کیا جائے جو اسلام لانے سے قبل اس سے صادر ہوا ہو۔

اس سے مستفاد ہوا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلم شہادتین کا اقرار کر کے اپنے خون کو بچا لے اس کے بعد اس کا خون تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے پیش آنے سے مباح ہو سکتا ہے، پھر اگر اس بات کو ایک ضابطہ کلیہ قرار دیا جائے تو اس کی تخصیص ہماری پیش کردہ دلیل سے ہوگی اور وہ یہ کہ اس کا قتل حدود شرعیہ میں سے ایک حد ہے، اور وہ یہ کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جائے اسلام اس کے خون کو محفوظ کر دیتا ہے اور اس کے بعد تب مباح ہوتا ہے اگر وہ سابق الذکر تین کاموں میں سے کسی کا مرتکب ہو، بعض اوقات کسی مانع کے پیش آ جانے سے اس کلیہ پر عمل نہیں کیا جاتا، مثلاً قصاص یا زنا کی حد ثابت ہو جائے یا ایسا نقضِ عہد ہو جو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہو، وغیر ذلک، عمومات میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔

باقی رہی آیت کریمہ جس کے بارے میں دو وجوہ کا ذکر کیا گیا ہے، ہم اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کا مرتکب ہو اور پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا، کیونکہ وہ رحم کرنے والا ہے، ہم بھی آیت کے اس مفہوم کو تسلیم کرتے ہیں، تاہم جو شخص کفر کے ساتھ توہینِ رسول اور آپ ﷺ پر افترا پردازی کو بھی منضم کر لے یا رسول ﷺ کو قتل کرے یا کسی مسلم کو قتل کرے یا اس کی آبرو ریزی کرے تو آیت میں یہ بات مذکور نہیں کہ اس کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ﴾ [آل عمران: ۸۹]

''مگر وہ لوگ جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔''

اس آیت میں توبہ سے مراد مذکورہ گناہ سے توبہ ہے اور وہ گناہ کفر بعد از ایمان ہے، ظاہر ہے کہ یہ گناہ کفر سے بڑھ کر ہے اور اس کی سزا بھی مخصوص ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، آیت میں توبہ سے مراد

کفر سے توبہ ہے، آیت میں کسی اور توبہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ جو لوگ اس سے زندیق مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ توبہ کر چکا ہے، مزید برآں آیت میں صرف توبہ اور اصلاح کرنے والوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور جس کا معاملہ میری عدالت میں لایا گیا ہے اس نے ہنوز اپنی اصلاح نہیں کی۔

اس لیے اس پر جو سزا واجب ہوئی ہے میں اُسے مؤخر نہیں کرتا، جب تک اس کی صلاح وفلاح ظاہر نہ ہو، مگر آیت اس آدمی کے تذکرے پر مشتمل ہے جو بُرا کام کرنے کے بعد توبہ اور اصلاح کر لے قبل اس کے کہ اس کا معاملہ حاکم کی عدالت میں پہنچے مگر بہت سے فقہاء اس ضمن میں سقوطِ توبہ کے بھی قائل ہیں۔

بایں ہمہ اس سے اگلی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ مرتد دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ ایک قسم کا مرتد وہ ہے جس کی توبہ مقبول ہوتی ہے اور وہ ایسا مرتد ہے جو محض کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔

۲۔ دوسری قسم کا مرتد وہ ہوتا ہے جس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی اور وہ ایسا کافر ہے جو اپنے کفر میں اضافہ کرتا ہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ﴾ [آل عمران: ۹۰]

"بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔"

اگرچہ بعض لوگوں نے اس آیت کی تاویل یوں کی ہے کہ جس نے اپنے کفر کو طول دیا یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت آ گیا، مگر الفاظ کے عموم کی وجہ سے اس آیت سے مسئلہ زیر قلم پر بھی استدلال کیا جا سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ جس شخص نے ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کر لیا اور پھر رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر یا کوئی اور کام کر کے اپنے کفر میں اضافہ کر لیا تو اس کی توبہ مقبول نہیں ہوگی، خصوصاً وہ شخص جس کا کفر یہاں تک طول کھینچے کہ اس پر حد شرعی ثابت ہو جائے اور حاکم وقت اُسے قتل کرنا چاہے، ایسے شخص کے بارے میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ا۔ فر کو طول دیا یہاں تک کہ اس نے موت کے آثار و اسباب دیکھ لیے، اس کے بارے میں یہ بھی وارد ہوا ہے:

﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ﴾ [المؤمن: ۸۴]

"جب انھوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہا کہ ہم صرف اللہ پر ایمان لائے جو تنہا ہے۔"

باقی رہی یہ آیت:

﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ﴾ [الأنفال: ٣٨]

"ان لوگوں سے کہہ دیجیے جنھوں نے کفر کیا کہ اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے سابقہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔"

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے، باقی رہے حدود شرعیہ جو کسی مسلم مرتد یا معاہد پر واجب ہوں تو بلاشبہ اُن پر عمل کرنا واجب ہے، علاوہ بریں سیاقِ کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق حربی کافر کے ساتھ ہے۔

ہم مزید کہتے ہیں کہ "ینتھوا" کے معنی یہ ہیں کہ اس فعل کو پکڑے جانے سے قبل ترک کر دیا جائے، جیسا کہ قرآن میں فرمایا:

﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ [الأحزاب: ٦٠]

بنا بریں جس شخص نے توبہ نہ کی یہاں تک کہ پکڑا گیا تو گویا وہ باز نہیں آیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو بخش دیا جائے گا اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ جس کو بخش دیا جائے اس سے دنیوی سزا ساقط ہو جائے گی، اس لیے کہ اگر چور یا زانی خلوصِ دل سے توبہ بھی کر لے تو اللہ اُسے بخش دے گا، البتہ اس پر حد ضرور لگائی جائے گی۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ "اسلام سابقہ گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے۔"[1]

۲۔ "توبہ سابقہ گناہوں کو ساقط کر دیتی ہے۔"[2]

ظاہر ہے کہ جب مجرم کو پکڑ لیا جائے تو اس کی حد ساقط نہیں ہوتی، جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے کہا کہ میں اس شرط پر آپ ﷺ کی بیعت کرتا ہوں کہ میرے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں تو اس کے جواب میں

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۱)

[2] توبہ کے متعلق مذکورہ الفاظ کسی حدیث میں ثابت نہیں ہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا أعرف له أصلاً" (السلسلة الضعيفة، رقم الحديث: ١٠٣٩)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام سابقہ گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے، نیز توبہ، ہجرت اور حج بھی سابقہ گناہوں کو ساقط کر دیتے ہیں۔'' [1]

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ یہ عبادات و ارکان اُن گناہوں اور لغزشوں کو ساقط کر دیتے ہیں جن کی مغفرت کے بارے میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تھا، اس حدیث میں حدود شرعیہ کا ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی وہ ان امور سے ساقط ہوتی ہیں۔ ابن ابی سرح کی روایت میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے گناہ اسلام لانے سے ساقط ہو گئے اور اس کا قتل رسول کریم ﷺ کے معاف کرنے سے ساقط ہوا، اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ عام اصول ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ ذمی کے اسلام لانے سے اُس پر جو حدود واجب ہوں وہ ساقط نہیں ہوتیں اور یہ بھی انھی میں سے ایک ہے جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔

باقی رہی مندرجہ ذیل آیت کریمہ:

﴿ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ﴾ [التوبة: ٦٦]

''اگر تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو دوسرے گروہ کو سزا دیں گے۔''

تو اس کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے:

وجہ اول: ایک بات یہ ہے کہ اس آیت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں کہ یہ آیت رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس آیت سے جو بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہر منافق رسول کریم ﷺ کو گالیاں نہیں دیتا۔ بخلاف ازیں آپ ﷺ کو گالیاں وہ شخص دیتا ہے جو رئیس المنافقین ہو اور جس کا نفاق قبیح تر درجے کا ہو، بعض منافق ایسے بھی ہوتے ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے، تاہم بہت سے کفار کی طرح وہ آپ ﷺ کو گالیاں نہیں دیتے، اور اگر ہر منافق گالی دینے والے کی طرح ہو تو اس سے ہر مرتد کا شاتم (دشنام دہندہ) ہونا لازم آتا ہے جو کہ بڑی دشوار بات ہے، حالانکہ معاملہ یوں نہیں ہے، اس لیے کہ گالی دینا نفاق و کفر سے ایک جداگانہ بات ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٣٦) صحیح مسلم کی روایت میں توبہ کے علاوہ اسلام، ہجرت اور حج کے متعلق بیان ہے کہ یہ سابقہ گناہوں کو ساقط کر دیتے ہیں۔

جبکہ کفار میں سے بعض لوگ ایسے تھے جو رسول کریم ﷺ سے اُلفت و محبت رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے، بہت سے کفار ایسے تھے جو آپ ﷺ سے ایذا رسانی کو روکتے تھے، بہت سے لوگ ایسے تھے جو آپ ﷺ کے ساتھ لڑتے تو تھے مگر آپ ﷺ کو گالیاں نہیں دیتے تھے، بلکہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کو ایذا نہیں دیتے تھے، قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ [التوبة: ٦١ تا ٦٦]

''اور ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں وہ (تو) ایک کان ہے۔ کہہ دے تمھارے لیے بھلائی کا کان ہے، اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مومنوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور ان کے لیے ایک رحمت ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ تمھارے لیے اللہ کی قسم کھاتے ہیں، تاکہ تمھیں خوش کریں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہے کہ وہ اسے خوش کریں، اگر وہ مومن ہیں۔ کیا انھوں نے نہیں جانا کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے تو بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے، یہی بہت بڑی رسوائی ہے۔ منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی

سورت اتاری جائے جو انھیں وہ باتیں بتا دے جو ان کے دلوں میں ہیں۔ کہہ دے تم مذاق اڑاؤ، بے شک اللہ ان باتوں کو نکالنے والا ہے، جن سے تم ڈرتے ہو۔ اور بلاشبہ اگر تو ان سے پوچھے تو ضرور ہی کہیں گے ہم تو صرف شغل کی بات کر رہے تھے اور دل لگی کر رہے تھے۔ کہہ دے کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ بہانے مت بناؤ، بے شک تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں تو ایک گروہ کو عذاب دیں گے، اس وجہ سے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔''

ان آیات میں گالی کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ استہزا بالدین کا تذکرہ ہے جو گالی گلوچ کو متضمن نہیں ہے مگر یہ وجہ محل نظر ہے، جیسا کہ اس آیت کے سبب نزول میں گزرا، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کلمات ایسی گالی پر مشتمل نہ تھے جس میں اختلاف پایا جاتا ہو مگر یہ بات صحیح نہیں۔

وجہ ثانی: علماء نے ذکر کیا ہے کہ معافی اس شخص کو دی گئی ہے جس نے ان کی ایذا کو سنا مگر بولا نہیں، اس کا نام مخشی بن حمیر ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کی توبہ قبول کی گئی، باقی رہے وہ لوگ جنھوں نے گالیاں دے کر آپ ﷺ کو ایذا پہنچائی تھی تو ان میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کیا گیا، اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ ''عفو مطلق'' (عام معافی) یہ ہے کہ گناہ کرنے پر مواخذہ نہ کیا جائے، اگرچہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا توبہ نہ بھی کرے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ﴾ [آل عمران: ۱۵۵]

''بے شک وہ لوگ جو تم میں سے پیٹھ پھیر کر چل دیے، جبکہ دونوں گروہ ملے تھے ان کو شیطان نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے پھسلا دیا تھا، اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔''

اور کفر ایسی چیز ہے جس کو معاف نہیں کیا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ جس گروہ کو معاف کیا گیا وہ گنہگار تو تھا مگر کافر نہ تھا، یا تو اس لیے کہ وہ کفر کی باتیں سنتے تھے مگر اس کی تردید نہیں کرتے تھے، علاوہ ازیں وہ آیات خداوندی کا مذاق اُڑانے والوں کی ہم نشینی اختیار کرتے تھے، یا یہ معنی کہ وہ گناہ کی باتیں کرتے تھے جو کفر نہ تھیں، بنا بریں یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان مذاق اُڑانے والوں کو سزا دینا ضروری ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی توبہ مقبول نہیں، اس لیے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اُسے سزا دی جائے گی اور وہ ایک معین شخص ہے، لہٰذا یہ نہیں

ہوسکتا کہ وہ ایسی توبہ کرے جو عذاب کو روک دے تاکہ یہ اس قابل ہو کہ اس کو مسئلہ زیر قلم کے لیے دلیل بنایا جاسکے۔

وجہ ثالث: قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ ان میں سے ایک گروہ کو سزا دینا ضروری ہے، بدیں شرط کہ دوسرے گروہ کو معاف کر دیا گیا ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سزا اُن کو لامحالہ مل کر رہے گی۔ اس میں کوئی بات ایسی نہیں جو معافی کے وقوع پر دلالت کرتی ہو، اس لیے کہ معافی صرف شرط کے ساتھ مشروط ہے، اس لیے عفو کا صرف احتمال ہے، باقی رہی سزا تو اس کا امکان عفو کی صورت میں بھی ہے مگر عدمِ عفو کی صورت میں سزا کا وقوع ازبس ناگزیر ہے، پس معلوم ہوا کہ سزا دیے بغیر چارہ نہیں، اب سزا یا تو عام ہوگی یا ان کے ساتھ مخصوص ہوگی اور اگر ان سب کی توبہ کا متوقع ہونا صحیح ہوتا تو ایسا نہ ہوتا، اس لیے کہ توبہ کرنے کی صورت میں عذاب نہیں دیا جاتا۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کا اُن کو سزا دینا ازبس ناگزیر ہے تو یوں کہنا درست نہیں کہ اُن کی توبہ مقبول ہے اور اظہار توبہ کی صورت میں ان کو سزا دینا حرام ہے، خواہ سزا سے خود اللہ تعالیٰ کا سزا دینا مراد ہو یا مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوانا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے علانیہ کفر کا اظہار کیا اُن کو اہل ایمان کے ہاتھوں سزا دی گئی، اور جس نے اپنے کفر کو چھپایا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اسے سزا دی۔ الغرض، اس آیت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں کہ عفو وقوع پذیر ہونے والا ہے، اور یہاں یہی بات کافی ہے۔

وجہ رابع: وجہ چہارم یہ ہے کہ اگر اس آیت میں اُن کی توبہ کے مقبول ہونے کی کوئی دلیل موجود ہے تو وہ حق ہے اور یہ تو اس وقت کی جائے گی جب حاکم کے پاس نفاق ثابت ہونے سے پہلے توبہ کر لیں، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا﴾ [الأحزاب: ٦٠، ٦١]

''یقیناً اگر یہ منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے لوگ باز نہ آئے تو ہم تجھے ضرور ہی ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ اس میں تیرے پڑوس میں نہیں رہیں گے مگر کم۔ اس حال میں کہ لعنت کیے ہوئے ہوں

گے، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں گے، بری طرح ٹکڑے کیا جانا۔"

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص باز نہ آئے یہاں تک کہ اُسے پکڑ لیا جائے تو اُسے قتل کر دیا جائے، بنابریں غالباً اللہ تعالیٰ کا مطلب یہ ہے، واللہ اعلم، کہ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے نفاق کو چھپائے رکھا یہاں تک کہ اس سے تائب ہوئے، پھر ﴿نعذب طائفة﴾ "ہم ایک گروہ کو سزا دیں گے" اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے کفر کا اظہار کیا یہاں تک کہ پکڑے گئے، بایں طور یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کفر کا اظہار کرنے والوں کو سزا دینا واجب ہے۔

وجہ خامس: اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ نفاق کا اظہار کرنے والے منافق کو معاف کرنا، خواہ توبہ کرے یا نہ کرے، منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ [التوبة: ۷۳]

"کفار اور مومنین سے جہاد کیجیے۔"

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ اللہ نے فرمایا: "اگر ہم معاف کر دیں" اور اس کو قطعی نہیں بنایا، سببِ نزول سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ نفاق ان پر ثابت ہو چکا تھا مگر رسول کریم ﷺ نے اُن کو سزا نہ دی، یہ واقعہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا، ابھی سورۃ التوبۃ نازل نہیں ہوئی تھی، اس کے بعد سورۃ التوبۃ نازل ہوئی، اس میں حکم دیا کہ مشرکین کے عہد ان کے منہ میں مار دو اور کفار و منافقین سے جہاد کیجیے۔

مخالفین کے شبہات کا جواب:

پہلا جواب: مذکورہ بالا آیات سے جو احتجاج کیا گیا ہے اس کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ اُنھوں نے کفر کا کلمہ کہا اور اس چیز کا قصد کیا جسے وہ حاصل نہ کر پائے، اس میں گالی کا ذکر نہیں کیا گیا اور کفر گالی دینے کی نسبت اعم ہے اور اعم کے ثابت ہونے سے اخص کا ثبوت لازم نہیں آتا مگر اس آیت کا جو سبب نزول بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت گالی دینے والوں کے بارے میں نازل ہوئی، لہٰذا یہ بات درست نہیں۔

دوسرا جواب: دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو ان لوگوں پر پیش کیا جو اللہ کی قسمیں کھاتے تھے کہ انھوں نے یہ بات نہیں کہی، یہ ان لوگوں کی حالت ہے جنھوں نے کفر کا کلمہ کہنے سے انکار کیا

اور اس پر قسم بھی کھائی، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو بتا دیا کہ اُنھوں نے جھوٹی قسم کھائی ہے، یہ ان بہت سے لوگوں کی حالت تھی جن کے بارے میں رسول کریم ﷺ کو نفاق کی کوئی بات پہنچتی مگر اس کی شہادت دینے والا کوئی نہ ہوتا، ظاہر ہے کہ ایسی بات پر حد شرعی نہیں لگائی جا سکتی، اس لیے کہ بظاہر اس کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی اور رسول کریم ﷺ حدود شرعیہ کے بارے میں ظاہر پر عمل کرتے ہیں۔

اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں انھوں نے جو تمام واقعات ذکر کیے ہیں ان میں یہ بات مذکور ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جو کچھ اُنھوں نے کہا تھا اس کو ایک حدیث بیان کر دیا اس کو یا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، یا عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے یا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یا چند اور لوگوں نے یا ان کے بارے میں وحی کے ذریعے اطلاع دی گئی، بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ یہ الفاظ الجلاس بن سوید سے نقل کیے گئے ہیں۔

جلاس نے اعتراف کیا کہ اس نے یہ بات کہی ہے اور پھر توبہ کر لی، مگر اُس کے خلاف کوئی شہادت قائم نہیں ہوئی۔ رسول کریم ﷺ نے اس کی بات کو قبول کیا۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ایسے آدمی کی توبہ مقبول ہے، یہ اس شخص کی توبہ ہے جس کا منافق ہونا ثابت ہو چکا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اگر وہ رازدارانہ طور پر خدا کے حضور میں تائب ہو جس طرح اس کا نفاق پوشیدہ تھا تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اگر کوئی منافق آ کر اپنے سابقہ نفاق اور اس سے توبہ کا اظہار کرے مگر اس کے منافق ہونے پر کوئی شہادت قائم نہ ہو تو مذہب مختار کے مطابق اس کی توبہ قبول کی جائے گی، جس طرح اس شخص کی توبہ مقبول ہے جو آ کر زنا یا سرقہ سے توبہ کرے اور صحیح مذہب کے مطابق اس کے خلاف وہ ثابت نہ ہو، باقی رہا وہ شخص جس کا منافق ہونا شہادت سے ثابت ہو تو آیت اور اس کے شان نزول میں اس کی توبہ کے مقبول ہونے کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، بلکہ نفس آیات میں اس کی توبہ کے ظاہر ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس کی توبہ کو بندے اور اللہ کے مابین ایک معاملے پر محمول کیا جائے، اس لیے کہ یہ بات اتفاقاً اس کے حق میں سود مند ہے اگرچہ اس پر حد لگائی جا چکی ہو، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا:

١۔ ﴿ وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ﴾ [آل عمران: ١٣٥]

''اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔''

۲۔ ﴿وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ [النساء: ۱۱۰]

''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کرے، پھر خدا سے بخشش مانگے تو خدا کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔''

۳۔ ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ [الزمر: ۵۳]

''اے میرے بندو جنھوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔''

۴۔ ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ [غافر: ۳]

''گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ کو قبول کرنے والا۔''

و دیگر آیات مگر بایں ہمہ اس سے لازم نہیں آتا کہ جو حد شہادت کی بنا پر اس شخص پر واجب ہو چکی ہو، جس نے ایسی بے حیائی کا ارتکاب کیا ہو جس سے حد لازم آتی ہے یا شراب نوشی کر کے اپنے اوپر ستم ڈھایا ہو یا چوری کی ہو۔

اگر وہ شخص کہے جس کے نزدیک منافق سے ۔ ر ساقط نہیں ہوتی، خواہ اس کا نفاق شہادت سے ثابت ہوا ہو یا اقرار سے کہ اس آیت میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں جو اس سے حد کے ساقط ہونے پر دلالت کرے تو اس کی بات درست ہوگی۔

تیسرا جواب: فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ [التوبة: ۷۳]

''کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے۔''

اس آیت میں منافقین کے ساتھ جہاد کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی حکمت و مصلحت پر روشنی ڈالی گئی اور ان کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے، جو اُن کے ساتھ جہاد کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے کہ حکم کا ذکر کرنے

کے بعد اگر وصف مناسب کا ذکر کیا جائے تو وہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے اور یہ الفاظ کہ ﴿یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا﴾ [التوبة: ٧٤]ان کا وصف ہے جو اُن کے ساتھ جہاد کرنے کے مناسب ہے، اس لیے کہ ان کا جھوٹی قسمیں کھانا، ایمان کا اظہار اور کفر کو چھپانا، اس امر کا موجب ہے کہ ان پر سختی کی جاتی اور وہ یوں کہ نہ تو ان کی توبہ قبول کی جائے اور جس ایمان کا وہ اظہار کرتے ہیں نہ اس کی تصدیق کی جائے، بخلاف ازیں اُنھیں سرزنش کی جائے اور یہ بات ان کے منہ پر ماری جائے۔

مذکورہ صدر بیان اس امر کی دلیل ہے کہ پکڑے جانے کے بعد وہ جس توبہ کا اظہار کرتا ہے اُسے قبول نہ کیا جائے، اس لیے کہ وہ اپنے ماضی کے بارے میں بھی جھوٹا بیان دیتا رہا ہے کہ اس نے کفر نہیں کیا، اور اپنے حال کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ کافر نہیں، جب اللہ تعالیٰ نے اُن کی حالت پر روشنی ڈالی جس سے لازم آتا ہے کہ اُن کی تصدیق نہ کی جائے تو اس ضمن میں ان کی تصدیق نہیں کرنا چاہیے کہ وہ کافر نہیں، جبکہ ان کا کفر ثابت ہو چکا ہے، بخلاف ازیں وہ مندرجہ ذیل آیت کے مصداق ہیں:

﴿وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ﴾ [المنافقون: ١]

''اور اللہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔''

مگر بدیں شرط اس کا جھوٹا ہونا اس بارے میں ظاہر ہو جائے، اگر اس کا کاذب ہونا ظاہر نہ ہو تو ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ ہم لوگوں کے دل اور پیٹ پھاڑ کر اس کی تحقیق کر لیا، بنا بریں آیت کریمہ:

﴿فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَکُ خَیْرًا لَّھُمْ﴾ [التوبة: ٧٤]

''اگر توبہ کر لیں تو اُن کے لیے بہتر ہوگا۔''

کے معنی یہ ہوں گے کہ ظہورِ نفاق اور حاکم کے سامنے قیامِ شہادت سے قبل اگر توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا، بایں طور جہاد کا موقع و محل توبہ سے مختلف ہے، ورنہ ہر وقت ظاہری توبہ قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اُن سے جہاد کا موقع کسی وقت بھی فراہم نہ ہو۔

جواب چہارم:

خداوند کریم نے اس سے آگے فرمایا:

﴿وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ [التوبة: ٧٤]

''اور اگر وہ پھر جائیں تو اللہ انھیں دردناک عذاب دے گا۔''

اور مندرجہ ذیل آیت میں اس کی مزید توضیح فرمائی:

﴿ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ﴾ [التوبۃ: ۵۲]

''اور ہم تمھارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا (یا تو) اپنے پاس سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے۔''

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ توبہ اس سے قبل ہوگی کہ ہم اُن پر قابو پا کر اُن کو سزا دیں، اس لیے کہ جو شخص توبہ سے رُوگردانی کرے، نفاق کا اظہار کرے، اُس پر شہادت بھی قائم ہوجائے اور اس کو پکڑ لیا جائے تو گویا اس نے اس توبہ سے رُوگردانی کی جس کا موقع اللہ تعالیٰ نے اُسے فراہم کیا تھا، لہٰذا واجب ہے کہ اللہ اُسے دنیا میں سخت عذاب سے دوچار کرے، ظاہر ہے کہ قتل بھی دردناک عذاب میں شامل ہے۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ انھیں قتل کا عذاب دیا جائے، اس لیے رُوگردانی کرنے والا زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتا ہے کہ توبہ کو اس وقت تک چھوڑے رکھے جب تک لوگ اُسے نہ چھوڑتے ہوں، اس لیے کہ اگر موت تک چھوڑنا مراد ہو تو پھر اُسے دنیا میں عذاب سے دوچار نہیں کیا جائے گا کیونکہ دنیا کے عذاب کا وقت گزر چکا ہے، بنا بریں توبہ سے رُوگردانی یہ ہے کہ وہ توبہ کو چھوڑ دے، جبکہ اس کے اور موت کے درمیان کچھ وقفہ موجود ہو، جس میں اللہ اُسے عذاب دے سکتا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

اور جو شخص پکڑے جانے کے بعد توبہ کرے تو وہ ان لوگوں میں شامل ہے جنھوں نے قبل ازیں توبہ نہیں کی، بخلاف ازیں اس سے انحراف کرلیا تھا، لہٰذا وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ اُسے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار کرے، جو شخص آیت ہٰذا اور اس سے سابقہ آیت پر غور کرے گا تو وہ ان کو اس بات پر دلالت کرنے والا پائے گا کہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کرنے سے اللہ کا عذاب اس سے ساقط نہیں ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ یہ توبہ اس کے اور اللہ کے درمیان مقبول ہے، اگرچہ اس کی پیشکش رسول کریم ﷺ نے کی ہے تو ہم اس ضمن میں پہلی بات یہ کہتے ہیں، اگرچہ اس جواب کا حق یہ تھا کہ اُسے مقدمہ ثانیہ تک متاخر کیا جاتا کہ صرف اتنی بات سے اقامت حد کو اس پر روکا نہیں جاسکتا، جبکہ اس کا مقدمہ ہماری عدالت تک پہنچ چکا ہے اور اس نے اس کے بعد توبہ کا اظہار کیا ہے، جیسا کہ زانی، شرابی

اور رہزن جب خلوصِ دل سے اللہ کے حضور میں تائب ہو، قبل اس کے کہ اس کا معاملہ ہماری عدالت تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور جب ہمیں اس کا پتہ چل جائے، پھر توبہ کرے تو اس پر حد کا قائم کرنا ازبس ناگزیر ہے اور یہ اس کی توبہ کی تکمیل ہے، تمام جرائم کا یہی حال ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوگوں کو بے آبرو کرنے والا جب ان کے لیے مغفرت مانگے اور دعا کرے، قبل اس کے کہ ان کو یہ بات معلوم ہو تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ اُسے بخش دے گا، اگرچہ اس میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ مشہور ہے، اور اگر یہ بات حاکمِ وقت کے یہاں ثابت ہو جائے پھر وہ توبہ کا اظہار کرے تو اس کی سزا ساقط نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگار کے لیے توبہ کی کوئی راہ نکالتا ہے، جب لوگوں کی کچھ ذمہ داریاں اس پر عائد ہوں تو اس پر لازم ہے کہ اُن سے امکانی حد تک عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے اور حتی الامکان لوگوں کو اس کا معاوضہ ادا کرے، اللہ کی رحمت اس پر مزید ہے، تاہم جب ہم اس سے آگاہ ہوں تو یہ بات اس پر حد قائم کرنے سے مانع نہیں ہے، یہاں موضوعِ زیرِ بحث وہ توبہ ہے جو حد اور سزا کو ساقط کرنے والی ہوتی ہے، نہ کہ وہ توبہ جو کہ گناہوں کو مٹاتی ہے۔

ہم بار دیگر یہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے گالی اپنے عقیدے کے مطابق دی ہے جو اس کا اصلی موجب ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے تمام مرتدین اور عہد شکنی کرنے والے مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں اور ان کو بے آبرو کرتے ہیں، یہ سب کچھ وہ مسلمانوں کے بارے میں اپنے عقیدے کے مطابق انجام دیتے ہیں جو اُسے مباح قرار دیتا ہے، اگر اس کے بعد وہ صمیم قلب سے اس عقیدے سے توبہ کر لیں تو ان کی وہ لغزشیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے وابستہ ہیں بخش دی جاتی ہیں، جس طرح حربی کافر جو گناہ اپنے عقیدے کے مطابق انجام دیتا ہے وہ اُسے معاف کر دیے جاتے ہیں، حالانکہ مرتد اور ناقضِ عہد اگر ان میں سے کسی فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر حد شرعی قائم کی جاتی ہے، اگرچہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے، خواہ یہ اللہ کا حق ہو یا بندوں کا، چنانچہ اس کے مطابق زانی، شرابی اور رہزن پر شرعی حد لگائی جاتی ہے اگرچہ نقض عہد اور ارتداد کے زمانے میں وہ سمجھتا ہو کہ یہ شرمگاہ میرے لیے اس لیے حلال ہے کہ یہ میری مملوکہ ہے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ اس نے مسلمان عورت کے ساتھ جبراً یہ فعل انجام دیا، اسی طرح وہ مسلمانوں کے خون، مال کے مباح ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو (اور اس لیے وہ ان افعال کا ارتکاب کرے،) جس طرح اس سے قصاص لیا جاتا ہے اور اس پر حد قذف لگائی جاتی ہے، اگرچہ وہ ان دونوں کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو، علی ہذا القیاس جو اموال اس نے تلف کیے وہ ان

کا ضامن ہوگا، اگرچہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق ان کو حلال تصور کرتا ہو۔

حربی کافر جب مسلمان ہوجائے تو اس سے ان میں سے کسی چیز کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ (مسلمان) اپنے ایمان وعقیدے کی رُو سے اس بات کا پابند تھا کہ ان میں سے کوئی کام نہیں کرے گا، جب وہ ایسا کرے گا تو اُسے اس فعل کے ارتکاب میں معذور تصور نہیں کیا جائے گا، برخلاف حربی کافر کے، نیز اس لیے کہ اس پر یہ حدود قائم کر کے اُسے روکا جائے کہ مستقبل میں وہ ان مہلک افعال کا ارتکاب نہ کرے، جس طرح اس مسلم کو روکا جاتا ہے جو اپنے مذہب پر قائم ہے، برخلاف حربی کافر کے کہ یہ چیزیں اُسے اس گناہ سے روک نہیں سکتیں، بلکہ یہ سزا اُسے اسلام سے نفرت دلانے کی موجب ہوگی، نیز اس لیے کہ حربی الاصل (دارالاسلام میں) نایاب ہے، جبکہ یہ دونوں ممکن الوجود ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حربی کافر اگر قیدی بننے کے بعد زنا کرے تو اس پر حد قائم کی جائے، اس لیے کہ اب وہ ہمارے قبضے میں ہے، امام احمد اور اکثر اہل علم سے بروایت صحیحہ منقول ہے کہ مرتد جب قوت حاصل کر لے تو اس پر حدود قائم نہیں کی جائیں گی، اس لیے کہ اس کی حیثیت اب ایک حربی کافر کی ہے، اس لیے کہ دارالحرب میں رہنے والا یہ کام اپنے عقیدے کے مطابق کرتا ہے اور کوئی چیز اُسے باز رکھنے والی نہیں ہوتی، تو اگر توبہ کے بعد بھی اُن پر حدود قائم کی جائیں تو انھیں اسلام سے نفرت ہوجائے گی اور توبہ کا دروازہ اُن پر بند ہوجائے گا اور یہ اسی طرح ہے جیسے تمام اہل حرب کو ضامن قرار دیا جائے، مگر اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، اسی لیے ہم نے اس پر (واجبی سی) تنبیہ کر دی ہے۔

جب یہاں یہ صورتِ حال ہے تو مرتد اور ناقضِ عہد جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیں اور پھر ہمارے قبضے میں آنے کے بعد صمیم قلب سے توبہ کرلیں تو وہ اسی طرح ہوں گے جیسے رہزنی کرتے ہوئے دست بدست لڑیں یا زنا کریں اور پکڑے جانے اور حد شرعی کے ثابت ہونے کے بعد توبہ کرلیں، دونوں کے مابین کچھ فرق نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد شکنی کرنے والے کا عہد ان امور کو اس کے اپنے دین میں بھی حرام قرار دیتا ہے، اور اگر اس کے مذہب کو عہد سے الگ کرلیا جائے تو یہ تمام امور اس کے لیے مباح ہیں۔

اسی طرح مرتد یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ یہ امور حرام ہیں، پس ان کو اس صورت میں مباح تصور کرنا

جبکہ وہ قوت وشوکت سے بہرہ ور نہ ہو ان امور کو انجام دینے کے لیے عذر نہیں ہے، اس لیے کہ وہ دین حق کا پابند تھا، علاوہ ازیں وہ کمزور بھی ہے، نیز اس لیے کہ اگر اس سے حد کو ساقط کیا جائے تو اس میں فساد پایا جاتا ہے، اگرچہ اس نے جو گالی دی ہے، وہ عقیدے کی بنا پر نہیں دی، بلکہ اس نے آپ ﷺ کی نبوت کا عقیدہ رکھتے ہوئے گالی دی یا اس کا عقیدہ جس بات کو اس پر واجب کرتا تھا یا واجب نہیں کرتا تھا، اس کے مطابق گالی دی، ایسا شخص ابلیس کی طرح بہت بڑا کافر ہے، اور یہ ضد وعناد اور حماقت کی ایک قسم ہے، وہ اس شخص کی مانند ہے جو کسی مسلم کو گالی دے یا اُسے قتل کرے، جبکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ان کے خون اور آبروریزی اُن پر حرام ہے۔

اس مسئلے میں علماء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر گالی دینے والا، جس کو گالی دی گئی اس کو علم ہونے سے قبل توبہ کر لے تو اس کی حد ساقط ہوتی ہے یا نہیں، خواہ جس کو گالی دی گئی، نبی ہو یا غیر نبی، جس کا عقیدہ یہ ہو کہ توبہ کسی آدمی کے حق کو ساقط نہیں کرتی وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ گالی دینے والے کی توبہ اندرونی طور پر علی الاطلاق صحیح ہے، وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو یہ حق حاصل ہے کہ اُس سے گالی کا مطالبہ کریں جبکہ وہ جانتا ہے کہ گالی دینا حرام ہے، اسی طرح دیگر اہل ایمان بھی گالی دینے والے سے اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں بلکہ ان کا مطالبہ اولیٰ ہے، اور یہ قول قیاس کے اعتبار سے قوی ہے اور بہت سے ظاہری دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق گالی گلوچ اور غیبت کے باب، یعنی اُن کے مسائل کے ساتھ ہے جو لوگوں کی ناموس وآبرو سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے اس کو حلال سمجھنے کا یہاں کوئی سوال نہیں، گالی دینے والے کو چاہیے کہ "مشتوم" (جس کو گالی دی گئی ہو) کے لیے اس قدر دعا و استغفار کرے جو اس کی ناموس وآبرو کے حق کے مساوی ہو، تاکہ مظلوم اس کی نیکیوں میں سے جو کچھ لے وہ دعا اور استغفار کے برابر ہو اور گالی دینے والے کے باقی اعمال بچ رہے ہیں اور وہ ان کا مقابلہ ان کی ضد کے ساتھ کرے، جو شخص کہتا ہے کہ اس سے تو توبہ کا ظاہراً و باطناً مقبول ہونا ظاہر ہوتا ہے، اس نے گویا اس معاملے کو مندرجہ ذیل آیت میں شامل کر دیا:

﴿إِنَّ الْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ [هود: ١١٤]

"بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں"

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''برائی کرنے کے بعد نیکی کا کام کرو، وہ اس بُرائی کو مٹا دے گا۔''❶

جس کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ قصاص لینا ازبس ناگزیر ہے، وہ کہتا ہے کہ اُس نے اتنی نیکیاں کی ہیں جو قصاص کے قائم مقام ہیں۔ دونوں اقوال میں سے کسی ایک کی توضیح سے ہماری کوئی غرض نہیں، ہماری غرض صرف یہ ہے کہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، اس لیے کہ اگر وہ شخص اپنے عقیدے کے مطابق توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ صحیح ہے اور رسول ﷺ کے حق کو آخرت میں ساقط کرنے والی ہے، مگر توبہ دنیا میں اس کی حد کو ساقط نہیں کرتی، **جیسا کہ پیچھے گزرا، اور اگر توبہ اس کے عقیدے پر مبنی نہیں تو رسول کے حق** کے توبہ کے ساتھ ساقط ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے، اگر کہا جائے کہ رسول کا حق ساقط نہیں ہوتا تو اس میں کوئی کلام نہیں اور اگر کہا جائے کہ حق ساقط ہو جاتا ہے، مگر حد ساقط نہیں ہوتی، جیسے پہلے شخص کی توبہ بلکہ اس سے بڑھ کر تو اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں دو موضوع زیر بحث ہیں:

۱۔ پہلا یہ کہ اگر توبہ صحیح اور خالصاً لوجہ اللہ ہو تو کیا اس کے ساتھ مخلوق کا حق ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں تفصیل اور اختلاف پایا جاتا ہے، اگر کہا جائے کہ ساقط نہیں ہوتا تو اس میں کوئی نزاع نہیں، اور اگر کہا جائے کہ ساقط ہوتا ہے تو اس کے حق کا توبہ کے ساتھ ساقط ہونا اسی طرح ہے جیسے اللہ کا حق توبہ کے ساتھ ساقط ہو جائے تو یہ اسی طرح ہے جیسے فساد کے مختلف انواع سے توبہ کی جائے اور یہ توبہ جب قدرت کے بعد ہو تو وہ کسی حد کو ساقط نہیں کرتی اگرچہ باطن میں گناہ کو ساقط و زائل کر دیتی ہے۔

اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ دشنام دہندہ کو محض ارتداد اور نقض عہد کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا، تاکہ دوسروں کی طرح اس کی توبہ بھی مقبول ہو، بخلاف ازیں اس کو اس لیے قتل کیا جاتا ہے کہ اس کا ارتداد اور نقضِ عہد ضرر رسانی کی وجہ سے مغلظ ہو چکا ہے اور اس کی سزا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی، اس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ اور فساد فی الارض کی جہد وسعی ہے، اس طرح یہ فعل زنا، سرقہ یا قتل و قذف کا ہم جنس ہے، یہ حقیقی جواب ہے، اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سابق الذکر دلیل میں کیا نقص پایا جاتا ہے۔

اب ہم اس کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مخالفین کا یہ قول کہ رسول

❶ سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٥٣) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ (صحيح الجامع الصغير، رقم الحديث: ٩٦)

کریم ﷺ کی ذات پر اس کا جو ایمان ہے اس سے وہ بے آبروئی محو ہو جاتی ہے جس کا ارتکاب اس نے کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس نے گالی محض اپنے عقیدے کے زیر اثر دی ہے تو کسی عقیدے سے تائب ہونا اس کے تمام موجبات سے توبہ کرنے کے مترادف ہے، اور اگر کوئی شخص اپنے عقیدے کے موجبات پر اضافہ کرتا ہے یا اس کی ضد پر عمل کرتا ہے، اور اکثر دشنام دہندگان اسی طرح کے ہوتے ہیں، تو پھر اس بات کو تسلیم نہیں کیا جاتا کہ جو توبہ وہ کرتا ہے اس کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، الا یہ کہ اُسے معاف کر دیا جائے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اُسے مطالبہ کا حق حاصل ہے اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ پہلی قسم کی مانند ہے اور اس سے حدود کو ساقط نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ کئی مرتبہ پیچھے گزر چکا ہے۔

مخالفین کا یہ قول کہ انبیاء کے حقوق بلحاظِ نبوت وجوب میں حقوق اللہ کے تابع ہیں، اس لیے سقوط میں بھی اُن کے تابع ہوں گے، ہم کہتے ہیں کہ اس کو تسلیم کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ گالی عقیدے کے زیر اثر دی جائے، ورنہ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے، باقی رہے حقوق اللہ تو بابِ توبہ کے سلسلے میں جو اور عقیدے کے زیر اثر ہوں یا اس کے زیر اثر نہ ہوں دونوں میں کچھ فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا، اس لیے کہ کفر کے عقیدے اور اس کے موجبات سے توبہ کرنے والا اور زنا سے توبہ کرنے والا دونوں مساوی ہیں، جو شخص ان دونوں کو مساوی قرار نہیں دیتا وہ کہتا ہے کہ یہ حقوق اللہ سے عظیم تر نہیں، جبکہ باطن میں حقوق اللہ کے سقوط کے ساتھ ساقط نہ ہوں، مگر یہ معاملہ صاحبِ حق کو تفویض کیا گیا ہے، اگر چاہے بدلہ لے اور اگر چاہے معاف کر دے، ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کون سی بات پسند ہے؟ اس نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ ہر توبہ کنندہ کو بخش دیتا ہے۔

مزید برآں بندوں کے حقوق ایسی جنس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کو ان حقوق کی وجہ سے عار و ننگ حاصل ہوتی ہے اور انھیں اس کی وجہ سے الم و رنج بھی لاحق ہوتا ہے، جہاں تک اللہ کے حق کا تعلق ہے وہ بطور خاص انسانوں کی مصلحت پر مبنی ہے، اس لیے کہ اطاعت کرنے سے نہ تو اللہ تعالیٰ کو فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی نافرمانی کرنے سے اُسے کوئی نقصان پہنچتا ہے، جب انسان نیکی کی طرف لوٹ آیا تو منشائے ایزدی پورا ہو گیا، چونکہ انبیاء علیہم السلام میں انسانوں کی صفات بھی پائی جاتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی بھی، اس لیے انبیاء کے حقوق میں حقوق اللہ کی صفت بھی پائی جاتی ہے اور حقوق العباد کی بھی، انبیاء کا حق، اللہ کے حقوق میں مندرج ہوتا ہے، جبکہ وہ عقیدے کے زیر اثر صادر ہو، چونکہ انبیاء کی نبوت پر ایمان واجب ہے تو گویا یہ اسی طرح ہوا جیسے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا، اگر کوئی شخص انبیاء کی

نبوت کا معتقد نہ ہوگا تو وہ اسی طرح کافر ہوگا جس طرح اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہ کرنے والا کافر ہے۔

اس طرح کسی نبی کی نبوت کو نہ ماننا اللہ کے احکام اور اس کے دین کا انکار ہے جبکہ گالی محض اس عقیدے کے زیر اثر دی گئی ہو، مثلاً رسالت و نبوت کی نفی و مثل ایں پر مبنی ہو اور خلوصِ قلب کے ساتھ اس سے توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی، مثلاً تثلیث کا عقیدہ رکھنے والے کی توبہ، اور جب معاملہ اس سے بڑھ جائے، مثلاً کسی کے نسب میں کیڑے نکالے یا کسی کو اخلاق قبیحہ کے ساتھ متصف کرے یا بے حیائی کی طرف منسوب کرے جبکہ اُسے معلوم بھی ہو کہ یہ جھوٹ ہے یا وہ خود اس کی صحت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو یا اس کے عقیدے کے خلاف ہو یا یہ کہ وہ حسد کرے یا تکبر کرے یا کسی غرض کے پورا نہ ہونے یا کسی تکلیف کے پہنچ جانے کی وجہ سے ناراض ہو، جبکہ وہ اس شخص کی نبوت کا عقیدہ بھی رکھتا ہو، تاہم وہ اُسے گالی دے، ان تمام صورتوں میں اگر وہ توبہ کرے جبکہ اس کے کسی نئے عقیدے نے گالی کے موجبات کو زائل نہ کیا ہو، بخلاف ازیں اس نے اپنی نیت اور قصد کو تبدیل کر لیا، حالانکہ وہ قبل ازیں اس شخص کو ایذا دے چکا ہے۔

تو یہ گالی جبکہ اس سے کسی کو رنج نہ پہنچے اور نبوت کا عقیدہ نہ رکھنے کی وجہ سے وہ معذور بھی نہ ہو تو وہ اللہ کا حق ہے، اس لیے کہ اُس نے نبوت کے خلاف جرم کیا ہے جو کہ اللہ اور اس کی مخلوقات کے درمیان واسطہ ہے، لہٰذا اُس کا قتل واجب ہے اور یہ بندوں کے حقوق کی طرح بھی ہے، کیونکہ اس نے ایسے آدمی کو ایذا دی جس کے بارے میں وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اُسے ایذا دینا حلال نہیں، لہٰذا اُسے یہ حق حاصل ہے کہ اس سے اپنی ایذا کا حق مانگے اور جتنی تکلیف اس نے دی ہے اس کے بقدر اس کی نیکیاں لے، اس کی کوئی نیکی ایسی نہیں ہے جو اس کے مساوی ہو ماسوا صلاۃ و سلام کے جو کہ گالی کی ضد ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی گالی سے توبہ کرنا جو کہ عقیدے کے بغیر ہو اُن حقوق میں سے ہے جو انسان کے لیے واجب ہیں، مزید برآں یہ ایسا حق ہے جو لامحالہ نبوت کے ساتھ وابستہ ہے، یہ ہمارے مخالف کا قول ہے، اگرچہ ہم نے دونوں اقوال میں سے کسی قول کو بھی ترجیح نہیں دی۔

جب ان کے حقوق حق خداوندی کے تابع ہیں تو کون ہے جو کہتا ہے کہ اللہ کے حقوق مرتد اور ناقضِ عہد کے توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتے ہیں؟ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ان لوگوں پر توبہ کے بعد بھی حد لگائی جائے گی، البتہ ارتداد مجرد اور نقض مجرد کی سزا توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتی ہے اور یہ اس طرح نہیں ہے۔

ہمارے مخالفین کا یہ قول کہ رسول ﷺ لوگوں کو ایمان بالرسالۃ کی دعوت دیتا اور انھیں بتاتا ہے کہ ایمان کفر کو مٹا دیتا ہے، اس طرح اس نے کافر کو اس کا حق معاف کر دیا ہوگا۔ ہم کہتے ہیں یہ اچھی بات ہے بشرطیکہ گالی محض عقیدے کے زیر اثر دی گئی ہو، اس لیے کہ عقیدہ ہی اس کا مقتضی ہے اور اُسی نے اس کو رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، کیونکہ اسی نے رسالت کا انکار کرنے کے اعتقاد کو زائل کیا اور ان پر ایمان لانے کے عقیدے سے اس کا موجب دور ہو گیا۔

اور جس شخص نے اس پر اضافہ کیا اور نبی علیہ السلام پر ایمان لانے یا معاہدہ کرنے کے بعد اس کو گالی دی تو نبی اس کو معاف کرنے کا پابند نہیں ہے۔ قبل ازیں نبی کو یہ اختیار تھا کہ اُسے معاف کرے یا نہ کرے اور جو صورت سوال میں مذکور ہے، وہ اس گالی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے عقیدے کی رُو سے واجب ہو، پھر ایمان لانے کے بعد اس کا وجوب باقی نہ رہا، اس لیے کہ کفر ہی اس گالی کا داعی تھا جو کہ ایمان لانے سے باقی نہ رہا، جہاں تک اس کے ماسوا کا تعلق ہے تو اس کے اور باقی تمام لوگوں کو گالی دینے کے مابین اس لحاظ سے کچھ فرق نہیں، اس لیے کہ دشنام دہندہ اگر حربی کافر ہو تو اس کے لیے رسول ﷺ کو گالی دینے یا کسی عام آدمی کو گالی دینے میں اس جہت سے کچھ فرق نہیں، اگر مسلم یا ذمی ہو اور وہ رسول ﷺ کو گالی دے جو اس کے عقیدے کے زیر اثر نہ ہو تو وہ اسی طرح ہے جیسے اس نے کسی عام آدمی کو گالی دی ہو۔

اس لیے کہ اس کا از سرِ نو اسلام لانا نئے سرے سے توبہ کرنے کی مانند ہے اور وہ اس کو اس فعل سے روکتا ہے، اگرچہ اس کا موجب زائل نہیں ہوا کیونکہ اس گالی کا موجب نبی کے ساتھ کفر کرنا نہ تھا، اس لیے کہ مسئلہ زیر قلم اُس گالی کے بارے میں ہے جس کا موجب نبی کے ساتھ کفر کرنا نہ ہو، مثلاً نبی پر افترا پردازی، جس کے بارے میں اُسے خود بھی معلوم ہو کہ یہ جھوٹ ہے و مثل ایں، تاہم جب دشنام دہندہ اسلام لے آئے تو اس کے دل میں نبی کی عظمت پیدا ہو جاتی ہے، جو نبی پر افترا پردازی کرنے سے مانع ہوتی ہے، جس طرح اگر وہ مسلم کو گالی دینے سے توبہ کر لے تو اس کے دل میں گناہ کی اس قدر اہمیت پیدا ہو جاتی ہے جو مسلم کو بُرا بھلا کہنے سے مانع ہوتی ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اسلام اس کے لیے مانع ثابت نہ ہو، اس لیے کہ گالی کا موجب کفر کے سوا کوئی اور چیز تھی، بعض اوقات یہ اسلام اس کو روک نہیں سکتا، جس طرح یہ توبہ اُسے ایذا کے موجب سے روک نہیں سکتی اور کمزور پڑ جاتی ہے۔

اور یہ دونوں چیزیں باہم مختلف ہیں کہ ایک چیز کی نفی اس لیے ہو جائے کہ اس کا سبب موجود

نہیں یا اس لیے کہ اس کی ضد موجود ہے، اس لیے کہ جو چیز کسی عقیدے کے زیر اثر واجب ہوئی ہو، وہ عقیدے کے زائل ہونے سے، جو کہ اس کا سبب ہے، زائل ہو جاتی ہے اور اس کے واپس آنے کا اندیشہ اُسی صورت دامن گیر ہوتا ہے جب اس کا سبب لوٹ آئے اور نبی یا غیر نبی پر جھوٹ کسی عقیدے کے زیر اثر نہ باندھا جائے تو اسلام اور توبہ اس کو اسی طرح رفع کر دیتے ہیں جس طرح ایک ضد اپنی ضد کو دور کرتی ہے، کیونکہ اس امر کی قباحت اس کے انجام کا برا ہونا، اس کی ضد پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ اور اُسے ترک کرنے کا عزم صمیم اس کے وقوع کے منافی ہے، تاہم اگر یہ محرک سببِ مقتضی کا مقابلہ کرنے سے کمزور پڑ جائے تو اُسی جیسا کام کرتا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ درحقیقت دونوں میں کچھ فرق نہیں کہ اس گالی سے توبہ کرے جس کا موجب نبی کی نبوت کا انکار ہو جو کہ گالی نہ دینے کا موجب ہے اور کسی مسلم کو گالی دینے سے ایسی توبہ کرنے میں جو گالی نہ دینے کی موجب ہے۔

اس کو اس شخص پر قیاس کیجیے جو کسی چیز کا خواہاں ہو، اُسے اس سے روکا جائے اور کہا جائے کہ چونکہ رسول کریم ﷺ نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے، لہٰذا اِس پر عمل کرنا ممکن نہیں، پھر حرص کی فراوانی اور مطلوب کے حاصل ہونے کی شدید ناراضگی اس کو اس بات پر آمادہ کرے کہ اپنے اور اللہ کے مابین (ہر چیز پر) لعنت بھیجے اور اور اس کی مذمت کرے، حالانکہ اُسے (رسول کریم ﷺ کی نبوت میں) کوئی شک نہ ہو، پھر وہ اپنے اسلام کی تجدید کرلے اور توبہ کر کے رسول کریم ﷺ پر درود بھیجے اور اپنے اُن الفاظ کی وجہ سے روتا رہے۔

دوسرا وہ آدمی ہے جو کسی مسلم کا مال ناحق لینا چاہتا ہے، دوسرے شخص نے اُسے روکا اس پر لعنت کی اور پوشیدہ طور پر اُس کی مذمت کی، بعد ازاں اس شخص نے اس سے توبہ کرلی اور اس شخص کے لیے مغفرت طلب کرنے لگا اور اپنے کہے ہوئے الفاظ سے ڈرتا رہا، آیا دونوں مذکورہ اشخاص کی توبہ یکساں ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس شخص کی توبہ اس لیے عظیم تر ہے کہ اُس نے جو کلمات کہے ہیں وہ بڑی عظمت کے حامل ہیں، اگرچہ دونوں کی نسبت ایک دوسرے کی طرف یکساں ہے، برخلاف اس شخص کے جو اس آدمی پر لعنت کرتا اور اس کی مذمت کرتا ہے جس کو جھوٹا سمجھتا ہے، بعد ازاں اُسے معلوم ہوا کہ اس کا یہ خیال غلط تھا اور اُسے قعر ہلاکت میں گرانے والا تھا، پھر اس نے اس عقیدے سے دوسروں کی طرح توبہ کرلی، ظاہر ہے کہ اس میں اس کے تمام واجبات شامل ہوں گے۔

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ رسول کریم ﷺ کو جب پتہ چلتا کہ کوئی مرتد یا معاہد آپ ﷺ کو

گالیاں دے رہا ہے، پھر آپ ﷺ سے عرض کیا جاتا کہ اگر وہ اسلام لائے تو اُسے معاف کر دیا جائے، آپ ﷺ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ توبہ کرنے اور اسلام لانے کے بعد بھی اس کے قتل کو جائز تصور کرتے تھے اور اگر محض توبہ کرنے سے اُن کے گناہ زائل ہو جاتے اور ان کی حد ساقط ہو جاتی تو (قتل کرنا) جائز نہ ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ گالیاں دینے والے کو توبہ کرنے کے بعد بھی سزا دے سکتے تھے، جس طرح دیگر اہل ایمان کو اس کی اجازت ہے۔

یہ گفتگو اس بارے میں تھی کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا اگر بارگاہِ ایزدی میں توبہ کر لے تو اس سے رسول کا حق ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟ بہر کیف، رسول کا حق ساقط ہو یا نہ ہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ علانیہ توبہ کرنے سے حد ساقط ہو جاتی ہے، الا یہ کہ کہا جائے کہ اُسے محض ارتداد یا محض نقضِ عہد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ مرتد کی توبہ مقبول ہے اور محض نقضِ عہد کرنے والے کا اسلام مقبول اور قتل کو ساقط کرنے والا ہے۔

قبل ازیں ہم نے دلائل قاطعہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ ارتداد مغلّظ اور نقض مغلظ کا ارتکاب کرنے والے کو قتل کیا جائے گا اور ایسا شخص اس آدمی جیسا ہے جو لڑائی کرے اور خدا کی زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرے، (ہمارے مخالفین) جو یہ کہتے ہیں کہ آدمی کے حق کے لیے بھی کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے، ان کا قول ہے کہ سزا کے ساتھ جب اللہ اور بندے کا حق وابستہ ہو اور پھر توبہ کر لے تو اللہ کا حق ساقط ہو جاتا ہے اور آدمی کا حق باقی رہتا ہے جو کہ قصاص ہے اور یہ تائب جب توبہ کر لے تو اللہ کا حق ساقط ہو جاتا ہے اور بندے کا حق باقی رہتا ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اُسے اللہ کی حد لگا کر قتل کیا جائے، اس کا قول یہ ہے کہ ایسا شخص محارب کی طرح ہے، بعض لوگ اللہ کو گالی دینے والے اور رسول ﷺ کے دشنام دہندہ کو مساوی قرار دیتے ہیں، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مقدمہ ثانیہ میں مخالفین کا یہ قول ہے کہ جب توبہ کا اظہار کرے تو واجب ہے کہ ہم اس کی توبہ کو قبول کریں، ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ یہ توبہ مطلقاً مقبول ہے، قبل ازیں اس پر بحث ہو چکی ہے، اس کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے:

پہلی وجہ: پہلا جواب یہ ہے کہ اس کے مطابق ہم اس کی توبہ کو قبول کرتے اور اس کے اسلام لانے کو صحیح قرار دیتے ہیں، جس طرح کہ قاذف کی توبہ کو قبول کرتے اس کے ثقہ ہونے کا فیصلہ کرتے اور سارق وغیرہ کی توبہ کو قبول کرتے ہیں، مگر یہاں جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ آیا قتل اُس

سے ساقط ہوگا یا نہیں؟ اور جو شخص مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد توبہ کرے حدود واجبہ بقدر زائد بر اِرتداد یا نقضِ عہد میں سے کوئی چیز بھی اس سے ساقط نہیں ہوگی اور جو شخص پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لے اس سے حقوق العباد ساقط نہیں ہوں گے جبکہ ہم اس کی توبہ کو قبول کر لیں تا کہ اس پر حد لگا کر باقی لوگوں کی طرح اُسے پاک کیا جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا نزاع اس کی توبہ کی صحت اور اس کے لیے اللہ کی مغفرت مطلقہ کے بارے میں نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، متنازعہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا یہ توبہ اس سے حد کو ساقط کرتی ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہو، ہم بعض اوقات اس کے اسلام اور توبہ کو قبول کرتے ہیں اور اُسے پاک کرنے کے لیے اس پر حد قائم کرتے ہیں، یہ اس شخص کا جواب ہے جو محض حد لگانے کی وجہ سے اُسے قتل کرتا ہے اگرچہ اس کے اسلام کو درست قرار دیتا ہے۔

دوسری وجہ: یہ حدیث بظاہر اس وقت مقبول ہے جب اس کا خلاف بطریق شرعی ثابت نہ ہو مگر یہاں اس کا خلاف ثابت ہو چکا ہے، یہ اس شخص کا جواب ہے جو اُسے زندیق ہونے کی وجہ سے قتل کرتا ہے، جو لوگ ذمی کو قتل کرنے کے قائل ہیں بعض اوقات وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں، اس لیے کہ معاہدے کے زمانے میں وہ بھی زندیق ہے، لہٰذا اُس کے اسلام لانے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

باقی رہا حربی کافر اور مرتد وغیرہ کا قتل کی حالت کو دیکھ کر اسلام لانا تو یہ اس لیے جائز ہے کہ ہم ان سے اس لیے لڑتے ہیں کہ وہ اسلام لائیں، اور اسلام لانے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ زبانی اس کا اقرار کریں، لہٰذا اِس کا قبول کرنا ان سے واجب ہے اگرچہ وہ باطن میں جھوٹے ہوں، ورنہ ہر کافر کو قتل کرنا واجب ہوگا وہ اسلام لائے یا نہ لائے اور ان سے جنگ کی نوبت بھی نہیں آئے گی تا کہ وہ مسلمان ہو جائیں بلکہ ہمیشہ ان کے خلاف نبرد آزما ہوں گے اور یہ باطل ہے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جبراً اسلام لاتا ہے، پھر اللہ اس کے دل میں ایمان کی محبت ڈال دیتا ہے اور اس کے دل میں اُسے مزین کر دیتا ہے، اسی طرح اکثر لوگ مالی رغبت کی وجہ سے یا تلوار سے ڈر کر اسلام لاتے ہیں اور کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا کہ ایسا اسلام فاسد ہے، صرف ایک بات ایسی ہے اور وہ اس کا جبر کی حالت میں اسلام لانا ہے، اور یہ بات قابلِ التفات نہیں ہے۔

جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے تو ہم اُسے اس لیے قتل کرتے ہیں کہ اس نے ماضی میں گالی دینے کا جرم انجام دیا ہے، جس طرح ہم ذمی کو اس لیے قتل کرتے ہیں کہ اس نے کسی کی جان لی یا اس لیے کہ

اس نے ایک مسلم عورت کے ساتھ زنا کیا یا ہم مرتد کو اس لیے قتل کرتے ہیں کہ اُس نے ایک مسلم کو قتل کیا اور اس لیے کہ اس نے ڈاکہ ڈالا، جیسا کہ پیچھے گزرا اس کو قتل کرنے سے ہمارا یہ مقصد نہیں کہ وہ اسلام لائے اور نہ ہی اس کے ساتھ لڑائی اس لیے واجب ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے، بخلاف ازیں ہم اسے اس لیے قتل کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ایذا پہنچائی، نیز اس لیے کہ ایسے لوگوں کے لیے عبرت پذیری کا سامان ہو اور ایسے جرائم سے باز آجائیں۔

جب وہ اسلام لائے اور ہم اس کے اسلام لانے کو صحیح قرار دیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو قتل کرنا واجب نہ رہے، جیسے کہ جنگجو مرتد اور عہد شکنی کرنے والے کا ہے، اگر ایسا شخص مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد اسلام لائے اور اس نے کسی کو قتل بھی کیا ہو تو ہمارے علم کی حد تک بالاتفاق اسے قتل کیا جائے، اگر چہ یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ وہ صحیح طور سے مسلمان ہوا ہے اور اگر اس کے اسلام کو صحیح قرار نہ دیا جائے تو اس کے اور حربی و مرتد کے مابین فرق و امتیاز دو وجہ سے ہے:

پہلا فرق: پہلا فرق یہ ہے کہ حربی اور مرتد سے کوئی حرکت ایسی صادر نہیں ہوئی جس سے معلوم ہو کہ اس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہے بلکہ مرتد کا اظہارِ ارتداد اس امر کی دلیل ہے کہ جس اسلام کا وہ اظہار کرتا ہے وہ صحیح ہے، یہ ہمیشہ اسلام کا اظہار کرتا رہا، اب اس نے ایسی بات کا اظہار کیا ہے جو اس کے عہد کے فساد پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا اِس کے بعد وہ جس اسلام کا اظہار کرتا ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، اسی طرح عہد شکنی کرنے والے نے اس امر کا عہد باندھا تھا کہ وہ گالی نہیں دے گا مگر اس نے گالی دی، پس اس کا جرم اور عہد شکنی ثابت ہوگئی، جب قتل کے لیے پکڑے جانے کے بعد اسلام کا اظہار کرے گا تو اقرب الی القیاس یہ بات ہے کہ وہ خائن اور غادر ہوگا۔ اُسے صرف گالی دینے سے روکا گیا تھا مگر اس نے یہ عہد پورا نہیں کیا تو اس صورت میں کیا ہوگا جب اُسے اس کا اظہار اور اخفا (پوشیدہ رکھنا) دونوں سے منع کیا گیا ہو؟ نیز یہ کہ جو گالی اس نے دی ہے اس کے انجام دینے میں اس کے لیے کوئی عذر نہ تھا، بخلاف ازیں یہ بات خود اس کے مذہب میں بھی حرام تھی، جب اس نے اُسے پورا نہیں کیا تو اس نے اپنے عہد میں نفاق کا ثبوت دیا۔

دوسرا فرق: ہم حربی اور مرتد سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اسلام لائے، جب اس نے حسبِ قدرت ہماری خواہش کو پورا کر دیا تو اُسے قبول کرنا اور صحیح قرار دینا ہمارے لیے ضروری ٹھہرا مگر دشنام دہندہ سے ہم صرف اس کی جان لینے کا مطالبہ کرتے ہیں، جب اس نے اسلام قبول کیا تو

پتہ چلا کہ اس نے قتل سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہے، جس طرح محارب پکڑے جانے کے بعد توبہ کرے یا باقی زندگی میں پکڑے جانے کے بعد اسلام لائے یا توبہ کرے، پس ایسا اسلام بظاہر صحیح نہ ہوگا اور جو حد قبل ازیں اس پر واجب ہو چکی ہے وہ ساقط نہیں ہوگی۔

حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ حربی یا مرتد کو موجودہ کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور اس سے اسلام لانے کے لیے لڑا جائے گا، لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ وہ اس وقت اسلام کا اظہار کرے جبکہ اُسے پکڑا گیا ہے یا اس سے لڑا جا رہا ہے مگر بحالتِ مجبوری لہٰذا اُس سے اس کا قبول کرنا واجب ٹھہرا، اس لیے کہ اس کے سوا کوئی دوسری صورت ممکن نہیں، مگر دشنام دہندہ اور ناقضِ عہد کو اس لیے قتل نہیں کیا جاتا کہ وہ کفر پر قائم ہے یا اس لیے کہ وہ دیگر غیر معاہد کفار کی طرح ہے، اس کی وجہ ہمارے سابقہ ذکر کردہ دلائل ہیں، علاوہ ازیں اس نے پکڑے جانے کی صورت میں بلا مطالبہ اس لیے توبہ کی تا کہ سزا سے بچ سکے، لہٰذا اُس کی توبہ مقبول نہیں ہوگی۔

اس دشنام دہندہ کے اسلام کی صحتِ اندریں صورت دو امور پر مبنی ہیں، مزید برآں وہ واجب القتل بھی ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ اس کے اسلام لانے کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا، مالکیہ میں سے ابن قاسم کے قول کا تقاضا یہی ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس کے اسلام کو صحیح قرار دیا جائے گا، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا قول ذمی کے بارے میں یہی ہے اور اس پر حد شرعی کا قائم کرنا بھی واجب ہے لیکن مسلم اگر (نبی اکرم ﷺ) کو گالی دے، پھر اسلام لانے کے بعد اُسے قتل کیا جائے تو اس کے بارے میں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ گالی کی سزا کے طور پر اُسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ یہ بندوں کا حق ہے یا یہ خالص اللہ کی مقرر کردہ حد شرعی ہے، ان اہل علم کے نزدیک اس کا اسلام قابل قبول اور صحیح ہے، ہمارے اصحاب اور دیگر اہل علم کا قول یہی ہے مگر اصحابِ شافعی کا قول یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے۔

جن اہل علم کا قول ہے کہ جو اللہ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے، علماء کی ایک اور جماعت کہتی ہے کہ زندیق کو قتل کیا جائے، اگر اظہارِ اسلام کے بعد اُسے قتل کیا جائے تو اس پر زندقہ کے احکام جاری کیے جائیں، بہت سے مالکیہ کا قول یہی ہے، ہمارے بعض اصحاب کا قول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، نبی اکرم ﷺ کے اس طرز عمل سے کہ آپ ﷺ منافقین کا ظاہری اسلام قبول کرتے تھے، جو احتجاج کیا

گیا ہے اس کا جواب بھی اسی پر مبنی ہے، استدلال یا تو اس طرح کیا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ منافقین کے ظاہری اسلام کو قبول فرماتے تھے مگر یہ استدلال چار وجوہ سے حجت نہیں:

وجہ اول: پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کے اسلام لانے کو وہاں قبول کیا گیا جہاں اُن سے ان کے خلاف ثابت نہیں ہوا، وہ اس بات سے انکار کرتے تھے کہ انھوں نے اسلام کے خلاف گفتگو کی ہے، باقی رہی یہ بات کہ رسول کریم ﷺ کے یہاں کسی خاص شخص کے کفر پر شہادت قائم ہو جائے اور آپ ﷺ اس کے قتل سے رُک جائیں تو ایسا کبھی نہیں ہوا، الا یہ کہ آغازِ اسلام میں ایسا ہوا ہو۔

وجہ ثانی: دوسری وجہ یہ ہے کہ آغازِ اسلام میں رسول کریم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ (کفار) کی ایذا کو نظر انداز کر دیں اور تالیفِ قلب اور نفرت کے ڈر سے کفار کے مظالم پر صبر کریں، یہاں تک کہ مندرجہ ذیل آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا:

﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ [التوبة: ۷۳]

''کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے۔''

وجہ ثالث: تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم اس کی تعمیل کرتے ہیں، اس کے اسلام کو قبول کرتے ہیں اور اس پر گالی کی حد اسی طرح لگاتے ہیں جیسے اُس نے کسی اور حد کا ارتکاب کیا ہو، یہ اس شخص کا جواب ہے جو اُس کے اسلام کو صحیح قرار دیتا اور گالی کے فساد کی وجہ سے شرعی حد لگا کر اس کو قتل کرتا ہے۔

وجہ اربع: چوتھی وجہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان میں سے کسی سے بھی توبہ کا مطالبہ نہ کیا بلکہ تلوار کے سامنے پیش کیا تاکہ وہ اس کلمہ سے توبہ کرے جو اس سے صادر ہو چکا ہے، اس کے جواب پر علماء کا اتفاق ہے، اس لیے کہ ان میں سے کسی پر جب کفر و زندقہ کی شہادت قائم ہو جائے، پھر یا تو اُسے قتل کیا جائے گا یا توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اُسے قتل کیا جائے۔

باقی رہی یہ بات کہ ان کے انکار کو کافی سمجھا جائے تو میرے علم کی حد تک کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، اس ضمن میں کم از کم جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان سے شہادتین کے زبانی اقرار اور کلمہٴ کفر سے اظہارِ براءت کو کافی سمجھا جائے، چونکہ منافقین کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا گیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حکم کو یا تو شرط کے فقدان کی وجہ سے ترک کیا گیا اور شرط یا تو ثبوتِ نفاق ہے یا حد قائم نہ کر سکنا یا کمزوری کی حالت میں تالیفِ قلب کی مصلحت یہاں تک کہ جب اسلام کو قوت و شوکت حاصل ہوئی تو اُسے منسوخ کر دیا گیا۔

اور اگر گالی دینے والوں کے ظاہری اسلام کو قبول کرنے سے احتجاج کیا گیا ہے تو اس کا جواب وجہ خامس شمار ہوگا اور وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنی زندگی میں گالی دینے والے کو معاف کر سکتے تھے مگر آپ ﷺ کے بعد کسی کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گالی دینے والے کو جو غادر اور محارب کہتے تھے اس لیے وہ مباح الدم ہے، جو شخص عہد شکنی کرے اور (مسلمانوں سے) لڑے تو اس کے اسلام لانے سے ضروری نہیں کہ اس کا قتل ساقط ہو جائے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ کسی مسلم کو قتل کرے یا اس پر ڈاکہ ڈالے، مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرے (تو اُسے قتل کیا جائے گا۔) گالی دینے والے کو محارب کے نام سے موسوم کرنا، حالانکہ گالی دینا فساد ہے، اس بات کو واجب کرتا ہے کہ وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

باقی رہے وہ لوگ جنھوں نے رسول کریم ﷺ کی ہجو کہی اور آپ ﷺ کو گالیاں دیں، پھر آپ ﷺ نے انھیں معاف کر دیا تو اس کا جواب پہلے مسئلے میں گزر چکا ہے، جہاں ہم نے ان کے واقعات ذکر کیے اور بیان کیا ہے کہ گالی میں رسول کریم ﷺ کا حق غالب ہے، جب آپ ﷺ کو اس بات کا پتہ چلے تو آپ ﷺ اُسے معاف بھی کر سکتے ہیں اور انتقام بھی لے سکتے ہیں اور ان میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپ ﷺ کے معاف کرنے اور درگزر کرنے سے ان کی سزا ساقط ہوگئی، یہ بات اس شخص پر روشن ہوگی جو منافقین کے حالات جو رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھے، ان پر غور کرے گا اور ان کے درمیان اور ان لوگوں میں تفریق کرے گا جنھوں نے آپ ﷺ کی ہجو نہیں کہی اور نہ آپ ﷺ کو گالیاں دیں۔

مزید برآں یہ لوگ محارب تھے، اور حربی کافر اگر کسی مسلم کا خون بہائے یا ان کا مال لے یا ان کی بے آبروئی کرے تو اس پر گرفت نہیں کی جاتی، البتہ مسلم اور معاہد پر مواخذہ کیا جاتا ہے، مخالفین کا یہ قول درست نہیں کہ ذمی گالی دینے کو حربی کافر کی طرح حلال سمجھتا ہے، مگر وہ (ذمی) خون ریزی اور مال لینے کو حلال تصور نہیں کرتا، اس لیے کہ ذمی ہونے کی وجہ سے ان کے لیے ہمارے دین کو ہدفِ طعن بنانا ممنوع ہے، ان پر واجب ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کو گالیاں نہ دیں۔

ہمارا خون اور مال ان کے لیے حرام ہے، اگرچہ ذمی اپنے مذہب کی رُو سے ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتا مگر معاہد ہونے کے اعتبار سے یہ چیزیں اس پر حرام ہیں، جس طرح ہم اُن کے خون و مال اور ناموس کو اپنے لیے حرام سمجھتے ہیں، حالانکہ ہم نے ان سے اس بات کا معاہدہ نہیں کیا کہ ہم ان کے

جھوٹے دین کی مذمت نہیں کریں گے اور اس کے نقائص و معائب شمار نہیں کریں گے، بلکہ ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہے کہ ہمارے ملک میں اقامت گزیں رہ کر جس چیز کا اظہار چاہیں کریں، نیز یہ کہ ہمارے دینی احکام کی پابندی کریں، اگر اس کا التزام نہیں کریں گے تو پھر ان کی ذلت و رسوائی کیا ہوئی؟

ہمارے مخالفین کا یہ قول کہ ذمی جب گالی دے تو یا تو اُسے اس کے کفر و قتال کی وجہ سے قتل کیا جائے، جس طرح گالی دینے والے حربی کافر کو قتل کیا جاتا ہے، یا اس پر حد لگا کر اُسے تہ تیغ کیا جائے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے کہ یہ تقسیم درست نہیں بلکہ ذمی بننے کے بعد اُسے اس کے کفر اور قتال کی وجہ سے قتل کیا جائے اور جو شخص ذمی بننے کے بعد جنگ کرتا ہے وہ حربی کافر کی طرح نہیں ہے، اس لیے کہ ذمی جب کسی مسلم کو قتل کرے تو اس پر دو جرم جمع ہو جاتے ہیں: ایک یہ کہ اس نے عہد توڑا، دوسرے یہ کہ اس پر قصاص واجب ہوا۔

اگر مقتول کا وارث اُسے معاف بھی کر دے تو نقضِ عہد کے فساد کی وجہ سے اُسے قتل کیا جائے گا، اسی طرح اگر ذمی مسلمانوں کو ضرر پہنچانے والے افعال انجام دے تو اُسے قتل کیا جا سکتا ہے، ذمی کا حکم اس میں حربی الاصل کافر جیسا نہیں ہے، یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے، جب اُسے عہد باندھنے کے بعد اس کے حرب و پیکار کی وجہ سے قتل کیا جائے تو اُسے ایک شرعی حد تصور کیا جائے گا، ہر دو اوصاف میں کوئی منافات نہیں پائی جاتی تاکہ ایک کو دوسرے کا حریف مقابل قرار دیا جائے۔

ہم نے دلائل قاطعہ کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ اس کو محض کافر معاہد ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا، بلکہ یہ سزا اُسے اس لیے دی جاتی ہے کہ اس نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو گالی دی، جبکہ ذمی ہونے کے اعتبار سے اُسے یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مزید برآں گالی دینے سے اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے جو اس کے خون کا محافظ ہے اور وہ گالی دینے سے محارب اور غادر بن جاتا ہے، یہ زنا کی حد کی طرح نہیں ہے جس سے ہمیں کچھ نقصان نہ پہنچتا ہو، حدود شرعیہ میں سے اس کی سب سے زیادہ مشابہت محاربہ کی حد کے ساتھ ہے۔

ہمارے مخالفین کا یہ قول کہ گالی دینے سے صرف آبرو ریزی ہوتی ہے اور اس سے صرف کوڑے مارنا واجب ہوتا ہے۔ ہماری طرف سے اس کے تین جواب دیے جاتے ہیں:

پہلا جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ یہ اصل مسئلے پر گفتگو کرنے کے مترادف ہے، اس لیے کہ جب گالی دینے سے صرف کوڑوں کی سزا واجب ہوتی ہے اور جن کاموں سے کوڑے مارنا واجب ہوتا ہو

ان سے عہد نہیں ٹوٹتا، حالانکہ ہم اس مسئلے پر ایسے دلائل پیش کر چکے ہیں جن کی مخالفت روا نہیں کہ ذمی جب ایسا کام کرے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے، نیز یہ کہ ایسا کرنے سے اس کا عہد باقی نہیں رہتا جو اس کے خون کا محافظ ہے۔

ہم نے بیان کیا تھا کہ عام مسلمانوں کی آبروریزی سے کوڑے مارنا واجب ہوتا ہے، البتہ رسول کریم ﷺ کی آبروریزی سے قتل لازم آتا ہے، مزید برآں ذمی کے ساتھ جو مصالحت کی گئی تھی اس میں رسول کریم ﷺ اور اہل اسلام دونوں کی عزت کی حفاظت کو لازم قرار دیا گیا تھا، لہٰذا جس شخص نے رسول کریم ﷺ کی آبروریزی کی اس نے ایسا کام کیا جو اس کے قتل کو واجب کرتا ہے، جبکہ اس نے ایسا کام نہ کرنے کا عہد کیا تھا، لہٰذا اُس کو قتل کرنا واجب ٹھہرا، جس طرح کہ رہزنی اور زنا کی صورت میں وہ واجب القتل ہو جاتا ہے، سزا کی مقدار کے اعتبار سے رسول کریم ﷺ اور کسی دوسرے شخص کی آبروریزی کو یکساں قرار دینا بدترین قیاس فاسد ہے اور دونوں کے باہمی فرق و امتیاز پر کلام کرنا ایک تکلف سے زیادہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر واجب قرار دیا ہے کہ رسول کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجیں، آپ ﷺ کی مدح و ستائش، اعزاز و احترام، تعزیر و توقیر میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں، آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو کرتے وقت عجز و انکسار کو ملحوظ رکھیں، آپ ﷺ کے اوامر کی اطاعت کریں اور آپ ﷺ کے اصحاب و اہل بیت کی حرمت وتقدس کو مجروح نہ ہونے دیں۔ یہ ایسی بات ہے جو اہل ایمان کے کسی عالم سے پوشیدہ نہیں، رسول کریم ﷺ کی ناموس و آبرو ہی سے اللہ کے دین، اس کی کتاب اور اس کے مومن بندوں کا قیام ہے، اسی کی وجہ سے ایک قوم کے لیے جنت واجب ہوئی اور دوسری کے لیے نارِ جہنم، اسی کی وجہ سے یہ اُمت "خیر أمة" کے لقب سے ملقب ہوئی، یہ وہ آبرو ہے کہ اس کے ذکر کو اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ مقرون و متصل فرمایا اور ایک ہی کتاب میں دونوں کو یکجا کیا، اللہ نے رسول کریم ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت، آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ ﷺ کی ایذا رسانی کو اپنی ایذا ٹھہرایا، اور دیگر اَن گنت خصوصیات و ممیزات ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا، اگر آپ ﷺ کے گالی دینے کو کفر قرار نہ دیا جائے تو یہ بات کہاں تک مناسب ہے کہ آپ ﷺ کی بے آبروئی کرنے والے کو وہی سزا دی جائے جو کہ کسی اور کا تقدس پامال کرنے والے کو دی جاتی ہے؟

اگر ہم فرض کریں کہ یہ خدا کا ایک نبی ہے، جس کو اس نے ایک امت کی طرف مبعوث کیا اور کسی

دوسری امت پر واجب نہیں کیا کہ عموماً وخصوصاً اس پر ایمان لائیں، ایک شخص نے یہ جانتے ہوئے اس نبی کو گالی دی اور اس پر لعنت کی کہ اس نبی کو اس قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے تو آیا یوں کہنا روا ہے کہ اس کی سزا اور ایک مومن کو گالی دینے والے کی سزا یکساں ہے؟ یہ قیاس ان لوگوں کے قیاس سے بھی بدتر ہے جنھوں نے کہا تھا کہ خرید وفروخت بھی تو سود کی طرح ہوتی ہے!

ہمارے مخالفین کا قول ہے کہ ذمی اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے کہ ہمارے اور اس کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس بنا پر گالی دینا اس کے مذہب میں بھی حرام ہے، جس طرح ہمارا خون، ہمارے اموال، ہماری ناموس اس پر حرام ہے، جب وہ گالی دیتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہت بڑا جرم انجام دیا ہے، جس پر ہم نے اس کے ساتھ مصالحت نہیں کی تھی، اگر وہ جانتا ہے کہ اس کی سزا قتل تو فبہا ورنہ اس اس کا قتل واجب نہیں، اس لیے کہ جو شخص حدود شرعیہ کا ارتکاب کرتا ہے اس کے لیے اس چیز کی حرمت کا علم ہی کافی ہے، مثلاً: کوئی شخص زنا کرے یا چوری کرے یا شراب نوشی کرے یا کسی پر بہتان لگائے یا رہزنی کرے، ایسا شخص جب اس فعل کی حرمت کا علم رکھتا ہوگا تو اُسے شرعی سزا دی جائے گی اگرچہ اس کا خیال یہ ہو کہ اس فعل کی کوئی سزا نہیں اور یہ کہ اس کی سزا شریعت کی مقرر کردہ سزا سے کم ہے۔

مزید برآں ان کا مذہب اگرچہ باطل ہے تاہم اس میں نبی کو گالی دینا اور اس پر لعنت کرنا مباح نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نبی نہیں ہے یا یہ کہ اس کی پیروی ان پر واجب نہیں، اگر وہ یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ اس پر لعنت کرنا اور اُسے گالی دینا جائز ہے، تاہم ان میں سے اکثر و بیشتر یہ عقیدہ نہیں رکھتے۔

علاوہ ازیں گالی دو قسم کی ہوتی ہے: ایک یہ کہ انھوں نے اپنے عقیدے کی بنا پر اس (نبی) کی نبوت کا انکار کیا، دوسرے وہ جس کا انکار انھوں نے نہیں کیا اس میں شبہ نہیں کہ وہ دوسری قسم کی گالی کو حلال نہیں سمجھتے۔

باقی رہا ہمارے مخالفین کا یہ قول کہ ان سے اس شرط پر صلح کی گئی ہے کہ وہ اس (گالی دینے) کو ترک کر دیں گے، پس جب وہ ایسا کرے گا تو عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے بعینہ اس جرم کی سزا دی جائے گی ورنہ اس شخص کا حال جو عہد شکنی کر کے ہمیں ستائے بغیر دار الحرب کو چلا جائے اور اس شخص کا حال جو کسی کو قتل کرے، چوری کرے، رہزنی کرے اور نقضِ عہد کے ساتھ ساتھ رسول ﷺ کو گالی بھی

دے یکساں ہوگا اور یہ جائز نہیں۔

فقہاء کا یہ قول کہ قتل کا حد ہونا ایک شرعی حکم ہے جو شرعی دلیل کا محتاج ہے، صحیح ہے۔ قبل ازیں کتاب وسنت اور نظر وفکر کے دلائل گزر چکے ہیں، جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ گالی بذات خود (اپنی خصوصیت کے لحاظ سے) قتل کی موجب ہے، اور یہ بات محض قیاس واستحسان ہی سے ثابت نہیں ہے بلکہ ہم نے اس کو نصوص اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔

علاوہ ازیں شارع کے اشارات وتنبیہات اور کتاب وسنت اور اجماع امت کے دلائل بھی گالی کی اس خصوصیت اور اس آبرو کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں، یہ ناموس وآبرو اس امر کی موجب ہے کہ محض قتل ہی اس کی حفاظت کرسکتا ہے، خصوصاً جبکہ اس آبرو کے تقدس اور اس کی حرمت کو کم کرنے کا داعی طاقتور ہو اور قلوب واذہان میں اس ہستی کی عزت وعظمت کم ہوجائے جو تمام جہان والوں میں عظیم القدر ہے، اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب اس کی ناموس وآبرو کے ساتھ زید اور عمرو کی عزت کو ایک ہی پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دین کے اعداء وخصوم، خواہ وہ کافر ہوں یا منافق جگہ جگہ لوگوں میں اس کی مذمت کرتے پھریں۔

جس شخص نے دین وشریعت کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہو کیا وہ اس بات میں شبہ کرسکتا ہے کہ شریعت کے محاسن اس ہستی (رسول ونبی) کی حرمت کے تقدس کو واجب ٹھہراتے ہیں؟ یہ وہ حرمت ہے جس کی عظمت تمام مخلوقات کی حرمت سے بڑھ کر ہے۔

اور یہ براہ راست رب العالمین کی عزت وحرمت کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی حفاظت لوگوں میں سے ایک کا خون بہا کر کی جائے گی، قطع نظر کفر وارتداد سے کہ یہ دونوں موجبِ فساد ہیں اور ان کا اتحاد عددی اعتبار سے ہے، سردست ہم مصالح مُرسلہ کے بارے میں بحث نہیں کر رہے، کیونکہ ہمیں اس مسئلے میں مصالح مرسلہ کی اس لیے ضرورت نہیں کہ اس مسئلے سے متعلق ہمارے پاس مخصوص شرعی دلائل موجود ہیں مگر ہم شرعی حکمت کو بیان کرنے کے لیے اس میں پائی جانے والی عظیم مصلحت سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں، اس لیے کہ جس چیز کی حکمت ومصلحت سمجھ لی جائے دل اس کی اطاعت کے لیے تیار ہوجاتا ہے اور قلوب ونفوس جس چیز کی مصلحت کو بھانپ لیتے ہیں جگر میں اس کی طلب اور پیاس جڑ پکڑتی ہے۔

علاوہ بریں اگر اس مسئلے کے بارے میں کوئی نص اور اثر نہ بھی ہو تو اجتہادِ رائے اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے کافی تھا کہ بطور خاص اس جرم کی سزا قتل ہے، اس لیے نہیں کہ عموماً یہ کفر وارتداد کا

آئینہ دار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ اس میں کفر و ارتداد کی کوئی گنجائش نہیں تاہم یہ (جرم) قتل کا موجب ہوتا۔

اور اس بات کو ہم نے شرعی سزاؤں کے ضوابط و کلیات سے اخذ کیا ہے، اس لیے کہ سزا کی شدت جرم کی نوعیت کے لحاظ سے کم یا زیادہ ہوتی ہے، اگر جرم اوسط درجے کا ہو تو اس کی سزا بھی اوسط ہوتی ہے اور اگر جرم اپنی نوعیت کے لحاظ سے ادنیٰ ہو تو اس کی سزا بھی ادنی درجے کی ہوگی، جرم اگر تنہا ہو تو اُسے سزا کے مقابلے میں نہیں رکھا جا سکتا، مثلاً یہ کہ اُسے کوڑے مارنے اور قید کرنے کے مقابلہ میں رکھا جائے تا کہ سزا اور اس زیادتی میں یکسانی پیدا کی جا سکے جو زید اور عمرو کی آبرو پر ہوتی ہے، جو لوگ شرعی اسباب کی معمولی واقفیت رکھتے ہیں ان سے پوشیدہ نہیں کہ یہ اجتہاد کی بدترین قسم ہے، اسی طرح یہ بات بھی فاسد ہے کہ اس جرم کی کوئی مخصوص سزا نہ ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ مجرم کو اوسط درجہ کی سزا دی جائے، جیسا کہ مہاجر بن امیہ نے خیال کیا تھا، وہ باطل ہے، مہاجر نے (رسول کریم ﷺ) کو گالیاں دینے والی لونڈی کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس کا اگلا دانت اکھڑوا دیا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مہاجر پر اعتراض کیا تھا، اس لیے کہ یہ جرم رسول کریم ﷺ کے خلاف کیا گیا تھا، جن کی عزت و حرمت سب سے بڑھ کر ہے، نیز اس لیے کہ اس جرم اور اوسط درجے کی سزا دینے کے لیے کسی عضو کو کاٹنے میں کوئی مناسبت نہیں پائی جاتی، اس لیے کہ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ اُسے اعلیٰ درجے کی سزا دی جاتی اور وہ قتل ہے۔

اگر ہم گالی کی مصیبت میں گرفتار ہوں اور ہمارے پاس کوئی دلیل ایسی نہ ہو جس کی پیروی کی جائے، پھر کسی کو شک گزرے کہ اُسے بہت بڑے جرائم کے ساتھ ملحق کیا جائے تو اُسے دانشمند فقیہ قرار نہیں دیا جائے گا، اس قسم کی مصلحت مصالح مرسلہ میں سے نہیں ہے کہ شریعت اس کے معتبر ہونے کی شہادت نہ دیتی ہو، جب فرض کر لیا گیا کہ اس مسئلے کی کوئی خاص اصل نہیں جس کے ساتھ اس کو ملحق کیا جائے اور اس کا فیصلہ کرنا بھی ضروری ہے، پس واجب ہوا کہ اس کے بارے میں وہ فیصلہ کیا جائے جو اصول کلیہ سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو، اور جب مصلحت پر عمل نہ کیا جائے تو مفسدہ پر عمل کرنا لازم ہے۔ واللہ لا یحب الفساد

اس میں شبہ نہیں کہ علماء فی الجملہ، ہمارے اصحاب میں سے ہوں یا کوئی اور، اس نوع کے مصالح میں جب ان کے بارے میں کوئی اثر اور قیاس خاص موجود نہ ہو تو مختلف الخیال ہوتے ہیں۔ امام

احمد رحمہ اللہ ایسے بعض مسائل میں توقف سے کام لیتے ہیں، مثلاً جاسوس اور اس جیسے آدمی کو قتل کرنا، بشرطیکہ اس مسئلے کو اس کے افراد میں شامل کیا جائے، امام موصوف بعض اوقات اس پر عمل کرتے اور بعض دفعہ چھوڑ دیتے، جبکہ اس کے بارے میں کوئی اثر یا خاص قیاس موجود نہ ہو، جو لوگ فقہاء کے تصرفات سے آگاہ ہیں انھیں معلوم ہے کہ وہ اُن کو ملحوظ رکھنے پر اس وقت مجبور ہوتے ہیں جب وہ کسی اصل شرعی کے خلاف نہ ہو، مناظرہ اور علم الکلام کے علماء، خواہ ہمارے اصحاب میں سے ہوں یا کوئی اور، اس کو معتبر سمجھتے ہیں اسمیں کوئی اختلاف نہیں رکھتے اور اگر وہ فقہاء کی طرح بحرِ علم کی غواصی کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ ایسے مصالح کا اعتبار ضروری ہے۔

فقہی مسائل میں غوطہ زن ہونے والے کا ذوق اور بڑے بڑے مسائل کو جانے بغیر ان کے اطراف و متعلقات پر گفتگو کرنا دونوں الگ الگ امور ہیں، ظاہر ہے کہ متکلمین اور اہل جدل صرف دوسری قسم کو موضوع بحث بناتے ہیں، وہ دوسروں کو اس بات کا الزام دیتے ہیں جس کا خود التزام نہیں کرتے، وہ فقہی مسائل پر اس شخص کی طرح گفتگو کرتے ہیں جو صرف امور کلیہ اور عمومات کو جانتا ہو، اس کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے خصوصی نظر و فکر اور ایسے دلائل کی ضرورت ہے جن کا ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جو بڑے بڑے مسائل سے آگاہ و آشنا ہو۔

ہم نے اس کو قیاسِ خاص سے بھی ثابت کیا ہے، یعنی ہر اس مرتد اور ناقض عہد پر قیاس کیا ہے جو مسلمانوں کو ایسا ضرر پہنچاتا ہو جس میں قتل کی سزا بھی موجود ہے، ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ خالص ارتداد اور محض نقضِ عہد سے اخص ہے اور اصول نے ان دونوں کے مابین تفریق کر دی ہے، نیز ہم نے اس کو اس چیز سے بھی ثابت کیا ہے جو خون کی حفاظت کی نفی کرتی ہے۔

ہم نے بیان کیا ہے کہ اس شخص کا خون اس کے افعال کی وجہ سے مباح ہوا۔ جو مرتد اور ناقضِ عہد اسلام لائے اس کو بچانے والے دلائل لفظاً و معنیً اس پر مشتمل نہیں ہیں، (علماء کا) یہ قول کہ اسباب کے ضمن میں قیاس درست نہیں، فقہاء کے مسلک کے خلاف ہے اور یہ قول قطعاً باطل ہے مگر یہاں تفصیلی بحث کا موقع نہیں ہے۔

ہمارے مخالفین کا یہ قول کہ حکمت و مصلحت کی نوع اور مقدار کا معلوم کرنا دشوار ہے۔ مگر ہم اس کو علی الاطلاق تسلیم نہیں کرتے، بخلاف ازیں کبھی یہ ممکن ہوتا ہے اور گاہے دشوار بلکہ بعض اوقات اس کا قطعی علم بھی حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے کہ فرع اس حکمت پر مشتمل ہوتی ہے جو اصل میں موجود ہوتی

ہے مع قدر زائد۔ مخالفین کا یہ قول کہ وہ سبب کو سبب ہونے سے خارج کر دیتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں، اس لیے کہ سبب کا سبب اس کو سبب بننے سے نہیں روکتا اور سبب کی طرف جو نسبت ہوتی ہے وہ سبب کے سبب کی طرف اضافت کو نہیں روکتی اور اس کا علم ضروری ہوتا ہے۔

باقی رہا مخالفین کا یہ قول کہ جو جرائم قتل کو بطور حد واجب کرنے والے ہیں ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو گالی کو اُن کے ساتھ ملحق کرنے کو جائز قرار دیتی ہو، ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ گالی کو ارتداد مغلّظ اور نقض مغلّظ کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔ جو فساد گالی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے جو اُن امور مغلّظ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، ہم قبل ازیں اصول شرعیہ کے شواہد سمیت اس پر روشنی ڈال چکے ہیں، علاوہ ازیں یہ حکم ایسی اصل سے بے نیاز ہے، جس پر اسے قیاس کیا جائے، بلکہ یہ بذات خود ایک ضابطہ کلیہ ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔

علاوہ بریں اس کلام کے مقابلے میں ایک ایسا کلام بھی ہے جو اس سے زیادہ روشن دلیل پر مشتمل ہے اور دلیل کے طور پر اس کو برتری حاصل ہے، اور وہ یہ کہ گالی دینے والے کو سزا نہ دینے کا قول، اس کے مباح الدم ہونے پر اتفاق کے بعد، ایک بلا دلیل قول ہے جس کا ثبوت بعض مرتدین اور منافقین عہد پر قیاس کر کے پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ دونوں کے مابین واضح فرق پایا جاتا ہے اور جو شخص ایک چیز کو ایسی چیز پر قیاس کرتا ہے جو اس کے مخالف یا اس سے مفارق ہو اس کا قیاس فاسد ہے کیونکہ اس کی حفاظت کرنے والا سبب بنانا ایک سبب کو دوسرے سبب پر قیاس کرنا ہے، حالانکہ حکمت کی نوع اور اس کی مقدار میں تباین پایا جاتا ہے، علاوہ ازیں اس سے لازم آتا ہے کہ گالی کو، جو کہ ناموس و آبرو کے خلاف عظیم تر جرم ہے، سزا سے خالی رکھا جائے اور شریعت میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں، اس طرح یہ ایک ایسے حکم کو ثابت کرتا ہے جو خارج از قیاس ہے۔

اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو جرم قتل کا موجب تھا اس کو اس قدر خفیف بنا دیا جائے کہ وہ ساقط ہونے میں لوگوں کی عزت سے بھی آسان تر ہو، نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ علت کے ساتھ اس کے مقتضا کی ضد کو معلق کر دیا جائے، نیز یہ خروج عن موجب الاصول کا آئینہ دار بھی ہے کیونکہ سزاؤں کی شدت فی الوجوب ان کے سقوط میں ہرگز تخفیف کا باعث نہیں بن سکتی، اگر سزاؤں کی جنس ایسی ہو جو ساقط ہو سکتی ہو تو وہ ساقط ہو جائیں گی، خواہ سزا خفیف ہو یا غلیظ، جیسے کہ حقوق العباد ہیں۔

پھر یہ کہ دشنام دہندہ سے توبہ طلب کرنے کا قول کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور خلفاء و

اصحاب رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کے خلاف ہے، اور یہ قول کہ دشنام دہندہ پر رسول کا کوئی حق نہیں، جبکہ ذمی اسلام قبول کرے، یا مسلم پر، اور رسول ﷺ اُسے کوئی سزا نہیں دے سکتا، یہ ایسا قول ہے جو رسول کریم ﷺ کی معروف سیرت اور شرعی اصولوں کے خلاف ہے، یہ قول ایسے حکم کو ثابت کرتا ہے، جس کی کوئی اصل اور نظیر موجود نہیں، الّا یہ کہ اس کو ایسے مسائل کے ساتھ ملحق کر دیا جائے جس کی کوئی مثال نہ ہو۔

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صرف گالی قتل کی موجب ہے، ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر گالی ضرر رسانی کی وجہ سے محاربہ اور نقضِ عہد کی ہم معنی ہے، لہٰذا ایسے شخص کو ہر دو وجوہ، یعنی گالی اور نقضِ عہد کی وجہ سے قتل کیا جائے، یوں کہنا جائز نہیں کہ گالی بطور خاص غیر مؤثر ہے، کیونکہ اس کا فساد ان دلائل قاطعہ سے واضح ہوتا ہے جو ہم نے اس کے مؤثر ہونے کے بارے میں ذکر کیے ہیں، جب صورتحال یہ ہے تو ہم اس کو اسباب مقررہ میں سے ایک خارجی سبب قرار نہیں دیتے، بخلاف ازیں اس کا سبب معروف مغلّظ ہے اور وہ کفر ہے۔ جس طرح انسانوں کو قتل کرنا قاتل کے مباح الدم ہونے کا موجب ہے، اگر اس نے اُسے محاربہ میں قتل کیا ہے تو اُسے حتماً قتل کیا جائے گا ورنہ یہ معاملہ مقتول کے وارثوں کو تفویض کیا جائے گا، ظاہر ہے کہ مقتول رہزنوں میں سے ہے، لہٰذا اُس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اُسے قصاص میں قتل کیا جائے تاکہ اس پر ان لوگوں کے احکام مرتب کیے جائیں جن پر قصاص واجب ہوتا ہے۔ قتل کو اس کے خاص جرم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جنگ میں قتل کرنا ہے، اسی طرح یہاں اصلی موجب بطور خاص محاربہ ہے۔

مخالفین کا یہ قول کہ دلائل دونوں طرف پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ اُسے محض محاربہ کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ اُسے گالی دینے کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ گالی میں اس کفر کی نسبت زیادہ تاثیر پائی جاتی ہے، جس میں معاہدہ نہ کیا گیا ہو، لہٰذا شریعت کے اس کو معتبر سمجھنے کے بعد اس کی خصوصیت کو نظر انداز کرنا روا نہیں اور یوں کہنا بھی درست نہیں کہ اس میں مؤثر وہ چیز ہے جو اس کے ضمن میں پائی جاتی ہے اور وہ عہد کا زائل ہونا ہے، اس لیے ناقضِ عہد کو بلا تخییر قتل کرنا واجب ہے جیسا کہ ہم اس کے دلائل ذکر کر چکے ہیں۔ جب معاملہ یوں ہے تو مخالف کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے معلوم ہو کہ قتلِ مباح اسلام لانے سے ساقط ہو جاتا ہے، اگرچہ یہ کفر کے فروع میں سے ہے، جس طرح ذمی جب مسلمانوں کے خون و مال اور آبرو کو حلال سمجھے اور اُسے اس لیے پامال کرے کہ یہ لوگ کافر ہیں اور ان کے ساتھ یہ سلوک روا رکھنا ان کے لیے حلال ہے، پھر اسلام

لائے تو اُسے اس کی سزا دی جائے گی، یا تو اُسے قتل کیا جائے گا، اگر ان (جرائم) میں کوئی چیز قتل کی موجب ہو، یا کوئی اور سزا دی جائے گی۔

اگر ایک ذمی دوسرے ذمی کے خون کو حلال سمجھے، مثلاً یہ کہ ایک عیسائی کسی یہودی کو قتل کردے یا اس کا مال اس لیے لے کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق اُسے حلال تصور کرتا ہے یا اس پر بہتان لگائے یا اُسے گالیاں دے تو اُسے ایسی سزا دی جائے گی جو اس جیسے دوسرے آدمی کو دی جاتی ہے، اگرچہ وہ اسلام لائے، اگر کسی قافلے پر ڈاکہ ڈالے جس میں مسلمان بھی ہوں اور معاہد بھی اور وہ بعض مسلمانوں یا معاہدوں کو قتل کردے تو اُسے حتمی طور پر قتل کیا جائے گا اور اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، اگرچہ وہ اس کے بعد اسلام قبول کرے، یہ کفر کے فروع میں سے ہے، یہ ایسا آدمی ہے جس کا عہد ایسے معاملہ کی وجہ سے ٹوٹ گیا جس کو وہ معاہدہ کرنے سے قبل حلال سمجھتا تھا۔

اور اگر ایک مسلم ایسا کرے تو بہت سے فقہاء کے نزدیک اُسے قتل نہیں کیا جائے گا، بشرطیکہ مقتول ذمی ہو۔ اور کفر وقتل میں سے ہر ایک اس کے قتل میں مؤثر ہے، اگرچہ اس کا معاہدہ اس قتل کی وجہ سے زائل ہو چکا ہے، یہ گالی دینے کی نظیر ہے، پھر اس کے بعد اگر وہ اسلام لے بھی آئے تو قتل اس سے ساقط نہیں ہوگا بلکہ اُسے حد یا قصاص میں قتل کیا جائے گا، خواہ یہ قتل ایسا ہو جس کی بنا پر ایک مسلم کو قتل کیا جا سکتا ہے، بایں طور کہ مقتول مسلم ہو، یا ایسا نہ ہو اور وہ اس طرح کہ مقتول ذمی ہو، دونوں صورتوں میں اس آدمی کو اسلام لانے کے بعد بھی قتل کیا جائے گا، نیز اس لیے کہ اس نے ڈاکہ ڈالا اور معاہد کو قتل کیا جو دوسرے مذہب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اگر اس نے یہ کام اس لیے کیا کہ وہ اس کے کافر ہونے کی وجہ سے اس فعل کو حلال تصور کرتا ہے، حالانکہ اس نے کفر سے توبہ کر لی ہے تو یہ توبہ اس کے فروع میں سے ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے یہ فرع کفر کے لوازم میں سے نہیں بلکہ اس کے ذمی ہونے کی وجہ سے یہ سلوک اس کے ساتھ ناروا ہے، جس طرح یہ خون اور اموال ذمی ہونے کی وجہ سے اس پر حرام ہیں۔

اس مسئلے میں غلطی کا منشا ومصدر یہ عقیدہ ہے کہ ذمی اس گالی کو مباح سمجھتا ہے مگر یہ درست نہیں، اس لیے کہ ذمی کے نزدیک مسلمانوں کے دین کو ہدفِ طعن بنانا اور ان کا خون بہانا اور مال لینا سب یکساں درجے کے جرائم ہیں، کیونکہ یہ سب کام ان کے لیے عہد کرنے کی وجہ سے حرام ہیں نہ کہ صرف مذہب کی بنا پر، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اُمت کے کسی فرد کی بے آبروئی کرنا یا کسی دوسرے مذہب کے آدمی کی بے عزتی کرنا جو اہل ذمہ میں سے ہو، کفر سے توبہ کرنے کے ضمن میں شامل نہ ہو، حالانکہ یہ اسی

کی فرع ہے، مگر ہمارے رسول اکرم ﷺ کی عزت کو پامال کرنا اس کی کفر سے توبہ کرنے میں مندرج ہو۔

تیسرا جواب: فرض کیجیے کہ اُسے کفر و قتال کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے، پس ہمارے مخالفین کا یہ قول کہ اسلام بالاتفاق اس قتل کو ساقط کر دیتا ہے جو کفر و محاربہ کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو قتل کفر و محاربہ اصلی کی وجہ سے ثابت ہو وہ ساقط ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ شخص جب اسلام لائے گا تو جاہلیت میں اُس نے جو خون ریزی کی یا کسی کا مال لیا یا کسی کی بے آبروئی کی اس بنا پر اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، جہاں تک ہنگامی قتال کا تعلق ہے تو کون شخص اس کی تائید کرتا ہے کہ جو قتل اپنی تمام انواع کے ساتھ ثابت ہو وہ اسلام لانے سے ساقط ہو جاتا ہے؟

البتہ ہم اس صورت میں اس کی تائید کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص اس طرح عہد توڑے جس سے مسلمانوں کو کوئی ضرر لاحق نہ ہوتا ہو اور پھر وہ اسلام قبول کرے، اگر اسلام قبول کر کے لڑائی کرنے لگے اور رہزنی کر کے فساد برپا کرے یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرے یا کسی مسلم کو قتل کرے یا دین پر تنقید کرے تو ایسے شخص کو ہر حالت میں قتل کیا جائے، جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہوتا ہے۔

چند مواقع پر اُسے اجماعاً قتل کیا جائے، مثلاً یہ کہ لڑائی کے دوران کسی کو قتل کرے۔ بعض مواقع پر اُسے قتل کیا جاتا ہے، مگر اس پر اجماع منعقد نہیں ہوا، اس لیے وہ محلِ نزاع ہیں اور قرآن اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ قرآن نے صرف اس شخص کو قتل سے مستثنیٰ ٹھہرایا ہے جو پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لے اس کو قتل کرنا ممنوع ہے اور لڑائی کی مختلف قسموں میں جو فرق امتیاز پایا جاتا ہے اس سے یہ التباس دور ہو جاتا ہے۔

علماء کا یہ بیان کہ مسلم و کافر جب چپکے سے گالی دے جس کو خدا کے سوا کوئی نہ جانتا ہو اور انبیاء پر بہتان لگائے اور پھر توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، رسول کریم ﷺ نے ایسے شخص سے دنیا و آخرت میں کہیں بھی قذف کی سزا کا مطالبہ نہیں کیا، یہود نے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے پر جو بہتان لگایا اور انبیاء و رسل کے بارے میں وہ جو کچھ کہتے ہیں اسلام لانے سے وہ ساقط ہو جاتا ہے، علماء کا یہ بیان صحیح ہے اور ایسی باتوں میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، ہمارے بعض اصحاب و دیگر علماء بھی اسی طرح کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اختلاف اس سے قتل کے ساقط ہونے کے بارے میں ہے۔

باقی رہی اس کی توبہ اور اس کا اسلام لانا جو اس کے اور اللہ کے مابین ہے تو وہ مقبول ہے، اللہ

تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام گناہوں سے توبہ کو قبول کرتا ہے، مسلم ہو یا ذمی دونوں کی توبہ مقبول ہے، مسلم کی توبہ کے بارے میں ہمارا ایمان گزر چکا ہے، جہاں تک ذمی کی توبہ کا تعلق ہے تو اگر یہ گالی عہد کے توڑنے والی نہ ہو، مثلاً یہ کہ پوشیدہ طور پر گالی دے تو اس کی توبہ اسی طرح ہے جس طرح حربی کافر تمام اقوال و افعال سے توبہ کرے یا ذمی اپنے کفریہ عقائد سے توبہ کرے اس لیے کہ یہ عقد ذمہ کی وجہ سے ممنوع نہ تھا اور ہم اس کے بارے میں گفتگو نہیں کر رہے، اس سے علماء کے ذکر کردہ سوال کا جواب بھی ہو گیا۔

اس لیے کہ وہ گالی جس کے بارے میں دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتی ہے وہ ایسی گالی نہیں جس کے انجام دینے سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، البتہ ذمی کے علانیہ اور سراً گالی دینے میں فرق ہے، برخلاف مسلم کے، کیونکہ وہ گالی جو کہ وہ سراً دیتا ہے ایمان و امان میں سے کوئی بھی اُسے روک نہیں سکتا، آپ دیکھتے نہیں کہ اگر کسی مسلم پر پوشیدہ طور پر اس کو جائز سمجھتے ہوئے بہتان لگائے اور پھر اسلام لائے تو اُسی طرح ہو گا جیسے اس نے حربی ہوتے ہوئے بہتان لگایا اور پھر مسلمان ہو گیا، ظاہر ہے کہ وہ کافر جس نے کوئی عہد نہ کیا ہو، جو اُسے کسی چیز سے روکے، جب اسلام لائے گا تو کفر کے تابع ہوتے ہوئے اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، اگر وہ ایسی گالی دے جس کو اپنے مذہب میں حرام تصور کرتا ہو، اور پھر اسلام لائے تو جس کو گالی دی گئی اس کے حق کے ساقط ہونے میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ وہ انبیاء کو اس طرح گالی دے جس کو اپنے مذہب میں حرام سمجھتا ہو، اور اگر گالی اس قسم کی ہو جس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے تو اس کا اظہار اس کو حلال یا حرام سمجھتے ہوئے اسی طرح ہے جیسے وہ مسلم کو حلال یا حرام سمجھ کر قتل کر دے، پس توبہ یہاں باطن میں اللہ کے حق کو ساقط کر دیتی ہے۔

باقی رہا توبہ کا بندوں کے حقوق کو ساقط کرنا تو اس میں اختلاف ہے، قیاس جس امر کا مقتضی ہے وہ یہ ہے کہ یہ مسلم کی توبہ کی طرح ہے جس کو گالی دی گئی، مگر اس کو یہ خبر پہنچ گئی ہو تو اس کو حلال تصور کرنا اس کے لیے ضروری ہے اور اگر اس کو یہ خبر نہ ملی ہو تو اس میں مشہور اختلاف ہے، اس لیے کہ یہ بندوں کا حق ہے جس کو وہ حرام سمجھتا ہے، اس کے باوجود اس نے اُسے پامال کیا ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے معاہد مسلم کو پوشیدہ طور پر قتل کر کے اسلام لائے اور توبہ کر لے، یا پوشیدہ طور پر اس کا مال لے کر توبہ کر لے اور مسلمان ہو جائے، اندریں صورت ظاہر ہے کہ اس کے اسلام لانے سے بندوں کا حق ساقط نہیں ہو گا جس کو وہ عہد کی وجہ سے حرام تصور کرتا تھا، یہ حق نہ ظاہراً ساقط ہو گا نہ باطناً، اور یہی معنی ہیں اس

قول کے جو ہمارے اصحاب نے کہا کہ اس کی توبہ اس کے اور اللہ کے مابین مقبول ہے، اس لیے کہ اللہ تمام گناہوں نیز اپنے حقوق سے توبہ کو مطلقاً قبول کرتا ہے۔

باقی رہے حقوق العباد تو توبہ ان کے حقوق کو باطل نہیں ٹھہراتی، بخلاف ازیں بندہ یا تو ظالم سے اپنے حقوق کو وصول کرے گا یا اللہ اپنے فضل عظیم سے اُسے اپنی طرف سے معاوضہ دے گا۔

خلاصہ یہ کہ ان تمام گناہوں سے توبہ جن کو وہ اپنے کفر کے زمانہ میں حلال تصور کرتا تھا، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ظاہراً و باطناً ساقط کر دیتی ہے لیکن جس گالی کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ گالی ہے جو ذمی دیتا ہے اور یہ ان اُمور میں سے نہیں جن کو وہ حلال سمجھا کرتا تھا، جس طرح وہ قبل ازیں ہمارے خون اور مال کو حلال تصور نہیں کرتا تھا، اگرچہ معاہدہ نہ ہونے کی صورت میں وہ ان کو حلال سمجھتا تھا۔

قبل ازیں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے ہم نے بیان کیا تھا کہ معاہدہ کرنے کی وجہ سے ذمی کے اپنے مذہب میں بہت سی چیزیں حرام ٹھہرتی ہیں جن کو عہد نہ ہونے کی صورت میں وہ حلال خیال کرتا تھا، اس کی نظیر مرتد کی گالی نکالنے سے توبہ ہے، جس کو وہ جائز خیال کرتا ہے۔

مگر جن چیزوں کو وہ حلال تصور نہیں کرتا تھا، اور وہ گالی کا اظہار ہے تو وہ دو قسم کے حقوق پر مشتمل ہے:

۱۔ حقوق اللہ۔ ۲۔ حقوق العباد۔

تو جو توبہ وہ اپنے اور اللہ کے درمیان کرتا ہے وہ حقوق اللہ کو ساقط کر دیتی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باطن میں حقوق العباد بھی ساقط ہو جائیں تو یہ گفتگو اس توبہ کی مقبولیت کے بارے میں کی گئی ہے (جو خاموشی سے) وہ اپنے اور اللہ کے درمیان کرتا ہے۔

اندریں صورت اس کے کئی جواب ہیں:

پہلا جواب: وہ موقع جہاں اس کی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں کی گئی توبہ مقبول ہوتی ہے وہ موقع نہیں جہاں اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور توبہ کرنے کے باوجود اُسے قتل کیا جاتا ہے، اگر وہ دعویٰ کرے کہ حقوق العباد تمام صورتوں میں ساقط ہو جاتے ہیں تو یہ بات ناقابل تسلیم ہے، کیونکہ یہ متنازع فیہ مسئلہ ہے، لہٰذا اس کے اثبات میں دلائل پیش کرنا ضروری ہے اور مذکورہ دلائل اس ظاہری گالی پر مشتمل نہیں جس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

دوسرا جواب: جو توبہ وہ اپنے اور اللہ کے مابین کرتا ہے، حقوق العباد کے سلسلے میں دنیا میں مشروع سزاؤں کو ساقط نہیں کر سکتی، اس لیے کہ جو شخص قتل، یا بہتان طرازی یا رہزنی وغیرہ سے مخلصانہ

توبہ کرتا ہے تو اس سے بندوں کے حقوق، مثلاً قصاص، حدِ قذف یا مالی ضمانت وغیرہ ساقط نہیں ہوتے، ظاہر ہے کہ اس گالی میں بندے کا بھی حق ہے، اگر توبہ سے اس کے ایسے گناہ معاف ہوجاتے ہیں جو حقوق اللہ وحقوق العباد سے متعلق ہوتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے بندوں کے حقوق از قسم سزا وغیرہ ساقط ہوجائیں۔

تیسرا جواب: جن لوگوں کا یہ موقف ہے کہ یہ توبہ باطناً ہر حال میں مقبول ہے وہ کہتے ہیں کہ بندے کی مخلصانہ توبہ تمام گناہوں سے ممکن ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص سرا چند فوت شدگان کو گالیاں دے، پھر توبہ کرے اور ان کے لیے مغفرت طلب کرے تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ اُسے معاف کر دے گا کیونکہ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، اس طرح جو شخص رسل و انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دیتا ہے، اگر اس کی توبہ تو مقبول نہ ہو مگر اس کی لغزش معافی سے ہمکنار ہو تو توبہ اور مغفرت ورحمت کا دروازہ مسدود ہوجائے گا۔

غیبت سے منع کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا:

﴿ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [الحجرات: ۱۲]

''کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے، جبکہ وہ مرا پڑا ہو، تم اُسے (ضرور) ناپسند کرو گے، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ غیبت کنندہ کے لیے توبہ کا رستہ کھلا ہے، اگرچہ جس کی چغلی کھائی گئی وہ مر چکا ہے یا غائب ہے، بلکہ دونوں میں سے صحیح تر روایت یہ ہے کہ جس کی چغلی کھائی گئی اس سے دنیا میں معافی مانگنا ضروری نہیں، جبکہ اُسے معلوم نہ ہو کہ میری غیبت کی گئی ہے، کیونکہ اس میں صلاح کم اور فساد زیادہ ہے۔ اور حدیث میں ہے:

''غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی تُو نے چغلی کھائی ہے اس کے لیے مغفرت طلب کرے۔''[1]

[1] الصمت لابن أبي الدنیا (ص: ۱۷۱)، رقم الحدیث ۲۹۱) اس کی سند میں عنبسہ بن عبدالرحمن القرشی متہم بالکذب ہے۔ اس حدیث کو حافظ عراقی، ابن الجوزی، طاہر پٹنی اور عجلونی رحمہم اللہ نے ضعیف و ←

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ [هود: ١١٤]

''بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔''

لیکن اگر رسول ﷺ زندہ ہو اور گالی سے آگاہ ہو چکا ہو تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب تک اللہ کا رسول معافی نہ دے اس کی توبہ درست نہیں، جیسا کہ انس بن زنیم، ابو سفیان بن حارث، عبداللہ بن ابی اُمیہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، ابن الزبعریٰ، ایک مغنیہ لونڈی، کعب بن زہیر وغیرہم نے کیا تھا، جیسا کہ سیرت کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

کعب بن زہیر نے کہا تھا ؎

نبئت أنّ رسول الله أوعدني
والعفو عند رسول الله مأمولٌ

''مجھے پتہ چلا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے معافی کی امید کی جاتی ہے۔''

معافی اس چیز کے بارے میں مانگی جاتی ہے جس میں عفو و انتقام (دونوں) جائز ہوں ''أوعده'' اُس وقت کہا جاتا ہے جب دھمکی کا حکم اسلام لانے کے بعد بھی باقی ہو۔ اگر دھمکی اس کے کفر پر قائم رہنے کے ساتھ مشروط ہو تو دھمکی باقی نہیں رہے گی۔

جب یہ بات طے ہو چکی تو توبہ کی صحت جو اس نے اپنے اور اللہ کے مابین کی اور رسول کے حق کا سقوط جس کے عوض اُن پر ایمان لانا واجب ٹھہرا، ایسا ایمان جو رسول ﷺ کے حقوق کا موجب ہے، اس پر حد قائم کرنے سے نہیں روکتا جبکہ وہ حاکمِ وقت کے یہاں ثابت ہو چکی ہو، اگرچہ وہ اس کے بعد توبہ کا اظہار کرے، جس طرح تمام ایسے کبائر سے توبہ کی جاتی ہے جو شرعی سزاؤں کے موجب ہوں، قطع نظر اس سے کہ وہ اللہ کا حق ہو یا بندے کا، کیونکہ بندے کی توبہ، جو وہ اپنے اور اللہ کے مابین کرتا ہے، بقدرِ امکان صحیح ہے، تاہم جب حاکم اس سے باخبر ہو تو اس پر حد لگائے۔ قبل ازیں ہم بیان کر چکے

← موضوع قرار دیا ہے۔ (المغني عن حمل الأسفار: ٣/ ١٩١، الموضوعات لابن الجوزي: ٣/ ١١٨، تذكرة الموضوعات، ص: ١٦٩، كشف الخفاء: ٢/ ١٦٣)

ہیں کہ رسول کے حق میں اللہ کا حق بھی پایا جاتا ہے اور بندے کا بھی، نیز یہ کہ دونوں وجوہ سے اس کا وصول کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ یہ معاملہ حاکم کی عدالت میں پہنچ چکا ہو، اگرچہ مجرم شہادت قائم ہوجانے کے بعد توبہ بھی کر لے۔

علماء نے جو ذکر کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا اللہ کو گالی دینے سے بڑا جرم نہیں ہے۔ نیز یہ کہ رسول کریم ﷺ کو جو عز و شرف حاصل ہے وہ اللہ کا عطا کردہ اور اس کی وجہ سے ہے تو اس کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے:

پہلا جواب: اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ہر دو ابواب میں کچھ فرق نہیں۔ جو شخص اللہ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے اور اس کے توبہ کرنے سے قتل اس سے ساقط نہیں ہوگا، یا تو اس لیے کہ یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے ایمان وامان میں زندقہ (کے عناصر) پائے جاتے ہیں، یا اس لیے کہ یہ صرف ارتداد اور نقض عہد نہیں ہے بلکہ یہ بات اس امر کی آئینہ دار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توہین اور استخفاف کا ارتکاب کرتا ہے، ایسے شخص کے خلاف جب شہادت قائم ہوجائے تو توبہ کرنے سے بھی قتل اس سے ساقط نہ ہوگا، جس طرح قتل اس سے اس صورت میں بھی ساقط نہ ہوگا جب وہ اللہ کے محرمات کو پامال کرے، اس لیے کہ اللہ کی عزت وحرمت کے تقدس کو مجروح کرنا اس کے محرمات کو پامال کرنے سے بھی بڑا جرم ہے۔ اس کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

جن علماء نے یہ جواب دیا ہے ان پر یہ اعتراض واجب نہیں ہوگا کہ پھر نصرانی وغیرہ کا اسلام اور ان کی توبہ کیسے صحیح ہوگی کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اللہ اور بندے کے مابین جو توبہ ہو وہ اور عام توبہ مطلقاً مقبول ہے، بشرطیکہ اُنھوں نے علانیہ گالی نہ دی ہو، اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ نصرانی علانیہ طور پر گالی دے اور طعن کرے۔ ان کو توبہ کی دعوت دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حد شرعی لگانا اُن پر ممنوع ہو جبکہ وہ معاہد ہوں، قرآن میں فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا﴾ [البروج: ۱۰]

''جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو فتنوں میں مبتلا کیا اور پھر توبہ نہ کی۔''

ان کا فتنہ یہ تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کو آگ میں ڈال دیا حتی کہ وہ کافر ہوگئے، اور اگر ایک معاہد مسلم کے ساتھ یہ سلوک کرتا تو اُسے بالاتفاق قتل کیا جاتا ہے، اگرچہ اس کی توبہ اس کے اور اللہ کے مابین مقبول ہے، مزید برآں کفار کے وہ نظریات جن کے وہ معتقد ہیں، مذکورہ گالی میں سے نہیں ہیں،

ان عقائد کو وہ اللہ اور اس کے دین کی تعظیم قرار دیتے ہیں، گفتگو اس گالی کے بارے میں ہے جس کو گالی دینے والے اور دوسرے لوگ بھی گالی سمجھتے ہوں، ان دونوں باتوں میں فرق ہے کہ ایک آدمی اپنے حق میں کلام کرتا ہے اور اُسے تعظیم سمجھتا ہے، اور دوسرا شخص ایسی گفتگو کرتا ہے جس کو وہ مذاق پر محمول کرتا ہے، اسی لیے قتل، زنا، سرقہ، شراب نوشی، قذف و دیگر امور میں فرق کیا گیا ہے کہ بعض لوگ ان کو حلال سمجھ کر ان کو انجام دینے میں اپنے آپ کو معذور تصور کرتے ہیں اور دوسرے لوگ ان کو حرام سمجھتے ہیں۔

حدیث قدسی:

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''زمانے کو گالی نہ دو، اس لیے کہ اللہ ہی زمانے سے عبارت ہے۔'' [1]

ایک قدسی حدیث میں ہے:

''ابن آدم مجھے دُکھ دیتا ہے، وہ زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ زمانہ میں ہوں، سب معاملات میرے ہاتھ میں ہیں، میں شب و روز کو الٹتا پلٹتا رہتا ہوں۔'' [2]

مخلوقات میں سے جو شخص زمانے کو گالی دیتا ہے اس کا مقصد اللہ کو گالی دینا نہیں ہوتا، اس کا اصلی مقصود یہ ہوتا ہے کہ جس نے اس کے ساتھ یہ بُرا سلوک روا رکھا ہے وہ اس کو گالی دینا چاہتا ہے مگر اُسے زمانے کی طرف منسوب کرتا ہے، اس طرح گالی درحقیقت اللہ کو لگتی ہے کیونکہ فاعل حقیقی وہی ہے، خواہ ہم یہ کہیں کہ ''الدھر'' اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، جیسے نعیم بن حماد نے کہا یا یوں کہیں کہ وہ اسم نہیں۔ ''أنا الدھر'' کے معنی یہ ہیں کہ جن امور کو زمانے کی جانب منسوب کیا جاتا ہے میں ان کو انجام دیتا ہوں مگر لوگ زمانے کو گالیاں دیتے ہیں، جیسا کہ ابو عبیدہ اور اکثر علماء نے کہا۔

یہی وجہ ہے کہ زمانے کو گالی دینے والے کی تکفیر نہیں کی جاتی اور نہ ہی اُسے قتل کیا جاتا ہے، بلکہ بدگوئی کی وجہ سے اس کی تعزیر و تادیب کی جاتی ہے۔ گالی کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے:

﴿ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ﴾ [الأنعام: ۱۰۸]

''اور ان لوگوں کو گالی نہ دو جو اللہ کے سوا دوسرے لوگوں کو پکارتے ہیں، پس وہ بلا علم اللہ کو

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۴۶)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۴۸۲۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۲۴۶)

گالی دینے لگیں گے۔‘‘

کہا گیا ہے کہ اہل اسلام جب کفار کے معبودوں کو گالیاں دیتے تھے تو کفار اس کو گالیاں نکالتے جوانھیں اس بات کا حکم دیتا تھا، اس طرح ان کی گالی اللہ کو لگتی، اس لیے کہ وہ ہمارا الٰہ اور معبود ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا:

﴿عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الأنعام: ١٠٨] ’’دشمنی سے بغیر علم کے۔‘‘

اور یہ بھی ایک طرح سے زمانے کو گالی دینا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار از راہِ عداوت وغلو فی الکفر براہِ راست اللہ کو گالیاں دیتے تھے، قتادہ کہتے ہیں مسلمان کفار کے بتوں کو گالیاں دیا کرتے تھے اور وہ یہ گالیاں مسلمانوں کو دیتے، تب مذکورہ صدر آیت نازل ہوئی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمان کفار کے بتوں کو گالیاں دیا کرتے تھے اور وہ اُن کو لوٹا دیتے، اللہ نے ان کو منع کیا کہ لوگ جہالت کی وجہ سے اللہ کو گالیاں دیتے ہیں، جس کا انھیں کچھ علم نہیں، ضد وعناد کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ جاہل اُس شخص کو گالی دے جس کی وہ تعظیم کرتا ہے، اپنے دشمن کو چڑ دلانے کے لیے جبکہ وہ اس کی تعظیم کرتا ہے، جیسا کہ کسی احمق کا قول ہے

سُبوا علياً كما سَبوا عتيقكم
كفراً بكفر، وإيماناً بإيمان

’’علی کو گالیاں دو جس طرح وہ تمھارے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتے ہیں، کفر کے بدلے کفر اور ایمان کے بدلے ایمان۔‘‘

جس طرح بعض جاہل کہتے ہیں کہ فاسد کا مقابلہ فاسد کے ساتھ کیا جائے، اور جس طرح بعض جاہل مسلمانوں کو غیرت نے اس بات پر آمادہ کیا کہ عیسی علیہ السلام کو گالیاں دیں، جبکہ جنگ لڑنے والے علانیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتے تھے اور یہ بات قتل کے موجبات میں سے ہے۔

طریقہ ثانیہ: دوسرا طریقہ ان لوگوں کا ہے جو اللہ کو گالی دینے اور رسول کو گالی دینے میں فرق کرتے ہیں۔ اس کی توضیح کئی وجوہ سے کی جاتی ہے:

وجہ اول: اگر اللہ کو گالی دی جائے تو یہ محض اس کا حق ہے اور یہ توبہ کے ساتھ ساقط ہوجاتا ہے، جیسے زنا، سرقہ اور شراب نوشی ساقط ہوجاتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گالی میں دو حقوق ہیں:

۱۔ اللہ کا حق۔ ۲۔ بندوں کا حق۔

اور بندوں کا حق توبہ سے ساقط نہیں ہوتا، مثلاً جنگ میں کسی کو قتل کر دے۔ یہ تفریق قاضی ابو یعلی سے منقول ہے۔

وجہ ثانی: گالی دینے سے رسول کریم ﷺ کو ننگ و عار لاحق ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ انسانی جنس میں سے ہیں، جن کو گالی گلوچ دینے سے ننگ و عار لاحق ہوتی ہے، گالی دیے جانے سے انبیاء کو ثواب بھی ملتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو دشنام دہندگان سے نیکیاں دلواتا ہے یا اپنی طرف سے اجر و ثواب دیتا ہے، یہ اس مصیبت کا اجر ہے جو گالیوں کی وجہ سے انھیں لاحق ہوئی، جس نے آپ ﷺ کو گالی دی تو اس کی وجہ سے آپ ﷺ کی حرمت میں کمی واقع ہوئی، اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ گالی دینے سے اُسے ننگ و عار لاحق نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ نفع وضرر کے حصول سے منزہ ہے۔

حدیث قدسی:

جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

''اے میرے بندو! تم اس مرتبے پر نہیں پہنچ سکتے کہ مجھے ضرر دو اور نہ میرے نفع کے مقام تک پہنچ سکتے ہو کہ مجھے نفع دو۔''[1]

اور جب رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے آپ ﷺ کی ناموس و آبرو میں کمی آتی ہے اور آپ ﷺ لوگوں میں ننگ و عار سے دوچار ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہ بات رسول ﷺ سے لوگوں کو نفرت، آپ ﷺ کے رعب کے کم ہونے اور آپ ﷺ کی حرمت وعزت کو پامال کرنے کی موجب ہوتی ہے، رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے خصوصی فساد جنم لیتا ہے، اس لیے اس کی شرعی سزا مقرر کی گئی ہے، اس لیے وہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، جیسے تمام جرائم کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔

باقی رہا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتا ہے وہ کافر اور مرتد کی طرح اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے، جب وہ توبہ کرے گا تو اس کے اپنے نفس کا ضرر زوال پذیر ہوگا، لہٰذا اُسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس فرق کو مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے مختلف گروہوں نے ذکر کیا ہے، اُن میں سے قاضی عبدالوہاب بن نصر، قاضی ابو یعلی (در کتاب خود ''المجرد'') ابوعلی بن البنّاء، ابن عقیل و دیگر علماء میں یہ ہمارے اس قول کے ساتھ میل کھاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا حدود اللہ میں سے ہے، جیسے زنا اور چوری وغیرہ۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۵۷۷)

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ کسی پر کفر کا بہتان لگانا زنا کے بہتان سے عظیم تر ہے مگر اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے، جس طرح زنا کی تہمت لگانے کی حد مشروع ہے، اس لیے کہ جس پر کفر کا بہتان لگایا گیا اُسے وہ عار لاحق نہیں ہوتی جو کہ زنا کا بہتان لگانے سے ہوتی ہے، کیونکہ ایمان کا اظہار کرنے سے بہتان لگانے والے کا کذب ظاہر ہو جاتا ہے، نیز یہ کہ جب وہ توبہ کا اظہار کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ داغ دھل جاتا ہے، برخلاف زنا کے، کیونکہ اُسے خفیہ رکھا جاتا ہے اور اس کے لیے اس سے اظہارِ براءت ممکن نہیں، نیز توبہ کا اظہار کرنے سے لوگوں کے اندر سے یہ داغ نہیں دُھلتا، اسی طرح جو شخص رسول ﷺ کو گالیاں دیتا ہے وہ دین اور اہل دین پر ایسا داغ دھبہ لگاتا ہے، وہ اللہ کو گالی دینے کے سلسلہ میں اُن پر نہیں لگتا، اس لیے کہ خداوندی گالی کی مدافعت کرنے والے ہر جگہ ظاہر و باہر ہیں اور اس کے دفاع میں سب لوگ باہم سہیم و شریک ہیں۔

وجہ ثالث: رسول کریم ﷺ کو گالی آپ ﷺ کی توہین کرنے کے لیے دی جاتی ہے۔ کافر اور منافق لوگ اس میں خصوصی دلچسپی اس لیے رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ ﷺ کو اپنے فضل و کرم سے دیا ہے اس پر حسد کریں، نیز اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کے دین کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں، وہ آپ ﷺ کے دین و شریعت کی پیروی کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں، اُن کا مقصد آپ ﷺ کی امت کو نیچا دکھانا اور اُنھیں رسوا کرنا ہے، اور جو فساد بھی اس کی طرف دعوت دیتا ہو اس پر سزا دینے کے لیے حد شرعی کا ہونا ضروری ہے، اور جس جرم کی سزا بھی مشروع ہو وہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتا، جیسے دیگر جرائم، باقی رہا اللہ کو گالی دینا تو غالباً اس کا مقصد اللہ کی اہانت اور استخفاف نہیں ہے، بخلاف ازیں لوگ اللہ کو گالی ایک دین اور عقیدہ سمجھ کر دیتے ہیں۔

نفوس انسانیہ میں گالی دینے کا داعیہ زیادہ تر عقیدے سے جنم لیتا ہے اور لوگ اس کو تعظیم و تمجید پر محمول کرتے ہیں، اور جب صورت حال یوں ہے تو بطورِ خاص گالی کے لیے کوئی سزا مقرر کرنے کی ضرورت نہیں جو اس سے روکتی ہو، بلکہ یہ کفر کی ایک نوع ہے اور اس کی وجہ سے کسی انسان کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے، مثلاً ارتداد اور کفر، الا یہ کہ اس کا ارتکاب کرنے والا تائب ہو جائے۔ یہ وجہ بھی سابقہ وجہ کی قبیل سے ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ یہاں اس کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ گالی کا فساد اظہار توبہ سے زائل نہیں ہوتا، برخلاف اس فساد کے جو اللہ کو گالی دینے سے جنم لیتا ہے، اور دوسرے کی وضاحت یوں ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کی طرف انسانوں میں طبعی رجحان پایا جاتا ہے، لہٰذا

بطور خاص اس کے لیے روکنے والی سزا مقرر کرنا چاہیے، جس طرح شراب نوشی کی سزا مقرر کی گئی ہے، مگر اللہ کو گالی دینے کی طرف انسان کا طبعی رجحان نہیں ہوتا، لہٰذا کسی شرعی زاجر کی ضرورت نہیں، مثلاً بَول کا پینا یا مردار اور دم مسفوح کو کھانے یا پانی کی جگہ استعمال کرنا۔

وجہ چہارم: رسول اکرم ﷺ کو گالی دینا شرعی حد کا موجب ہے، جو ایک فوت شدہ شخص کو گالی دینے کی وجہ سے واجب ہوئی، جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ اس نے اُسے معاف کر دیا ہے اور یہ توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، برخلاف اللہ کو گالی دینے کے کیونکہ اس کے بارے میں معلوم ہے کہ اس نے اپنے گالی دینے والے کو معاف کر دیا ہے، جبکہ وہ توبہ کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کو گالی دینے کے دو پہلو ہیں، ایک پہلو ہے اللہ کو گالی دینا اور دوسرا بندوں کو گالی دینا، اس کے بارے میں سوال یہ ہے کہ آیا اس کی حد توبہ کرنے سے ساقط ہوتی ہے، یا نہیں، لہٰذا واجب ہے کہ دو اصلوں میں جو اس کے مشابہ تر ہو اس کے ساتھ اُسے ملحق کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ جو گالی بندوں کو دی جائے اس کی سزا توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ بندوں کے حقوق توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتے، اس لیے کہ وہ وصول کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں اور غیر موجود شخص کی توبہ کرنے سے انھیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا، جب وہ شخص تائب ہوتا ہے آدمی کا جس پر حقِ قصاص یا حقِ قذف واجب ہوتا ہے، اُسے یہ حق حاصل ہے کہ اس کو اس سے لے کر فائدہ اٹھائے، اس طرح اُسے اطمینانِ خاطر بھی حاصل ہوگا، وہ اپنا قصاص بھی لے گا اور اس کی آبرو بھی محفوظ رہے گی۔

جہاں تک اللہ کے حق کا تعلق ہے اس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ توبہ سے ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ نے حقوق کو اس لیے واجب کیا ہے تاکہ بندے اس سے فائدہ اٹھائیں، جب وہ اس چیز کی طرف لوٹیں گے جو ان کے لیے فائدہ مند ہے تو وجوب کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اندریں صورت اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حرمتِ رسول کو اللہ کی حرمت کے ساتھ بلحاظ تغلیظ وابستہ کر دیا گیا ہے، کیونکہ اس پر جرح و نقد اللہ کے دین اور اس کی کتاب پر طعن ہے، وہ ان بندوں میں سے ہے جن کے حقوق توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتے، اس لیے کہ جن کے ذمے وہ حقوق واجب ہیں وہ اُن سے وصول کر کے اس سے مستفید ہوتے ہیں، قبل ازیں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ جو شخص ایذا دے کر آپ کے پاس آئے، آپ کو اسے سزا دینے کا حق تھا اگرچہ وہ تائب ہو کر آیا ہو۔

رسول کریم ﷺ نے جس طرح اللہ کا پیغام پہنچایا تاکہ بندے اس سے مستفید ہوں، جب وہ

توبہ کر کے آپ ﷺ کے احکام کی طرف لوٹ آئیں تو آپ ﷺ کا مقصد حاصل ہو گیا، آپ ﷺ کو ان کی ایذا رسانی سے الم و رنج پہنچتا ہے، اس لیے آپ ﷺ ایذا دینے والے کو سزا دے سکتے ہیں تاکہ آپ کی ذاتی مصلحت حاصل ہو جائے، یہ اسی طرح ہے جس طرح آپ ﷺ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ آدمی کو یہ موقع دینا کہ زیادتی کرنے والے سے اپنا حق وصول کرے انسانی مصالح میں سے ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ غم کے مارے مر جاتے مزید برآں رسول کریم ﷺ کو معاف کرنے اور انتقام لینے والوں کا حق ہے، بعض اوقات انتقام لینے کی مصلحت غالب ہوتی ہے، اس وقت وہ ایک جائز اور مباح کام کرنے والا ہوتا ہے، جس طرح اُسے عقد نکاح کا حق حاصل ہے، اور بعض اوقات عفو کا پہلو غالب ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام میں سے بعض ایسے تھے جن کے نزدیک بعض اوقات انتقام کا پہلو راجح ہوتا تھا، اللہ ان کے دلوں میں سختی پیدا کر دیتا حتی کہ وہ پتھر سے بھی شدید تر ہو جاتے، مثلاً حضرت نوح و موسیٰ علیہما السلام۔ بعض انبیاء کے یہاں عفو کا پہلو غالب ہوتا اور اللہ ان کے دلوں کو نرم کر دیتا یہاں تک کہ وہ بہت ہی نرم ہو جاتے، مثلاً حضرت ابراہیم و عیسیٰ علیہما السلام۔ جب اپنے حق کو معاف کرنا دشوار ہوتا تو اس کو وصول کرنا متعین تھا، ورنہ اپنے حق کو کلیتاً رائیگاں کرنا لازم آتا۔

ان کا یہ قول کہ اسلام لانے کی وجہ سے جب متبوع ساقط ہو جائے تو تابع کا ساقط ہونا اولیٰ ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ وہ تابع اس لیے ہے کہ اس کی سزا سخت ہے، اس لیے نہیں کہ اس کو وصول کرنے میں اس کا حق ہے جو توبہ کرنے سے پورا نہیں ہوتا۔

ہمارے مخالفین کا یہ قول کہ لوگوں میں سے کسی کو گالی دینے والے کا حال اسلام لانے سے قبل اور بعد مختلف نہیں ہوتا، برخلاف اس شخص کے جو رسول ﷺ کو گالی دیتا ہے، اس کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ ہم اُسے تسلیم نہیں کرتے، اس لیے کہ ذمی کا مسلم کو گالی دینا اس کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ ذمی اُسے کافر اور گمراہ سمجھتا ہے، ذمی کے نزدیک اس کو حرام کرنے والی چیز معاہدہ ہے جو ہمارے اور اس کے درمیان ہوا ہے، لہٰذا دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے، اور اگر فرض کیا جائے کہ گفتگو اس گالی کے بارے میں ہے جو دین سے خارج ہے، مثلاً زنا کا بہتان، اس پر افترا پردازی و مثل ایں، تو اس میں رسول ﷺ کو گالی دینے اور کسی ذمی کو گالی دینے میں کچھ فرق نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ کافر جب حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہے تو مسلمانوں کا بھائی بن جاتا ہے، جو چیز مسلمانوں کو دکھ دیتی ہے وہ اُسے بھی الم و رنج پہنچاتی ہے، وہ مسلمانوں کی ناموس و آبرو کا

بھی معتقد ہوجاتا ہے، اور جو چیز ان کی عزت کے پامال کرنے کو مباح کرتی تھی وہ زائل ہوچکی، مگر بایں ہمہ جس کو گالی دی گئی گالی دہندہ کے اسلام لانے سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا، قبل ازیں اس کا ذکر کئی مرتبہ کیا جا چکا ہے۔

دوسرا جواب: جو لوگوں میں سے کسی کو گالی دے پھر توبہ کرلے اور جس کو گالی دی گئی اس کی براءت ظاہر کرے، اس کی تعریف کرے اور اس کے لیے دعا کرے، جبکہ یہ معاملہ سلطان کی عدالت میں پہنچ چکا ہو تو اُسے یہ حق حاصل ہے کہ اپنی حد کا حق ان سے وصول کرلے، پس اس کے اور رسول ﷺ کے دشنام دہندہ میں کچھ فرق نہیں جبکہ وہ رسول کریم ﷺ کی رسالت کو مانتا ہو اور آپ ﷺ کی بلندی مرتبت کا قائل ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی توبہ سے مشتوم (جس کو گالی دی گئی) کی عزت و آبرو کو جو نقصان پہنچا ہے اس کا ازالہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ سزا کے خوف سے وہ ایسا کر رہا ہے اس طرح پہلی گالی کے آثار نمایاں رہیں گے، اگر مشتوم نے کسی طرح بھی اپنا حق نہ لیا تو اس کا زخم مندمل نہیں ہوگا۔

ان کا یہ قول کہ قتل رسالت کا حق ہے اور بشریت کے لیے بشری حقوق ہیں، اور توبہ حق رسالت کو قطع کر دیتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ بشر ہونے کے لحاظ سے آپ ﷺ کو انسانوں پر فضیلت حاصل ہے، یہ ایسی فضیلت ہے جو اس امر کی مقتضی ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کو گالیاں دے اُسے قتل کیا جائے اور اگر قتل اس لیے واجب ہوا ہے کہ اس نے نبوت پر تنقید کی ہے تو یہ دیگر انواعِ کفر کی طرح ہوا اور گالی بطورِ خاص قتل کی موجب نہیں، ہم قبل ازیں ایسے دلائل پیش کر چکے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گالی بطور خاص قتل کی موجب ہے مگر یہ کفر کی دیگر انواع کی طرح نہیں ہے۔ جو شخص رسول ﷺ کو گالی دینے والے اور منکرِ رسول ﷺ کو گالی دہندہ کی سزا کو یکساں قرار دیتا ہے وہ کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے علاوہ عقل کی بھی مخالفت کرتا ہے، کیونکہ اس نے دو متباین چیزوں کو یکساں ٹھہرایا۔

اور قاذف پر جب قتل کے علاوہ اسّی کوڑے واجب نہیں ہوتے تو یہ اس امر کی واضح ترین دلیل ہے کہ قتل بطور خاص گالی کی سزا ہے ورنہ اس پر دو حق جمع ہوجاتے ہیں:

۱۔ ایک اللہ کا حق اور وہ اس کے رسول کی تکذیب ہے جو اس کے قتل کی موجب ہے۔

۲۔ دوسرا رسول کا حق اور وہ اُسے گالی دینا ہے جو اس نظریے کے مطابق کوڑے لگانے کا موجب ہے۔

بنا بریں واجب تھا کہ توبہ سے پہلے اس پر دو حدیں جمع ہو جاتیں، جس طرح اس صورت میں جبکہ کوئی شخص مرتد ہو جائے اور مسلمان پر بہتان بھی لگائے اور توبہ کے بعد اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی، اس طرح رسول کریم ﷺ کا حق تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کو گالی دے اور توبہ کرنے آئے تو اُسے صرف کوڑے مارے جائیں، جیسا کہ سلطانِ وقت کا یہ حق نہیں ہے کہ رہزن جب توبہ کرنے کے لیے آئے تو اُسے صرف قصاص کی سزا اور اس قسم کی سزا دے جو محض بندوں کا حق ہے۔

اگر اس بات کو ہم تسلیم بھی کر لیں کہ قتل رسالت کا حق ہے تو یہ ارتداد مغلظ کی سزا ہے، کیونکہ اس میں ضرر رسانی پائی جاتی ہے یا نقضِ مغلّظ، کیونکہ اس میں بھی ضرر رسانی پائی جاتی ہے، جس طرح نقضِ عہد کے ساتھ حرب وضرب اور رہزنی کے راستے سے فساد بالفعل اور مسلم عورت کے ساتھ زنا شامل ہو جائے وغیر ذلک۔ اس لیے کہ قتل یہاں اللہ کا حق ہے اور اُس کے باوجود توبہ اور اسلام کے ساتھ ساقط نہیں ہوا۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، خواہ ہم کہیں کہ اللہ کو گالی دینے والے کو توبہ کے بعد بھی قتل کیا جائے یا قتل نہ کیا جائے، جیسا کہ یہ مسئلہ پیچھے گزر چکا ہے۔

مخالفین کا یہ قول کہ جب اسلام لائے گا تو وہ قتل جو رسالت سے متعلق ہے ساقط ہو جائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ قابلِ تسلیم نہیں ہے، اگر ہم اس کو اور اللہ کو گالی دینے کو یکساں قرار دیں پھر تو ظاہر ہے، اور اگر دونوں میں تفریق کریں تو یہ ایسی مشابہت ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والوں اور خدا کی زمین میں فساد کرنے والوں کے درمیان پائی جاتی ہے، اور ضرورت اس امر کی مقتضی ہے کہ ایسی چیزوں کو روکا جائے، جیسا کہ پیچھے گزرا، اگرچہ ہم اس بات کو تسلیم کریں کہ جو حق کفر بالرسالۃ سے متعلق ہوتا ہے اس سے ساقط ہو جاتا ہے مگر جو حق رسول کریم ﷺ کو گالی گلوچ نکالنے سے متعلق ہے وہ ساقط نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایسا جرم ہے جو اس کو ترک کرنے کے التزام کے باوجود نفس رسول سے زائد ہے۔

اس لیے کہ ذمی اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ گالی نہیں دے گا مگر وہ اس بات کا پابند نہیں کہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرے گا، پھر جس چیز کو ترک کرنے کا اس نے عہد کیا ہے اس کو اس چیز کے ساتھ کیسے ملا دیا جائے جس کا ہم نے اس سے اقرار لیا ہے؟

خلاصہ یہ کہ رسالت کے خلاف یہ ایسی عہد شکنی ہے جو حرب وضرب اور فساد پر مشتمل ہے یا ارتداد ہے، جو حرب وفساد کو متضمن ہے، ایسے آدمی سے قتل کا سقوط ممنوع ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔

ان کا یہ قول ہے کہ حقِ بشریت حقِ رسالت میں اور بندوں کا حق اللہ کے حقوق میں شامل

ہو جاتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ محض دعویٰ ہے، اگر یوں ہوتا تو رسول کریم ﷺ کے لیے گالی دینے والے کو معاف کرنا جائز نہ ہوتا اور نہ ہی توبہ کرنے والے کو سزا دینا جائز ہوتا اور نہ ہی اس بات کی ضرورت ہوتی کہ گالی کو بطور خاص سزا کے ضمن میں جداگانہ طور پر ذکر کیا جاتا، کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول کو گالی دینا آپ کے ساتھ کفر کرنے سے بھی قبیح تر جرم ہے، جب احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ گالی میں کوئی خاص بات پائی جاتی ہے اگرچہ کفر کے عموم میں یہ بھی شامل ہے۔

مزید برآں بندے کا حق ہرگز اللہ کے حق میں مضمر نہیں ہوسکتا، البتہ اس کا عکس موجود ہے، جیسا کہ قاتل اور قاذف کی سزا اللہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے قصاص اور حدِ قذف میں مدغم ہو جاتی ہے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ بندے کا حق اللہ کے حق میں شامل ہو جائے، یہ باطل ہے، کیونکہ جو شخص ایک جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس کے ساتھ اللہ اور بندے کے دو حقوق وابستہ ہوتے ہیں، بعد ازاں اگر اللہ کا حق ساقط بھی ہو جائے تو بندے کا حق ساقط نہیں ہوگا، خواہ جرم کا تعلق ایک جنس کے ساتھ ہو یا دو جنسوں کے ساتھ، مثلاً کسی نے متفرق جرائم کا ارتکاب کیا، جیسا کہ رہزنی کرتے ہوئے کسی کو قتل بھی کیا تو اس سے قتل کا حتمی ہونا اگرچہ ساقط ہوگیا تاہم اس سے قتل ساقط نہیں ہوا، اگر کسی نے چوری کی، پھر قطعِ ید اس سے ساقط ہوگیا تو تاوان اس سے اجماعاً ساقط نہیں ہوگا، یہاں تک کہ ان کے نزدیک بھی تاوان ساقط نہیں ہوگا جو کہتے ہیں کہ قطع اور تاوان دونوں جمع نہیں ہوتے۔

البتہ اگر ایک جرم کرے جس کے ساتھ دو حق وابستہ ہوں یعنی اللہ کا حق اور بندے کا حق اور دونوں حقوق کی سزا یکساں ہوں تو وہ ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گے اور اگر سزاؤں کا تعلق دو جنسوں کے ساتھ ہو تو ایک کے دوسرے میں داخل ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے، پہلے کی مثال محارب کا قتل ہے، اس سے قتل لازم آتا ہے، جو اللہ کا حق بھی ہے اور بندے کا بھی۔

اور ظاہر ہے کہ قتل میں تعدد نہیں ہوسکتا جب اُسے قتل کر دیا گیا تو آدمی کا کوئی حق اس کے ترکہ میں سے دی جانے والی دیت سے وابستہ نہ ہوگا، اگرچہ وہ اس صورت میں دیت لے سکتا ہے جب قاتل کئی آدمیوں کو قتل کرے، امام احمد، شافعی و دیگر علماء کے نزدیک کسی ایک مقتول کی وجہ سے اُسے قتل کیا جائے گا۔

اگر ہم کہیں کہ قتل عمد کی سزا متعین طور پر قصاص ہے تو یہ بات ظاہر ہے، اور اگر کہیں کہ اس کی

سزا دو چیزوں میں سے ایک ہے تو یہ وہاں ہے جہاں عفو کا امکان ہو مگر یہاں عفو کا امکان نہیں ہے، اور اس کی سزا صرف قصاص ہے اور اس کو وصول کرنے والا حاکم وقت ہے، اس لیے کہ اس کی ولایت عام تر ہے۔

دوسرے کی مثال کسی کا مال چوری کرنا اور مال کو ضائع کرنا ہے، ایسے شخص پر قطعِ ید کی حد لگائی جائے گی، یہ اللہ کا حق ہے اور اس سے تاوان لیا جائے جو بندے کا حق ہے، اسی لیے کوفہ والوں نے کہا ہے کہ آدمی کا حق قطع ید میں داخل ہو جاتا ہے، اس لیے واجب نہیں ہوتا اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ آدمی کے مال کا تاوان ادا کیا جائے، اگرچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا ہو، جب کوئی شخص کئی جرائم کا ارتکاب کرے اور ہر جرم ایک حدِ شرعی کا موجب ہو اور وہ سب حدود اللہ کے لیے ہوں تو بالاتفاق ایک دوسری حد میں داخل ہو جاتی ہیں، اور اگر وہ کئی اجناس پر مشتمل ہوں اور ان میں سے ایک قتل بھی ہو تو جمہور کے نزدیک وہ ایک دوسری حد میں داخل ہو جائیں گی، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی باہم داخل ہو جائیں گی، اور اگر وہ کسی آدمی کا حق ہوں تو جمہور کے نزدیک ان میں تداخل نہیں ہوگا، امام مالک کے نزدیک قتل میں تداخل ہوگا، ماسوا حدِ قذف کے۔

دشنام دہندہ کے بارے میں بلاشبہ ایک حق اللہ کا متعلق ہے اور دوسرا بندے کا، ہم کہتے ہیں ان دونوں کی سزا قتل ہے، جو شخص ہم سے اختلاف رکھتا ہے وہ یا تو یوں کہے گا کہ بندے کا حق اللہ کے حق میں مدغم ہو گیا یا یہ کہ اس کی سزا کوڑے مارنا ہے، جب اُسے قتل کیا گیا تو اس میں کوئی نزاع نہیں، ماسوا اُس شخص کے جو کہتا ہے کہ اس کی سزا کوڑے مارنا ہے، یہ شخص ضرور اس کی مخالفت کرے گا مگر جب اللہ کا حق توبہ کے ساتھ ساقط ہو گیا تو پھر بندے کا حق کیسے ساقط ہوگا؟ ہمیں اس کی کوئی نظیر یاد نہیں، بلکہ نظائر اس کے خلاف ہیں، جیسا کہ ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حدیث نبوی بھی اس کے خلاف دلالت کرتی ہے اور حکم شرعی کو کسی اصل اور نظیر کے بغیر ثابت کرنا ناروا ہے بلکہ اس کا خلافِ اصول ہونا اس کے بطلان کی دلیل ہے۔

مزید برآں فرض کیجیے کہ یہ حد خاص اللہ کے لیے ہے، پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ یہ توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتی ہے، ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ ارتداد اور نقضِ عہد کی دو قسمیں ہیں: (۱) مجرد، (۲) مغلّظ، جو ارتداد اس طرح مغلظ ہو کہ اس میں مسلمانوں کی ضرر رسانی پائی جاتی ہو، اس کے مرتکب کو قتل کرنا ہر حال میں واجب ہے، اگرچہ وہ توبہ کر لے، ہم نے بیان کیا تھا کہ گالی کا تعلق اسی قسم کے ساتھ ہے۔ علاوہ بریں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس گالی کو اللہ کو گالی دینے کے ساتھ ملحق کر

دیا جائے، اس میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مسلم اور کافر کو گالی دینے کے بارے میں جو فرق کیا گیا ہے، اگرچہ اس کی توجیہ ممکن ہے، جس طرح دونوں کے سقوط میں بھی مساوات پائی جاتی ہے، تاہم اس کی توجیہ بھی کی جا سکتی ہے، مگر یہ بات اس کے معارض ہے جو کہا جاتا ہے کہ کافر ہر حال میں مسلم سے قتل کرنے کے زیادہ لائق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر اپنے کفر کی وجہ سے مباح الدم ہے، البتہ عہد کرنے کی وجہ سے اس کی جان بچ گئی، لہٰذا اُس کا گالی دینا بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ، فساد فی الارض اور مسلمانوں کی شکست ہے، اس طرح کافر کی طرف سے فساد کا تحقق ہو چکا ہے، اور پکڑے جانے کے بعد اس کے توبہ کرنے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، جس طرح دیگر محاربین اور خدا کی زمین میں فساد کرنے والوں کی توبہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

برخلاف اس شخص کے جس کا مسلم ہونا معلوم ہو مگر اس سے بلا عقیدہ و ارادہ گالی کا صدور ہوا جو کہ حماقت اور غلطی پر مبنی ہے جب وہ اسلام کی طرف لوٹ آیا، حالانکہ وہ اس دین سے ہٹا نہیں بلکہ اس پر قائم ہے (تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اسلام کے خلاف ہے،) اس کی توبہ بالاولیٰ قابل قبول ہے، اس لیے کہ اس کا گناہ چھوٹا ہے اور اس کی توبہ صحت سے قریب تر ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مسلم کا اپنے اسلام کو ظاہر کرنا اسلام کی تجدید ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے ذمی اسلام کا اظہار کرے، کیونکہ ذمی کو علانیہ گالی دینے سے اس کو دی گئی امان مانع تھی، جس طرح مسلم کو اس کا عقدِ ایمان مانع ہے، جب مسلم ایسے عقدِ ایمان کا اظہار کرتا ہے جس کا فساد نمایاں ہو چکا ہے، اسی طرح ذمی ایسی عہد بندی کا اظہار کرتا ہے جس کا فساد کھل کر سامنے آچکا ہے، اس لیے کہ جس کی امان مشتبہ ہے، اس کا معاہدہ بھی مشکوک ہے، ایسا شخص اپنے عہد کے لحاظ سے منافق ہے، جس طرح اس کی امان منافقانہ ہے۔

بسا اوقات ایسا آدمی جو تلوار دیکھ کر توبہ کرتا ہے اس کا حال مسلمانوں پر اس کی توبہ سے پہلے والی حالت سے بھی زیادہ بُرا ہوتا ہے، اس لیے کہ قبل ازیں وہ کفر کی ذلت میں مبتلا تھا، اب وہ بظاہر مسلمانوں کی عزت میں شریک ہے، جبکہ اس کا نفاق اور خبث ظاہر ہے اور کسی طرح معلوم نہیں ہوتا کہ وہ دور ہو چکا ہے، علاوہ بریں اس نے گالی کو جو زندقہ سے محلل ٹھہرایا ہے اس میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ گالی دینا ایک ایسا امر ہے جس کا ارتکاب اس نے علانیہ کیا، اور اس سے کوئی بات ایسی ظاہر نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ قبل ازیں اُسے چھپانا چاہتا تھا۔ اور یہ جائز امر ہے

کہ وہ ایسی بات سے دوچار ہوا ہو جو ارتداد کی موجب ہوئی۔

البتہ اگر یہ حرکت اس سے کئی بار صادر ہوئی ہو یا اس کے بدعقیدہ ہونے کے دلائل موجود ہوں تو اس کا زندیق ہونا ظاہر ہے، تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم اُسے دو وجہ سے قتل کرتے ہیں: ایک تو اس لیے کہ وہ زندیق ہے، دوسرے اس لیے کہ وہ دشنام دہندہ ہے، جس طرح ہم ذمی کو اس لیے قتل کرتے ہیں کہ وہ غیر معاہد کافر ہے، دوسرے اس لیے کہ دہ دشنام دہندہ ہے، کیونکہ مسلم اور ذمی کے مابین جو فرق زندقہ کے لحاظ سے پایا جاتا ہے وہ دوسری علت میں ان کے جمع ہونے کو نہیں روکتا جو گالی کو قتل کا موجب قرار دینے کی مقتضی ہو، اگرچہ دشنام دہندہ اس کے بعد اپنے عقیدے کو صحیح بھی کر لے۔

بعض دفعہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گالی جب قتل کی موجب ہو تو گالی دہندہ کو قتل کیا جائے گا، اگرچہ گالی دیتے وقت اندر سے وہ صحیح العقیدہ ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ کو گالی دینا اور حدِ قذف (کوڑوں) کے وجوب کے سلسلے میں اور تمام انسانوں کو گالی دینے کی طرح۔

باقی رہا فرق ثانی جو اس امر پر مبنی ہے کہ گالی دینا اس امر کا موجب ہے کہ مسلم کو حد لگا کر قتل کیا جائے کیونکہ اس کا فساد تجدیدِ اسلام کے ساتھ ساقط ہونے سے زائل نہیں ہوتا، برخلاف کافر کے گالی دینے کے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اہل ذمہ کو علانیہ گالی دینے میں رعایت دیتے ہیں، جبکہ وہ اس کے بعد مسلمان ہو جائیں، اس اثنا میں ہم اُنھیں گالی دینے کی اجازت دیتے ہیں جبکہ اس کے بعد اسلام قبول کریں، یہ تو اسی طرح ہے جیسے کہا جائے کہ ذمی کو بخوبی معلوم ہے کہ اگر وہ مسلم عورت کے ساتھ زنا کرے گا یا ڈاکہ ڈالے گا تو اُسے پکڑ کر قتل کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ اسلام لائے جو اس کو ان مفاسد سے روک دے یا یہ کہ وہ اسلام لانے کا ارادہ رکھتا ہو اور جب اسلام لائے گا تو اُس کے سابقہ گناہ ساقط ہو جائیں گے۔

بظاہر اس کے معنی یہ ہیں کہ ذمی محاربہ اور فساد کی انواع میں سے جو کچھ کہے یا کرے اُسے برداشت کیا جائے گا اور وہ اس صورت میں جبکہ اس کا ارادہ یہ ہو کہ بعد ازاں وہ مسلمان ہو جائے گا اور مسلمان ہو بھی جائے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ روا نہیں، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کے خلاف گالی کا ایک لفظ بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ اس کی وجہ سے ہزاروں لوگ اسلام قبول کر لیں۔ دین کا ایسا غلبہ جو دین کے خلاف کسی کو زبان طعن دراز کرنے سے روک لے، اللہ اور اس کے رسول کو اس سے عزیز تر ہے کہ بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں مگر اسلام پامال اور ذلیل ہو۔

بہت سے ذمی لوگ، جو انبیاء کو گالیاں دیتے ہوں، زندیق ہوتے ہیں، جنھیں اس بات کی مطلقاً پرواہ نہیں ہوتی کسی مذہب کو اپنا لیں، اُن کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ گالی دے کر اپنی مطلب براری کریں، پھر منافقوں کی طرح اسلام کا اعلان کریں، اس سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبی کی آبروریزی کریں، اس لیے کہ جب تک دشمن کو اس بات کی امید ہو کہ وہ کسی نہ کسی طرح زندہ رہے گا تو وہ اپنے مقصد کے اظہار سے کسی بھی وقت رُک نہیں سکے گا، اگر اس کے خلاف یہ بات ثابت ہوگئی، مقدمہ حاکم کی عدالت میں دائر کر دیا گیا اور اس کے قتل کا حکم دیا گیا تو وہ اسلام لانے کا اظہار کرے گا، ورنہ اس کا مطلب پورا ہو گیا، جس فساد کو بھی پوری طرح زائل کرنے کا ارادہ کیا جائے اس کے فاعل کو پکڑنے کے بعد زندہ نہیں چھوڑا جائے گا، مثلاً زنا، رہزنی اور سرقہ وغیرہ، اگر شارع کا مقصد یہ ہو کہ وہ دارالاسلام کو کلمۂ کفر اور طعن فی الدین سے پاک کرے تو اس کی انتہائی کوشش یہ ہوگی کہ دارالاسلام کو ان بیہودہ اعلام سے پاک کرے، نیز وہ ان کے فاعل کو شدید ترین سزا دے گا۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ طعن فی الدین کا ظہور رسول کو گالی دینا و مثل ایں محض کفر سے قطعِ نظر عظیم تر فساد ہے، اس لیے محض کسی کے اسلام لانے سے یہ فساد نہیں مٹے گا۔

تیسرا فرق اُن کا یہ قول کہ کافر گالی کے حرام ہونے کا پابند نہیں ہے۔ باطل ہے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ اور کسی مسلم کو گالی دینے، اُن کا خون بہانے اور مال ہتھیانے میں کچھ فرق نہیں ہے، اگر معاہدہ نہ ہوتا تو اس کے نزدیک ہمارے اور دوسرا مذہب رکھنے والے محاربین کے مابین کچھ فرق نہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اُن کے نزدیک یہ سب کام حلال ہیں، پھر معاہدہ کرنے کی وجہ سے یہ کام اس کے مذہب میں بھی اس پر حرام ہو گئے، جب وہ ایسا کوئی کام کرے گا تو اس پر حد لگائی جائے گی اگرچہ وہ اسلام قبول کرے، خواہ اس کے فعل سے اس کا عہد ٹوٹے یا نہ ٹوٹے، بعض اوقات بقائے عہد کے باوجود اس پر حد واجب ہوتی ہے، مثلاً وہ چوری کرے یا مسلم پر بہتان لگائے، گاہے اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے مگر اس پر حد واجب نہیں ہوتی تو وہ محاربین کی طرح ہو جاتا ہے، بعض اوقات اس پر حد واجب ہوتی اور اس کا عہد بھی ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً وہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے یا مسلم عورت کے ساتھ زنا کرے یا مسلمانوں پر ڈاکہ ڈالے تو ایسے شخص کو قتل کیا جائے، اگرچہ وہ اسلام لائے۔

ایسے جرائم کی سزا حتمی طور پر قتل ہے، جیسے اس آدمی کی سزا جو جنگ میں مسلمانوں کو قتل کرتا ہو، یہ اس فساد کی سزا ہے جو اس نے انجام دیا حالانکہ معاہدہ کر کے اس نے ایسا فعل نہ کرنے کا عہد کیا تھا،

جبکہ ایسا فساد اس کے قتل کو واجب کرنے والا اور دوسرے لوگوں کے لیے عبرت پذیری کا سامان تھا تاکہ اُنھیں پتہ چل جائے کہ جو شخص ایسا کام کرے گا اُسے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑا جائے گا۔

مخالفین نے اپنے موقف کے اثبات میں جو دلائل دیے تھے یہ ہے اُن کا جواب، حالانکہ جو کچھ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں اس کی موجودگی میں ان جوابات کی حاجت نہ تھی، بشرطیکہ کوئی شخص مآخذ سے آگاہ و آشنا ہو۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

توبہ کے مواقع

ڈاکہ مارنے والے کی توبہ:

اس باب میں تمام جرائم سے توبہ کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے علم کی حد تک اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ڈاکو اگر پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لے تو اللہ کی حد اس سے ساقط ہو جائے گی، مثلاً قتل، سولی دینا، جلاوطن کرنا، پاؤں کا کاٹنا اور عام علماء کے نزدیک ہاتھ کاٹنا، ماسوا ایک وجہ کے اصحابِ شافعی کے نزدیک۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [المائدة: ٣٤]

''ماسوا اُن لوگوں کے جو تمھارے قدرت پانے سے پہلے توبہ کر لیں تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

ان پر قدرت پانے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر حد لگانے کی قدرت حاصل ہو جائے یا تو اس طرح کہ شہادت قائم ہو یا اس کے اقرار سے ثابت ہو یا وہ مسلمانوں کے قبضے میں ہو، اگر پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لیں تو حد اُن سے ساقط ہو جائے گی۔

مرتد، قاتل اور قاذف کی توبہ:

جو ارتداد مجرد کا مرتکب ہوا ہو اور اس نے اس کا اعلان کیا تو اس کی توبہ عام علماء کے نزدیک مقبول ہے، ماسوا حسن (بصری) اور ان لوگوں کے جو اُن کے ہم نوا ہیں، باقی رہے قاتل اور قاذف تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کی توبہ سے حقوق العباد ساقط نہیں ہوتے، مطلب یہ ہے کہ جب اس سے قصاص اور حدِ قذف کا مطالبہ کیا جائے تو اس کی تعمیل کرے، اگرچہ قبل ازیں توبہ کر چکے ہوں۔

زانی اور دیگر جرائم پیشہ لوگوں کی توبہ:

ہمارے اصحاب علی الاطلاق زانی، سارق اور شرابی کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ حد لگانے

سے قبل توبہ کرلیں تو آیا حد اُن سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو روایات ہیں، صحیح تر روایت یہ ہے کہ محض توبہ کرنے سے حد ساقط ہو جائے گی اور اس پر عمل کی اصلاح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، دوسری روایت یہ ہے کہ حد ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کی تطہیر حد لگانے سے ہوگی اور یہی اس کی توبہ ہے، بعض علماء نے یہ شرط عائد کی ہے کہ اگر حد کے امام کے نزدیک ثابت ہونے سے پہلے توبہ کرے (تو اس کی توبہ مقبول ہے،) دونوں باتوں میں معنوی لحاظ سے چنداں فرق نہیں۔

کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ حد اس جگہ ساقط نہیں ہوتی جہاں محارب کی حد اس کی توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، اگرچہ علمائے کرام کے الفاظ میں اس جگہ اختلاف پایا جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ اس لیے ہے کہ توبہ کی صحت کو تسلیم نہیں کیا گیا، یا اس لیے کہ حد کو ساقط کرنے سے فساد لازم آتا ہے؟ چنانچہ قاضی ابو یعلی اور دیگر علماء کہتے ہیں، اور وہ ان علماء میں سے ہیں جو دونوں روایتوں کو علی الاطلاق تسلیم کرتے ہیں، کہ جب حاکم مجرم پر قابو پالے تو اس کی توبہ صحیح نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حاکم کی سزا کے خوف سے وہ توبہ کر رہا ہو، اسی لیے ہم زانی، چور اور شرابی کی توبہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ صحیح نہیں، جبکہ حاکم کو اس کی حد کا پتہ چل گیا ہو اور وہ ثابت بھی ہو چکی ہو، البتہ معاملہ حاکم کے پاس جانے سے پہلے توبہ کرنا صحیح ہے، قاضی مذکور مزید کہتے ہیں کہ ابوبکر نے اس کا ذکر اپنی کتاب ''الشافی'' میں کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ زانی جب پکڑے جانے کے بعد توبہ کرلے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اُسے سنگسار کر کے یا کوڑے مار کر پاک کیا جائے، اور اگر پکڑے جانے سے قبل توبہ کرلے تو اس کی توبہ مقبول ہے، قاضی مذکور کا استدلال یہ ہے کہ نفس توبہ، جس کو صحیح قرار دیا جائے، ہر جگہ پر حد کو ساقط کرنے والی ہے، چنانچہ قاضی صاحب اور اُن کے ہم نوا کہتے ہیں کہ یہاں کسی قید و شرط کی ضرورت نہیں، ان کے اصحاب میں سے شریف ابو جعفر اور ابو خطاب کا موقف یہی ہے، ابوبکر اور دیگر علماء کا موقف یہ ہے کہ وہ ہر جگہ قدرت پانے سے قبل اور قدرت کے بعد میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں اور قدرت کے بعد توبہ کو صحیح قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک حد لگانے سے توبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے اس لیے انھوں نے یہ شرط عائد کی ہے، لہٰذا حکم کے اعتبار سے ہر دو اقوال میں کچھ فرق نہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کے کلام میں بھی یہ قید موجود ہے، ابو الحارث نے ایک چور کے بارے میں، جو توبہ کرنے آیا تھا اور اس کے پاس مسروقہ مال بھی موجود تھا، اُن سے اسی طرح نقل کیا ہے، آپ نے یہ مال

اُسے دے دیا اور ہنوز اس کا معاملہ حاکم کی عدالت میں نہیں پہنچا تھا، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، شعبی کہتے ہیں کہ توبہ کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

حنبل اور مہنا نے بھی اس چور کے بارے میں جو توبہ کرنے کے لیے حاکم کے پاس آئے، اسی طرح نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس سے قطع ید کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

میمونی نے امام احمد سے اس شخص کے بارے میں نقل کیا ہے جو چار مرتبہ زنا کا اعتراف کرے، ہر حد لگانے سے قبل توبہ کر لے کہ اس کی توبہ مقبول ہوگی اور اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ اُنھوں نے یہاں ماعز کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب اس پر پتھر برسنے لگے تو بھاگا، یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم نے اُسے چھوڑ کیوں نہ دیا؟''[1]

میمونی کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز مجلس میں اس کے ساتھ مناظرہ کیا، اُنھوں نے کہا: جب اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اُسے سنگسار نہیں کیا جائے گا، میں نے عرض کیا کہ اگر توبہ کر لے تو پھر؟ کہنے لگے اس کی توبہ یہ ہے کہ سنگسار کر کے اُسے پاک کیا جائے، وہ کہتے ہیں کہ ہم دونوں کے مابین کئی مرتبہ گفتگو چلی تو انھوں نے یہی فرمایا کہ اگر مجرم رجوع کر لے تو اُسے حد نہ لگائی جائے اور اگر توبہ کر لے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ کوڑے مار کر اُسے پاک کیا جائے، قاضی (ابویعلی) کہتے ہیں کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ توبہ کرنے سے حد ساقط ہو جاتی ہے، جیسا کہ ابو حارث، حنبل اور مہنا نے ان سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حاکم وقت کے پاس شہادت کے ساتھ حد ثابت ہونے کے بعد اگر توبہ کا اعلان کیا تو حد اس سے ساقط نہیں ہوگی، اور اگر پکڑے جانے سے قبل اور اس اقرار کے بعد توبہ کی جس سے وہ رجوع بھی کر سکتا ہے تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ بہت سے ائمہ مذہب نے اس کی تصریح کی ہے، ان میں سے الشیخ ابوعبداللہ بن حامد بھی ہیں، انھوں نے کہا: جہاں تک زنا کا تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ ایسا معاملہ ہے جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے اور اس کی توبہ اس سے صحیح ہے۔

جب زانی اس حالت میں توبہ کرے کہ اس کا معاملہ حاکم کی عدالت میں پہنچ چکا ہو تو اس کے بارے میں صرف ایک ہی قول ہے کہ اس کی حد ساقط نہیں ہوتی۔ اگر حاکم کی موجودگی میں توبہ کی تو اس کے

---

[1] سنن أبي داود (١٧/ ٣٧٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٥٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٥٥٤) اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کی صحت پر اتفاق ہے۔'' (شرح السنة (١٠/ ٢٨٨)

بارے میں غور کیا جائے گا، اگر اس نے خود اقرار کیا ہے تو اس میں دو روایتیں ہیں، اور اگر شہادت سے ثابت ہو تو اس کے بارے میں ایک قول ہے کہ حد ساقط نہیں ہوتی، اس لیے کہ جب اس کے خلاف زنا کی شہادت قائم ہو چکی ہے، گواہ کی بنا پر اس کا فیصلہ واجب ہے اور اقرار، شہادت سے مختلف ہے، اس لیے کہ جب وہ اقرار سے رجوع کرے گا تو اس سے قبول کیا جائے گا۔

سرقہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ کا حق توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے، خواہ قطعِ ید سے قبل توبہ کی ہو یا اس کے بعد، اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے جو حد قائم کرنے سے پہلے توبہ کر لے، اگر یہ واقعہ حاکم کی عدالت میں لے جانے سے پہلے پیش آئے تو حد ساقط ہو جاتی ہے، خواہ معاملہ حاکم کی عدالت میں پہنچا ہو یا نہیں، اور اگر حاکم کے پاس جانے کے بعد توبہ کرے تو حد اس سے ساقط نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ ایسا حق ہے جو حاکم کے ساتھ وابستہ ہے اس لیے اُسے ترک کرنا جائز نہیں، اسی طرح محارب جب اللہ کے حق میں توبہ کر لے ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ جب ہم نے کہا کہ رہزنوں کے سوا دوسروں سے حد توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتی ہے تو محض توبہ ہی کافی ہے (مالکی) مذہب میں یہی بات مشہور ہے، جس طرح یہ رہزنوں کے بارے میں کافی ہے۔''

اس کے بارے میں ایک دوسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ اصلاح عمل بھی ضروری ہے، بنا بریں کہا گیا ہے کہ اس میں اتنی مدت کے گزر جانے کا اعتبار کیا جائے گا جس میں اس کی توبہ کی سچائی اور صلاحِ نیت کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے، اس کے لیے کوئی مدت متعین نہیں کی گئی ہے، کیونکہ تعیین مدت کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، بدعت کے داعی کی توبہ کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کرنا گناہ ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے صبیغ بن عسل کے واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس بات کی تصریح کی ہے، صبیغ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں توبہ کی، پھر آپ نے اس کو بصرہ کی طرف نکال دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس سے بات چیت نہ کریں، جب ایک سال گزر گیا اور اس سے نیکی کے سوا کسی بات کا صدور نہ ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو اس سے بات چیت کرنے کا حکم دیا، یہ واقعہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشہور ہے اور ہمارے اکثر اصحاب کا طریقہ یہی ہے۔

ابوبکر کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس توبہ میں جو اقرار سے پہلے کی جائے اور اس توبہ میں جو اقرار کے

بعد کی جائے، فرق کرتے ہیں، اقرار کی صورت یہ ہے کہ اپنے جرم کا اقرار کرے اور توبہ کر لے، اس لیے کہ امام احمد رحمہ اللہ توبہ کرنے والے سے حد کو ساقط کرتے ہیں، اگر اقرار کرنے کے بعد توبہ کرے تو امام احمد اس کی حد کے ساقط ہونے کو تسلیم نہیں کرتے، انھوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

اندریں مسئلہ کہ توبہ کرنے سے تمام حدود ساقط ہو جاتی ہیں، ما سوا محارب کے، امام شافعی رحمہ اللہ کے دو اقوال ہیں، صحیح تر قول یہ ہے کہ حد ساقط ہو جاتی ہے، مگر محارب کی حد اس صورت میں ساقط ہوتی ہے جب وہ پکڑے جانے سے قبل توبہ کا اظہار کرے، دوسرے لوگوں کی حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، جب تک کہ اس کام کی اصلاح اتنی مدت میں نہ کی جائے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہو، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی مدت ایک سال ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے عراقی اصحاب نے اسی طرح کہا ہے، بعض خراسانی علماء نے کہا ہے کہ فتح پانے کے بعد محارب اور دوسرے لوگوں کی توبہ کے بارے میں دو قول ہیں اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ اس کام کی اصلاح کر لی ہو، اشکال اس صورت میں پیدا ہوتا ہے، جبکہ حد لگانے کے لیے اُسے پکڑا جائے تو توبہ کا اظہار کرے تو اقامتِ حد کو مؤخر نہیں کیا جائے گا، جب تک وہ اپنے عمل کی اصلاح نہ کر لے، امام ابو حنیفہ اور مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ حد توبہ کرنے سے ساقط نہ ہوگی، بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، دراصل اجماع اس توبہ کے بارے میں ہوا ہے جو ثبوتِ حد کے بعد کی جائے۔

جب گالی شہادت سے ثابت ہو تو دشنام دہندہ کی توبہ کا کیا حکم ہے؟

اب ہم اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جو شخص رسول کریم کو گالی دے اور حاکم کو اس کی شکایت کر دی جائے اور یہ بات شہادت سے ثابت ہو جائے پھر توبہ کرے تو حد اس سے ساقط نہیں ہوگی، یہ ان علماء کے نزدیک ہے جو کہتے ہیں کہ حد لگا کر اُسے قتل کیا جائے، خواہ اس نے توبہ شہادت دینے سے قبل کی ہو یا شہادت کے بعد، اس لیے کہ یہ توبہ اس نے پکڑے جانے کے بعد کی ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی رہزن، زانی اور چور اس حال میں توبہ کر لے، اگر حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا ارادہ کرنے کے بعد توبہ کرے اور اُسے شہادت کے ذریعے ثابت کرنا ممکن ہو تب بھی یہی صورت ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس میں ذمی اور مسلم دونوں یکساں ہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ان کو حد لگا کر قتل کیا جائے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

گالی کا اقرار کرنے کے بعد توبہ کرنا:

اگر گالی کا اقرار کرے پھر توبہ کرے یا اس سے توبہ کرنے کے لیے آئے تو مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اُسے بھی قتل کیا جائے، اس لیے کہ یہ بھی شرعی حدود میں سے ایک حد ہے، جو اُن کے نزدیک پکڑے جانے سے قبل یا بعد توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی، زندیق اگر توبہ کرنے کے لیے آئے تو اس کے بارے میں ان کے دو قول ہیں، مگر قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ان کا موقف قوی ہے اور اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں، اس لیے کہ یہ ایک ایسا حق ہے جس کا تعلق (براہِ راست) نبی کے ساتھ ہے اور آپ ﷺ کی وساطت سے آپ ﷺ کی اُمت کے ساتھ وابستہ ہے، یہ توبہ سے اُسی طرح ساقط نہیں ہوتا جس طرح دوسرے حقوق العباد۔ جو لوگ اُسے حد لگا کر قتل کرنے کے قائل ہیں وہ بھی جمہور کی طرح یونہی کہتے ہیں، ان کا قول ہے کہ توبہ کسی حال میں بھی حد کو ساقط نہیں کرتی، امام شافعی کا ایک قول یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح منقول ہے۔

مگر دونوں مذہبوں میں مشہور بات یہ ہے کہ پکڑنے سے قبل توبہ حد کو ساقط کر دیتی ہے، ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یہ قول حدود اللہ کے بارے میں ہے، باقی رہے حقوق العباد مثلاً قصاص اور حد قذف تو وہ توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتے، بنا بریں قتل اُس سے ساقط نہ ہوگا اگرچہ پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلے جس طرح قصاص میں قتل کرنا رہزن کے پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ ایک مرحوم آدمی کا حق ہے، اس لیے وہ قصاص اور حدِ قذف کے مشابہ ہے، یہ قاضی ابو یعلی اور دیگر علماء کا قول ہے۔

یہ اس بات پر مبنی ہے کہ اس کو قتل کرنا آدمی کا حق ہے اور آدمی نے اُسے معاف نہیں کیا اور یہ صرف معاف کرنے سے ساقط ہوتا ہے، یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اللہ کو گالی دینے اور رسول کو گالی دینے میں فرق کرتے ہیں، جو لوگ دونوں کو یکساں قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدودِ شرعیہ قبل از قدرت توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتی ہیں، ان کے نزدیک قتل یہاں ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ ان حدود میں سے ہے جو اللہ کے لیے واجب ہیں اور اس کا ارتکاب کرنے والے نے پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لی ہے اور یہی مقصد ہے اس شخص کا جو کہتا ہے کہ اس کی توبہ اُسے اس کے درمیان اور اللہ کے مابین فائدہ دیتی ہے اور رسول کا حق اس سے آخرت میں ساقط ہو جائے گا، ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے بھی اس کی تصریح کی ہے، اس لیے کہ وہ توبہ جو اس سے اللہ اور بندے کے حق کو ساقط

کرتی ہے اس وقت عالمِ وجود میں آ گئی تھی، جبکہ اقامتِ حد کے لیے ابھی اُسے پکڑا نہیں گیا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حد کو کوئی اس سے معاف نہیں کر سکتا، اگر توبہ اس کو ساقط نہ کر سکتی ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ بعض حدود ایسی بھی ہیں جن کو نہ تو پکڑے جانے سے قبل توبہ ساقط کر سکتی ہے اور نہ معافی دینے سے ساقط ہوتی ہیں اور اس کی کوئی نظیر نہیں، البتہ اگر رسول اکرم ﷺ بقیدِ حیات ہوتے تو پھر یوں کہنا بجا تھا کہ حد کو کوئی چیز کسی حال میں بھی ساقط نہیں کر سکتی ماسوا معاف کرنے کے۔

اگر گالی دینے والا پکڑا گیا اور اس نے گالی دینے کا اقرار کر لیا تو پھر توبہ کی یا گالی کا اقرار کیا مگر توبہ کا اعلان نہ کیا اس کے بعد توبہ کی تو توبہ اس بات پر مبنی ہے کہ وہ اس اقرار سے رجوع کر سکتا ہے، اگر اس کے رجوع کو قبول نہ کیا جائے تو بلا توقف اس پر حد قائم کی جا سکتی ہے، اگر اس کے رجوع کو قبول کیا جائے اور توبہ کے لیے آنے والے سے حد ساقط کر دی جائے تو اس کی حد کے سقوط میں سابق الذکر دو وجوہ ہیں اور اگر توبہ کے لیے آنے والے پر حد قائم کی جائے تو اس بنا پر یہ اولیٰ ہے، اگر کوئی ذمی مسلمان ہو کر آئے اور اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہو یا اپنے اقرار کے بعد اسلام لائے تو اس کے بارے میں بھی یہی قول ہے۔

جو کچھ ہم نے تحریر کیا ہے یہ گالی سے توبہ کرنے سے متعلق ہے، اس ضمن میں جو کچھ ہمیں معلوم تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسان بنایا وہ ہم نے ذکر کر دیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم چوتھا مسئلہ ذکر کریں۔

مسئلہ چہارم

دشنام مذکورہ کے بارے میں اور اس کے اور کفر مجرد کے مابین فرق و امتیاز

اصل مسئلہ پر روشنی ڈالنے سے پہلے ایک تمہید کی ضرورت ہے، مناسب یہ تھا کہ اس تمہید کو پہلے مسئلے کے آغاز میں ذکر کیا جاتا، تاہم یہاں بھی اس کا ذکر مناسب ہے، تاکہ مسئلہ ہذا کی حکمت و مصلحت روشن ہو جائے۔

گالی دینا ظاہراً و باطناً کفر ہے:

ہم کہتے ہیں کہ اللہ یا اس کے رسول کو گالی دینا ظاہراً و باطناً کفر ہے، خواہ دشنام دہندہ اس کو حلال سمجھتا ہو یا حرام یا اس کے بارے میں کوئی عقیدہ بھی نہ رکھتا ہو، یہ فقہاء اور اہل سنت کا مذہب ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان قول و عمل سے عبارت ہے۔

امام ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم حنظلی المعروف بابن راہویہ، جو کہ ایک عظیم امام اور امام احمد و شافعی کے ہم پلہ عالم تھے، فرماتے ہیں:

> ''اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو شخص اللہ یا اس کے رسول کو گالی دے یا خدا کی نازل کردہ کسی چیز کو رد کر دے یا اللہ کے کسی نبی کو قتل کر دے تو وہ اس وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ اللہ کے نازل کردہ (احکام) کو جانتا ہو۔''

محمد بن سحنون، جو کہ اصحاب مالک میں سے ایک امام اور اس طبقہ کے علماء میں سے تھے، فرماتے ہیں:

> ''اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ ﷺ کی توہین کرنے والا کافر ہے اس کے بارے میں عذاب خداوندی کی وعید قائم ہے اور اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔''

متعدد ائمہ نے اس قسم کی تصریحات کی ہیں، امام احمد (کے بیٹے) عبداللہ اس شخص کے بارے میں اُن سے روایت کرتے ہیں کہ جو دوسرے آدمی سے کہے: اے فلاں فلاں کے بیٹے! یعنی تُو اور تیرا پیدا کرنے والا، تو ایسا شخص مرتد ہے اور ہم اُسے قتل کریں گے عبداللہ اور ابو طالب کی روایت میں ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے اُسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ جب اس نے گالی دی تو وہ اسلام سے برگشتہ ہو گیا، کوئی مسلم رسول کریم ﷺ کو گالی نہیں دے سکتا، پس معلوم ہوا کہ یہ شخص مرتد ہے اور ایک مسلم اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ مسلم ہوتے ہوئے رسول کریم ﷺ کو گالی دے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا کہ اُن سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو آیات خداوندی کا مذاق اُڑائے تو اُس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: وہ کافر ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ [التوبة: ٦٥، ٦٦]

"کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول اور اس کی آیات کا مذاق اُڑاتے تھے، اب معذرت مت کیجیے، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے کہا:

"جو شخص اللہ کو گالی دے وہ کافر ہو گیا، خواہ مذاق کرتا ہو یا سنجیدہ، اس کی دلیل مذکورہ صدر آیات ہیں، یہی بات درست اور قطعی ہے۔"

قاضی ابو یعلی اپنی کتاب "المعتمد" میں لکھتے ہیں:

"جو شخص اللہ یا اس کے رسول کو گالی دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، خواہ اس کو حلال سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو، اگر کہے کہ میں اس کو حلال نہیں سمجھتا تو ظاہر اعتبار سے اس کی بات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور وہ مرتد ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک ہی روایت منقول ہے، اس لیے کہ ظاہر اس کے خلاف ہے، جو اس نے کہا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینے کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں کہ وہ اللہ کی عبادت کا عقیدہ نہیں رکھتا اور رسول کریم ﷺ، جو شریعت لائے وہ اس کی تصدیق نہیں کرتا، جب شرابی، قاتل اور چور کہے کہ میں ان کاموں کو حلال نہیں سمجھتا تو اس کی تصدیق کی جائے گی، دونوں میں یہی فرق ہے، اس لیے کہ ان امور کو حرام سمجھنے کے باوجود ان کا ارتکاب کرنے میں اس کی

ایک غرض ہے اور وہ فوری لذت کا حصول ہے۔"

وہ مزید فرماتے ہیں:

"جب ہم اسے کافر قرار دیں گے تو ہم اس کے بارے میں یہ ظاہری فیصلہ کریں گے، جہاں تک باطن کا تعلق ہے تو جو بات اس نے کہی اگر وہ اس میں سچا ہے تو وہ مسلم ہے اور ہم زندیق کے بارے میں کہتے ہیں کہ ظاہری اعتبار سے ہم اس کی توبہ قبول نہیں کریں گے۔"

قاضی (ابو یعلی) نے فقہاء سے نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والا اگر اسے حلال سمجھتا ہوئے تو کافر ہو جاتا ہے اور اگر حلال نہ سمجھتا ہو تو فاسق ہو جاتا ہے اور اُسے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے والی کی طرح کافر قرار نہیں دیا جائے گا، یہ اسی کی نظیر ہے جو نقل کیا جاتا ہے کہ عراق میں بعض فقہاء نے خلیفہ ہارون کو اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کہ اُسے کوڑے مارے جائیں، امام مالک نے اس سے انکار کیا ہے اور اس فتویٰ کو رد کر دیا، جس طرح ابو محمد ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ بعض لوگ رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کو کافر نہیں ٹھہراتے۔

قاضی عیاض نے فقہائے عراق کے اس واقعہ اور امام ابن حزم کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد اس مسئلے پر علماء کے اجماع کا ذکر کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کے فتوے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ یہ لوگ حرص و ہوا کا شکار اور جادۂ مستقیم سے برگشتہ تھے یا یہ کہ فتویٰ ان کلمات کے بارے میں تھا جس کے گالی ہونے میں اختلاف ہے، یا یہ کہ اس آدمی کے بارے میں تھا جو توبہ کر چکا تھا، وہ ذکر کرتے ہیں کہ دشنام دہندہ اگر گالی کا اقرار کرے اور اس سے توبہ نہ کرے تو کافر ہونے کی وجہ سے اُسے قتل کیا جائے، کیونکہ اس کا قول یا تو صریح کفر ہے جیسے تکذیب، یا یہ کلمات استہزا و مذمت پر مشتمل ہے، پس اس کا اعتراف کرنا اور ان کلمات سے توبہ نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ان کو حلال سمجھتا ہے اور یہ بھی کفر کو مستلزم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص بلا اختلاف کافر ہے۔

قاضی عیاض دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"جو اہل علم اس کو توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کرتے ہیں وہ اُسے ارتداد نہیں سمجھتے، تاہم حد لگا کر وہ اُسے قتل کرنے کے قائل ہیں، ہم یہ بات کہتے ہیں، حالانکہ اس کے خلاف جو شہادت دی گئی ہے وہ اس سے انکار کرتا ہے یا اس سے باز رہنے اور توبہ کرنے کا اظہار کرتا ہے، ہم اُسے حد لگا کر اسی طرح قتل کرتے ہیں جس طرح زندیق کو توبہ کرنے کے بعد بھی

قتل کرتے ہیں، ہم اگرچہ اس کو کافر قرار دے کر قتل کرتے ہیں، تاہم اس کے بارے میں ہمارا یہ قطعی فیصلہ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ توحید کا اقرار کرتا ہے اور جو شہادت اس کے خلاف دی گئی وہ اس کو تسلیم نہیں کرتا یا اس لیے کہ بزعم خویش اس نے یہ کام غفلت سے گناہ سمجھ کر کیا ہے اور وہ اس سے باز آنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس پر نادم ہے۔''

قاضی مذکور مزید فرماتے ہیں:

''جو شخص جانتا ہو کہ اُس نے حلال سمجھتے ہوئے گالی دی ہے تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جو گالی اس نے دی ہے اگر وہ فی نفسہ کفر ہے، مثلاً تکذیب و کفر پر مشتمل ہے، تب بھی یہی فیصلہ ہے اور یہ وہ بات ہے جس میں کوئی اشکال نہیں، اسی طرح وہ شخص جو توبہ کا اظہار نہ کرے اور جو شہادت اس کے خلاف دی گئی اس کا اعتراف کرتا ہو اور اس پر جما ہوا ہو تو ایسا شخص اپنے قول کی وجہ سے اور اس لیے کافر ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی عزت و حرمت کے تقدس کو پامال کرتا ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص حلال سمجھ کر گالی دے وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اگرچہ فی نفسہ یہ صریح تکذیب نہیں ہے۔''

قاضی ابو یعلی کی بدترین لغزش:

یہاں ایک بات کو تحریر کرنا از بس ناگزیر ہے، یہ جاننا ضروری ہے کہ یوں کہنا کہ گالی دینے والے کا کفر درحقیقت اس وجہ سے ہے کہ وہ گالی کو حلال سمجھتا ہے، ایک بدترین لغزش ہے۔ اللہ تعالیٰ قاضی ابو یعلی پر رحم فرمائے۔

انھوں نے متعدد جگہ وہ بات کہی ہے جو اُس بات کے خلاف ہے جو انھوں نے یہاں کہی ہے۔ جو لوگ اس گڑھے میں گرے اس کی وجہ وہ دلائل تھے جو انھوں نے متاخرین متکلمین سے اخذ کیے اور وہ متاخرین جہمیہ تھے، جو متقدمین جہمیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ایمان محض تصدیق قلبی کا نام ہے، اگرچہ اقرار باللسان اس کے ساتھ شامل نہ بھی ہو اور نہ قلبی اور اعضاء و جوارح کے اعمال کا اس کے ساتھ کچھ عمل دخل ہو۔

ہم نے جو کچھ قاضی ابو یعلی سے نقل کیا ہے اس کے آگے رقمطراز ہیں:

''بنا بریں اگر کافر کہے کہ میں دل سے اللہ کی توحید و معرفت کا معتقد ہوں مگر میں شہادتین کا

اُسی طرح اقرار نہیں کرتا جس طرح میں دیگر عبادات پر تغافل شعاری کی وجہ سے عمل پیرا نہیں ہوں، بظاہر ایسے شخص کو مسلم قرار نہیں دیا جائے گا، البتہ باطناً وہ مسلم ہے، امام احمد کا یہ قول کہ جو شخص کہتا ہے کہ معرفت دل کو فائدہ دیتی ہے اگرچہ زبان سے اس کا اقرار نہ کیا جائے، وہ جہمی ہے۔ اس کو دو وجوہ میں سے کسی ایک وجہ پر محمول کیا جائے گا:

۱۔ ایک یہ کہ ظاہری طور سے وہ جہمی ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ وہ عناد کی وجہ سے شہادتین کا اقرار نہیں کرے گا۔

امام احمد اس کے اثبات میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ ابلیس اپنے دل سے اپنے رب کو پہچانتا تھا مگر مومن نہ تھا۔"

ظاہر ہے کہ ابلیس کا اعتقاد یہ تھا کہ امر خداوندی کی تعمیل میں سجدہ اس پر واجب نہیں۔ قاضی ابو یعلی نے کئی جگہ ذکر کیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک قلبی تصدیق کے ساتھ اپنی زبان سے اقرار نہ کرے، نیز یہ کہ ایمان قول وعمل کے مجموعے کا نام ہے، جیسا کہ تمام ائمہ کا مذہب ہے، چنانچہ امام مالک، سفیان، اوزاعی، لیث، شافعی، احمد، اسحاق، اور ان سے قبل و بعد سب علماء کا یہی موقف ہے، ہمارا مقصد یہاں اس مسئلے پر تفصیلی بحث کرنا نہیں ہے بلکہ ہماری غرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کے مخصوص مسائل کا تذکرہ کیا جائے، اس کے چند وجوہ ہیں:

اُن علماء کی تردید جو کہتے ہیں کہ صرف گالی کو حلال سمجھنے والا کافر ہوتا ہے:

وجہ اول: فقہاء سے جو نقل کیا گیا ہے کہ صرف گالی کو حلال سمجھنے والا کافر ہوگا ورنہ نہیں، مگر اس کی کوئی اصل نہیں۔ قاضی ابو یعلی نے اس کو بعض متکلمین سے اور انھوں نے اس کو فقہاء سے نقل کیا ہے، متکلمین نے اس کو فقہاء سے بدیں زعم نقل کیا ہے کہ یہ ان کے اصول کے مطابق ہے یا انھوں نے ایسے لوگوں سے سنا جن کو فقہ کی طرف منسوب کیا ہے مگر ان کا قول معتبر نہیں ہے، ہم نے ائمہ فقہاء کی تصریحات اور ان کے اجماع کو ایسے لوگوں سے نقل کیا ہے جو ان کے مذاہب کو سب لوگوں سے بہتر طور پر جانتے ہیں، لہٰذا کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے یہ اختلافی اور اجتہادی مسائل میں شمار ہوتا ہے، مگر یہ بات غلط ہے، کوئی شخص بھی اصحاب فتویٰ فقہاء سے یہ تفصیل نقل نہیں کرسکتا۔

وجہ دوم: جب کفر کسی حرام چیز کو حلال سمجھنے سے وقوع پذیر ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ گالی کو حلال سمجھنے کا عقیدہ کفر ہے کیونکہ جب اس نے خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال سمجھا تو وہ کافر ہو گیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی حرام چیز کو حلال سمجھنا، جس کی حرمت معلوم ہو، کفر کا موجب ہے، مگر نبی کو گالی دینے، اہل ایمان پر بہتان لگانے، ان پر جھوٹ باندھنے اور ان کی چغلی کھانے میں کچھ فرق نہیں ہے اور دیگر اقوال جن کے بارے میں معلوم ہے کہ اللہ نے ان کو حرام ٹھہرایا ہے جو شخص بھی ان میں سے کوئی کام حلال سمجھ کر کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا، حالانکہ یوں کہنا جائز نہیں کہ جو شخص کسی مسلم پر بہتان لگائے یا اس کی چغلی کھائے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اُسے حلال سمجھتا ہو۔

وجہ سوم: تیسری وجہ یہ ہے کہ گالی کو حلال سمجھنا کفر ہے، خواہ عملاً گالی نکالتا ہو یا نہ نکالتا ہو، بنا بریں تکفیر میں وجوداً و عدماً گالی کا کچھ اثر نہیں، مؤثر صرف اعتقاد ہے، اور یہ بات علماء کے اجماع کے خلاف ہے۔

وجہ چہارم: چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب کفر کا موجب حلت کا اعتقاد ہے، لہٰذا گالی میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ دشنام دہندہ اس کو حلال سمجھتا ہے، اس لیے واجب ہے کہ اس کی تکفیر نہ کی جائے، خصوصاً جبکہ وہ کہے کہ میں اسے حرام سمجھتا ہوں، میں تو غصے اور حماقت یا مذاق کے طور پر اُسے حلال کہتا تھا، جس طرح کہ منافق کہا کرتے تھے:

﴿ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ﴾ [التوبة: ٦٥]

''ہم تو شغل اور کھیل و تفریح کرتے تھے۔''

یا یوں کہے کہ میں نے اس پر بہتان لگایا، اس پر جھوٹ باندھا اور اس کے ساتھ کھیل اور مذاق کیا۔ اگر کہا جائے کہ وہ کفار میں ہوں گے تو یہ بات نصِ قرآن کے خلاف ہے اور اگر کہا جائے کہ وہ کافر ہو جائیں گے تو یہ تکفیر بلا وجہ ہے کیونکہ محض گالی کو تکفیر کا سبب قرار نہیں دیا گیا اور قائل کا یہ قول بھی درست نہیں کہ میں اس ضمن میں اس کی تصدیق نہیں کرتا، اس لیے کہ مشکوک کام کی وجہ سے تکفیر نہیں ہو سکتی، جب اس نے کہا کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ گناہ اور معصیت کاری ہے اور میں ایسا کرتا بھی ہوں، اگر یہ کفر نہیں ہے تو پھر اس کی تکفیر کیسے کی جا سکتی ہے؟

قرآن میں فرمایا:

﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ [التوبة: ٦٦]

''معذرت مت کیجیے، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ﴿اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ﴾ کہہ کر جھوٹ بولا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عذر کو جھوٹ نہیں کہا، جس طرح ان کے دیگر عذرات کو جھوٹا قرار دیا، وہ عذر ایسے تھے کہ اگر وہ درست ہوتے تو وہ کافر نہ ٹھہرتے۔ بخلاف ازیں صرف یہ فرمایا کہ اس مشغولیت اور تفریح کی وجہ سے وہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔

دشنام دہندہ کے کفر کی دلیل:

جب یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ ہمارے سلف صالحین اور ان کی پیروی کرنے والے خلف کا موقف یہ ہے کہ گالی دینا بذات خود کفر ہے، خواہ اس کا قائل اُسے حلال سمجھے یا نہ سمجھے، اس کی دلیل وہ تمام مسائل ہیں جو ہم نے پہلے مسئلہ یعنی دشنام دہندہ کے کفر کے ثبوت میں پیش کیے ہیں، مثلاً یہ آیات:

۱۔ ﴿وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ﴾ [التوبة: ٦١]

''اور ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (ﷺ) کو ستاتے ہیں۔''

۲۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ [الأحزاب: ٥٧]

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔''

۳۔ ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ [التوبة: ٦٦]

''عذر مت پیش کیجیے، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔''

اور دیگر آثار و احادیث جو اس امر کے واضح دلائل ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینا بذات خود کفر ہے، حرمت و جوداً و عدماً کے عقیدے سے قطع نظر، لہٰذا ہمیں اس کا اعادہ کرنے کی حاجت نہیں۔ دراصل وہ تمام دلائل جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دشنام دہندہ کافر اور مباح الدم ہے وہ اس مسئلے پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، اس لیے کہ اگر مباح کرنے والا کفر یہ عقیدہ ہو کہ گالی حرام ہے تو اُس کی تکفیر اور قتل جائز نہ ہوتا، یہاں تک کہ یہ عقیدہ اس طرح ظاہر ہو جاتا کہ اس کے ساتھ خون کو مباح کرنے والے اعتقادات ثابت ہو جاتے۔

فرقہ مرجیہ اور جہمیہ کے دو شبہات:

اس نظریے کا مصدر و منشا، جس نے متکلمین اور ان کے ہم نوا فقہاء کے اس وہم کو جنم دیا، یہ ہے

کہ ان کے نزدیک ایمان کا مطلب ان تمام عقائد و احکام کی تصدیق ہے جن کی رسول کریم ﷺ نے ہمیں اطلاع دی، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی صداقت کا عقیدہ ان کو گالی دینے کے منافی نہیں ہے، جس طرح آپ ﷺ کی اطاعت کے وجوب کا عقیدہ آپ ﷺ کی نافرمانی کے منافی نہیں ہے، اس لیے کہ انسان بعض اوقات اس شخص کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے جس کا اکرام اس کے نزدیک واجب ہوتا ہے، جس طرح گاہے وہ اس کام کو بھی ترک کر دیتا ہے جس کو انجام دینا اس کے نزدیک واجب ہوتا ہے، اور وہ کام کرتا ہے جس کے ترک کرنے کا عقیدہ رکھتا ہے۔

اُن کا خیال ہے کہ اُمت مسلمہ دشنام دہندہ کی تکفیر کرتی ہے، وہ کہتے ہیں اس کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ وہ گالی دینے کو حرام نہیں سمجھتا، اور گالی کی حلت کا عقیدہ رسول کریم ﷺ کی تکذیب کی دلیل ہے، لہٰذا وہ اس تکذیب کی وجہ سے کافر ہے، آپ ﷺ کی توہین کا باعث نہیں اور اہانت تکذیب کی دلیل ہے، جب فرض کر لیا جائے کہ وہ درحقیقت مکذِب نہیں ہے تو وہ نفس الامر میں مومن ہوگا اگرچہ حکم اس کی ظاہری حالت کے مطابق لگایا جائے گا، تو یہ ہے مرجیہ اور ان کے ہم نوا لوگوں کا ماخذ و مصدر۔

ان کا قول یہ ہے کہ ایمان عبارت ہے اعتقاد اور قول سے، اُن میں سے غالی فرقہ کے لوگ جو ''کرامیہ'' کہلاتے ہیں ان کا قول یہ ہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کو کہتے ہیں، اگرچہ وہ اعتقاد سے خالی ہو، فرقہ جہمیہ کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ ایمان محض معرفت اور قلبی تصدیق کو کہتے ہیں، اگرچہ اقرار باللسان اس میں شامل نہ ہو، اُن کی ایک اور دلیل بھی ہے اور وہ یہ کہ انسان بعض اوقات زبان سے ایسی بات کہتا ہے، جو اس کے دل میں نہیں ہوتی، اگر اس کے دل میں رسول اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر موجود ہو تو زبان سے اس کے خلاف بات کہنے سے آپ ﷺ کی شان میں کوئی قدح وارد نہیں ہوتی، جس طرح منافق اگر ایسی بات کہے جبکہ اس کے دل میں اس کے خلاف ہو تو اس سے اُسے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

شبہ اول کے کئی جواب ہیں:

اعتراض اول کا جواب:

پہلا جواب: یہ ہے کہ ایمان کے اصلی معنی قلبی تصدیق کے ہیں، یہ ضروری بات ہے کہ قلبی تصدیق دل میں ایک خاص کیفیت اور عمل پیدا کرے اور وہ کیفیت رسول کریم ﷺ کی تعظیم، اجلال اور محبت ہے، یہ لازمی امر ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو اسے الم و رنج کا احساس ہوتا ہے اور فرحت و مسرت حاصل ہونے سے خوشی کا ادراک ہوتا ہے، اسی طرح ملائم و منافی چیز کا

شعور حاصل ہونے سے نفرت و چاہت کے جذبات اُجاگر ہوتے ہیں، اگر دل میں یہ کیفیت اور احساس پیدا نہ ہو تو اس تصدیق کا کچھ فائدہ نہیں، اس کا حصول اس وقت ناممکن ہو جاتا ہے جب دل میں رسول کے خلاف حسد و تکبر کا جذبہ پایا جاتا ہو یا دل میں آپ ﷺ کو کچھ اہمیت نہ دیتا ہو اور آپ ﷺ سے اعراض و انحراف کے احساسات سے لبریز ہو۔

بالکل اسی طرح جیسے ملائم اور ہم آہنگ چیز سے لذت کا جذبہ جنم لیتا ہے اور ناموافق چیز سے الم و رنج پہنچتا ہے، الاّ یہ کہ کوئی مخالف جذبہ اس کا معارض ہو، جب معارض عالم وجود میں آتا ہے تو تصدیق معدوم ہو جاتی ہے، گویا اس کا عدمِ وجود یکساں نوعیت کا ہوتا ہے بلکہ یہ معارض معلول کے معدوم ہونے کا موجب ہوتا ہے، جو کہ دل کی کیفیت کا نام ہے، اور اس کے معدوم ہونے کی وساطت سے تصدیق جو کہ علت ہوتی ہے، زائل ہو جاتی ہے اور اس طرح ایمان کلیتًا دل سے مٹ جاتا ہے، جن لوگوں نے انبیاء کے خلاف حسد یا تکبر سے کام لیا یا اپنی عادات و خصال کو ترک کرنا گوارا نہ کیا ان کے کافر ہونے کی وجہ یہی ہے، حالانکہ انھیں بخوبی معلوم ہے کہ انبیاء سچے تھے، ایسے لوگوں کا کفر جہال کے کفر سے غلیظ تر ہے۔

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ ایمان اگرچہ تصدیق کو متضمن ہے مگر ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں ہے، بخلاف ازیں ایمان عبارت ہے اقرار و طمانیت سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصدیق کسی خبر کی کی جاتی ہے، امر اس لحاظ سے کہ امر ہے تصدیق کا محتاج نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ کلام خداوندی اخبار و اوامر دونوں پر مشتمل ہے۔ خبر چاہتی ہے کہ خبر دینے والے کی تصدیق کی جائے، جبکہ امر اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کی اطاعت بجا لائی جائے اور یہ ایک قلبی امر ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے، اگرچہ مامور بہ کو انجام نہ دیا جائے، جبکہ خبر کے مقابلے میں تصدیق ہوتی ہے اور امر کے مقابل انقیاد ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایمان کا اصلی تعلق قلب کے ساتھ ہے اور وہ طمانیت اور اقرار ہے۔

ایمان مشتق ہے امن سے جس کے معنی اقرار اور اطمینان کے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب دل میں تصدیق و انقیاد جاگزیں ہوتے ہیں، جب صورتحال یوں ہے تو گالی دینا توہین و استخفاف کا موجب ہے اور امر کی اطاعت اکرام و اعزاز کا سبب ہے، اور یہ بات محال ہے کہ آدمی جس کے سامنے جھکتا ہے اور آداب بجا لاتا ہے اس کی توہین کرے اور اس کو کچھ اہمیت نہ دے۔

جب دل میں کسی کی توہین جاگزیں ہوتی ہے تو اس میں اطاعت و انقیاد کی گنجائش باقی نہیں

رہتی، لہٰذا اُس میں سے ایمان معدوم ہو جاتا ہے، ابلیس کا کفر بعینہٖ یہی تھا کہ اس نے اللہ کا حکم سنا اور پیغام لانے والے کی تکذیب نہیں کی، البتہ وہ حکم بجا نہ لایا اور نہ اس کے سامنے جھکا، اس نے اطاعت سے کبر کا اظہار کیا اس لیے وہ کافر ہو گیا، یہ ایسا مقام ہے جہاں بہت سے متاخرین نے ٹھوکر کھائی، اُن کے جی میں آیا کہ ایمان دراصل تصدیق کا نام ہے، پھر وہ ابلیس و فرعون وغیرہ کو دیکھتے ہیں، جن سے تکذیب کا صدور نہیں ہوا، یا ان سے تکذیب باللسان کا صدور نہ ہوا مگر انھوں نے دل سے تکذیب نہ کی تاہم اس کا کفر بد ترین قسم کا کفر ہے، یہ دیکھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں۔

اگر وہ سلف صالحین کی طرح ہدایت یافتہ ہوتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ ایمان عبارت ہے قول و عمل کے مجموعے سے، یعنی دل کی تصدیق اور اعمال کا نام ایمان ہے، یہ ایمان کی وہ توضیح ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے ہم آہنگ ہے اور کتاب و سنت اللہ اور اس کے رسول کے اخبار و اوامر پر مشتمل ہے، بایں طور کہ دل اس کی بتائی ہوئی خبروں کی ایسی تصدیق کرتا ہے جو دل کی حالت کو مصدق بہ کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، تصدیق علم و قول کی ایک نوع کا نام ہے، جس کے سامنے اطاعت کا سر خم کیا جاتا ہے اور یہ تعمیل و اطاعت، ارادہ اور عمل کی ایک قسم ہے، ان دونوں کے مجموعے سے کوئی شخص مومن بنتا ہے۔

جب کوئی شخص تعمیل و اطاعت کو خیر باد کہتا ہے تو مستکبر کہلاتا ہے اور کافروں میں سے ہو جاتا ہے، اگرچہ کفر کی تصدیق کرنے والا تکذیب سے اعم ہوتا ہے، اس لیے کہ تکذیب گاہے جہالت پر مبنی ہوتی ہے اور کبھی استکبار و ظلم کی آئینہ دار ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ابلیس کو صرف کفر و استکبار کے ساتھ موصوف کیا گیا، تکذیب سے نہیں، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ علم سے بہرہ ور تھے، مثلاً یہود اور ان کے ہم نوا، ان کا کفر ابلیس کے کفر سے مماثلت رکھتا تھا، اور جاہل نصاریٰ اور ان کے ہم نوا لوگوں کا کفر ضلالت پر مبنی تھا جو کہ جہالت کا دوسرا نام ہے۔

جس طرح احادیث میں وارد ہوا ہے کہ یہود کا ایک گروہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کئی چیزوں کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے ان کے سوالات کا جواب دیا تو وہ کہنے لگے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں مگر انھوں نے آپ کی اطاعت نہ کی۔[1] یہی حال ہرقل وغیرہ کا تھا۔ الغرض یہ علم و تصدیق ان کے کسی کام نہ آئی، جو شخص رسول کریم ﷺ کی تصدیق کرے کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے وہ اللہ کا پیغام ہے، جو اخبار و اوامر دونوں پر مشتمل ہے، تو اُسے ایک اور بات کی بھی

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٧٧) سنن النسائي، رقم الحديث (٤٠٧٨)

ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کرے اور اللہ کے احکام کی اطاعت کرے، جب وہ کہتا ہے: "وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" تو یہ شہادت اس کی دی ہوئی خبر کی تصدیق اور اس کے احکام کی اطاعت کو متضمن ہے۔ اور جب کہتا ہے: "وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" تو یہ اس بات پر مشتمل ہے کہ رسول اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی لایا اس کی تصدیق کی جائے کہ وہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، ان دو شہادتوں کے مجموعے سے اقرار کی تکمیل ہوئی ہے۔

جب دونوں شہادتوں میں تصدیق کے بغیر چارہ نہیں اور رسالت کو ماننے والا اسی کو تسلیم کرتا ہے تو بعض لوگوں نے گمان کیا کہ یہی چیز تمام ایمانیات کی اصل و اساس ہے، ایسا شخص اس امر سے غافل رہا کہ ایک اور ضابطہ کلیہ بھی ضروری ہے اور وہ اطاعت و انقیاد ہے، ورنہ بعض اوقات ظاہراً و باطناً رسول کی تصدیق کی جاتی ہے، مگر ان کی اطاعت سے پہلو تہی کی جاتی ہے، کیونکہ رسول کی تصدیق کرنے سے اس کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ رسول نے اللہ کا پیغام سنا، جیسے ابلیس نے سنا تھا، اس سے تجھ پر حقیقت الم نشرح ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا مذاق اُڑانا اس کی تعمیل و اطاعت کے منافی ہے۔

اس لیے کہ رسول ﷺ نے اللہ کی طرف سے یہ پیغام پہنچایا کہ اس نے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس طرح رسول کی اطاعت کرنے سے اللہ کی دی ہوئی خبر کی تصدیق ہوتی ہے، جو شخص رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت نہیں کرتا وہ یا تو اس کی تکذیب کرتا ہے یا اللہ کی اطاعت سے انحراف کرنے والا ہے اور یہ دونوں صریح کفر ہیں، جو شخص رسول کریم ﷺ کی توہین کرتا اور دل سے اس کا مذاق اُڑاتا ہے وہ اس کے احکام کی اطاعت نہیں کر سکتا، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کی اطاعت کرنا اس کا اجلال و اکرام ہے اور اُسے کم اہمیت دینا اس کی اہانت اور تذلیل ہے، اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

جب دل میں دونوں میں سے ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے تو دوسری غائب ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی توہین و تذلیل ایمان کے اسی طرح منافی ہے جس طرح ایک ضد دوسری ضد کے منافی ہوتی ہے۔

تیسرا جواب: بندہ جب اس عقیدے کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے کہ اللہ نے اُسے مجھ پر حرام ٹھہرایا ہے اور اللہ کے منہیات و محرمات اور اس کے واجبات کی تعمیل مجھ پر فرض ہے تو ایسا شخص کافر نہیں ہوتا، اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اس پر حرام نہیں یا یہ کہ اس نے حرام تو کیا تھا لیکن میں اس تحریم کی تعمیل نہیں کر سکتا اور وہ اللہ کی اطاعت و انقیاد سے انکار کرے تو ایسا شخص یا تو منکر ہے یا معاند،

اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ جو شخص تکبر کی بنا پر ابلیس کی طرح اللہ کی نافرمانی کرے وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے اور جس نے حرص و شہوت کی بنا پر اللہ کی نافرمانی کی تو اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک وہ کافر نہیں ہے، البتہ خوارج اس کی تکفیر کرتے ہیں، اس لیے کہ تکبر کی بنا پر نافرمانی کرنے والا اگرچہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ اس کا رب ہے مگر اس کی ضد و عناد اس تصدیق کے منافی ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ جو شخص حلال سمجھ کر محرمات کا ارتکاب کرتا ہے وہ بالاتفاق کافر ہے، کیونکہ جس نے قرآن کے محرمات کو حلال ٹھہرایا اس کا قرآن پر ایمان نہیں ہے اور وہ شخص بھی اسی طرح ہے جو محرمات کو حلال سمجھتا ہے، مگر ان کا ارتکاب نہیں کرتا، استحلال کے معنی اس عقیدے کے ہیں کہ اللہ نے اُن کو حرام نہیں ٹھہرایا، یا یہ کہ میں ان کی تحریم کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ یہ صورت تبھی پیش آتی ہے جب وہ شخص ایمان بالرسالت یا ایمان بالربوبیت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو، یہ اس شخص کا انکارِ محض ہے اور کسی تمہید و مقدمہ پر مبنی نہیں۔ بعض اوقات اُسے علم ہوتا ہے کہ اللہ نے ان اشیاء کو حرام ٹھہرایا ہے، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ رسول اُسی چیز کو حرام ٹھہراتا ہے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو مگر اس کی تعمیل سے باز رہتا اور محرمات کی خلاف ورزی کرتا ہے، ایسا شخص پہلے شخص کی نسبت بُرا کافر ہے۔ بعض اوقات وہ جانتا ہوتا ہے کہ جو شخص اس تحریم کی پابندی نہ کرے اللہ تعالیٰ اُسے سزا دے گا، پھر محرمات سے باز نہ رہنا یا تو اس لیے ہوتا ہے کہ وہ آمر کی حکمت و قدرت پر یقین نہیں رکھتا، اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ شخص صفات الٰہی میں سے کسی صفت کا انکار کرنے لگتا ہے۔

بعض اوقات ایسا شخص تمام عقائد و ایمانیات کو جانتا ہوتا ہے مگر سرکشی اور نفسانی خواہش کی پیروی کی وجہ سے ان کی تصدیق نہیں کرتا، جس کی حقیقت کفر ہے، ایسا شخص ہر اُس چیز کو مانتا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی اور ہر اس چیز کی تصدیق کرتا ہے جس کی اہل ایمان تصدیق کرتے ہیں مگر وہ اُسے اس لیے ناپسند کرتا ہے کہ وہ چیز اس کی مرضی اور مراد سے ہم آہنگ نہیں ہوتی۔ وہ (صاف) کہتا ہے کہ میں اس کا اقرار و التزام نہیں کرتا اور اس حق سے نفرت کرتا ہوں تو یہ پہلی قسم سے ایک جداگانہ قسم ہے اور اس کا کفر دین اسلام سے معلوم ہے، قرآن کریم اس قسم کے لوگوں کی تکفیر سے لبریز ہے بلکہ اس کی سزا کفر سے بھی شدید تر ہے، اسی قسم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ روزِ قیامت سب لوگوں سے شدید تر عذاب اس شخص کو دیا جائے گا جس کو اللہ نے اس کے علم سے فائدہ نہیں دیا۔[1]

[1] اسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی معجم صغیر میں روایت کیا ہے، دیکھیں: الروض الداني إلى المعجم الصغير للطبراني (۱/ ۳۰۵) رقم الحديث (۵۰۷) اس کا مدار عثمان البری پر ہے جو ضعیف ہے۔ علامہ ←

اور وہ ابلیس اور اس کے ہم نوا ہیں۔

اسی کے ساتھ عاصی (اور کافر) کا باہمی فرق واضح ہو جاتا ہے، عاصی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ فعل مجھ پر واجب ہے اور وہ اُسے انجام بھی دینا چاہتا ہے، مگر حرص و ہویٰ اور نفرت اس کی موافقت سے مانع ہوتی ہے، ایسا شخص تصدیق پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے اندر عجز و انقیاد بھی پایا جاتا ہے مگر یہ محض قول ہی قول ہوتا ہے اور اس میں عمل کا عنصر شامل نہیں ہوتا، باقی رہی یہ بات کہ آدمی اُس شخص کی توہین کرے جس کا اعزاز و اکرام اس پر واجب ہے، مثلاً والدین اور اُن جیسے دوسرے لوگ تو اس کی وجہ یہ ہے، کہ اس نے اس شخص کی توہین نہیں کی جس کی اطاعت و تعمیل اس کے ایمان میں مشروط تھی۔

بخلاف ازیں اس نے ایسے شخص سے بدتمیزی کی جس کا اکرام اس کے برّ و تقویٰ کے لیے ضروری تھا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے علیحدگی اختیار کرنے والا اس لیے کافر ہوا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک ایسی تصدیق نہ کرے جو عجز و انقیاد کی مقتضی ہو، تصدیق جب تک تعمیل و اطاعت کی مقتضی نہ ہو اس کو ایمان سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، بخلاف ازیں اس کا وجود عدم سے بھی قبیح تر ہے، جس شخص میں حیات و شعور تو موجود ہو مگر وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتا ہو، ایسے شخص کے نزدیک حیات و شعور کا فقدان ایسی زندگی سے محبوب تر ہوگا جس میں الم و رنج کے سوا دوسری کوئی چیز نہ ہو، چونکہ تصدیق کا ثمرہ خوشحالی و فارغ البالی اور دنیا و آخرت میں لذت کا حصول ہے، مگر ایسی تصدیق سے بدحالی اور دنیا و آخرت کے الم و رنج کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، لہٰذا اُس کا نہ ہونا اس کے موجود ہونے سے عزیز تر ہے۔

ان امور کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ہم نے طوالت سے کام لیا ہے، جو شخص اپنے قول و فعل میں اپنے نفس پر کتاب و سنت کو حَکم بنائے اور اللہ نے اس کے دل کو منور کر دیا ہو تو اس پر بہت سے لوگوں کی کج روی ظاہر ہوگی، جو موت کے بعد لوگوں کی سعادت و شقاوت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، ان لوگوں کی راہ پر چلتے ہوئے جنھوں نے کتاب اللہ اور ان احکام کی تکذیب کی جو انبیاء و رسول اللہ کی طرف سے لائے تھے، انھوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا اور اس چیز کی

← ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بدعتی شخص تھا اور اسے امام احمد، نسائی اور دار قطنی رحمہم اللہ نے ضعیف کہا ہے۔'' (مجمع الزوائد: ١/ ١٥٨) اس حدیث کو علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے بھی ضعیف کہا ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات، ص: ٢٤)

پیروی کی جو شیاطین پڑھا کرتے تھے۔

باقی رہا دوسرا شبہ تو اس کا جواب تین طرح سے دیا جا سکتا ہے:

پہلا جواب: جو شخص تکذیب وانکار اور کفر کے دیگر انواع پر بغیر کسی مجبوری کے گفتگو کرتا ہو، ہوسکتا ہے کہ درحقیقت وہ مومن ہو اور جس نے ایسا کیا اس نے اسلام کے جوئے کو اپنی گردن سے اُتار دیا۔

دوسرا جواب: اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ جو بلا عذر ایمان کا زبانی اقرار نہ کرے تو قلبی تصدیق کا اُسے کچھ فائدہ نہیں، جو شخص زبانی اقرار پر قادر ہو اقرار باللسان اس کے شرائط ایمان میں سے ہے، یہاں تک کہ علماء نے اس شخص کی تکفیر میں اختلاف کیا ہے جو کہے کہ قلبی تصدیق اعضاء کے عمل کے بغیر بھی سود مند ہے۔ مگر اس کی تقریر کا یہ موقع نہیں ہے، قاضی ابو یعلی نے امام احمد کے قول کی جو تاویل کی ہے خود انھوں نے اور دیگر اہل علم نے متعدد مقامات پر اس کی مخالفت کی ہے، قاضی عیاض کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ امام مالک، دیگر فقہائے تابعین اور ان کے بعد آنے والے علماء (ماسوا بدعتی لوگوں کے) کہتے ہیں کہ ایمان نام ہے قول وعمل کا، اس کی تفصیل دوسری جگہ آئے گی۔

تیسرا جواب: جن لوگوں کا موقف یہ ہے کہ ایمان صرف قلبی تصدیق کا نام ہے اور اقرار باللسان کی کچھ حاجت نہیں، وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ایمان فی نفس الامر اقرار باللسان کا محتاج نہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ جو قول ایمان کے منافی ہو اُسے باطل نہیں ٹھہرا سکتا، اس لیے کہ قول کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک قول وہ ہے جو معرفت قلبی سے ہم آہنگ ہو۔

۲۔ اور دوسرا قول وہ ہے جو اس کے خلاف ہو۔

فرض کیجیے کہ قولِ موافق مشروط نہیں اور مخالف قول اس کے منافی ہوتا ہے، جو شخص اپنی زبان سے بلا ضرورت دانستہ کفر کا کلمہ کہے اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ کفر کا کلمہ ہے تو ایسا شخص ظاہراً و باطناً کافر ہو جاتا ہے، اور یوں کہنے کو ہم جائز قرار نہیں دیتے کہ ہوسکتا ہے وہ اندر سے مومن ہو، جو شخص اس طرح کہے وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [النحل: ١٠٦]

''جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، بلکہ وہ جو (دل سے) اور دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا۔''

ظاہر ہے کہ کفر سے یہاں صرف قلبی اعتقاد مراد نہیں کیونکہ آدمی کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اس کو ''اُکْرِہَ'' سے مستثنیٰ کیا گیا، اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں، اس لیے کہ ''مُکرَہ''کو مستثنیٰ کیا گیا اور اُسے قول و قرار پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ اُسے صرف زبانی اقرار پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اس لیے معلوم ہوا کہ منشائے خداوندی یہ ہے کہ جو شخص اپنی زبان سے کلمۂ کفر ادا کرے تو اس پر اللہ کا غضب اور بہت بڑا عذاب ہے اور اس وجہ سے وہ کافر ہو جاتا ہے، ماسوا اُس شخص کے جس کو مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، لیکن وہ شخص ایسا نہیں جو مجبور کردگان میں سے کفر کے لیے اپنے سینے کو کھول دے بلکہ وہ کافر ہے، اس طرح کلمۂ کفر بکنے والا کافر ہے، ماسوا اُس شخص کے جسے مجبور کیا جائے اور وہ اپنی زبان سے کلمۂ کفر ادا کرے، مگر اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو

اللہ تعالیٰ نے مذاق اُڑانے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ [التوبة: ٦٦]

''عذر مت کیجیے، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔''

مذکورہ صدر آیت میں بیان کیا کہ وہ قولی اعتبار سے کافر ہیں، حالانکہ وہ اس کی صحت کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور یہ ایک وسیع باب ہے، اس کی حکمت و مصلحت پہلے گزر چکی ہے اور وہ یہ کہ قلبی تصدیق ایسی گفتگو کرنے اور ایسا کام کرنے سے روکتی ہے جو کسی کی اہانت اور بے عزتی پر مبنی ہو۔ مزید برآں تصدیق محبت و تعظیم کو جنم دیتی ہے اور اس کا تعظیم کے وجود اور اہانت کے عدمِ وجود کا مقتضی ہونا ایسا اَمر ہے جس کے مطابق سنتُ اللہ اس کی مخلوقات میں جاری ہے۔

جس طرح موافق چیز کے ادراک سے لذت اور مخالف چیز کے ادراک سے الم و رنج کا احساس ہوتا ہے، جب معلول معدوم ہو تو وہ علت کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے، جب ایک ضد پائی جاتی ہو تو وہ دوسری ضد کے معدوم ہونے کو مستلزم ہوتی ہے، لہٰذا وہ کلام اور فعل جو اہانت پر مشتمل ہو وہ سودمند تصدیق اور اطاعت و انقیاد کے معدوم ہونے کو مستلزم ہوتی ہے اور اسی لیے کفر کی موجب ہے۔

واضح رہے کہ اگرچہ ایمان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تصدیق کا دوسرا نام ہے، پس دل حق کی تصدیق کرتا ہے اور قول دل کی تصدیق کرتا ہے اور عمل قول کی تائید کرتا ہے، اور زبان کے ساتھ کسی چیز کی تکذیب دل کی تکذیب کو مستلزم ہے اور اس تصدیق کو دور کرتی ہے جو دل میں ہوتی ہے، اس لیے کہ اعضاء کے اعمال دل میں تاثیر پیدا کرتے ہیں، جس طرح دل کے اعمال اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں، اگر ایک میں کفر پیدا ہو جائے تو اس کا حکم دوسرے کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اس ضمن میں بڑی طویل گفتگو کی جا سکتی ہے، ہم نے صرف تمہیدی امور سے آگاہ کیا ہے۔

علماء کی تصریحات
اس بارے میں کہ گالی کفر ہے

اب ہم اصل مسئلے کی طرف عود کرتے اور کہتے ہیں کہ جو گالی خون کو مباح کرتی ہو وہ کفر کی موجب ہے اگرچہ ہر کفر گالی سے جنم نہیں لیتا۔ اب ہم اس مسئلے کے بارے میں علماء کی تصریحات نقل کرتے ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ کا موقف:

امام احمد فرماتے ہیں:

''جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی توہین کرے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر تو واجب القتل ہے، میری رائے یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''ہر آدمی جو ایسی بات کرے جس سے اللہ تعالیٰ کی تنقیصِ شان کا پہلو نکلتا ہو وہ واجب القتل ہے، خواہ مسلم ہو یا کافر، یہ اہل مدینہ کا مذہب ہے۔''

ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف گالی کا اشارہ کرنا ارتداد ہے۔ جو قتل کا موجب ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے صراحتاً گالی دی جائے۔ ہمارے اصحاب کے مابین اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ رسول کریم ﷺ کی والدہ کو گالی دینا گالی کے اقسام میں سے ہے جو موجبِ قتل ہے بلکہ اس سے بھی شدید تر ہے، کیونکہ اس سے رسول کریم کے حسب ونسب پر جرح و قدح لازم آتی ہے، بعض علماء علی الاطلاق کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی والدہ کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے، خواہ مسلم ہو یا کافر ہو، ممکن ہے کہ گالی سے ان کی مراد بہتان ہو، جیسا کہ جمہور علماء نے تصریح کی ہے کیونکہ یہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے پر مشتمل ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ:

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

''جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی ذات یا نسب یا دین یا آپ ﷺ کی عادت میں نقص وعیب نکالے یا اُسے ایسا شبہ لاحق ہو جس سے آپ ﷺ کو گالی دینے، آپ ﷺ کی تنقیصِ شان، آپ ﷺ سے بغض وعداوت اور نقص وعیب کا پہلو نکلتا ہو، وہ دشنام دہندہ ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والے کا ہے، اور وہ یہ کہ اُسے قتل کیا جائے، اس مسئلے کی کسی شاخ کو نہ مستثنیٰ کیا جائے، نہ اس میں شک وشبہ روا رکھا جائے، خواہ گالی صراحتاً دی جائے یا اشارتاً۔ وہ شخص بھی اُسی طرح ہے جو آپ ﷺ پر لعنت کرے یا آپ ﷺ کو نقصان پہنچانا چاہے یا آپ ﷺ پر بد دعا کرے یا آپ ﷺ کی طرف بھی ایسی چیز کو بطریق مذمت منسوب کرے جو آپ ﷺ کی شان کے لائق نہ ہو یا آپ ﷺ کی کسی عزیز چیز کے بارے میں رکیک، بیہودہ اور جھوٹی بات کرے یا جن مصائب سے آپ ﷺ دوچار ہوئے اُن کی وجہ سے آپ ﷺ پر عیب لگائے، یا بعض بشری عوارض کی وجہ سے جن سے آپ ﷺ دوچار ہوئے، آپ ﷺ کی تنقیصِ شان کرے، اس بات پر تمام علماء اور ائمۃ الفتویٰ رحمہم اللہ کا عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر اگلے تاریخی ادوار تک اجماع چلا آتا ہے۔''

ابن قاسم رحمہ اللہ:

ابن قاسم امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ ابن قاسم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ میں عیب نکالے اور تنقید کرے تو اُسے زندیق کی طرح قتل کیا جائے، اللہ نے رسول کریم ﷺ کی توقیر کو فرض ٹھہرایا ہے، اہل مدینہ نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جو شخص رسول کریم کو گالی دے یا بُرا بھلا کہے اور عیب نکالے، اُسے قتل کیا جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، ابن وہب نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ جو شخص کہے کہ رسول کریم ﷺ کی چادر میلی ہے، اور اس کا مقصد آپ ﷺ میں عیب نکالنا ہو تو اُسے قتل کیا جائے۔ بعض مالکیہ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کسی نبی کے لیے ہلاکت اور کسی بُری چیز کی دعا مانگی اُسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے۔

قاضی عیاض نے مشہور مالکی فقہاء کا فتویٰ مختلف امور کے بارے میں نقل کیا ہے۔ ہر مقدمے کا فیصلہ بعض علماء نے صادر کیا کہ اُسے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر قتل کیا جائے۔

ان میں سے ایک فتویٰ یہ ہے کہ ایک آدمی نے سنا کہ چند لوگ رسول کریم ﷺ کی صفت بیان کر رہے ہیں، اچانک ایک بدصورت آدمی بڑی داڑھی والا وہاں سے گزرا، اس نے کہا: کیا تم آپ ﷺ کا حلیہ معلوم کرنا چاہتے ہو؟ آپ ﷺ کی شکل وصورت اس گزرنے والے آدمی کی طرح تھی، ان میں سے ایک فتویٰ اس بارے میں تھا کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ کو سیاہ فام کہا تھا۔

ایک واقعہ اس طرح کا تھا کہ اُسے کہا گیا: رسول کریم ﷺ کے حق کی قسم! ایسا نہیں ہے، اس نے کہا: اللہ رسول اللہ کے ساتھ ایسا ایسا برتاؤ کرے، پھر اُسے کہا گیا: اے دشمن خدا! تُو کیا کہتا ہے؟ اس نے پہلے سے سخت بات کہی، پھر اس نے کہا: میں چاہتا تھا کہ رسول کریم ﷺ کو بچھو ڈس لے، اُنھوں نے کہا کہ ایک واضح لفظ کے بارے میں تاویل کی حاجت نہیں، اس لیے کہ یہ رسوائی کا باعث ہے، ایسا شخص رسول کریم ﷺ کی توقیر وتعزیر بجا نہیں لا رہا تھا، لہٰذا اُس کے خون کا مباح ہونا واجب ہے۔

اُن واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی شفقہ نامی تھا جو رسول کریم ﷺ کی توہین کیا کرتا تھا، مناظرے کے دوران وہ آپ ﷺ کو "یتیم و ختن حیدرہ" کے نام سے موسوم کیا کرتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ رسول کریم ﷺ کا زہد اختیاری نہیں ہے، اگر ان کو اچھے کھانے ملتے تو کھا لیتے، اس قسم کی گفتگو کیا کرتا تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ علماء نے اس قسم کی گفتگو کو گالی اور تنقیصِ شان پر محمول کیا ہے، لہٰذا ایسا آدمی واجب القتل ہے، اس میں متقدمین ومتاخرین کے مابین کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، اگر وہ اس ضمن میں مختلف الرائے ہیں کہ اس پر قتل کا حکم لگانے کا سبب کیا ہے؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب بھی توہین کرنے والے، آپ ﷺ سے بیزار ہونے والے اور آپ ﷺ کی تکذیب کرنے والے کو مرتد قرار دیتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب آپ کی توہین کرنے والے کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ صریح گالی کی مانند ہے،، اس لیے کہ نبی ﷺ کی توہین کرنا کفر ہے، آیا اس کا قتل ضروری ہے یا یہ جرم توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ امام شافعی نے اس ضمن میں تصریح کی ہے۔

تمام مذاہب کے علماء کی تصریحات اس بارے میں متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی تنقیصِ شان کفر

ہے جس سے خون مباح ہو جاتا ہے، توبہ کا مطالبہ کرنے کے بارے میں اُن کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اس نے آپ ﷺ کی عیب چینی کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر اس کا مقصد اور ہے، گالی اس کے زیرِ اثر دی ہو یا نہ دی ہو، بلکہ وہ مذاق کر رہا ہو یا کچھ اور کرتا ہو۔

یہ سب باتیں اس حکم میں شریک ہیں جب اس کا قول بذات خود گالی ہو، بعض اوقات ایک شخص اللہ کی ناراضگی پر مبنی ایک بات کہتا ہے، اس کا خیال یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس درجے تک پہنچے گی جہاں وہ پہنچ گئی، اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گرے گا، جس کی دونوں جہتوں میں مشرق و مغرب جتنا فاصلہ ہے۔[1] اور جس نے ایسی بات کہی جو گالی اور تنقیصِ شان پر مشتمل ہے، اس نے اللہ اور اس کے رسول کو گالی دی، وہ ایسے اقوال میں سے ہے جو لوگوں کو ایذا دیتے ہیں اور وہ بجائے خود ایذا ہیں، اگرچہ ان کے ساتھ ایذا کا قصد نہ بھی کیا گیا ہو، کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں سنا جو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف کھیل تفریح میں مشغول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ [التوبة: ٦٥، ٦٦]

”کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اُڑاتے تھے، اب عذر پیش نہ کیجیے، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔“

یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص ناراض ہو اور اُسے رسول کریم ﷺ کی کوئی حدیث یا کوئی حکم سنایا جائے یا آپ ﷺ کی سنت کی طرف دعوت دی جائے تو وہ (آپ ﷺ پر) لعنت کرے یا آپ کی شان میں بُرے بھلے الفاظ کہے۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النساء: ٦٥]

”پس نہیں اور تیرے رب کی قسم! وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ان امور میں حکم بنائیں جو اُن کے یہاں متنازع ہوں، پھر اپنے نفوس میں اس فیصلے سے تنگی نہ

[1] جیسا کہ حدیث میں ہے۔ دیکھیے: صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤٧٧)

پائیں جو آپ ﷺ کریں اور اپنا سرِ تسلیم خم کر دیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھائی کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب آپ ﷺ کو اپنے امور میں حکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ ﷺ کریں اس کے بارے میں اپنے نفوس میں کچھ تنگی نہ پائیں۔

جو شخص آپ کے فیصلے کے بارے میں جھگڑا کرے اور رسول کریم ﷺ کے ذکر سے تنگی محسوس کرے، حتی کہ بیہودہ گوئی سے کام لے تو قرآن عزیز کے فیصلہ کے مطابق وہ کفر ہے، اُسے اُس بنا پر معذور تصور نہ کیا جائے کہ اس کا مقصد مخالف کی تردید کرنا ہے، اس لیے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اللہ اور اس کا رسول باقی سب لوگوں سے محبوب تر نہ ہو۔[1] اور یہاں تک کہ رسول اُسے اپنے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے عزیز تر ہو۔[2]

ایک قائل کا قول اسی قبیل سے ہے کہ یہ ایسی تقسیم ہے جس میں رضائے الٰہی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا،[3] اور ایک دوسرے شخص نے کہا تھا انصاف سے کام لیجیے آپ نے انصاف نہیں کیا،[4] ایک انصاری کا یہ کہنا کہ یہ فیصلہ آپ نے اس لیے کیا کہ (زبیر) آپ کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔[5] یہ خالص کفر ہے کیونکہ اس نے دعویٰ کیا کہ رسول کریم ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں اس لیے فیصلہ صادر کیا کہ وہ آپ ﷺ کا پھوپھی زاد ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک آپ ﷺ کا فیصلہ سن کر اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، البتہ آپ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا جس طرح اس کو معاف کیا جس نے کہا تھا کہ یہ ایسی تقسیم ہے جس میں رضائے خداوندی کو پیشِ خاطر نہیں رکھا گیا، نیز اس شخص کو معاف کیا جس نے کہا تھا: انصاف سے کام لیجیے! آپ ﷺ نے انصاف نہیں کیا۔ ہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں نقل کیا ہے جو رسول کریم ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ تھا اور انھوں نے اُسے قتل کر دیا تھا، تو اس ضمن میں قرآن نازل ہوا اور اس میں حضرت

---

1. جیسا کہ حدیث میں ہے، دیکھیے: صحیح البخاري (١٦) صحیح مسلم (٦٧)
2. صحیح البخاري، رقم الحدیث (١٥) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٤٤)
3. صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٢٢٤) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٤٩٥)
4. صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦١٥٠) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٠٦٢)
5. صحیح البخاري، رقم الحدیث (٢٢٣١) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٦٢٥٨)

عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی گئی تھی، پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو رسول کریم ﷺ کے فیصلے پر طعنہ زن ہو؟

فقہاء کے ایک گروہ نے ذکر کیا ہے، جس میں ابن عقیل اور امام شافعی کے بعض اصحاب بھی ہیں، کہ اس کی سزا تعزیر تھی (جس کا انحصار و مدار حاکم کی صوابدید پر ہوتا ہے) اہل علم میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تعزیر اس لیے نہ لگائی کہ تعزیر واجب نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اُسے معاف کر دیا، اس لیے کہ وہ حق پر تھا، اور بعض نے یوں کہا کہ اُسے یہ سزا دی کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنے کھیت کو سیراب کرے، پھر پانی کو روکے رکھے، یہاں تک کہ کناروں تک پہنچ جائے، یہ ردی اقوال ہیں اور اس میں غور کرنے والا اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ نص قرآنی کے مطابق وہ شخص قتل کا مستحق تھا، اس لیے کہ قرآن نے کہا ہے کہ جو شخص اس قسم کا ہو وہ مومن نہیں ہوتا۔

اگر معترض کہے کہ ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ وہ بدری صحابہ میں سے تھا، صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اور تجھے کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم جیسے اعمال چاہو بجالاؤ، میں نے تمھیں معاف کر دیا۔''[1]

اگر یہ قول کفر تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ کفر کو معاف کیا جائے، حالانکہ کفر کو معاف نہیں کیا جاتا، اور کسی بدری شخص کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کافر ہے۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس زیادت کو ابو یمان نے شعیب سے نقل کیا ہے جبکہ اکثر راویوں نے اُسے ذکر نہیں کیا، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہ وہم پر مبنی ہو، جیسا کہ کعب اور ہلال بن اُمیہ کی روایت میں آیا ہے کہ وہ دونوں بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور ابن اسحاق نے بھی زہری سے اس کو روایت نہیں کیا مگر بظاہر یہ صحیح ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ یہ واقعہ بدر کے بعد پیش آیا، ممکن ہے کہ یہ غزوۂ بدر سے پہلے وقوع پذیر ہوا ہو، اس شخص کو بدری اس لیے کہا گیا کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ واقعہ بیان کیا تو اس وقت وہ شخص بدری بن چکا تھا، چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول کریم ﷺ کی موجودگی میں سنگتان کے ایک نالے کے بارے میں جھگڑا کیا جس سے وہ کھجور کے درختوں کی آبپاشی کرتے تھے، انصاری

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٧٦٢) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٦٥٥٧)

نے کہا: پانی کو چلنے دو مگر زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، چنانچہ دونوں جھگڑتے ہوئے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ رسول کریم ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اے زبیر! پہلے تم پانی لگا لو، پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو''، انصاری ناراض ہوا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا کہ زبیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ یہ سن کر رسول کریم ﷺ کا رنگ فق ہو گیا اور زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے زبیر! پہلے تم اپنے درختوں کو پلا لو، پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ کناروں کے ساتھ جا لگے۔''

زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا! میرا خیال ہے کہ آیت کریمہ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ...﴾ اس ضمن میں نازل ہوئی۔[1]

صحیح بخاری میں بروایتِ عروہ منقول ہے کہ رسول کریم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا حق محفوظ رکھا، قبل ازیں رسول کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو مشورہ دیا تھا اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور انصاری دونوں کی سہولت کو ملحوظ رکھا تھا، جب انصاری نے رسول کریم ﷺ کو ناراض کر دیا تو آپ ﷺ نے واضح حکم دے کر زبیر کا حق محفوظ رکھا، یہ روایت اس امر کو تقویت دیتی ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ نے وادی مہزور کے بارے میں حکم دیا تھا کہ بالائی جانب والا اپنے کھیت کو پہلے سیراب کرے، پھر پانی کو روکے رکھے یہاں تک کہ کناروں تک پہنچ جائے۔[2] اگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس فیصلے کے بعد کا ہوتا تو اُسے معلوم ہوتا کہ یہ فیصلہ کیونکر صادر کیا گیا؟ اس فیصلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پہلے کا ہے جبکہ آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، اس لیے کہ فیصلے کی ضرورت اس وقت تھی جب آپ ﷺ نے مدینہ میں نزول اجلال فرمایا، ممکن ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہی اس فیصلے کا موجب ہوا ہو۔

علاوہ ازیں بکثرت اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ان آیات کا ابتدائی حصہ اس وقت نازل ہوا جب بعض منافقین نے چاہا کہ اپنے فریقِ مقدمہ یہودی کا جھگڑا کعب بن اشرف کے پاس لے جاتے اور یہ غزوۂ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، اس لیے کہ کعب بن اشرف غزوۂ بدر کے بعد مکہ گیا تھا، جب وہاں سے لوٹ کر آیا تو اُسے قتل کر دیا گیا، غزوۂ بدر کے بعد اس کا قیام مدینہ میں اتنا نہ تھا کہ مقدمہ اس کے پاس

---

1. صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲۲۳۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۶۲۵۸)
2. سنن أبي داود (۱۵/ ۳۲۴) سنن ابن ماجه (۲۴۸۲) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

لے جایا جاتا، اور اگر یہ واقعہ بدر کے بعد پیش آیا تو ہوسکتا ہے کہ ان کلمات کا قائل اس وقت تک توبہ کر کے اپنے گناہ کی معافی طلب کر چکا ہو اور رسول کریم ﷺ نے اُسے معاف کر دیا ہو اور اہل بدر کے لیے جس بات کی ضمانت دی گئی ہے وہ تو معافی ہے۔

یا تو یہ کہ وہ معافی مانگیں، اگر وہ گناہ ایسا ہو کہ معافی مانگے بغیر اُسے معاف نہ کیا جا سکتا ہو، یا ایسا نہ ہو اور معافی مانگے بغیر اُسے معاف کیا جا سکتا ہو کیا آپ ﷺ کو معلوم نہیں کہ قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے، جو کہ بدری صحابی تھے، اس آیت:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا﴾

[المائدۃ: ۹۳]

”جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، انھوں نے جو کچھ کھا لیا ان پر کچھ حرج نہیں۔“

سے شراب کے حلال ہونے پر استدلال کیا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اہل شوریٰ نے پختہ ارادہ کیا کہ قدامہ اور ان کے اصحاب سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اگر شراب کی حرمت کا اقرار کریں تو انھیں کوڑے مارے جائیں اور اگر اقرار نہ کریں تو وہ کافر ہو جائیں گے۔

پھر قدامہ نے توبہ کر لی مگر اپنے جی میں اپنے گناہ کی بڑائی کی وجہ سے مایوس ہو گئے حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ غافر کی ابتدائی آیات قدامہ کی طرف بھیجیں۔[1] معلوم ہوا کہ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کو جس بات کی ضمانت دی گئی وہ حسن خاتمہ کی ہے اور یہ کہ انھیں بخش دیا جائے گا، اگرچہ ممکن ہے کہ قبل ازیں اُن سے کوئی گناہ صادر ہو جائے، اس لیے کہ توبہ پہلے گناہوں کو ساقط کر دیتی ہے، جب ثابت ہو گیا کہ ہر گالی، صراحتاً ہو یا اشارتاً، قتل کی موجب ہے۔ جس امر کا اہتمام ضروری ہے وہ فرق ہے اس گالی کے درمیان جس سے توبہ قبول نہیں کی جاتی اور اس کفر کے مابین جس سے توبہ قبول کی جاتی ہے، چنانچہ ہم کہتے ہیں:

گالی اور کفر کے درمیان فرق و امتیاز:

اس حکم کو کتاب و سنت کی ایذا کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے اور بعض احادیث میں اس کو ”ذکر الشتم والسب“ کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے، صحابہ اور فقہاء نے بھی اس کو سبّ وشتم کے نام سے ذکر کیا ہے اور کسی اسم کی لغت میں جب کوئی حد مقرر نہ کی گئی ہو مثلاً الأرض، السماء، البحر،

[1] مصنف عبدالرزاق (۹/ ۲۴۰) رقم الحدیث (۱۷۰۷۶)

الشمس والقمر اور شرع میں بھی اس کی تعریف مذکور نہ ہو، جیسے: صلوۃ، زکوۃ، حج، ایمان اور کفر تو اس کی تعریف کے بارے میں عُرف عام پر اعتماد کیا جاتا ہے، مثلاً "القبض" (قبضہ کرنا) الحرز (حفاظت کرنا،) البیع (خرید وفروخت،) الرھن (گروی رکھنا،) الکراء (کرایہ پر دینا) وغیرہ

بنا بریں واجب ہے کہ أذیٰ (ایذا دینا) اور السب والشتم (گالی دینا) کے بارے میں عرف عام کی طرف رجوع کیا جائے، جس کو عرف عام میں گالی دینا توہین، عیب چینی، اور طعن وتشنیع سمجھا جاتا ہو وہ سب ہے، اور جو اس طرح نہ ہو اس کو کفر کہا جاتا ہے، اس طرح اس کو کفر تو کہا جائے گا مگر سب نہیں، اس کا حکم وہی ہے جو مرتد کا ہے، بشرطیکہ وہ اس کا اظہار کرتا ہو، اگر اس کا اظہار نہ کرتا ہو تو اس کو زندقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس میں اس بات کو پیش رکھا جاتا ہے کہ وہ لفظ رسول اکرم ﷺ کے لیے گالی اور ایذا کا موجب ہو اگرچہ دوسروں کے لیے ایذا کا باعث نہ بھی ہو۔

بنا بریں جو لفظ غیر نبی کے لیے بولا جائے اور اس سے کسی طرح بھی تعزیر یا حد واجب ہوتی ہو تو وہ نبی کے لیے گالی کے ہم معنی ہے، جیسے قذف (بہتان طرازی،) لعنت وغیرہ الفاظ جن کے بارے میں قبل ازیں تنبیہ کی گئی ہے، باقی رہے وہ الفاظ جن کے ذریعے نبوت و رسالت پر جرح وقدح کی جاتی ہے تو اگر وہ صرف نبوت کی عدم تصدیق پر مشتمل ہوں تو وہ کفر محض ہیں، اور اگر ان سے عموم تصدیق کے علاوہ اہانت اور بے آبروئی کا پہلو بھی نکلتا ہو تو وہ "سبّ" (گالی) کہلاتے ہیں۔ اس باب میں کچھ اجتہادی مسائل بھی ہیں، جن کے بارے میں فقہائے کرام مذبذب ہیں کہ آیا وہ سبّ میں شامل ہیں یا ارتدادِ محض ہیں؟ پھر جن الفاظ کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ گالی نہیں ہیں اگر ان کا ارتکاب کرنے والا اُنھیں چھپاتا ہو تو وہ "زندیق" ہے، اس کا حکم وہی ہے جو زندیق کا ہوتا ہے، ورنہ وہ مرتد محض ہے، باقی رہا اس کے تمام انواع واقسام کا بیان اور ان کے درمیان فرق وامتیاز قائم کرنا تو یہ اس کے لیے مناسب موقع نہیں ہے۔

ذمی اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا قتل واجب ہو جاتا ہے

جہاں تک ذمی کا تعلق ہے تو اس کے کفر محض اور گالی دینے میں فرق و امتیاز روا رکھنا واجب ہے، اگر وہ رسول کریم ﷺ کی نبوت کو نہ مانے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی بالاتفاق اس کا خون

مباح ہوتا ہے، اس لیے کہ ہم نے اسی شرط پر ان کے ساتھ مصالحت کی ہے، البتہ اگر وہ رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور وہ واجب القتل ہو جاتا ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، قاضی ابویعلی فرماتے ہیں:

''عقدِ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول کریم کو جھٹلاتے ہوں، یہ ضروری نہیں کہ وہ آپ ﷺ کو گالیاں بھی دیتے ہوں۔''

جو مسلم رسول کریم ﷺ کو گالی دے وہ واجب القتل ہے:

ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ اس فرق کو مسلم کے بارے میں بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے کیونکہ ہم محض گالی دینے والی وجہ سے اُسے قتل کر دیتے ہیں، رسول کریم ﷺ کو گالی دینا حدود شرعیہ میں سے ایک حد ہے جو توبہ کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوتی، اگرچہ توبہ درست بھی ہو جب ہم اُسے زندیق یا محض مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کرتے ہیں تو اندریں صورت اس کے کفر محض اور جن انواع پر وہ مشتمل ہے، کچھ فرق نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے آثار و اقوال:

امام مالک، احمد بن حنبل اور دیگر فقہائے کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے، خواہ مسلم ہو یا معاہد، اُسے قتل کیا جائے، انھوں نے گالی کی مختلف اقسام میں کچھ فرق روا نہیں رکھا۔ نہ اس سے کچھ فرق پڑتا ہے کہ گالی ایک دفعہ دی جائے یا کئی مرتبہ، نیز یہ کہ علانیہ دی گئی ہو یا پوشیدہ طور سے۔ عدمِ اظہار کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے نہ دی گئی ہو، ورنہ حد تو اس وقت تک نہیں لائی جا سکتی جب تک دو مسلم اس امر کی شہادت نہ دیں کہ انھوں نے اُسے گالی دیتے سنا ہے یا وہ خود گالی دینے کا اقرار کرے، اظہار کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے گالی دے جبکہ وہ اس سے سن رہے ہوں، الا یہ کہ فرض کر لیا جائے کہ اس نے اپنے گھر میں جبکہ وہ تنہا تھا آپ ﷺ کو گالی دی اور قرب و جوار میں رہنے والے مسلمانوں نے اُسے سنا، یا یہ کہ مسلمانوں نے چوری چھپے اُسے گالی دیتے سنا، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تنقیصِ شان کرے، وہ مسلم ہو یا کافر، اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔''

اس طرح انھوں نے یہ تصریح کی کہ کافر کے رسول کریم ﷺ کو گالی دینے اور آپ ﷺ کی

توہین کرنے سے اس کو قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے، اس جرم کے ارتکاب سے مسلم کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے، ہمارے تمام اصحاب علی الاطلاق کہتے ہیں کہ ذمی رسول کریم ﷺ کو گالی دے کر واجب القتل ہو جاتا ہے۔

قاضی ابو یعلی، ابن عقیل اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ جو چیز ایمان کو باطل کر دے وہ امان کو بھی باطل کر دیتی ہے، بشرطیکہ ایمان کو باطل کرنے والی چیز کا اظہار کیا جائے، اس لیے اسلام ذمہ کا عہد کرنے کی نسبت زیادہ پختہ ہے جبکہ کلام کی بعض قسمیں ایسی ہیں جو اسلام کے عطا کردہ تحفظِ خون کو ناکارہ بنا دیتی ہیں تو ان کا ذمہ کے دیے ہوئے تحفظ کو رائیگاں کرنا بالاولیٰ ہے، جبکہ ان دونوں کے مابین ایک اور فرق بھی پایا جاتا ہے، اور وہ یہ کہ مسلم جب رسول کریم ﷺ کو گالی دے گا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول کے بارے میں سوء عقیدے کا شکار ہے، اسی لیے وہ کافر ہو جاتا ہے، اور ذمی کا عقیدہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے اور ہم نے اُسے اس کے عقیدے پر قائم رہنے دیا، اس پر جو گرفت کی جاتی ہے وہ اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ اس نے اپنی بدعقیدگی کو چھپایا اور اس کا اظہار نہیں کیا، اب دونوں (مسلم و ذمی) کے مابین جو فرق باقی رہا، وہ اظہار اور اضمار (پوشیدہ رکھنے) کا ہے۔

گالی کے اظہار و اضمار کا فرق و امتیاز:

ابن عقیل رقمطراز ہیں:

"جس طرح مسلم پر یہ گرفت کی گئی ہے کہ وہ (رسول کریم ﷺ کی رسالت کا) عقیدہ نہیں رکھتا، بعینہٖ ذمی پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ اس نے اپنے (سوء عقیدہ) کا اظہار نہیں کیا، پس اس کا اظہار اس کے اضمار کی مانند ہے، اور اس کے چھپانے سے اسلام کو نہ تو کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ اس میں کوئی نقص و عیب ہے، البتہ اس کے اظہار سے اسلام کو نقصان پہنچتا اور بٹہ لگتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن جرائم کو وہ مسلم کے حق میں چھپائے رکھتا ہے ان کی جستجو نہیں کی جاتی، اگر وہ ان کا اظہار کرتا تو ہم اس پر حد لگا دیتے۔"

قاضی اور ابن عقیل نے ہر اس کلام کے بارے میں اس قیاس کو رد کر دیا ہے جس سے ایمان کو نقصان پہنچتا ہے، مثلاً اللہ کے دو یا تین ہونے کا عقیدہ، جس طرح نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے وغیرہ، جو ذمی اپنے مذہب میں موجود شرک کا اظہار کرے گا اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، جیسے کہ اگر وہ ہمارے رسول کریم ﷺ کے بارے میں اپنے عقیدے کا اظہار کرے تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ قاضی ابو یعلی کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے، جیسا کہ حنبل رحمہ اللہ

نے اُن سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بھی ایسی چیز کا ذکر کرے جس سے اللہ کی توہین کا پہلو نکلتا ہو تو وہ واجب القتل ہے، وہ مسلم ہو یا کافر، اہل مدینہ کا مذہب یہی ہے، امام جعفر بن محمد فرماتے ہیں:

> ''ان سے ایک یہودی کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کا گزر ایک مؤذن کے پاس سے ہوا اور وہ اذان کہہ رہا تھا۔ یہودی نے مؤذن کو کہا کہ تُو نے جھوٹ بولا۔ ابو عبداللہ نے کہا کہ یہودی کو قتل کیا جائے کیونکہ اس نے گالی دی۔''

چنانچہ ابو عبداللہ نے مؤذن کو کلماتِ اذان کے بارے میں جھٹلانے والے کو قتل کا فتویٰ دیا اور اذان کے کلمات ''الله أكبر'' یا ''أشهد أن لا إله إلا الله'' یا ''أشهد أن محمدا رسول الله'' ہیں، خلال اور قاضی نے ان (کلمات کا) تذکرہ اللہ کو گالی دینے کے بارے میں کیا ہے، اس لیے کہ اس نے مؤذن کو ان کلمات کے بارے میں جھٹلایا جو اللہ تعالیٰ سے متعلق تھے۔ صحیح تر بات یہ ہے کہ اس کی یہ تکذیب عام ہے، خواہ اللہ سے متعلق ہو یا اس کے رسول کے ساتھ، بلکہ اس کو عموم پر محمول کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ یہودی ''لا إله إلا الله'' اور ''الله أكبر'' کہنے والے کو نہیں جھٹلاتا، بخلاف ازیں وہ ''أن محمدا رسول الله'' کہنے والے کی تکذیب کرتا ہے، تمام مالکیہ کا یہی قول ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر گالی دینے والے کو قتل کیا جائے، قطعِ نظر اس سے کہ وہ اسے حلال سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو، اس لیے کہ اگرچہ وہ اسے حلال سمجھتے ہیں، مگر ہم نے اُن کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس کا مطلب ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ اس کا اظہار و اعلان کریں گے، جس طرح اسلام گالی دینے والے کو تحفظ نہیں دے سکتا، اسی طرح ذمہ بھی اس کی حفاظت نہیں کر سکتا، یہ ابو مصعب اور اہل مدینہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔

ابو مصعب نے ایک عیسائی کے بارے میں کہا، جس نے کہا تھا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو محمد (ﷺ) پر فضیلت دی کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے، مگر میں نے اُسے مار مار کر قتل کر دیا یا وہ ایک رات اور دن زندہ رہا۔ میں نے ایک آدمی کو حکم دیا جس نے ٹانگ پکڑ کر اُسے کھینچا اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا اور کتے اُسے کھا گئے، ایک عیسائی نے کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ ابو مصعب نے کہا کہ اسے قتل کیا جائے، اُندلس کے علمائے سلف نے ایک عورت کے قتل کا فتویٰ دیا جس نے چلا کر رب کی نفی کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔

ابن قاسم دشنام دہندہ کے بارے میں، جو کہے کہ آپ ﷺ نبی نہیں ہیں یا یہ کہ آپ ﷺ رسول نہیں ہیں اور آپ ﷺ پر قرآن نازل نہیں کیا گیا بلکہ آپ ﷺ یونہی کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ

اُسے قتل کیا جائے اور اگر کہے کہ محمد کو ہماری طرف مبعوث نہیں کیا گیا، ہمارے نبی تو موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام ہیں و مثل ایں تو اُسے کوئی سزا نہ دی جائے، اس لیے کہ اللہ نے ان عقائد سمیت ان کو ہمارے یہاں ٹھہرنے کی اجازت دی ہے۔

ابن قاسم کہتے ہیں اگر نصرانی کہے کہ ہمارا دین تمھارے دین سے بہتر ہے، تمھارا دین تو گدھوں کا دین ہے اور اس قسم کے بیہودہ جملے کہے یا مؤذن کی زبان سے "أشهد أن محمدا رسول الله" سن کر کہے کہ اللہ تمھیں اسی طرح نصیحت کرتا ہے تو اُسے دردناک سزا دی جائے اور طویل عرصے کے لیے قید کیا جائے، یہ محمد بن سحنون کا قول ہے، اس کو انھوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے۔ اُن کا ایک دوسرا قول بھی ہے اس بارے میں جبکہ وہ آپ ﷺ کو اس طریقہ سے گالی دے جس کی بنا پر علماء اس کو کافر کہتے ہیں کہ اُسے قتل نہ کیا جائے۔

علاوہ ازیں سحنون نے ابن قاسم سے اس شخص کے بارے میں نقل کیا ہے جو یہود و نصاریٰ میں سے ہو اور انبیاء کو اس طریقہ سے گالی دے جس کی بنا پر علماء اُسے کافر قرار دیتے ہیں کہ اُسے قتل کیا جائے، اِلّا یہ کہ وہ اسلام قبول کرے۔

سحنون اس یہودی کے بارے میں کہتے ہیں جو مؤذن سے کہے جبکہ وہ کلمہ شہادت ادا کر رہا ہو کہ تُو نے جھوٹ کہا تو اُسے دردناک سزا دی جائے اور طویل عرصہ کے لیے اُسے قید کیا جائے اس قسم کے مسئلے کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کی تصریح گزر چکی ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ یہ گالی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے اس گالی کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اُسے قتل کیا جاتا ہے۔ اگر ہم اس کو تسلیم کر لیں تو اس میں دو وجوہ ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کو علانیہ گالی دینے اور ہمارے دین کو ہدفِ تنقید بنانے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے، اگرچہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اس کو درست خیال کرتے ہوں، ان میں سے اکثر کا قول یہی ہے۔

۲۔ اگر وہ اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق یہ کہیں کہ آپ ﷺ رسول نہیں اور قرآن اللہ کا کلام نہیں تو وہ اسی طرح ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تثلیث کے بارے میں اپنے عقائد کا اظہار کریں، وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اس سے عہد نہیں ٹوٹتا، البتہ اس عقیدے کے اظہار پر اُن پر تعزیر لگائی جائے گی، اگر وہ ایسی بات کریں جو اُن کے دینی عقائد میں مذکورہ نہ ہو، مثلاً آپ ﷺ کے حسب و

نسب پر طعن کرنا تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے، صیدلانی اور ابو المعالی وغیرہما نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

ان لوگوں کی دلیل جو ان کے مذہبی عقائد میں اور جو اُن کے مذہبی عقائد نہ ہوں، ان میں تفریق کرتے ہیں، جیسا کہ مالکیہ اور بعض شافعیہ کا موقف ہے، یہ ہے کہ ان کو دارالاسلام میں اسی شرط کے ساتھ ٹھہرایا گیا تھا جبکہ وہ اس کا اظہار کریں، مثلاً ان تمام منکرات کا اظہار کریں جو ان کے مذاہب میں حلال ہیں، جیسے شراب، خنزیر، صلیب اور اپنی مذہبی کتاب کو بآواز بلند پڑھنا تو اس پر اُنھیں عبرتناک سزا دی جائے گی جو قتل سے کم درجہ کی ہوگی۔

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ اُن کا رسول کے بارے میں اپنے عقائد کا اظہار کرنا، اللہ کے بارے میں اپنے عقائد کے اظہار کرنے سے بڑی بات نہیں ہے، اور یہ لوگ جانتے ہیں کہ ان کے عقائد کے اظہار سے اُن کو قتل کرنا واجب نہیں ہوتا، اور یہ بات نہایت بعید ہے کہ ان کے اپنے عقائد کے اظہار سے ان کا عہد ٹوٹ جائے جبکہ یہ بات شرائط میں مذکور نہ ہو۔

یہ اس صورت کے برخلاف ہے جبکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور یہ بات اُن کے دینی عقائد سے ہم آہنگ نہ ہو، اس لیے کہ ہم نے ان کو اپنے ملک میں رہنے کی ظاہراً و باطناً اس شرط پر اجازت نہیں دی اور یہ ان کے دین کا لازمی عنصر نہیں ہے، گویا یہ اسی طرح ہے جیسے زنا، سرقہ اور رہزنی۔ یہ قول کوفیوں کے قول سے ملتا جلتا ہے۔

جو لوگ اس راہ پر گامزن ہیں ان کا گمان یہ ہے کہ یہ بات کہہ کر وہ ان کے سوال سے چھوٹ گئے مگر یہ بات اس طرح نہیں جیسے ان کا عقیدہ ہے، اس لیے کہ ہم نے قطع نظر اس کے کہ وہ ان کے دینی عقائد کے ساتھ ہم آہنگ ہو یا نہ ہو، نیز یہ کہ گالی علی الاطلاق قتل کی موجب ہے، جو شخص ایک ایک کر کے ہر دلیل پر غور کرے گا اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہے گی کہ یہ تمام الفاظ و کلمات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ گالی ہیں، خواہ یہ ان کے مذہبی عقائد کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

ان کلمات میں سے بعض وہ ہیں جو صراحتاً اس گالی میں شامل ہیں جو ان کے دینی عقائد کے مطابق تھی بلکہ اکثر الفاظ اسی قسم کے ہیں، اس لیے کہ اکثر کفار جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجوگوئی کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خون کو ھدر قرار دیا تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اس انداز سے کرتے تھے جو اُن کے دینی عقائد سے میل کھاتی تھی، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کذب و سحر کی طرف منسوب کرنا، آپ اور آپ کے

اتباع کے دین کی مذمت کرنا اور لوگوں کو آپ ﷺ سے نفرت دلانا وغیر ذلک۔ جہاں تک آپ کے حسب ونسب، آپ کے جسم و اخلاق یا امان و وفا یا دعویٰ رسالت کے علاوہ دیگر امور میں صداقت شعاری کا تعلق ہے ان کے ساتھ کوئی شخص بھی تعرض نہیں کرتا تھا، ان میں اس کی استطاعت بھی نہیں تھی اور مسلم ہو یا کافر اس کو کوئی شخص بھی ماننے کے لیے تیار نہ تھا، اس لیے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے، قبل ازیں ہم اس پر روشنی ڈال چکے ہیں، لہٰذا اس کے اعادے کی حاجت نہیں۔

عقیدے کے مطابق و غیر مطابق میں فرق و امتیاز کی تردید:

ہم کہتے ہیں کہ یہ فرق و امتیاز بوجوہ باطل ہے:

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر ذمی رسول کریم ﷺ پر لعنت کرے، آپ کی مذمت کرے، آپ پر اللہ کی ناراضگی، جہنم، عذاب اور ایسی چیزوں کی بد دعا مانگے، اس کے بارے میں اگر کہا جائے کہ یہ وہ گالی نہیں جس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے تو یہ قول مردود اور بیہودہ ہوگا، اس لیے کہ جو شخص کسی پر لعنت کرے اس کی مذمت کرے تو اس کی گالی کی کوئی انتہا باقی نہیں رہتی۔ صحیح بخاری و مسلم میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی مانند ہے۔''[1] ظاہر ہے کہ یہ چیز آپ ﷺ کے اخلاق و امانت اور وفاداری پر طعن کرنے سے بھی شدید تر ہے، اگر کہا جائے کہ یہ گالی ہے تو ظاہر ہے کہ بعض کفار اس کو دین تصور کرتے ہیں، اُن کا خیال ہے کہ یہ تقرب خداوندی کا ذریعہ ہے، جس طرح مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی پر لعنت کر کے ایک مسلم خدا کا قرب حاصل کرتا ہے۔

دوسری وجہ: اگر سابق الذکر فرق کو تسلیم کیا جائے اور وہ رسول کریم ﷺ کو ایسی گالی دے جس کو وہ دین نہ سمجھتا ہو، مثلاً آپ ﷺ کے نسب، جسم و اخلاق اور اس قسم کی کسی چیز پر طعن کرے تو اس کا عہد کیسے ٹوٹے گا اور وہ مباح الدم کیسے ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اُسے اس شرط پر ٹھہرایا گیا ہے جو اس سے بھی عظیم تر ہے، مثلاً آپ ﷺ کے دین پر طعن کرنا جو آپ ﷺ کے نسب پر طعن کرنے سے بھی بڑی بات ہے، اپنے رب کے ساتھ کفر کرنا جو سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے اور یہ کہہ کر اللہ کو گالی دینا کہ اس کی بیوی اور بچے ہیں، نیز یہ کہ وہ تین میں سے تیسرا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ دینی

[1] صحیح البخاري، رقم الحديث (٦٠٤٧) صحیح مسلم، رقم الحديث (١١٠) ولفظ البخاري: "ومن لعن مؤمناً فهو كقاتله"

لحاظ سے اس طرح اُمت کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا کہ اس گالی کا اظہار کرے جس کی صحت کا وہ اعتقاد نہ رکھتا ہو، ورنہ کفر کا اظہار کر کے انھیں اس سے زیادہ نقصان پہنچے گا۔

جب اُسے دونوں میں سے اس گالی پر ٹھہرنے کی اجازت دی گئی جو زیادہ ضرر رساں ہے تو دونوں میں سے کم ضرر والی گالی پر ٹھہرانا اولیٰ ہے، البتہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ جب وہ آپ ﷺ کے نسب اور اخلاق پر طعن کرے گا تو وہ ہمارے سامنے اس بات کا اقرار کرے گا کہ وہ جھوٹا ہے یا یہ کہ اس کے ہم مذہب اس کو گنہگار اور جھوٹا سمجھتے ہیں۔

برخلاف اس گالی کے جس کو وہ دین سمجھتا ہے کہ اس کے بارے میں وہ خود اور اس کے ہم مذہب یک زبان ہیں کہ وہ اس میں جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس نے ایسی بات کہی جس کے ذریعے وہ ان کے نزدیک اور ہمارے نزدیک گنہگار رہوا مگر یہ بات اس کے حق میں کہی جائے گی جس کا اُن کے ہاں کوئی احترام نہیں بلکہ اس کی مثال اس کے نزدیک یوں ہے جیسے کوئی شخص مسیلمہ یا اسود عنسی پر بہتان لگائے اور اُسے اس بات کی طرف منسوب کرے کہ وہ سیاہ فام اور مدعی نبوت تھا یا یوں کہے کہ وہ چوری کرتا تھا اور اس کی قوم کے لوگ اس کو کچھ اہمیت نہ دیتے تھے اور اسی طرح، جیسے بلا وجہ اس کی بے آبروئی کرنا وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ اس سے قتل واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی کوڑے لگائے جاتے ہیں، اس لیے کہ ناموس وآبرو خون کے تابع ہے، جس کا خون محفوظ نہ ہو اس کی عزت بھی محفوظ نہیں ہوتی، اگر گالی دینے سے ذمی کا قتل واجب نہ ہو اس لیے کہ اس نے ہمارے دین کو تنقید کی آماجگاہ بنایا تو کسی گالی سے اس کا قتل واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس کی چنداں اہمیت نہیں۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ مسلم کو اس وقت قتل کیا جاتا ہے جب آپ ﷺ پر بہتان وغیرہ لگاتا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کے نسب پر تنقید آپ ﷺ کی نبوت پر جرح کرنے کے مترادف ہے، جب ہم نبوت پر جرح کرنے کی بنا پر ذمی کو قتل نہیں کرتے تو نبوت کے علاوہ دوسرے امور پر جرح کرنے سے ہم اُسے کیسے قتل کر سکتے ہیں؟ اس لیے کہ وسائل مقاصد سے ضعیف تر ہوتے ہیں۔

اس بحث پر جب ایک محققانہ نگاہ ڈالی جائے گی تو مخالفت کرنے والا دونوں باتوں میں سے ایک کو ماننے پر مجبور ہوگا، یا تو وہ ان ارباب بصیرت کی بات مانے گا کہ عہد گالی دینے سے نہیں ٹوٹتا یا

اندھی تقلید کرتے ہوئے کہے گا کہ عہد ہر قسم کی گالی سے ٹوٹ جاتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ نقضِ عہد اور خون کی اباحت کے سلسلے میں ایک گالی اور دوسری گالی میں فرق کرنا تو یہ بات نہیں، اگر مختلف قسم کی گالیوں میں تفریق کی جائے تو اس سے نقض عہد اور وجوب قتل بالکل لازم نہیں آئے گا اور جو شخص صرف اسی کی وجہ سے وجوبِ قتل کا مدعی ہو تو وہ اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے گا۔

تیسری وجہ: جس چیز کو وہ اپنا دین سمجھتے ہیں جب اس کے اظہار پر ہم اُنھیں قتل نہیں کر سکتے تو ہمارے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ کسی مسلم کو گالی دینے کی وجہ سے ہم اُسے قتل کر سکیں کیونکہ ان میں سے جو کوئی بھی اس قسم کی بات کا اظہار کرے گا اس کے لیے یہ کہنا ممکن ہوگا کہ میں اس کا معتقد ہوں، اور یہ میرا ایمان ہے، اگرچہ وہ نسب پر طعن ہو، جس طرح وہ اپنے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ پر جرح و قدح کرتے ہیں، قرآن میں فرمایا کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم لگاتے ہیں، نیز یہ کہ ان کے مابین بعض گالیوں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ ان کے نزدیک صحیح ہیں یا غلط؟

وہ ایک گمراہ قوم ہیں، اس لیے وہ ایسا بہتان اور ضلالت نہیں لانا چاہتے جس کو دلوں سے کوئی رد نہ کر سکتا ہو، وہ کسی چیز کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے اور اُسے کر ڈالتے ہیں۔ اندریں صورت انھیں قتل نہیں کیا جاتا، جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ اُسے اپنا دینی عقیدہ نہیں سمجھتے۔ بس اتنی سی بات اُن میں محل نزاع ہے، اس کا پتہ انھی کی طرف سے معلوم ہوتا ہے اور اُن میں سے بعض کا قول دوسروں کے بارے میں قابلِ قبول نہیں ہے، ہم اگرچہ ان کے اکثر عقائد سے آگاہ ہیں مگر ان کے سینوں میں جو کچھ ہے وہ بہت بڑا ہے، ایسے لوگوں سے کفر اور بدعت کا ظہور و صدور کچھ عجب بات نہیں ہے۔ اس فرق کا نتیجہ یہ ہے کہ اہل الرائے کا قول یہی ہے اور ان کی دلیل یہی ہے جو انھوں نے نقل کی، قبل ازیں ہم اس کا جواب دے چکے ہیں، ہم نے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ اپنے مذہب کو چھپا کر رکھیں گے، نہ یہ کہ اپنے باطل اقوال کا اظہار کریں گے اور علانیہ ہمارے دین کو ہدف طعن و ملامت بنائیں گے، اگرچہ وہ اسے حلال تصور کرتے ہیں۔

انھوں نے ہمارے ساتھ اس کو ترک کرنے پر جو معاہدہ کیا تھا اس کی بنا پر وہ ان کے دین میں بھی اُن پر حرام ٹھہرا، جس طرح انھوں نے ہمارے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ ہمارے خون اور مال سے تعرض

نہیں کریں گے، ہم ذکر کر چکے ہیں کہ دارالاسلام میں علانیہ کلمۂ کفر کا اظہار اسی طرح ہے جس طرح کھلم کھلا کسی پر تلوار چلائی جائے بلکہ اس سے بھی شدید تر۔ علاوہ بریں کفر میں گالی کی نسبت زیادہ عموم پایا جاتا ہے، بعض اوقات ایک آدمی کافر ہوتا ہے مگر وہ گالی نہیں دیتا، اس مسئلے میں یہی حکمت و مصلحت پائی جاتی ہے، اس لیے ہم اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے، چنانچہ ہم کہتے ہیں:

گالی کی اقسام اور ہر ایک کا حکم

رسول کریم کو گالی دینے کی مثال اور اس کا طریقہ:

اگر چہ اس کا ذکر و بیان قلب ولسان پر گراں گزرتا ہے اور اس کو زیر بحث لانا ہمارے لیے بہت دشوار ہے، چونکہ اس کا شرعی حکم بیان کرنے کے لیے ہم اس پر گفتگو کرنے کے محتاج ہیں، اس لیے ہم علی الاطلاق بلا تعیین گالی کے دو اقسام بیان کریں گے، فقیہ حسبِ ضرورت اس میں سے اپنے کام کی چیزیں لے لے گا۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ گالی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ دعا ۲۔ خبر۔

۱۔ دعا:

دعا کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے حق میں کہے: اس پر اللہ لعنت کرے گا، خدا اس کا برا کرے، اللہ اُسے رسوا کرے، اللہ اس پر رحم نہ کرے، خدا اُس سے راضی نہ ہو، اللہ اس کی جڑ اکھیڑ دے، یہ کلمات اور ان کے نظائر و امثال انبیاء اور دوسرے لوگوں کے لیے گالی کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر کسی نبی کے بارے میں کہے کہ اللہ اس پر درود وسلام نہ بھیجے، اللہ اس کا ذکر بلند نہ کرے، اللہ اس کا نام مٹا دے اور اس طرح کے الفاظ بد دعا کے طور پر استعمال کرے جو اس کے لیے دین و دنیا اور آخرت میں ضرر رسانی کا موجب ہوں تو یہ بھی گالی ہے۔

مذکورہ صدر تمام کلمات جب مسلم یا معاہد سے صادر ہوں تو یہ گالی کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر دشنام دہندہ مسلم ہو تو اس کے عوض اُسے بہر کیف قتل کیا جائے، اور اگر ذمی ہو اور علانیہ طور پر وہ گالی دے تو اُسے قتل کیا جائے، اگر نبی کریم ﷺ کے حق میں ظاہراً دعا دے اور بباطن بد دعا دے اور اس کے لب و لہجے سے بعض لوگ سمجھ لیں (کہ یہ بد دعا ہے) اور بعض نہ سمجھیں، مثلاً "السام علیکم" (تمھیں موت آئے) سلام کی بجائے کہے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ سلام کہتا ہے تو اس کے بارے میں دو قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ گالی ہے اور اس کے عوض اُسے قتل کیا جائے۔ جب یہودیوں نے آپ ﷺ کو اس قسم کا سلام کہا تھا اور آپ ﷺ نے انھیں معاف کر دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام اس وقت کمزور تھا، آپ کو اس وقت انھیں معاف کرنے اور ان کی ایذا پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا، یہ مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے ایک گروہ کا موقف ہے، مثلاً قاضی عبدالوہاب، قاضی ابو یعلی، ابو اسحاق شیرازی، ابو الوفاء بن عقیل وغیرہم۔ جن لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ یہ گالی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ معاہد ہیں مگر یہ قول اس لیے ساقط الاعتبار ہے کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ مدینے کے یہودی معاہد تھے، دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ رسول کریم ﷺ کا حق تھا اور آپ ﷺ انھیں معاف کر سکتے تھے مگر آپ ﷺ کے بعد کسی کو معاف کرنے اختیار نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ گالی نہیں جس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ یہ گالی انھوں نے علانیہ اور جہراً نہیں دی بلکہ ظاہری لفظوں میں اور اپنی حالت سے سلام کا اظہار کیا۔ ''السلام'' کے لفظ سے پوشیدہ طور پر لام کو حذف کر دیا جس کو بعض سامعین بھانپ جاتے ہیں مگر اکثر لوگوں کو پتہ نہیں چلتا، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''یہودی جب سلام کہتے ہیں تو وہ ''السام علیکم'' کہتے ہیں، تم اس کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہہ دیا کرو۔''[1]

رسول کریم ﷺ نے اس کو شریعت کا جزو بنا دیا جو آپ ﷺ کی زندگی میں بھی قائم رہا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی یہاں تک کہ یہ سنت قرار پائی کہ ذمی اگر سلام کہے تو اُسے ''وعلیکم'' کہا جائے، ایک یہودی نے جب سلام کہا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس نے کیا کہا؟ اُس نے کہا ہے: ''السام علیکم'' (تمھیں موت آئے)''[2] اگر یہ گالی ہوتی تو یہودی سے یہ بات سنتے ہی اُسے سزا دی جاتی اگرچہ کوڑے ہی مارے جاتے، جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم پر ان کا مواخذہ جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ وَإِذَا جَآءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُولُونَ فِيٓ أَنفُسِهِمْ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٥٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٧٨٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٥٨)

﴿لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ [المجادلة: ۸]

''اور جب تمھارے پاس آتے ہیں تو جس (کلمے) سے خدا نے تم کو دعا نہیں دی اس سے تمھیں دعا دیتے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ (اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا۔ اے پیغمبر! ان کو دوزخ (ہی کی سزا) کافی ہے، یہ اسی میں داخل ہوں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔''

اخروی عذاب کو کافی قرار دینا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے لیے دنیا میں کوئی عذاب مقرر نہیں ہے، اگر اس ضمن میں اُن سے تصدیق چاہی جاتی تو وہ کہتے کہ ہم نے تو ''السلام'' کہا تھا مگر تم سے سننے میں غلطی ہوئی، تم ہم پر جھوٹ باندھتے ہو، وہ اس میں منافقوں کی طرح تھے جو اسلام کا اظہار کرتے تھے مگر ان کے لب ولہجہ اور چہروں سے (اصلی حقیقت) کا پتہ چل جاتا، ظاہر ہے کہ لب ولہجہ اور چہرے کی ساخت کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دی جا سکتی، اس لیے کہ سزا کے موجبات کا اس طرح ظاہر ہونا ضروری ہے کہ سب لوگ اسی میں شریک ہوں۔

اتنا سا جرم اگر مسلم سے صادر ہو تو وہ بلاشبہ کفر ہے، اگر ذمی علانیہ اسی طرح کہے تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، اس کو بایں طور پیش کرنا حد درجے کا اخفا ہے ہم ان کے پوشیدہ طور پر گالی دینے پر ان کو سزا نہیں دیتے۔ یہ علمائے متقدمین کے کئی گروہوں نیز ہمارے اصحاب اور مالکیہ وغیرہ کا زاویۂ نگاہ ہے، وہ لوگ بھی اس قول کو جائز خیال کرتے ہیں، جن کا خیال ہے کہ یہ موت کی دعا ہے کیونکہ ''السام'' کے بارے میں صحیح تر قول یہ ہے کہ موت کو کہتے ہیں، اس کے دوسرے معنی بیزاری اور قلق و اضطراب کے ہیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ مخلوقات کی موت کا ایک وقت مقدر ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ایذا کی طرف اشارہ ہے اور یہ گالی نہیں مگر یہ قول ضعیف ہے، اس لیے کہ اہل ایمان اور رسول کے لیے موت اور ترکِ دین کی بد دعا بدترین گالی ہے، جس طرح زندگی، صحت و عافیت اور دین پر ثابت قدمی کی دعا بہت بڑی عزت افزائی ہے۔

۲۔ خبر:

ہر وہ کلمہ جس کو لوگ گالی گلوچ یا تنقیصِ شان پر محمول کرتے ہوں اس کے ارتکاب سے قتل

واجب ہوجاتا ہے، اس لیے کہ کفر گالی کو مستلزم نہیں ہے، گاہے آدمی کافر تو ہوتا ہے مگر دشنام دہندہ نہیں ہوتا، لوگ عام طور سے اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ بعض اوقات ایک آدمی دوسرے سے عداوت رکھتا ہے، اس کے بارے میں بہت بُرا عقیدہ رکھتا ہے، تاہم اُسے گالی نہیں دیتا، بعض اوقات اس میں گالی کو بھی شامل کیا جاتا ہے، اگرچہ گالی معتقد کے عقیدے کے مطابق ہوتی ہے، چنانچہ یہ بات ضروری نہیں کہ جو چیز عقیدہ نہیں بن سکتی ہو وہ قول کی صورت بھی اختیار کرسکتی ہو، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ جو بات سراً کہی جاسکے وہ جہراً بھی کہی جاسکتی ہو، ایک ہی کلمہ ایک حالت میں گالی ہوتا ہے اور دوسری حالت میں گالی نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ اس میں اقوال و احوال کے اختلاف سے تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے، چونکہ گالی کے لیے لغت و شرع میں کوئی حد مقرر نہیں ہے لہٰذا اِس کے بارے میں لوگوں کے رسم و رواج پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ عرف عام میں جو لفظ نبی کو گالی دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم و علماء کے قول کو بھی اسی پر محمول کرنا چاہیے، ورنہ نہیں۔

چنانچہ ہم اس کی قسمیں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں شبہ نہیں کہ کسی کی تنقیص شان اور توہین مسلمانوں کے نزدیک گالی تصور کی جاتی ہے، مثلاً کسی کو گدھا یا کتا کہہ کر پکارنا یا اس کو فقر و فاقہ، ذلت اور رسوائی سے موصوف کرنا یا یہ خبر دینا کہ وہ عذاب میں ہے، نیز یہ کہ اس پر تمام لوگوں کے گناہ ہیں، و مثل ایں، اسی طرح طعن کے طور پر اظہارِ تکذیب یا اس کو ساحر، دھوکہ باز اور حیلہ گر کہہ کر پکارنا یا یوں کہنا کہ جو شخص اس کی پیروی کرے وہ اس کو نقصان پہنچاتا ہے یا یہ کہ جو کچھ وہ لایا ہے سب کذب و دروغ ہے، اگر اس ضمن میں اشعار کہے تو یہ بدترین قسم کی گالی ہے، اس لیے کہ اشعار کو بہ سہولت یاد کیا جاتا اور آگے تک پہنچایا جاتا ہے اور یہ ہجو ہے، اکثر اوقات اشعار بہت سے لوگوں پر یہ جانتے ہوئے اثر انداز ہوتے ہیں کہ یہ باطل ہے، اس کا اثر براہین و دلائل سے بھی زیادہ ہوتا ہے اگر لوگوں کی ایک جماعت میں ان اشعار کو گا کر سنایا تو اُن کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔

اگر کوئی شخص کسی پر طعن کیے بغیر اپنے عقائد کا اظہار کرے، مثلاً کہے کہ میں اس کی پیروی یا تصدیق نہیں کروں گا یا یہ کہ میں اُسے نہ چاہتا ہوں نہ اُس کے دین کو پسند کرتا ہوں و مثل ایں۔ ان الفاظ میں اس نے اپنے عقیدے اور ارادے کا اظہار کیا ہے، جو اس کی تنقیص پر مشتمل نہیں ہیں، اس لیے کہ عدم تصدیق و محبت جس قدر جہالت، عناد، حسد، کبر، تقلید اور کسی دین کے ساتھ مانوس ہونے پر مبنی ہوتا ہے اس قدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو جاننے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

برخلاف اس صورت کے جبکہ کہے کہ وہ کون تھا؟ یا کون ہے؟ اُس نے ایسا ایسا دیکھا ہے وغیرہ وغیرہ، یہ صورت کذب کی طرف منسوب کرنے کی ہے اور وہ مثل

ایں، جب کہے کہ وہ رسول تھا نہ نبی اور اس پر کچھ بھی نازل نہیں ہوا وغیرہ تو یہ صریح تکذیب ہے اور ہر تکذیب کو کِذب کی طرف منسوب کر سکتے اور اس کے قائل کو کذاب قرار دے سکتے ہیں، مگر یوں کہنے میں کہ وہ نبی نہیں، اور یوں کہنا کہ وہ کذاب ہے، بڑا فرق ہے، اس لیے کہ یہ تکذیب پر اس لیے مشتمل ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور جو شخص کسی کی بعض صفات کی نفی کرے تو اس سے تمام صفات کی نفی لازم نہیں آتی، مثلاً کوئی شخص کسی سے بعض صفات کی نفی کرے اور اس کے دعوے کو جھوٹ قرار دے، مزید برآں ایک ہی معنی کو مختلف الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے، اُن میں سے بعض اسلوب گالی ہوتے ہیں اور بعض گالی نہیں ہوتے۔

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ جو شخص مؤذن سے کہے: تُو نے جھوٹ بولا ہے تو وہ دشنام دہندہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا یوں آغاز کرنا اور با آواز بلند مؤذن کا یوں کہنا، جبکہ مسلمان سن رہے ہوں اور وہ ان کے دین کو ہدفِ طعن بنا رہا ہو اور وہ ملت اسلامیہ کو جھٹلا رہا ہو جبکہ مسلمان توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں، یہ سب فقرات بلاشبہ گالی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حدیث قدسی:

اگر معترض کہے کہ حدیث قدسی میں ہے:

> ''ابن آدم نے مجھے گالی دی، حالانکہ اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، آدم کے بیٹے نے مجھے جھٹلایا جبکہ اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، اس نے یہ کہہ کر مجھے گالی دی کہ میرا بیٹا ہے اور یہ کہہ کر مجھے جھٹلایا کہ میں نے جس طرح شروع میں اُسے پیدا کیا تھا دوبارہ اُسے زندہ نہیں کر سکوں گا۔'' [1]

اس طرح تکذیب اور گالی دینے میں فرق ہے۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ وہ مجھے دوبارہ زندہ نہیں کر سکے گا جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا تھا، یہودی کے قول سے مختلف ہے، جبکہ اُس نے مؤذن سے کہا: تُو نے جھوٹ کہا۔

اس کے دو وجوہ ہیں:

وجہ اول: پہلی وجہ یہ ہے کہ اس نے صراحتاً جھوٹ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی، ہم نے یہ بات نہیں

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٧٥)

کہی کہ ہر تکذیب گالی ہوتی ہے، اگر اس طرح کہا جائے تو اس سے ہر کافر کا دشنام دہندہ ہونا لازم آتا ہے، یہ بات جو کہی گئی ہے کہ داعی حق کے مقابلے میں علانیہ کہنا کہ تُو نے جھوٹ کہا، پوری اُمت کے لیے گالی، نبوت کے اعتقاد میں خلل اندازی اور نبوت کو گالی دینا ہے، جیسا کہ وہ لوگ جنھوں نے رسول کریم ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی اس لیے ہجو کہی کہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کی اطاعت کی، رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے تھے، مثلاً بنت مروان، کعب بن زہیر وغیرہ کے اشعار۔ باقی رہا کافر کا یہ کہنا کہ "جس طرح اس نے مجھے شروع میں پیدا کیا تھا اس کا اعادہ نہیں کرسکتا" تو یہ اللہ کی دی ہوئی خبر کی نفی ہے، جیسے کہ باقی انواع واقسام ہیں۔

وجہ ثانی: کافر، جو زندہ ہوکر اُٹھنے کی تکذیب کرتا ہے، یہ نہیں کہتا کہ اللہ نے خبر دی ہے کہ وہ مجھے دوبارہ زندگی عطا کرے گا، وہ یہ بھی نہیں کہتا کہ یہ کلام اللہ کو جھٹلانے پر مبنی ہے، اگرچہ وہ تکذیب ہو، برخلاف اس شخص کے جو رسول سے یا رسول کی تصدیق کرنے والے سے کہتا ہے کہ تُو نے جھوٹ کہا، ایسا شخص اقرار کرتا ہے کہ یہ اس شخص کے لیے جس کی تکذیب کی گئی عیب ونقص کا موجب ہے، یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ جن کلمات کا تذکرہ پہلے مسئلے میں کیا گیا مثلاً نظم وغیرہ اور جن کلمات کو رسول کریم ﷺ نے گالی میں شمار کیا اور اُس کے قائل کو دشنام دہندوں میں شمار کیا وہ سب گالی کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی طرح وہ کلمات جو اس ضمن میں استعمال ہوتے ہیں ان کا ذکر پہلے ہوچکا ہے، اور ایک ایک کلمے کا ذکر و بیان غیر محدود اور شمار سے باہر ہے۔

مذکورہ صدر بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس لفظ کو لوگ گالی سمجھتے ہوں وہ گالی شمار ہوتا ہے، بعض اوقات اس میں احوال، اصطلاحات، عادات اور کیفیتِ کلام کے بدل جانے سے اختلاف بھی رونما ہوتا ہے اور جس لفظ کے گالی ہونے یا نہ ہونے میں شبہ ہو اس کو اس کے نظائر و امثال کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ أعلم

ذمی کے گالی سے توبہ کرنے کا شرعی حکم

ذمی کو ہر گالی جس سے اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا قتل واجب ہو جاتا ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، جیسا کہ پیچھے گزرا، ہمارے اصحاب میں سے اکثر اہل علم اور دوسرے علماء کا یہی موقف

ہے۔قبل ازیں ہم شیخ ابو محمد مقدسی کا زاویہ نگاہ ذکر کر چکے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''ذمی اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دینے کے بعد مسلمان ہوجائے تو قتل اس سے ساقط ہوجاتا ہے اور اگر ذمی پہلے رسول کریم ﷺ پر بہتان لگائے اور پھر اسلام لائے تو اس سے قتل کے سقوط میں دو روایتیں ہیں۔''

شیخ کے سابق الذکر قول کو اس بات پر محمول کرنا چاہیے کہ اگر ذمی آپ ﷺ کو ایسی گالی نکالے جو اس کے مذہبی عقیدے کے مطابق ہو تو اس کے اسلام لانے سے قتل اس سے ساقط ہوجائے گا، مثلاً لعنت کرنا، مذمت کرنا وغیرہ، اور اگر گالی اس کے مذہبی عقیدے سے ہم رنگ نہ ہو، جیسے بہتان لگانا تو قتل اس سے ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ جو عقیدہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتا ہے وہ خالص کفر ہے، اسلام لانے کے ساتھ اس کی حد باطناً ساقط ہوچکی ہے، پس اس کا ظاہراً ساقط ہونا واجب ہے، کیونکہ اصل کے ساقط ہونے سے، جو کہ اُس کا اصلی عقیدہ ہے، اس کی فروع بھی ساقط ہوجاتی ہیں مگر جو اس کے عقیدے کے مطابق نہیں وہ بہتان ہے اور اُسے خود بھی معلوم ہے کہ یہ بہتان ہے، لہٰذا یہ دیگر حقوق العباد کے مطابق ہے۔

اور اگر کلام کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس ضمن میں صرف بہتان طرازی کو گالی کے تمام اقسام میں سے مستثنیٰ کیا جائے گا، اس کی توجیہ یوں ممکن ہے کہ چونکہ دوسرے پر بہتان لگانا شدید جرم ہے اس لیے اس کا ارتکاب کرنے والے کو اسّی کوڑے مارے جاتے ہیں، برخلاف دوسری قسم کی گالیوں کے کہ اس کی سزا تعزیر ہے جو حاکم کی صوابدید کے مطابق لگائی جاتی ہے، اس طرح اس کے اور قذف کے درمیان فرق کیا جاتا ہے، چنانچہ قاذف پر مطلق حدّ لگائی جاتی ہے اور وہ قتل ہے اگرچہ وہ مسلمان بھی ہوجائے، مگر گالی دہندہ توبہ کرلے تو حدّ اس سے ساقط ہوجاتی ہے مگر یہ فرق و امتیاز چنداں پسندیدہ نہیں ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ پر بہتان لگانے سے اس کا قتل واجب ہوجاتا ہے اور عہد بھی ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ ایسا شخص آپ کے نسب پر جرح و قدح کرتا ہے اور اس سے نبوت پر قدح وارد ہوتی ہے۔

یہ ایسا مفہوم ہے جس کی رُو سے بہتان لگا کر گالی دینا اور کذب کی دیگر انواع سب یکساں ہیں بلکہ بعض اوقات اُسے منکر افعال و اقوال کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے، جس سے موصوف کی مذمت ہوتی ہے اور اس کی عزت میں کمی واقع ہوتی ہے، انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بارے میں بہتان اور گالی کے دیگر اقسام میں فرق کیا گیا، اس لیے کہ آپ ﷺ پر بہتان لگانے والے کی تکذیب ممکن نہیں،

جبکہ دوسروں کی تکذیب ممکن ہے، لہٰذا آپ ﷺ کے لیے ننگ و عار دوسروں کی نسبت شدید تر ہے۔

گالی پر مشتمل کچھ کلمات ایسے ہیں جن کی وجہ سے نبوت میں قدح وارد ہوتی ہے۔ان کے بطلان کا علم ظاہراً و باطناً یکساں طور پر سب کو حاصل ہے اس لیے کہ قاذف کے جھوٹے ہونے کا علم اُسی طرح حاصل ہے جس طرح مذموم اور قبیح چیز کی طرف نسبت کرنے والے کا، دونوں کے مابین کچھ فرق نہیں۔

الغرض، امام احمد، ان کے عام اصحاب اور دیگر اہل علم نے بتصریح کہا کہ قذف کے ساتھ گالی دینے اور دیگر گالیوں میں کچھ فرق نہیں، بلکہ جو لوگ کہتے ہیں کہ گالی دینے والے کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور اُس کا قتل واجب ہو جاتا ہے وہ بھی بہتان لگانے اور گالی کی دیگر اقسام میں کچھ تفریق نہیں کرتے، جن لوگوں کا موقف یہ ہے کہ اسلام لانے سے اس کا قتل ساقط ہو جاتا ہے وہ بھی بہتان لگانے اور دیگر گالیوں میں فرق نہیں کرتے اور فقہاء میں سے جو گالی کے مطابق عقیدہ یا غیر مطابق ہونے میں فرق کرتے ہیں ان کا بیان کردہ فرق صرف نقضِ عہد تک محدود ہے، اس میں نہیں کہ اسلام لانے سے قتل اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔

مگر ہو سکتا ہے کہ یہ بات شیخ ابو محمد کے قول سے متصادم ہو، اس لیے کہ انھوں نے گالی کے ہر دو اقسام میں فی الجملہ فرق کیا ہے، باقی رہے امام احمد اور دیگر علمائے متقدمین تو ان کا اختلاف علی الاطلاق گالی کے بارے میں ہے، امام احمد کے کلام میں قذف سے بطور خاص تعرض نہیں کیا گیا۔ امام احمد کے اصحاب نے اس کو باب القذف میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے قذف کے احکام کے بارے میں مطلقاً گفتگو کی ہے اور قذف کی اس نوع کا ذکر بطورِ خاص کیا کہ وہ قتل کی موجب ہے، نیز اس لیے کہ توبہ کرنے سے قتل ساقط نہیں ہوتا کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ گالی، جو کہ قذف سے اعم ہوتی ہے، قتل کی موجب ہے اور اس کے مرتکب سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

فقہاء میں سے بعض نے اس مسئلے کا ذکر لفظ "سبّ" (گالی) کے ساتھ کیا ہے، جیسا کہ امام احمد کے الفاظ میں ہے اور بعض نے اس کا تذکرہ قذف کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے، کیونکہ اس کا تعلق باب القذف کے ساتھ ہے، بایں طور اس کا ذکر ایک خاص نام کے ساتھ قذف اور گالی کے دیگر اقسام کے فرق کو ظاہر کرنے میں مؤثر تر ہے، علاوہ ازیں سب کے علل و ادلہ گالی کی تمام اقسام پر مشتمل ہیں بلکہ اس کا استعمال غیر قذف میں قذف کی نسبت صریح تر اور واضح تر ہے، اس کی دلالت قذف پر بطریق عموم ہے یا بطریق قیاس، نیز جمہور نے جس مساوات کا تذکرہ کیا ہے دلیل اُس سے ہم آہنگ ہے،

جیسا کہ اس کا ذکر قبل ازیں نفیاً واثباتاً ہو چکا ہے، لہٰذا اِس ضمن میں مزید طوالت کی حاجت نہیں۔

اس لیے کہ جو لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گالی کی تمام اقسام سے، وہ قذف ہوں یا کچھ اور، اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا قتل واجب ہو جاتا ہے، پھر اس کی بعض اقسام کے بارے میں تفریق کرے کہ وہ اسلام لانے سے ساقط ہو جاتی ہیں، تو یہ بات حد درجہ بعید از قیاس ہے، اس لیے کہ گالی اگر اس کے نزدیک کفر کی طرح ہوتی تو اس سے عہد نہ ٹوٹتا اور ذمی کا قتل واجب ہو جاتا اور جب کفر کی طرح نہیں تو اس کے اسلام لانے سے یا تو صرف کفر ساقط ہو جائے گا یا کفر اور دیگر جرائم جو رسول کریم ﷺ کی ناموس کے خلاف کیے گئے ہیں وہ بھی ساقط ہو جائیں گے، البتہ بعض جرائم کی وجہ سے کفر کے سقوط اور بعض کی بنا پر عدمِ سقوط، حالانکہ دونوں کی سزا یکساں ہے، کی کوئی واضح وجہ نمایاں نہیں ہوتی۔

اور اس امر سے استدلال کہ جب اسلام اللہ کو گالی دینے والے کی سزا کو ساقط کر سکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا کو بالاولیٰ ساقط کر سکتا ہے، اگر اس کو درست تسلیم کیا جائے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام دشنام دہندہ کی سزا کو مطلقاً ساقط کر سکتا ہے، خواہ گالی قذف پر مشتمل ہو یا غیر قذف پر، ہمارے نزدیک یہاں موضوع زیر بحث گالی کی تمام اقسام کی یکسانی اور مساوات ہے، نہ کہ اس دلیل کی صحت اور اس کا فساد کیونکہ ہم قبل ازیں اس دلیل کے ضعیف ہونے پر گفتگو کر چکے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کو دی گئی گالی کو اللہ کو دی گئی گالی کے ساتھ مطلقاً یکساں قرار دیا جائے اور یہ بھی کہا جائے کہ اصل (یعنی اللہ کو گالی دینے کی سزا) جب ساقط ہو جاتی ہے تو فرع میں بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

اور اگر نبی کو دی گئی گالی کو عام لوگوں کو دی جانے والی گالی کے برابر قرار دیا جائے یا اس قسم کے دیگر مآخذ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اسلام کی وجہ سے ساقط ہونے میں قذف اور دیگر جرائم میں کچھ فرق نہیں، اس لیے کہ ذمی اگر مسلم یا ذمی پر بہتان لگائے یا قذف کے بغیر اُسے گالی دے اور پھر اسلام قبول کرے تو وہ تعزیر اس سے ساقط نہ ہوگی، گالی کی وجہ سے وہ جس کا مستحق ہو چکا ہے جس طرح وہ حد ساقط نہ ہوگی جو قذف کی وجہ سے اس پر واجب ہو چکی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ثبوت اور سقوط کے اعتبار سے یکساں ہیں، اُن میں جو اختلاف بھی ہے وہ سزا کی مقدار میں غیر نبی کی نسبت سے ہے۔

اور اگر اس کو نبی کی طرف منسوب کیا جائے تو دونوں کی سزا یکساں ہے، پس دونوں کی نسبت اگر نبی کی طرف کی جائے تو دونوں میں ہرگز کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

ہم رسول کریم ﷺ کے دشنام دہندہ کی سزا کا ذکر کر چکے ہیں، اب اسی قسم کا ایک مسئلہ ذکر کرتے ہیں، مسئلہ ہذا مع براہین و دلائل اصلی حکم سمیت ذکر کیا جا چکا ہے، یہ اس مسئلے کے بارے میں اختتامی کلام ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اس کی تفصیل ہم چند فصلوں میں بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کو گالی دینے والے کے بارے میں

اللہ کو گالی دینے والے کا حکم:

اللہ تعالیٰ کو گالی دینے والا اگر مسلم ہو تو اس کا قتل اجماعاً واجب ہے، کیونکہ اس وجہ سے وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے، بلکہ کافر سے بھی بدتر، کیونکہ کافر بھی رب کی تعظیم کرتا ہے، اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جس باطل مذہب پر وہ قائم ہے اس میں اللہ کا مذاق نہیں اڑایا جاتا اور نہ اُسے گالی دی جاتی ہے۔

کیا اس کی توبہ مقبول ہے؟

اس کی توبہ کے مقبول ہونے کے بارے میں ہمارے اصحاب اور دیگر علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ آیا مرتد کی طرح اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور توبہ کرنے سے اس سے قتل ساقط ہوگا یا نہیں جبکہ وہ توبہ بھی اس وقت کرے جب اس کا معاملہ حاکم کی عدالت میں پہنچ چکا ہو اور حد اس پر ثابت ہو چکی ہو۔ اس کے بارے میں مندرجہ ذیل دو قول ہیں:

پہلا قول: پہلا قول یہ ہے کہ وہ رسول کے دشنام دہندہ کی طرح ہے اور اسی کی طرح اس کے بارے میں بھی دو روایتیں ہیں، یہ ابو الخطاب اور اس کے ہمنوا متاخرین کا طرز و انداز ہے، امام احمد کے کلام سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، امام موصوف فرماتے ہیں:

> ”جو شخص ایسی بات کرے جس سے اللہ کی توہین کا اشارہ ملتا ہو اسے قتل کیا جائے، وہ مسلم ہو یا کافر، یہ اہل مدینہ کا مذہب ہے۔“

وہ مطلقاً اس کو واجب القتل گردانتے ہیں اور انھوں نے توبہ کا ذکر نہیں کیا۔ انھوں نے ذکر کیا کہ اہل مدینہ کا قول بھی یہی ہے اور جس پر قتل واجب ہو وہ توبہ کے ساتھ گر جاتا ہے، مگر اہل مدینہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کی توبہ سے قتل ساقط نہیں ہوتا اور اگر یہ قول وارد نہ ہوتا تو اہل مدینہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہ کرتے، کیونکہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو مسلم اللہ تعالیٰ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے، البتہ اس کی توبہ میں اختلاف ہے، جب مسلم کے بارے میں انھوں نے اہل مدینہ کے قول کو اختیار

کیا، جس طرح ذمی کے بارے میں ان کے قول کو اختیار کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ مقامِ اختلاف سے اُن کی مراد اس پر قابو پانے کے بعد اظہارِ توبہ ہے، جیسا کہ ہم نے دشنام دہندۂ رسول کے بارے میں ذکر کیا ہے۔

باقی رہی دوسری روایت تو عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد (امام احمد) سے ایک آدمی کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے کہا تھا کہ اے فلاں کے بیٹے! تُو اور جس نے تجھے پیدا کیا ایسے ایسے ہو، میرے والد نے کہا کہ یہ شخص اسلام سے پھر گیا ہے۔ میں نے اپنے والد سے کہا: کیا ہم اُسے قتل کر دیں؟ انھوں نے کہا: ہاں! ہم اُسے قتل کر دیں گے۔

(امام احمد نے) اسے مرتد قرار دیا، پہلی روایت لیث بن سعد اور امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے، ابن قاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جو اللہ کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، الّا یہ کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہو اور دین اسلام سے برگشتہ ہو کر کوئی اور دین اختیار کر لیا ہو اور وہ اس کا برملا اظہار بھی کرتا ہو تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور اگر اظہار نہ کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، یہ ابن قاسم، مطرف، عبدالملک اور تمام مالکیہ کا قول ہے۔

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ اسے توبہ کرنے کے لیے کہا جائے اور اس کی توبہ قبول کی جائے، جیسے مرتد محض کی توبہ مقبول ہے، یہ قاضی ابویعلی، شریف ابوجعفر، ابوعلی بن البناء، ابن عقیل کا قول ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص رسول کو گالی دے اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، یہ اہل مدینہ کی ایک جماعت کا قول ہے، اُن میں سے محمد بن مسلمہ، مخزومی اور ابن ابی حازم کہتے ہیں کہ گالی دینے کی وجہ سے مسلم کو قتل کیا جائے اور جب تک اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، یہی حال یہودی اور نصرانی کا ہے، اگر توبہ کریں تو اُن کی توبہ قبول کی جائے اور اگر توبہ نہ کریں تو انھیں قتل کیا جائے، اُن سے توبہ کا مطالبہ ضروری ہے کیونکہ یہ ارتداد کی مانند ہے، عراق کے مالکیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کو گالی دینے سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے، اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے، انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینے کے بارے میں دو وجوہ میں سے ایک کو اختیار کر کے دونوں کا فرق واضح کیا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

جن لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کو گالی دے اس سے توبہ

کا مطالبہ کیا جائے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ بھی ارتداد کی ایک قسم ہے اور جو اہل علم اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینے میں فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کو گالی دینا کفر محض ہے اور یہ اللہ کا حق ہے، اس شخص کی توبہ جس سے صرف کفر اصلی یا عارضی صادر ہو، مقبول ہے اور اجماعاً اس سے قتل ساقط ہو جاتا ہے، اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ نصاریٰ یوں کہہ کر اللہ کو گالی دیتے ہیں کہ وہ تین میں سے تیسرا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے اللہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ کہتا ہے:

حدیث قدسی:

''ابن آدم نے مجھے گالی دی اور یہ بات اسے زیب نہیں دیتی، ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور اُسے یوں نہیں کرنا چاہیے، اُس کا مجھے گالی دینا تو یہ ہے کہ میری اولاد ہے، حالانکہ میں ایک اور بے نیاز ہوں۔''[1]

قرآن میں فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [المائدة: ٧٣، ٧٤]

''بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ کوئی بھی معبود نہیں مگر ایک معبود، اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو یقیناً ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔ تو کیا وہ اللہ کی طرف توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے، اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ توبہ کرنے والے سے اپنا حق ساقط کر دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس قدر کفر و معاصی کا ارتکاب کرے جس سے زمین پُر ہو جائے اور پھر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔[2] گالی دینے سے اللہ تعالیٰ کو ننگ و عار لاحق نہیں ہوتی بلکہ گالی کا نقصان گالی دینے والے کو پہنچتا ہے، بندوں کے دلوں میں اس کی حرمت و عزت اس سے عزیز تر ہے کہ دشنام دہندہ کی

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٩٧٥)

[2] سنن الترمذي (٣٥٤٠) اسے امام ترمذی اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ (الصحیحة: ١٢٧)

گالی اس کے تقدس کو پامال کر سکے، اسی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینے کا فرق واضح ہوتا ہے۔

اس لیے کہ جب رسول کو گالی دی جاتی ہے تو اس کے ساتھ ایک آدمی (رسول کریم ﷺ) کا حق وابستہ ہوتا ہے اور جو سزا کسی آدمی کی وجہ سے واجب ہوتی ہے وہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، علاوہ ازیں رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے آپ پر عیب لگتا اور آپ کی عزت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ آپ کی عزت وحرمت اور آپ کی قدر ومنزلت دلوں میں اس وقت تک جاگزین نہیں ہوتی جب تک آپ کے دشنام دہندہ کو کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا جائے، کیونکہ اکثر لوگوں کے نزدیک آپ کی ہجوگوئی اور سبّ وشتم سے آپ کی عزت مجروح ہوتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں آپ کا جو مقام ہے اس کو نقصان پہنچتا ہے اگر مرتکب کو سزا دے کر اس چراگاہ کو محفوظ نہ کیا جائے تو نوبت فساد تک پہنچے گی۔

یہ فرق اس امر پر مبنی ہے کہ رسول کو دی گئی گالی کی سزا بندے کا حق ہے، جیسا کہ اکثر اصحاب ذکر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ اللہ کا حق ہے، اس لیے کہ اس نے اللہ کی جس حرمت کو پامال کیا ہے اس کی تلافی صرف حد لگانے سے ہی ہو سکتی ہے، تو ایسا شخص زانی، چور اور شرابی کی طرح ہوا جب پکڑے جانے کے بعد وہ توبہ کر لیں، مزید برآں اللہ کو گالی دینے کا کوئی عقلی داعی اور موجب نہیں ہے اور زیادہ تر، جو دراصل گالی ہوتی ہے، وہ عقیدے اور مذہب کی بنا پر صادر ہوتی ہے، اس کا مقصد تعظیم ہوتا ہے نہ کہ گالی، دشنام دہندہ کا ارادہ اللہ کی توہین وتذلیل کا نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ بے اثر ہے، برخلاف رسول کو گالی دینے کے کہ زیادہ تر اس کا مقصد آپ کی اہانت اور رسوائی ہوتا ہے اور ایک کافر اور منافق کے لیے رسول کو گالی دینے کے بہت سے موجبات ومحرکات ہوتے ہیں، بایں طور یہ ان جرائم میں سے ہے جس کی طرف انسانی فطرت دعوت دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی حدود توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتیں، برخلاف ان جرائم کے جن کا کوئی داعی اور موجب نہ ہو۔

اس فرق میں حکمت ومصلحت پائی جاتی ہے کہ اکثر وبیشتر اللہ کو گالی دینے کا کوئی موجب ومحرک نہیں ہوتا، بایں طور وہ عمومِ کفر میں شامل ہے، برخلاف رسول کو گالی دینے کے، اس لیے کہ بطور خاص رسول کو گالی دینے کے بکثرت موجبات ہوتے ہیں، اس لیے مناسب ہوا کہ بطور خاص اس کے لیے ایک حد مقرر کی جائے اور اس کے لیے خصوصی طور پر جو حد مقرر کی جاتی ہے وہ دیگر حدود کی طرح توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی، جب رسول کو دی گئی گالی مندرجہ ذیل خصوصیات پر مشتمل ہوتی ہے:

۱۔ رسول کو گالی دینے کے محرکات بکثرت ہوتے ہیں۔

۲۔ اللہ کے دشمن رسول کو گالی دینے کے حریص ہوتے ہیں۔

۳۔ رسول کو گالی دینے سے رسول کی حرمت اور دیگر حرمتوں کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔

۴۔ سبِّ رسول مخلوق کے حق پر مشتمل ہے جس کی سزا حتمی و قطعی ہے۔

۵۔ اس لیے نہیں کہ رسول کو گالی دینا اللہ کو گالی دینے کی نسبت عظیم تر گناہ ہے بلکہ اس لیے کہ اس سے پیدا شدہ فساد حتمی قتل سے ہی نیست و نابود ہوتا ہے۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کفر وارتداد زنا، چوری، رہزنی اور مے نوشی سے بھی بڑا گناہ ہے، تاہم کافر و مرتد اگر پکڑے جانے کے بعد توبہ کر لیں تو اُن کی سزا ساقط ہو جاتی ہے اور اگر یہ فاسق پکڑے جانے کے بعد توبہ کر لیں تو ان کی سزا ساقط نہیں ہوگی، حالانکہ کفر فسق سے بڑا گناہ ہے مگر یہ بات اس پر دلالت نہیں کرتی کہ فاسق کافر سے بڑھ کر گنہگار ہے، جس نے سزا کے حتمی ہونے اور ساقط ہونے کو ملحوظ رکھا مگر گناہ کے چھوٹے یا بڑے ہونے پر غور نہیں کیا وہ فقہ و حکمت کے راستہ سے بہت دور نکل گیا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ بہت بڑے گناہوں کے باوجود ہم کفار کو ذمی بنا لیتے ہیں مگر ہم ان میں سے کسی کو بھی زنا چوری اور اُن معاصی کی بنا پر جو حدود کو واجب کرتے ہیں اُن کو (دارالاسلام) میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو بے حیائی کی وجہ سے ایسی سزا دی کہ زمانے کے کسی آدمی کو نہ دی گئی، خدا کی زمین مشرکین سے پُر ہے مگر وہ امن و عافیت سے بستے ہیں، عہدِ رسالت میں ایک شخص نے دوسرے کو قتل کیا، جب اُسے دفن کیا جانے لگا تو زمین اسے باہر اُگل دیتی تھی، کئی مرتبہ ایسا ہوا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''زمین اس سے بدتر آدمی کو بھی قبول کر لیتی ہے، عبرت پذیری کے لیے اللہ نے یہ ماجرا تمھیں دکھایا۔''[1]

یہی وجہ ہے کہ فاسق کو ترکِ تعلقات، علیحدگی اور کوڑوں وغیرہ کی سزا دی جاتی ہے، حالانکہ ذمی کافر کو ایسی سزا نہیں دی جاتی جبکہ فاسق ہمارے اور اللہ کے نزدیک کافر سے اچھا ہے، آپ دیکھ چکے ہیں کہ شریعت کی مقررہ سزائیں حتمی اور قطعی ہوتی ہیں، جبکہ اس سے شدید تر سزاؤں کو ملتوی بھی کیا جا سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا دراصل دارالجزا نہیں ہے، جزا روزِ قیامت دی جائے گی۔ اللہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا، نیک اعمال کی اچھی جزا اور بُرے اعمال کی بُری سزا۔

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۳۹۳۰) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ وہی عذاب نازل کرتا اور وہی حدود مقرر کرتا ہے جو نفوس انسانی کو فساد عام سے روکیں جو اس کے فاعل تک ہی محدود نہیں رہتا، یا جو جرم کے مرتکب کو اُس کے گناہ سے پاک کرے یا جرم کی شدت کی وجہ سے یا جو مصلحت اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہو، کسی گناہ کے بارے میں جب یہ خدشہ دامن گیر ہو کہ اس کا ضرر اس کے فاعل سے تجاوز کر جائے گا تو اس کی جڑ ایسی اکھڑتی ہے کہ اس کے فاعل کو سزا دی جائے، چونکہ کفر و ارتداد ایسا گناہ ہے کہ اگر مجرم پر قابو پا کر اُس کی توبہ قبول کر لی جائے تو اس سے کوئی ایسا فساد جنم نہیں لیتا جو تائب سے آگے تجاوز کر جائے، اس لیے اس کی توبہ قبول کرنا واجب ہے۔

اس لیے کہ کوئی آدمی اس لیے کافر یا مرتد نہیں ہوتا کہ جب وہ پکڑا جائے تو توبہ کر لے گا، کیونکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اس سے اس کا مقصد پورا نہیں ہوگا، برخلاف فاسق لوگوں کے کہ جب توبہ کرنے کی وجہ سے ان کی سزا ساقط کر دی جائے تو ان کے سامنے فسق کا دروازہ کھل جاتا ہے، ایسا آدمی جو چاہتا ہے کرنے لگتا ہے، جب پکڑا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے توبہ کر لی ہے۔

اس طرح اس کی حرص و ہوا کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس، اللہ کو گالی دینا رسول کریم ﷺ کو گالی دینے سے بڑا جرم ہے مگر یہاں یہ اندیشہ دامن گیر نہیں کہ جب اُس کے فاعل سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اُسے تلوار کے سامنے پیش کیا جائے گا کہ لوگ اس کی طرف تیزی سے بڑھیں گے، کیونکہ اللہ کو گالی اکثر و بیشتر تب دی جاتی ہے جب مذہبی عقیدہ اس کا متحرک ہو اور لوگوں میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں پایا جاتا ہو جو اللہ کو گالی دینے پر آمادہ کرتا ہو۔

اللہ کو گالی زیادہ تر قلق و اضطراب، بیزاری اور حماقت کی وجہ سے دی جاتی ہے اور تلوار کا خوف اور توبہ کا مطالبہ اس سے باز رکھتا ہے، برخلاف رسول کو گالی دینے کے کہ یہاں ایسے متعدد محرکات ہیں جو اس پر آمادہ کرتے ہیں، رسول کے دشنام دہندہ کو جب وہ توبہ کرے گا تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا تو یہ بات اسے اُس کے مقصد سے باز نہ رکھ سکے گی۔

سنت کے لحاظ سے جو بات فرق پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مشرکین اللہ کو طرح طرح کی گالیاں دیتے تھے مگر اس کے باوصف رسول کریم ﷺ کو ان میں سے کسی کے اسلام کو قبول کرنے میں تامل نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو قتل کیا، البتہ جو لوگ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتے تھے ان میں سے ابوسفیان اور ابن ابی اُمیہ کی توبہ قبول کرنے میں آپ ﷺ نے توقف سے کام لیا۔ علاوہ ازیں جو مرد و عورت آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے، مثلاً حویرث بن نقید، دو گلوکار

لونڈیاں اور بنی عبدالمطلب کی ایک لونڈی تو ان کو آپ ﷺ نے قتل کروا دیا تھا، نیز چند اشخاص و خواتین جن کو ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے تہہ تیغ کر دیا تھا۔

فرق کی کچھ تفصیل ہم قبل ازیں مسئلہ ثالثہ میں بیان کر چکے ہیں جو یہاں ذکر کردہ تحقیق سے مبسوط تر ہے اور وہ بھی ان لوگوں کے مطابق جو اس فرق و امتیاز کو تسلیم کرتے ہیں۔

جن لوگوں کا موقف یہ ہے کہ اللہ کو گالی دینے والے کی توبہ اسی طرح مقبول نہیں جس طرح رسول کو گالی دینے والے کی تو اس کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سابق الذکر قول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینا وجوبِ قتل کے لحاظ سے یکساں ہے۔ وہ توبہ کا مطالبہ کرنے کا حکم بھی نہیں دیتے، حالانکہ ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے مگر ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ اس نے رسول کریم ﷺ کی تکذیب کی ہے، لہٰذا اِس کو اُس گالی پر محمول کیا جائے گا جس کا وہ عقیدہ رکھتا ہو۔

علاوہ بریں گالی دینا اس کفر سے ایک جداگانہ گناہ ہے جو عقیدے کے مطابق ہو، اس لیے کہ کافر اپنے کفر کو دین سمجھتا اور اس کو حق قرار دیتا ہے، وہ کفر کی طرف دعوت بھی دیتا ہے اور اس بات پر لوگ اس کے ہمنوا بھی ہیں، وہ شخص کفار میں سے نہیں جو اپنے عقیدے کو دین سمجھ کر خدا کی توہین کرتا، اس کا مذاق اڑاتا اور اسے گالیاں دیتا ہے اگرچہ درحقیقت یہ گالی ہے، جس طرح کفار یہ نہیں کہتے کہ وہ گمراہ، جاہل، اور اللہ کے دشمن ہیں، اگرچہ وہ ایسے ہیں، باقی رہا دشنام دہندہ تو وہ اللہ کے ناقص ہونے، اس کی خفت و رکاکت اور اہانت کا اظہار کرنے والا ہے، وہ اللہ کی حرمت و تقدس کو پامال کرنے والا ہے، وہ خود بھی جانتا ہے کہ وہ اللہ کی حرمت کو پامال کرنے والا، اس کو کم اہمیت دینے والا اور اس کا مذاق اڑانے والا ہے، وہ جانتا ہے کہ اس نے بہت بڑی بات کہی، کچھ بعید نہیں کہ آسمان و زمین اس کے قول کی وجہ سے پھٹ جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، یہ بات ہر قسم کے کفر سے عظیم تر ہے، اُسے معلوم بھی ہے کہ یہ فعل اسی طرح ہے۔

اگر کافر اپنی زبان سے کہے کہ میں صانع کے وجود اور اس کی عظمت کا عقیدہ نہیں رکھتا تھا اور اب میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے تو ہم جان لیں گے کہ یہ جھوٹا ہے اس لیے کہ تمام مخلوقات کو وجودِ صانع اور اس کی تعظیم کے اعتراف پر پیدا کیا گیا ہے، لہٰذا اُس کے لیے اس گالی کا کوئی موجب و محرک

نہیں ہے اور نہ ہی اُس کی اس خواہش کا کوئی جواز ہے۔

بخلاف ازیں یہ محض ذات باری کے ساتھ مذاق، اس کی اہانت اور اس کے ساتھ باغیانہ طرزِ عمل ہے، یہ جذبہ ایسے نفس سے جنم لیتا ہے جو شیطان ہو اور غضب سے لبریز ہو یا اس کا صدور کسی کم عقل سے ہوتا ہے، جس کے یہاں ذات باری کا کوئی احترام نہ ہو، جس طرح رہزنی اور زنا جیسے کام غضب وشہوت کی بنا پر صادر ہوتے ہیں اور جب صورتِ حال یہ ہے تو واجب ہے کہ گالی کی سزا اُس کے ساتھ مخصوص ہو اور اس کی سزا ایک شرعی حد کی سی ہو، لہٰذا یہ سزا دیگر حدود شرعیہ کی طرح توبہ کے اظہار سے ساقط نہیں ہوتی۔

مندرجہ ذیل آیت کریمہ اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ گالی دینے کا فعل کفر سے بھی بڑھ کر ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ﴾ [الأنعام: ۱۰۸]

’’اور اُن لوگوں کو گالی نہ دو جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، پس وہ بغیر علم کے اللہ کو گالیاں دیں گے۔‘‘

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ مشرک، اللہ کی تکذیب کرنے والے اور اس کے رسول کے دشمن تھے، پھر مسلمانوں کو منع کیا گیا کہ ان کے ذریعے اللہ کو گالیاں دلوانے کا باعث نہ بنیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کو گالی دینا اس کے نزدیک اس کے ساتھ شرک کرنے، رسول کی تکذیب کرنے اور اس کے ساتھ عداوت رکھنے سے بھی بڑا جرم ہے، چونکہ اس نے اللہ کی حرمت کو پامال کیا ہے، لہٰذا اُس کو حرمتوں کے پامال کرنے والے سے بھی بڑھ کر ایک ایسی سزا دینا ناگزیر ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، اس لیے یہ روا نہیں کہ قتل کے سوا اُسے کوئی اور سزا دی جائے کیونکہ یہ سب جرائم کی نسبت عظیم تر جرم ہے، لہٰذا اس کے مقابلے میں سزا بھی بلیغ تر ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ [الأحزاب: ۵۷]

’’بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔‘‘

یہ آیت کریمہ اس امر پر روشنی ڈالتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والے کو قتل کیا جائے اور ایذائے مطلق زبان کے ساتھ دی جاتی ہے جس کی تقریر قبل ازیں گزر چکی ہے، علاوہ بریں

توبہ کرنے کے ساتھ اس سے قتل کو ساقط کرنے سے خدا کو گالی دینے کا فساد زائل نہیں ہوتا، ایسا ممکن ہے کہ ایک آدمی جب تک چاہے اللہ کو گالیاں دیتا رہے اور جب پکڑا جائے تو توبہ کا اظہار کر دے، جیسا کہ دیگر جرائم فعلیہ میں ہوتا ہے، مزید برآں اس نے کسی ایسے دین کو اختیار نہیں کیا جس پر وہ قائم رہتا ہو، تا کہ اس سے منتقل ہونے سے اس کو ترک کرنا لازم آئے، بخلاف ازیں اس نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جو ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ یہ اُن افعال کی طرح ہے جو سزاؤں کو واجب کرتے ہیں، پس یہ سزا اُسی سابقہ جرم کی ہوگی اور ایسے جرم کی توبہ کا مطالبہ اُس شخص کے پاس نہیں کیا جاتا جو کفر و ارتداد جیسے دائمی جرم کی سزا دیتا ہو۔

نیز اس سے توبہ کا مطالبہ کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص اللہ کو گالی دے اس پر کبھی بھی حد قائم نہ کی جائے، ہمیں بخوبی علم ہے کہ کوئی آدمی بھی اللہ کو گالی دینے پر اصرار نہیں کرتا جبکہ اُسے علم ہو کہ یہ گالی ہے، اس لیے کہ عقل اور فطرت میں سے کوئی بھی اس کا داعی نہیں، اور جس چیز کا بھی یہ نتیجہ برآمد ہو کہ حدود شرعیہ کو کلیتاً معطل کرنا پڑے وہ باطل ہے، چونکہ عملی فساق سے توبہ کا مطالبہ کرنا اس بات کو مستلزم ہے کہ حدودِ شرعیہ کو معطل کیا جائے اس لیے وہ جائز نہیں، اسی طرح رسول کو گالی دینے والے سے اگر توبہ کا مطالبہ کیا جائے بعض اوقات وہ اس لیے توبہ نہیں کرتا کہ وہ گالی دینے کو حلال سمجھتا ہے، اسی طرح خدا کو گالی دینے والے سے توبہ کا مطالبہ کرنے، جس کی طرف ہر شخص عجلت سے کام لیتا ہے، کی عدم مشروعیت اولیٰ ہے، جبکہ اس سے حدّ کا معطل کرنا لازم آتا ہے کہ اللہ کی حرمت و تقدس کے پامال کرنے اور اس کا مذاق اڑانے کو تھوک کر مونھوں کو پاک کر لیا جائے۔

یہ عقل و دانش پر مبنی کلام ہے مگر یہ بات اس کے معارض ہے کہ جو جرم ایسا ہو اس کے بارے میں حد لگانے کی تحقیق غیر ضروری ہے، اُس کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے قائل کو قتل کے لیے پیش کیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے، مگر جو شخص پہلی بات کی تائید کرتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ کو گالی دینے والے پر حد صرف اس لیے نہیں لگائی جاتی کہ لوگوں کو طبعی خواہشات کی پیروی سے باز رکھا جائے، بلکہ اللہ کی تعظیم و تکریم، اس کے اجلال و اکرام، اعلائے کلمۃ اللہ اور لوگوں کو اس امر سے باز رکھنے کے لیے کہ وہ اللہ کی توہین کے لیے عاجلانہ اقدام کریں اور زبانوں کو اس کی تنقیصِ شان سے روک لیں۔

مزید برآں جب مخلوقات کو گالی دینے اور بہتان لگانے کی حد توبہ کے اظہار سے ساقط نہیں ہوتی تو اللہ کو گالی دینے کی حد کا ساقط نہ ہونا اولیٰ ہے، نیز جس طرح سزا کو واجب کرنے والے افعا

کی حد توبہ کے اظہار سے ساقط نہیں ہوتی اسی طرح اقوال کی حد بھی ساقط نہیں ہوتی بلکہ اقوال کی شان اور تاثیر افعال سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

الغرض، جب ہر سزا جو کہ کسی فعل یا قولِ ماضی کے عوض بطور جزا وعبرت پذیری کے واجب ہوئی ہو تو حاکم کی عدالت میں جانے کے بعد توبہ کرنے سے وہ ساقط نہیں ہوتی تو اللہ کو دی گئی گالی اس سے اولیٰ ہے۔ کافر اور مرتد کی توبہ سے یہ ضابطہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ سزا یہاں موجود عقیدے کی بنا پر دی جاتی ہے، جو زمانہ ماضی سے چلا آرہا ہے۔ اس لیے دو وجہ سے یہ قاعدہ نہیں ٹوٹے گا:

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ کو گالی دینے کی سزا اُس گناہ کی طرح نہیں جو انسان ہمیشہ کرتا ہو، اس لیے کہ گالی جب ختم ہو جاتی ہے تو وہ قائم اور دائم نہیں رہتی، بخلاف ازیں کافر اور مرتد کی سزا کفر کی وجہ سے ہے، جس پر وہ ڈٹا ہوا ہے اور اس عقیدے پر قائم ہے۔

دوسری وجہ: کافر کو سزا اُس عقیدے کی وجہ سے دی جاتی ہے جو اب بھی اس کے دل میں موجود ہے، اس کا قول وعمل اس عقیدے کی دلیل ہے یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ کلمۂ کفر، جو اس نے کہا تھا، اس کے منہ سے بلا اعتقاد نکلا تھا تو ہم اس کی تکفیر نہیں کریں گے۔ بایں طور کہ اُسے اس کا مفہوم و معنی معلوم نہ تھا یا سبقت لسانی کے باعث غلطی سے یہ الفاظ اس کے منہ سے نکل گئے، جبکہ اس کا عقیدہ اس کے خلاف تھا، و مثل ایں، جبکہ گالی دینے والے کو اس لیے قتل کیا جاتا ہے کہ اس نے اللہ کی حرمت کو پامال کیا اور اس کی بے آبروئی کی اگرچہ ہمیں معلوم بھی ہو تو وہ گالی دینے کو پسند نہیں کرتا اور اس کو اپنا عقیدہ اور دین نہیں سمجھتا، کیونکہ انسانوں میں سے کوئی بھی اس کا عقیدہ نہیں رکھتا۔

یہ اصول تارکِ صلوٰۃ وزکوٰۃ اور اس قسم کے دوسرے لوگوں سے نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ ان لوگوں کو اس لیے سزا دی جاتی ہے کہ وہ ان فرائض کے ہمیشہ کے لیے تارک ہوتے ہیں، جب ان کو انجام دینے لگیں گے تو ترکِ فرائض کا ازالہ ہو جائے گا اور اگر تم چاہو تو یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ کافر، مرتد اور تارکینِ فرائض کو عدمِ ایمان اور ترکِ فرائض کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے، یعنی اس لیے کہ یہ فرائض ان کے یہاں دائماً معدوم رہتے ہیں، جب ایمان اور فرائض موجود ہوں گے تو سزا نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ اب عدم کا انقطاع ہو گیا، مگر ان لوگوں کو اقوال و افعال کثیرہ کے وجود کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے، دوامِ وجود کی وجہ سے نہیں، جب یہ ایک دفعہ پائے گئے تو ان کا وجود بعد ازاں ان کو ترک کرنے سے معدوم نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ یہ قول صحیح توجیہ پر مبنی ہے اور کافی پُرزور اور قوی ہے۔

پیچھے گزر چکا ہے کہ ارتداد کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ارتداد مجرد۔ ۲۔ ارتداد مغلظ

ہم نے تیسرے مسئلے میں اس قول پر کھل کر گفتگو کی ہے، اس شخص کے درمیان اور اللہ کے مابین توبہ کے مقبول ہونے اور خالص توبہ سے گناہ کے ساقط ہونے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ لوگوں میں سے بعض اللہ کو گالی دینے کے مسئلے میں ایک اور راہ پر چلے ہیں اور وہ یہ کہ انھوں نے اس کو زندیق کے مسئلے کے ساتھ ملحق کر دیا ہے، یعنی ان دو مسالک میں سے ایک کی مانند جن کا تذکرہ ہم نے دشنام دہندۂ رسول کے بارے میں کیا ہے، اس لیے کہ اظہار اسلام کے باوجود اس سے گالی کا صدور اس کے خبثِ باطن کی دلیل ہے، مگر یہ قول ضعیف ہے، اس لیے کہ محلِ بحث یہاں وہ گالی ہے جس کا وہ عقیدہ نہ رکھتا ہو، باقی رہی وہ گالی جو اس کے عقیدے سے ہم آہنگ ہو مثلاً تثلیث، بیوی اور بیٹا ہونے کا دعویٰ تو اس کا حکم وہی ہے جو تمام انواعِ کفر کا ہے، اسی طرح وہ نظریات جن کی وجہ سے ان کی تکفیر کی جاتی ہے، مثلاً فرقہ جہمیہ، قدریہ وغیرہ متبدعین کے افکار و نظریات۔

جب ہم اللہ کو گالی دینے والے کی توبہ قبول کریں تو سختی سے اس کی تادیب کرنی چاہیے تاکہ آئندہ ایسی حرکت سے باز رہے، ہمارے اصحاب نے اسی طرح ذکر کیا ہے، نیز ہر مرتد کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب کا یہی موقف ہے۔

ذمی کی سزا جبکہ وہ اللہ کو گالی دے

اگر اللہ کو گالی دینے والا ذمی ہو تو اسی طرح ہے جیسے اس نے رسول کو گالی دی، امام احمد رحمہ اللہ کی تصریح پیچھے گزر چکی ہے کہ جس نے ایسی بات کہی جس سے اللہ کی توہین کا پہلو نکلتا ہو تو اسے قتل کیا جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، ہمارے اصحاب نے کہا کہ جس نے اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے دین یا اس کے رسول کا تذکرہ برائی کے ساتھ کیا تو ان سب کا حکم یکساں ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ذکر اور رسول کریم ﷺ کے ذکر میں اختلاف برابر ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور اُن کے اصحاب کا مذہب بھی یہی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے فرمایا کہ ذمیوں میں سے جس نے اللہ، اس کے رسول یا اس کی کتاب کو گالی دی تو ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔

یہاں دو مسئلے قابل ذکر ہیں:

پہلا مسئلہ: اللہ کو گالی دینے کی اقسام:

اللہ کو گالی دینے کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ ایسی گالی ہے جو اس کے عقیدے کے مطابق نہ ہو اور وہ متکلم کے نزدیک اہانت پر مبنی ہو، مثلاً: لعنت اور اس کی قباحت وغیرہ بیان کرنا۔ بلا شک وشبہ یہ گالی ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ وہ اس کے عقیدے کے مطابق ہو، مگر وہ اسے تعظیم قرار دیتا ہو اور گالی اور تنقیصِ شان پر محمول نہ کرتا ہو، مثلاً نصرانی کا یوں کہنا کہ اللہ کے بیوی اور بچے ہیں وشل ایں، اگر ذمی ایسی بات علانیہ کہے تو اس میں اختلاف ہے، ہمارے اصحاب میں سے قاضی اور ابن عقیل کہتے ہیں کہ ذمی کا عہد اس سے ٹوٹ جاتا ہے، جس طرح اُس صورت میں ٹوٹتا ہے جب اپنے عقیدے کا اظہار نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کریں۔ شریف ابو جعفر، ابو الخطاب اور دیگر اہل علم نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، انھوں نے ذکر کیا ہے کہ جن الفاظ سے قسم ٹوٹ جاتی ہے، اُن سے عہد بھی ٹوٹ جاتا ہے، مالکیہ کے ایک گروہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اُن سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ کفر کا اظہار نہیں کریں گے اگرچہ وہ بات اُن کے عقیدے سے ہم آہنگ ہو، جب انھوں نے علانیہ ایسی بات کہی تو یہ کہہ کر انھوں نے اللہ، اس کے رسول اور مومنین کو ایذا دی اور عہد کی خلاف ورزی کی، اس سے ان کا عہد ٹوٹ جائے گا، جس طرح نبی کریم ﷺ کو گالی دینے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُس نصرانی سے کہا، جس نے تقدیر کو جھٹلایا تھا کہ اگر تم نے اس کا اعادہ کیا تو میں تمھاری گردن اُڑا دوں گا۔ قبل ازیں ایسے دلائل گزر چکے ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہود ونصاریٰ میں سے جس نے اللہ کو اس طریق سے گالی دی جو اُن کے اُس عقیدے سے ہم آہنگ نہ ہو، جس کی وجہ سے وہ کافر ہوئے تو اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، ابن قاسم کہتے ہیں: الّا یہ کہ وہ اپنی مرضی سے اسلام لائے۔ بنا بریں جو چیز اُن کے عقیدے کے مطابق ہو اُس کو وہ گالی قرار نہیں دیتے، یہ عام مالکیہ کا قول ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور یہ ان سے صراحتاً بھی منقول ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ ''کتاب الام'' میں اہل ذمہ کے شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ ''میرے نزدیک یہ ضروری ہے کہ اہل ذمہ رسول کریم ﷺ کا تذکرہ انھی اوصاف کے ساتھ کریں جس کے آپ ﷺ اہل ہیں۔

۲۔ دین اسلام کو ہدف طعن نہ بنائیں اور نہ ہی آپ ﷺ کے احکام میں کیڑے نکالیں۔

۳۔ اگر ایسا کریں تو اُن کا ذمہ باقی نہیں رہے گا۔

۴۔ ان سے عہد لیا جائے کہ اپنے شرکیہ عقائد مسلمانوں کو نہ بتائیں، مثلاً عُزیر اور عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں اپنے عقائد کا اظہار نہ کریں۔

۵۔ اگر پتہ چلے کہ دارالاسلام میں آنے کے بعد حضرت عُزیر اور عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں ایسے عقائد کا اظہار کیا ہے تو اُن کو اتنی سزا دی جائے جو حد شرعی تک نہ پہنچتی ہو، اس لیے کہ ان کو اپنے مذہبی عقائد پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی ہے اور ان کے عقائد ہمیں معلوم ہیں۔''

امام احمد رحمہ اللہ کے الفاظ کا بھی ظاہری مفہوم یہی ہے، امام احمد سے ایک یہودی کے بارے دریافت کیا گیا جس کا گزر ایک مؤذن کے پاس سے ہوا تو اُس نے کہا کہ تُو نے جھوٹ بولا۔ فرمایا: اسے قتل کیا جائے، اس لیے کہ یہ گالی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جس دین کا وہ اظہار کر رہا ہے وہ گالی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں: ''جو ایسی چیز ذکر کرے جس سے اللہ کی ذات پر نکتہ چینی ہو اسے قتل کیا جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، اہل مدینہ کا مذہب بھی یہی ہے۔'' حالانکہ اہل مدینہ کا مذہب اس چیز کے بارے میں ہے جو قائل کے نزدیک گالی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قسم سبّ وشتم کے باب میں سے نہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینے کے ساتھ ملحق کیا جائے اس لیے کہ کافر یہ بات طعن و عیب کے طور پر نہیں کہتا بلکہ وہ اسے اعزاز و اکرام پر محمول کرتا ہے، وہ خود اور مخلوقات میں سے کوئی شخص بھی اللہ کو گالی دینے کا عقیدہ نہیں رکھتا، بخلاف ازیں نبی کریم ﷺ کی شان میں جو بُرے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں وہ طعن و تشنیع کے طور پر بولے جاتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر اللہ کی تعظیم پر مبنی بہت سی باتوں کا عقیدہ رکھتا ہے مگر تعظیمِ رسول پر مبنی کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا، کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب وہ کہے کہ محمد (ﷺ) ساحر ہیں یا شاعر تو وہ کہتا ہے یہ نقص و عیب ہے، اور جب کہتا ہے کہ حضرت مسیح یا عزیر علیہما السلام اللہ کے بیٹے ہیں تو پھر یوں نہیں کہتا کہ یہ نقص و عیب ہے، اگرچہ درحقیقت یہ نقص و عیب کا موجب ہے، اگر ایک شخص ایک بات کہہ کر اس سے نقص و عیب مراد لیتا ہو اور دوسرے قول سے نقص و عیب نہ مراد لیتا ہو تو اس کے دونوں اقوال میں فرق

ہے اور یہ جائز نہیں کہ اُن کا قول جو اللہ کے بارے میں ہے اس کو ان کے اس قول کے برابر قرار دیا جائے جو رسول کے بارے میں ہے اور دونوں کو نقضِ عہد کا موجب قرار دیا جائے، اس لیے کہ ان کے تمام اقوال کے بارے میں دیکھا جاتا ہے کہ آیا وہ اُن کے عقیدے سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں؟

اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کے بارے میں اُن کے تمام اقوال طعن فی الدین، توہین اسلام اور مسلمانوں کی عداوت کے اظہار پر مشتمل ہیں، اس سے ان کا مقصد رسول کریم ﷺ کی عیب جوئی اور نقائص کی طلب وتلاش ہے، اللہ کے بارے میں اُن کے محض قول کا مقصد ہمیشہ اس کے عیوب ونقائص تلاش کرنا ہی نہیں ہوتا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ قریش رسول کریم ﷺ کے ساتھ عقیدۂ توحید اور خدائے واحد کی عبادت پر اتفاق کرلیا کرتے تھے مگر اس بات پر اتفاق نہیں کرتے تھے کہ ان کے معبودانِ باطلہ کی مذمت کی جائے، ان کے دین پر طعن کیا جائے اور ان کے آباء واجداد کو بھلا بُرا کہا جائے، اللہ نے مسلمانوں کو بتوں کو گالیاں دینے سے منع فرمایا ہے تاکہ مشرکین اللہ کو گالیاں نہ دیں، حالانکہ وہ ہمیشہ شرک پر قائم رہے، پس معلوم ہوا کہ اللہ کو گالی دینے سے احتراز کرنا کفر باللہ سے احتراز کرنے سے شدید تر ہے، اس لیے دونوں کے حکم کو یکساں قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرا مسئلہ: ذمی سے توبہ کا مطالبہ اور اس کی توبہ کا مقبول ہونا

ذمی کی توبہ کے بارے میں علماء کے اقوال:

قاضی (ابویعلی) اور ان کے جمہور اصحاب، مثلاً شریف، ابن البناء، ابن عقیل اور ان کے ہمنوا اُس کی توبہ قبول کرتے اور توبہ کی وجہ سے قتل کو اس سے ساقط کرتے ہیں، اُن کے اصول کے مطابق یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ مسلم اگر اللہ کو گالی دے کر توبہ کرے تو وہ اس کی توبہ کو قبول کرتے ہیں بنا بریں ذمی کی توبہ قبول کیے جانے کی زیادہ مستحق ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا معروف مذہب بھی یہی ہے، اُن کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ اہل ذمہ کے شروط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اگر تم (اہل ذمہ) میں سے کوئی حضرت محمد ﷺ یا کتاب اللہ اور اس کے دین کا تذکرہ نازیبا الفاظ میں کرے تو اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو جائے گا۔ ان میں سے کوئی اگر ایسا کام کرے یا ایسی بات کہے جس کو میں نے نقضِ عہد قرار دیا ہے، پھر اسلام لائے تو قول کی صورت میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔''

جبکہ صراحتاً اس نے اللہ کو گالی نہ دی ہو، اگر اپنے عقیدے کے مطابق اس کا اظہار کریں تو ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد بھی یہی ہو، ابن قاسم اور دیگر مالکیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ اُسے قتل کیا جائے، الّا یہ کہ وہ اسلام لائے۔ ابن مسلمہ، ابن ابی حازم اور مخزومی نے کہا ہے کہ توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اُسے قتل نہ کیا جائے، اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ اُسے قتل کیا جائے اور جو بات امام مالک رحمہ اللہ سے صراحتاً منقول ہے وہ یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی منقول ہے۔

حنبل کی روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جو شخص کسی چیز کا ذکر کرے اور اشارہ و کنایہ میں اللہ کی توہین کرے تو اسے قتل کیا جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، یہ اہل مدینہ کا مذہب ہے۔''

اس عبارت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ توبہ کرنے سے اس کا قتل ساقط نہیں ہوتا، جس طرح مسلم کے توبہ کرنے سے اس کا قتل ساقط نہیں ہوتا، انھوں نے اسی قسم کی عبارت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کے بارے میں بروایت حنبل بھی تحریر کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو مسلم یا کافر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے، حنبل کے سامنے اہل مدینہ کے مسائل پیش کیے جاتے تھے اور اُن کے بارے میں اُن سے دریافت کیا جاتا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشنام دہندہ کے بارے میں ہمارے اصحاب نے ان کے قول کی یہ تشریح کی ہے کہ توبہ کرنے سے قتل اس سے مطلقاً ساقط نہیں ہوتا، اس کی توجیہ پہلے گزر چکی ہے، اور یہ بھی اسی طرح ہے، جب ہم کہتے ہیں کہ جو مسلم اللہ کو گالیاں دیتا ہے اس کے توبہ کرنے سے قتل اس سے ساقط نہیں ہوتا، یہ نہایت واضح بات ہے، اس کی دلیل ہمارے نزدیک زندقہ سے ماخوذ نہیں۔ اگر گالی کے سوا وہ کسی اور کفر کا اظہار کرے تو ہم اُس سے توبہ کا مطالبہ کریں گے، ہمارے نزدیک اس کی دلیل یہ ہے کہ حد لگا کر سزا کے طور پر کافر ہونے کے باوجود اُسے قتل کیا جائے، جس طرح دیگر افعال کی وجہ سے اُسے قتل کیا جاتا ہے۔

اللہ کو گالی دینے کے مراتب:

پہلا درجہ: جو شخص اپنے عقیدے کے مطابق خدا پر عیب لگائے مگر دین اسلام کو گالی نہ دے، البتہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گالی ہو، مثلاً نصاریٰ کا قول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں:

حدیث قدسی:

''ابن آدم نے مجھے گالی دی، حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھے۔''

پھر فرمایا:

''اس کا مجھے گالی دینا تو یہ ہے کہ میری اولاد ہے، جبکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں نہ میری اولاد ہے نہ والدین۔''[1]

تو اس کا حکم وہی ہے جو دیگر انواعِ کفر کا ہے، خواہ اسے گالی کہا جاتا ہو یا کچھ اور، ہم قبل ازیں اس کے ضمن میں اختلاف کا تذکرہ کر چکے ہیں کہ اس سے عہد ٹوٹتا ہے یا نہیں اور اگر اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ اس سے عہد ٹوٹ جاتا ہے تو اسلام لانے سے قتل کا ساقط ہونا لازمی بات ہے اور جمہور کا قول بھی یہی ہے۔

دوسرا درجہ: اگر کوئی شخص اپنے عقیدے کا اظہار کرے اور وہ مسلمانوں کے دین کے مطابق گالی اور اُس پر طعن ہو تو یہ اس کا دوسرا مرتبہ ہے، مثلاً یہودی مؤذن سے کہے کہ تُو نے جھوٹ بولا یا نصرانی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تردید کرنا یا کسی شخص کا احکام خداوندی اور اس کی کتاب میں کیڑے نکالنا و مثل ایں، تو عہد کے ٹوٹنے میں اس کا حکم وہی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کا۔ یہی وہ قسم ہے جس کو فقہاء نے نواقضِ عہد میں شمار کیا ہے، چنانچہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کا ذکر برائی کے ساتھ کرے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، باقی رہا اسلام لانے کے ساتھ قتل کا ساقط ہونا تو وہ رسول کو گالی دینے کی طرح ہے، البتہ اس میں بندے کا حق پایا جاتا ہے، جو شخص رسول کو گالی دینے کے سلسلے میں اس راہ پر گامزن ہے تو وہ دونوں میں فرق کرتا ہے، قاضی (ابو یعلی) اور ان کے اکثر اصحاب کا موقف یہی ہے کہ جو شخص رسول کو قتل کرے تو اُسے ہر حال میں قتل کیا جائے، اس لیے کہ یہ اسلام کے خلاف جرم ہے اور ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ لڑنے والا ہے، ہم قبل ازیں جو دلائل ذکر کر چکے ہیں ان کا تقاضا بھی یہ ہے۔

تیسرا درجہ: گالی کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ اس طرح سے گالی دے جو اس کے عقیدے سے ہم آہنگ نہ ہو بلکہ اس کے دین میں بھی اسی طرح حرام ہو جس طرح اللہ کے دین میں، مثلاً کسی پر لعنت اور اس کی مذمت کرنا و مثل ایں، تو اس میں اور مسلم کے گالی دینے میں کچھ فرق نہیں بلکہ بعض اوقات اس میں زیادہ شدت پائی جاتی ہے، اس لیے کہ وہ اپنے دین میں اس کلام کو اسی طرح حرام سمجھتا ہے

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٩٧٥)

جس طرح مسلمان اس کو حرام سمجھتے ہیں، ہم اس سے یہ عہد لے چکے ہیں کہ جس چیز کو وہ حرام سمجھتا ہے ہم اس کے بارے میں اُس پر حد لگائیں گے، پس اس کے اسلام لانے نے اس کی حرمت کے اعتقاد کی تجدید نہیں کی، بخلاف ازیں وہ اُس ذمی کی طرح ہے جبکہ وہ زنا کرے یا قتل کرے یا چوری کرے اور پھر مسلمان ہو جائے۔

علاوہ ازیں وہ مسلمانوں کو ایذا بھی دیتا ہے جیسے رسول کریم ﷺ کو گالی دے کر بلکہ اس سے شدید تر، جب ہم کہتے ہیں کہ مسلم اگر اللہ کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی تو پھر یوں کہنا اولیٰ ہے کہ ذمی کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، برخلاف رسول کے کہ جو اس کی تکذیب کرتا ہے رسول اس کی مذمت کرتا ہے، نیز رسول جس کو اپنا خالق سمجھتا ہے اس کی مذمت کرنے کا عقیدہ نہیں رکھتا، اس اعتبار سے اولیٰ یہ ہے کہ رسول کو گالی دینے والے سے قتل ساقط نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ امام مالک اور احمد سے اللہ کو گالی دینے والے کا استثنا منقول نہیں، جس طرح رسول کو گالی دینے والے کا استثنا منقول ہے، اگرچہ دونوں کے اصحاب میں سے بہت سے اس کے برعکس عقیدہ رکھتے ہیں۔

امام مالک اور احمد رحمہما اللہ کی مقصود و مراد گالی کی یہ نوع ہے، اسی لیے انھوں نے مسلم و کافر کو اس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملحق کر دیا ہے، اس لیے یہ ان دونوں کی طرف سے گالی تصور کی جائے گی، اس قسم کے افعال کے ساتھ جو چیز زیادہ مماثلت رکھتی ہے وہ اس کا مسلم عورت کے ساتھ زنا کرنا ہے جو ان کے دین میں حرام اور مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہے، اگر وہ اسلام بھی لے آئے تو یہ جرم اس سے ساقط نہیں ہوگا، بخلاف ازیں اسے یا تو قتل کیا جائے گا یا اس پر زنا کی حد جاری کی جائے گی، اللہ کو گالی دینے کا بھی یہی حکم ہے۔

یہاں تک کہ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ اس کلام سے عہد نہیں ٹوٹے گا تو اُس پر حد کا قائم کرنا واجب ہوگا، اس لیے کہ وہ جس کو بھی حرام سمجھتا ہے ہم اس کے ضمن میں اس پر اللہ کی مقرر کردہ حد لگائیں گے جو دین اسلام میں مشروع ہے، اگرچہ ذمی کی کتاب میں اس کا پتہ نہ چل سکے، جبکہ دل پر یہ تأثر غالب ہے کہ تمام اصلِ ادیان ایسے کلام کی وجہ سے قتل کر سکتے ہیں اور اس کی حد اللہ کے دین میں بھی قتل ہے، جس طرح نبی اکرم ﷺ نے جب ان کے زانی کو زنا کی سزا دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ انھوں نے اُسے مٹا دیا تھا۔''[1] ظاہر ہے

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۷۰۰)

کہ ایسا زانی ان میں سے اسلام لے آتا تو بھی اس سے حد ساقط نہ ہوتی، پھر جو شخص اللہ کو ایسی گالی دے جو اہل ذمہ اور ہمارے مذہب دونوں میں گالی شمار کی جاتی ہو اللہ کے نزدیک اور خود ان کے نزدیک عظیم جرم ہے، اس کے بارے میں اولیٰ یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو زندہ کیا جائے اور اُس پر اُس جرم کی حد لگائی جائے۔

اس قسم کے بارے میں فقہاء کے تین اختلافی اقوال ہیں:

پہلا قول: ذمی سے اسی طرح توبہ کا مطالبہ کیا جائے جیسے مسلم سے، یہ اہل مدینہ کے ایک گروہ کا نظریہ ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، گویا ان کے نزدیک اس سے عہد نہیں ٹوٹتا، اس لیے کہ ناقضِ عہد کو محارب کی طرح قتل کیا جاتا ہے، اصل حربی کافر سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے کوئی معنی نہیں، ان کے نزدیک اس کی حد مسلم کی طرح قتل ہے، وہ مسلم سے توبہ کا مطالبہ کرتے ہیں، اسی طرح ذمی سے بھی توبہ کا مطالبہ کیا جائے، ان لوگوں کے قول کے مطابق زیادہ قرینِ قیاس یہ بات ہے کہ گالی سے توبہ کرنے کے لیے وہ اسلام لانے کا محتاج نہیں ہے بلکہ اس کی توبہ قبول کی جائے اگرچہ وہ اپنے دین پر قائم ہو۔

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ اُس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، اگر وہ اسلام قبول کرے تو اُسے قتل نہ کیا جائے، یہ ابن قاسم وغیرہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، قاضی ابو یعلی کے طریقے کے مطابق اس میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا گیا، اس لیے کہ اس کا عہد نہیں ٹوٹا، لہٰذا اُسے قتل کرنے کے لیے توبہ کے مطالبے کی ضرورت نہیں تاہم اگر وہ اسلام لائے تو حربی کی طرح قتل اُس سے ساقط ہو جائے گا۔

تیسرا قول: تیسرا قول یہ ہے کہ اُسے بہر حال قتل کیا جائے، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول کا بھی ظاہر مفہوم یہی ہے کیونکہ اس کا قتل ایسے جرم کی بنا پر واجب ہوا ہے جو اللہ کے دین اور اس کے دین میں حرام ہے، اس لیے اسلام لانے سے اس کی سزا ساقط نہیں ہوگی، جیسے زنا، سرقہ اور شراب نوشی کی سزا ساقط نہیں ہوتی، سابق الذکر دلائل میں سے اکثر اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

گالی کی حقیقت

مسلم کے بارے میں ہم نے جس گالی کا ذکر کیا ہے وہ ایسا کلام ہے جس سے کسی کی توہین اور استخفاف مقصود ہو۔ اختلافِ عقائد کے باوجود لوگوں کی عقل میں گالی کا مفہوم یہی ہے، جیسے لعنت، کسی

کی مذمت کرنا وشل ایں۔مندرجہ ذیل آیت بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے:

﴿ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ [الأنعام: ۱۰۸]

''ان لوگوں کو گالی نہ دو جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ورنہ وہ دشمنی کی وجہ سے بغیر علم کے اللہ کو گالیاں دیں گے۔''

یہ بہت بڑی بات ہے جو لوگوں کی زبانوں سے صادر ہوتی ہے، اگر جو بات حقیقت اور حکم دونوں کے لحاظ سے گالی ہے، مگر بعض لوگ اسے ایک دینی عقیدہ سمجھ کر صواب اور حق تصور کرتے ہیں اوران کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نقص وعیب نہیں ہے تو یہ کفر کی نوع ہے، اس کے مرتکب کا حکم یا تو اس مرتد کا ہے جو اپنے ارتداد کا اعلان کرتا ہو، یا اُس منافق کا جو اپنے نفاق کو چھپاتا ہو اور یہاں مسئلہ زیر بحث اُس کلام کا ہے جس کے قائل کو کافر قرار دیا جاتا ہے یا کافر نہیں سمجھا جاتا، باقی رہی عقائد کی تفصیل اور یہ کہ کون سے عقائد کفر کے موجب ہیں اور کون سے محض بدعت کے یا جن میں اختلاف پایا جاتا ہے تو یہ اس کا محل نہیں ہے، ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ گالی کی ان اقسام میں شامل نہ ہو جس کے قائل سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے بارے میں نفیاً واثباتاً ہم نے بحث کی ہے۔ واللہ أعلم

اس شخص کا حکم جو اس شخص کو گالی دے جو ایسے نام سے موسوم ہو جس کا اطلاق اللہ یا اس کے بعض رسولوں پر کیا جاتا ہو:

اگر کسی شخص کو گالی دے اور وہ کسی وصف سے ہو یا کسی نام سے موسوم ہو اور اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ اور اس کے بعض رسولوں پر خصوصاً یا عموماً ہوتا ہو مگر ظاہر یہ ہوا کہ اس کا ارادہ یہ نہ تھا کیونکہ اکثر و بیشتر اسم کا مقصد یہ نہیں ہوتا بلکہ کچھ اور ہوتا ہے تو یہ قول اور اس کے نظائر واشباہ فی الجملہ حرام ہیں، اگر اس کا فاعل اس حرمت سے آگاہ نہ ہو تو اُس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر حرمت سے آگاہ ہو تو اُس پر تعزیر بلیغ لگائی جائے مگر اس بنا پر نہ اس کی تکفیر کی جاسکتی ہے نہ اسے قتل کیا جاسکتا ہے، اگرچہ اس کے کافر ہونے کا خدشہ دامن گیر ہے۔

مثال اول: پہلی مثال یہ ہے کہ زمانے کو گالی دے جس نے اس کے دوستوں کو اس سے جدا کر دیا یا زمانے کو بُرا بھلا کہے جس نے اُسے لوگوں کا محتاج بنا دیا یا زمانے پر تنقید کرے جس نے اُسے اس

معاشرے سے وابستہ کر دیا جو اُسے پریشان کرتا ہے اور اس قسم کے الفاظ وکلمات جو نظماً و نثراً لوگوں کی زبان پر آتے ہیں، ایسے شخص کا مطلب اس شخص کو گالی دینا ہوتا ہے جو اس کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے، پھر اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے یا وہ اس طرح کہتا ہے کہ یہ سب کچھ زمانہ کرتا ہے اور وہ اُسے گالیاں دینے لگتا ہے، حالانکہ دراصل ان سب چیزوں کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے، بایں طور گالی اللہ پر پڑتی ہے جبکہ آدمی کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا، رسول اکرم ﷺ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''زمانے کو گالی نہ دو کہ زمانے سے مراد اللہ ہے اور اسی کے ہاتھ میں سب اختیارات ہیں۔''[1]

ایک حدیث قدسی میں فرمایا:

''اے آدم کے بیٹے! تُو زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہوں، تمام اختیارات میرے پاس ہیں، میں ہی شب و روز کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہوں۔''[2]

ایسے قول سے رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا اور اسے حرام قرار دیا، نہ کہ اسے کفر قرار دیا اور نہ قتل۔ اور حرام قول تعزیر و سزا کا تقاضا کرتا ہے۔

دوسری مثال: دوسری مثال یہ ہے کہ کسی آدمی کو گالی دے جو کسی اسم عام سے موسوم ہو، جس میں انبیاء اور دیگر لوگ بھی شامل ہوں مگر ایسے ظاہر ہوتا ہو کہ اُس نے اس عام میں انبیاء کو شامل کرنے کا ارادہ نہیں کیا، جیسا کہ کرمانی نے ذکر کیا کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ کسی نے کہا کہ اے فلاں فلاں کے بیٹے! یہاں تک کہ وہ شمار کرتے کرتے آدم و حوا علیہما السلام تک پہنچ گیا، اس نے اس کو بڑی اہمیت دی اور کہا: ''ہم اللہ سے عافیت چاہتے ہیں، اس نے عظیم جرم کا ارتکاب کیا ہے''، پھر اس کی حد کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں، پھر فرمایا کہ اس پر ایک ہی حد لگے گی۔ اس کا ذکر ابوبکر عبدالعزیز نے بھی کیا ہے۔

چنانچہ امام احمد اس قول کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں قرار دیتے، حالانکہ اس لفظ میں حضرت نوح، ادریس اور شیث علیہم السلام انبیاء بھی شامل ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ اس شخص نے حضرت آدم و حوا کو اس کے عموم میں شامل نہیں کیا بلکہ ان دونوں کو بہتان لگانے کی حد مقرر کیا ہے، اس لیے کہ اگر وہ دونوں

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٤٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٢٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٤٦)

مقذوف (بہتان زدہ) ہوتے تو اس کا قتل بلاشبہ متعین ہوتا۔

اور اس حالت میں ایسا عموم پیدا کرنے والا اس میں انبیاء کو داخل کرنے کا قصد نہیں کرتا، اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو عظیم جرم تصور کیا ہے، اس کی سب سے اچھی حالت یہ ہے کہ اس نے بہت سے مومنین پر بہتان لگایا ہو مگر ایک حد کو واجب ٹھہرایا ہو، اس لیے کہ حد کا لفظ یہاں امام احمد کی اصطلاح کے مطابق قبیلے کے لیے استعمال ہوا ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ ایسے الفاظ کے بارے میں اکثر مالکیہ کا یہی قول ہے۔

سحنون، اصبغ اور دیگر علماء اُس شخص کے بارے میں کہتے ہیں جس سے اس کا قرض خواہ کہے: صلى الله على النبي محمد، یہ سن کر طالب نے اس سے کہا: اللہ اُس پر درود وسلام نہ بھیجے جو آپ پر درود وسلام بھیجے، سحنون نے کہا کہ وہ اس آدمی کی طرح نہیں جو رسول کریم ﷺ یا فرشتوں کو گالیاں دے جو رسول کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں اور وہ غصے کی حالت میں ہو، اس لیے کہ اس نے لوگوں کو گالیاں دیں۔ اصبغ وغیرہ کہتے ہیں کہ اُسے قتل نہ کیا جائے، اس نے صرف لوگوں کو گالیاں دی ہیں۔ ابن ابی زید نے اس شخص کے بارے میں اسی طرح کہا جو کہے کہ اللہ عربوں پر لعنت کرے، اللہ بنی اسرائیل پر لعنت کرے اور اللہ بنی آدم پر لعنت کرے، اس نے ذکر کیا کہ میرا مقصد انبیاء کو شامل کرنا نہیں بلکہ ان میں سے جو ظالم ہیں ان پر لعنت کی گئی ہے۔ ایسے شخص کو حاکم کی صوابدید کے مطابق سزا دی جائے۔

علماء کا ایک گروہ، جس میں حارث بن مسکین شامل ہیں، اس طرف گیا ہے کہ درود وسلام کے مسئلے میں یہ بات کہنے والے کو قتل کیا جائے، ابوموسیٰ بن عباس اُس شخص کے بارے میں کہتے ہیں جو کہے کہ اللہ اُس پر آدم تک لعنت کرے کہ اُسے قتل کیا جائے، علامہ کرمانی نے بالکل اسی طرح کہا ہے۔ جو شخص کہے کہ میں نے اللہ کے تمام احکام کی نافرمانی کی تو ہمارے اصحاب کے دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے (کہ اسے قتل کیا جائے۔) ہمارے اکثر اصحاب کہتے ہیں کہ یہ قسم نہیں ہے، کیونکہ اُس نے معصیت کا التزام کیا ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے میں نے قرآن کو مٹا دیا یا میں نے شراب پی، اگر میں نے اس طرح کیا مگر اس عموم کی وجہ سے اس نے ارادۂ کفر کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اگر اس کا ارادہ کفر کا ہوتا تو اس کو کفر کے خاص نام سے ذکر کرتا اور اس نام کے ساتھ اکتفا نہ کرتا جس میں تمام معاصی شامل ہوتے۔

بعض علماء اس کو قسم قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ جن امور کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں سے قسم بھی ہے اور اس کی نافرمانی اس میں کفر ہے، اور اگر قسم میں کفر کا التزام کیا، مثلاً یوں کہا کہ وہ یہودی یا

عیسائی ہے یا وہ اللہ اور اسلام سے بری ہے یا یہ کہ وہ فرد خنزیر کو حلال سمجھتا ہے یا یوں کہے کہ اگر وہ ایسا کرے تو اللہ اس کو فلاں جگہ نہ دیکھے تو مشہور مذہب کے مطابق یہ قسم ہے، اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ عام ہیں، اس لیے اس سے خصوص کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا، جن لوگوں نے اس موقف کو اختیار کیا ہے وہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ قائل اس بات سے آگاہ نہ تھا کہ اس نسب میں انبیاء بھی شامل ہیں۔

پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجر بن ابی امیہ کو ایک عورت کے بارے میں لکھا جو مسلمانوں کی ہجو گوئی کیا کرتی تھی (مہاجر نے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔) حضرت ابوبکر نے اس کا ہاتھ کاٹنے پر مہاجر کو ملامت کی۔ حضرت ابوبکر نے لکھا کہ واجب یہ تھا کہ اس عورت کو جسمانی سزا دی جاتی، حالانکہ ان الفاظ کے عموم میں انبیاء بھی داخل ہوتے ہیں، نیز اس لیے کہ الفاظِ عامہ کی تعداد بہت زیادہ ہے اور زیادہ تر ان سے خاص مفہوم مراد لیا جاتا ہے، جب ایک لفظ گالی اور بہتان کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے، انبیاء اور ان جیسے لوگوں کی خصوصیات ہوتی ہیں، جو اس امر کی موجب ہیں کہ اُن کا ذکر بطور خاص اچھے الفاظ میں کیا جائے، غصہ انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ گفتگو کرتے وقت اختصار اور توسع سے کام لے۔ یہ قرائن عرفیہ، لفظیہ اور حالیہ ہیں اس امر کے کہ انبیاء کا اس عموم میں داخل ہونا مقصود نہیں، خصوصاً جبکہ اس فرد کا دخول عموم میں اس انداز کا ہو کہ اسے محسوس نہ کیا جاتا ہو۔

اس کی مؤید یہ بات ہے کہ ایک یہودی نے عہدِ رسالت میں کہا مجھے اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت بخشی، مسلم نے اس کو تھپڑ مارا حتی کہ یہودی نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی، رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دیا کرو[1] کیونکہ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی بے آبروئی کا پہلو نکلتا ہے۔ اور اگر یہودی علانیہ کہتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت محمد ﷺ سے افضل ہیں تو اجماعاً اس پر قتل کی یا دوسری قسم کی تعزیر لگائی جاتی، جیسا کہ قبل ازیں اس پر تنقید گزر چکی ہے۔

انبیاء کو گالی دینا کفر و ارتداد یا محاربہ ہے

دیگر تمام انبیاء کو گالی دینے کی سزا بھی وہی ہو جو ہمارے نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے کی ہے، جو شخص کسی نبی کو گالی دے جو معروف انبیاء میں سے ہو اور اُس کا نام قرآن میں مذکور یا نبوت کے ساتھ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤١١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٧٣)

موصوف ہو، مثلاً کسی گفتگو کے دوران یوں کہے کہ فلاں نبی نے ایسا کیا یا یوں کہا، پھر ایسی بات کہنے والے یا کرنے والے کو گالی دے، جبکہ وہ جانتا بھی ہو کہ یہ نبی ہے، اور اگر اُسے معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے یا گروہِ انبیاء کو علی الاطلاق گالی دے تو اس کا حکم وہی ہے جو پیچھے گزرا۔ اس لیے کہ ان پر ایمان لانا عموماً واجب ہے اور اس نبی پر خصوصاً ایمان لانا واجب ہے، جس کا واقعہ اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، اگر مسلم نبی کو گالی دے تو وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے، اور اگر ذمی گالی دے تو وہ حربی کافر بن جاتا ہے۔

اور سابق الذکر دلائل سے یہ بات بالعموم لفظاً یا معناً مستفاد ہوتی ہے، مجھے کسی شخص کے بارے میں معلوم نہیں کہ اس نے دونوں میں تفریق کی ہو، اگرچہ ہمارے فقہاء نے زیادہ تر ہمارے نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے والے کا ذکر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر اسی کی ضرورت پڑتی ہے، نیز اس لیے کہ رسول کریم ﷺ کی تصدیق ہم پر اجماعاً وتفصیلاً ہر طرح واجب ہے، اس میں بھی شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کو گالی دینے والے کا جرم دوسرے انبیاء کو گالی دینے والے سے بڑھ کر ہے، جس طرح آپ کی حرمت وتقدس سب سے زیادہ ہے، تاہم اس امر میں آپ کے سب انبیاء ورسل سہیم وشریک ہیں کہ ان کو گالی دینے والا کافر اور مباح الدم ہے۔

اگر کوئی شخص کسی نبی کو گالی دے مگر وہ ان کی نبوت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو اُس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے جبکہ اس کی نبوت ورسالت کتاب وسنت سے ثابت ہو، کیونکہ یہ اس کی نبوت سے انکار ہے، بشرطیکہ اُسے اُن کا نبی ہونا معلوم نہ ہو، اس لیے کہ یہ خالص گالی ہے، لہٰذا اُس کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی کہ مجھے اُن کے نبی ہونے کا علم نہ تھا۔

ازواج مطہرات کو گالی دینے والا کا حکم:

جو شخص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو گالی دے تو قاضی ابو یعلی اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر وہی بہتان لگائے جس سے اللہ نے ان کو بری کیا ہے، بلاخوف ونزاع وہ کافر ہو جاتا ہے، متعدد اہل علم نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور بہت سے ائمہ نے اس حکم کی تصریح کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کا حکم:

امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دے اُسے کوڑے مارے جائیں اور جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے، ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا اس نے قرآن کی مخالفت کی، قرآن کریم میں فرمایا:

﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [النور: ١٧]

''اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ کبھی بھی آئندہ اس طرح نہ کرو اگر تم مومن ہو۔''

ابوبکر بن زیاد نیشاپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے سنا، وہ اسماعیل بن اسحاق کو کہہ رہے تھے کہ رَقّہ کے شہر میں خلیفہ مامون کے پاس دو آدمیوں کو لایا گیا، اُن میں سے ایک نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی تھی اور دوسرے نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو۔ اس نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کے قتل کا حکم دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا، اسماعیل نے کہا دونوں کا حکم یہ ہے کہ اُن کو قتل کیا جائے کیونکہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی اس نے قرآن کی مخالفت کی، اہل الفقہ والعلم کا طرزِ عمل اہل بیت وغیرہم کے ساتھ یہی رہا ہے۔

ابو سائب قاضی نے کہا کہ ایک دن میں قبرستان میں حسن بن زید الداعی کے پاس تھا، وہ اُون کا لباس پہنتے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عمل پیرا تھے۔ وہ ہر سال بیس ہزار دینار مدینہ منورہ بھیجتے تھے تاکہ صحابہ کے بچوں میں تقسیم کیے جائیں، اُن کے پاس ایک شخص تھا جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ قبیح الفاظ میں کیا، انھوں نے غلام کو حکم دیا کہ اس کی گردن اُڑا دے، یہ دیکھ کر علویوں نے کہا کہ یہ ہمارے گروہ کا آدمی ہے، اس نے کہا: پناہ بخدا! اس شخص نے رسول کریم ﷺ پر طعن کیا۔ قرآن میں فرمایا:

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ [النور: ٢٦]

''ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک عورت کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے یہ (پاک لوگ) ان (بد لوگوں) کی باتوں سے بری ہیں اور ان کے لیے بخشش اور نیک روزی ہے۔''

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ناپاک تھیں تو نبی اکرم ﷺ بھی ناپاک ہوں گے، لہٰذا یہ شخص کافر ہے، اس کی گردن اُڑا دو، چنانچہ میری موجودگی میں اُسے قتل کر دیا گیا۔ اس کو لالکائی نے روایت کیا ہے۔

حسن بن زید کے بھائی محمد بن زید سے مروی ہے کہ اُن کے پاس عراق کا ایک شخص آیا اور اس نے بُرے الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا، وہ ایک کھمبا لے کر اس کی طرف بڑھے اور اس کے سر پر مار کر اُسے قتل کر دیا، اُن سے کہا گیا کہ یہ شخص (مقتول) تو ہمارے گروہ سے ہمارا چچا زاد تھا۔

انھوں نے کہا: اس نے میرے جد (دادا یا نانا) کو برا کہا اور جو اسے برا کہے گا وہ قتل کا مستحق ہوگا، لہٰذا میں نے اُسے قتل کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا دیگر اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کو گالی دینا:

جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر اُمہات المومنین کو گالی دے تو اُس کے بارے میں دو قول ہیں:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ وہ اسی طرح ہے جیسے دیگر صحابہ کو گالی دی ہو۔

۲۔ دوسرا صحیح تر قول یہ ہے کہ جو اُمہات المومنین میں سے کسی پر بہتان لگائے تو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے کی مانند ہے، یہی قول قبل ازیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث عار و ننگ ہے، یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اتنی بڑی اذیت رسانی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے نکاح کرنا بھی اتنا اذیت رساں نہیں ہے۔ ہم قبل ازیں مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بھی اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ [الأحزاب: ٥٧]

”بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔“

اور یہ معاملہ نہایت واضح ہے۔

کسی صحابی کو گالی دینے والے کی سزا:

جو شخص کسی صحابی کو گالی دے، خواہ صحابی اہل بیت میں سے ہو یا کوئی اور، تو امام احمد اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اسے عبرت ناک سزا دی جائے، انھوں نے اسے کافر قرار دینے اور قتل کرنے سے احتراز کیا، ابو طالب کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دے، انھوں نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اس کو قتل کرنے سے احتراز کیا جائے، البتہ اسے عبرت ناک سزا دی جائے، عبداللہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ صحابہ کو گالی دینے والے کو کیا سزا دی جائے؟ انھوں نے کہا: اسے مارا جائے، میں نے کہا آیا اس پر حد لگائی جائے؟ انھوں نے اسے تسلیم نہ کیا اور صرف یہ کہا کہ اسے پیٹا جائے، نیز یہ فرمایا کہ میرے خیال میں وہ مسلمان نہیں ہے۔

عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے روافض کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: کیا وہی روافض جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہیں؟

شیعہ کے بارے میں امام احمد کا زاویۂ نگاہ:

امام احمد رحمہ اللہ نے اس رسالے میں فرمایا جس کو ابو عباس احمد بن یعقوب اصطخری وغیرہ نے روایت کیا ہے:

"رسول اکرم ﷺ کے بعد امت میں سب سے بہتر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ، اس کے آگے بعض لوگوں نے توقف سے کام لیا۔ یہ (چاروں) ہدایت یافتہ خلفائے راشدین تھے، اُن کے بعد اصحابِ رسول سب لوگوں سے افضل ہیں، کسی کے لیے جائز نہیں کہ اُن کی برائیاں ذکر کرے، اور نہ ہی کسی کا عیب ونقص بیان کرے اور طعن کا نشانہ بنائے، جو ایسا کرے اس کی تادیب اور سزا واجب ہے، اُسے معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں بلکہ اسے سزا دے اور اس سے توبہ کا مطالبہ کرے، اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اگر توبہ نہ کرنے پر مصر رہے تو اُسے بار دیگر سزا دی جائے اور ہمیشہ قید میں رکھا جائے، یہاں تک کہ مر جائے یا رجوع کرے۔"

امام احمد رحمہ اللہ نے یہ بات اپنے ہم عصر اہل علم سے نقل کی ہے، نیز کرمانی نے اس کو امام احمد، اسحاق، حمیدی، سعید بن منصور وغیرہم سے نقل کیا ہے، میمونی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سنا، فرماتے تھے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھیں کیا سروکار؟ ہم خدا سے عافیت طلب کرتے ہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے مجھے کہا اے ابوالحسن! جب تم کسی کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بُرائی کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کا اسلام مشکوک ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے صراحتاً فرمایا ہے کہ کوڑے مار کر اس کی تعزیر کی جائے اور توبہ کا مطالبہ کیا جائے، یہاں تک کہ وہ (حق کی طرف) لوٹ آئے اور اگر باز نہ آئے تو اُسے تاوفات قید رکھا جائے، یہاں تک کہ رجوع کر لے، فرماتے ہیں کہ میں اُسے مسلمان نہیں سمجھتا، اس کا اسلام مشکوک ہے، تاہم میں اسے قتل نہیں کرتا۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ جو رسول کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دے اُسے سزا دی جائے اور قید میں رکھا جائے۔

ہمارے بہت سے اصحاب کا یہی قول ہے، اُن میں سے ابن ابی موسیٰ بھی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ روافض میں سے جو علمائے سلف کو گالی دے وہ رشتے میں کفو (ہمسر) نہیں ہے، اسے رشتہ نہ دیا جائے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اُس گناہ سے متہم کرے جس سے اللہ نے ان کو بری کیا وہ اسلام سے نکل گیا، لہٰذا وہ کسی مسلم عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا، الا یہ کہ وہ علانیہ توبہ کا اظہار کرے، فی الجملہ حضرت عمر بن عبدالعزیز، عاصم احول اور دیگر تابعین کرام رحمہم اللہ کا موقف بھی یہی ہے۔

حارث بن عتبہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا، جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی، انھوں نے دریافت کیا کہ تجھے کس بات نے ان کو گالی دینے پر آمادہ کیا؟ اس نے کہا: ''میں ان سے عداوت رکھتا ہوں۔'' فرمایا: تو جس سے تمھاری عداوت ہوگی اسے گالیاں دیا کرو گے؟'' چنانچہ آپ نے اسے تیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو کسی کو مارتے نہیں دیکھا ماسوا ایک شخص کے جس نے (امیر المومنین) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی، انھوں نے اُسے کوڑے مارے۔ ہر دو روایات کو لالکائی نے نقل کیا ہے۔ اور اسی مصنف سے قبل ازیں نقل کیا گیا ہے کہ اس نے ایک دشنام دہندہ کے بارے میں لکھا کہ صرف اس شخص کو قتل کیا جائے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے، (کسی اور کو گالیاں دینے والے) کے سر پر کوڑے مارے جائیں، اگر مجھے امید نہ ہوتی کہ اس کے حق میں یہی بہتر ہے تو میں ایسا نہ کرتا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بطریق ابو معاویہ از عاصم احول روایت کیا ہے کہ میرے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دی تھیں، کہتے ہیں کہ میں نے اسے دس کوڑے مارے، اس نے پھر گالیاں دیں، پھر میں نے اُسے دس کوڑے اور مارے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اُسے ستر کوڑے مارے، امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے اُسے قتل کیا جائے، اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالیاں دے اُس کی تادیب کی جائے۔

عبدالملک بن حبیب کہتے ہیں کہ غالی شیعہ میں سے جو شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھے اور بیزاری کا اظہار کرے اُس کی شدید تادیب کی جائے جو اس سے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بُغض رکھے اسے سخت سزا دی جائے، اُسے مکرر پیٹا جائے اور اسے طویل عرصے تک قید کیا جائے یہاں تک کہ مر جائے، صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے پر اسے قتل کیا جائے، ابن منذر کہتے ہیں کہ مجھے

کسی کے بارے میں معلوم نہیں کہ رسول کریم ﷺ کے سوا کسی کو گالی دینے پر دشنام دہندہ کے قتل کا قائل ہو، قاضی ابویعلی کہتے ہیں کہ صحابہ کو گالی دینے کے بارے میں فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس کو حلال سمجھتا ہو تو وہ کافر ہوگیا اور اگر حلال نہ سمجھتا ہو تو کافر نہیں بلکہ فاسق ہوگیا، خواہ وہ صحابہ کی تکفیر کرے یا ان کو مسلمان تو سمجھتا ہو، مگر ان کے دین پر طعن کرتا ہو۔

اہل کوفہ اور دیگر فقہاء کی ایک جماعت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کے بارے میں قتل کا فتویٰ دیا ہے، وہ روافض کی تکفیر کرتے ہیں، محمد بن یوسف فریابی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ وہ کافر ہے، پھر دریافت کیا گیا کہ آیا اُس کی نماز جنازہ پڑھی جائے؟ کہا: نہیں، سائل نے کہا: جب وہ کلمہ پڑھتا ہے تو اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ کہا: اُسے ہاتھ مت لگاؤ اور لکڑی کے ساتھ دھکیل کر اسے قبر کے گڑھے میں پھینک دو۔

احمد بن یونس کہتے ہیں: اگر ایک یہودی بکری ذبح کرے اور رافضی بھی ایک بکری ذبح کرے تو میں یہودی کا ذبیحہ کھالوں گا مگر رافضی کا ذبیحہ نہیں کھاؤں گا، اس لیے کہ وہ اسلام سے برگشتہ ہوگیا ہے۔

ابوبکر بن ہانی فرماتے ہیں:

> ''روافض اور قدریہ کا ذبیحہ نہ کھایا جائے، جس طرح مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جاتا، اگرچہ اہل کتاب کا ذبیحہ کھایا جاتا ہے، اس لیے کہ (روافض) وغیرہ مرتد کے قائم مقام ہیں، اہل ذمہ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے مگر اُن سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔''

کوفی ائمہ میں سے عبداللہ بن ادریس کہتے ہیں کہ رافضی صرف مسلم کے لیے شفعہ کر سکتا ہے۔ فضیل بن مرزوق کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن حسن سے سنا کہ وہ ایک رافضی سے کہہ رہے تھے:

> ''بخدا! تجھے قتل کرنے سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور میں اس سے اس لیے باز رہتا ہوں کہ قتل نہ کرنے کا جواز بھی موجود ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ رافضی نے کہا: خدا تجھ پر رحم کرے، تُو نے بہتان لگایا (یا) تم مذاق کے طور پر یہ بات کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا: بخدا! نہیں، یہ مذاق نہیں بلکہ میں سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اگر ہم نے تم پر قابو پایا تو ہم تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے۔

ابوبکر بن عبدالعزیز ''المقنع'' میں کہتے ہیں:

> ''رافضی اگر گالی دیتا ہو تو اس نے کفر کیا، لہٰذا اُسے رشتہ نہ دیا جائے۔''

بعض علماء کے الفاظ یہی ہیں اور قاضی ابو یعلی نے اس کی تائید کی ہے کہ اگر وہ ایسی گالی دے جس سے مسلمانوں کے دین و عدالت میں قدح وارد ہوتی ہو تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور اگر ایسی گالی دے جس سے قدح نہ وارد ہوتی ہو، مثلاً کسی کے باپ کو گالی دے یا کسی کو اس لیے گالی دے تا کہ اسے غصہ آئے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

ابو طالب نے امام احمد رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کیا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا تو انھوں نے کہا: یہ زندقہ ہے۔ مروزی کی روایت میں ہے کہ جو شخص حضرت ابو بکر، عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دے تو وہ مسلم نہیں۔ قاضی ابو یعلی نے اس کے بارے میں علی الاطلاق کہا کہ صحابہ کو گالی دینے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ عبداللہ اور ابو طالب کی روایت میں احمد رحمہ اللہ نے اسے قتل کرنے اور پوری حدّ لگانے سے توقف کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس پر تعزیر واجب ہے، یہ بات اس امر کی مقتضی ہے کہ وہ اسے کافر قرار نہیں دیتے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس امر کا احتمال ہے کہ ان کے قول ''میں اُسے مسلم خیال نہیں کرتا'' کو اس صورت پر محمول کیا جائے جبکہ وہ صحابہ کو گالی دینے کو حلال سمجھتا ہو، اس لیے کہ بلا اختلاف اس کی تکفیر نہیں کی جاتی، یہ بھی ممکن ہے کہ جو اُسے حلال نہ سمجھتا ہو اس سے قتل کو ساقط کیا جائے بلکہ اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اُسے انجام دیا، اُس شخص کی طرح جو معاصی کا ارتکاب کرتا ہو، ان کے قول کا یہ مطلب بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ جب وہ صحابہ کو ایسی گالی دے جس سے ان کی ثقاہت و عدالت مجروح ہوتی ہو، مثلاً کہے کہ انھوں نے ظلم کیا یا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فاسق ہو گئے تھے اور انھوں نے ناحق خلافت پر قبضہ کر لیا۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اسقاطِ قتل کے بارے میں ان کے قول کو اس گالی پر محمول کیا جائے جس سے اُن کے دین پر طعن وارد نہ ہوتا ہو، مثلاً یوں کہے کہ صحابہ کم علم تھے یا یہ کہ وہ سیاست و شجاعت سے کما حقہ آگاہ نہ تھے، ان میں حرص و لالچ اور دنیا کی محبت پائی جاتی تھی و مثل ایں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے کلام کو ظاہر پر محمول کیا جائے۔ اس طرح ان کو گالی دینے والے کے بارے میں دو روایتیں ہوں گی:

۱۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ وہ فاسق ہے۔

قاضی ابو یعلی وغیرہ نے بھی اسی قول پر بھروسہ کیا ہے۔ علماء سے اُن کی تکفیر میں دو روایتیں

منقول ہیں۔ قاضی ابو یعلی کہتے ہیں کہ جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایسا بہتان لگائے جس سے اللہ نے ان کو بَری کیا تھا، بلا اختلاف وہ کافر ہے۔

ہم اس موضوع کو دو فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ ایک اُن کو مطلق گالی دینے کے بارے میں۔

۲۔ دوسری فصل گالی کے احکام کی تفصیل کے بارے میں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کا (شرعی) حکم:

صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینا کتاب وسنت سے حرام ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ [الحجرات: ۱۲]

''ایک دوسرے کی چغلی مت کھاؤ۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کا کم از کم حکم یہ ہے کہ وہ چغل خور ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ﴾ [الهمزة: ۱]

''بڑی ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لیے۔''

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ [الأحزاب: ۵۸]

''وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کچھ کیے بغیر دکھ دیتے ہیں، بے شک انھوں نے بہتان کا بوجھ اٹھایا اور ظاہر گناہ کیا۔''

اس سے اہل ایمان کے رؤساء مراد ہیں، کیونکہ آیت کریمہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [البقرة: ۱۰۴] میں انھی کو مخاطب کیا گیا ہے، کیونکہ اُن کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ انھوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی بنا پر وہ سزا کے موجب ہوں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے علی الاطلاق راضی ہو چکا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ﴾ [التوبة: ۱۰۰]

''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے پہلے ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنھوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش

ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔"

قرآن میں فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [الفتح: ۱۸]

"اللہ اہل ایمان سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔"

رضا مندی اللہ کی صفات قدیمی میں سے ہے، وہ اُسی بندے سے راضی ہوتا ہے جس کے بارے میں وہ رضا کے موجبات کو پورا کرتا ہے اور اللہ جس سے راضی ہو جائے اُس پر کبھی ناراض نہیں ہوتا اور یہ الفاظ ﴿إِذْ يُبَايِعُونَكَ﴾ خواہ محض ظرف ہوں یا ایسا ظرف جس میں علت کا مفہوم ہوتا ہے، یہ اس لیے کہ رضا کا تعلق اُن کے ساتھ ہے، کیونکہ اس کا نام بھی رضا ہے، جس طرح خدا کی دیگر صفات، مثلاً: علم، مشیت، قدرت وغیر ذلک، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ظرف جنسِ رضا سے متعلق ہے اور وہ مومن سے تب راضی ہوتا ہے جبکہ وہ اس کی اطاعت کرے اور کافر کی نافرمانی سے ناراض ہوتا ہے، اللہ کی اطاعت کے بعد جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اس سے خوش ہوتا ہے، اس کے امثال و نظائر بھی اسی طرح ہیں۔

یہ جمہور سلف اہل الحدیث اور بہت سے متکلمین کا مذہب ہے، ظاہر تر بات یہی ہے، بنا بریں دیگر مقامات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اُن کی وفات اُسی ایمان پر ہوگی جس کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہوئے، جیسا کہ مذکورہ صدر سورۃ التوبہ کی آیت نمبر (۱۰۰) میں فرمایا۔ روایات صحیحہ میں رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے درخت کے نیچے بیعت کی وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔"[1]

جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ وہ اس سے راضی ہے وہ اہل جنت میں سے ہے، اگرچہ اُس کی رضا مندی ایمان اور عمل صالح کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جہاں مدح و توصیف کا مقام ہوتا ہے وہاں ان کا تذکرہ کرتا ہے، اگر اسے معلوم ہو کہ اس کے بعد وہ اللہ کو ناراض کرنے والے کام کرے گا تو وہ اہل جنت میں سے نہیں ہے۔ جس طرح قرآن میں فرمایا:

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ [الفجر: ۲۷ تا ۳۰]

"اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل، تُو اس سے راضی وہ تجھ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۴۹۶)

سے راضی، تُو میرے ممتاز بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

قرآن میں فرمایا:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [التوبة: ۱۱۷]

"بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر، جو باوجود اس کے کہ اُن میں سے بعضوں کے دل جلد پھر جانے کو تھے، مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے، پھر خدا نے اُن پر مہربانی فرمائی، بے شک وہ اُن پر نہایت شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ [الكهف: ۲۸]

"اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہیں اُن کے ساتھ صبر کرتے ہو۔"

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ [الفتح: ۲۹]

"محمد تو اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، کفار پر بڑے سخت اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

"تم بہترین جماعت ہو تو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی۔"

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ [البقرة: ۱۴۳]

"اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو امت درمیان۔"

یہ اولین لوگ ہیں جن کو ان الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا گیا اور بلاشبہ ان سے وہی لوگ مراد ہیں۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾ [الحشر: ۱۰]

''اور ان کے لیے بھی جو اُن (مہاجرین) کے بعد آئے، دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ و حسد پیدا نہ ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے لڑے بغیر مالِ غنیمت اپنے رسول کو دیہات میں رہنے والوں سے مہاجرین و انصار اور اُن لوگوں کے لیے دلوایا جو ان کے بعد آئے، جو کہ اپنے سے پہلے والے لوگوں کی مغفرت طلب کرتے اور اللہ سے دعا مانگتے تھے کہ ان کے دلوں میں اُن کے لیے بغض و عداوت پیدا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے لیے مغفرت طلب کرنا اور دل کو اُن کی عداوت سے پاک کرنا ایک ایسی بات ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور اُس کے فاعل کی تعریف کرتا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں اپنے رسول کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ [محمد: ۱۹]

''پس تُو جان لے کہ بے شک کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور اپنے گناہ کی معافی مانگ اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی مغفرت طلب کر۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ [آل عمران: ۱۱۹]

''اُن کو معاف کر دو اور ان کے لیے معافی مانگیے۔''

کسی چیز کے ساتھ محبت رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ضد کو بُرا سمجھا جائے، اس طرح اللہ ان کے لیے گالی کو ناپسند کرتا ہے، جو کہ استغفار کی ضد ہے اور بغض کو بنظر کراہت دیکھتا ہے جو کہ طہارت کی ضد ہے اور یہی معنی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کے کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لیے مغفرت طلب کریں مگر وہ گالیاں دینے لگے۔[1] (صحیح مسلم)

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۰۲۲)

مجاہد حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی مت دو، کیونکہ اللہ نے اُن کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور اُسے معلوم ہے کہ وہ لڑیں گے۔ [1]

(مسند احمد)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں کے تین مراتب ہیں، دو مرتبے گزر گئے اور ایک باقی رہا: تم جس بہترین مرتبہ پر فائز ہونے والے ہو وہ یہ ہے کہ تم اس مرتبہ تک پہنچ جاؤ جو باقی ہے، پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ [الحشر: ٨]

''(یہ مال) ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔''

یہ تھے مہاجرین اور یہ ہے مرتبہ جو گزر چکا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الحشر: ٩]

''اور اُن لوگوں کے لیے بھی جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں، اُن سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش اور خلش نہیں پاتے اور اُن کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔''

---

[1] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل (ص: ٥٩) رقم الحديث (١٨) اس کی سند ایک راوی کی جہالت کے سبب ضعیف ہے۔ اسے ابن بطہ نے بھی روایت کیا ہے جس کی سند کو ابن تیمیہ نے صحیح کہا ہے، دیکھیے: (الإبانة، ص: ١١٩، منهاج السنة: ٢/ ٢٢)

وہ کہتے ہیں کہ اس سے انصار مراد ہیں اور یہ مرتبہ گزر چکا ہے، پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [الحشر: ۱۰]

''اور اُن کے لیے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ و حسد نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! تو بڑی شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

یہ دونوں مرتبے گزر گئے اور صرف یہ مرتبہ باقی رہا، بہتر یہ ہے کہ تم اس مرتبے پر فائز ہو جاؤ جو باقی ہے۔[1] اللہ حکم دیتا ہے کہ اُن کے لیے مغفرت طلب کیجیے، نیز اس لیے کہ جس کو گالی دینا بلا واسطہ یا بالواسطہ جائز ہو اس کے لیے مغفرت طلب کرنا جائز نہیں، جس طرح مشرکین کے لیے مغفرت طلب کرنا جائز نہیں۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ [التوبۃ: ۱۱۳]

''پیغمبر اور مسلمانوں کے لائق نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک جہنمی ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں، گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔''

جس طرح گنہگاروں کے لیے مغفرت طلب کرنا جائز نہیں جو معصیت کے ساتھ موسوم ہوں، اس لیے کہ اس کا کوئی ذریعہ ممکن نہیں، نیز اس لیے کہ ہمارے لیے یہ بات مشروع ہے کہ ہم اللہ سے سوال کریں کہ ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے لیے رشک و رقابت پیدا نہ کرے اور زبان کے ساتھ گالی دینا اُس بغض سے عظیم تر ہے جس کے ساتھ گالی نہیں دی جاتی اور اگر اُن کے ساتھ بغض رکھنا اور انھیں گالی دینا جائز ہوتا تو بھی ہمارے لیے مشروع نہ تھا کہ ہم اس سے اس چیز کے چھوڑنے کا سوال کریں جس کے انجام دینے سے کچھ ضرر لاحق نہیں ہوتا، نیز اس لیے کہ لوگوں کا وصف ہے جو اس کی وجہ سے مالِ فَے (جو مال لڑے بغیر حاصل ہو) کے مستحق ہیں، جس طرح اُن لوگوں کی تعریف کی

[1] مستدرك حاكم (۲/ ٤٨٤) امام حاکم اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

جنھوں نے ہجرت و نصرت میں پہل کی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس چیز کی صفت ہے جو اُن میں تاثیر کرنے والی ہے اور اگر گالی دینا جائز ہوتا تو فَے کے مستحق ہونے میں ایک جائز امر کو چھوڑنا مشروط نہ ہوتا جس طرح باقی مباحات کو چھوڑنا مشروط نہیں، بلکہ اگر ان کے لیے استغفار واجب نہ ہوتا تو استحقاقِ فَے میں مشروط بھی نہ ہوتا، کیونکہ جو چیز واجب نہ ہو وہ مشروط نہیں ہوتی، بخلاف ازیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے لیے مغفرت طلب کرنا دین کی اصل و اساس میں داخل ہے۔

سبّ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عدم جواز پر سنت کے دلائل:

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت اعمش از ابو صالح از ابو سعید رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی نہ دو، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرلے تو اُن کے عُشرِ عشیر کو بھی نہ پہنچ سکے۔''[1]

صحیح مسلم میں ہے اور بخاری نے بھی اس سے استشہاد کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین کچھ رنجش تھی، چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ نے اُن کو گالی دی، یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''میرے صحابہ کو گالی نہ دو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو ان کے عُشرِ عشیر کو بھی نہ پہنچ سکے۔''[2]

ایک روایت میں ہے:

> ''میرے صحابہ کو گالی نہ دو، میرے لیے صحابہ کو چھوڑ دو، اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے تو ان کے عُشرِ عشیر کو بھی نہ پہنچ سکے۔''[3]

''اصحاب'' کا واحد ''صاحب'' ہے اور ''صاحب'' صحب یَصْحَبُ سے اسم فاعل ہے، جس کا اطلاق قلیل و کثیر دونوں پر کیا جاتا ہے، عربی محاورے میں کہا جاتا ہے کہ ''صَحِبْتُهٗ سَاعَةً''

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٦٧٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٤٠)
2. صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٤١)
3. دیکھیے: فتح الباري (٧/ ٣٤)

(میں ایک گھنٹہ اس کی صحبت میں رہا) اور "صَحِبْتُهُ شَهْرًا" (میں ایک مہینہ اس کی صحبت میں رہا) "وَصَحِبْتُهُ سَنَةً" (میں سال بھر اس کی صحبت میں رہا)

قرآن میں فرمایا:

﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ [النساء: ٣٦] رفیقِ سفر کو کہتے ہیں، بعض علماء کے نزدیک اس کے معنی بیوی کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رفیق اور بیوی کی صحبت بعض اوقات ایک گھنٹہ یا کم وبیش وقت تک کے لیے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے ساتھی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے جب تک اس کی صحبت باقی رہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"سب اصحاب سے افضل اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ بہتر ہو، اور بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے ساتھ بہتر ہو۔"[1]

اس حدیث کے مفہوم میں صحبت و جوار، قلیل ہو یا کثیر، دونوں آ گئے، امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی طرح فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کی صحبت میں ایک سال یا ایک ماہ یا ایک دن رہا ہو یا اس نے حالتِ ایمان میں آپ ﷺ کو دیکھا ہو وہ آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ہے اور اُسی کے بقدر اس کو شرفِ صحابیت حاصل ہے، اگر معترض کہے کہ پھر آپ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو صحابہ کو گالی دینے سے منع کیوں فرمایا جبکہ وہ خود بھی صحابی تھے اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو اُن کے عُشر عشیر کو بھی نہ پہنچ سکے۔

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور ان جیسے دیگر صحابہ سابقین اولین میں سے تھے۔ وہ اس وقت رسول کریم ﷺ کی صحبت میں رہے تھے جبکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے لوگ ہنوز آپ ﷺ کے دشمن تھے، انھوں نے فتحِ مکہ سے قبل اپنا مال خرچ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہو کر (آپ ﷺ کے دشمنوں سے) جنگ کی، ان کا درجہ اُن لوگوں سے بہت بڑا ہے جنھوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور آپ ﷺ کی رفاقت میں جہاد کیا، تاہم فریقین کو اللہ نے نیکی اور بھلائی سے نوازا، وہ اُس صحبت سے مستفید ہوئے جس میں خالد اور ان کے نظائر و امثال شریک نہ تھے، یعنی جو لوگ فتح کے بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام لائے اور جہاد کیا، لہٰذا اِس بات سے منع کیا گیا کہ پہلے شرفِ صحبت

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٠٩) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن اور علامہ احمد شاکر مصری رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (مسند أحمد بتحقيق أحمد شاكر (١٠/ ١٠٠)، رقم الحديث: ٦٥٦٦)

حاصل کرنے والوں کو گالی دی جائے، جو لوگ شرف صحبت سے محروم رہے اُن کی نسبت شرف صحبت سے بہرہ ور ہونے والوں کے مقابلہ میں اسی طرح ہے جیسے خالد رضی اللہ عنہ کی نسبت سابقین اولین کی طرف کرتے ہوئے بلکہ اس سے بھی بعید تر۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ ہر کسی سے خطاب کہ شرف صحبت حاصل کرنے والوں کو گالی نہ دو، یہ اسی طرح جیسے دوسری حدیث میں فرمایا:

''اے لوگو! میں تمھارے یہاں آیا اور تمھیں بتایا کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں مگر تم نے مجھے جھٹلایا، مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا تو کیا تم میری وجہ سے میرے ساتھی کو معاف کروا دو گے یا نہیں؟''[1] آپ نے یہ الفاظ دہرائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بعینہٖ یہی تھے یا اس سے ملتے جلتے، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمائی جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر عیب لگایا، یہ شخص فضلائے صحابہ میں سے تھا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شرف صحبت کی وجہ سے اس سے ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتے تھے۔

محمد بن طلحہ مدنی بطریقِ عبدالرحمٰن بن سالم بن عتبہ بن عویمر بن ساعدہ از والدِ خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''اللہ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے کچھ اصحاب کو چنا، پھر اُن میں سے بعض کو میرے وزیر، انصار اور بعض کے ساتھ میرا سسرالی رشتہ قائم کیا، پس جس نے ان کو گالی دی ان پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت ان کے فرائض و نوافل کو قبول نہیں کرے گا۔''[2]

یہ روایت بدیں اسناد محفوظ ہے۔ ابن ماجہ نے بھی اس اسناد کے ساتھ ایک حدیث روایت کی ہے، ابو حاتم اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ صحیح روایت ہے۔ اس راوی کی روایت تحریر کی جاتی ہے، اگر روایت کرنے میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روایت درست نہیں اور اس کے ساتھ استدلال روا نہیں ہے، اگر اسی مرتبہ کا دوسرا راوی اس کا مؤید ہو تو

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٦٦١)

[2] كتاب السنة لابن أبي عاصم (٢/ ٤٨٣) رقم الحديث (١٠٠٠) علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن سالم مجہول ہے، نیز محمد بن طلحہ بھی کمزور حافظے والا ہے۔

اس کے ساتھ احتجاج جائز ہے، مگر تنہا اس کی روایت کے ساتھ استدلال جائز نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو نشانہ مت بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان کے ساتھ عداوت رکھی اس نے مجھ سے عداوت رکھی، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے دکھ دیا اس نے اللہ کو دکھ پہنچایا اور جس نے اللہ کو ایذا دی بہت ممکن ہے کہ اُسے پکڑ لے۔''[1]

ترمذی نے اس کو بطریق عبیدہ بن ابی رائطہ از عبدالرحمٰن بن زیاد رسول کریم ﷺ سے روایت کیا۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں، یہ حدیث بطریق انس بھی مروی ہے، اُس کے الفاظ یہ ہیں:

''جس نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے اللہ کو گالی دی۔''

اس کو ابن البناء نے روایت کیا ہے۔ عطاء بن ابی رباح رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص میرے صحابہ کو گالی دے اس پر اللہ لعنت کرتا ہے۔''

اس کو ابو احمد الزبیری نے بطریقِ محمد بن خالد از عطاء روایت کیا ہے، نیز بطریقِ عطاء از ابن عمر بسند دیگر مرفوعاً بھی منقول ہے، ہر دو روایات کو لالکائی نے روایت کیا ہے۔

نیز علی بن عاصم از ابو قحذم از ابو قلابہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو۔''

اس کو لالکائی نے روایت کیا ہے۔[2] نیز اس کے بارے میں وعید بھی وارد ہوئی ہے، ابراہیم

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٩٥٤) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن غریب اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔

[2] شرح أصول الاعتقاد (١/ ١٢٦) رقم الحديث (٢٠١) علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند میں دو علتیں ہیں: (۱) ابو قلابہ اور ابن مسعود کے درمیان انقطاع۔ (۲) ابو قحذم کا ضعف۔

نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینا کبائر میں سے ہے۔''

ابو اسحاق سبیعی کا قول ہے:

''حضرت ابوبکر و عمر کو گالی دینا اُن کبائر میں شامل ہے جس کے بارے میں قرآن میں آیا ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ [النساء: ۳۱]

''اگر تم اُن بڑے گناہوں سے بچو جن سے تمھیں روکا جاتا ہے۔''

(اس کے آگے آیت میں مذکور ہے کہ ہم تمھارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے) جب صحابہ کو گالی دینے کا یہ حال ہے تو اس میں کم از کم جو سزا دی جا سکتی ہے وہ تعزیر ہے، تعزیر ہر اس گناہ میں مشروع ہے جس میں حد اور کفارہ نہ ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔''[1]

اس امر میں اصحاب علم و فقہ، تابعین عظام و دیگر اہل سنت والجماعت کے مابین کوئی خلاف و نزاع نہیں پایا جاتا اور وہ اس ضمن میں یک رنگ اور ہم آہنگ ہیں کہ صحابہ کی مدح و توصیف، اُن کے لیے دعائے مغفرت و رحمت، ان سے اظہارِ رضا مندی، ان کے ساتھ الفت و محبت اور موالات واجب اور ان کے مخالف کو سزا دینا ضروری ہے۔

ان لوگوں کے دلائل جن کے نزدیک دشنام دہندۂ اصحاب کو قتل کرنا روا نہیں:

جن لوگوں کا موقف یہ ہے کہ غیر نبی کے دشنام دہندہ کو قتل نہ کیا جائے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سابق الذکر واقعہ سے احتجاج کرتے ہیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سخت سست کہا اور ایک روایت میں ہے کہ اُس نے آپ کو گالی دی، ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کو قتل کر دیجیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹا اور کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ نیز اس لیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجر بن ابی امیہ کو لکھا تھا کہ انبیاء کی حد دیگر حدود شرعیہ کی طرح نہیں۔ نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کو ایذا دینے والوں میں فرق و امتیاز روا رکھا ہے، چنانچہ اللہ کو ایذا دینے والوں کو دنیا و آخرت میں مطعون ٹھہرایا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والے کے بارے میں فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۲٤٤۳)

﴿فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [النساء: ۱۱۲]

''اس نے بہتان اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔''

ظاہر ہے کہ مطلق بہتان اور گناہ کی وجہ سے قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی بلکہ اس سے سزا فی الجملہ واجب ہوتی ہے، لہٰذا اُسے مطلق سزا دی جائے گی، جس سے قتل کا جواز لازم نہیں آتا، نیز اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کسی مسلمان مرد کا خون بہانا جائز نہیں جو کلمہ طیبہ کی شہادت دیتا ہو، جب تک وہ تین باتوں میں سے کسی ایک کا مرتکب نہ ہو اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کرنا۔

۲۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرنا۔

۳۔ وہ کسی کو قتل کرے تو مقتول کے عوض اُسے قتل کیا جائے گا۔''[1]

اور غیر انبیاء کو مطلق گالی دینے سے اس کا کفر لازم نہیں آتا، اس لیے کہ عہد رسالت میں لوگ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے مگر اس کی بنا پر کسی کو کافر قرار نہیں دیا گیا تھا، نیز اس لیے کہ کسی خاص صحابی پر علی التعیین ایمان لانا واجب نہیں، لہٰذا اُن میں سے کسی ایک کو گالی دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شخص اللہ اس کے رسول، اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں اور آخری دن پر ایمان نہیں رکھتا۔

دشنام دہندۂ صحابہ کو قتل کرنے کے دلائل:

اس کی ایک دلیل تو مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾
[الفتح: ۲۹]

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں، کفار پر بڑے سخت اور آپس میں بہت رحم کرنے والے ہیں۔''

اس آیت کے الفاظ ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (تاکہ اُن کی وجہ سے کفار کو غصہ دلایا جائے، اور جب کفار صحابہ کی وجہ سے غص میں آتے ہیں تو جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ناراض کیا گویا وہ بھی کفار کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہوگیا، جس کی وجہ سے اللہ نے اُن کو ذلیل و رسوا کیا اور اُن کے کفر کی

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٨٧٨) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٦٧٦)

بنا پر اُن کو سرنگوں کیا اور کفار کے ساتھ اُن کو غصے میں، جس کی وجہ سے اُن کو رُسوا کیا گیا وہی شخص سہیم و شریک ہوگا جو کافر ہو، اس لیے کہ مومن کو کفر کی وجہ سے ذلیل و رسوا نہیں کیا جاتا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ میں حکم کو ایسے وصف کے ساتھ معلق کیا گیا ہے جو مشتق ہے اور مناسب بھی، اس لیے کہ کفر اس لائق ہے کہ اُس کے حامل کو غصہ دلایا جائے جب کفر ہی اس بات کا موجب ہو کہ اللہ اُس کے حامل کو محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے غصہ دلائے تو جس کو اللہ اصحاب محمد کی وجہ سے غصہ دلائے اُس کے حق میں اس کا موجب پایا گیا اور وہ کفر ہے۔

امام عبداللہ بن ادریس اَودی کہتے ہیں: مجھے ڈر ہے کہ شیعہ کہیں کفار کے مماثل نہ ہوں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (تاکہ اُن کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے۔) اور یہی معنی ہیں امام احمد کے اس قول کے کہ میں ایسے آدمی کو مسلمان نہیں سمجھتا۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی اسی قبیل سے ہے کہ جس نے اُن کے ساتھ عداوت رکھی اور جس نے اُن کو الم و رنج پہنچایا اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ کو ایذا دی۔ رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

> ”جس نے ان کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اُس کے فرائض اور نوافل کو قبول نہیں کرے گا۔“

ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ایذا کفر ہے اور قتل کی موجب بھی، جیسا کہ پیچھے گزرا اور اسی سے اس بات کا فرق واضح ہو جاتا ہے کہ حصولِ صحبت سے پہلے اور حصول صحبت کے بعد صحابہ کو گالی دینے اور عام مسلمانوں کو گالی دینے میں کیا فرق ہے، ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ ایک آدمی اسلام کا اظہار کرتا تھا اور اس کے بارے میں یہ امکان تھا کہ کہیں منافق یا مرتد نہ ہو، لیکن اگر کوئی شخص آپ کی صحبت پر قائم ہوتے ہوئے فوت ہو جائے اور وہ نفاق سے متہم نہ ہو تو اس کو ایذا دینا اُس ہستی کو ایذا دینا ہے جس کی صحبت کا شرف اُسے حاصل رہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ”لوگوں کو اُن کے احباب پر قیاس کیا کرو۔“

کسی شاعر کا قول ہے ؎

عن المرء لا تسأل وسل عن قرينه
فكل قرين بالمقارن يقتدي

”آدمی کے بارے میں مت پوچھ (بلکہ) اس کے ساتھی کے بارے میں پوچھ، اس لیے کہ ہر ساتھی اپنے رفیق کی پیروی کرتا ہے۔“

امام مالک رحمہ اللہ کی رائے شیعہ کے بارے میں:

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ (شیعہ) تو ایسے لوگ ہیں کہ دراصل یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرنا چاہتے تھے مگر ایسا ہو نہ سکا تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو نقد و جرح کی آماجگاہ بنالیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا جا سکے کہ (نعوذ باللہ من ذلک) آپ بُرے آدمی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر صالح شخص ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی صالحین میں سے ہوتے۔“

یا جیسے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس لیے کہ صحابہ میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اللہ اور اس کے رسول کا ناصر اور مؤید نہ ہو، اپنی جان و مال کے ساتھ رسول کریم کا دفاع نہ کرتا ہو اور اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہارِ دین اور بوقتِ ضرورت تبلیغِ رسالت میں آپ کا مدد و معاون نہ ہو، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنوز ثبات وقرار حاصل نہ ہوا تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت لوگوں میں پھیلی تھی۔ اکثر لوگوں کے قلوب و نفوس آپ کے دین سے مطمئن نہیں ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ اگر لوگ کسی شخص کی اطاعت کرتے ہوں اور ہر کوئی اُسے ستائے تو اس کا ساتھی ضرور اس سے ناراض ہوگا اور اسے اس کی ایذا رسانی پر محمول کرے گا۔

نُسیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو فرماتے سنا:

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالی مت دو، اس لیے کہ ان میں سے کسی ایک کا کھڑے ہونا تمھارے تمام اعمال سے افضل ہے۔“

اس کو لالکائی نے روایت کیا ہے۔ گویا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ مفہوم مندرجہ ذیل حدیث نبوی سے اخذ کیا:

”اگر تم میں سے کوئی کوہِ اُحد جتنا سونا بھی خرچ کرے تو ان سے کسی کے عُشرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔“[1]

اور یہ بہت نمایاں فرق ہے، ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مجھے اُس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑ کر (پودا اُگایا) اور رُوح کو پیدا کیا، بلاشبہ نبی اُمی نے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٦٧٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٤٠، ٢٥٤١)

میرے ساتھ عہد کیا کہ تجھ سے محبت وہی کرے گا جو مومن ہوگا اور تمھارے ساتھ دشمنی وہی رکھے گا جو منافق ہوگا۔[1] (صحیح مسلم)

ایک روایت میں ہے جس کو بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایمان کی علامت انصار کے ساتھ محبت کرنا ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا۔''[2]

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''انصار کے ساتھ محبت وہی شخص کرتا ہے جو مومن ہو اور اُن کے ساتھ عداوت وہی شخص رکھتا ہے جو منافق ہو۔''[3]

بخاری و مسلم نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں فرمایا:

''اُن کے ساتھ محبت وہی کرتا ہے جو مومن ہو اور دشمنی وہی رکھتا ہے جو منافق ہو، جو اُن سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے عداوت رکھے گا اللہ اُن سے عداوت رکھے گا۔''[4]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

''جو شخص اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ انصار کے ساتھ بغض نہیں رکھتا۔''[5] (صحیح مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''جو شخص اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ انصار کے ساتھ عداوت نہیں رکھتا۔''[6] (صحیح مسلم)

---

1. صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۳۱)
2. صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۷) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۸)
3. صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۷۸۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۹)
4. صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۷۸۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۹)
5. صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۳۰)
6. صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۳۰)

جس نے انصار کو گالی دی اس نے انصار کے بغض میں اور اضافہ کیا۔ ایسا شخص لازماً اللہ اور آخری دن پر ایمان نہ لانے والا منافق ہے، انصار کی تخصیص اس لیے فرمائی، واللہ اعلم کہ انھوں نے مہاجرین سے پہلے مدینے میں اقامت اختیار کی اور نورِ ایمان سے منور ہوئے۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ کو اپنے یہاں ٹھہرایا، آپ کی مدد کی اور آپ ﷺ کا دفاع کیا، اقامتِ دین کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کیا، آپ ﷺ کی وجہ سے اسود و احمر کے ساتھ عداوت گوارا کی، مہاجرین کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور اُن کے ساتھ مالی ہمدردی کی، مہاجرین اس وقت تعداد میں کم، غریب الوطن، مفلس و قلاش اور کمزور تھے، جو شخص سیرت کے علم سے اور رسول کریم ﷺ کے حالات سے بہرہ ور ہو، نیز آپ کی خدمات جلیلہ سے آگاہ ہو اس کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول سے محبت بھی رکھتا ہو، اُن سے محبت استوار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

غالباً آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ لوگ انصار کی قدر و منزلت سے آگاہ ہوں، اس لیے کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ لوگ تعداد میں بڑھتے جائیں اور انصار کم ہوتے جائیں گے، اقتدار پر مہاجرین فائز ہوں گے، جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی تائید و نصرت میں انصار کا شریک ہو تو وہ دراصل ان کا شریک و سہیم ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ﴾ [الصف: ١٤]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ۔''

پس اللہ اور اس کے رسول کی تائید و حمایت کرنے والوں کے ساتھ بغض رکھنا نفاق ہے۔ اسی قبیل کی وہ روایت ہے جس کو طلحہ بن مصرف نے نقل کیا ہے کہ بنو ہاشم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے دشمنی رکھنا نفاق ہے، اور جو شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ (کے ایمان و تدیّن) میں شک کرے وہ اسی طرح ہے جیسے سنت نبوی میں شک کرنے والا۔ ❶ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جس کو کثیر النواء نے بطریق ابراہیم بن حسن بن علی بن ابی طالب از والدِ خود از جدّ خود نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

''آخری زمانہ میں میری امت میں ایک قوم نمودار ہوگی جس کا نام ''رافضہ'' ہوگا، وہ اسلام

---

❶ فضائل الصحابة للإمام أحمد (٢/ ٩٦٨)

کو پرے پھینک دیں گے۔"[1]

اس کو عبداللہ بن احمد نے اپنے والد کے مسند میں نقل کیا ہے۔ حدیث باسانید کثیرہ از یحییٰ بن عقیل از کثیر نیز بطریق ابی شہاب عبدربہ بن نافع الخیاط از کثیر النواء از ابراہیم بن الحسن از والد خود از جد خود مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "قیام قیامت سے قبل ایک قوم نمودار ہوگی جس کو "رافضہ" کہا جائے گا وہ اسلام سے بیزار ہوں گے۔"[2] علماء کے نزدیک کثیر النواء ضعیف راوی ہے۔

نیز ابو یحییٰ الحمانی نے بطریق ابو جناب کلبی از ابو سلیمان ہمدانی از عم خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "اے علی! تم اور تمھارا گروہ جنت میں جائے گا، ایک قوم جو ایک لقب سے ملقب ہوگی اُسے رافضہ کہا جائے گا، اگر تُو ان کو پالے تو قتل کر دو، اس لیے کہ مشرک ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ لوگ حب اہل بیت کے مدعی ہوں گے، حالانکہ وہ محب نہیں ہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہیں۔"[3]

عبداللہ بن احمد نے بطریق محمد بن اسماعیل احمسی از ابو یحییٰ روایت کیا ہے اور ابوبکر الاثرم نے اس کو اپنے سنن میں بطریق معاویہ بن عمرو از فضیل بن مرزوق از ابی جناب از ابو سلیمان ہمدانی از مردے از قوم خود روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "کیا میں تجھے ایک ایسا عمل نہ بتاؤں کہ اُسے انجام دے کر تم اہل جنت میں سے ہو جاؤ؟ اور بلاشبہ آپ اہل جنت میں سے ہیں، بے شک ہمارے بعد ایک قوم نمودار ہوگی جس کا ایک لقب ہوگا، ان کو روافضہ کہا جائے گا، اگر تم انھیں پاؤ تو اُن کو قتل کر دو، اس لیے کہ وہ مشرک ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے بعد ایک قوم آئے گی جو جھوٹ موٹ ہماری محبت کا دعویٰ کرے گی، وہ دین سے نکل جانے والے ہوں گے، ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں گے۔"[4]

ابو القاسم بغوی نے بطریق سوید بن سعید از محمد بن حازم از ابی جناب الکلبی از ابو سلیمان ہمدانی

---

1. مسند أحمد (١/ ١٣٦) یہ روایت ضعیف ہے۔
2. السنة لعبد الله بن أحمد (٢/ ٥٤٧)
3. السنة لعبد الله بن أحمد (٢/ ٥٤٧)
4. شرح أصول الاعتقاد للالكائي (٨/ ١٤٥٤)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''آخری زمانہ میں ایک قوم نمودار ہوگی جس کا ایک لقب ہوگا، ان کو رافضہ کہا جائے گا، وہ اسی سے پہچانے جائیں گے، وہ اپنے آپ کو ہماری طرف منسوب کریں، حالانکہ وہ ہماری جماعت میں سے نہیں، ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دینے والے ہوں گے، تم جہاں کہیں انھیں پاؤ، انھیں قتل کر دو، اس لیے کہ وہ مشرک ہوں گے۔[1]

سوید نے بطریق مروان بن معاویہ از حماد بن کیسان از والد خود روایت کیا ہے، اس کی بہن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھی، کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ ''آخری زمانہ میں ایک قوم ہوگی جن کا ایک لقب ہوگا ان کو رافضہ کہا جائے گا، وہ اسلام کو دور پھینک دیں گے، انھیں قتل کر دو، اس لیے کہ وہ مشرک ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ موقوف روایت اُس مرفوع روایت کی بلحاظ معنی و مفہوم موید ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مرفوعاً اسی طرح منقول ہے، اس کی سند میں سوار بن مصعب نامی راوی متروک الحدیث ہے۔

ابن بطہ باسناد خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے چُنا اور میرے لیے میرے صحابہ کو چنا اور ان کو میرا مددگار اور میرے سُسرال بنا دیا، قرب قیامت ایک قوم نمودار ہوگی جو ان سے عداوت رکھے گی۔ خبردار! اُن کے ساتھ مل کر مت کھاؤ، پیو اور نہ ہی نکاح کا رشتہ قائم کرو، نہ ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھو اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ پڑھو، ان پر لعنت نازل ہو چکی ہے۔''[2]

یہ حدیث محل نظر ہے، اس سے غریب تر اور ضعیف تر حدیثیں بھی روایت کی گئی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے صحابہ کو گالی مت دو، ان کا کفارہ (یہ ہے کہ گالی دینے والے کو) قتل کیا جائے۔''[3]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، چنانچہ ابو الاحوص نے بطریق مغیرہ از شباک از ابراہیم روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ عبداللہ بن سوداء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، انھیں کہا گیا کہ آپ ایسے آدمی کو قتل کر رہے ہیں جو اہل بیت کی محبت کی دعوت دیتا ہے؟ فرمایا: وہ میرے ساتھ ہرگز ایک مکان میں نہیں رہ سکتا۔[4]

[1] مصدر سابق.

[2] السنة للخلال (ص: ٤٨٣)

[3] یہ حدیث نہیں ملی۔

[4] شرح أصول الاعتقاد (٧/ ١٢٦٤)

شباک کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ ابن السوداء، حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے عداوت رکھتا ہے، چنانچہ آپ نے اُسے بلایا اور ساتھ ہی تلوار بھی منگوائی۔ یا راوی نے یوں کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کرنے کا ارادہ کیا، اس کے بارے میں آپ پر اعتراض کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ میرے ساتھ ہرگز ایک شہر میں قیام نہیں کر سکے گا۔'' چنانچہ آپ نے اُسے المدائن کے شہر کی طرف جلاوطن کر دیا۔ ابو الاحوص سے اسی طرح محفوظ ہے۔ اسی کو النجاد، ابن بطہ اور اللالکائی وغیرہم نے بھی روایت کیا ہے، اور ابراہیم سے منقول مرسل روایات بھی قابل قبول ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی آدمی کے قتل کا ارادہ کر سکتے ہیں جس کو قتل کرنا ان کے نزدیک حلال ہو، اس امر کا احتمال ہے کہ اس کو قتل کرنے سے فتنے کا اندیشہ ہو اس لیے آپ نے اسے قتل نہ کیا، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض منافقین کو قتل کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں کے دلوں میں انتشار پیدا ہو گیا تھا، ان کے لشکر میں بہت سے فتنہ باز لوگ تھے جن کے مددگار ان کے قبیلے تھے، اگر آپ ان سے انتقام لینا چاہتے تو ان کے قبائل میں غم و غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی۔ اسی قسم کے واقعات کی وجہ سے جنگ جمل بپا ہوئی تھی۔

سلمہ بن کہیل، سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! اگر آپ کسی آدمی کے بارے میں سنتے کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کافر کہہ کر گالیاں دے رہا ہے تو کیا آپ اس کی گردن اڑا دیتے؟ کہا: جی ہاں۔ اس کو امام احمد رحمہ اللہ اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔[1] نیز اس کو ابن عیینہ نے بطریق خلف بن حوشب از سعید بن عبدالرحمٰن بن اَبزیٰ روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ اگر آپ ایسے آدمی سے ملتے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دے رہا ہوتا تو آپ اس سے کیا سلوک کرتے؟ کہا، میں اس کی گردن اڑا دیتا، میں نے کہا: اگر وہ شخص عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا تو پھر کیا کرتے؟ کہا: تب میں اسے قتل کر دیتا۔

عبدالرحمٰن بن اَبزیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے۔ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نمازیں پڑھی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مکے کا گورنر مقرر کیا تھا اور فرمایا: ''قرآن نے اس شخص کا مرتبہ بلند کر دیا ہے۔'' یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہی جب آپ کو بتایا گیا کہ عبدالرحمٰن علم الفرائض کا عالم اور کتاب اللہ کا قاری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

[1] السنة للخلال (ص: ٢٥٥)

عبدالرحمٰن کو خراسان کا عامل مقرر کیا تھا۔ قیس بن الربیع نے بطریق وائل از البھی روایت کیا ہے کہ عبیداللہ بن عمر اور حضرت مقداد کی آپس میں تکرار ہوگئی، عبیداللہ بن عمر نے مقداد کو گالی دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس لوہار کو لاؤ تاکہ میں اس کی زبان کاٹ دوں اور اس کے بعد کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالی دینے کی جرأت نہ کرے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ کی زبان کاٹنے کا ارادہ کیا، چند صحابہ نے اس ضمن میں ان سے گفتگو کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے اپنے بیٹے (عبیداللہ) کی زبان کاٹنے دو تاکہ اس کے بعد کوئی شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کو حنبل، ابن بطہ، اللالکائی اور دیگر علماء نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زبان کاٹنے سے اس لیے رُک گئے کہ چند اصحاب الحق یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس بارے میں سفارش کی، ممکن ہے کہ حضرت مقداد بھی سفارش کرنے والوں میں شامل ہوں۔

فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بدّو کو لایا گیا جو انصارِ مدینہ کی ہجو کہتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ شخص شرف صحبت سے مشرف نہ ہوتا تو میں تمھیں اس کو روکنے کی زحمت سے بچا لیتا (اس کو قتل کر دیتا) اس کو ابو ذر الہروی نے روایت کیا ہے۔ اس کی مؤید وہ روایت ہے جس کو الحکم بن حجل نے نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا، کہتے تھے کہ جو شخص مجھے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر ترجیح دے گا میں اس پر حدّ قذف لگاؤں گا۔ علقمہ بن قیس سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''مجھے پتہ چلا ہے کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں، اگر مجھے قبل ازیں اس کا پتہ چل جاتا تو میں ان کو سزا دیتا، مگر میں نصیحت آموزی سے قبل سزا دینے کو ناپسند کرتا ہوں اور جس نے اس کے بعد کوئی ایسی بات کہی تو وہ مفتری ہے اور اُسے مفتری کی سزا دی جائے گی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، پھر عمر۔ ہر دو روایات کو عبداللہ بن احمد نے نقل کیا ہے، ابن بطہ اور اللالکائی نے اس کو بروایت سوید بن غفلہ از علی ایک طویل خطبے کی سلسلہ میں نقل کیا ہے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے باسناد صحیح ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت

---

[1] السنة للألكائي (٧/ ١٢٦٣)

[2] السنة للألكائي (٧/ ١٢٩٥)

کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا تو قبیلہ عطارد کے ایک شخص نے کہا: ''عمر رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں''، جبکہ جارود نے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے چابک سے مارنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اس کا پیشاب نکل گیا، پھر جارود کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا دور ہو جاؤ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوبکر رسول کریم ﷺ کے بعد فلاں فلاں امور میں سب سے افضل تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: جو اس کے برعکس کہے گا میں اس پر حد قذف لگاؤں گا۔[1]

جب دونوں خلفاء یعنی حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینے والے پر حد قذف لگاتے تھے یا اس شخص پر حد قذف لگاتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں افضل قرار دے حالانکہ محض فضیلت دینے میں گالی گلوچ اور نقص و عیب کا پہلو موجود نہیں ہوتا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک گالی کی سزا اس سے کہیں زیادہ ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں قول فیصل:

جو شخص گالی دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ الٰہ تھے یا یوں کہے کہ دراصل وہی نبی تھے اور جبریل سے پیغام رسانی میں غلطی ہوئی تو اس کا کفر کسی شک و شبہ سے بالا ہے، بلکہ جو شخص اس کی تکفیر میں توقف کرے اس کے کفر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح جو لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ قرآن میں کچھ آیات کم ہیں اور ان کو چھپا لیا گیا ہے یا اس کا یہ گمان ہو کہ قرآن کی کچھ باطنی تاویلات ہیں جن سے شرعی احکام کا سقوط لازم آتا ہے یا اس کی مانند تو یہی لوگ ہیں جن کو قرامطہ، باطنیہ اور تناسخیہ کہا جاتا ہے ان کے کفر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

جو شخص صحابہ کو ایسی گالی دے جس سے اُن کی عدالت اور دین داری مجروح نہ ہوتی ہو، مثلاً بعض صحابہ کو بخیل یا بزدل یا کم علم یا غیر زاہد کہے تو تعزیر لگا کر اس کی تادیب کی جائے، محض اس بنا پر ہم اس کی تکفیر نہیں کرتے۔ چنانچہ جن اہل علم نے ان کی تکفیر نہیں کی ان کے کلام کو اسی پر محمول کرنا چاہیے، مگر جو شخص صحابہ پر لعنت کرے یا ان کی علی الاطلاق مذمت کرے تو یہ محل نزاع ہے، اس لیے کہ یہ معاملہ لعنت کے دو پہلوؤں کے مابین متردد ہے کہ آیا غصے کی لعنت مراد ہے یا اعتقادی لعنت؟

جو شخص اس سے تجاوز کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ چند ایک کے سوا یہ لوگ رسول کریم ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے تھے، جو لوگ ارتداد سے بچ سکے ان کی تعداد دس (۱۰) سے کچھ اوپر تک پہنچتی ہے یا یہ کہ

[1] فضائل الصحابۃ (۱/ ۳۰۰)

ان میں سے اکثر فاسق ہو گئے تھے تو ایسے شخص کے کفر میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، اس لیے کہ قرآن نے جس بات کی چند مقامات پر تصریح کی ہے وہ اسے جھٹلاتا ہے، مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے یا یہ کہ قرآن میں ان کی مدح و توصیف کی گئی ہے، ایسے آدمی کے کفر کے بارے میں کون شک کر سکتا ہے؟ اس کا کفر تو ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔

ان لوگوں کا مدعا یہ ہے کہ کتاب و سنت کے ناقلین کافر یا فاسق تھے حالانکہ قرآن میں فرمایا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ١١٠]

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہو۔''

مگر بقول ان کے یہ قرن اول کے لوگ تھے اور ان میں سے اکثر کافر یا فاسق تھے، ان کے نزدیک آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ بدترین امت ہے اور اس امت کے جو پیشرو تھے وہ شریر تھے، بھلا ایسے شخص کے کفر میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کی زبان سے ایسے اقوال صادر ہوتے ہیں وہ زندیق ہیں۔ زیادہ تر زنادقہ اپنے مذہب کو چھپا کر رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کی مثالیں ظاہر ہو چکی ہیں اور متواتر نقول سے ثابت ہے کہ ان کے چہرے دنیا اور آخرت میں خنزیر کی صورت میں مسخ ہو جائیں گے۔ علماء نے ایسے تمام دلائل جو اس ضمن میں انھیں معلوم ہو سکے یکجا کر دیے ہیں۔ حافظ صالح ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی بھی ان مصنفین کے زمرہ میں شامل ہیں جنھوں نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں، ان کی کتاب کا موضوع ''النهي عن سبّ الأصحاب وما جاء فيه من الاثم والعقاب'' ہے۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ کہ دشنام دہندگان کی ایک قسم ایسی ہے جن کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، اور بعض ایسے ہیں کہ جن کے کفر کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور بعض وہ ہیں جن کے بارے میں تردد و تذبذب کی گنجائش ہے، مگر اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، ہم نے یہ مسائل اس لیے ذکر کر دیے ہیں کہ جس مسئلے کا ذکر و بیان یہاں مقصود تھا اس کی تکمیل ان مسائل سے ہوتی ہے۔

یہ ہیں وہ تفصیلات جن کا تذکرہ اس باب میں ہمارے لیے آسان ہوا، اللہ نے جس چیز کو ہمارے لیے آسان کیا اور جو مقتضائے وقت بھی تھا اس کو ہم نے صفحۂ قرطاس پر ثبت کر دیا۔ بارگاہِ ربانی

میں دعا کناں ہوں کہ وہ اس کو خالصاً لوجہ اللہ بنائے اور اس کے ذریعے قارئین کرام کو نفع پہنچائے، نیز ہمیں اُن اقوال واعمال کی توفیق ارزانی فرمائے جو اس کی رضا مندی کے موجب ہوں۔

والحمد لله رب العالمين، وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه وسلم تسليما.

الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول

مکتبہ قدوسیہ

رحمان مارکیٹ ⊙ غزنی سٹریٹ ⊙ اردو بازار ⊙ لاہور پاکستان

Ph: 42-37351124 , 37230585
E-mail: maktaba_quddusia@yahoo.com
Website: www.quddusia.com